مُطالعۂ تصوّف

[قرآن و سنت کی روشنی میں]

ڈاکٹر غلام قادر لون

MARKAZI MAKTABA ISLAMI PUBLISHERS
خذ الكتب بقوة
NEW DELHI
★ مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز ★

MARKAZI MAKTABA ISLAMI PUBLISHERS

خذ الکتب بقوۃ

NEW DELHI

★ مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز ★

مطالعۂ تصوّف

(قرآن و سُنّت کی روشنی میں)

ڈاکٹر غلام قادر لون

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی ۲۵

مطبوعات ہیومن ویلفیئر ٹرسٹ (رجسٹرڈ) نمبر ۳

نام کتاب	:	مطالعہ تصوف (قرآن وسنت کی روشنی میں)
مصنف	:	ڈاکٹر غلام قادر لون
صفحات	:	۶۰۵
اشاعت		
پانچواں ایڈیشن	:	جنوری ۲۰۲۳ء
تعداد	:	۵۰۰
قیمت	:	**-/۵۰۰ روپے**
ناشر	:	**مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز**

ڈی ۳۰۷، دعوت نگر، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی۔ ۱۱۰۰۲۵
فون: ۲۶۹۸۱۶۵۲، ۲۶۹۸۴۳۴۷
موبائل: 7290092401 واٹس ایپ: 7290092403
E-mail: mmipublishers@gmail.com
E-mail: info@mmipublishers.net
Website: www.mmipublishers.net

مطبوعہ : H.S. Printers, Tronica City, U.P

ISBN 978-93-93192-95-0

MUTAAL-E-TASAWUF (Urdu)
(Qur'an-o-Sunnat Ki Roshni Mein)
By: Dr. Ghulam Qadir Lone
Pages: 605
Price: ₹500.00

انتساب

والدہ مرحومہ اور والد محترم کے نام

رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا

غلام قادر لون

۶

فہرستِ مضامین

مقدمہ

برادرِ عزیز غلام قادر لون کی یہ کتاب دراصل ان کا وہ تحقیقی مقالہ ہے جسے کئی سال کی مزید محنت، ترمیم و تنسیخ اور حذف و اضافے کے بعد موجودہ صورت میں پیش کر رہے ہیں۔ روایتی مدرسی تعلیم سے دور خالص یونیورسٹی کی پیداوار کسی طالب علم کا عربی زبان میں اس درجہ رسائی اور درک حاصل کر لینا جس سے کہ وہ تصوّف، کے ساتھ اسلامیات کے پھیلے ہوئے ذخیرے کے بنیادی ماخذ سے براہ راست اخذ و استفادہ کر سکے اپنے آپ میں حد درجہ لائق قدر ہے۔ اس سے زیادہ خوشی اس بات سے کہ فکر اسلامی کے اہم ترین شعبے "تصوّف"، کے اوّلین بنیادی ماخذ سے وہ پھیلا ہوا مواد جو اس کتاب کے ذریعہ سامنے آرہا ہے۔ غالباً اب تک کے مطبوعہ اردو ذخیرے میں اس کی نظیر ملنی مشکل ہے موضوع کے متعلقہ اطراف و جوانب کے سلسلے میں بھی ڈاکٹر لون نے اسی چستی اور مستعدی کا مظاہرہ کیا ہے۔ اور اپنی ریسرچ کے خاص معیار کو انہوں نے کہیں گرنے نہیں دیا ہے۔ اپنی اس خصوصیت سے عصری جامعات میں مشغول علم مدارس عربیہ کے فارغ التحصیل فضلاء کے لیے یہ ایک نمونے کی کوشش ہے جس کی پیروی سے وہ عزم و ہمت کے ساتھ بیداری و ہوش مندی کی ہم کابی سے عربی و اسلامیات کی ریسرچ کے روایتی موضوعات سے ہٹ کر ایسے عنوانات پر بھی کام کر سکتے ہیں، جس سے ان کی عصری تعلیم کی تکمیل کی ضرورت کے ساتھ مدارس دینیہ اور ان کی پسند کے موضوعات کا بہت حد تک حق ادا کیا جا سکتا ہے ڈاکٹر لون کا یہ مقالہ بشرط توفیق مخصوص مدارس عربیہ کے ذمہ داران و منتظمین کے لیے چشم کشا اور باعث عبرت ہو سکتا ہے۔ جو علم کی محدود سے محدود تر مقدار کے ساتھ محض عبارت فہمی اور اپنی پسند کی عربی دانی کو علمیت

کی معراج یاور کرتے ہیں۔

"تصوّف،، کے موضوعات میں عام طور پر بہت زیادہ تنوع نہیں ہے۔ جس طرح فکر اسلامی کے اس کے توأم 'فقہ'، کے مخصوص عنوانات ہیں۔ جن کے تحت ہی اس کی کتابوں پر گفت گو کی جاتی ہے۔ اپنی ترجیحات میں تصوّف کا معاملہ اس سے مختلف نہیں ہے۔ عقائد میں استحضار کی کیفیت، رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی شدید محبّت اور عبادات میں ایک خاص طرح کی گہرائی اور انہماک کی اپنی بنیادی خصوصیات کے ساتھ خدمت خلق اور حسن اخلاق وغیرہ کے پہلو بہ پہلو زہد ومجاہدہ اور فقر وتوکل وغیرہ تصوف کے مخصوص موضوعات ہیں۔ جو بلا استثنا اس فن شریف کی تمام امہاتِ کتب کا یکساں موضوع ہیں۔ ڈاکٹر لون نے ان عنوانات پر اوریجنل ماخذ سے بہت ہی شافی اور سیر حاصل مواد فراہم کیا ہے۔ فکر اسلامی کے عام انحطاط میں تصوّف کا معاملہ اس سے مختلف نہیں ہے۔ جہاں ہر فن میں متاخرین در متاخرین کے اقوال اور ان کی حاشیہ آرائیوں پر تمام تر انحصار ہو گیا ہے۔ یہ کتاب اس عام روش سے ہٹ کر تصوف کے اصل مراجع سے متعلقہ عنوانات ومباحث کا احاطہ کرتی ہے۔ کتاب کا موضوع چونکہ قرآن وسنّت کی روشنی میں تصوف کا مطالعہ ہے۔ اس لیے ساتھ ہی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں اس کے بعض نکات کے ان سے امکانی ٹکراؤ کو بھی اسی طرح شرح وبسط کے ساتھ سامنے لایا گیا ہے۔ دین میں اصل حیثیت تو قرآن وسنت ہی کی ہے اور تمام اکابر صوفیا کی تصریحات بھی اس کے حق میں ہیں جس سے اس کی کوئی قابل ذکر کتاب خالی نہیں ہے۔ اس لیے اس امکانی ٹکراؤ کو بجا طور پر سامنے آنا چاہیے۔ اور اس مسئلے کی ہر مخلصانہ کوشش لائق قدر ہی نہیں باعث شکر گزاری ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس طرح کے مواقع پر تصوّف کی بہت سی باتیں اپنی مخصوص اصطلاحات اور خاص طرز کلام میں کہی گئی ہوں اور ان کا اصل منشا وہ نہ ہو جو بظاہر ان سے مترشح ہوتا ہے۔ تو قابل قدر نقد ونظر کا یہ وہ حصّہ ہے جس کی فقہ اور تصوف ہی کو نہیں علم تفسیر اور علم حدیث کو بھی اسی طرح ضرورت ہے۔ بے لچک جامد اور رسمی تقلید اگر دیگر فنون عالیہ پر جمود و پسندیدہ نہیں تو تصوّف کے معاملے کو اس سے مختلف نہ ہونا چاہیے۔ تصوف سے

مثبت وابستگی کے حلقوں کے لیے بھی یہ کتاب دلچسپی سے خالی نہ ہوگی۔ تصوف کی باتیں اس میں جس طرح شرح وبسط کے ساتھ بے آمیز طریقے پر آگئی ہیں، وہ اپنے آپ میں قیمتی ہیں جن سے ہر شخص حسب توفیق وصلاحیت فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ اسقاط الوسائط، شطحات اور رجال الغیب کی بحثیں خاص طور پر دلچسپی کی ہیں جن پر اس قدر وافر مواد غالباً اردو زبان میں پہلی بار سامنے آرہا ہے۔

فکر اسلامی کے دوسرے تمام شعبوں کے بالمقابل تصوف کو یہ رکاوٹ Setback کچھ زیادہ ہی حاصل ہے۔ کہ اول اس پر تنقید کی تیز نگاہیں ہی پڑتی ہیں۔ اس میں کسی قدر دخل فی زمانہ تصوف کی ناقص نمائندگی اور اس کی حد درجہ زوال پذیر خانقاہیت کا بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن ہمیشہ سے محققین کا مقام اس سے اوپر ہونا چاہیے مقابلتاً کمتر سہی مدارس کا زوال کم نہیں۔ اس کے باوجود مدارس کے موضوعات اور ان کے مآخذ سے استفادہ میں کوئی تحفظ نہیں۔ تصوف کے معاملہ کو بھی اس سے مختلف نہ ہونا چاہیے۔ مقامات واحوال سے قطع نظر نفس فہم قرآن وحدیث میں ذخیرہ تصوف کا عطیہ Contribution کم نہیں ہے۔ جس سے محرومی کی دوسری صورتوں سے تلافی ممکن نہیں ہو سکتی اپنی ترجیحات کے دائرے میں قرآن وسنّت کے متعلقہ مقامات میں دقت نظر اور گہرائی کے جو نمونے محققین صوفیاء کے لٹریچر میں دستیاب ہیں۔ تصوف کے لذّت آشناؤں سے ہٹ کر اسلامیات کے عام اسکالروں اور محققین کے لیے اس میں لازمی دلچسپی ہونی چاہیے۔ اس علمی خدمت کے ساتھ اشاعت اسلام اور حفاظت اور دفاع اسلام اور امت مسلمہ میں بھی نمایندگان تصوف کے کارنامے کم نہیں ہیں۔ زیر نظر کتاب کا آخری حصہ اسلامی تاریخ میں تصوف کے اسی مثبت پہلو کی ایک جھلک پیش کرتا ہے۔

ان خصوصیات کے ساتھ امید ہے کہ اس کتاب کو ہاتھوں ہاتھ لیا جائے گا۔ دُعا ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ڈاکٹر لون کی اس کاوش کو شرف قبول سے نوازیں۔ ان کے علم میں اضافہ کریں۔ اور ان کو ہمت اور توفیق دیں کہ وہ اس کے مزید پہلوؤں کو اسی شرح وبسط سے پیش کر سکیں۔ کتاب کی بہترین زبان اور اس کی ادبی چاشنی اس کا دوسرا امتیازی پہلو ہے جس کی بدولت تصوف کے بظاہر خشک مواد

کو ادب کی لذت سے پوری دلچسپی اور کسی گرانی کے بغیر پڑھا جا سکتا ہے۔

و آخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین . والصّلوٰۃ والسّلام علٰی رسولہ الکریم وعلٰی آلہ و صحبہٖ اجمعین الی یوم الدین . صلاۃً وسلاماً دائماً کثیراً کثیراً کما یحبہ تعالیٰ و یرضاہ

سلطان احمد اصلاحی

۱۹ رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ

۳ مارچ ۱۹۹۴ء جمعرات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش گفتار

تصوف حال ہے اسے قال کے دائرے میں لانا خالص علمی عمل ہے۔ صوفیانہ احوال و واردات کی ترجمانی کے لیے لفظ و عبارت کی نارسائی ہر دور میں محسوس کی جاتی رہی ہے، تاہم تیسری صدی ہجری میں جب تصوف کی تدوین کی ضرورت پیش آئی تو زبان و قلم کا استعمال ایک امرِ ناگزیر تھا۔ چنانچہ صوفیہ نے خود ہی احوال و واردات کی ترجمانی کے لیے الفاظ کا سہارا لیا اور حال کو قال میں بدلنے کی کوششوں کا آغاز کیا۔ انھیں کوششوں کا نتیجہ ہے کہ آج عالمِ اسلام کی مختلف زبانوں میں تصوف کے موضوع پر بہ کثرت تحریری مواد موجود ہے۔

یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ مقبولیت کے باوجود تصوف کی حیثیت ہر عہد میں متنازعہ رہی ہے۔ علماءِ اسلام کا ایک طبقہ جہاں تصوف کو اسلام کی روح اور مغز سے تعبیر کرتا ہے، وہیں دوسرا اسے غیر اسلامی رہبانیت قرار دے کر مسترد کر دیتا ہے۔ ان دونوں کے علاوہ علماء کا ایک طبقہ ایسا ہے جس نے بین بین کا راستہ اختیار کیا ہے۔ یہ طبقہ غیر اسلامی تصوف کا منکر اور اسلامی تصوف کا قائل ہے۔ تاہم علمی لحاظ سے یہ تقسیم بجائے خود ناقابلِ قبول ہے۔ مسئلہ کو سلجھانے کے لیے آسان اور محفوظ طریقہ یہ تھا کہ تصوف کو قرآن و سنّت کی روشنی میں جانچنے کی کوشش کی جاتی، جو چیز قرآن و سنّت کے میزان پر پوری اترتی، اسے قبول کر لیا جاتا اور جو چیز مسترد ہوتی اسے ترک کر دیا جاتا۔ لیکن بدقسمتی سے ایسی کوششیں اردو زبان میں بہت کم ہوئی ہیں۔ پیشِ نظر کتاب اِسی خلا کو پُر کرنے کی ایک حقیر کوشش

ہے۔اس کا اصل مقصد قرآن وسنت کی روشنی میں تصوف کا جائزہ پیش کرنا ہے۔

کتاب کی تیاری میں عربی اور فارسی زبان کے مستند ومعتبر مآخذ سے مدد لی گئی ہے اور دوران تصنیف اس کا خاص خیال رکھا گیا ہے کہ تصوف سے متعلق موافقت اور مخالفت کا تمام نہ سہی، اہم مواد ضرور سامنے آئے۔ تصوف کی ترجمانی کرتے وقت متقدمین اور محتاط صوفیہ کو اولین ترجیح دی گئی ہے تاکہ نمائندگی واضح ہو سکے۔ کتاب میں شامل مضمون کے شروع میں موضوع سے متعلق صوفیہ کا زاویۂ نگاہ پیش کیا گیا ہے۔ اس کے بعد ناقدینِ تصوف کے نقطۂ نظر کو جگہ دی گئی ہے۔ آخر میں قرآن حکیم وسنت رسولؐ کی روشنی میں صحیح اور درست رائے کی نشان دہی کی گئی ہے۔

کتاب میں ان روایات کو فنِ حدیث کی روشنی میں جانچنے کی سعی کی گئی ہے، جو صوفیہ کی تحریروں یا ملفوظات میں بہ کثرت منقول چلی آرہی ہیں۔ حدیث کی صحت اور رواۃ کی جرح وتعدیل کے معاملے میں ائمۂ حدیث کے اقوال کو اوّلیت دی گئی ہے تاکہ حدیث کی صحت متعین کرنے میں مدد مل سکے۔ اس کے علاوہ علمِ حدیث میں صوفیہ کے مقام کو ایک مستقل عنوان کے تحت موضوعِ بحث بنایا گیا ہے۔

پیش نظر کتاب میں محدثین، فقہاء، مفسرین، مورخین، صوفیہ اور ناقدینِ تصوف کی تحریروں سے استشہاد کیا گیا ہے۔ تصوف کی مخالفت میں بہت کم لکھا گیا ہے لیکن جن علماء نے تصوف کی مخالفت کی ہے، وہ علم وعمل کے پہاڑ تھے۔ ان کے تبحرِ علمی، خلوص اور نیک نیتی کو نظر انداز کرنا ناانصافی ہوگی۔ مستشرقین نے بھی تصوف پر بہت کچھ لکھا ہے اور یہ موضوع ان کی خصوصی توجہ کا مرکز رہا ہے۔ تصوف کے سمجھنے میں ان سے غلطیاں بھی ہوئی ہیں۔ کتاب میں ان کی کتابوں سے کم حوالے دیے گئے ہیں، کوشش یہ کی گئی ہے کہ جن مصادر سے انھوں نے مواد اخذ کیا ہے، ان سے براہ راست استفادہ کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس میں کامیابی بھی ملی۔

اس کتاب کی تیاری میں کتب خانہ علامہ شبلی نعمانی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ اور مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ کے کتب خانہ سے استفادہ کیا گیا ہے۔ میں اس کے لیے ان دونوں لائبریریوں کے ذمہ داروں کا ممنون ہوں۔

کتاب کی تکمیل کے لیے میرے والد ماجد قبلہ جناب عبدُ الرَّحمٰن لون صاحب مدظلہ العالی سب سے زیادہ فکرمند رہے ہیں، انھیں کے ارشادِ گرامی کی تعمیل میں یہ کتاب پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ قبلہ غلام محمد لون مدظلہٗ اور ان کے فرزندوں عزیزان محمد اشرف، عبدالمجید اور نصیر احمد نے مجھے گھریلو ذمہ داریوں سے یکسر فارغ رکھ کر تصنیفی کاموں کے لیے یکسو کردیا جس کے لیے میں ان کا احسان مند ہوں۔

یہ میرے لیے خوش قسمتی کی بات ہے کہ کتاب کی تیاری کے دوران ہندستان کے ایک بڑے مورخ اور نامور اہلِ قلم جناب ڈاکٹر اشتیاق احمد ظلی، ریڈر شعبۂ تاریخ مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ سے استفادہ کا موقع ملا۔ ڈاکٹر صاحب موصوف نہ صرف تاریخ کے ایک فاضل استاذ ہیں بلکہ ہندستان میں تصوف کے چند بڑے عالموں میں سے ہیں۔ ان کی گراں قدر آراء میرے لیے مشعلِ راہ رہی ہیں۔ میں ادارہ تحقیق و تصنیف کے رکن اور نامور مصنف مولانا سلطان احمد اصلاحی مدظلہ کا بھی ممنون ہوں جنھوں نے موضوع کی تیاری میں میری رہنمائی کی۔ مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ کے شعبۂ اسلامیات کے استاذ ڈاکٹر ظفر الاسلام اصلاحی نے کتاب کی تیاری کے دوران بعض مفید مشورے دیے جس کے لیے میں ان کا مشکور ہوں۔ مواد کی فراہمی میں ڈاکٹر ابوسعد اصلاحی، ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی، عزیز گرامی محی الدین آزاد نے ہر ممکن مدد بہم پہنچائی جس کے لیے میں ان کا ممنون احسان ہوں۔ کتاب کی تیاری میں جن دوستوں کا تعاون کسی نہ کسی شکل میں شاملِ حال رہا ہے، ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان میں شمشاد احمد، صلاح الدین خان، محمد اسلم خان، محمد کیف الرحمٰن، خلیل عظمت طٰہٰ، عظیم احمد خان، ماسٹر محمد یٰسین ویلگامی، گل محمد بٹ کھیرم، بشیر احمد خان دیالگام، عبدالمجید بٹ، خورشید احمد بٹ، غلام جیلانی وانی، سیّد عبدالرحمٰن گیلانی، حفیظ جان، عبدالرشید ڈار، غلام نبی پرہ، عبدالمجید بٹ، عبدالغنی لون اور محمد اسحاق لون کا ذکر نہ کرنا ناسپاسی ہوگی۔ یہ میری بدنصیبی ہے کہ میرے عزیز دوست شہید نذیر احمد جنھیں اس کتاب کے دیکھنے کا بیحد شوق تھا اس دنیا میں نہیں رہے۔ موصوف کی شہادت سے علم و فضل کا ایک قدردان ہی نہیں بلکہ خلوص و وفا کا ایک پیکر بھی اس دنیا سے اٹھ گیا۔ خدا انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے

میں اپنے اساتذہ کرام کا شکریہ ادا کرنا بھی اخلاقی فریضہ سمجھتا ہوں جنھوں نے مجھے تصنیف و تالیف کی تربیت دی، خاص کر استاذ گرامی ڈاکٹر سید محمد فاروق بخاری کا جنھوں نے ہمیشہ میرے حوصلوں کو مہمیز کیا۔ اہلِ قلم دوستوں میں محبی طاہر محی الدین مدیر ہفت روزہ چٹان کا ممنون احسان ہوں

جنہوں نے ہمیشہ میری حوصلہ افزائی کی۔ اسکے ساتھ ہی میں ڈاکٹر محمد افضل، ایڈوکیٹ غلام رسول شیخ، ایڈوکیٹ غلام محمد وار، ایڈوکیٹ محمد یوسف میر، مجی غلام رسول بانڈے اور منظور احمد بٹ جیسے دوستوں کا احسان مند ہوں کہ وہ ہمیشہ مجھے تصنیف و تالیف پر ابھارتے رہے نیز میں اپنے مخلص دوست اور اہل قلم محترم غلام قادر روانی صاحب کا بے حد ممنون ہوں کہ وہ ہمیشہ میرے حوصلوں کو مہمیز کرتے رہے۔

یہ کتاب اتنی جلدی شائع نہ ہوتی اگر میرے دیرینہ دوست، عالم اور دانشور جناب ڈاکٹر ثناء اللہ پرواز صاحب استاد شعبۂ فلسفہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کا خلوص اور علمی واخلاقی تعاون شامل حال نہ ہوتا۔ موصوف فکر و دانش کے امین اور بلند پایہ انسان ہیں۔ ان کی رفاقت پریشانیوں میں میرے لیے سہارا ثابت ہوئی میں ان کا بے حد مشکور ہوں نیز میں اپنے اہل قلم دوست جناب منیب الرحمن کا بھی بے حد شکر گزار ہوں جو آخری مرحلے پر میرے بہت کام آئے۔ کتاب کا اشاریہ آپ ہی کی عرق ریزی کا حاصل ہے جو کتاب کا حصہ ہو کر ہمیشہ کے لیے یادگار ہے۔ کتاب کی تکمیل کے آخری مرحلوں میں محترم ایوب سیوانی صاحب نے جو تگ و دو کی اس کے لیے ان کا شکریہ ادا نہ کرنا ناسپاسی ہوگی میں ان کا ممنون ہوں۔ یہ کتاب استاذ گرامی جناب پروفیسر ڈاکٹر عبید اللہ فراہی صاحب کی رہنمائی میں تیار ہوئی۔ استاذ گرامی صحیح فکر اسلامی کے نقیب خلوص و ایمان کے پیکر اور علوم اسلامیہ کے بحر بیکراں ہیں۔ ان کی مخلصانہ رہنمائی میرے لیے مشعل راہ اور ان کی مسلسل تشویق اور حوصلہ افزائی اس کام کی تکمیل میں بہت بڑی معاون رہی ان کا شکریہ ادا کرنا تنگنائے کلام سے باہر ہے۔ کتاب کی تیاری کے آخری مرحلوں میں جناب پروفیسر یسین مظہر صدیقی صاحب، محترم مولانا سید جلال الدین عمری صاحب مدظلہ، اور جناب مولانا فاروق خاں صاحب دامت برکاتہم نے کتاب کی فوری اشاعت میں جو کوششیں فرمائیں ان کے لیے ان سب بزرگوں کا احسان مند ہوں۔ کتاب کا آخری باب "ہنر سش نیر بگو"، جناب مولانا فاروق خاں صاحب ہی کے حکم کی تعمیل میں لکھا گیا۔ مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی کے ناظم و مہتمم جناب محترم جاوید اقبال صاحب کا ذکر کیے بغیر عرض احوال ادھورا رہے گا جن کے حسن توجہ سے کتاب مطبوعہ صورت میں قارئین اور قدر دانوں کے ہاتھ میں ہے۔ میں ان کا مشکور ہوں۔

غلام قادر لون

حدی پورہ۔ رفیع آباد۔
کشمیر

مقیم حال علی گڑھ
جمعہ ۱۰ ذی قعدہ ۱۴۱۴ھ
۲۲ اپریل ۱۹۹۴ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تصوّف

اِشتقاق

صوفی اور تصوف کے لغوی اشتقاق کے بارے میں محققین کے یہاں ہر دور میں اختلاف رہا ہے۔ قرآن اور صحاحِ ستہ میں یہ لفظ موجود نہیں ہے۔ عربی زبان کی قدیم لغات نیز جاہلی ادب کا وسیع ذخیرہ اس سے خالی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علماءِ تصوف اس کی اصل کے بارے میں مختلف الرائے ہیں۔ عہدِ جاہلیت میں صوفی کی اصل تلاش کرنے کی پہلی کوشش حافظ محمد بن طاہر المقدسی[۱] (۴۴۸ـ۵۰۷ھ / ۱۰۵۶ـ۱۱۱۳ء) کی بیان کردہ ایک روایت میں کی گئی ہے۔ ان کے بیان کے مطابق کوفہ کے ایک محدث ولید بن قاسم[۲] (م ۸۳ھ / ۷۰۲ء) سے صوفی کی نسبت کے بارے میں سوال کیا گیا تو انھوں نے جواب دیا:

---

[۱] ابوالفضل محمد بن طاہر بن علی بن احمد المقدسی الشیبانی المعروف بہ ابن القیسرانی بیت المقدس میں پیدا ہوئے۔ حدیث و تاریخ میں کثیر التصانیف مصنف کی حیثیت سے مشہور ہیں۔ امام داؤد بن علی الاصبہانی (۲۰۱ـ۲۷۰ھ / ۸۱۶ـ۸۸۴ء) کے فقہِ ظاہری پر عمل کرتے تھے۔ سماع کی اباحت کے قائل تھے۔ تصوف میں ان کا تعلق صوفیہ کے فرقۂ ملامتیہ سے تھا۔ سلوک و تصوف کے موضوع پر "صفوۃ التصوف" کے نام سے ایک کتاب لکھی جسے ماہرینِ حدیث نے تلخ تنقیدوں کا ہدف بنایا۔

الامام ابوعبداللہ شمس الدین الذہبی۔ تذکرۃ الحفاظ، دایرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد، الطبعۃ الرابعۃ ۱۳۹۰ھ / ۱۹۷۰ء ۴: ۱۲۴۲۔ ابن حجر عسقلانی۔ لسان المیزان، حیدرآباد ۱۳۲۹ھ تا ۱۳۳۱ھ، ۵: ۲۰۷۔

ابن خلکان۔ وفیات الاعیان، تحقیق احسان عباس، دار صادر بیروت ۱۳۹۸ھ / ۱۹۷۸ء ۴: ۲۸۷

ابن جوزی۔ المنتظم فی تاریخ الملوک والامم، حیدرآباد، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۵۷ھ ۹: ۱۷۷

خیرالدین الزرکلی۔ الاعلام، مطبعۃ کوستاتسوماس وشرکاہ، مصر، الطبعۃ الثانیہ ۱۳۷۳ھ تا ۱۳۷۸ھ / ۱۹۵۴ء تا ۱۹۵۹ء ۷: ۴۱

[۲] الولید بن القاسم بن الولید الہمدانی الخبذعی کا تعلق کوفہ سے تھا (بقیہ حاشیہ صفحہ دیگر پر)

قوم فی الجاھلیة یقال لھم صوفہ انقطعوا الی اللہ عزوجل وقطنوا الکعبة فمن تشبہ بھم فھم الصوفیہ۔[۱]

جاہلیت میں صوفہ کے نام سے ایک قوم تھی جو اللہ تعالیٰ کے لیے یکسو ہوگئی تھی اور جس نے خانۂ کعبہ کی خدمت کے لیے اپنے آپ کو وقف کیا تھا پس جن لوگوں نے ان سے مشابہت اختیار کی وہ صوفیہ کہلائے۔

صوفہ کی قوم کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ خانۂ کعبہ کے مجاور تھے اور حاجیوں کے لیے آرام و آسایش کا انتظام کرنا ان کے ذمے تھا ان میں سب سے پہلے غوث بن مُر بن اُد بن طابخہ بن الیاس بن مُضر[۲] کا نام صوفہ پڑا۔ غوث کی ماں بے اولاد تھی، اس نے نذر مانی کہ اگر خدا نے اسے لڑکا عطا کیا تو وہ اسے خانۂ کعبہ کی خدمت کے لیے وقف کرے گی۔ لڑکا ہوا تو اس کا نام غوث رکھا گیا۔ یہی غوث آگے چل کر صوفہ کہلایا۔ بعد میں اس کی اولاد بھی صوفہ کے نام سے مشہور ہوئی۔ دورِ جاہلیت میں قوم صوفہ ہی حج کا اعلان کر کے لوگوں کو حج کرنے کی اجازت دیتی تھی یہاں تک کہ عرب عرفات سے اس وقت اپنے خیمے ہٹاتے جب صوفہ کا خیمہ ہٹ جاتا[۳]۔ علامہ ابن جوزی[۴] (۵۰۸–۵۹۷ھ / ۱۱۱۴–۱۲۰۱ء) کی بیان

(حاشیہ گذشتہ سے پیوستہ) علماءِ رجال میں سے حضرت امام احمد بن حنبلؒ، ابن حبان (م ۳۵۴ھ / ۹۶۵ء) اور ابن عدی (۲۷۷–۳۶۵ھ / ۸۹۱–۹۷۵ء) نے انھیں ثقہ قرار دیا ہے مگر مشہور ماہرِ فن یحییٰ ابن معین نے انھیں ضعیف کہا ہے۔ ابن حجر عسقلانی نے انھیں حفاظِ حدیث کے آٹھویں طبقہ میں شمار کیا ہے یعنی اس طبقہ میں جس پر ضعف کا اطلاق ہوتا ہے اگرچہ صراحت کے ساتھ تضعیف نہیں کی گئی ہے۔

ابن حجر عسقلانی۔ تقریب التہذیب، نفیس پرنٹرز، لاہور، الطبعة الاولیٰ سنہ ۱۳۹۳ھ / سنہ ۱۹۷۳ء، ص ۳۰

صفی الدین احمد بن عبد اللہ الخزرجی۔ تذھیب تہذیب الکمال، تحقیق محمود عبد الوہاب فاید قاہرہ سنہ ۱۳۹۱ھ / سنہ ۱۹۷۱ء، ۳ : ۱۳۳۔ صفی الدین احمد بن عبد اللہ الخزرجی۔ خلاصة تذھیب تہذیب الکمال، بیروت، الطبعة الثانیہ سنہ ۱۳۹۹ھ / سنہ ۱۹۷۹ء، ص ۲۱۷

[۱] محمد بن طاہر المقدسی۔ صفوة التصوف، تعلیق احمد شرباصی، دار التالیف مصر، سنہ ۱۳۷۰ھ / سنہ ۱۹۵۱ء، ص ۷

[۲] ابن منظور۔ لسان العرب، بولاق مصر، سنہ ۱۳۰۱ھ، ۱۱ : ۱۰۲

(بقیہ حاشیہ بر صفحۂ دیگر)

کی ہوئی ایک روایت کے مطابق غوث بن مُر کی ماں کا کوئی بچہ زندہ نہیں رہتا تھا، اس نے نذر مانی کہ اگر اس کا بچہ زندہ رہا تو وہ اس کے سر پر صوفہ (صوف کا ٹکڑا) باندھے گی۔ لڑکا ہوا تو اس نے اپنی نذر پوری کی۔ اس وجہ سے اس لڑکے کا نام صوفہ پڑا، اور بعد میں اس کی

(حاشیہ گزشتہ سے پیوستہ) ۳ لسان العرب ۱۱ : ۱۰۲، ابومحمد عبدالملک بن ہشام۔ سیرۃ النبی، تعلیق محمد محی الدین عبدالحمید، دارالفکر (بیروت)، سنہ ۱۴۰۱ھ/سنہ ۱۹۸۱ء، ۱ : ۱۳۱

۴ امام ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد الجوزی القرشی البغدادی، بغداد کے مشہور حنبلی عالم، بے مثال خطیب اور واعظ، تفسیر، حدیث، فقہ، تاریخ وسیر کے امام تھے۔ بغداد میں ہر جمعرات کو ان کا وعظ ہوتا تھا۔ تاثیر کا یہ عالم تھا کہ ان کے ہاتھ پر ایک لاکھ مسلمانوں نے توبہ کی اور بیس ہزار غیر مسلم اسلام لے آئے۔ ان کی مجلس وعظ میں خلیفہ سے لے کر ادنیٰ انسان تک، سب شریک ہوتے تھے۔ بسا اوقات حاضرینِ مجلس کی تعداد ایک لاکھ ہوتی تھی۔ مجالس وعظ کے علاوہ انھوں نے مختلف علوم میں چار سو کتابیں تصنیف کی ہیں۔ وفات کے وقت وصیت کی کہ ان کے غسل کا پانی اس کترن اور برادہ سے گرم کیا جائے جو حدیث لکھنے کے لیے قلم بناتے ہوئے گر کر جمع ہوا تھا۔ یہ برادہ اتنا تھا کہ پانی گرم ہو جانے کے بعد بھی بچ رہا۔ علامہ ابن جوزی وعظ وتبلیغ، تصنیف وتالیف اور دیانت وتقویٰ میں اپنی مثال آپ تھے۔ وہ ہر ہفتہ ایک قرآن مجید ختم کرتے تھے۔ ان سب خوبیوں کے ساتھ ساتھ وہ خوش پوش وخوش خوراک اور بے حد نفاست پسند تھے۔ انھوں نے "تلبیس ابلیس" کے نام سے ایک کتاب لکھی، جس میں مسلمانوں کے تمام طبقوں پر تنقید کی۔ کتاب کا بیشتر حصہ صوفیہ کے اقوال وافعال پر تنقید و دار وگیر پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب اس لحاظ سے اپنی نظیر آپ ہے کہ اس میں مصنف نے کھل کر انتہائی بے باکی اور جرأت کے ساتھ صوفیہ کے اقوال وافعال کو قرآن وسنت کی روشنی میں پرکھنے کی کوشش کی ہے۔ بعض لوگ علامہ موصوف پر الزام لگاتے ہیں کہ انھوں نے اس کتاب میں صوفیہ پر تنقید کے دوران شدت اور سختی سے کام لیا ہے۔ آپ کا انتقال بغداد میں ہوا۔

ابن کثیر۔ البدایہ والنہایہ، مکتبۃ المعارف بیروت، الطبعۃ الثانیہ سنہ ۱۹۷۷ء، ۱۳ : ۱۳۴۲، تذکرۃ الحفاظ ۴ : ۱۳۴۲، وفیات الاعیان ۳ : ۱۴۰، مولیٰ احمد بن مصطفیٰ المعروف بہ طاش کبریٰ زادہ۔ مفتاح السعادۃ ومصباح السیادہ، مطبعۃ دایرۃ المعارف النظامیہ حیدرآباد دکن الھند، الطبعۃ الاولیٰ سنہ ۱۳۲۹ھ وسنہ ۱۳۵۶ھ ۱ : ۲۰۷، الاعلام ۴ : ۸۹

قوم بھی صوفہ کہلائی۔[1] ایک اور روایت کے مطابق غوث بن مُر کی ماں کا کوئی لڑکا نہیں تھا۔ اس نے نذر مانی کہ اگر خدا نے اسے لڑکا عطا کیا تو وہ اسے بیت اللہ کی خدمت کے لیے وقف کرے گی غوث پیدا ہوا تو اس کی ماں نے نذر کے مطابق اسے خانہ کعبہ کے پاس باندھ دیا۔ بچہ کو دھوپ جب زیادہ لگی تو وہ زمین پر گر پڑا۔ اس کی ماں آئی تو دیکھا کہ بچہ زمین پر گر کر بے حال ہے۔ بیٹے کو اس حال میں دیکھ کر اس کے منہ سے بے اختیار نکلا: "ارے یہ تو صوفہ ہو گیا ہے"۔ اس بنا پر اس بچہ کا نام صوفہ پڑ گیا۔[2] بعد میں اس کی قوم بھی اسی نام سے مشہور ہوئی۔ صوفہ کو آلِ صوفان اور آلِ صفوان کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔[3] ایک عربی شاعر کہتا ہے:

ولا یریموں فی التعریف موقفھم   حتیٰ یقال اجیزوا آل صوفانا[4]

مشہور لغوی ابو عبیدہ[5] (۱۱۰ھ–۲۰۹ھ / ۷۲۸ء–۸۲۴ء) کے بیان کے مطابق صوفہ یا صوفان ہر اس شخص کو کہتے ہیں، جو بیت اللہ سے غیر متعلق ہوتے ہوئے بھی اس کے کسی معاملہ کا ذمہ دار ہو، یا مناسکِ حج میں سے کوئی کام اس کے ذمے ہو۔[6] علامہ ابن جوزی بھی اس اشتقاق کو صحیح مانتے ہیں لیکن مستشرقین

۱؎ ابو الفرج عبد الرحمن ابن جوزی۔ تلبیس ابلیس، دار الطباعۃ المنیریۃ القاہرہ، الطبعۃ الثانیہ ۱۳۶۹ھ / ۱۹۵۰ء، ص ۱۶۱

۲؎ تلبیس ابلیس ص ۱۶۲

۳؎ ابو القاسم محمود بن عمر الزمخشری۔ اساس البلاغۃ، تحقیق استاذ عبد الرحیم محمود، دار المعرفۃ بیروت، لبنان، ۱۴۰۲ھ / ۱۹۸۲ء، ص ۲۶۲

۴؎ لسان العرب ۱۱: ۱۰۲، سیرۃ النبی (ابن ہشام) میں پہلا مصرعہ یوں ہے: لا یبرح الناس ما حجوا معرفھم ۱: ۱۳۳

۵؎ ابو عبیدہ معمر بن مثنی، قرآن، نحو و لغت، امثال و فتوحات، مثالب اور دوسرے علوم میں ایک سو پچاس کتابوں کا مصنف فارسی نژاد تھا۔ بصرہ میں نشو و نما پائی۔ مذہباً خارجی اور سیاست میں شعوبی تحریک سے متاثر تھا اس کے جنازے سے لوگ اس لیے کترائے کہ دین کے بارے میں متہم تھا۔ اس کا انتقال بصرہ میں ہوا۔ اور وہیں دفن کیا گیا۔ وفیات الاعیان ۵: ۲۳۵ ۶؎ تلبیس ابلیس ص ۱۶۱-۱۶۲

اور بعض مشرقی علمائے نے صوفہ سے صوفی کا اشتقاق غلط ٹھہرایا ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ عربی زبان کے اصول و قواعد کی رو سے صوفہ سے صوفانی بنے گا نہ کہ صوفی، اس سے انکار نہیں کہ صوفہ سے صوفانی بنتا ہے لیکن ہماری رائے میں صوفی کا اشتقاق بھی اس بنیاد پر غلط نہیں ہے۔ اگر عربی زبان کے قواعد کی رو سے "صوفہ سے صوفی" کا بننا غلط ہے، تو کوفہ سے کوفی کا اشتقاق بھی درست نہیں ہو سکتا۔ اگر کوفہ سے کوفانی کا الف نون گرا کر کوفی بنانا زبان پر بار نہیں، تو صوفی بننے پر یہ اعتراض کیوں کر جائز ہوگا: اس لیے اس اشتقاق کو یکسر غلط نہیں قرار دیا جا سکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ امام ابن تیمیہؒ[۱] (۶۶۱-۷۲۸ھ / ۱۲۶۳-۱۳۲۸ء) نے بھی لغوی لحاظ سے اس اشتقاق کو غلط نہیں ٹھہرایا ہے[۲]، تاہم اس رائے کو مرتبۂ اعتبار اس لیے حاصل نہیں ہوا

۱۔ شیخ الاسلام تقی الدین ابو العباس امام ابن تیمیہ ۱۲ ربیع الاول سنہ ۶۶۱ھ کو حران میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی میں اپنے خاندان کے ساتھ دمشق چلے گئے، یہاں انھوں نے مختلف علماء سے تعلیم حاصل کی۔ سنہ ۶۸۳ھ میں درس و تدریس کا منصب سنبھالا۔ سنہ ۷۰۲ھ میں تاتاریوں اور سنہ ۷۰۴ھ میں کسروان کے وحشی قبائل کے خلاف جہاد میں حصہ لیا۔ چند مسائل میں اظہارِ رائے کی پاداش میں قاہرہ، اسکندریہ اور دمشق کے قلعوں میں چار بار قید کیے گئے۔ ۲۰ ذی قعدہ سنہ ۷۲۸ھ میں بروز دوشنبہ بحالت اسیری وفات پائی۔ اور مقابرِ صوفیہ میں دفن کیے گئے۔ امام ابن تیمیہؒ کا شمار ان نابغۂ روزگار شخصیتوں میں ہوتا ہے جنھوں نے علومِ اسلامیہ کے ہر گوشہ کو منور کیا ہے۔ امام موصوف ایک بے مثال مفسر، نادرۂ زماں محدث، یگانۂ روزگار فقیہ و مجتہد، وسیع النظر مفکر اور بے نظیر خطیب تھے۔ آپ نے زندگی بھر قرآن و سنت اور توحید کی ترجمانی کی۔ آپ کی ساری زندگی توحید کی وکالت اور اسلام کے دفاع میں گزری۔ تفسیر، حدیث، فقہ، عقائد، کلام اور فلسفہ میں تین سو سے زائد کتابیں تصنیف کیں اور اہلِ کتاب، شیعہ، صوفیہ، معتزلہ، متکلمین اور ملحدین کی تردید میں کتابیں اور رسالے تحریر کیے۔ حق و صداقت کے دوسرے علم برداروں کی طرح امام ابن تیمیہؒ بھی کم سواد فقہا کے بغض و عناد، غلط کار صوفیہ کی دشمنی و مخالفت، درباری علما کی سازشوں اور اربابِ طبل و علم کے قہر و عتاب کا شکار بنے۔ زندگی کے تقریباً سوا چھ سال قید و بند میں گزرے۔ انھوں نے قرآن و سنت کو معیار بنا کر دین کی تجدید و احیاء کا بے مثال کارنامہ انجام دیا۔ آپ کے فتاوی، ۳۰ جلدوں میں ریاض اور رباط سے شائع ہو چکے ہیں۔

۲۔ ابن تیمیہ۔ الصوفیۃ والفقراء مشمولہ مجموع فتاوی شیخ الاسلام احمد ابن تیمیہؒ، جمع و ترتیب عبد الرحمٰن بن قاسم العاصمی النجدی الحنبلی ریاض سنہ ۱۳۸۲ھ، ۱۱: ۶

کہ صوفہ کا قبیلہ غیر معروف تھا[1]۔ اور ایک غیر معروف قبیلے کی طرف انتساب کو مسلمان اچھی نگاہ سے نہیں دیکھ سکتے تھے بالخصوص جب اِس قبیلہ کی امتیازی خصوصیت رہبانیت رہی ہو۔

صوفی کو "صف" سے بھی ماخوذ بتایا گیا ہے۔ اس رائے کے قائلین کے مطابق صوفیہ وہ لوگ ہیں، جو خدا کے حضور صفِ اول میں کھڑے ہیں۔ یعنی یہ وہ لوگ ہیں، جو اللہ کو سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ اس رائے کی بنیاد شیخ ابوالحسین نوری[2] (م ۲۹۵ھ/۹۰۷ء) کا یہ قول ہے:

الصوفیة هم الذین صفت ارواحهم فصاروا فی الصف الاول بین یدی الحق[3]۔

صوفیہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی روحوں کو صاف کیا پس وہ اللہ کے حضور صفِ اول میں ہو گئے۔

لیکن اس رائے کو اس لیے مسترد کیا گیا ہے کہ عربی زبان کے قواعد اس کی توثیق نہیں کرتے۔ امام ابوالقاسم قشیری[4] (۳۷۶-۴۶۵ھ/۹۸۶-۱۰۷۲ء) کا خیال ہے کہ صوفی "صفوۃ" سے لیا گیا ہے۔ امام موصوف کے بیان کے مطابق ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

1. الصوفیۃ والفقراء مشمولہ مجموع فتاویٰ ۱۱: ۶
2. ابوالحسین احمد بن محمد بن محمد المعروف بہ شیخ ابوالحسین نوری کا مولد و منشأ بغداد ہے۔ شیخ سری سقطی کے مرید تھے۔ طریقۂ نوریہ آپ سے منسوب ہے۔ آپ کی تعلیمات سلسلۂ جنیدیہ سے ملتی جلتی ہیں۔ حضرت جنید بغدادی آپ کا بے حد احترام کرتے تھے۔ صاحبِ کشف و شہود بزرگ کی حیثیت سے مشہور ہیں۔ حلیۃ الاولیاء ۱: ۲۴۹، الطبقات الکبریٰ ۱: ۸۷، عبدالرحمٰن جامی۔ نفحات الانس، مطبع نولکشور کانپور ۱۸۹۳ء ص ۵۲ محمد داراشکوہ۔ سفینۃ الاولیاء، مطبع نول کشور کانپور بار دوم سنہ ۱۹۰۰ء ص ۱۳۷
3. ابوالحسن علی بن عثمان الجلابی الہجویری۔ کشف المحجوب، نسخۂ تہران، تصحیح و تحشیہ علی قویم، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان اسلام آباد سنہ ۱۹۷۸ء ص ۱۳۶
4. ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری خراسان میں علم و فضل کے امام اور تصوف کے شیخ طریقت تھے۔ شیخ ابوعلی دقاق سے خرقۂ تصوف حاصل کیا۔ سلوک و تصوف کے موضوع پر ان کی لافانی تصنیف "الرسالۃ القشیریۃ" ادبِ اسلامی میں گراں قدر اضافہ ہے۔ اس کے علاوہ "التفسیر الکبیر" اور "لطائف الاشارات" ان کی (بر صفحہ دیگر)

ذھب صفو الدنیا وبقی الکدر — دنیا کی صفائی جاتی رہی اور کدورت باقی رہی
فالموت الیوم تحفۃ لکل مسلم[1] — پس موت آج ہر انسان کے لیے تحفہ ہے۔

امام قشیری کے بہ قول یہی نام اس جماعت پر غالب آگیا۔ اس لیے (ایسے) آدمی کو صوفی اور جماعت کو صوفیہ کہا جاتا ہے۔ اس سے وابستہ آدمی کے لیے متصوف اور جماعت کے لیے متصوفہ کا لفظ استعمال ہوتا ہے[2]۔ امام قشیری کا کہنا ہے کہ عربی زبان کے قیاس اور قاعدہ اشتقاق سے اس اسم کی تائید نہیں ہوتی اس لیے لگتا ہے کہ یہ لقب کے طور پر استعمال ہوا ہے[3]۔

ایک طبقے کی رائے ہے کہ صوفی "صفا" سے مشتق ہے۔ صوفیہ کی بڑی تعداد اس رائے کی قایل ہے۔ شیخ بشر بن حارث الحافی[4] (۱۵۰–۲۲۶ھ / ۷۶۷–۸۴۱ء) کا قول ہے:

(حاشیہ گزشتہ سے پیوستہ)

مشہور تصانیف ہیں۔ نیشاپور میں وفات پائی اور اپنے مرشد ابو علی دقاق کے پہلو میں دفن ہوئے۔ دیکھیے خطیب بغدادی۔ تاریخ بغداد، مطبعۃ السعادۃ بمصر، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۴۹ھ / ۱۹۳۱ء ۱۱ : ۸۳، البدایہ والنہایہ ۱۲ : ۱۰۷، وفیات الاعیان ۳ : ۲۰۵، نفحات الانس ص ۲۰۰، سفینۃ الاولیاء ص ۱۹۵، الاعلام ۴ : ۱۸۰

[1] ابو القاسم عبد الکریم بن ہوازن القشیری، الرسالۃ القشیریہ، المطبعۃ العامرۃ العثمانیہ مصر ۱۳۰۴ھ ص ۱۶۵

[2] الرسالۃ القشیریہ ص ۱۶۵

[3] الرسالۃ القشیریہ ص ۱۶۵، لیس یشھد لھذا الاسم من حیث العربیۃ قیاس ولا اشتقاق والاظھر انہ فیہ کاللقب۔

[4] ابو نصر بشر بن حارث بن علی بن عبد الرحمٰن المعروف بہ الحافی مرو کے ایک گاؤں مبرسام (ابن کثیر کے بہ قول بغداد) میں پیدا ہوئے۔ بغداد میں مشہور ائمۂ حدیث سے حدیث سنی۔ ورع و تقویٰ اور زہد و ریاضت میں لاثانی تھے۔ ان کا انتقال ہوا تو تمام محدثین کو رنج ہوا۔ امام احمد بن حنبلؒ نے ان کی موت کی خبر سن کر کہا: "انھوں نے اپنے بعد کوئی مثال نہیں چھوڑی"۔ نامور محدث ابراہیم الحربی (۱۹۸–۲۸۵ھ / ۸۱۵–۸۹۸ء) نے کہا کہ بغداد نے ان جیسا عاقل اور زبان کی حفاظت کرنے والا پیدا نہیں کیا، اگر ان کی عقل اہلِ بغداد میں تقسیم کی جاتی تو سب کے سب عاقل ہو جاتے اور ان کی عقل میں بھی کوئی کمی نہیں آتی جنازے پر بغداد کے عوام اس کثرت سے امڈ آئے کہ تابوت فجر کی نماز ختم ہوتے ہی (بقیہ حاشیہ بر صفحۂ دیگر)

الصوفی من صفا قلبہ للہ[1]۔ صوفی وہ ہے جس نے اللہ کے لیے اپنے دل کو صاف کیا۔

شیخ علی ہجویری[2] (۴۰۰ - ۴۶۵ھ / ۱۰۰۹ - ۱۰۷۲ء) مختلف اشتقاقات پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"پس صفا در جملہ محمود باشد و ضد آں کدر بود، رسول صلے اللہ علیہ وسلم گفت:

"ذھب صفو الدنیا و بقی کدرھا" و نام لطایفِ اشیاء صفو آں چیز بود، و نام کثایف اشیاء کدر آں چیز بود، پس چوں اہل ایں قصہ اخلاق و معاملات خود را مہذب کردہ اند از آفت طبیعت بشری جستہ مر ایشان را صوفی خوانند[3]"۔

(حاشیہ گزشتہ سے پیوستہ)

ان کے مسکن سے روانہ ہوا لیکن لوگوں کی کثرت کی وجہ سے رات کو قبرستان پہنچا۔ فن حدیث کے امام علی بن المدینی (۱۶۱ - ۲۳۴ھ / ۷۷۷ - ۸۴۹ء) جنازے کے ساتھ منادی کرتے جاتے تھے "ھذا واللہ شرف الدنیا قبل شرف الآخرۃ"۔ ان کی موت پر ان کے مکان میں جنات کو ماتم کرتے ہوئے سنا گیا۔ بشر کو تمام ائمہ حدیث نے ثقہ قرار دیا ہے۔ آپ نے تمام عمر تجرد میں گزاری۔ بشر کی تین بہنیں بھی زہد و تقویٰ کے لیے مشہور تھیں۔ تصوف کی کتابوں میں شیخ بشر بن حارث کے اقوال کو خاصی اہمیت حاصل ہے۔ دیکھیے:

ابو نعیم اصبہانی۔ حلیۃ الاولیاء، دار الکتاب بیروت ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء ۸ : ۳۳۶؛ البدایہ والنہایہ ۱۰ : ۲۹۷؛ وفیات الاعیان ۱ : ۲۷۴؛ تہذیب تہذیب الکمال ۱ : ۱۲۵؛ الطبقات الکبریٰ ۱ : ۷۲؛ سفینۃ الاولیاء ص ۱۲۴

[1] ابو العلاء عفیفی۔ التصوف، اسکندریہ مصر ۱۹۶۳ء ص ۳۱

[2] ابو الحسن علی بن عثمان الجلابی الہجویری غزنی کے قریب ہجویر میں پیدا ہوئے۔ سیر و سیاحت کے بعد لاہور میں سکونت اختیار کی۔ آپ کے شیخ سلسلۂ جنیدیہ سے تعلق رکھتے تھے۔ شیخ ہجویری صاحبِ صحو صوفی گزرے ہیں۔ کئی کتابیں تصنیف کی ہیں۔ تصوف میں ان کی کتاب "کشف المحجوب" ہے، جو فارسی زبان میں اس فن پر پہلی تصنیف ہے۔ سالکین طریقت کے یہاں اس کتاب کو رہنمائے کامل کی حیثیت حاصل ہے۔ آپ کا مزار لاہور میں ہے۔ برصغیر میں "داتا گنج بخش" کے نام سے مشہور ہیں۔ دیکھیے: نفحات الانس ص ۲۰۲، سفینۃ الاولیاء ص ۱۶۴

[3] کشف المحجوب۔ ص ۲۷ - ۲۸؛

شیخ زکریا انصاری[1] (۸۲۳-۹۲۶ھ / ۱۴۲۰-۱۵۲۰ء) بھی اسے صفا سے ماخوذ سمجھتے ہیں[2]۔ شاعر ابوالفتح البستی[3] (م ۴۰۰ھ / ۱۰۱۰ء) اس رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہتا ہے:

تنازع الناس فی الصوفی واختلفوا   وظنه بعض مشتقاً من الصوف

ولست امنح هذا الاسم غیر فتی   صفا فصوفی حتی سمی الصوفی[4]

ایک اور شاعر اسی رائے کی تائید یوں کرتا ہے:

ان الصفا صفة الصدیق   ان اردت صوفیا علی التحقیق[5]

شیخ عبدالقادر جیلانی[6] رح (۴۷۱-۵۶۱ھ / ۱۰۷۸-۱۱۶۶ء) رقم طراز ہیں:

---

[1] زکریا ابن محمد بن احمد بن زکریا، شیخ الاسلام، قاضی، مفسر اور عالم حدیث تھے۔ مصر میں پیدا ہوئے۔ قاضی کے عہدے سے معزولی کے بعد جامع مسجد میں فقر وفاقہ کی زندگی بسر کرتے تھے۔ رات کو نکلتے تو تربوزہ کے چھلکے اٹھا کر صاف کر کے کھاتے۔ مدتوں ان کے زہد وتقویٰ اور فضل وکمال کا لوگوں کو پتا نہیں چلا۔ تفسیر، حدیث، فقہ اور منطق میں کثیر التصانیف عالم تھے۔ الاعلام ۳ : ۸۰۔

[2] الرسالة القشیریه ہامش ص ۱۶۵۔ وهو ممدوح ومطلوب لانه ماخوذ من الصفا.... الخ

[3] ابوالفتح علی بن محمد البستی شاعر وادیب تھے۔ بخارا میں وفات پائی۔ صنعت تجنیس و بدیع میں ماہر تھے: وفیات الاعیان ۳ : ۳۷۶

[4] عیسیٰ عبدالقادر۔ حقایق عن التصوف، حلب، الطبعة الثانیه سنه ۱۳۹۰ھ/ سنه ۱۹۷۰ء ص ۱۶

[5] کشف المحجوب ص ۴۸

[6] ابومحمد عبدالقادر بن موسیٰ بن عبداللہ بن جنگی دوست الحسنی، محی الدین لقب، پیر گیلان اور شاہ جیلان کے ناموں سے مشہور ہیں۔ طبرستان کے مضافات میں واقع جیلان نامی مقام پر پیدا ہوئے۔ نوجوانی میں بغداد کا سفر کیا۔ علوم شریعت اور علوم تصوف کے حصول کے بعد بغداد ہی میں تادم وفات مقیم رہے۔ تصوف میں سلسلۂ قادریہ ان سے منسوب ہے۔ صوفیہ کا کوئی تذکرہ ان کے ذکر سے خالی نہیں ہے۔ ان کی تصانیف میں "غنیة الطالبین" "فتوح الغیب" اور "الفتح الربانی" بہت مشہور ہیں۔ آخر الذکر کتاب ان کے مواعظ پر مشتمل ہے۔ شیخ جیلانی رح بہت بڑے عالم اور واعظ تھے۔ لیکن بعد میں ان کی زیادہ شہرت ایک صوفی کی حیثیت سے ہوئی (بر صفحۂ دیگر)

وصوفی علی وزن فوعل ماخوذ من المصافاة یعنی عبداً اصافاہ الحق عزوجل[1]

صوفی " فوعل " کے وزن پر ہے اور یہ مصافاۃ سے ماخوذ ہے یعنی وہ بندہ جسے حق نے صاف کیا۔

اس رائے کی تائید کرتے ہوئے اربابِ باطن میں سے ایک نکتہ شناس نے کہا ہے:

من صافاہ الحب فھو صاف و من صافاہ الحبیب فھو الصوفی[2]

جسے محبت نے صاف کیا وہ صافی ہوا، اور جسے دوست نے صاف کیا وہ صوفی ہے۔

فارسی شعراء نے بھی کہیں کہیں صوفی کے صفائے باطن کے دعویٰ کو تضحیک کا نشانہ بنایا ہے جس سے لگتا ہے کہ وہ بھی صوفی کو صفا سے ماخوذ سمجھتے ہیں۔ یا یہ کہ انھیں قلب کی صفائی کا دعویٰ ہے۔ سلوک و تصوف کے رمز شناس اور عشق کے نغمہ خواں حافظ شیرازی[3] ($\frac{۷۲۰ - ۷۹۲ھ}{۱۳۲۰ - ۱۳۸۹ء}$) جن کی شاعری سے اربابِ حال کی بزمِ سماع آباد چلی آرہی ہے، کہتے ہیں:

صوفی بیا کہ آئینہ صافست جام را   تا بنگری صفائی مے لعل فام را

معاصر اہلِ قلم اور متصوف اقبال شاہ نے بھی مادہ "صفا" کا ذکر کیا ہے[4]۔ صفا کے مادہ سے صوفی

(حاشیہ گزشتہ سے پیوستہ)

شیخ کی سوانح سے متعلق کئی کتابیں لکھی گئی ہیں جن میں زیادہ شہرت "بہجۃ الاسرار" کو حاصل ہے۔ دیکھیے:

ابن عماد حنبلی۔ شذرات الذہب، دار المسیرہ۔ بیروت ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء ۴: ۱۹۸، سفینۃ الاولیاء ص ۴۳، الاعلام ۴: ۱۷۱، معجم المولفین ۵: ۳۰۷

[1] عبد القادر جیلانی۔ غنیۃ الطالبین، دار الکتب العربیۃ الکبریٰ مصر ۱۳۳۱ھ ۲: ۱۰۹

[2] کشف المحجوب ص ۳۱

[3] محمد شمس الدین المعروف بہ حافظ شیرازی کا مولد و مدفن شیراز ہے۔ ان کی شاعری عشق و مستی کے احوال سے لبریز ہے۔ جذب و تاثیر کے معاملے میں دنیا کا کوئی شاعر ان کے مقابلے میں پیش نہیں کیا جاسکتا۔ دل پر عجیب کیفیت طاری ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اورنگ زیب عالمگیرؒ نے اس کے پڑھنے پر پابندی لگادی تھی۔ تذکرۂ میخانہ ص ۸۶

[4] Iqbal Shah, Islamic Sufism, Delhi - Reprint 1979 p. 18

کیسے بنتا ہے اس کے لیے باب مفاعلہ کا ماضی مجہول لیا جاتا ہے یعنی صَافَیَ سے صُوْفِیَ بروزن قُوْدِلَ مجہول قَابَلَ[1] اس میں شک نہیں کہ اگر لغوی طور پر یہ اشتقاق صحیح قرار پائے تو صوفی کے مفہوم کو پوری طرح واضح کرتا ہے اور ساتھ ہی صوفی کے مناسب حال بھی ہے، لیکن معروف اصولوں کی روشنی میں صفا سے صفائیہ یا صفویہ بنے گا۔ البتہ امام ابن تیمیہؒ کے نزدیک اگر قواعدِ اشتقاق میں سے اشتقاقِ اکبر یا اشتقاقِ اوسط کا استعمال کیا جائے تو صفا ہی سے نہیں، صفہ اور صف سے بھی صوفی بنے گا۔[2] تاہم یہ رائے بہرحال معروف اصولوں سے انحراف ہے۔ خود امام موصوف نے بھی اسے ترک کیا ہے۔ اور امام قشیری بھی صفہ، صف اور صفا کے اشتقاق کو لغوی لحاظ سے درست نہیں مانتے۔[3]

بعض مورخین صوفی کو یونانی لفظ "سوف" سے ماخوذ بتاتے ہیں۔ یورپ کے کچھ مستشرقین کا خیال یہی ہے۔ مسلمانوں میں علامہ ابوریحان البیرونی[4] (۳۶۲-۴۴۰ھ / ۹۷۳-۱۰۴۸ء) لکھتے ہیں:

ھذا رای السوفیہ وھم الحکماء	یہ سوفیہ کی رائے ہے جو حکماء ہیں کیوں کہ
فان 'سوف' بالیونانیۃ	سوف یونانی زبان میں حکمت کو کہتے ہیں
الحکمۃ وبہا سمی الفیلسوف	اسی لیے فلسفی کو فلاسفر کہا گیا یعنی حکمت کا
پیلاسوپا ای محب الحکمۃ	شیدائی۔ جب مسلمانوں میں ایک طبقہ
ولما ذھب فی الاسلام قوم	ان کی رائے کے قریب ہو گیا تو وہ بھی

---

[1] اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب لاہور پاکستان طبع اول ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۲ء ۶ : ۴۱۸

[2] مجموع فتاویٰ ۱۰ : ۳۶۹

[3] الرسالۃ القشیریہ ص ۱۶۵

[4] یونانی اور ہندی فلسفہ کے ماہر، ریاضی داں اور مورخ، کئی برس ہندستان میں قیام کیا اور سنسکرت زبان سیکھی۔ خوارزم میں انتقال کیا۔ البیرونی کے سنہ وفات میں مورخین میں اختلاف ہے۔ الاعلام ۶ : ۲۰۵

الی قریب من رایهم سموا باسمهم۔[1] انھیں کے نام سے موسوم ہوا۔

ملا کاتب چلپی[2] (۱۰۱۷ – ۱۰۶۷ھ / ۱۶۰۸ – ۱۶۵۷ء) بھی حکماءِ اشراق اور صوفیہ کو ہم مشرب سمجھتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ بعید نہیں کہ یہ اصطلاح اشراقیوں کے اصطلاح سے ماخوذ ہو۔[3] علامہ شبلی نعمانی (۱۲۷۴ – ۱۳۳۲ھ / ۱۸۵۷ – ۱۹۱۴ء) نے بھی اسی رائے کی تائید کی ہے۔ یعنی یہ کہ تصوف کا لفظ "سین" سے تھا اور اس کا مادہ سوف تھا جو یونانی زبان میں حکمت کے لیے بولا جاتا ہے۔ دوسری صدی ہجری میں یونانی کتابوں کا ترجمہ ہونے کی وجہ سے یہ لفظ عربی زبان میں آیا، چوں کہ صوفیہ میں اشراقی حکماء کا انداز پایا جاتا تھا اس لیے لوگوں نے ان کو سوفی کہا جو بعد میں صوفی ہو گیا۔[4] مستشرق وان ہیمر Von Hamer (۱۲۴۳ – ۱۳۰۶ھ / ۱۸۲۸ – ۱۸۸۹ء) کا کہنا ہے کہ صوفی کا لفظ Gymnosophist سے ماخوذ ہے، جس کے معنی الحکیم العاری (عریاں حکیم) ہوتے ہیں۔ یونانی اسے قدماء ہنود میں ان حکماء کے لیے استعمال کرتے تھے جو غور و فکر اور زہد و عبادت میں زندگی گزارنے کے لیے مشہور تھے۔

---

[1] ابوریحان البیرونی۔ کتاب الھند، مرتبہ ایڈورڈ سخاؤ Edward Sachau لندن ۱۸۸۷ء ص ۱۶

[2] مصطفیٰ ابن عبداللہ حاجی خلیفہ الملقب بہ کاتب چلپی قسطنطنیہ میں پیدا ہوئے۔ کشف الظنون کے نام سے ایک معجم لکھی جس میں پندرہ ہزار کتابوں کے نام اور ان کے مولفین کے حالات جمع کیے۔ الاعلام ۸ : ۱۳۸

[3] ملا کاتب چلپی۔ کشف الظنون، مصر ۱۲۷۴ھ ۱ : ۲۲۲۔ واعلم ان الاشراقیین من الحکماء الالھین کالصوفیین فی المشرب والاصطلاح خصوصًا متاخرین منھم الا ما یخالف مذھبھم مذھب اھل الاسلام ولا یبعد ان یوخذ ھذا الاصطلاح من اصطلاحھم کما لا یخفی علی من تتبع کتب حکمۃ الاشراق۔

[4] علامہ شبلی نعمانی۔ الغزالی، مطبوعہ اعظم گڑھ (یو۔ پی) ۱۹۵۶ء ص ۱۰۲

[5] مستشرق جوزف وان ہیمر کے علاوہ بعض دوسرے علماء نے بھی تصوف کی اصل دوسری قوموں میں تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔ مورخ ابن اثیر کا کہنا ہے کہ صوفی کے لفظ کا سب سے پہلے ایرانی بادشاہ افریدون بن اثفیان کے لیے استعمال ہوا جو ایرانی بادشاہ جمشید کے بیٹے تھے: ابن اثیر۔ الکامل فی التاریخ، دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ / ۱۹۷۸ء ۱ : ۸۳، قیل انہ اول من سمی الصوفی۔

مگر جوزف وان ہیمر کے پاس دونوں لفظوں میں لفظی مقاربت کے سوا اور کوئی دلیل نہیں ہے[1] مستشرق تھیوڈر نولڈیکی[2] Theodor Noldeke (۱۲۵۱ - ۱۳۴۹ھ / ۱۸۳۶ - ۱۹۳۰ء) نے اس رائے کو موضوعِ بحث بنا کر یہ رائے دی کہ یونانی زبان کے حروف Sigma کے لیے عربی زبان میں "س" آتا ہے نہ کہ "ص"۔ مزید برآں آرامی زبان میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جسے "سوفوس" اور "صوفی" کی درمیانی صورت کہا جا سکے[3] اس بحث کے بعد یہ رائے ہمیشہ کے لیے ناقابلِ اعتبار ٹھہری۔

بعض علما کا دعویٰ ہے کہ صوفی کی اصل "صفہ" ہے۔ صفہ پیش دالان یا چبوترہ کو کہتے ہیں۔ عہدِ رسالت میں جو لوگ (مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ میں) مسجدِ نبوی کے شمالی کنارے پر قیام کرتے تھے انھیں "اصحابِ صفہ" کہتے ہیں۔ یہ وہ صحابی تھے، جن کے پاس فقر و توکل کے علاوہ اور کوئی سرمایہ نہیں تھا۔ دورِ نبوی میں صفہ کی حیثیت ایک کیمپ کی تھی جہاں غیر مستطیع مہاجرین قیام کرتے تھے۔ اہلِ تصوف دعویٰ کرتے ہیں کہ اصحابِ صفہ ان کے پیش رو تھے۔ شیخ علی ہجویری کے بہ قول امت کا اس پر اجماع ہے کہ صحابۂ کرام میں کچھ لوگ مستقل طور پر مسجدِ نبوی میں رہائش پذیر تھے۔ یہ لوگ عبادت میں مشغول رہتے اور زندگی کے کاموں میں دلچسپی نہیں لیتے تھے۔ انھوں نے دنیا کو ترک کیا تھا یہاں تک کہ کھانے کمانے سے بھی دور ہی رہتے۔ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر عتاب فرمایا اور یہ آیت نازل کی:

---

[1] التصوف، ص ۴۳۔ اس رائے کی تائید میں ڈاکٹر عفیفی نے ایک اور مستشرق Merx کا نام بھی دیا ہے۔ جو غالباً مشہور جرمنی نژاد مستشرق مارکس جوزف ملر Marcus Joseph Muller (۱۲۲۴ - ۱۲۹۱ھ / ۱۸۰۹ - ۱۸۷۴ء) ہیں۔ الاعلام ۸: ۸۹

[2] جرمنی کے مشہور مستشرق عربی، آرامی، عبرانی، صابی اور حبشی زبانوں کے ماہر تھے۔ مغربی زبانوں میں یونانی، لاطینی فرانسیسی، انگریزی، اطالوی، ہسپانوی اور جرمنی زبانوں پر عبور تھا۔ جرمنی زبان میں ان کی کتاب تاریخ القرآن، رسول اللہ کی سوانح حیات، نحو عربی اور معلقات خمسہ ان کی مشہور تصانیف ہیں۔ الاعلام ۲: ۷۹

[3] Encyclopaedia of Religion and Ethics, London 1934 Vol XII, p.10

لَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ	ان لوگوں کو نہ نکالیے جو صبح و شام اپنے پروردگار
بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ	کی عبادت کرتے ہیں جس سے خاص اس کی رضا
وَجْهَهٗ (الانعام : ۵۲)[1]	مندی کا قصد رکھتے ہیں۔

شیخ شہاب الدین سہروردی[2] (۵۳۹ - ۶۳۲ھ / ۱۱۴۵ - ۱۲۳۴ء) کا خیال بھی یہی ہے کہ آیتِ بالا اصحابِ صفہ کے بارہ میں نازل ہوئی ہے[3]۔ چناں چہ ان کا کہنا ہے کہ لغوی طور پر صفہ سے صوفی کا اشتقاق نہ سہی مگر معناً ضرور صحیح ہے[4]۔ کیوں کہ صوفیہ کا حال اصحابِ صفہ کے مشابہ ہے جس طرح وہ لوگ بغیر گھر اور قبیلہ کے تھے اور مسجد میں قیام کرتے تھے، اسی طرح صوفیہ بھی اپنی خانقاہوں اور رباطوں میں رہتے ہیں۔ جس طرح وہ لوگ کوئی کسب نہیں کرتے تھے اُسی طرح یہ لوگ بھی صرف اللہ کی عبادت کرتے ہیں چناں چہ تمام صوفیہ اصحابِ صفہ کی طرف منسوب ہونا باعثِ فضیلت سمجھتے ہیں اور اسی لیے صفہ کو صوفی کا ماخذ قرار دینے کی

---

[1] کشف المحجوب ص ۶۸

[2] ابوحفص شہاب الدین سہروردی، شافعی صوفی تھے۔ بغداد میں ان کے وعظ و تبلیغ کی بے حد شہرت تھی۔ صوفیہ کا مشہور سلسلہ سہروردیہ انھیں سے شروع ہوا۔ تصوف میں ان کی کتاب "عوارف المعارف" ہے اسے اہلِ سلوک کے حلقوں میں "نصاب" کی حیثیت حاصل ہے۔ شیخ شہاب الدین سہروردی کا شمار ان صوفیہ میں ہوتا ہے جنھیں علمِ شریعت میں بھی رسوخ حاصل تھا۔ آپ کا مزار بغداد میں ہے۔ دیکھیے: سفینۃ الاولیاء و ذیل تذکرہ ص ۱۲-۱۳، البدایہ والنہایہ ۱۳: ۱۳۸، وفیات الاعیان ۳ : ۴۴۶

[3] شیخ شہاب الدین سہروردی۔ عوارف المعارف باب ۶ علی ہامش احیاء مصطفی البابی الحلبی و اولادہ بمصر سنہ ۱۳۵۸ھ/ سنہ ۱۹۳۹ء ۱: ۳۳۸

[4] عوارف المعارف ۱: ۳۳۸۔ شیخ شہاب الدین سہروردی اور ابونصر سراج طوسی نے اس آیت کے علاوہ سورہ کہف کی آیت ۲۸ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ اور سورہ عبس کی آیت عَبَسَ وَتَوَلّٰى اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى کو بھی اصحابِ صفہ کے بارے میں نازل بتایا ہے دیکھیے: عوارف المعارف ۱: ۳۳۸-۳۳۹، ابونصر سراج طوسی۔ اللمع، تحقیق و تقدیم عبد الحلیم محمود و طٰہٰ عبد الباقی سرور، دار الکتب الحدیثہ مطبعۃ السعادۃ مصر سنہ ۱۳۸۰ھ/ سنہ ۱۹۶۰ء ص ۱۸۳، نیز دیکھیے ڈاکٹر عبید اللہ فراہی۔ تصوف ایک تجزیاتی مطالعہ، ادارہ تحقیق و تصنیف علی گڈھ بار اول سنہ ۱۹۸۷ء ص ۱۶

کوششیں بھی ہوئی ہیں۔ لیکن یہ اشتقاق معیارِ صرفی پر پورا نہیں اترتا اس لیے اس کو رد کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح قاعدۂ اشتقاق کی رو سے ان اقوال کو بھی مسترد کیا گیا ہے، جن میں صوفی کو صوفانہ (ایک ترکاری کا نام) یا صوفۃ القفا (گدی کے بال)، سے مشتق قرار دینے کی کوششیں کی گئی ہیں۔

بیش تر مشرقی علماء اور مستشرقین اسے صوف "اون" سے ماخوذ سمجھتے ہیں، اور تمام اشتقاقات میں یہ اشتقاق درست بھی لگتا ہے۔ شیخ ابونصر سراج طوسی[1] (م ۳۷۸ھ/۹۸۸ء) کہتے ہیں کہ میں نے انھیں ظاہری لباس کی طرف منسوب کیا ہے کیوں کہ صوف کا پہناوا انبیاءِ کرام کا طریقہ اور اولیاء و اصفیاء کا شعار رہا ہے۔ نیز اس سلسلہ میں بہ کثرت اخبار و روایات موجود ہیں۔[2] شیخ ابوبکر کلاباذی[3] (م ۳۸۰ھ/۹۹۰ء) لکھتے ہیں کہ لباس کی وجہ سے ان

---

[1] ابونصر عبداللہ بن علی سرّاج طوسی کا وطن طوس ہے۔ شیخ ابومحمد مرتعش سے آپ نے تصوف حاصل کیا تصوف میں آپ کی کتاب "اللمع فی التصوف" اہلِ سلوک کے لیے ایک مرجع کی حیثیت رکھتی ہے۔ آپ کا مزار طوس میں ہے جو عوام و خواص کا مرجع بنا ہوا ہے۔ آپ نے کہا تھا کہ جو جنازہ میرے مزار کے سامنے رکھا جائے گا انشاء اللہ اس کی مغفرت ہوگی۔ چنانچہ اہلِ طوس ہر جنازہ کو آپ کے مزار کے سامنے لا کر رکھ دیتے ہیں: سفینۃ الاولیاء بذیل تذکرہ ص ۱۵۶، نفحات الانس ص ۱۸۰-۱۸۱، اعلام ۴: ۲۴۱

[2] اللمع ص ۴۰

[3] ابوبکر محمد بن ابراہیم الکلاباذی البخاری، بخارا کے محلہ کلاباد کے رہنے والے اور اسی سے منسوب ہیں۔ حفاظِ حدیث اور کبار صوفیہ میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ تصوف میں ان کی کتاب "التعرف لمذہب اہلِ التصوف" کے نام سے مشہور ہے۔ اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ایک بزرگ کا قول ہے: "اگر کتاب التعرف نہ ہوتی تو تصوف جانا نہ جاتا"۔ یہ تصوف کی بنیادی کتابوں میں سے ایک ہے۔ دیکھیے: کشف الظنون ص ۴۲۵، سفینۃ الاولیاء بذیل تذکرہ ص ۱۵۷، اعلام ۶: ۱۸۴؛ ابوسعید عبدالکریم بن محمد السمعانی۔ الانساب حیدرآباد، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۸۲ھ تا ۱۴۰۲ھ/ سنۃ ۱۹۶۲ء تا سنۃ ۱۹۸۲ء ۱۱: ۱۷۹ و ۱۸۰؛ عمر رضا کحالہ۔ معجم المؤلفین، مکتبۃ المثنیٰ۔ بیروت و دار احیاء التراث العربی (بدون تاریخ) ۸: ۲۲۲

کا نام صوفیہ پڑا کیوں کہ وہ حفظِ نفس یا زینت کے لیے نرم لباس نہیں پہنتے بلکہ صرف سترِ عورت کے لیے بالوں کا کھردرا اور موٹا اونی لباس استعمال کرتے ہیں[۱]۔ شیخ کلاباذی نے الصفا، الصفہ اور الصف سے بھی معنوی طور پر صوفی کو ماخوذ بتایا ہے، مگر الصوف سے صوفی کا اشتقاق ان کے نزدیک اس لیے قابلِ ترجیح ہے کہ اس سے صورت میں لفظ بھی درست ہوگا اور لغت کے اعتبار سے اس کی تعبیر و تشریح بھی درست ہوگی[۲]۔ شیخ شہاب الدین سہروردی بھی اس اشتقاق سے بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بعض لوگوں کے نزدیک ظاہری لباس سے منسوب ہونے کی بنا پر ان کا نام صوفیہ پڑا[۳]۔ امام ابن تیمیہ رقم طراز ہیں:

والنسبة فی الصوفية الی الصوف	صوفیہ صوف سے منسوب ہیں کیوں کہ
لانه غالب لباس الزهاد[۴]	زاہدوں کا لباس اکثر یہی ہوتا ہے۔

علامہ ابن خلدون[۵] (۷۳۲-۸۰۸ھ/۱۳۳۲-۱۴۰۶ء) کی بھی یہی رائے ہے[۶]۔ مصر اور برصغیر کے معاصر اہلِ قلم میں سے

---

[۱] ابوبکر محمد الکلاباذی، التعرف لمذہب اہل التصوف، تحقیق عبدالحلیم محمود۔ طٰہٰ عبدالباقی سرور، داراحیاء الکتب العربیہ قاہرہ سنہ ۱۳۸۰ھ/سنہ ۱۹۶۰ء ص ۲۲

[۲] التعرف ص ۲۴-۲۵

[۳] عوارف المعارف ۱: ۳۳۱-۳۳۲، نظام الدین یمنی غریب۔ لطایفِ اشرفی، نصرت المطابع دہلی سنہ ۱۲۹۵ھ ۱: ۳۳۳، صوفی با صوف نسبتی داشت و تمام حرف معانی معروف دارند۔

[۴] مجموع فتاوی ۱۰: ۳۶۹

[۵] مشہور مورخ اور فلسفی علامہ ابن خلدون کا مولد و منشا تونس ہے۔ قاہرہ میں انتقال کیا۔ اپنی کتاب "مقدمہ" کے لیے مشہور ہیں۔ الاعلام ۴: ۱۰۶-۱۰۷

[۶] ابن خلدون۔ مقدمہ، بیروت، الطبعۃ الثانیہ سنہ ۱۹۰۰ء ۱: ۴۶۷

طٰہٰ عبدالباقی سرور[۱]، ابراہیم الجیوشی[۲] اور ڈاکٹر میر ولی الدین[۳] نے اسی رائے کی تائید کی ہے۔ ڈاکٹر زکی مبارک (۱۳۰۸ - ۱۳۷۱ھ / ۱۸۹۱ - ۱۹۵۲ء) نے اسے سب سے صحیح رائے قرار دیا ہے[۴]۔

مستشرقین میں رنولڈ۔ الینے نکلسن[۵] (۱۸۶۸ - ۱۹۴۵ء) ایڈورڈ براؤن[۶] (۱۸۶۲ - ۱۹۲۶ء) لوئی ماسینون (۱۸۸۳ - ۱۹۶۲ء) اور ٹرمنگھام[۸] کی رائے بھی یہی ہے کہ یہ صوف سے ماخوذ ہے، تاہم کچھ اور دلائل بھی ہیں جو اس نظریہ کو باوزن بناتے ہیں۔ مثلاً:

۱۔ صوف پوشی صوفیہ کا دستور رہا ہے اگرچہ امام قشیری کا کہنا ہے کہ صوف پہننا ان کی خصوصیت نہیں ہے[۹]۔ یا شیخ ہجویری کے ایک قول میں اسے لباس الانعام (چوپایوں کا لباس) کہا گیا ہے[۱۰]۔ مگر تمام صوفی مصنفین (یہاں تک کہ جو صوفیہ صوف کو صوفی کا ماخذ ماننے میں متأمل ہیں) نے انبیاء، صحابہ و تابعین اور اولیاء کی صوف پوشی کی روایات نقل کی ہیں۔ شہاب الدین سہروردی کے نزدیک صوف ہمیشہ سے زہاد، عباد اور صلحاء و متقین

۱؎ طٰہٰ عبدالباقی سرور، اعلام التصوف الاسلامی، دار نہضۃ مصر ۲ : ۲۸

۲؎ ابراہیم الجیوشی، بین التصوف والحیاۃ، مصر ص ۱۱

۳؎ Mir Vali-ud-din, The Quranic Sufism, Delhi 1959, p.2

۴؎ زکی مبارک۔ التصوف الاسلامی فی الادب والاخلاق، دار الکتاب العربی بمصر، الطبعۃ الثانیہ سنہ ۱۳۷۳ھ / سنہ ۱۹۵۴ء

۱ : ۵۲

۵؎ Encyclopaedia Britanica; London 1929, Vol. 21, p. 522.

Encyclopaedia of Religion and Ethics, Vol XII p.10

۶؎ E.G. Brown, A literary History of Persia, London 1929 Vol. I p.297

۷؎ اردو دائرۂ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب لاہور پاکستان طبع اول سنہ ۱۳۸۱ھ / سنہ ۱۹۶۲ء ۶ : ۴۱۸

۸؎ J.S. Trimingham - The Sufi orders in Islam, Oxford University Press 1973 p. 1.

۹؎ الرسالۃ القشیریہ ص ۱۶۵

۱۰؎ کشف المحجوب ص ۴۰

کا مرغوب لباس رہا ہے۔ ان کی بیان کردہ ایک روایت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نچلے طبقہ کے لوگوں کی دعوت قبول کرتے، گدھے پر سوار ہوتے اور صوف کا لباس زیب تن فرماتے تھے[۱] شیخ سہروردی حضرت عبداللہ ابن مسعود[۲] رضی اللہ عنہ کی ایک روایت بیان کرتے ہیں، کہ جس دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہم کلامی کا شرف بخشا اس روز آپ صوف کا جبہ پہنے ہوئے تھے اور آپ کی ازار بھی صوف ہی کی تھی[۳] شیخ ابوبکر کلابادی کے بہ قول صوف انبیاء کا لباس اور اولیاء کی پوشش ہے[۴]

---

[۱] عوارف المعارف علی ہامش احیاء ۱ : ۳۳۱ - ۳۳۲، التعرف ص ۲۲

[۲] صحابی رسول، قدیم الاسلام، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست ستر سورتوں کی تعلیم حاصل کی تھی۔ حجۃ القرآن والحدیث تھے ۳۲ھ/۶۵۲ء میں وفات پائی۔ الاصابہ ۴ : ۲۳۳، الطبقات الکبریٰ لابن سعد ۳ : ۱۵۷

[۳] یہ حدیث ترمذی میں بہ ایں الفاظ مروی ہے: "... عن ابن مسعود عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: کان علی موسیٰ یوم کلمہ ربہ کساء صوف وجبۃ صوف وکُمّۃ صوف وسراویل صوف وکان نعلاہ من جلد حمار میت"۔ دیکھیے: امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ، سنن الترمذی، تحقیق ابراہیم عطوۃ عوض ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۲ء کتاب اللباس باب ۱، حدیث نمبر ۱۷۳۴، ۴ : ۲۲۴، الامام الحافظ ابوالعلی محمد عبدالرحمٰن بن عبدالرحیم المبارک فوری، تحفۃ الاحوذی بشرح جامع الترمذی، تصحیح عبدالوہاب عبداللطیف الطبعۃ الثالثہ ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء، ابواب اللباس، باب ۱، باب ماجاء فی لبس الصوف، حدیث نمبر ۱۷۸۸، ۵ : ۴۱۰، یہ حدیث منکر ہے اس میں حمید الاعرج ہیں جو متروک الحدیث ہیں ان سے صرف یہی ایک روایت مروی ہے۔ حدیث کی دوسری کمزوری یہ ہے کہ یہ منقطع الاسناد ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود سے حضرت عبداللہ بن حارث کی سماعت ثابت نہیں ہے۔ دیکھیے: سنن الترمذی ۴ : ۲۲۵، تحفۃ الاحوذی ۵ : ۴۱۰، حدیث کے رواۃ کی جانچ کے لیے دیکھیے:

الدکتور الشریف منصور بن عون العبدلی، مرویاتِ ابن مسعود، دار شروق جدہ، الطبعۃ الاولیٰ ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۵ء - ۱۹۸۶ء ۲ : ۱۰۱ - ۱۰۴

[۴] الصوف لباس الانبیاء وزی الاولیاء۔ التعرف ص ۲۲

شیخ ہجویری نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث نقل کی ہے :

علیکم بلباس الصوف تجدون	تم صوف کا لباس لازم پکڑ لو۔ قلوب میں ایمان
حلاوۃ الایمان فی قلوبکم[1]	کی حلاوت پاؤ گے۔

صوف کو صوفیوں کا شعار قرار دیتے ہوئے شیخ موصوف کہتے ہیں کہ یہ ارباب صفا کے لیے وفا کی قمیص ہے جسے پہن کر وہ دونوں جہان سے بے تعلق ہو جاتے ہیں[2]۔ صوفیہ کی بیان کی ہوئی ایک روایت میں بتایا گیا ہے کہ ستر انبیاء جو خانہ کعبہ کے ارادہ سے پیدل جا رہے تھے، روحاء سے صخرہ کے مقام پر گزرے تو انھیں صوف میں ملبوس پایا گیا[3]۔ امام غزالی کے بیان کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مرثیہ کہا تو اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہو کر یہ الفاظ کہے :

ولبست الصوف ورکبت الحمار	آپ نے صوف کا لباس زیب تن فرمایا، گدھے پر سوار
واردفت خلفك[4]	ہوئے اور پیچھے سواری پر دوسرے کو بٹھایا۔

صوفیہ کے مطابق حضرت حسن بصری[5] (۲۱ - ۱۱۰ھ / ۶۴۲ - ۷۲۸ء) کہتے ہیں کہ میں نے ستر بدری صحابہ کو دیکھا جو سب کے سب صوف میں ملبوس تھے[6]۔ نیز اصحاب صفہ کے متعلق بھی روایت ہے کہ صوف کا

---

[1] کشف المحجوب ص ۳۸، حدیث موضوع ہے دیکھیے ناصر البانی: سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ والموضوعہ ۱ : ۱۰۸

[2] کشف المحجوب ص ۴۰ - ۴۱

[3] التعرف ص ۲۲، عوارف المعارف علیٰ ہامش احیاء ۱ : ۳۳۳

[4] ابوحامد محمد الغزالی۔ احیاء علوم الدین، مصطفیٰ البابی الحلبی واولادہ بمصر ۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹ء ۱ : ۳۱۹

[5] ابوسعید حسن بصریؒ جلیل القدر تابعی اور فصیح اللسان خطیب تھے۔ مدینہ آپ کا مولد و منشا اور بصرہ آپ کا مدفن ہے۔ زہد و ورع میں یکتائے زماں تھے۔ صوفیہ کے اکثر سلسلے آپ ہی کے توسط سے حضرت علی رضؓ تک پہنچتے ہیں: وفیات الاعیان ۲ : ۶۹، شذرات الذہب ۱ : ۱۳۶، حلیۃ الاولیاء ۲ : ۱۳۱، تذکرۃ الحفاظ ۱ : ۷۱، الطبقات الکبریٰ ۱ : ۲۹، سفینۃ الاولیاء بذیل تذکرہ ص ۳۱، الاعلام ۲ : ۲۴۳

[6] التعرف ص ۲۲، عوارف المعارف علیٰ ہامش احیاء ۱ : ۳۳۲

لباس پہنتے تھے جب پسینہ آتا تو ان کے کپڑوں سے ایسی بو آتی تھی جیسی ان بھیڑوں سے آتی ہو جن پر بارش برسی ہو۔ عُیینہ بن حصن[1] نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کیا آپ کو ان کی بو بُری نہیں لگتی؟ تو انھوں نے فرمایا کہ مجھے اس سے تکلیف ہوتی ہے[2]۔ اس سے قطع نظر کہ ان روایات کی کیا حقیقت ہے غور طلب امر یہ ہے کہ صوفیہ کا اس کثرت سے انھیں بیان کرنا ان کے نزدیک صوف کی برتری کی بہت بڑی دلیل ہے۔ ورنہ اگر صوف کا لباس صوفیہ کے لیے مخصوص نہ ہوتا تو یہ روایات بیان کرنے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ صوفیہ اس سے بے خبر نہیں کہ مسلمانوں کے لیے سفید کپڑے کو پسندیدہ اور مستحب کہا گیا ہے۔ اس کے باوجود صوف کو پاک سیرت افراد کا لباس قرار دینا اس کی دلیل ہے کہ صوفیہ کے یہاں اس لباس کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے اور لباس کی طرف انتساب کی وجہ ہی سے وہ صوفی کہلائے۔

۲۔ کبار صوفیہ کے اقوال میں صوف کو صوفی کی خصوصیات میں شمار کیا گیا ہے۔ مثلاً سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی[3] (م ۲۹۷ھ / ۹۱۰ء) کا قول ہے:

---

[1] عُیینہ بن حصن بن حذیفہ فتح مکہ سے پہلے ایمان لے آئے ہیں۔ خلافت عثمانی میں وفات پا ئے۔ الاصابہ ۴ : ۷۰۔

[2] التعرف ص ۲۲، عوارف المعارف علی ہامش احیاء ۱ : ۳۳۳

[3] ابوالقاسم الجنید بن محمد الجنید البغدادی مشہور صوفی بزرگ کا مولد و منشا و مدفن بغداد ہے۔ سید الطائفہ اور طاؤس العلماء کے القاب سے مشہور ہیں۔ صوفیہ کی روایات کے مطابق آپ نے تصوف اپنے ماموں شیخ سری سقطی سے حاصل کیا۔ آپ صاحب صحو بزرگ تھے۔ شیخ ابوجعفر حداد (م ۳۴۰ھ / ۹۵۱ء) کا کہنا ہے کہ اگر عقل مرد ہوتی تو اس کی شکل و شباہت بالکل جنید جیسی ہوتی۔ فقہ میں آپ حضرت سفیان ثوری کے پیرو کار تھے۔ صوفیہ کا سلسلۂ جنیدیہ آپ ہی سے منسوب ہے۔ آپ کئی کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔ متقدمین صوفیہ میں آپ عدیم المثال تھے۔ بغداد میں علم توحید پر سب سے پہلے لب کشائی کی۔ الطبقات الکبریٰ ۱ : ۸۴، حلیۃ الاولیاء ۱۰ : ۲۵۵، وفیات الاعیان ۱ : ۳۷۳، تذکرۃ الاولیاء باب ۴۳ ص ۲۲۳ - ۲۳۹، سفینۃ الاولیا بذیل تذکرہ ص ۷۵، الاعلام ۲ : ۱۳۷

التصوف مبنی علیٰ ثمان خصال : السخاء، والرضاء، والصبر، والاشارۃ والعزبۃ، ولبس الصوف، والسیاحۃ والفقر، اما السخاء فلابراھیم، و اما الرضاء فلاسحاق، واما الصبر فلایوب، واما الاشارۃ فلزکریا واما العزبۃ فلیحییٰ، واما لبس الصوف فلموسیٰ، واما السیاحۃ فلعیسیٰ، و اما الفقر فلمحمد صلی اللہ علیہ وسلم۔[۱]

تصوف آٹھ خصائل پر مبنی ہے : سخاوت رضا، صبر، اشارہ، عزبۃ، صوف پہننا، سیاحت اور فقر۔ سخاوت حضرت ابراہیمؑ کی، رضا حضرت اسحاقؑ کی، صبر حضرت ایوبؑ کا، اشارہ حضرت زکریاؑ کا، عزبۃ حضرت یحییٰؑ کی، صوف کا پہننا حضرت موسیٰؑ کا، سیاحت حضرت عیسیٰؑ کی اور فقر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا شیوہ رہا ہے۔

ایک اور صوفی یحییٰ ابن معاذ رازی[۲] (م ۲۵۸ھ/۸۷۲ء) کہتے ہیں :

لبس الصوف حانوت والکلام فی الزھد حرفۃ۔[۳]

صوف کا پہننا حانوت ہے اور زہد میں کلام کرنا حرفت۔

۱؎ کشف المحجوب ص ۳۵۔

۲؎ ابوزکریا یحییٰ ابن معاذ بن جعفر الرازی، رے کے بے نظیر واعظ اور زاہد، بلخ میں قیام اختیار کیا اور نیشاپور میں وفات پائی۔ کتبِ تصوف میں آپ کے جو اقوال منقول ہیں، ان سے حکمت و دانائی پھوٹتی ہے۔ ان کا مشہور قول ہے :

" اجتنبت صحبۃ ثلاثۃ اصناف من الناس، العلماء الغافلین، والقراء المداھنین، والمتصوفۃ الجاھلین۔" دیکھیے :

وفیات الاعیان ۶ : ۵، صفۃ الصفوۃ ۴ : ۷۱، سفینۃ الاولیاء بذیل تذکرہ ص ۱۲۹۔۱۳۰، نفحات الانس ص ۳۷۔۳۸، الطبقات الکبریٰ ۱ : ۸۱، حلیۃ الاولیاء ۱۰ : ۵۱، الاعلام ۹ : ۲۱۸

۳؎ عبدالوہاب شعرانی۔ الطبقات الکبریٰ، مصطفی البابی الحلبی واولادہ بمصر، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۷۳ھ/ ۱۹۵۴ء ۱ : ۱۰۰۔

ابوعلی رودباری[1] (م ۳۲۲ھ/۹۳۴ء) سے جب پوچھا گیا کہ صوفی کسے کہتے ہیں؟ تو انھوں نے جواب دیا:

من لبس الصوف علی الصفا واطعم الھویٰ ذوق الجفا کانت الدنیا منه فی القفا و سلك منھاج المصطفیٰ۔[2]

صوفی وہ ہے جس نے پاک باطنی سے صوف پہنا، اپنی خواہشات کو جفا کا مزہ چکھایا، دنیا کو پس پشت ڈالا اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ پر چلا۔[3]

۳۔ صوف کو ہمیشہ ترکِ دنیا کی علامت سمجھا گیا ہے۔ چنانچہ عرب میں جب لوگ زہد کی طرف مائل ہوتے تو صوف کا لباس اختیار کرتے، مثلاً بہلول ابن ذھیب نے جب زاہدانہ زندگی اختیار کی تو صوف پہن کر مدینہ کی پہاڑیوں میں چلا گیا۔[3] شیخ ابراہیم بن ادہم[4] (م ۱۶۱ھ/۷۷۸ء) نے زہد اختیار کیا تو ایک گڈریے سے صوف کا جبہ حاصل کیا۔[5] ایران میں جو لوگ زہد و تقشف کی زندگی بسر کرتے تھے انھیں پشمینہ پوش کہا جاتا تھا۔[6] جو صوفی کا ہو بہو فارسی ترجمہ ہے۔ اُس زمانہ

---

[1] ابوعلی محمد بن احمد بن القاسم الرودباری، بغداد کی ایک بستی رودبار میں پیدا ہوئے اور مصر میں سکونت اختیار کی۔ آپ کا تعلق امرا و شرفا کے خاندان سے تھا۔ بغداد میں حضرت جنید بغدادی کی صحبت میں رہے حدیث و فقہ شیخ ابراہیم الحربی سے پڑھی۔ سال وفات میں اختلاف ہے بعض تذکرہ نگاروں نے سنہ وفات ۳۳۲ دیا ہے۔ سفینۃ الاولیا بذیل تذکرہ ص ۷۴، الانساب ۶: ۱۸۸ [2] التعرف ص ۲۵، الانساب میں فی القفا کی جگہ علی القفا دیا ہے۔ دیکھیے الانساب ۶: ۱۸۹ [3] Encycopaedia of Religion and Ethics Vol. XII p. 10.

[4] ابواسحاق ابراہیم بن منصور التیمی البلخی، بلخ کے امیر زادہ تھے عیش و عشرت چھوڑ کر تصوف اختیار کیا۔ بغداد، شام اور حجاز میں اپنے وقت کے مختلف علما و صلحا سے کسب فیض کیا۔ تمام عمر کھیتی باغبانی، حمالی اور آٹا پیسنے کے حلال پیشوں پر گزر اوقات کی۔ ان کے زہد و تقشف کی بنا پر تمام معاصرین ان کا حد درجہ احترام کرتے تھے۔ خرقۂ ولایت و خلافت حضرت فضیل بن عیاض (۱۰۵-۱۸۷ھ/۷۲۳-۸۰۲ء) کے ہاتھ سے پہنا تھا۔ دیکھیے شذرات الذھب ۱: ۲۵۵، حلیۃ الاولیاء ۷: ۳۶۷، نفحات الانس ص ۲۸، وفیات الاعیان ۱: ۳۱، الاعلام ۱: ۲۴

[5] ابوعبدالرحمٰن السلمی، طبقات الصوفیہ، تحقیق نورالدین سدیبہ، مطابع دار الکتاب العربی بمصر محمد حلمی المنیاوی الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۷۲ھ/۱۹۵۳ء ص ۳۰

[6] A Literary History of Persia, Vol. I p. 297.

میں صوف کو بہ طور لباس اختیار کرنا ترکِ دنیا اور زہد و تقشف اختیار کرنے کے ہم معنی سمجھا جاتا تھا[1]۔ چنانچہ شیخ ابو نعیم اصبہانی[2] (۳۳۶ - ۴۳۰ھ / ۹۴۸ - ۱۰۳۸ء) کی رائے ہے کہ ان لوگوں نے نخوت و تکبر کو توڑنے کے لیے صوف کو بہ طور لباس اختیار کیا اور صوفیہ کہلائے[3]۔

۴۔ صوف تارک الدنیا لوگوں کے لباس کی حیثیت سے اس قدر مشہور ہو چکا تھا کہ خود اربابِ تصوف اسے فیشن تصور کر کے اس کی مذمت کرتے تھے۔ شیخ سلیمان دارانی[4] (م ۲۱۵ھ / ۸۳۰ء) نے صوف پہنے ہوئے ایک آدمی سے کہا کہ ”تو نے زاہدوں کا ہتھیار ظاہر کیا“[5]۔

شیخ ذوالنون مصری[6] (م ۲۴۵ھ / ۸۵۹ء) نے اپنے خیالات کا اظہار اس سلسلہ میں یوں کیا ہے:

تصوف فازدهى بالصوف جهلا — وبعض الناس يلبسه مجانة
يريك مهانة ويريك كبرا — وليس الكبر من شكل المهانة
تصوف كي يقال له أمين — وما معنى تصوفه الامانة
ولم يرد الاله به ولكن — اراد به الطريق الى الخيانة[7]

---

[1] الرسالة القشيرية ص ۷۲، الصوف من اعلام الزهد .... الخ

[2] احمد بن عبد اللہ بن احمد الاصبہانی کا مولد و مدفن اصبہان ہے۔ آپ نے دس جلدوں میں حلیۃ الاولیاء و طبقات الاصفیاء کے نام سے صوفیہ کی تاریخ لکھی۔ محدث، مورخ اور متصوف تھے۔ وفیات الاعیان ۱ : ۲۶، میزان الاعتدال ۱ : ۵۲، تذکرۃ الحفاظ ۳ : ۱۰۹۱، الاعلام ۲ : ۱۵۰

[3] ابو نعیم اصبہانی۔ حلیۃ الاولیاء، دار الکتاب بیروت سنہ ۱۴۰۰ھ / سنہ ۱۹۸۰ء ۱ : ۲۰

[4] عبد الرحمٰن بن احمد بن عطیہ کا مولد داران دمشق ہے۔ اولیاء متقدمین میں اونچا مرتبہ رکھتے تھے۔ دیکھیے: نفحات الانس ص ۲۷، حلیۃ الاولیاء ۹ : ۲۵۴ [5] تلبیس ابلیس ص ۱۹۸

[6] ثوبان بن ابراہیم المعروف بہ ذوالنون مصری، مصر کے مشہور صوفی، اہلِ ولایت کے احوال و مقامات میں مصر میں سب سے پہلے گفتگو کی۔ اہلِ ملامت کے سردار مانے جاتے ہیں۔ میزان الاعتدال ۳ : ۳۳۱، لسان المیزان ۳ : ۴۳۷، وفیات الاعیان ۱ : ۳۱۵، الاعلام ۲ : ۸۸، حلیۃ الاولیاء ۹ : ۳۳۱ [7] حجۃ الاسلام ابو حامد محمد الغزالی۔ منہاج العابدین، مطبعۃ دار احیاء الکتب العربیۃ لاصحابها عیسٰی البابی الحلبی وشرکاہ بجوار المشهد الحسینی بمصر ص ۴۹ - ۵۰۔

ان شواہد کی بنا پر یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ تصوف کا اصل مادہ صوف ہے۔ نیز اس کے ساتھ ہی ان تمام اشتقاقات کی تردید ہوتی ہے جن میں صوفی کو "الصفہ"، "الصف"، "صونہ"، "صوفۃ القفا"، "صفا" اور "سوف" سے ماخوذ بتایا گیا ہے۔

دیکھنا یہ ہے کہ مسلمانوں میں صوف پوشی کا چلن کب سے شروع ہوا۔ سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں صوف پہننے کی کچھ روایات ملتی ہیں۔ جیسا کہ صحیح بخاری کی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے جس میں حضرت مغیرہ[۱] (۲۰ ق ھ - ۵۰ ھ / ۶۰۳ - ۶۷۰ء) کے بیان کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جنگ میں صوف کا لباس پہنے ہوئے تھے[۲] اسی طرح صحابہ کے متعلق بتایا جاتا ہے کہ وہ صوف کا لباس استعمال کرتے تھے[۳] علامہ ابن جوزی کے بقول صوف کا پہننا اہل عرب کے نزدیک شہرت میں داخل نہ تھا انھوں نے ان تمام احادیث کو جو اہل تصوف صوف کی فضیلت میں بیان کرتے ہیں، موضوع قرار دیا ہے[۴] خود انھوں نے صوف کی مذمت میں جو احادیث نقل کی ہیں، صحیح نہیں ہیں[۵]

۱؎ مغیرہؓ بن شعبہ ابی عامر ۵ھ میں اسلام لے آئے۔ اصابتِ رائے کے لیے مشہور ہیں۔ ۱۳۶ حدیثوں کی روایت کی ہے۔ الاصابہ ۶ : ۱۹۷،

۲؎ ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن المغیرہ بن بردویہ البخاری، صحیح البخاری، داراحیاء التراث العربی مصطفی البابی الحلبی واولادہ، القاہرہ ۱۳۷۸ھ/۱۹۵۸ء، کتاب اللباس، الجزء السابع ص ۱۸۶

۳؎ کشف المحجوب ص ۳۸-۳۹، A Literary History of Persia, Vol. I p. 297.

۴؎ تلبیس ابلیس ص ۱۹۴، واما مایروی فی فضل لبسہ من الموضوعات لایثبت منہا شیئ۔ ص ۱۹۴

۵؎ حدیث ۱: عن عباد بن کثیر عن انس قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم: "من لبس الصوف لیعرف الناس کان حقا علی اللہ عزوجل ان یکسوہ ثوبا من حرب حتی یتساقط عروقہ"۔ حدیث ۲: عن عکرمہ عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم: "ان الارض لتعج الی ربہا من الذین یلبسون الصوف ریاء"۔ تلبیس ابلیس ص ۱۹۴
پہلی حدیث میں عباد بن کثیر ہیں جن کے بارے میں ائمۂ حدیث کہتے ہیں کہ ان سے حدیث نہ لی جائے۔ میزان الاعتدال ۲ : ۳۷۲
دوسری حدیث میں ایک راوی سہل بن عمار ہیں جن کو حاکم نے کذب سے متہم کیا ہے۔ میزان الاعتدال ۲ : ۲۴۰۔
دوسرے راوی عباد بن منصور ہیں جو امام ذہبی کے نزدیک ناقابلِ اعتبار ہیں۔ میزان الاعتدال ۲ : ۳۷۶

صوف پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی مداومت نہیں فرمائی بلکہ صحیح احادیث کی رو سے انھوں نے سفید کپڑا پسند فرمایا ہے اور اسی کو استعمال کرنے کی ہدایت بھی کی ہے :

خیر ثیابکم البیاض فالبسوھا وکفنوا فیھا موتاکم[1] — سفید کپڑا تمھارے لیے بہترین کپڑا ہے بس تم اس کا لباس پہنا کرو اور اپنے مُردوں کو اس میں کفناؤ۔

ابونصر سراج طوسی کے بہ قول جس طرح حضرت عیسیٰؑ کے ساتھیوں کو علوم، احوال یا اعمال کے کسی نوع کی طرف نہیں بلکہ لباس کی طرف منسوب کیا گیا جیسا کہ قرآن حکیم میں اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ .... الآیہ میں آیا ہے۔ حواری سفید کپڑے پہنتے تھے بس اللہ تعالےٰ نے علوم، احوال یا اعمال سے منسوب کرنے کے بجائے انھیں لباس سے منسوب کیا۔ یہی حال صوفیہ کا ہے وہ بھی لباس سے منسوب ہوئے[2]۔ دونوں میں انتساب کی مماثلت کے علاوہ صوف پوشی کی مماثلت بھی ہے حضرت حسن بصری کا کہنا ہے کہ حضرت عیسیٰ صوف کا لباس پہنتے تھے۔ درخت (پتے) ان کی خوراک تھی اور جہاں شام ہو جاتی وہیں رات گزار دیتے تھے[3]۔ ابتدائی دور میں جب زہد سرعت کے ساتھ تصوف کا قالب اختیار کر رہا تھا، ارباب باطن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ بالخصوص اصحاب صفہ کے متعلق صوف پہننے کی روایات نقل کرتے تھے[4] غالباً اس کا مقصد یہ رہا ہو کہ زہاد کے اس مخصوص لباس کے شرف و فضیلت کی اساس خود عہد رسالت میں تلاش کی جائے تاکہ راسخ العقیدہ مسلمانوں کے تیز و تند حملوں سے بچاؤ کی ایک صورت نکل سکے تاہم

---

[1] الحافظ ابوعبداللہ محمد بن یزید القزوینی ابن ماجہ۔ سنن ابن ماجہ، تحقیق محمد مصطفی الاعظمی، ریاض، الطبعۃ الثانیہ ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۴ء، کتاب اللباس، باب الثیاب البیاض حدیث نمبر ۳۶۱۱، ۲ : ۲۹۲

[2] اللمع ص ۴۱

[3] اللمع ص ۴۱، التعرف ص ۲۲، مخدوم شیخ جہانگیر اشرف سمنانی فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے حضرت آدمؑ نے صوف کا لباس استعمال کیا جب وہ دنیا میں آئے تو خدا نے انھیں بھیڑ بھیجا تاکہ اس کی اون کتر لیں۔ انھوں نے اس کا اون کتر ڈالا۔ لطایف اشرفی ۱ : ۱۳۳

[4] التعرف ص ۲۲، عوارف المعارف علی ھامش احیاء ۱ : ۳۳۳

اس لباس کو راسخ العقیدہ مسلمانوں نے پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھا۔ امام محمد ابن سیرین[۱] (۳۳ - ۱۱۰ھ / ۶۵۳ - ۷۲۹ء) نے جب سنا کہ مسلمانوں کی ایک جماعت صوف پہننے کو ترجیح دیتی ہے تو انھوں نے کہا:

ان قوماً یتخیرون بالصوف ویقولون	لوگ صوف کا لباس اختیار کرتے ہیں اور
انھم متشبھون بالمسیح بن مریم	کہتے ہیں کہ ہم مسیح ابن مریم سے تشبہ رکھتے
وھدی نبینا احب الینا وکان	ہیں حالانکہ اپنے نبی کی سنت ہم کو زیادہ محبوب ہے
النبی صلے اللہ علیہ وسلم یلبس	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قطن کا لباس
القطن[۲]	پہنتے تھے۔

صوف کو "زی الرہبان" (راہبوں کا لباس) کہا جاتا تھا اور پہلی صدی ہجری کے اختتام تک اسے نصرانیت کی علامت کی حیثیت حاصل تھی۔ چنانچہ حضرت حماد بن سلمہ[۳] (م ۱۶۷ھ / ۷۸۴ء) جب بصرہ گئے تو حضرت حسن بصری کے شاگرد فرقد سبخی[۴] صوف کا لباس پہنے ان سے ملنے آئے مگر شیخ حماد نے ان کے لباس پر اظہار ناراضگی کرتے ہوئے کہا:

دع عنک نصرانیتک ھذہ لقد رأیتنا	یہ نصرانیت اتار پھینکو تم نے ہمیں دیکھا کہ ہم
ننتظر ابراھیم فیخرج الینا وعلیہ	ابراہیم (نخعی) کا انتظار کرتے تھے تو جب

۱۔ تابعی تھے، علوم دین کے امام، تعبیر خواب کے بے مثال ماہر اور زہد و پرہیزگاری میں اپنی مثال آپ تھے۔ بصرہ میں پیدا ہوئے اور وہیں وفات پائی۔ تذکرۃ الحفاظ ۱: ۷۷، تہذیب التہذیب ۹: ۲۱۴، حلیۃ الاولیا ۲: ۲۶۳، تاریخ بغداد ۵: ۳۳۱، وفیات الاعیان ۴: ۱۸۱، مفتاح السعادۃ ۱: ۳۶۵، الاعلام ۷: ۲۵

۲۔ الصوفیہ والفقرا، مشمولہ مجموع فتاویٰ ۱۱: ۷

۳۔ حماد بن سلمہ بن دینار البصری، بصرہ کے مفتی اور حافظ حدیث، بدعات کے مخالف تھے۔ شذرات الذہب ۱: ۲۶۲، الاعلام ۲: ۳۰۲، حلیۃ الاولیاء ۶: ۲۴۹، تذکرۃ الحفاظ ۱: ۲۰۲

۴۔ ابو یعقوب فرقد سبخی، حضرت حسن بصری کے شاگرد تھے۔ زہد و ورع کے لیے مشہور ہیں۔ وطن آرمینیہ اور مسکن بصرہ تھا۔ ۱۳۱ھ / ۷۴۸ء میں وفات پائی۔ حلیۃ الاولیاء ۳: ۴۴، الطبقات الکبریٰ ۱: ۳۶، الانساب ۷: ۵۵، شذرات الذہب ۱: ۱۸۱

معصفرة ونحن نرى ان الميتة قد حلت له[1]

وہ نکلتے تو معصفرہ میں ملبوس ہوتے حالاں کہ ان کی حالت ایسی ہوتی کہ جس میں مُردار بھی حلال ہوتا ہے۔

٭

عبدالکریم البوامیہ[2] (م ۱۲۷ھ/۷۴۴ء) صوف کا لباس پہن کر ابوالعالیہ[3] (م ۹۰ھ/۷۰۸ء) کے پاس گئے تو انھوں نے کہا:

انما هٰذه ثياب الرهبان ان كان المسلمون اذا تزوروا تجملوا[4]

یہ رہبان کا لباس ہے مسلمان جب کسی سے ملنے جاتے ہیں تو زینت و آرائش کرتے ہیں۔

صوف کے لباس سے مسلمانوں کی نفرت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ حضرت سفیان ثوری[5] (۹۷ - ۱۶۱ھ/۷۱۶ - ۷۷۸ء) نے صوف میں ملبوس ایک صوفی سے صاف صاف کہا: "تمہارا یہ لباس بدعت ہے[6]"۔ قتیبہ بن مسلم[7] (۴۹ - ۹۶ھ/۶۶۹ - ۷۱۵ء) نے بصرہ کے ایک زاہد محمد بن واسع[8] (م ۱۲۳ھ/۷۴۱ء) سے صوف پہننے

---

[1] ابن عبدربہ۔ العقد الفرید، مطبعۃ الاستقامۃ بالقاہرہ، الطبعۃ الثانیہ سنہ ۱۳۷۲ھ/۱۹۵۳ء ۲ : ۱۸۷

[2] عبدالکریم البوامیہ بصرہ کے ایک معلم تھے اور کوفہ میں سکونت اختیار کی تھی۔ میزان الاعتدال ۲ : ۶۴۶-۶۴۷، تقریب التہذیب ص ۲۱۷

[3] زہد و عبادت میں مشہور تھے۔ الطبقات الکبریٰ ۱ : ۳۵

[4] تلبیس ابلیس ص ۱۹۶

[5] "امیرالمومنین فی الحدیث" کے لقب سے مشہور ہیں۔ کوفہ آپ کا مولد و منشا ہے اکثر عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے تھے تفسیر اور حدیث کے ماہر تھے۔ فقہ میں ایک مستقل مکتبِ فکر کے بانی ہیں حق گو اور بے باک تھے۔ شذرات الذہب ۱ : ۱۰۸، تہذیب التہذیب ۴ : ۱۱۱-۱۱۵، حلیۃ الاولیاء ۶ : ۳۵۶-۷، وفیات الاعیان ۲ : ۳۸۶ [6] تلبیس ابلیس ص ۱۹۶

[7] ابوحفص قتیبہ بن مسلم الباہلی، عرب کے قابلِ فخر امیر اور فاتح تھے۔ الاعلام ۶ : ۲۸، وفیات الاعیان ۴ : ۸۶

[8] مشہور زاہد جنھیں حضرت سفیان ثوری "قراء الرحمٰن میں سے ایک قاری" کہا کرتے تھے۔ حلیۃ الاولیاء ۲ : ۳۴۵، الطبقات الکبریٰ ۱ : ۳۶-۳۷

کی وجہ پوچھی، تو وہ خاموش رہے۔ جب قتیبہ نے خاموشی کا سبب دریافت کیا، تو محمد بن واسع نے جواب دیا: "میں نہیں چاہتا کہ کہوں زہد کی وجہ سے پہنا، اس صورت میں میں اپنی بزرگی جتلاؤں گا، یہ بھی نہیں چاہتا کہ آپ سے کہوں فقر کی وجہ سے پہنا، اس صورت میں اپنے رب کی شکایت کروں گا، اس لیے خاموشی ہی آپ کا جواب ہے"[۱]۔ صوف پہننے کا مقصد انکساری کا اظہار ہوتا تھا، لیکن ابتدائی دور ہی میں اسے بعض ایسے لوگوں نے بھی اختیار کیا جو اپنے دلوں میں کبر ونخوت کے بُت خانے سجائے ہوئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ محتاط اور پرہیزگار مسلمانوں کی نگاہوں میں اسے اس قدر مبغوض سمجھا جانے لگا کہ حضرت حسن بصری نے اسے "زی المنافقین" (منافقوں کا لباس) کا نام دیا اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ اس سے پناہ مانگتے تھے۔ جب ان سے سوال کیا گیا کہ زی المنافقین کسے کہتے ہیں؟ تو انھوں نے جواب دیا: "لباس سے خشوع ظاہر ہو اور دل میں خشوع نہ ہو"[۲]۔ انھوں نے ایک دفعہ اپنے شاگرد فرقد کا کمبل پکڑ کر کہا کہ اس لباس میں کوئی نیکی نہیں ہے، اصل نیکی خلوص دل اور صحیح عمل میں ہے[۳]۔ حضرت حسن بصری خود اعلیٰ درجہ کا لباس پہنتے تھے۔ ایک بار فرقد نے انھیں قیمتی یمنی جبہ اور چادر میں ملبوس دیکھ کر کہا: "استاذِ من! آپ کا لباس تو ایسا نہیں ہونا چاہیے"۔ اس پر انھوں نے جواب دیا:

ان اکثر اصحاب النار اصحاب الاکسیة[۴]	دوزخ والوں میں اکثر گلیم پوش ہیں۔

ایک اور بزرگ شیخ ابن سماک[۵] (م ۱۸۳ھ/۷۹۹ء) نے ایک دفعہ صوف پہننے والوں کی طرف مخاطب

---

[۱] العقد الفرید ۲ : ۱۸۷، احیاء علوم الدین ۴ : ۲۲۹

[۲] تلبیس ابلیس ص ۱۹۵   [۳] تلبیس ابلیس ص ۱۹۵

[۴] تلبیس ابلیس ص ۱۹۹، احیاء علوم الدین ۴ : ۲۳۰، منہاج العابدین ص ۴۹

[۵] ابوالعباس محمد صبیح المشہور بہ ابن سماک، زاہد اور عارف باللہ تھے۔ حضرت سفیان ثوری کی صحبت میں اکثر وقت گزارتے تھے۔ کوفہ میں انتقال کیا۔ الطبقات الکبریٰ ۱ : ۶۱، سفینة الاولیا، بذیل تذکرہ ص ۱۲۲، حلیة الاولیاء ۸ : ۲۰۳-۲۱۷، وفیات الاعیان ۴ : ۳۰۱

ہو کر کہا:

واللہ لئن کان لباسکم وفقاً لسرائرکم لقد احببتم ان یطلع الناس علیھا، وان کان مخالفاً لقد اھلکتم۔[۱]

قسم بخدا اگر تمھارا لباس تمھارے اندرون کے موافق ہے تو تم پسند کرتے ہو کہ لوگ تمھارے حال سے واقف ہو جائیں اگر اس کے برعکس ہے تو تم ہلاک ہوئے۔

امام زہری[۲] (۵۸-۱۲۴ھ / ۶۷۸-۷۴۲ء) سے جب زہد کے متعلق سوال کیا گیا، تو انھوں نے جواب دیا:

انما ھو بتشعیث اللمّۃ ولا قشف الھیۃ ولکنہ ظلف النفس عن الشھوۃ۔[۳]

یہ (یعنی زہد)، نہ تو پراگندہ مو ہونے کا نام ہے اور نہ بدہیئتی کا بلکہ یہ نفس کو شہوت سے باز رکھنا ہے۔

صوف پوشی کے خلاف بے ریا زاہدوں کا ردعمل ہمیشہ سخت رہا۔ شیخ احمد بن حواری[۴] (دم ۲۳۲ھ / ۸۴۶ء) سے ایک دفعہ شیخ سلیمان دارانی نے سوال کیا کہ صوف پہننے سے لوگوں کا مقصد کیا ہے؟ انھوں نے جواب دیا: "تواضع"۔ اس پر شیخ دارانی نے کہا کہ یہ لوگ تو صوف پہننے کے بعد ہی متکبر بنتے ہیں۔[۵] زہاد کے اس ردعمل کے باوجود یہ لباس دوسری صدی ہجری میں تیزی سے مقبول ہوتا گیا، اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ اسے ان لوگوں نے بھی استعمال کرنا شروع کیا جو اسے شکاری کا جال

---

[۱] العقد الفرید ۲: ۱۷۸-۱۸۸، تلبیس ابلیس ص ۱۹۰ [یہ قول محمد بن محمد الکتانی سے منسوب ہے]

[۲] عہد بنو امیہ کے مشہور عالم، تابعی تھے۔ سب سے پہلے حدیث کی تدوین انھیں کے ہاتھوں ہوئی۔ شغب میں وفات پائی، جو حجاز و فلسطین کے مابین سرحد پر واقع ہے۔ وفیات الاعیان ۴: ۱۷۷، تذکرۃ الحفاظ ۱: ۱۰۲، الاعلام ۹: ۳۱۷، الانساب ۶: ۳۵۰،

[۳] العقد الفرید ۲: ۱۸۷

[۴] ابوالحسن احمد بن الحواری کا مولد و مسکن دمشق ہے۔ شیخ ابوسلیمان دارانی کے مرید ہیں۔ آپ کا خاندان عبادت و ریاضت کے لیے مشہور رہا ہے۔ حلیۃ الاولیاء ۱۰: ۵، سفینۃ الاولیاء بذیل تذکرہ ص ۱۲۵، الطبقات الکبریٰ ۱: ۸۲، فریدالدین عطار، تذکرۃ الاولیاء، بمبئی ۱۳۰۵ھ باب ۳۲ ص ۱۸۴-۱۸۵ [۵] تلبیس ابلیس ص ۱۹۶

سمجھتے تھے. چنانچہ نضر بن شمیل[1] (۱۲۲ - ۲۰۳ھ / ۷۴۰ - ۸۱۹ء) نے جب ایک صوفی سے پوچھا کیا تم اپنا صوف کا جبہ فروخت کردگے؟ تو اس نے جواب دیا: "شکاری جب اپنا جال بیچے گا تو وہ کس چیز سے شکار کرے گا"[2]

صوفی کا لفظ سب سے پہلے کب اور کس کے لیے استعمال ہوا ہے؟ اس سوال کے مختلف جوابات دیے گئے ہیں. شیخ ابو النصر سراج طوسی کے بہ قول یہ لفظ صحابہ میں کسی کے لیے استعمال نہیں ہوا، کیوں کہ شرف صحابیت بہت بڑا شرف ہے اور جو کچھ صحابہ کو حاصل ہوا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی بنا پر حاصل ہوا. ان کی فضیلت اسی میں نمایاں ہے البتہ لفظ صوفی کو بغدادیوں کی ایجاد قرار دینا صحیح نہیں ہے کیوں کہ یہ اسم حضرت حسن بصری کے زمانہ میں رائج تھا جیسا کہ ان سے مروی ہے کہ میں نے ایک صوفی کو طواف کرتے ہوئے دیکھا تو میں نے اسے کچھ دینا چاہا مگر اس نے یہ کہہ کر لینے سے انکار کر دیا کہ میرے پاس چار دوانیق ہیں جو میرے لیے کافی ہیں[3] اس کے علاوہ محمد بن اسحاق بن یسار[4] (م ۱۵۱ھ / ۷۶۸ء) کی کتاب جو اخبار مکہ سے متعلق ہے، میں ہے کہ ایک وقت مکہ میں کوئی طواف نہیں کرتا تھا اس وقت کسی دور شہر سے ایک صوفی آکر طواف کر کے چلا جاتا تھا[5] مگر ان روایات کی صحت مشکوک ہے. اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ صوفی کا لفظ قبل از اسلام یا حضرت حسن بصری کے زمانہ میں مستعمل تھا تو یہ سوال پھر بھی عقدۂ لاینحل رہ جاتا ہے کہ صوفیہ کے پیش رو زہاد اس اسم سے کیوں موسوم نہیں ہوئے؟ خود ابو نصر سراج طوسی کو ان روایات کی صحت کا پورا یقین نہیں ہے. ابو محمد جعفر بن احمد بن حسین السراج القاری[6] (م ۵۰۰ھ / ۹۸۸ء)

---

[1] ایام العرب، حدیث اور لغت کے امام گزرے ہیں. مرو (خراسان) وطن تھا. تذکرۃ الحفاظ ۱: ۳۱۴، وفیات الاعیان ۵: ۳۹۷

[2] تلبیس ابلیس ص ۱۹۶، اذا باع الصیاد شبکتہ بای شیئ یصطاد.

[3] اللمع فی التصوف ص ۴۲

[4] حافظ حدیث اور قدیم ترین مورخ عرب تھے. بغداد میں وفات پائی. الاعلام ۶: ۲۵۲

[5] اللمع ص ۴۳ شیخ سراج طوسی نے فان صح ذلک کے الفاظ استعمال کیے ہیں.

[6] کثرت اسفار کے لیے مشہور ہیں اصلاً عراقی ہیں بغداد میں وفات پائی "مصارع العشاق" ان کی تصنیف ہے. الاعلام ۲: ۱۱۵

نے امیر معاویہ[۱] رضؓ (۲۰ق ھ ۔ ۶۰ھ / ۶۰۳ ۔ ۶۸۰ء) کا ایک خط نقل کیا ہے جو انھوں نے گورنر مدینہ کے نام لکھا تھا اس میں انھوں نے یہ شعر لکھا تھا۔ ع

قد کنت تشبہ صوفیاً لہ کتب   من الفرایف او ایات فرقان[۲]

حضرت امیر معاویہؓ کے خط سے جو شعر نقل کیا گیا ہے اس کی صحت بھی تحقیق طلب ہے کسی مورخ یا مصنف نے اسے بہ طور سند پیش نہیں کیا ہے۔ مزید بر آں اگر اس کو مان بھی لیا جائے تب بھی یہ سوال جواب طلب ہے کہ مسلمانوں میں اس کا استعمال سب سے پہلے کس شخص کے لیے کیا گیا؟ امام قشیری کے بیان کے مطابق جب بدعتوں کا ظہور ہوا اور مختلف فرقے وجود میں آئے تو ہر فرقہ نے دعویٰ کیا کہ زہاد انھیں کے فرقہ میں ہیں، اس وقت اہل سنت کے خاص لوگوں نے جو اللہ کے ذکر میں مستغرق رہتے اور اپنے دلوں کو غفلت کے طریقوں سے محفوظ رکھتے تھے، اہلِ تصوف کا لقب اختیار کیا۔ دوسری صدی ہجری سے پہلے یہ لقب اس فرقہ کے اکابر کے لیے مشہور ہو گیا[۳] شیخ شہاب الدین سہروردی کے بہ قول بعض لوگوں کے نزدیک صوفی کا لفظ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دو سو سال بعد تک مشہور نہیں ہوا تھا[۴] اس میں کوئی شک نہیں کہ صوفی کا لفظ ۱۵۰ھ / ۷۶۷ء سے پہلے استعمال ہوا ہے۔ ماسینون (Massignon) لکھتے ہیں:

"الصوفی کو لقب کے طور پر تاریخ میں پہلے پہل آٹھویں صدی کے نصف آخر میں کوفہ کے ایک شیعہ کیمیا گر جابر ابن حیان کے نام کے ساتھ جو زہد میں ایک مسلک خاص رکھتا تھا، استعمال کیا گیا، نیز ایک نامور صوفی ابو ہاشم کوفی کے ساتھ"[۵]

---

[۱] مشہور صحابی حضرت معاویہ بن ابی سفیان ۸ھ میں ایمان لے آئے۔ دمشق کو دار الخلافہ بنا کر دولت بنو امیہ کی بنیاد ڈالی

الاعلام ۸ : ۱۷۲ - ۱۷۳

[۲] خلیق احمد نظامی۔ تاریخ مشائخ چشت، ادارۂ ادبیات دلی ۱۹۸۰ء ص ۴۴۔ پروفیسر نظامی نے مصارع العشاق، مطبوعہ الجوائب قسطنطنیہ کے حوالہ سے یہ شعر نقل کیا ہے اور حاشیہ میں تحریر کیا ہے کہ یہ روایت سند متصل کے طور پر ابو مخنف سے ہشام بن عروہ تک جاتی ہے۔

[۳] الرسالۃ القشیریہ ص ۹   [۴] عوارف المعارف علیٰ ہامش احیاء ۱ : ۳۴۳

[۵] اردو دائرہ معارف اسلامیہ بہ ذیل مادہ تصوف (۱) ۶ : ۴۱۹

ابوبکر سراج الدین رقم طراز ہیں :

"سب سے پہلے اس کا اطلاق ابو ہاشم بن شریک (حدود ۱۳۰ھ) اور جابر بن حیان ماہر کیمیا (حدود ۱۶۰ھ) پر کیا گیا جو دونوں کوفی تھے، ممکن ہے یہ لفظ اس سے پہلے بھی استعمال کیا گیا ہو۔"[1]

ابو ہاشم کوفی اور جابر بن حیان دونوں حضرت سفیان ثوری کے ہم عصر رہے ہیں۔ ان دونوں میں ہمارے نزدیک اولیت کا شرف ابو ہاشم الکوفی کو حاصل ہے۔ اولیت کے دوسرے دعویدار جابر بن حیان کی سوانح عمری مصر سے شائع ہوئی ہے۔ سوانح نگار ڈاکٹر زکی نجیب، جابر کی شخصیت کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتا ہے :

"سیاسی طور پر شیعہ، عملاً فلسفی اور علمی طور پر وہ کیمیا گروں میں سے تھا، اس کے علاوہ وہ صوفی تھا یہاں تک کہ صوفی کی صفت اس کے نام کا جز بن گئی اس لیے جہاں کہیں اس کا ذکر ہوتا جابر بن حیان الصوفی کہا جاتا۔"[2]

اگر جابر بن حیان کو اس معاملہ میں اولیت حاصل ہوتی تو مصنف ضرور اس کا ذکر کرتے یا دوسرے مورخین اسے بیان کرتے، صرف ماسینون نے پہلے جابر بن حیان کا نام لیا ہے وہ بھی قطعیت کے ساتھ نہیں، بلکہ ابو ہاشم الکوفی کا نام ساتھ لے کر ابہام پیدا کیا ہے۔ جب کہ دوسرے مورخین نے صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ اولیت کا شرف ابو ہاشم الکوفی کو حاصل ہے۔

مولانا عبدالرحمٰن جامی[3] (۸۱۷-۸۹۸ھ / ۱۴۱۴-۱۴۹۲ء) کہتے ہیں :

اول کسے کہ وی را صوفی خواندند وی بود — سب سے پہلے جس شخص کو صوفی کہا گیا یہی

---

[1] اردو دائرۂ معارف اسلامیہ بہ ذیل مادہ تصوف (۲) ۶ : ۴۲۹

[2] ڈاکٹر زکی نجیب۔ جابر بن حیان، مطبوعہ قاہرہ مصر سنہ ۱۹۶۱ء ص ۱۶

[3] مولانا عبدالرحمٰن جامی، جام میں پیدا ہوئے۔ سیر و سیاحت کے بعد ہرات لوٹ آئے اور وہیں انتقال کیا۔ فلسفہ وحدۃ الوجود کے شارح اور ترجمان کی حیثیت سے مشہور ہیں۔ "لوائح" "نفحات الانس" ان کی مشہور تصانیف ہیں۔ شذرات الذہب ۷ : ۳۸۰، تذکرۂ میخانہ ص ۱۰۰، الاعلام ۴ : ۶۷

بیش از دی کسے را باین نام نخوانده بود۔[1] (ابوہاشم کوفی) تھے۔ ان سے پہلے اس نام سے کسی اور کو پکارا نہیں گیا تھا۔

ملا کاتب چلپی رقم طراز ہیں:

واول من سمی بالصوفی ابو ہاشم الصوفی المتوفی سنۃ ۱۵۰ھ خمسین ومائۃ۔[2] اور سب سے پہلے ابوہاشم صوفی المتوفی ۱۵۰ھ کو صوفی کہا گیا۔

طٰہٰ عبد الباقی سرور، امام جلال الدین سیوطی[3] (۸۴۹ - ۹۱۱ھ / ۱۴۴۵ - ۱۵۰۵ء) کے بارے میں لکھتے ہیں:

وعند السیوطی اول من سمی بالصوفی وتکلم فی علم القلوب ابو ھاشم الصوفی۔[4] اور امام سیوطی کے نزدیک سب سے پہلے جس شخص کو صوفی کہا گیا اور جس نے علم قلوب میں لب کشائی کی وہ ابوہاشم صوفی تھے۔

ابراہیم الجیوشی کا کہنا ہے کہ علما کے نزدیک سب سے پہلے صوفی کا لقب ابوہاشم کوفی متوفی ۱۵۰ھ کے لیے استعمال کیا گیا۔[5] مولانا شاہ محمد مبارک کی رائے ہے:

"اون میں سے جو اول بہ اسم صوفی مشہور ہوئے وہ سید ابوہاشم محمد بن احمد تھے۔ انھوں نے ۱۶۱ھ میں انتقال کیا۔"[6]

حضرت سفیان ثوری نے ان کے بارے میں کہا ہے:

لولا ابو ھاشم الصوفی ما عرفتُ اگر ابوہاشم صوفی نہ ہوتے تو میں

---

[1] نفحات الانس ص ۲۲

[2] کشف الظنون ۱ : ۲۲۲

[3] عبد الرحمٰن بن ابوبکر المعروف بہ امام جلال الدین سیوطی ۶۰۰ کتابوں کے مصنف ہیں۔ مصر ان کا مولد ومنشا ومدفن ہے۔ الاعلام ۴ : ۷۱ - ۷۲، شذرات الذہب ۸ : ۵۱

[4] اعلام التصوف الاسلامی ۲ : ۳۰

[5] بین التصوف والحیاۃ ص ۱۲ - ۱۳

[6] مولانا شاہ محمد مبارک۔ کنوز اسرار القدیم، مطبع احمدی کانپور ۱۳۱۱ھ ص ۶

دقایق الریا[۱] ریا کی باریکیوں کو نہ جان لیتا۔

ابوہاشم ایک بزرگ حسن الاطروش کے بھائی تھے جو خود بھی انساک میں شمار ہوتے تھے۔ ان کا نام احمد[۲] اور کنیت ابوہاشم تھی الصوفی کے نام سے مشہور تھے۔ ابوعبداللہ بن جعفر البراثی[۳] کے ہم نشینوں میں تھے[۴]۔ ان کے مشہور اقوال میں سے ایک قول یہ ہے:

"دلوں سے تکبر کو نکالنے کے مقابلہ میں سوئی سے پہاڑ کھودنا زیادہ آسان ہے[۵]۔"

نکلسن کے بیان کے مطابق جاحظ بصری[۶] (۱۶۳-۲۵۵ھ / ۷۸۰-۸۶۹ء) پہلا عرب مصنف ہے جس نے صوفی کا صیغہ جمع صوفیہ استعمال کیا[۷]۔ ماسینون کے بہ قول اس کا صیغہ جمع "صوفیہ" پہلی دفعہ ۱۹۹ھ/۸۱۴ء میں اسکندریہ کی ایک معمولی سی شورش کے سلسلہ میں نظر آتا ہے۔ محاسبی اور جاحظ کے مطابق تقریباً اسی زمانہ میں اس کا استعمال نیم شیعی مسلمانوں کی ایک جماعت صوفیہ کے لیے ہوا تھا، جو کوفہ میں پیدا ہوئی اور جس کا آخری امام عبدک الصوفی (م ۲۱۰ھ / ۸۲۵ء) تھا۔ یہ شخص نبات نور، تارک اللحم اور حق ارث کا قائل تھا[۸]۔

۱۔ اللمع ص ۲۴۲۔ ابوہاشم کے بارے میں ان کا دوسرا قول تھا، میں جانتا نہ تھا صوفی کون ہوتا ہے جب تک ابوہاشم کو نہیں دیکھا۔ دیکھیے: نفحات الانس ص ۲۲

۲۔ ابن حزم۔ جمہرۃ انساب العرب، قاہرہ ۱۹۶۳ء ص ۵۴

۳۔ ابوعبداللہ بن ابی جعفر البراثی زاہد اور عابد کی حیثیت سے مشہور ہیں۔ تاریخ بغداد ۱۴: ۴۰۳-۴۰۴

۴۔ حلیۃ الاولیاء ۱۰: ۲۵۵، تاریخ بغداد ۱۴: ۳۹۷

۵۔ حلیۃ الاولیاء ۱۰: ۲۵۵

۶۔ عربی زبان و ادب کا مشہور ماہر، اپنے زمانہ کے جملہ علوم میں مہارت رکھتا تھا۔ بصرہ آپ کا مولد و مدفن ہے۔ الاعلام ۵: ۲۳۹

۷۔ *Encyclopaedia of Religion and Ethics.* Vol. XII, p. 10,

۸۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ۶: ۴۱۹

اسکندریہ کی جس شورش میں صوفیہ کا ذکر ملتا ہے وہ سری بن حکم[1] (م ۲۰۵ھ/۸۲۰ء) کی ولایت کے زمانہ میں ہوئی تھی۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فرض پر عمل کرتے ہوئے صوفیہ نام کے ایک گروہ نے بغاوت کی جس کا سربراہ ابو عبدالرحمٰن الصوفی تھا۔ یہ شورش ۲۰۰ھ کے رمضان اور ذی قعدہ کے درمیان ہوئی تھی[2] جس کو ماسینیوں نے سہواً ۱۹۹ھ سمجھ لیا۔ ایک اور اہلِ قلم ٹرمنگھام نے بھی شورش کا سال ۲۰۰ھ لکھا ہے[3]۔ حقیقت یہ ہے کہ ۲۰۰ھ کے آس پاس صوفیہ کا لفظ عوام و خواص کی زبانوں پر چڑھ گیا تھا مثلاً حضرت امام شافعی[4] (۱۵۰-۲۰۴ھ/۷۶۷-۸۲۰ء) کا مشہور قول ہے "میں صوفیہ کے ساتھ رہا مگر ان سے صرف دو (ایک روایت میں تین) باتیں سیکھیں، ایک یہ کہ وہ کہا کرتے تھے کہ وقت تلوار ہے اگر تم اسے نہیں کاٹو گے تو وہ تمہیں کاٹے گی"۔ دوسری بات صوفیہ یہ کہا کرتے تھے کہ اگر تم اپنے نفس کو حق میں مشغول نہیں کرو گے تو وہ تمہیں باطل میں مشغول کرے گا۔ ان کا تیسرا قول یہ تھا کہ عدم ہی بچاؤ ہے[5]۔ قاضی یحییٰ بن اکثم[6] (۱۵۹-۲۴۲ھ/۷۷۵-۸۵۷ء) کا بیان ہے کہ میں خلیفہ مامون الرشید[7] (۱۷۰-۲۱۸ھ/۷۸۶-۸۳۳ء) کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اتنے میں علی بن صالح الحاجب داخل ہوا اور کہنے لگا: "امیر المومنین! دروازہ پر ایک شخص میلے کچیلے کپڑوں میں ملبوس مناظرہ کے لیے

---

[1] سری بن حکم بن یوسف، خلیفہ مامون الرشید کی طرف سے ۲۰۰ھ میں مصر کے والی مقرر کیے گئے تھے۔

الاعلام ۳ : ۱۲۹

[2] الکندی۔ کتاب الولاۃ و کتاب القضاۃ، بیروت، ۱۹۰۸ء ص ۱۶۲

[3] The Sufi orders in Islam p. 5.

[4] ابو عبداللہ محمد بن ادریس الشافعی، فقہ شافعی کے مؤسس اور حدیث کے ماہر ہیں۔ مصر میں وفات پائی۔ تذکرۃ الحفاظ ۱ : ۳۲۹، تہذیب التہذیب ۹ : ۲۵، الطبقات الکبری ۱ : ۵۰، وفیات الاعیان ۴ : ۱۶۳

[5] حقائق عن التصوف ص ۵۶۶ - ۵۶۷

[6] فقیہ اور ادیب تھے۔ بیس سال کی عمر میں بصرہ کے قاضی ہو گئے۔ مامون الرشید کے عہد خلافت میں بغداد کے قاضی القضاۃ ہو گئے۔ زبدہ میں وفات پائی۔ وفیات الاعیان ۶ : ۱۶۵

[7] عباسی خاندان کا ساتواں خلیفہ جس نے بغداد میں بیت الحکمۃ کی بنیاد ڈالی علم و فضل اور عدل و انصاف کے لیے مشہور ہے۔ تاریخ بغداد ۱۰ : ۱۸۳

شرفِ باریابی چاہتا ہے۔" میں جان گیا کہ وہ آدمی صوفیہ میں سے ہے۔[1] امام احمد بن حنبل[2] (۱۶۴-۲۴۱ھ / ۷۸۰-۸۵۵ء) کے متعلق بتایا جاتا ہے کہ انھوں نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ تم حدیث اختیار کرو اور ان لوگوں کی محفلوں سے دور رہو جو اپنے آپ کو صوفیہ کہتے ہیں، لیکن جب شیخ ابوحمزہ بغدادی[3] (م ۲۷۰ھ / ۸۸۴ء) کو دیکھا تو اسے اجازت دے دی۔[4] اس سے لگتا ہے کہ صوفی کا صیغہ جمع صوفیہ تیسری صدی ہجری کی ابتدا ہی میں زبان زدِ خاص وعام ہو گیا تھا اور ۱۹۹ھ سے پہلے اس کا استعمال ہوا ہے۔ قاضی عیاض[5] (۴۷۶-۵۴۴ھ / ۱۰۸۳-۱۱۴۹ء) کی بیان کی ہوئی ایک روایت کے مطابق اہل نصیبین میں سے ایک شخص حضرت امام مالک[6] (۹۳-۱۷۹ھ / ۷۱۲-۷۹۵ء) کی مجلس میں آیا اور کہنے لگا: "اے ابوعبداللہ! ہمارے ہاں ایک جماعت ہے جسے صوفیہ کہا جاتا ہے وہ لوگ بہت زیادہ کھاتے ہیں اس کے بعد قصائد گانے لگتے ہیں پھر کھڑے ہو کر ناچتے ہیں۔ امام مالک نے پوچھا کیا وہ بچے ہیں؟ اس شخص نے کہا نہیں۔ امام صاحب نے پوچھا کیا وہ دیوانے ہیں؟ اس نے کہا" نہیں مشائخ اور ذی عقل ہیں"۔ اس پر امام مالک نے کہا کہ میں نے کبھی نہیں سنا ہے کہ اہلِ اسلام میں سے کوئی شخص ایسی حرکت کرتا ہے۔ اس شخص نے کہا بلکہ وہ کھانا کھا کر کھڑے ہوتے ہیں اور ان میں بعض اپنا سر پیٹتے ہیں اور بعض اپنا چہرہ۔ امام مالک کو

---

[1] حقائق عن التصوف ص ۲۴

[2] ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل شیبانی، مشہور محدث، فقہ حنبلی کے امام، زہد وورع میں عدیم المثال اور صبر واستقامت کے پہاڑ تھے۔ فتنۂ خلقِ قرآن کے موقع پر آپ نے جس عزیمت کا مظاہرہ کیا اس پر علی بن مدینی نے کہا: "اللہ تعالیٰ نے اس دین کو دو شخصوں کے ذریعہ عزت دی جن کا تیسرا ہمسر نہیں ہے ارتداد کے موقع پر حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اور فتنۂ خلقِ قرآن میں احمد بن حنبل کے ذریعہ"۔ تاریخِ بغداد ۴: ۴۱۸

[3] محمد بن ابراہیم المعروف بہ ابوحمزہ بغدادی، عالم قرأت تھے۔ شیخ حارث محاسبی کے مرید تھے۔ بغداد میں سب سے پہلے آپ ہی نے ذکر، ہمت، محبت، عشق اور انس کے بارہ میں گفتگو کی۔ الطبقات الکبریٰ ۱: ۹۹، تاریخ بغداد ۱: ۳۹۰-۳۹۴، مرآۃ الاسرار جلد ۱، ورق ۱۳۰، سفینۃ الاولیا، بذیل تذکرہ ص ۱۳۵، نفحات الانس ص ۷۴، سن وفات ۲۸۷ھ دیا ہے۔ [4] حقائق عن التصوف ص ۵۶۷ [5] ابوالفضل عیاض بن موسیٰ بن عیاض بن عمرون،

(بقیہ حاشیہ صفحہ دیگر پر)

ہنسی آگئی اٹھ کر اندر چلے گئے تو محفل میں موجود لوگوں نے اس شخص سے کہا کہ تم نے ہمارے امام صاحب کو تنگ کیا ہے ہم تیس سال سے زائد عرصہ سے ان کی مجلس میں بیٹھتے آئے ہیں ہم نے بس آج انھیں ہنستے دیکھا ہے[7] امام مالک کی وفات ۱۷۹ھ/۷۹۵ء میں ہوئی ہے یہ واقعہ چوں کہ ان کی زندگی میں پیش آیا تھا اس لیے وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ صوفی کا صیغہ جمع صوفیہ ۱۷۹ھ/۷۹۵ء سے پہلے استعمال ہوا ہے۔

تصوف کی کتابوں میں صوف پوشی سے متعلق احادیث بہ کثرت ملتی ہیں مگر ان احادیث کو علماءِ حدیث نے موضوع کہہ کر رد کیا ہے۔ تاہم صوف پوشی اربابِ باطن کا دستور رہا ہے اور اس طبقہ میں اسے ایک شناختی لباس کی حیثیت حاصل رہی ہے۔

ابتدائی دور میں صوفیہ اس کا خیال رکھتے تھے کہ صوف پہن کر ان کا ظاہر و باطن یکساں ہونا چاہیے۔ ابو سلیمان دارانی نے ایک دفعہ دھلا ہوا کپڑا پہنا تو احمد حواری نے کہا: "کاش آپ اس سے بہتر کپڑا پہنتے"۔ اس پر ابو سلیمان نے کہا: کاش میرا دل بھی ایسا ہی ہوتا جیسے میری قمیص کپڑوں میں ہے[8] ظاہر و باطن کی یکسانیت کے علاوہ ایک زاہد کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایک خاص مقدار میں کپڑے استعمال کرے۔ امام غزالی اس سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ اس کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ صوفی اتنے

(حاشیہ گزشتہ سے پیوستہ) مغرب کے یکتائے زمانہ عالمِ حدیث اور کلامِ عرب کے فاضلِ دہر، سبتہ میں پیدا ہوئے اور مراکش میں وفات پائی۔ اعلام ۵ : ۲۸۲، وفیات الاعیان ۳ : ۴۸۳

[6] ابو عبداللہ مالک ابن انس بن مالک، فقہ مالکی کے مؤسس ہیں مدینۃ الرسول آپ کا مولد و منشا اور مدفن ہے۔ امام دار الہجرہ کے لقب سے مشہور ہیں۔ قرآن مجید کے بعد سب سے پہلے انھوں نے فقہی ترتیب سے احادیث کا مجموعہ مرتب کیا جو "الموطا" کے نام سے مشہور ہے۔ طلاق جبری کے فتویٰ پر والی مدینہ نے انھیں سخت سزا دی لیکن امام موصوف اعلاءِ کلمۃ الحق سے باز نہیں آئے۔ ترتیب المدارک ۱ : ۱۰۲-۲۵۳، البدایہ والنہایہ ۱۰ : ۱۷۷، حلیۃ الاولیاء ۶ : ۳۱۶، الاعلام ۶ : ۱۲۸

[7] قاضی عیاض، ترتیب المدارک، دار المکتب الحیاۃ بیروت سنہ ۱۳۸۷ھ/سنہ ۱۹۶۷ء ۱ : ۱۸۰

[8] اللمع ص ۴۸، عوارف المعارف علی ہامش احیاء ۳ : ۳۲۰

کپڑے اپنے پاس رکھے جو گرمی اور سردی کے بچاؤ اور ستر عورت کے لیے ضروری ہوں یہ مقصد صرف ایک چادر سے پورا ہو سکتا ہے جو اوڑھنے کے کام آئے۔ اوسط درجہ یہ ہے کہ قمیص، ٹوپی اور جوتے ہوں اور سب سے بڑا درجہ یہ ہے کہ رومال اور پاجامہ بھی ہو اس سے جو تجاوز کرے گا اس نے حدودِ زہد سے تجاوز کیا اور زہد کی شرط یہ ہے کہ جب آدمی کپڑے دھوئے تو اس کے پاس پہننے کو دوسرا کپڑا نہ ہو بلکہ اسے اپنے گھر میں بیٹھنا پڑے۔ اس لیے آدمی کے پاس دو قمیص، دو پاجامے اور دو رومال ہو گئے تو مقدار کے لحاظ سے زہد کے جملہ ابواب سے نکل گیا[1]۔ یہی وجہ ہے کہ صوفیہ کے یہاں صرف ایک قمیص کا مالک ہونا مستحسن سمجھا جاتا ہے اگر دوسری قمیص میسر ہوئی تو وہ جنت میں داخل ہونے میں تاخیر کا سبب بنتی ہے یا کم از کم فقراء کی صحبت سے محرومی کا باعث بن سکتی ہے۔ شیخ یوسف بن اسباط[2] (م ۱۹۶ھ / ۸۱۱ء) کا بیان ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ قیامت برپا ہوئی اور مالک بن دینار[3] (م ۱۳۱ھ / ۷۴۸ء) اور محمد بن واسع[4] (م ۱۲۳ھ / ۷۴۱ء) کو جنت میں لے جایا جا رہا ہے۔ میرے دل میں خیال آیا کہ دیکھوں دونوں میں کون پہلے داخل ہوتا ہے۔ کیا دیکھتا ہوں کہ محمد بن واسع پہلے داخل ہوئے۔ میں نے اس کا سبب معلوم کیا تو بتایا گیا کہ ان کے پاس صرف ایک قمیص تھی اور مالک کے پاس دو[5]۔ شیخ جریری[6] (م ۳۱۱ھ / ۹۲۳ء) کا کہنا ہے کہ بغداد کی جامع مسجد میں ایک فقیر کے پاس جاڑے اور گرمیوں میں صرف ایک جوڑا ہوتا تھا

---

[1] احیاء علوم الدین ۴ : ۲۲۶

[2] شیخ یوسف ابن اسباط، صاحب کشف بزرگ تھے، عالم شریعت تھے لیکن بعد میں تصوف کی طرف میلان غالب آ گیا۔ نفحات الانس ص ۲۶-۲۷، الطبقات الکبریٰ ۱ : ۶۱، تذکرۃ الاولیاء باب ۵۲ ۴۷۴-۴۷۶، سفینۃ الاولیاء بذیل تذکرہ ص ۱۲۳

[3] آپ کا شمار تبع تابعین میں کیا جاتا ہے۔ اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے تھے۔ بصرہ میں وفات پائی۔ سیر اعلام النبلاء ۵ : ۳۶۲، حلیۃ الاولیاء ۲ : ۳۵۷، تہذیب التہذیب ۱۰ : ۱۴-۱۵، الطبقات الکبریٰ ۱ : ۳۷، سفینۃ الاولیاء بذیل تذکرہ ص ۱۱۹

[4] سید القراء محمد بن واسع الازدی بصرہ کے مشہور عابد و زاہد حضرت حسن بصری کے ہم صحبت تھے: شذرات الذہب ۱ : ۱۶۱

[5] الرسالۃ القشیریہ ص ۱۶۳، تذکرۃ الاولیاء ص ۳۲

[6] ابو محمد احمد بن محمد بن حسین الجریری، شیخ جنید بغدادی کے مرید اور شیخ سہل بن عبداللہ تستری کے ہم نشین ہیں۔ زہد و مجاہدہ کے لیے مشہور ہیں۔ حلیۃ الاولیاء ۱۰ : ۳۴۷، الطبقات الکبریٰ ۱ : ۹۴، سفینۃ الاولیاء، بذیل تذکرہ ص ۱۴۳، نفحات الانس ص ۹۰-۹۱، تذکرۃ الاولیاء باب ۶۹ ص ۳۱۱-۳۱۳

جب اس سے پوچھا گیا کہ اس کی کیا وجہ ہے؟ تو اس نے کہا کہ میں اچھے کپڑے پہننے کا عادی تھا کہ ایک رات خواب میں دیکھا کہ جنت میں داخل ہو کر اپنے دوست فقراء کے ساتھ دسترخوان پر بیٹھ گیا، یہ دیکھ کر فرشتوں کی ایک جماعت آئی۔ میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے دسترخوان پر سے ہٹا لیا اور کہا کہ "یہ وہ لوگ ہیں جن کے پاس صرف ایک کپڑا ہے تم دو کپڑے والے ہو ان کے ساتھ مت بیٹھو"۔ اس کے بعد سے میں نے قسم کھائی کہ صرف ایک قمیص پہنوں گا۔[۱] شیخ بایزید بسطامی[۲] (۱۲۸-۲۶۱ھ / ۷۴۶-۸۷۴ء) تمام عمر ایک ہی قمیص استعمال کرتے رہے وہ بھی انھوں نے ایک دوسرے شخص سے عاریتاً لی تھی چنانچہ شیخ کے انتقال کے بعد وہ قمیص ان کو واپس کی گئی۔[۳] اکابرین صوفیہ میں سے بعض لوگ عمدہ لباس پہنتے تھے ان کا کہنا تھا کہ جو شخص طریقت سے واقف ہوتا ہے اس کی قبا بھی اس کے لیے عبا ہوتی ہے اور جو شخص بیگانہ ہوتا ہے اس کا مرقع بھی ذلت وادبار کا باعث اور قیامت کے روز بدبختی کی دلیل ہوگا۔[۴] اوپر گزر چکا ہے کہ حضرت حسن بصری اعلیٰ درجہ کا لباس پہنتے تھے۔ شیخ ابوحفص نیشاپوری[۵] (م ۳۶۴ھ / ۹۷۴ء) ہمیشہ عمدہ لباس زیب تن کرتے تھے۔[۶] محمد بن زکریا نے کبھی مرقع لباس استعمال نہیں کیا۔[۷] شیخ یحییٰ ابن معاذ رازی ابتدا میں صوف اور پرانا لباس پہنتے تھے آخر عمر میں عمدہ اور نرم کپڑے پہننے لگے تھے۔

۱۔ اللمع ص ۲۴۸، عوارف المعارف علیٰ ھامش احیاء ۳ : ۳۲۳-۳۲۴، تذکرۃ الاولیاء ص ۳۱۲

۲۔ محرم اسرار توحید، فنائی التجرید، طیفور عیسیٰ بن آدم المعروف بہ شیخ بایزید بسطامی صاحب سکر صوفی کی حیثیت سے مشہور ہیں۔ حضرت جنید بغدادی کے بہ قول صوفیہ میں ان کی حیثیت وہی ہے جو فرشتوں میں حضرت جبرئیلؑ کی ہے طریقۂ طیفوریہ آپ سے منسوب ہے جس کی بنیاد سکر ہے۔ سفینۃ الاولیاء بذیل تذکرہ ص ۷۳، وفیات الاعیان ۲ : ۵۳۱

۳۔ اللمع ص ۲۴۹، عوارف المعارف علیٰ ہامش احیاء ۳ : ۳۲۶

۴۔ کشف المحجوب ص ۴۰

۵۔ عمرو بن سلمہ المعروف بہ ابوحفص نیشاپوری صوفیہ کے طبقۂ اولیٰ میں شمار ہوتے ہیں۔ نفحات الانس ص ۳۹، الطبقات الکبریٰ ۱ : ۸۲-۸۳، سفینۃ الاولیا بذیل تذکرہ ص ۱۳۰

۶۔ اللمع ص ۲۴۹، عوارف المعارف علیٰ ہامش احیاء ۳ : ۳۲۶

۷۔ کشف المحجوب ص ۴۲

جب شیخ بایزید بسطامی سے یہ بات کہی گئی تو انھوں نے کہا :

مسکین یحییٰ لم یصبر علی الدون — بے چارے یحییٰ ادنی پر صبر نہ کر سکے تو اعلیٰ پر

فکیف یصبر علی البحت [1] — کیسے صبر کریں گے۔

شیخ ابو سعید ابو الخیر[2] (۳۵۷-۴۴۰ھ / ۹۶۷-۱۰۴۸ء) کبھی صوف کا لباس پہنتے اور کبھی ریشم کا جو مردوں پر حرام ہے[3] شیخ عبد القادر جیلانی مخصوص لباس پہنتے تھے اور طیلسان استعمال کرتے تھے۔ شیخ ابو النجیب سہروردی[4] (م ۵۶۳ھ / ۱۱۶۷ء) کبھی دس دینار کا عمامہ استعمال کرتے تھے اور کبھی بالکل معمولی[5] شیخ علی ہیتی[6] (۴۴۴-۵۶۴ھ / ۱۰۵۲-۱۱۶۸ء) ہمیشہ فقیروں کا سیاہ لباس پہنتے تھے[7]۔ صوفیہ میں سے بعض حضرات نے صوف کو اس لیے اپنا شعار نہیں بنایا کہ ایک تو یہ جانور جس کی کھال استعمال ہوتی ہے گندی جگھوں سے نہیں بچتے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اسے جاہلوں اور زندیقوں نے اپنا شعار بنایا ہے۔ بعض

---

[1] عوارف المعارف ۳ : ۳۳۲-۳۳۳، اللمع ص ۲۴۹

[2] ابو سعید ابو الخیر خراسان کے مقام منہ میں پیدا ہوئے۔ صوفیہ میں آپ کو بلند مقام حاصل ہے۔ اسرار التوحید ان کی تصنیف ہے۔ اہل سلوک میں آپ کی رباعیات کی بے حد قدر کی جاتی ہے۔ مزار منہ میں ہے : سفینہ ص ۱۶۲

[3] ابن حزم، الفصل فی الملل والاھواء والنحل، دار المعرفۃ بیروت لبنان، الطبعۃ الثانیہ ۱۳۹۵ھ / ۱۹۷۵ء، المجلد الثالث ۴ : ۱۸۸

[4] ابو النجیب عبد القاہر ضیاء الدین سہروردی کا سلسلۂ طریقت شیخ احمد غزالی اور شیخ وجیہ الدین سے ملتا ہے۔ آداب المریدین آپ کی مشہور تصنیف ہے۔ بغداد میں وفات پائی۔ وفیات الاعیان ۳ : ۲۰۴، سفینۃ الاولیا بذیل تذکرہ ص ۱۰۳، الطبقات الکبریٰ ۱ : ۱۴۰، الانساب ۷ : ۳۰۷

[5] عوارف المعارف علی حاشیہ احیاء ۳ : ۳۲۹

[6] عراق کے مشائخ کبار میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ شیخ ابو الوفاء سے بیعت تھے۔ سفینۃ الاولیاء بذیل تذکرہ ص ۶۱-۶۲، الطبقات الکبریٰ ۱ : ۱۴۵-۱۴۶

[7] عوارف المعارف علی حاشیہ احیاء ۳ : ۳۲۹

نفر امرقع اس لیے استعمال نہیں کرتے تھے کہ وہ اپنے اندر اس کا حق ادا کرنے کی طاقت نہیں پاتے تھے۔ ایک بزرگ سے پوچھا گیا کہ وہ مرقع کیوں نہیں پہنتے؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ یہ نفاق ہے کہ جواں مردوں کا لباس استعمال کیا جائے اور ان کے جیسا بوجھ نہ اٹھایا جائے[1]۔ شیخ علی ہجویری نے صوفیہ کے اس طریقہ کو پسند کیا ہے جس میں لباس کے لیے کوئی تکلف نہیں کیا جاتا ہے یعنی اگر خدا نے عبادی تو پہن لی نہیں دی تو ننگے رہے[2]۔ چنانچہ ابو حامد دوستاں مروزی[3] کو جب ان کے مرید چاہتے کپڑے پہنا دیتے اور جب چاہتے اتار لیتے[4]۔

صوفیہ کا دستور ہے کہ وہ کپڑوں میں پیوند لگا کر انھیں استعمال کرتے ہیں ایسے پیوند زدہ لباس کو مرقع کہا جاتا ہے۔ مرقع ذی عزت لباس ہے اور صوفیہ کے بہ قول صرف ان لوگوں کے شایانِ شان ہے جو اس کے اہل ہوں۔ بشر بن حرث کے پاس ایک مرقع پوش جماعت آئی تو شیخ بشر نے ان سے کہا:

یا قوم اتقوا الله ولا تظهروا	اے لوگو! اللہ سے ڈرو، اس لباس کو ظاہر
هذا الذی فانكم تعرفون به	نہ کرو کیوں کہ تمھیں اسی سے جانا جاتا ہے
وتكرمون له۔	اور اسی سے تمھاری عزت کی جاتی ہے۔

یہ سن کر سب لوگ خاموش ہو گئے۔ ان میں سے ایک لڑکا کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا:

الحمد لله الذی جعلنا ممن یعرف به	شکر ہے اس اللہ کا جس نے ہمیں ان لوگوں میں
ویكرم له والله لنظهرنّ هذا الذی	سے بنایا جن کی شناخت اسی لباس سے ہوتی ہے
حتی یكون الدین كله لله۔	اور جو اسی سے عزت پاتے ہیں۔ واللہ ہم اس لباس

---

[1] کشف المحجوب ص ۴۰

[2] کشف المحجوب ص ۴۳

[3] مرو کے صاحبِ حال بزرگ ہیں۔ ایثار و وفا اور تعظیمِ حق میں مشہور تھے۔ نماز کے لیے کھڑے ہو کر اللہ کا لفظ زبان سے نکلتا لیکن اکبر کہنے سے پہلے بے ہوش ہو جاتے۔ نفحات الانس ص ۱۷۸۔ ۱۷۹

[4] کشف المحجوب ص ۴۳۔ ۴۴، نفحات الانس ص ۱۷۹

کو مزور ظاہر کریں گے یہاں تک کہ دین سارے کا
سارا اللہ کے لیے ہو جائے۔

یہ جواب سن کر شیخ نے کہا: "شاباش بیٹے تم جیسے لوگوں کو مرقع پہننا چاہیے"[1]۔ پیوند پر پیوند لگانے کا عمل بسا اوقات مضحکہ خیز حد تک جاری رہتا۔ شیخ جنید بغدادی کے استاد ابن الکرنبی[2] (تیسری صدی ہجری) کے متعلق کہا جاتا ہے کہ پیوند پر پیوند لگانے کی وجہ سے ان کے لباس کا وزن تیرہ رطل (رطل = ۲۵۶۴ گرام) ہو گیا تھا[3]۔ علامہ ابن جوزی کی ایک روایت کے مطابق شیخ ابن الکرنبی نے اپنے ایک دوست کو وصیت کی تھی کہ میرے بعد میرا مرقع تم لے لینا۔ انھوں نے جب اس کا وزن کیا تو گیارہ رطل نکلا[4]۔ اس زمانہ میں مرقع کا اندازہ وزن سے کیا جانے لگا تھا۔ نویں اور دسویں صدی ہجری میں مصر میں مجاذیب بکثرت موجود تھے ان میں سے ایک مجذوب عامر کا عمامہ ایک قنطار یعنی ایک سو کلو وزنی تھا جسے کوئی دوسرا اپنے سر پر نہیں اٹھا سکتا تھا۔ یہ عمامہ مختلف پیوند لگانے کی وجہ سے اتنا بھاری ہو گیا تھا[5]۔ شیخ علی ہجویری کے بیان کے مطابق ماوراء النہر میں ایک جماعت راستہ سے چیتھڑے اٹھا لیتی تھی اور اسے دھو کر خرقہ بنا لیتی تھی[6]۔ عراق کے دو فقیروں کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ان میں ایک صاحبِ مشاہدہ تھے اور دوسرے صاحبِ ریاضت۔ صاحبِ مشاہدہ صرف وہ لباس پہنتے تھے جو وجد و حال کے دوران فقراء اپنے جسم سے

---

[1] اللمع ص ۲۴۸، عوارف المعارف علیٰ ہامش احیاء ۳ : ۳۲۲

[2] شیخ جنید بغدادی کے استاد تھے آپ کا نام ابو جعفر الکرنبی ہے۔ بغداد کے بلند مرتبہ مشائخ میں شمار ہوتے ہیں۔
نفحات الانس ص ۵۵، تاریخ بغداد ۱۴ : ۴۱۳-۴۱۴

[3] اللمع ص ۲۴۹، عوارف المعارف علیٰ ہامش احیاء ۳ : ۳۲۵

[4] تلبیس ابلیس ص ۱۹۱، تاریخ بغداد ۱۴ : ۴۱۴

[5] عبد الوہاب شعرانی۔ الطبقات الکبریٰ، مکتبہ مصطفی البابی الحلبی و اولادہ بمصر قاہرہ، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۷۳ھ/۱۹۵۴ء ۲ : ۱۸۷، عمر فروخ۔ التصوف فی الاسلام، بیروت، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۶۶ھ/۱۹۴۷ء ص ۹۱

[6] کشف المحجوب ص ۴۲

علیحدہ کر دیتے تھے۔[1]

مرقع کی صفائی پر بہت کم دھیان دیا جاتا تھا یہاں تک کہ ان مرقعوں میں موذی کیڑے وغیرہ پیدا ہو جاتے تھے چنانچہ شیخ ابراہیم بن ادہم کو اپنی زندگی میں صرف تین موقعوں پر خوشی ہوئی ہے ان میں ایک موقع وہ ہے جب انھوں نے اپنی پوستین کے لباس کو دیکھا اس میں اتنی جوئیں تھیں کہ شیخ ان کی کثرت کی وجہ سے پوستین کے بالوں اور جوؤں میں تمیز نہ کر سکے یہ دیکھ کر انھیں خوشی ہوئی۔[2] شیخ علی ہجویری کے بیان کے مطابق مرد الرود میں ایک بزرگ تھے جن کے سجادہ اور عمامہ میں اتنے پیوند لگے تھے کہ بچھوؤں نے اس میں بچے دیے تھے۔[3] اپنے استاد کے بارے میں شیخ موصوف کہتے ہیں کہ انھوں نے چھپن سال تک صرف ایک کپڑا پہنا اس میں بھی انھوں نے بے تکلف پیوند لگائے تھے۔[4] شیخ محمد بن خفیف[5] (م ۳۷۱ھ / ۹۸۱ء) کے متعلق کہا جاتا ہے کہ بیس سال تک ٹاٹ پہنتے رہے۔[6] مرقع کی اصل بھی سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیر الصحابہ میں تلاش کی گئی ہے مثلاً یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضؓ (۹ق ھ - ۵۸ھ / ۶۱۳ء - ۶۷۷ء) سے فرمایا کہ کپڑے کو ضائع مت کرو جب تک اس میں پیوند نہ لگالو۔ یا حضرت عمر رضؓ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ آپ اپنے لباس میں تیس تیس پیوند لگاتے تھے۔ نیز حضرت علی رضؓ کے بارے میں منقول ہے کہ آپ کے کرتے کی آستین انگلیوں کے برابر تھی اور اگر آپ کبھی لمبا لباس پہنتے تو اس کی آستین

---

[1] کشف المحجوب ص ۴۲

[2] الرسالۃ القشیریہ ص ۹۱، دائرۂ معارف اسلامیہ ۱ : ۳۵۵

[3] کشف المحجوب ص ۴۲

[4] کشف المحجوب ص ۴۲، نفحات الانس ص ۲۰۲

[5] شیرازی الاصل بزرگ تھے۔ طریقۂ خفیفیہ ان سے منسوب ہے۔ صوفیہ کے نزدیک اپنے وقت کے قطب تھے۔ سفینۃ الاولیاء بذیل تذکرہ ص ۱۱۰ - ۱۱۱، نفحات الانس ص ۱۴۷ - ۱۴۸، تذکرۃ الاولیاء باب ۶۸ ص ۳۰۶ - ۳۱۱

[6] کشف المحجوب ص ۴۲، تذکرۃ الاولیاء باب ص ۳۰۶

چھوٹ کرتے بحضرت سلمان فارسی رضؓ (م ۳۶ھ/۶۵۶ء) اور حضرت اویسؒ قرنیؓ کو بھی پیوند زدہ کپڑوں میں بتایا گیا ہے۔ پیوند پر پیوند لگانے کے سلسلہ میں صوفیہ کے یہاں دو دبستان خیال ہیں۔ ایک گروہ کا

۱؎ مجوسی الاصل تھے۔ تلاشِ حق میں اصبہان سے شام، موصل، نصیبین اور عموریہ کا سفر کیا۔ ایرانی، رومی اور یہودی علوم سے تسکین چاہی لیکن نہ ملی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اسلام لے آئے۔ اس کے بعد اپنے آپ کو "سلمان الاسلام" ہی کہتے تھے۔ ان کی عظمت وخلوص کو دیکھ کر مہاجرین کہتے تھے کہ سلمان ہم میں سے ہیں۔ تو انصار جواب دیتے نہیں وہ ہم میں سے ہیں۔ اس پر رسول اللہ نے فرمایا کہ سلمان ہم اہل بیت میں سے ہے۔ مدائن کے امیر بنائے گئے لیکن عہد امارت میں بھی اپنے ہاتھ کی کمائی سے جو کی روٹی پر بسر کرتے تھے۔ کتب حدیث میں ۶۰ احادیث ان سے مروی ہیں۔ حلیۃ الاولیاء ۱ : ۱۸۵، طبقات ابن سعد ۴ : ۵۳، الاصابہ ۳ : ۱۴۱، الطبقات الکبریٰ ۱ : ۲۳

۲؎ آپ کا اسم گرامی اویس ہے۔ یمن کے ایک گاؤں "قرن" سے منسوب ہونے کی بنا پر قرنی کہلاتے ہیں۔ بعض تذکرہ نگاروں کے بہ قول ان کا تعلق اہل نجد کے قبیلہ قرن سے تھا۔ آپ کا پیشہ شتربانی تھا۔ والدہ ضعیف تھیں اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکے۔ حضرت اویس قرنی حبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بے مثال پیکر تھے۔ جب آپ کو اطلاع ملی کہ جنگِ احد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دو دندانِ مبارک شہید ہو گئے ہیں تو ان کی موافقت میں اپنے دانت توڑ ڈالے۔ چوں کہ یہ معلوم نہیں تھا کہ کون سے دندانِ مبارک شہید ہوئے ہیں اس لیے صدق واخلاص کے اس مجسمہ نے ایک ایک کر کے اپنے تمام دانت توڑ ڈالے۔ حضرت اویس قرنی کو تمام مسلمانوں میں حبِ رسولؐ کی علامت مانا جاتا ہے۔ روایات میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت کی تھی کہ میری کملی اویس کو پہنچائی جائے اور ان سے کہا جائے کہ میری امت کے لیے دعاءِ مغفرت کریں۔ حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت علیؓ نے اس حکم کی تعمیل کی۔ آذربائجان میں عرار کے مقام پر آپ کا آخری وقت آپہنچا لوگوں نے ان کے لیے قبر کھودنی چاہی تو ایک چٹان ملی جس کے نیچے ایک قبر پہلے سے تیار تھی کفن کے لیے ایسے صاف ستھرے کپڑے ملے جو کسی انسان کے ہاتھ کے بُنے ہوئے نہیں لگ رہے تھے۔ اسی قبر میں آپ کو دفن کیا گیا۔ شیخ ہجویری شیخ فریدالدین عطار اور بعض دوسرے تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ آپ نے جنگ صفین (۳۷ھ/۶۵۷ء) میں حضرت علی کی طرف سے لڑتے ہوئے جامِ شہادت نوش کیا۔ حضرت اویس قرنی کے بارے میں اگرچہ بعض محدثین نے لاعلمی ظاہر کی ہے لیکن اکثر تاریخوں اور تذکروں میں ان کا ذکرِ خیر موجود ہے۔ اہلِ تصوف کے تمام تذکرے ان کے ذکر سے مزین ہیں ؎

دور ہا باید کہ تا یک مرد صاحب دل شود
بایزید اندر خراساں یا اویس اندر قرن

شذرات الذہب ۱ : ۲۶، حلیۃ الاولیاء ۲ : ۷۹

۳؎ کشف المحجوب ص ۳۸

کہنا ہے کہ پیوند لگانے میں کسی ترتیب و تکلف کی ضرورت نہیں ہے جہاں سوئی کا کام چل سکتا ہو وہاں پیوند لگایا جائے۔ دوسرے گروہ کا کہنا ہے کہ پیوند لگانے میں ترتیب و تکلف کا خیال نہ رکھنا لازمۂ درویشی ہے[1]۔ شیخ ابوالقاسم گرگانی[2] (م ۴۵۰ھ / ۱۰۵۸ء) کے مطابق درویش کے لیے تین چیزیں ضروری ہیں جن میں کسی ایک کو بھی کم نہیں کیا جاسکتا ہے۔ ایک یہ کہ اسے معلوم ہونا چاہیے کہ پیوند کس طرح لگایا جاتا ہے، دوسری چیز راست گفتاری ہے، اور تیسری چیز یہ ہے کہ وہ زمین پر صحیح قدم رکھنا جانتا ہو[3]۔ شیخ ہجویری کا کہنا ہے کہ مرقع اس وقت درست ہو سکتا ہے جب اسے فقیری کی نیت سے سئیں نہ کہ زینت کے ارادہ سے[4]۔ صحیح و سالم کپڑے کو پھاڑ ڈالنا بھی صوفیہ کا طریقہ رہا ہے۔ شیخ ابوبکر شبلی[5] (۲۴۷-۳۳۴ھ / ۸۶۱-۹۴۶ء) جب کوئی کپڑا پہنتے تھے تو اسے کہیں سے چاک کر دیتے ایک دن ابن مجاہد[6] (۲۴۵-۳۲۴ھ / ۸۵۹-۹۳۶ء) نے انھیں خاموش کرنے کے لیے کہا: ابوبکر! یہ کون سے علم کی بات ہے کہ جس چیز سے نفع اٹھائیں اسے خراب کریں؟ شبلی نے جواب دیا: "یہ کون سے علم کی بات ہے

---

[1] کشف المحجوب ص ۴۱

[2] گرگان کے مشہور شیخ طریقت اور بزرگ شیخ ابوالقاسم، شیخ عثمان مغربی اور شیخ ابوالحسن خرقانی سے بیعت تھے۔ شیخ ابوسعید ابوالخیر کے ہم صحبت رہے ہیں۔ صوفیہ کے نزدیک اپنے وقت کے قطب اور مدار علیہ تھے۔ نفحات الانس ص ۱۹۶-۱۹۷، سفینۃ الاولیاء بذیل تذکرہ ص ۷۵،

[3] کشف المحجوب ص ۴۱-۴۲

[4] کشف المحجوب ص ۴۲، پارہ راست آں بود کہ بہ فقر دوزند نہ بہ زینت ص ۴۲

[5] دُلف بن جحدر المعروف بہ ابوبکر شبلی، سامرا میں پیدا ہوئے اور بغداد میں وفات پائی۔ ان کے آبا و اجداد کا تعلق ماوراء النہر کی ایک بستی "شبلہ" سے تھا۔ شیخ جنید بغدادی کے مرید اور ہم نشین تھے۔ شیخ جنید کہا کرتے تھے کہ ہر قوم کا ایک تاج ہوتا ہے اس قوم کا تاج شبلی ہے۔ وفیات الاعیان ۲: ۲۷۳، الاعلام ۳: ۲۰-۲۱، حلیۃ الاولیاء ۱۰: ۳۶۶، المنتظم ۶: ۳۴۷، سفینۃ الاولیاء بذیل تذکرہ ص ۳۹-۴۰، نفحات الانس ص ۱۱۵-۱۱۶، الطبقات الکبریٰ ۱: ۱۰۳

[6] ابوبکر ابن مجاہد، بغداد کے امام القراء تھے۔ تاریخ بغداد ۵: ۱۴۴، وفیات الاعیان ۴: ۳۰۱

"فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ[1]" (ترجمہ: حضرت سلیمانؑ گھوڑوں کی پنڈلیاں اور گردنیں کاٹنے لگے)۔ شیخ ابوعلی روزباری اپنی آستیں پھاڑ ڈالتے اور کرتا چاک کرتے تھے۔ انھوں نے ایک دفعہ حمام میں داخل ہوتے وقت اپنے ساتھیوں کی تعداد کے حساب سے تیس دینار کی ایک چادر ٹکڑے ٹکڑے کر کے ان میں تقسیم کی[2]۔ شیخ احمد الغزالی[3] (م ۵۲۰ھ/۱۱۲۶ء) نے ایک دفعہ بغداد میں چلتی ہوئی چرخی دیکھی جس میں سے آواز نکل رہی تھی۔ وجد میں آکر انھوں نے اپنی طیلسان چرخی پر پھینکی جس سے وہ ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی[4]۔ کپڑا چاک کرنے کی اصل بھی قرآن مجید میں تلاش کرنے کی کوشش کی گئی۔ ابوبکر شبلی نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے عمل سے دلیل فراہم کی۔ شیخ ہجویری کے بہ قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کی طرف سے حکم ملا تھا وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ (المدثر: ۴) (ای القصر) یعنی لباس کو چھوٹا کرو[5]۔

---

[1] سورہ ص: ۳۳، تلبیس ابلیس ص ۲۰۳، علامہ ابن جوزی نے اس روایت کی صحت پر شک کا اظہار کیا ہے۔ "انا مرتاب بصحتها"۔ سبکی کی بیان کی ہوئی روایت کے مطابق ابن مجاہد شیخ شبلی کو خاموش کرنا چاہتے تھے لیکن ان کا جواب سن کر خود ہی خاموش ہوئے۔ جواب دینے کے بعد شیخ شبلی نے پوچھا: "تمام لوگ آپ کو مقری زماں کہتے ہیں، قرآن میں کہاں آیا ہے کہ دوست دوست کو اذیت نہیں دیتا ہے؟ ابن مجاہد خاموش ہوئے۔ محفل میں موجود ایک شخص نے شیخ شبلی سے کہا اب آپ ہی فرمائیں تو شیخ نے جواب دیا: وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ۔ المائدہ: ۱۸ (اور یہود و نصاریٰ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں۔ آپ یہ پوچھیے کہ تمھارے گناہوں کے بدلہ وہ تمھیں عذاب کیوں دیں گے) ——— اس پر ابن مجاہد نے کہا: میں نے پہلی بار یہ بات سنی ہے۔

تاج الدین سبکی۔ طبقات الشافعیۃ الکبریٰ، المطبعۃ عیسیٰ البابی الحلبی و شرکاہ ۱۳۸۸ھ/ ۱۹۶۸ء ۳:۱۱۳-۱۱۴

[2] تلبیس ابلیس ص ۲۰۳

[3] احمد بن محمد الغزالی، امام غزالی کے بھائی تھے۔ قزوین میں وفات پائی۔ تصوف میں ان کی تصنیفات الذخیرۃ فی علم البصیرۃ، بوارق الالماع فی الرد علی من یحرم السماع، التجرید فی کلمۃ التوحید اور لباب الاحیاء ہیں۔ وفیات الاعیان ۱: ۹۷

[4] تلبیس ابلیس ص ۲۰۴

[5] کشف المحجوب ص ۳۱

صوفی اور تصوف کی معنوی تعریف میں بہت کچھ کہا گیا ہے۔ ہر صوفی نے اس کی تعریف اپنے ذوق اور حال کے مطابق کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کبھی کبھی ایک ہی صوفی کی تعریفات باہم متضاد بھی دکھائی دیتی ہیں لیکن ذوق اور حال کو پیش نظر رکھا جائے تو یہ تضاد خود بخود رفع ہو جاتا ہے کیوں کہ جب ایک صوفی مختلف احوال سے گزرتا ہے تو ہر حال کے مطابق اس کی تعبیر بھی کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں ایک ہی صوفی سے منسوب مختلف اقوال ملتے ہیں، مثلاً ایک صوفی ابراہیم بن المولد الرقی[۱] (م ۳۴۲ھ / ۹۵۳ء) نے تصوف کی سو سے زیادہ تعریفیں کی ہیں[۲]۔ شیخ ابو حمزہ بغدادی کہتے ہیں کہ سچے صوفی کی علامت یہ ہے کہ وہ امیر سے فقیر، معزز سے ذلیل، مشہور سے گمنام ہو جائے، اور جھوٹے صوفی کی نشانی یہ ہے کہ وہ فقیر سے امیر، ذلیل سے معزز اور گمنام سے مشہور ہو جائے[۳]۔ شیخ سہل بن عبداللہ تستری[۴] (۲۰۰ - ۲۸۳ھ / ۸۱۵ - ۸۹۶ء) کے بیان کے مطابق صوفی وہ ہے جو میل کچیل سے پاک ہو، ہمہ تن غور و فکر ہو، مخلوق کو چھوڑ کر اللہ ہی کا ہو گیا ہو اور اس کے نزدیک سونا اور مٹی برابر ہو[۵]۔ شیخ بایزید بسطامی نے صوفیہ کی تعریف اس طرح کی ہے:

---

[۱] جنید بغدادی کے صحبت یافتہ تھے۔ شیراز میں وفات پائی۔ شذرات الذہب ۲ : ۳۶۲، سفینۃ الاولیاء بذیل تذکرہ ص ۱۴۹، نفحات الانس ص ۱۳۷، حلیۃ الاولیا ۱۰ : ۳۶۴، الطبقات الکبری ۱ : ۱۱۵

[۲] اللمع ص ۴۷

[۳] الرسالۃ القشیریہ ص ۱۶۵

[۴] ابو محمد سہل بن عبداللہ التستری، مشہور صوفی تھے۔ صوفیہ کے خیالات کی ترجمانی میں قرآن شریف کی تفسیر لکھی۔ کتب تصوف میں ان کے اقوال کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ ذوالنون مصری کے مرید تھے۔ طریقۂ سہیلیہ ان سے منسوب ہے۔ سفینۃ الاولیاء، بذیل تذکرہ سہل بن عبداللہ تستری ص ۱۳۳ - ۱۳۴، الاعلام ۳ : ۲۱۰، وفیات الاعیان ۲ : ۴۲۹، الطبقات الکبری ۱ : ۷۷، حلیۃ الاولیاء ۱ : ۱۸۹

[۵] التعرف ص ۲۵

الصوفیۃ اطفال فی حجر الحق[1] صوفیہ آغوشِ حق میں بچے ہیں۔

شیخ حصری[2] (م ۳۷۱ھ / ۹۸۱ء) کا کہنا ہے کہ صوفی وہ ہے جس کو نہ زمین پناہ دے اور نہ آسمان اس پر سایہ کرے[3]۔ شیخ ذوالنون مصری سے جب صوفیہ کے بارے میں سوال کیا گیا تو انھوں نے جواب دیا: "یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر ترجیح دی تو اللہ تعالیٰ نے انھیں ہر چیز پر ترجیح دی[4]"۔ شیخ نوری کہتے ہیں: "صوفی کی صفت یہ ہے کہ جب اس کے پاس کچھ نہ ہو تو خاموش رہے اور جب ہو تو ایثار کرے[5]"۔ شیخ جنید بغدادی کے بہ قول صوفی کی مثال زمین کی سی ہے جس پر ہر قبیح شے گرتی ہے لیکن اس سے صرف اچھی چیز باہر نکلتی ہے[6]۔ ان کے شاگرد شیخ ابوبکر شبلی نے صوفی کی تعریف اس طرح کی ہے:

الصوفی منقطع عن الخلق و متصل بالحق[7] صوفی خلق سے جدا اور حق سے متصل ہے۔

ابوعبداللہ النباجی[8] (تیسری صدی ہجری) کا کہنا ہے: تصوف کی مثال برسام کی بیماری کی طرح ہے جس کی ابتدا میں ہذیان ہوتا ہے اور جب بیماری جڑ پکڑتی ہے تو آدمی گونگا ہو جاتا ہے[9]۔ ایک

---

[1] التعرف ص ۹۱۔ الرسالۃ القشیریہ میں یہ قول ابوبکر شبلی سے منسوب ہے۔ دیکھیے الرسالۃ القشیریہ ص ۱۶۶

[2] ابوالحسین حصری بصرہ میں پیدا ہوئے اور بغداد میں سکونت اختیار کی۔ آپ کا شمار صوفیہ کے طبقۂ خامسہ میں ہوتا ہے۔ شیخ ابوبکر شبلی کے مرید تھے۔ نفحات الانس ص ۱۴۵۔ ۱۴۶، سفینۃ الاولیاء بذیل تذکرہ ص ۱۵۵

[3] الرسالۃ القشیریہ ص ۱۶۶

[4] الرسالۃ القشیریہ ص ۱۶۶، اللمع ص ۴۵۔ ۴۶

[5] الرسالۃ القشیریہ ص ۱۶۶

[6] الرسالۃ القشیریہ ص ۱۶۶

[7] الرسالۃ القشیریہ ص ۱۶۶

[8] سعید بن زید المعروف بہ ابوعبداللہ النباجی، شیخ ذوالنون مصری کے ہم نشین تھے اور احمد بن الحواری کے استادوں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ نفحات الانس ص ۶۰

[9] التعرف ص ۹۱

صوفی کا کہنا ہے: "تصوف اسقاطِ جاہ اور دنیا و آخرت کی روسیاہی ہے"[1]۔ اگرچہ یہ تمام تعریفیں جامع ہیں لیکن ہمارے نزدیک تصوف کی سب سے جامع تعریف یہ ہے:

ھو علم تعرف بہ احوال تزکیۃ	یہ وہ علم ہے جس سے سعادتِ ابدی کے حصول کی
النفوس و تصفیۃ الاخلاق و تعمیر	خاطر تزکیۂ نفوس، تصفیۂ اخلاق اور ظاہر و باطن
الظاھر و الباطن لِنَیل السعادۃ	بنانے کے (یعنی اس کی اصلاح کے) احوال
الابدیۃ[2]	جانے جاتے ہیں:

مراتب کے لحاظ سے اربابِ باطن کے تین درجے ہیں (۱) صوفی (۲) متصوف (۳) مستصوف۔

(۱) صوفی وہ ہے جو اپنے نفس سے فانی ہو کر باقی باللہ ہوا ہو، اور طبائع سے خلاصی پا کر حقیقت سے متصل ہوا ہو۔

(۲) متصوف وہ ہے جو صوفی کے درجہ تک پہنچنے کے لیے مجاہدہ کرتا ہو (متصوف صوفی سے کم تر درجہ میں ہوتا ہے)

(۳) مستصوف وہ ہے جو صرف طلبِ جاہ کی خاطر صوفی کی مشابہت اختیار کرتا ہو حقیقت میں نہ وہ صوفی ہوتا ہے اور نہ متصوف[3]۔ تیسری صدی کے نصف ثانی میں نیشاپور (خراسان) میں ایک اور طبقہ وجود میں آیا جسے ملامتیہ کہا جاتا ہے۔ یہ وہ صوفیہ ہیں جو لوگوں سے اپنے اعمال چھپاتے ہیں (یا ایسی حرکت کرتے ہیں جن کی عام لوگ ملامت کرتے ہیں) اس طبقہ کا آدمی متصوف سے درجہ میں بلند اور صوفی سے پست ہوتا ہے[4]۔ ایک اور گروہ جو ظاہری حالت میں تو صوفیہ کے مشابہ ہے مگر عبادات کو ترک کر کے

---

[1] الرسالۃ القشیریہ ص ۱۶۷، شیخ کاشی سمرقندی (م $\frac{۷۳۰ھ}{۱۳۲۹ء}$) نے سواد الوجہ کی تشریح یوں کی ہے: ھو الفناء فی اللہ بالکلیۃ لا وجود لصاحبہ ظاھرًا و باطنًا دنیًا و اخرۃً۔ اس کے معنی کلی طور فانی اللہ ہونے کے ہیں اس لحاظ سے کہ ظاہری، دنیاوی و اخروی طور پر صوفی کا کوئی وجود نہیں ہوتا۔ کمال الدین ابی الغنائم عبدالرزاق بن جمال الدین الکاشی السمرقندی۔ اصطلاحات الصوفیہ مرتبہ الانس اسپرنگر، الارشاد لاہور ۱۹۷۴ء، بذیل نمبر ۲۸۲ ص ۸۸

[2] مولانا شاہ وصی اللہ۔ تصوف و نسبتِ صوفیہ، ادارہ اشرفیہ الٰہ آباد ۱۳۸۶ھ ص ۱۲

[3] بطرس البستانی۔ دائرۃ المعارف، مکتبۃ الہلال ۱۹۰۰ء ۱۱: ۶۶، [4] مراۃ الاسرار ۱: ۹۸ [5] التصوف فی الاسلام ص ۳۴

شبہات میں تسامح برتتا ہے اسے قلندریہ کہا جاتا ہے اور یہ اندلس کے ایک قلندر یوسف سے منسوب ہے[1]۔ اس کے علاوہ صوفیہ کے یہاں سیکڑوں فرقے ہیں لیکن یہ فرقے یا تو سلاسل یا ذیلی سلاسل کے تحت آتے ہیں یا صوفیانہ نظریات سے اتنی دوری رکھتے ہیں کہ خود صوفیہ نے ان سے برأت کا اظہار کیا ہے۔

صوفیہ کو مختلف شہروں اور علاقوں میں الگ الگ ناموں سے پکارا گیا ہے۔ تاریخ کے مختلف ادوار میں انھیں مختلف نام دیے گئے ہیں۔ اہلِ شام انھیں فقراء کہتے تھے[2]۔ صوفیہ چوں کہ اتنی ہی غذا کھاتے ہیں جو اُن کی پشت سیدھی رکھنے کے لیے ضروری ہو، اس لیے انھیں شام میں "جوعیہ" (بھوکے) بھی کہا جاتا تھا[3]۔ اہلِ بصرہ انھیں "الفقریہ" اور "الفکریہ" کا نام دیتے تھے۔ خراسان میں انھیں "المغاربہ" کہا جاتا تھا۔ اور عام طور سے یہ صوفیہ اور فقراء کہلاتے ہیں[4]۔ شیخ ابوبکر کلاباذی کے بہ قول چوں کہ انھوں نے اپنی املاک ترک کی ہیں اس لیے انھیں "فقراء" کہا گیا[5]۔ مفارقتِ اوطان یا ترکِ وطن کرنے کی بنا پر یہ "غرباء" کہلائے۔ کثرتِ اسفار کی وجہ سے لوگوں نے انھیں "سیاحین" اور جنگلوں میں سفر کرنے اور بوقت ضرورت غاروں میں پناہ لینے کی بنا پر بعض لوگوں نے انھیں "شکفتیہ" کا نام دیا کیوں کہ ان لوگوں کی زبان میں "شکفت" غار کو کہتے ہیں[6]۔ چوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو منور کیا ہے اس لیے یہ "نوریہ" بھی کہلائے[7]۔ اس کے علاوہ انھیں "درویش"، "خاصانِ خدا"، "دوستانِ خدا"، "مردانِ خدا"، "اہلِ نظر"، "اہلِ دل"، "اہلِ صفا"، "اہلِ طریقت"، "اربابِ حال"، "اربابِ باطن"

---

[1] التصوف فی الاسلام ص ۲۴-۲۵ [2] اللمع ص ۴۶

[3] التعرف ص ۲۲، مجموع فتاویٰ ۱۰: ۳۶۸

[4] مجموع فتاویٰ ۱۰: ۳۶۸

[5] التعرف ص ۲۲

[6] التعرف ص ۲۱

[7] التعرف ص ۲۳، التصوف فی الاسلام ص ۲۴

"ارباب صلاح" اور "اولیاء کرام"، "صوفیاء کرام"، "سالکین"، "محققین"، "عرفاء"، "اصفیاء"، "اخیار"، "ابرار" بھی کہا جاتا ہے۔ تاہم انھیں ذکری، باطنی اور رہبان کا نام دینے سے پرہیز کیا جاتا ہے، کیوں کہ ذکری نام سے ایک الگ فرقہ موجود ہے۔ باطنی یا باطنیہ بھی ایک گمراہ فرقہ ہے۔ رہبان عیسائی تارکین دنیا کے لیے آیا ہے۔

جس طرح افلاطون کے بارے میں کہا گیا کہ وہ فلسفہ کو آسمان سے زمین پر لے آئے۔ اسی طرح شیخ ذوالنون مصری کے بارے میں کہا گیا کہ وہ تصوف کو آسمان سے زمین پر لے آئے۔ شیخ ذوالنون مصری نے احوال و مقامات کی ترتیب سے متعلق مصر میں سب سے پہلے لب کشا کی جس پر انھیں زندیق کہا گیا[۱]۔ بغداد میں سب سے پہلے شیخ ابو حمزہ بغدادی نے صفا، ذکر، محبت، عشق اور انس کے بارے میں گفتگو کی[۲]۔ سب سے پہلے بغداد میں شیخ سری سقطی[۳] (م $\frac{۲۵۳ھ}{۸۶۷ء}$) نے توحید، حقائق اور اشارات پر زبان کھولی[۴]۔ فنا و بقا کے مسئلہ میں سب سے پہلے شیخ ابو سعید الخراز نے کلام کیا[۵]۔ تصوف کی تدوین سب سے پہلے شیخ جنید بغدادی نے کی[۶] اور سب سے

---

[۱] عبدالرؤف المناوی۔ الکواکب الدریہ، تصحیح و تعلیق محمود حسن ربیع، تحلیۃ الانوار مصر ۱۳۵۷ھ/۱۹۳۸ء ۱: ۲۲۳
میزان الاعتدال ۲: ۳۳

[۲] تاریخ بغداد ۱: ۳۹۳

[۳] شیخ سری بن المغلس المعروف بہ سری سقطی حضرت معروف کرخی سے بیعت تھے۔ حضرت جنید بغدادی جو آپ کے بھانجے تھے، کا کہنا ہے کہ میں نے سری سے زیادہ کسی کو عبادت میں کامل نہیں پایا۔ شیخ سری کا ایک قول یہ ہے: "ان المحبین یفوقون فی النعیم تباع موسیٰ و عیسیٰ و محمد"۔ ایسے ہی اقوال پر حضرت امام احمد ابن حنبل نے ان پر گرفت کی ہے۔ بغداد میں وفات پائی۔ داراشکوہ کے مطابق آپ کی وفات $\frac{۲۵۳ھ}{۸۶۷ء}$ میں ہوئی۔ نفحات الانس ص ۳۶، سفینۃ الاولیاء بذیل تذکرہ ص ۳۶، تذکرۃ الاولیاء باب ۳ ص ۱۲۶، وفیات الاعیان ۲: ۳۵۷، شذرات الذہب ۲: ۱۲۷، الاعلام ۳: ۱۲۹، الطبقات الکبریٰ ۱: ۷۴، حلیۃ الاولیاء ۱۰: ۱۱۶

[۴] الکواکب الدریہ ۱: ۲۳۱

(بقیہ حاشیہ بر صفحہ دیگر)

پہلے اسے شیخ ابوبکر شبلی نے منبر پر بیان کیا۔[۱] فنا اور وحدۃ الوجود کا اظہار سب سے پہلے بایزید بسطامی[۲] کی زبان سے ہوا۔ تصوف کی پہلی کتاب شیخ حارث محاسبی[۳] (م ۲۴۳ھ/ ۸۵۷ء) نے "الرعایۃ فی الاخلاق والزھد" کے نام سے لکھی۔[۴] اگرچہ اس سے پہلے زہد پر کئی کتابیں لکھی جا چکی تھیں۔[۵] فارسی زبان میں تصوف پر سب سے پہلی مستند تصنیف کشف المحجوب لکھی گئی جو شیخ علی ہجویری

(حاشیہ گزشتہ سے پیوستہ) ۵ ابوعبدالرحمن السلمی۔ طبقات الصوفیہ، تحقیق نورالدین سدیبہ، مطابع دارالکتاب العربی بمصر محمد حلمی المنیاوی، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۷۲ھ/ ۱۹۵۳ء ص ۲۲۸

۱ تذکرۃ الاولیاء، باب ۱۳ ص ۲۲۴ "دادل کسیکہ علم اشارت منتشر کرد او بود"۔

۲ تذکرۃ الاولیاء، باب ۷ ص ۸۲-۸۳

۲ تذکرہ گزر چکا ہے۔ شیخ بسطامی کے لیے مزید دیکھیے تذکرۃ الاولیاء، باب ۱۴ ص ۸۶، نفحات الانس ص ۳۸

۳ ابوعبداللہ حارث بن اسد المحاسبی بصرہ میں پیدا ہوئے اور بغداد میں سکونت اختیار کی۔ شیخ ابوعبداللہ خفیف کا کہنا ہے کہ ہمارے شیوخ میں سے پانچ کی اقتدا کرو باقیوں کو چھوڑ دو۔ حارث محاسبی، جنید بغدادی، ابومحمد رویم، ابن العطا اور عمرو بن عثمان مکی۔ حارث محاسبی نے تقریباً ایک سو کتابیں لکھی ہیں جن میں ۲۳ کتابوں کے نام معلوم ہو چکے ہیں۔ اور بعض ان میں چھپ چکی ہیں۔ حارث محاسبی کو اپنے باپ سے ترکہ میں ستر ہزار درہم ملے لیکن چوں کہ ان کے باپ قدری تھے اس لیے حارث نے اسے قبول نہیں کیا حالاں کہ وہ ایک ایک پیسہ کے محتاج تھے۔ بغداد میں وفات پائی حارث محاسبی۔ رسالۃ المسترشدین، تحقیق عبدالفتاح ابوغدہ، بیروت، الطبعۃ الثانیہ سنہ ۱۳۹۱ھ/ سنہ ۱۹۷۱ء ص ۱۹-۳۳ نفحات الانس ص ۳۵، تذکرۃ الاولیاء باب ۲۲ ص ۱۴۴، میزان الاعتدال ۱ : ۱۹۹، حلیۃ الاولیاء ۱۰ : ۷۴، الکواکب الدریہ ۱ : ۲۱۸، تاریخ بغداد ۸ : ۲۱۵، سفینۃ الاولیاء بذیل تذکرہ ص ۱۲۶، الانساب ۱۲ : ۱۰۳

۴ کتاب کا نام "الرعایۃ لحقوق اللہ" اور "الرعایۃ فی الزھد والاخلاق" بھی آیا ہے۔ مصر اور یورپ سے طبع ہوئی ہے۔ امام غزالی نے احیاء علوم الدین میں اس کتاب کو سمویا ہے۔

۵ مثلاً امام عبداللہ بن مبارک، امام احمد ابن حنبل نے کتاب الزھد کے نام سے کتابیں لکھیں۔ کشف الظنون ۲ : ۱۴۹

کی تصنیف ہے[1]۔ سب سے پہلے فارسی میں صوفیانہ شاعری شیخ ابو سعید ابوالخیر نے کی۔ سب سے پہلے صوفیانہ تفسیر شیخ سہل بن عبداللہ تستری نے لکھی جس کا نام "تفسیر القرآن العظیم" ہے[2]۔ ختم ولایت کا نظریہ سب سے پہلے شیخ محمد بن علی حکیم ترمذی[3] (م ۳۲۰ھ/۹۳۲ء) نے پیش کیا۔ انھوں نے ختم الاولیاء کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی جس پر انھیں ترمذ سے نکالا گیا اور زندقہ کا اتہام لگا۔ صوفیہ میں سب سے پہلے حسین بن منصور حلاج کو سولی دی گئی[4]۔ بغداد کے گردونواح میں براثہ کے مقام پر سب سے پہلے شیخ ابو شعیب البراثی (قریباً م ۱۹۷ھ/۸۱۲ء) نے خس کی جھونپڑی بنائی اور اس میں عبادت کے لیے خلوت نشین ہوگئے۔ ایک امیرلڑکی جس کا نام جوہرہ (م ۱۷۰ھ/۷۹۱ء) تھا، کو شیخ کا یہ طرز زندگی پسند آیا۔ اس نے شیخ سے کہا کہ میں آپ سے شادی کرکے آپ کی خدمت کرنا چاہتی ہوں۔ چنانچہ اس نے تمام مال و اسباب سے علیحدگی اختیار کرکے شیخ سے شادی کی اور شوہر کے ساتھ گوشہ نشین ہوگئی[5]۔ صوفیہ کے لیے سب سے پہلی خانقاہ رملہ (شام)

---

[1] عبدالماجد دریابادی۔ تصوف اسلام، مطبع معارف اعظم گڈھ، طبع ثانی، ص ۲۸

[2] یہ تفسیر مصر سے ۱۳۲۹ھ میں طبع ہو چکی ہے، جس کا حوالہ اس کتاب میں موجود ہے۔

[3] شیخ ابوعبداللہ محمد بن علی المعروف بہ حکیم ترمذی کا شمار بلند پایہ مشائخ میں ہوتا ہے۔ طریقہ حکیمیہ آپ سے منسوب ہے تصوف میں آپ نادرۂ روزگار مجتہد کی حیثیت سے معروف ہیں۔ "ختم الاولیاء" اور "نوادر الاصول" ان کی تصنیفات میں مشہور ہیں۔ ختم الاولیاء ۱۹۶۵ء میں بیروت سے شایع ہوئی۔ نفحات الانس ص ۱۱۷، تذکرۃ الاولیا، باب ۵۵ ص ۲۸۴، سفینۃ الاولیا، بذیل تذکرہ ص ۱۲۹، تذکرۃ الحفاظ ۲ : ۶۴۵، حلیۃ الاولیاء ۱۰ : ۲۳۳، الطبقات الکبریٰ ۱ : ۹۱

[4] حسین بن منصور المعروف بہ حلاج کا تذکرہ آگے آئے گا۔

[5] تاریخ بغداد ۱۴ : ۴۱۸ - ۴۱۹ - ابو شعیب البراثی کے بجائے ایک اور شیخ ابوعبداللہ بن جعفر البراثی (دوسری صدی ہجری) کا نام بھی آیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ شیخ ابو شعیب البراثی ہیں۔ دیکھیے: کتاب اللمع فی التصوف، تصحیح رنولڈ الن نیکلسون۔ بریل لیڈن ۱۹۱۴ء (انگریزی مقدمہ، لسٹ آف صوفیز نمبر ۱۱۔ XXIII-XXIV) نیز شعیب بن حرب کے (م ۱۹۷ھ/۸۱۲ء) معاملہ میں بھی جھونپڑی کا ذکر ہے۔ شذرات الذہب ۱ : ۳۴۹

میں تعمیر ہوئی ۔ ایک عیسائی امیر نے جو شکار کرنے جا رہا تھا، راستہ میں دو درویشوں کو دیکھا دونوں محبت کے ساتھ ایک دوسرے سے ملے اور زمین پر بیٹھ گئے۔ دونوں نے اپنا کھانا سامنے رکھا اور مل جل کر کھایا۔ جب رخصت ہونے لگے تو امیر ان کی الفت و محبت سے بے حد متاثر ہوا۔ اس نے ایک درویش کو بلا کر پوچھا کہ یہ کون تھا؟ اس نے جواب دیا میں اسے نہیں جانتا۔ امیر نے پھر پوچھا کہ یہ تمہارا کیا لگتا ہے؟ درویش نے کہا: "کچھ نہیں"۔ امیر نے پوچھا اس کا وطن کہاں ہے؟ درویش نے جواب دیا: "میں نہیں جانتا ہوں"۔ امیر نے پوچھا تو اس میل محبت کے کیا معنی؟ درویش نے کہا کہ یہ ہمارا طریقہ رہا ہے۔ امیر نے پوچھا کیا تمہارے پاس کوئی جگہ ہے جہاں تم ایک دوسرے سے ملتے ہو؟ درویش نے کہا: "نہیں"۔ امیر نے کہا: میں تمہارے لیے ایک مکان بناؤں گا جہاں تم ایک دوسرے سے ملاقات کرسکو۔ چنانچہ اس نے اسی مقام پر ایک خانقاہ تعمیر کی۔ اس طرح یہ پہلی خانقاہ تھی جو عالم اسلام میں تعمیر ہوئی اور اسے ایک عیسائی امیر نے بنایا[1] یہ دوسری صدی ہجری کا واقعہ ہے۔

خانقاہ کا اطلاق پہلے پہل فرقیہ کرامیہ کے زہاد کی اجتماع گاہوں تک محدود رہا تھا صوفیہ اس وقت مسجدوں یا رباطوں میں قیام کرتے تھے۔ بعد میں صوفیہ کے اقامت خانوں کے لیے زاویہ، تکیہ، دائرہ کی طرح خانقاہ بھی استعمال ہونے لگا۔ پانچویں صدی ہجری/گیارہویں صدی عیسوی میں شیخ ابوسعید ابوالخیر نے خانقاہی زندگی گزارنے والوں کے لیے دس اصول مدون کیے۔ آداب خانقاہ میں ایک ادب یہ ہے کہ مجلس درویش میں سفید ریش سیاہ ریش سے، مخلوق غیر مخلوق سے اور ملحق غیر ملحق سے آگے بیٹھتا ہے[2]۔ صوفیہ کے یہاں خانقاہ کو بیت العبادت کی حیثیت حاصل ہے۔ مسجد اور مدرسہ کی طرح زاویہ، دائرہ، تکیہ، رباط یا خانقاہ نے بھی مسلم معاشرہ کی تعمیر میں ہمیشہ اپنا رول ادا کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عقیدت مند بادشاہ اور امراء خانقاہوں کے قائم کرنے اور ان کا خرچ چلانے میں ہمیشہ دلچسپی لیتے رہے ہیں۔

---

[1] نفحات الانس ص ۲۲

[2] لطائف اشرفی ۲ : ۲۷

بیعت

بیعت و خرقہ کو تصوف میں بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ صوفیہ کے نزدیک راہِ سلوک میں قدم رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ مرید شیخ کے ہاتھ میں ہاتھ دے، سر پر استرا پھیرے اور پیر سے خرقہ حاصل کرے مشائخ میں سے کسی نے آج تک ان شرائط کو ترک نہیں کیا ہے۔ شیخ شرف الدین یحییٰ منیری[1] (م ۷۸۲ھ/۱۳۸۰ء) کا کہنا ہے کہ مرید تب تک مرید نہیں ہوتا جب تک کہ شیخ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں نہ لے اس کے سر کے بال چھوٹے نہ کرے اور اسے خرقہ عطا نہ کرے[2]۔ بعض صوفیہ کا کہنا ہے کہ بیعت تین چیزوں سے مکمل ہوتی ہے۔ وہ تین چیزیں یہ ہیں (ا) سر کے بال صاف کرنا (ب) پیر رہبر کا اقرار کرنا (ج) خرقہ پانا۔ بعض مشائخ مرید کے سر سے تین بال کاٹ لیتے ہیں، دو بال سر کے دائیں جانب سے جو اس بات کا اشارہ ہوتا ہے کہ مرید دونوں جہانوں سے قطع علائق کرے گا۔ اور ایک بال سر کے بائیں جانب سے جو اس کے قطع وجود کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ مشائخ کے نزدیک طالب و مطلوب کے درمیان تین کثیف ترین پردے ہوتے ہیں (ا) مخلوق جو طاعت و عبادت کا حجاب ہے (ب) دنیا جو عقبیٰ کا حجاب ہے (ج) عقبیٰ جو بندے اور مولیٰ کے درمیان حجاب بنتا ہے۔ اس لیے بعض صوفیہ کے نزدیک سر کے تین بالوں کا کاٹنا ان تینوں پردوں کو چاک کرنا ہے۔ بعض بزرگ مرید کے سر سے چار بال کاٹ لیتے ہیں۔ ایک ایک بال سر کے دونوں جانب سے، ایک پیشانی سے اور ایک سر کے پچھلے حصہ سے تراش لیا جاتا ہے۔ ان کے نزدیک یہ عمل چار پردوں کے چاک کرنے پر دلالت کرتا ہے جو چوتھا پردہ ان کے نزدیک نفس ہے[3]۔ مشائخ کا کہنا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اپنی تمام اولاد

---

[1] فردوسی سلسلہ کے مشہور شیخ طریقت شرف الدین یحییٰ منیری، صوبہ بہار کے ایک قصبہ منیر میں پیدا ہوئے۔ شیخ نجیب الدین فردوسی سے خلافت نامہ پایا۔ زندگی کے ۵۶ سال ارشاد و ہدایت میں صرف کیے۔ شیخ کے مکتوبات کو تصوف میں خاص اہمیت حاصل ہے: عبد الحق محدث دہلوی۔ اخبار الاخیار، کتب خانہ رحیمیہ دیوبند ص ۱۲۳

[2] لطائفِ اشرفی ۱: ۳۲۴، المرید لایکون مریداً حتی لایاخذ الشیخ یدہ بیدہ، ولا یقص شعر راسہ ولا یعطی خرقہ

[3] لطائفِ اشرفی ۱: ۳۲۴

کو کسی نہ کسی کسب میں لگاتے تھے مگر جب حضرت شیث علیہ السلام پیدا ہوئے تو اسے خلق سے نفور پا کر حیص بیص میں پڑے کہ اسے کس کام میں لگایا جائے۔ اسی دوران حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور فرمایا: "الشیث صوفی" (شیث صوفی ہے) حضرت شیث کو خلوت میں بٹھایا گیا۔ ان کی خلوت کی شہرت سن کر لوگ بہ کثرت ان کی زیارت کے لیے آنے لگے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام پھر تشریف لائے اور حضرت شیث کے سر پہ استرا پھیر کر فرمایا کہ جو کوئی تجھ سے تعلق پیدا کرنا چاہے اس کے سر پر اسی طرح استرا پھیر تاکہ اتحاد و وصل کی علامت ہو۔[1] حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ (۲۳ق ھ - ۴۱ھ / ۵۹۹ - ۶۶۱ء) تین بال کبھی سر کے دائیں جانب سے کبھی بائیں جانب سے اور کبھی پیشانی سے کاٹ لیتے تھے۔ اکثر مشائخ کا معمول یہی ہے۔

بیعت کی رسم میں قدرے سخت اور غیر معمولی رویہ سلاطین و امراء کے ساتھ برتا جاتا ہے مشائخ کے نزدیک ان کے سر کی چوٹی سے بال کاٹنا اولیٰ اور گلے میں ان کی دستار آویزاں کرنا زیادہ مناسب ہے جو اس کی طرف سے اعلان ہے کہ بندہ ایک گنہ گار انسان تھا اب حضرت کی خدمت میں حاضر ہوں۔ اپنے نفس کو شرع کا پابند بنا کر نفس اور شیاطین کے شر سے خدا، رسول اور مشائخ کی پناہ چاہتا ہوں۔[2] اس کے بعد مرید کے سر پر کلاہ چہار ترکی رکھی جاتی ہے۔ جس میں ایک تکملہ ہوتا ہے یہ نقطۂ وحدت کا اشارہ ہے کیوں کہ مرید نے چار چیزیں ترک کر کے دائرۂ وحدت میں قدم رکھا ہے۔ اس طرح مرید کی نسبت مکمل ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد مرید شیخ کے ہم نشینوں اور اہلِ محفل سے مصافحہ کرتا ہے اور توبہ و سعادت کے حصول پر شکرانہ کی نماز دوگانہ ادا کر کے شیخ کے ہاتھ کو بوسہ دیتا ہے۔ مرید لائقِ کار ہو تو شیخ اسے کوئی خدمت تفویض کرتا ہے ورنہ وہ اگر محض توبہ کی غرض سے آیا ہے تو یہ بھی بڑی دولت و سعادت ہے۔[3] اگر طائفہ تصوف میں عورتوں سے بیعت لینے کا طریقہ متداول رہا ہو تو اس کے مشائخ

---

[1] لطائفِ اشرفی ۱ : ۳۲۵

[2] لطائفِ اشرفی ۱ : ۳۲۵

[3] لطائفِ اشرفی ۱ : ۳۲۵

عورتوں سے بیعت لیتے ہیں ان کے بہ قول قرآن کی آیت :

يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ
يُبَايِعْنَكَ عَلَىٰ أَنْ لَا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ
شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ وَ
لَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا
يَأْتِينَ بِبُهْتَانٍ يَفْتَرِينَهُ
بَيْنَ أَيْدِيهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ
وَلَا يَعْصِينَكَ فِي مَعْرُوفٍ فَبَايِعْهُنَّ
وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ
رَّحِيمٌ ۔ (سورۃ الممتحنہ : ۱۲)

اے پیغمبر جب مسلمان عورتیں آپ کے پاس (اس غرض سے) آویں کہ آپ سے ان باتوں پر بیعت کریں کہ اللہ کے ساتھ کسی شے کو شریک نہ کریں گی، نہ چوری کریں گی اور نہ بدکاری کریں گی، اور نہ اپنے بچوں کو قتل کریں گی اور نہ بہتان کی اولاد لاویں گی جس کو اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان (نطفۂ شوہر سے جنی ہو دعویٰ کر کے) بنالیویں اور مشروع باتوں میں آپ کے خلاف نہ کریں گی تو آپ ان کو بیعت کر لیں اور ان کے لیے اللہ سے مغفرت طلب کریں وہ غفور رحیم ہے۔

میں اس کی اجازت آئی ہے۔ وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس میں کہا گیا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں سے بیعت لیتے وقت پانی کا پیالہ سامنے رکھتے تھے عورتیں اس میں اپنے ہاتھ ڈالتی بھگوتی تھیں، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنا دستِ مبارک پیالہ میں تر کرتے تھے بیچ میں پردہ حائل تھا۔[1] بیعت کا یہی طریقہ مشائخ میں رائج ہے۔ تاہم بعض مشائخ کے نزدیک عورت کی بیعت یہی ہے کہ اسے پردہ میں رہنے کی نصیحت کی جائے[2] صوفیہ کا کہنا ہے کہ خرقہ پہنانا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ انھوں نے حضرت اویس قرنی کو خرقہ بھیجا تھا۔ البتہ بیعت اور سر کے بال تراشنے کی رسم حضرت جنید بغدادی کے دور میں پیدا ہوئی[3] خرقہ سات قسم کا ہوتا ہے (ا) صوف (ب) ملمع (ج) مرقع (د) سیاہ (ھ) سفید (و) نیلا (کبود) (ز) ہزار میخی۔ خرقہ سے مراد کلاہ یا پیوند دار کپڑا

---

[1] لطائفِ اشرفی ۱ : ۳۳۰

[2] لطائفِ اشرفی ۱ : ۳۳۰

[3] لطائفِ اشرفی ۱ : ۳۲۳

ہے جو شیخ مرید یا صاحبِ عقیدت کو عطا کرتا ہے۔ عام طور پر صوفیہ کے نزدیک اس کی دو قسمیں ہیں (ا) خرقۂ ارادت (ب) خرقۂ تبرک۔

لیکن بعض مشائخ نے خرقہ کی پانچ قسمیں بتائی ہیں:

(ا) خرقۂ ارادت: یہ خرقہ شیخ بیعت کے روز مرید کو عطا کر کے اسے توبہ کی تلقین کرتا ہے۔

(ب) خرقۂ محبت: ارادت کے بعد شیخ ازراہِ محبت مرید کو خرقہ یا کپڑا دیتا ہے۔ یا درویش مدتوں ایک دوسرے کے ہم نشین رہتے ہیں، جب ایک دوسرے سے علیحدہ ہوتے ہیں تو ایک درویش دوسرے کو جو خرقہ دیتا ہے وہ خرقۂ محبت کہلاتا ہے۔

(ج) خرقۂ تبرک: شیخ کسی دوسرے شیخ کے مرید کو یا کسی عام ارادت مند کو جو خرقہ دیتا ہے وہ خرقۂ تبرک کہلاتا ہے۔

(د) خرقۂ صحبت: شیخ جب اپنی زندگی میں کسی مرید کو دیکھتا ہے کہ اس کی ہمت بلند ہے تو اسے کسی دوسرے شیخ کے حوالہ کرتا ہے تاکہ اس کا حال بلند سے بلند تر ہو جائے مرید کو رخصت کرتے وقت شیخ اسے خرقہ عنایت کرتا ہے تاکہ مرید ضائع نہ ہو جائے۔ اس خرقہ کو خرقۂ صحبت کہتے ہیں۔ عام طور سے شیخ کو بحالتِ خواب یا کشف مرید کو دوسرے شیخ کے سپرد کرنے کی تاکید کی جاتی ہے۔

(ھ) خرقۂ حقیقی: یہ خرقہ صرف خاص مرید کو نصیب ہوتا ہے اور خود مرید کو یہ مقام بے حد محنت و ریاضت کے بعد ملتا ہے[1]

خرقہ پہننے کے بعد مرید کے لیے لازمی ہے کہ وہ شیخ کی غیر مشروط اطاعت کرے۔ شیخ کی صحبت کے شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ شیخ کی کسی بات کے خلاف مرید کے دل میں خیال نہ پیدا ہو، خرقہ پہننے کے بعد مرید کی شیخ کے ساتھ وہی حیثیت ہوتی ہے جو چھوٹے بچہ کی باپ کے ساتھ ہوتی ہے[2]

خرقہ پہننے کو "سبز موت" (الموت الاخضر) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ کیوں کہ مرید جب قیمتی لباس کے

---

[1] لطائف اشرفی ۱ : ۳۳۸

[2] عوارف المعارف علی ہامش احیاء ۲ : ۵۳-۵۴

درجہ سے نیچے آکر معمولی مرقع جو ستر اور نماز پڑھنے کے لیے ضروری ہے، پر قناعت کرتا ہے، تو وہ "سبز موت" مرتا ہے[1]۔ یہاں سے ایک نئی زندگی کی ابتدا ہوتی ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے اس قول میں بھی اس طرف اشارہ کیا گیا ہے:

لایدخل ملکوت السماء من	کوئی شخص عالم ملکوت میں داخل نہیں
لم یولد مرتین	ہوسکتا جب تک دوبارپیدا نہ ہو۔

صوفیہ کے یہاں مریدوں کے لیے نیلا لباس پسند کیا گیا ہے[2]۔ چوں کہ مرید خرقہ پہنتے وقت اپنے آپ کو شیخ کے حوالہ کرتا ہے اس لیے لباس و رنگ کا تعین شیخ کی صواب دید پر منحصر ہے۔ اس معاملہ میں شیخ کی حیثیت ناقابل چیلنج ہوتی ہے[3]۔ نیلا لباس تجویز کرنے کی دو وجہیں ہیں۔ ایک یہ کہ طریقت کی بنیاد سیر و سیاحت پر ہے اور سفر میں سفید کپڑے ٹھیک نہیں رہتے ان کا دھونا دشوار ہوتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ نیلا لباس پہننا جوال مرد اور مصیبت زدہ لوگوں کا شعار رہا ہے[4]۔ صوفیہ کے بہ قول نیلا لباس دراصل وصال خداوندی کے عدم حصول پر سوگ کا مظہر ہے کیوں کہ مرید کا جب اس دنیا میں کوئی مقصد حاصل نہیں ہوتا تو وہ نیلا لباس استعمال کرتا ہے۔ ایک طبقہ ایسا ہے جو دنیا میں سوائے تضیع اوقات کے کچھ نہیں دیکھتا اور اس کی امیدیں ختم ہو جاتی ہیں۔ امیدوں کے ختم ہو جانے کو موت کے مترادف مان کر یہ طبقہ نیلا لباس اختیار کرتا ہے۔ ایک مقصد کے فوت ہونے کے غم میں نیلا لباس پہنتا ہے اور دوسرا اکثر امیدوں کے غم میں نیلا لباس استعمال کرتا ہے[5]۔ ایک فقیر سے جب پوچھا گیا کہ تم نے

---

[1] کمال الدین ابی الغنائم عبد الرزاق بن جمال الدین الکاشی السمرقندی۔ اصطلاحات الصوفیہ، مرتبہ ڈاکٹر الایس اسپرنگر Dr. Alloys Springer، الارشاد لاہور ۱۹۷۴ء ص ۲، ۳، لطائف اشرفی ۱: ۲۴،

[2] عوارف المعارف علی ہامش احیاء ۲ : ۵۹-۶۰

[3] عوارف المعارف علی ہامش احیاء ۲ : ۶۰

[4] کشف المحجوب ص ۴۴

[5] کشف المحجوب ص ۴۴

نیلا لباس کیوں پہن رکھا ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ رسول اللہ سے تین چیزیں باقی رہ گئی ہیں، فقر، علم اور شمشیر۔ شمشیر بادشاہوں کے حصہ میں آئی تو انھوں نے اس کا حق ادا نہ کیا۔ علم علماء کو ملا تو انھوں نے اسے مال و دولت سمیٹنے کا وسیلہ بنایا۔ فقر درویشوں کے حصہ میں آیا تو انھوں نے اسے غنا کا ذریعہ بنایا۔ میں نے ان تینوں کے ماتم میں نیلا لباس پہن رکھا ہے[۱]۔

"جہانِ رنگ و نور" کو صوفیہ کے یہاں بے حد اہمیت حاصل ہے چنانچہ رنگین لباس پہن کر وہ اس امر کی فال لیتے ہیں کہ جس طرح ہم نے ظاہری طور پر رنگین لباس اختیار کیا ہے اسی طرح ہمارا باطن بھی انوار مشاہدہ سے رنگین ہو۔ ان کے بہ قول نفس کو جن رنگوں کے ساتھ مناسبت ہے ان میں غالب رنگ نیلا ہے۔ البتہ نفس مطمئنہ کا رنگ سیاہ ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں نورِ ذکر کی گہری آمیزش ہے۔ نیلا رنگ، سیاہ و سفید کی آمیزش سے پیدا ہوتا ہے صوفیہ کے مطابق نفس کے انوار گاہے نیلے ہوتے ہیں اور گاہے سبز۔ جب کہ قلب کے انوار کبھی سفید، کبھی زرد، کبھی نیلے اور کبھی سرخ ہوتے ہیں۔ صوفیہ نے ان تمام رنگوں میں نیلے رنگ کو اختیار کیا ہے کیوں کہ اس میں جس قدر عجز کا اظہار ہے اتنا کسی رنگ میں نہیں اس لیے بعض صوفیہ نے کہا ہے:

لو عرف ابن منصور حق المعرفة	اگر ابن منصور کو معرفت کا حق معلوم ہوتا
لکان قوله انا التراب عوض قوله انا الحق[۲]	تو وہ انا الحق کے بجائے انا التراب کہتے۔

لیکن سالک جب نفس سے مامون ہو جائے تو وہ رنگوں کے چکر سے بھی آزاد ہو جاتا ہے،

---

[۱] کشف المحجوب ص ۴۴

[۲] سید محمد بن مبارک علوی کرمانی المعروف بہ میر خورد۔ سیر الاولیاء، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان اسلام آباد/ موسسہ انتشارات اسلامی لاہور سنہ ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸ء ص ۴۳۱، سیاہ لباس میں اگرچہ یہ تمام اوصاف موجود ہیں لیکن اس کے پہننے سے ایک تو عباسیہ کا احترام لازم آتا ہے دوسرے کفار عنابیہ سے مشابہت ہوتی ہے ص ۴۳۱۔

اس کے بعد وہ جو لباس چاہے اسے زیب تن کر سکتا ہے[1]

صوفیہ کے نزدیک صوف کا پہننا سنت ہے اور اس میں پیوند لگانا چاہیے۔ ان کے بہ قول ایک روایت میں آیا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صوف کے کپڑوں میں وفات پائی اور اس میں گیارہ جگہ پیوند لگا ہوا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے صوف کے لباس میں انتقال کیا تو اس میں بارہ پیوند لگے تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے صوف کے کپڑوں میں وفات پائی تو اس میں تیرہ پیوند لگے ہوئے تھے[2]

عمامہ کے بارہ میں صوفیہ کا کہنا ہے کہ اس کا شملہ آگے یا پیچھے لٹکانا جائز ہے۔ نیز سنت یہ ہے کہ عمامہ ٹوپی پر باندھے[3] حضرت نظام الدین اولیا[4] (۶۴۵-۷۲۵ھ / ۱۲۴۷-۱۳۲۴ء) ہفت کورہ دستار باندھتے تھے۔ ایک دن محفل سماع کے دوران ایک کورہ کھل گیا تو محفل سے باہر نکلے اور کورہ باندھ کے آئے۔ لوگوں نے استفسار کیا تو فرمایا کہ میرے دستار کا ایک ایک کورہ ایک ایک اقلیم کے قیام سے مربوط ہے۔ اگر اسے نہ باندھتا تو احتمال تھا کہ ایک اقلیم درہم برہم ہو جاتی[5] مشائخِ چشت کا دستور ہے کہ جب دستار باندھتے ہیں تو دونوں کان اس کے نیچے آجاتے ہیں کیوں کہ وہ حق اور باطل سننا نہیں چاہتے۔ ان کے نزدیک باطل جو مقابلہ حق کے ہے

---

[1] سیر الاولیاء ص ۳۱۴، نفس اور روح کا رنگ سے بے رنگی پر پہنچنا کمالِ نورانی کی دلیل ہے۔

لطائف اشرفی ۱: ۲۶۵

[2] سیر الاولیاء، ص ۳۲۴

[3] سیر الاولیاء، ص ۳۱۴

[4] شیخ محمد بن احمد بن دانیال بدایونی المعروف بہ شیخ نظام الدین اولیا، حضرت فرید الدین گنج شکر کے مرید تھے۔ خرقۂ خلافت انھیں سے ملا۔ آپ کا شمار سلسلہ چشتیہ کے اکابرین میں ہوتا ہے۔ مستقل قیام دہلی میں تھا اور وہیں وفات پائی۔ آپ کے ملفوظات "فوائد الفواد" کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ کا مزار دہلی میں ہے۔ سیر الاولیاء ص ۱۰۱، نفحات الانس ص ۳۳۰، سفینۃ الاولیاء، بذیل تذکرہ ص ۹۷، اخبار الاخیار ص ۶۰

[5] لطائف اشرفی ۱: ۳۳۷

کا اصلاً وجود نہیں ہوتا۔ اس کا انکار کریں گے تو ظاہر نوع کے اعتبار سے وہ باطل کا انکار ہوگا۔ لیکن وہ حق کا انکار ہوگا جیسا کہ کہا گیا ہے: لا تنکروا الباطل فانہ من ظہوراتہ[۱]۔ اس کے برعکس مشائخ سہروردیہ جب عمامہ باندھتے ہیں تو بایاں کان اس کے نیچے لاتے ہیں، اور دایاں کان کھلا چھوڑ دیتے ہیں، جو اس بات کا اشارہ ہے کہ لوگوں کے عیوب و نقائص نہیں سنیں گے، لیکن پند و نصائح اور مواعظ کے لیے ہمارا گوشِ ہوش کھلا ہے[۲]۔ صوفیہ کے یہاں "کلاہِ چہار ترکی" (چار گوشہ والی) کے نام سے ایک مخصوص ٹوپی استعمال ہوتی ہے۔ اس کا ادب یہ ہے کہ کلاہ پوش (چار منہیات) معاصی، مناہی، ملاہی اور نواہی کو ترک کرے۔ نیز کلاہ ترکی کا اشارہ ترکِ طعام، ترکِ کلام، ترکِ منام اور ترکِ صحبت مع الانام کی طرف بھی ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ کلاہ چہار ترکی یا چار ترکی شریعت، طریقت، معرفت اور حقیقت کا مظہر مانی جاتی ہے[۳]۔

سراویل یا پاجامہ کے بارہ میں صوفیہ کا کہنا ہے کہ یہ شرم گاہ کو چھپانے والا لباس ہے اور طریقت میں یہ بات انتہائی نازیبا ہے کہ غیر شخص کی نظر شرم گاہ پر پڑ جائے[۴]۔ پاجامہ اتارتے وقت سالک کو بائیں پیر سے اور پہنتے وقت دائیں پیر سے ابتدا کرنا چاہیے[۵]۔ خرقۂ فقر کو اربابِ حال خرقۂ شہادت بھی کہتے ہیں حضرت حسن بصری کے بہ قول حضرت علی رضی کا بیان ہے کہ خرقۂ شہادت کے معنی فقر و فاقہ میں ثابت قدم رہنا ہے اور مصلی فقیر کے اللہ تعالے تک پہنچنے کی گواہی ہے[۶]۔ صوفیہ نعلین استعمال کرتے ہیں اگرچہ اس میں مخصوص قواعد کی پابندی

---

[۱] لطائف اشرفی ۱: ۳۳۷-۳۳۸

[۲] لطائف اشرفی ۱: ۳۳۷

[۳] لطائف اشرفی ۱: ۳۳۷

[۴] سیر الاولیاء، ص ۴۳۲

[۵] سیر الاولیاء، ص ۴۳۲

[۶] لطائف اشرفی ۱: ۳۳۷

نہیں کرتے تاہم دیکھا گیا ہے کہ چمڑے کی بنی ہوئی جوتیوں کے علاوہ ایک خاص قسم کا کھڑاؤں استعمال کیا جاتا ہے جو لکڑی کا بنا ہوتا ہے۔

سجّادہ کو طریقت میں ایک خاص مقام حاصل ہے۔ شیخ السجادہ یا صاحبِ سجادہ کا اطلاق عموماً شیخ طریقت پر کیا جاتا ہے۔ صوفیہ کی بیان کردہ روایات کے مطابق حضرت جبرئیل علیہ السلام حضرت آدمؑ کے لیے جنت کی بھیڑوں کی کھال سے بنا ہوا ایک سجادہ لائے تھے اسے سجادۃ الخلافۃ کہتے ہیں جو آنے والی نسلیں استعمال کرتی رہیں۔ آج تک یہی سجادہ سلاسلِ تصوف میں منتقل ہوتا رہا ہے۔ سجادہ نشینی یا رسم الشد اسی سجادہ پر انجام دی جاتی ہے۔ رسم الشد سے پہلے نقیب سجادہ بچھانے کا فرض منصبی انجام دیتا ہے۔ اس کے بعد شیخ آداب سلسلہ کے مطابق اس پر بیٹھ جاتا ہے جو اس امر کا اشارہ ہے کہ اس لپٹے ہوئے سجادہ کی مہر ٹوٹ گئی اور اب یہ صاحب سجادہ کے لیے رسمًا قابلِ استعمال ہوگیا۔ وہ امیدوار جس کے لیے یہ رسم انجام دی جاتی ہے بساط الجمع پر کھڑا ہوتا ہے جو غالبًا شیخ سجادہ سے کچھ دوری پر ہوتا ہے۔ تصوف میں سجادہ کو محض کپڑے یا کھال کا کوئی ٹکڑا نہیں تصور کیا جاتا، بلکہ صوفیہ کے بہ قول اس کے سر اور پاؤں ہوتے ہیں۔ اس کے چار حروف کا تعلق عناصر اربعہ سے بتایا جاتا ہے۔ سجادہ کو راہِ نجات مانا جاتا ہے۔[۱]

سَبحہ، سُبحہ یا تسبیح تاگے میں پروئے ہوئے دانوں پر مشتمل مالا کو کہتے ہیں، اسے مسلمان تسبیح، تحمید، تکبیر، تہلیل، اسماءِ الٰہی یا دوسرے اذکار و اوراد کے شمار کے لیے کام میں لاتے ہیں۔ اربابِ حال اور درویشوں سے اس کا تعلق اس قدر پرانا ہے کہ بعض حلقوں میں اسے اربابِ تصوف ہی کی ایجاد مانا جاتا ہے، بلکہ ایک قول میں اسے حضرتِ جنید بغدادی کی ایجاد کہا گیا ہے۔ سبحہ یا تسبیح کا رواج دنیا کے قریبًا تمام مذاہب میں پایا جاتا ہے اور ہر جگہ اس کے ساتھ مذہبی تقدس کا تصور وابستہ ہے۔ البتہ جاپان میں اسے ایک سماجی مقام بھی حاصل ہے وہاں اسے چائے خانوں

---

[۱] اردو دائرۂ معارف اسلامیہ ۱۰ : ۷۴۵۔۷۴۶

یا دوسرے مقامات پر سامانِ آرائش کی حیثیت سے آویزاں کیا جاتا ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی عورت کو اذکار کے شمار کے لیے گٹھلیوں اور کنکریوں کو استعمال کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: کیا میں تمھیں اس سے بہتر ترکیب نہ بتلاؤں؟ یہ فرماتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو ایک خاص تسبیح کی تلقین کی، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی عورتوں سے فرمایا کہ تسبیح، تہلیل و تقدیس کا وِرد کرو، اور اوراد کو انگلیوں پر شمار کرو، کیوں کہ انھیں بھی حساب دینا ہوگا۔[1] نیز بعض صحابہ نے مسجد میں حلقہ بنائے بیٹھے لوگوں کو کنکریوں پر تسبیح شمار کرتے ہوئے دیکھا تو انھیں سختی سے منع کیا، جبکہ حضرت ابوہریرہؓ کے پاس ہزار گرہوں والا ایک دھاگا تھا اس پر اپنی تسبیح پوری کرنے کے بعد ہی سوتے تھے۔[2] بروایتِ دیگر، پہلی صدی ہجری میں حضرت فاطمہ بنت حسینؓ ($\frac{\text{۴۰ - ۱۱۰ھ}}{\text{۶۶۰ - ۷۲۸ء}}$) کے بارہ میں بتایا جاتا ہے کہ وہ اوراد کے شمار کے لیے ایک ڈورا استعمال کرتی تھیں جس میں وہ گرہیں لگاتی تھیں۔[3] دوسری صدی ہجری میں حضرت فضیل بن عیاض کے بارہ میں کہا جاتا ہے کہ وہ تسبیح گردن میں ڈالے رہتے تھے[4] اور دستیاب شواہد کے مطابق وہ پہلے مسلمان ہیں جن کے بارہ میں تسبیح کے استعمال کی بات کہی گئی ہے۔

شعر وادب میں اس کا ذکر پہلی بار عہدِ عباسی کے مشہور شاعر ابو نواس ($\frac{\text{۱۴۱ - ۱۹۹ھ}}{\text{۷۵۸ - ۸۱۴ء}}$) کے یہاں مسابیح (مسبحۃ کی جمع) کے نام سے ملتا ہے۔[5] بعض اہلِ علم کی یہ رائے کہ مسلمانوں نے تسبیح کو بودھوں سے اخذ کیا، صحیح نہیں ہے۔

یورپ میں تسبیح کا رواج ان سپاہیوں کے ذریعہ شروع ہوا جنھوں نے صلیبی جنگوں

---

[1] ابوداؤد - کتاب الصلوٰۃ باب التسبیح بالحصی، وتر باب ۲۴، ترمذی دعوات باب ۱۰۳ و باب ۱۱۳ [2] تذکرۃ الحفاظ ۱: ۳۵، کان لہ خیط فیھا الفا عقدۃ لا ینام حتی یسبح بہ۔

[3] الطبقات الکبریٰ لابن سعد ۸: ۴۷۴، کانت تسبح بخیوط معقود فیھا۔

[4] مرآۃ الاسرار ۱: ۹۹

[5] ابونواس - دیوان ابی نواس، تشریح محمود آفندی، الطبعۃ الاولیٰ مصر ۱۸۹۸ء ص ۱۰۸ [المسابیح فی ذراعی...]

میں حصہ لیا تھا اور انھوں نے اسے مسلمانوں سے اخذ کیا تھا[1]۔ تاہم ایسی شہادتیں بھی دستیاب ہیں جن کے مطابق تسبیح کا استعمال یورپ میں صلیبی جنگوں سے پہلے ہوا ہے[2]۔

مسلمانوں میں جو تسبیح عام طور سے رائج ہے وہ سو دانوں پر مشتمل ہوتی ہے، جو تین حصوں میں منقسم ہے۔ ہر حصہ کو ایک بڑی جسامت والا یا ممتاز دانہ دوسرے حصہ سے علیحدہ کرتا ہے۔ ان ممتاز دانوں کی تعداد تسبیح میں دو ہوتی ہے ایک ان سے بھی بڑی جسامت والا دانہ پوری تسبیح میں ممتاز ہوتا ہے اسے گلِ سبحہ یا امام کہتے ہیں، یہ دستہ کا کام دیتا ہے[3]۔ تسبیح کے دانوں کی تعداد ۳۳ بار تسبیح ۳۳ بار تحمید اور ۳۳ یا بعض لوگوں کے مطابق ۳۴ بار تکبیر کی مناسبت سے رکھی گئی ہے۔ نیز ان دانوں کی تعداد کو اللہ اور ۹۹ اسماءِ حسنیٰ سے بھی مطابقت ہے۔ مصر میں ہزار دانوں پر مشتمل ایک تسبیح بھی استعمال ہوتی ہے جو مُردے کو ایصالِ ثواب کے لیے تین ہزار بار تہلیل کے شمار میں کام آتی ہے۔ مُردے کی تدفین کے بعد پہلی رات یا حسبِ رسوم فقراء یا قراء کی ایک جماعت بلا جاتی ہے جو قرآن کا ختم کرتی ہے ختمِ قرآن کے بعد لا الٰہ الا اللہ تین ہزار بار پڑھا جاتا ہے جس کا شمار تسبیح ہزار دانہ کے ذریعہ کیا جاتا ہے۔ ہر تسبیح یعنی ہزار اذکار کے بعد کوئی قہوہ یا اس قسم کی کوئی دوسری چیز پیش کی جاتی ہے۔ آخر میں امیرِ جماعت تمام لوگوں سے کہتا ہے کہ آپ ان کلمات کا ثواب مُردے کو بخش دیں۔ وہ جواب دیتے ہیں "ہم نے بخش دیے"۔ اس کے ساتھ دعا کی جاتی ہے اور مجلس ختم و تہلیل اختتام کو پہنچ جاتی ہے[4]۔

برصغیر اور عالمِ اسلام کے دوسرے حصوں میں تھوڑے سے فرق کے ساتھ ایسے موقع پر تسبیح کا استعمال ہوتا ہے۔ نیز بعض علاقوں میں ختماتِ اولیاء کا شمار بھی اسی سے کیا جاتا ہے۔

---

[1] Encyclopaedia of Religion and Ethics. "Rosaries" Vol. X, p. 853.

[2] Encyclopaedia of Religion and Ethics. Vol. X, p. 853.

[3] اردو دائرۂ معارف اسلامیہ ۱۰ : ۶۹۹ - ۷۰۰

[4] Encyclopaedia of Religion and Ethics. Vol. X, p. 852-853.

تسبیح کا ایک اور استعمال استخارہ میں ہوتا ہے۔ اس کا طریقہ یوں بتایا جاتا ہے کہ تسبیح کو دو مقامات پر پکڑا جاتا ہے، دونوں کے بیچ میں جو دانے ہوتے ہیں سورۃ الفاتحہ تین بار پڑھ کر پہلے دانہ پر سُبحان اللہ، دوسرے دانہ پر الحمدُ للہ اور تیسرے دانہ پر اللہُ اکبر پڑھا جاتا ہے۔ اگر آخری دانہ پر سبحان اللہ کی نوبت آئے تو کامیابی یا اجازت ہے، اگر آخری دانہ پر الحمد للہ کی باری آئے تو اسے توقف تصور کیا جاتا ہے، اگر آخری دانہ پر اللہ اکبر کی نوبت آئے تو اسے ناکامی یا ممانعت سمجھا جاتا ہے۔[1]

لیکن اصل میں اس کا اکثر استعمال صوفیہ درویش یا بزرگ اور پرہیزگار لوگ کرتے ہیں۔ اور یہ نماز کے بعد یا فارغ اوقات میں اذکار و اوراد و وظائف کے شمار کرنے میں کام آتی ہے۔

سبحہ یا تسبیح اونٹ کی ہڈی، خاک شفا، لکڑی اور پتھر کی بنی ہوتی ہے۔ مکہ معظمہ یا مدینہ منورہ کی بنی ہوئی تسبیح خاص طور سے پسند کی جاتی ہے۔ اہلِ تشیع کے یہاں خاک کربلا کی بنی ہوئی تسبیح زیادہ پسند کی جاتی ہے۔ یہ تسبیح سبزی مائل زرد ہوتی ہے۔ اہلِ تشیع میں سے بعض کا عقیدہ ہے کہ یہ دانے ۹ محرم کو لال ہو جاتے ہیں۔ بعض تسبیحوں کے دانوں کو خونِ امام حسین کے احترام میں سُرخ رنگ میں رنگا جاتا ہے اور بعض تسبیحوں کے دانوں کو سبز رنگ سے رنگ دیا جاتا ہے جو اس بات کی علامت ہے کہ حضرت امام حسن کو زہر دے کر شہید کیا گیا اور زہر کھانے کے بعد ان کے جسم کا رنگ سبز ہو گیا تھا۔[2] بعض علماء نے سبحہ کو بدعت قرار دے کر اس کے استعمال کی مخالفت کی ہے۔ ان کی تردید میں امام سیوطی نے "التنقیح فی مشروعیۃ التسبیح" کے نام سے ایک رسالہ لکھا ہے جس میں سبحہ کے جواز میں احادیث نقل کیے ہیں۔ رسالہ میں انھوں نے حضرت علیؓ کا یہ قول نقل کیا ہے "نعم المذکر السبحۃ"۔[3]

مصلّیٰ، سجادہ اور تسبیح کے ساتھ ساتھ عصا کی اہمیت بھی مُسلّم ہے۔ بیدل عظیم آبادی (۱۰۵۴-۱۱۳۳ھ / ۱۶۴۴-۱۷۲۰ء) نے عصا کی کتنی اچھی تعریف کی ہے: "سنت الانبیاء، زینت الصلحاء، مونس الاعمیٰ، مجد الضعفاء، دافع الاعداء"۔

---

[1] Encyclopaedia of Religion and Ethics. Vol. X, p. 853.

[2] Encyclopaedia of Religion and Ethics. Vol. X, p. 852.

[3] امام جلال الدین سیوطی۔ التنقیح فی مشروعیۃ التسبیح مشمولہ رسائل اثناعشر مطبع محمدی لاہور بدون تاریخ ص ۴۶

ارادت

تصوف میں شیخ، پیر یا رہبر کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ اور یہ شیخ ہی کی ذات ہے جو مجالست کے دوران مرید کی تربیت و تہذیب، غیبت میں بذریعہ خواب یا کشف اس کی رہنمائی، جیتے جی آلام و مصائب کے وقت اس کی دست گیری، اور موت کے بعد اس کی شفاعت کرتی ہے۔ حیاتِ بشری کے ایک ایک لمحہ میں شیخ مرید کا خضرِ راہ ہوتا ہے۔ اور مرید بھی اپنے علم و عقل اور انا و خودی سے دست بردار ہو کر شیخ کے سامنے ایسی مکمل خود سپردگی کرتا ہے کہ کسی معاملہ میں وہ صاحبِ اختیار نہیں رہتا۔ شیخ کے سامنے مرید کی وہی حیثیت ہوتی ہے جو غسّال کے ہاتھ میں مُردہ کی ہوتی ہے کہ وہ جس طرح چاہے اسے الٹتا پلٹتا رہے[1]۔

اہلِ تصوف کا کہنا ہے کہ درویشی تب تک حاصل نہیں ہوتی جب تک کسی شیخِ وقت کی بیعت نہ کی جائے کیوں کہ طریقت کی خاردار راہ میں سالک کو قدم قدم پر قطاع الطریق کے ہتھے چڑھنے کا خطرہ درپیش ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث — "الرفیق ثم الطریق"[2] (پہلے ہم سفر بعد سفر) نقل کی جاتی ہے۔ مولانا جلال الدین رومی[3] (۶۰۴ھ/۱۲۰۷ء — ۶۷۲ھ/۱۲۷۳ء) اپنے مخصوص انداز میں کہتے ہیں ؎

---

[1] لطائف اشرفی ۱: ۱۷۴، جواہر غیبی، کنز چہارم ص ۲۴۱

[2] جواہر غیبی کنز چہارم ص ۲۳۲

[3] محمد بن بہاء الدین محمد المعروف بہ جلال الدین رومی، بلخ میں پیدا ہوئے۔ والد کی سرپرستی میں بلخ سے ہجرت کر کے مختلف بلادِ اسلامیہ کی سیاحت کرتے ہوئے قونیہ پہنچے۔ والد کی وفات کے بعد درس و تدریس، فتویٰ نویسی اور وعظ و تذکیر میں مشغول ہوئے۔ ۶۴۲ھ/۱۲۴۴ء میں ان کی ملاقات شمس تبریزی سے ہوئی۔ اس کے بعد مولانا رومی نے تمام مشاغل ترک کر دیے۔ شمس تبریزی کے ساتھ مولانا کی عقیدت بعض لوگوں کو پسند نہیں آئی، تو شمس تبریزی غائب ہو گئے۔ ان کی غیبت نے مولانا کو بے قرار و بے چین کر دیا۔ شمس تبریزی کو دوبارہ واپس لایا گیا لیکن لوگوں کی غلط روش نے

(بقیہ حاشیہ بر صفحہ دیگر)

یار باید راہ را تنہا مرو   از سر خود اندریں صحرا مرو
ہر کہ او بے مرشدے در راہ شد   او ز غولاں گمرہ و در چاہ شد
گر نہ باشد سایۂ پیر اے فضول   پس ترا سرگشتہ دارد بانگ غول

اس سلسلہ میں اہلِ تصوف ایک حدیث بھی نقل کرتے ہیں:

من لیس لہ شایخ فشیخہ ابلیس[1]   جس کا کوئی پیر نہیں اس کا پیر ابلیس ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ان کے بہ قول کسی شیخ کی بیعت کرنا جسے عرفِ عام میں پیر کرنا کہتے ہیں، لازمی (واجب) ہے[2] اربابِ حال اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے ایک فرشتہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا۔ حضرت جبرئیل اس فرشتہ کے آنے سے پہلے حضرت نبی کریم کے پاس موجود تھے فرشتہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اختیار دیا ہے کہ آپ چاہیں تو نبی عبد بنیں، چاہیں تو نبی بادشاہ بنیں۔ جبرئیل نے اشارہ کیا کہ آپ تواضع اختیار کریں۔ چنانچہ رسول اللہ نے جواب دیا کہ میں نبی عبد بننا پسند کرتا ہوں۔ اربابِ تصوف کا کہنا ہے کہ حضرت جبرئیل آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شیخ تھے اور اس حدیث سے ان کی تعلیم کا ثبوت ملتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی چیز کو پسند کیا جسے جبرئیل

(گزشتہ سے پیوستہ) پھر شمس تبریزی کو قونیہ چھوڑنے پر مجبور کیا۔ مولانا نے شمس تبریزی کے بعد صلاح الدین زرکوب کو اپنی توجہ کا مرکز بنالیا۔ ۶۸ برس کی عمر میں قونیہ میں انتقال کیا۔ مولانا رومی اپنی "مثنوی" کے لیے تمام دنیا میں مشہور ہیں۔ اس کا شمار عالمی ادب کے شہ پاروں میں ہوتا ہے۔ مولانا کی سوانح کے لیے دیکھیے: (۱) شمس الدین افلاکی کی مناقب العارفین، علامہ فروزانفر کی کتاب "زندگانی مولانا جلال الدین محمد"۔ قاضی تلمذ حسین گورکھپوری کی دو کتابیں "مرأۃ المثنوی" اور "صاحب المثنوی"۔ اور علامہ شبلی نعمانی کی تصنیف "سوانح مولانا روم"۔

[1] امام قشیری نے یہ قول ان الفاظ میں بایزید سے منسوب کیا ہے "من لم یکن لہ استاذ فامامہ الشیطان"۔ الرسالۃ القشیریہ ص ۲۳۸، حضرت نظام کا بیان ہے کہ یہ مشائخ کا قول ہے۔ سیر الاولیاء ص ۳۳۶ شیخ محی الدین ابن عربی نے قول صوفیہ کے طور پر اسے یوں نقل کیا ہے: "من لم یکن لہ استاذ فان الشیطان استاذہ"۔ الامام العارف الشیخ الاکبر محی الدین ابن عربی، الامر المحکم المربوط (مع اردو ترجمہ بعنوان آداب الشیخ والمرید از مولانا محمد شفیع دیوبندی) دیوبند بار دوم ۱۳۶۴ھ ص ۶۔ [2] جواہر غیبی کنز چہارم ص ۲۳۲

نے پسند کیا۔ اس جگہ حضرت جبرئیل معلم کے مقام میں تھے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم متعلم کے مقام پر۔ چوں کہ اس سے حضرت جبرئیل کا افضل المخلوقات سے برتر ہونا لازم آتا ہے، اس لیے علمائے تصوف اس کی یہ توجیہہ کرتے ہیں کہ درحقیقت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معلم و مؤدب خود اللہ تعالیٰ ہے، حضرت جبرئیل محض قاصد ہیں لیکن صورۃً معلم اور شیخ کے قائم مقام ہیں[1]۔ حضرات صحابہ کے بارہ میں معلوم ہے کہ ان کے رہبر کامل خود آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ صوفیہ کا کہنا ہے کہ انسان علم و تفقہ اور زہد و ورع میں کتنا ہی بلند مقام کیوں نہ ہو وہ پیر یا شیخ سے بے نیاز نہیں رہ سکتا، چنانچہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ[2] (٨٠ - ١٥٠ھ / ٦٩٩ - ٧٦٧ء) نے بہ ہمہ علم و تفقہ حضرت امام جعفر صادق کی بیعت کی تھی۔ ان سے خرقہ پایا تھا اور تلقین ذکر و فکر حاصل کی تھی۔ نیز انھوں نے تبرکاً خرقۂ اجازت حضرت فضیل ابن عیاض سے پہنا تھا[3]۔ حضرت امام شافعی کو حضرت ہبیرہ بصری سے ارادت تھی آپ نے ان کی بیعت بھی کی تھی اور ان سے خرقہ اجازت بھی پایا تھا[4]۔ حضرت امام احمد بن حنبل نے حضرت بشر حافی کی بیعت کر کے ان سے خرقہ اجازت حاصل کیا تھا[5]۔ حضرت امام محمد[6] (١٣٢ - ١٨٩ھ / ٧٤٩ - ٨٠٤ء) نے

ا۔ الامر المحکم المربوط ص ٦

٢۔ نابغۂ روزگار امام اعظم، قرآن و حدیث کے رمز شناس، عقل و تفقہ کے امام، زہد و ورع کے حامل، علوم اسلامیہ کے بحر بیکراں اور ثبات و استقامت میں اپنی مثال آپ تھے۔ امام ذہبی کا قول ہے: "کان من اذکیاء بنی آدم"۔ کوفہ میں وفات پائی۔ محمد ابو زہرہ۔ ابو حنیفہ، حیاتہ، وعصرہ و آراؤہ وفقہہ، دار الفکر۔ اور اردو میں علامہ شبلی نعمانی کی کتاب "سیرۃ النعمان" متداول ہے۔

٣۔ جواہر غیبی، کنز چہارم ص ٢٣٢

٤۔ جواہر غیبی، کنز چہارم ص ٢٣٢

٥۔ جواہر غیبی، کنز چہارم ص ٢٣٢

٦۔ حضرت امام ابو حنیفہ کے شاگرد، فقہ حنفی کے شارح، فقہ حنفی کی تعلیم کا سلسلہ آپ کی ذات سے قائم ہوا اور امام اعظم کے مذہب کو آپ ہی نے مدون کیا۔

حضرت داؤد طائی[1] (م ۱۶۵ھ/۷۸۱ء) کی بیعت کی تھی اور ان سے خرقہ اجازت پایا تھا[2]۔ حضرت امام ابو یوسف[3] (۱۱۳-۱۸۳ھ/۷۳۱-۷۹۹ء) حضرت حاتم اصم[4] (م ۲۳۷ھ/۸۵۱ء) کے مرید تھے[5]۔

ان شواہد کی روشنی میں صوفیہ کا کہنا ہے کہ سالک کے لیے مرشد یا شیخ کی تلاش ضروری اور لازمی ہے کیوں کہ شیخ یا مرشد یا پیر کے بغیر تربیت و تزکیۂ اخلاق ناممکن ہے۔ شیخ کے وجود کو اہلِ تصوف کے یہاں وہی حیثیت حاصل ہوتی ہے جو قوم میں نبی کی ہوتی ہے۔ گویا جس طرح امت ہدایت و رہنمائی کے لیے نبی کی محتاج ہوتی ہے اسی طرح طالب بھی شیخ کا محتاج ہوتا ہے۔ صوفیہ کے بقول نبوت کے بعد نیابتِ نبوت سے فاضل کوئی درجہ نہیں ہے اور یہ نیابت خلق کو رسول اللہ کے طریقہ پر حق تعالیٰ کی دعوت دینا ہے۔ اس سے مراد یہی نیابت ہے[6]۔ علماءِ تصوف کے بیان کے مطابق حدیث میں آیا ہے: الشیخ فی قومہ کالنبی فی امتہ[7]۔

---

[1] ابو سلیمان داؤد بن نصیر الطائی کوفہ کے رہنے والے تھے۔ آپ حضرت امام ابو حنیفہ کے شاگرد و شیخ حبیب عجمی کے مرید، حضرت فضیل بن عیاض اور حضرت ابراہیم ادہم کے ہم نشین تھے۔ امام الفقہا کے لقب سے جانے جاتے تھے زہد و تقشف کے لیے مشہور ہیں۔ بغداد میں وفات پائی۔ حلیۃ الاولیاء ۷: ۳۳۵، الرسالۃ القشیریہ ص ۱۵، مراۃ الاسرار ۱: ۱۰۵۔

[2] جواہرِ غیبی، کنز چہارم ص ۲۳۲

[3] امام ابو حنیفہ کے شاگرد، عہدِ عباسی کے قاضی القضاۃ، پہلے شخص ہیں جنھوں نے فقہ حنفی میں کتابیں تصنیف کیں۔

[4] ابو عبد الرحمن حاتم بن عنوان المعروف بہ حاتم اصم کا مولد بلخ ہے۔ بغداد آکر حضرت امام احمد بن حنبل سے ملاقات کی، حضرت شفیق بلخی کے مرید تھے۔ شیخ حاتم اصم کو دانائی و حکمت کی بنا پر امتِ مسلمہ کا لقمان کہا گیا ہے آپ کے حکیمانہ اقوال مشہور ہیں۔ بلخ کی ایک نواحی بستی واشجرد میں وفات پائی۔ تاریخ بغداد ۸: ۲۴۱، حلیۃ الاولیاء ۸: ۷۳، الرسالۃ القشیریہ ص ۱۹، الطبقات الکبریٰ ۱: ۸۰، سفینۃ الاولیاء بذیل تذکرہ ص ۱۲۵، وفیات الاعیان ۲: ۲۶، الاعلام ۲: ۱۵۱

[5] جواہرِ غیبی، کنز چہارم ص ۲۳۲

[6] جواہرِ غیبی، کنز چہارم ص ۲۳۴

[7] جواہرِ غیبی، کنز چہارم ص ۲۳۵، ۲۳۹

شیخ کی تلاش و جستجو میں طالب کو اس کا خیال رکھنا چاہیے کہ وہ ہر انسان کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ نہ دے دے۔ اس بارہ میں اہل تصوف کی ہدایت یہ ہے کہ مجذوبوں اور درویشوں کو ہرگز شیخ نہیں بنانا چاہیے اگرچہ یہ لوگ واصل باللہ ہی کیوں نہ ہوں۔ تربیت، مشیخیت اور پیری کے لیے یہ لوگ بالکل موزوں نہیں ہوتے ہیں[۱]۔ شیخ عبدالقادر جیلانی نے طالب کے لیے ایک تیر بہ ہدف دعا کا طریقہ یوں بتلایا ہے کہ طالب نصف شب کو جاگ کر دو رکعت نماز پڑھے سجدہ کرے اور الحاح وزاری کے ساتھ یہ دعا پڑھے:

یارب دلنی علی عبد من	اے میرے رب! مجھے اپنے مقرب بندوں میں سے
عبادك المقربين يدلنی عليك	کسی بندے کی طرف رہنمائی کر جو مجھے تیری
ويعلمنی طريق الوصول	طرف رہنمائی کرے اور تجھ تک پہنچنے کا طریقہ
اليك۔	بتادے۔

اللہ تعالیٰ اس دعا کے نتیجہ میں اسے اپنے اولیاء اللہ میں سے ضرور کسی شیخ کی طرف رہنمائی کرے گا جو اس کا رہبر ہو[۲]۔ طالب کو جب ایسا شیخ یا پیر میسر آئے جو اس کی نگاہوں میں معیار پر پورا اترے اور جو اپنی پاکیزگیِ سیرت کے لیے معروف ہو تو اسے اپنے نفس کو پاک کر کے شیخ کی خدمت میں جانا چاہیے۔

طریقۂ بیعت

صوفیہ کے یہاں ہر سلسلہ میں بلکہ ہر شیخ کے یہاں بیعت کا طریقہ جداگانہ ہے۔ مرید سے شیخ السجادہ جسے فارسی میں پیر، ترکی میں بابا اور عام طور سے مرشد کہتے ہیں، کے سامنے گواہوں کے زمرے میں بیعت لی جاتی ہے۔ اسے خانقاہ یا تکیہ میں چالیس روز کے لیے خلوت یا عزلت اختیار کرنی پڑتی ہے جسے عربی میں اربعینہ اور فارسی میں چلّہ کہتے ہیں۔ گوشہ نشینی اور چلہ کشی کا عمل عام طور سے

۱۔ جواہر غیبی، کنز چہارم ص ۲۳۳

۲۔ جواہر غیبی، کنز چہارم ص ۲۳۱

کسی ولی اللہ کے مقبرے میں سرانجام دیا جاتا ہے۔ ایسے مقبروں پر عرس کا اہتمام ہوتا ہے اور صاحبِ قبر کی روح سے برکت اور فیضان کے حصول کے لیے دعا کی جاتی ہے[1]۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ شیخ مرید کو مزاج وحال کے مطابق کسی دوسری جگہ چلہ کشی کا حکم دیتا ہے۔ ذکر واذکار اور سلسلہ کے وظائف کی تعلیم دی جاتی ہے۔ تین سال کے بعد ہی اسے خرقہ عطا کیا جاتا ہے[2]۔

صاحب محبوب السالکین کے مطابق سب سے پہلے شیخ استعانت کے لیے تسمیہ، تعوذ اور سورہ فاتحہ، اس کے بعد "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اللھم انی اعوذبک من ان اشرک بک ..... الخ" پڑھتا ہے۔ بعدازاں تین بار درود، اس کے بعد تین بار" استغفراللہ الذی لاالہ الا ھوالحی القیوم غفارالذنوب واتوب الیہ" پھر تین بار لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھتا ہے۔ بعدازاں شیخ اپنا دایاں ہاتھ مرید کے دائیں ہاتھ پر اس طرح رکھتا ہے کہ انگوٹھے ایک دوسرے کے ساتھ محکم طور پر ملحق ہو سکیں۔ بعدازاں شیخ سورہ القارعہ آہستہ پڑھ کر مرید کے سینہ پر دم کرتا ہے۔ اس کے بعد شیخ ہاتھ پلٹ کر مرید کا ہاتھ اوپر کر دیتا ہے اور یہ الفاظ کہتا ہے: ہمیں قبول کیا؟ ہمارے شیخ کو قبول کیا؟ ہمارے شیخ کے شیخ کو قبول کیا؟ اور پیروں کو قبول کیا؟ مرید جواب دیتا ہے: "میں نے قبول کیا"۔ اس پر شیخ کہتا ہے: الحمدُ للہ۔ ہم نے بھی تجھے قبول کیا اور باذنِ شیخ ومشائخ اپنے خواجگان کے سلسلہ میں تجھ کو داخل کیا"۔ بعدازاں شیخ طاقیہ (کلاہ چہار ترکی) پہلے اپنے سر پر رکھتا ہے پھر مرید کے سر پر رکھتا ہے اور تکبیر" اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد۔" کہتا ہے۔ شیخ مرید کی پیشانی سے تین بال کاٹ لیتا ہے۔ مرید بغیر دستار کے کلاہ چہار ترکی پہن کر شکرالارادت کے طور پر دو رکعت نماز ادا کرتا ہے ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد تین بار سورۂ اخلاص پڑھتا ہے۔ سلام کے بعد سجدہ کر کے عرض حاجت کرتا ہے کیوں کہ یہ وقت استجابت کا وقت ہوتا ہے۔ آخر میں مرید شیخ کے قدموں پر

---

[1] اردو دائرۂ معارف اسلامیہ ۱۲ : ۴۵۹-۴۶۰

[2] اردو دائرۂ معارف اسلامیہ ۸ : ۹۱۶

اپنا سر رکھ دیتا ہے اور تمام دوستوں کی دست بوسی کرتا ہے[1]۔ عورتوں کے معاملہ میں بیعت کا طریقہ مختلف اور جداگانہ ہے[2]۔ حضرت نظام الدین اولیاء اپنے مرشد شیخ فرید الدین گنج شکر[3] (۵۶۹ھ-۱۱۷۳ء — ۶۷۰ھ-۱۲۷۱ء) کے بارے میں کہتے ہیں کہ ان کے پاس جب کوئی طالب بہ نیت ارادت آتا تو پہلے آپ سورہ فاتحہ و سورہ اخلاص پڑھنے کا حکم فرماتے، بعدہٗ اٰمن الرسول پڑھتے، اس کے بعد اشھد اللّٰہ سے اِنَّ الدِّیْنَ عِندَ اللّٰہِ الاسلام تک پڑھتے پھر فرماتے: "تو نے اس ضعیف کے خواجہ اور خواجۂ خواجگان اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی اور خدائے عز و جل کے ساتھ عہد کیا کہ ہاتھ پاؤں اور آنکھ کی نگہداری کرد گے اور شرع پر قائم رہو گے[4]" اگر کسی کو خرقہ دیتے تو یہ آیت پڑھتے: وَلِبَاسُ التَّقْوٰی ذٰلِکَ خَیْرٌ۔ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ[5] حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز[6] (۷۲۱ھ-۱۳۲۱ء — ۸۲۵ھ-۱۴۲۱ء) کے یہاں بیعت کا طریقہ یہ تھا کہ اپنا دایاں ہاتھ مرید کے ہاتھ پر رکھتے اور اپنے پنجہ میں

---

[1] جواہر غیبی، کنز چہارم ص ۲۴۳

[2] جواہر غیبی کنز چہارم ص ۲۴۳، عورتوں سے یہ الفاظ نہیں کہے جاتے بلکہ پانی کا پیالہ بیچ میں رکھ کر عورت اس میں ایک انگلی تر کر دیتی ہے۔

[3] حضرت خواجہ بختیار کاکی کے مرید ہیں سلسلۂ چشتیہ کے اکابرین میں شمار ہوتے ہیں، پاک پٹن میں مزار ہے۔
سیر الاولیاء ص ۶۷، مراۃ الاسرار ۲ : ۹۵، اخبار الاخیار ص ۵۸، سفینۃ الاولیاء بذیل تذکرہ ص ۹۶

[4] سیر الاولیاء ص ۳۳۳

[5] سیر الاولیاء ص ۳۳۳

[6] سلسلہ چشتیہ کے مشہور شیخ سید بندہ نواز گیسو دراز دولت آباد میں پیدا ہوئے، شیخ نصیر الدین چراغ دہلی سے بیعت تھے۔ حنفی مسلک کے پیروکار تھے۔ بیس سال دکن میں تبلیغ وارشاد کا فریضہ انجام دیا۔ اور وہیں وفات پائی۔ مزار گل برگہ میں ہے۔ مخدوم زادہ بزرگ سید حسین المعروف بہ سید محمد اکبر حسینی۔ جوامع الکلم (ملفوظات وارشادات گرامی خواجہ بندہ نواز گیسو دراز) بہ تصحیح و تحشیہ حافظ محمد حامد صدیق، مطبع انتظامی کانپور ۱۳۵۶ھ ص ۷-۲۶، مراۃ الاسرار ۲ : ۱۹۸

اس کا پنجہ پکڑ لیتے اس کے بعد فرماتے: "تم نے اس ضعیف، ضعیف کے خواجہ، خواجہ کے خواجہ اور مشائخ طبقات کے ساتھ عہد کیا کہ آنکھ کی حفاظت کرو گے، زبان کی نگہداری کرو گے اور جادۂ شرع پر رہو گے، تم نے اسے قبول کیا" وہ کہتا: "میں نے قبول کیا"۔ خواجہ الحمد للہ رب العالمین پڑھتے، مقراض ہاتھ میں لیتے، تکبیر کہتے اور دائیں اور بائیں جانب سے تھوڑے سے بال تراش لیتے، پھر تکبیر کہتے، طاقیہ (کلاہ چہارترکی) اس کے سر پر رکھ کر حکم دیتے کہ جاؤ نمازِ دوگانہ ادا کرو۔ وہ دوگانہ ادا کر کے واپس آتا تو پہلے یہ ہدایت ہوتی کہ نمازِ پنجگانہ وقت پر ادا کرو گے، جمعہ وغسل جمعہ کو سوائے شرعی عذر کے کبھی قضا نہ کرو گے۔ مغرب بعد تین سلاموں کے ساتھ چھ رکعت پڑھو۔ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ اخلاص تین بار پڑھو۔ اس کے بعد ایک اور دوگانہ برائے حفظ ایمان پڑھا کرو۔ اس میں ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سات بار سورہ اخلاص، ایک بار قل اعوذ برب الفلق اور ایک بار قل اعوذ برب الناس پڑھو۔ سلام پھیر کر سجدہ کرو اور تین بار پڑھا کرو "يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ ثَبِّتْنِي عَلَى الْإِيْمَان"۔ عشا کی نماز کے بعد ایک دوگانہ پڑھو اور ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد دس بار سورہ اخلاص پڑھا کرو اور سلام کے بعد ستر بار "یا وھاب" پڑھا کرو۔ ہر ماہ کی ۱۳، ۱۴، اور ۱۵ تاریخ کو روزے رکھا کرو[1]۔

بیعت کے بعد پیر اور مرید کے درمیان جو تعلق پیدا ہوتا ہے وہ اس لحاظ سے بڑا اہم ہے کہ اس میں مرید کے تمام ذاتی ارادے واختیارات ختم ہو جاتے ہیں چنانچہ صوفیہ کے بقول مرید اسے کہتے ہیں جس کا اپنا کوئی ارادہ نہ ہو، اگر وہ ارادہ سے خالی نہیں ہوا ہے تو اسے مرید نہیں کہا جائے گا[2]۔ بیعت کے بعد مرید ایک نئی زندگی شروع کرتا ہے اس لیے شیخ کے لیے اسے تربیت دینے اور مرید کے لیے شیخ سے روحانی فیض حاصل کرنے کی خاطر تصوف میں آداب وشرائط مقرر کیے گئے ہیں مریدین

---

[1] جوامع الکلم ص ۳۶-۳۷

[2] الرسالۃ القشیریہ ص ۱۲۰

کے لیے تو خاص طور سے شیخ عبد القاہر سہروردی نے مشہور رسالہ "آداب المریدین" کے عنوان سے لکھا ہے جس کی کئی شرحیں لکھی جا چکی ہیں، لیکن شیخ اور مرید دونوں کے لیے کئی رسالے لکھے جا چکے ہیں، مثلاً شیخ محی الدین ابن عربی نے الامر المحکم المربوط کے نام سے ایک رسالہ لکھا ہے۔ اس کے علاوہ تصوف کی قریباً تمام کتابوں میں پیر و مرید کے آداب و شرائط بیان کیے گئے ہیں۔ شیخ کے لیے جو شرائط بتائے گئے ہیں، وہ اس طرح ہیں:

۱۔ شیخ کے لیے شرط ہے کہ مرید کو آزاد نہ چھوڑے کہ جہاں چاہے جائے، بلکہ جب مرید گھر سے نکلے تو اجازت لے کر نکلے اور جس کام کے لیے نکلے شیخ کی اجازت سے نکلے۔[۱]

۲۔ شیخ مرید کی لغزش پر اسے زجر و توبیخ اور تنبیہ کرے۔ اگر اس نے عفو اور درگذر سے کام لیا تو پیری کا حق ادا نہیں کیا۔[۲]

۳۔ مرید سے عہد لے کہ وہ کوئی قلبی خطرہ یا باطنی حال شیخ سے نہیں چھپائے گا۔[۳]

۴۔ شیخ کو چاہیے کہ مرید کے انفاس و حرکات کا محاسبہ کرے اور جتنا زیادہ اُسے فرماں بردار دیکھے اتنی ہی اس پر تنگی کرے کیوں کہ یہ راستہ ہی شدت کا ہے، رخصتیں تو عوام کے لیے ہیں۔[۴]

۵۔ شیخ کو چاہیے کہ پیری کی جگہ پر اس وقت تک نہ بیٹھے، جب تک اس مقام پر کوئی شیخ اسے نہ بٹھائے یا حق تعالیٰ کی طرف سے الہام نہ ہو۔[۵]

۶۔ شیخ کے لیے ایک شرط یہ ہے کہ جب کلام کرے اور کوئی اس سے جھگڑنا شروع کرے تو کلام قطع کرے کیوں کہ صوفیہ کے علوم منازعت کو قبول نہیں کرتے۔[۶]

۱؎ الامر المحکم المربوط ص ۸ ۲؎ الامر المحکم المربوط ص ۸، لطائف اشرفی ۱: ۱۵۱

۳؎ الامر المحکم المربوط ص ۸

۴؎ الامر المحکم المربوط ص ۹ ، لطائف اشرفی ۱: ۱۵۲

۵؎ الامر المحکم المربوط ص ۱۰ ، لطائف اشرفی ۱: ۱۴۸

۶؎ الامر المحکم المربوط ص ۱۰

۷۔ شیخ کے لیے شرط یہ ہے کہ مریدوں پر اکمل، منزہ اور مقدس صورت میں ظاہر ہو۔ مرید کو کھانے سونے وغیرہ کے اپنے اسرار سے ہرگز آگاہ نہ کرے، کہ اوصافِ بشری کے مشاہدہ سے احترام میں کمی آتی ہے۔[۱]

۸۔ مریدوں کو کسی دوسرے شیخ یا دوسرے شیخ کے مریدوں کے پاس نہ بیٹھنے دے اور برادرانِ طریقت کے علاوہ کسی سے مِلنے جُلنے نہ دے۔[۲]

۹۔ شروع میں مرید کے یقین کی تربیت کرے تاکہ اس کا توکل مضبوط ہو۔[۳]

۱۰۔ اگر کسی شیخ کو اپنے سے زیادہ صاحب کمال دیکھے تو اس کی ملازمت اختیار کرے اور اپنے مریدوں کو بھی اس کی ملازمت اختیار کرنے کا حکم کرے۔[۴]

۱۱۔ شیخ کو چاہیے کہ اگر مرید اس سے کوئی خواب بیان کرے یا کشف و مشاہدہ ظاہر کرے تو اس کی حقیقت پر وہ اس کے سامنے ہرگز کلام نہ کرے۔[۵]

۱۲۔ شیخ کے لیے اپنے گھر میں ایک گوشۂ تنہائی چاہیے جس میں اس کی اولاد بھی نہ جائے۔ دن اور رات میں اپنے مریدوں کے ساتھ ایک مرتبہ سے زیادہ مجالست نہ کرے۔[۶]

۱۳۔ شیخ کو چاہیے کہ اپنے ہر مرید کے لیے ایک گوشۂ تنہائی مقرر کرے جو اسی کے لیے مخصوص ہو اور جس میں اور کوئی نہ جائے۔[۷]

۱۴۔ شیخ کے لیے لازم ہے کہ جب کسی مرید کے لیے کوئی گوشہ مقرر کرے تو پہلے خود اس میں داخل ہو،

---

[۱] لطائف اشرفی ۱ : ۱۵۳

[۲] لطائف اشرفی ۱ : ۱۵۴، الامر المحکم المربوط ص ۱۵

[۳] لطائف اشرفی ۱ : ۱۵۶

[۴] لطائف اشرفی ۱ : ۱۵۷

[۵] الامر المحکم المربوط ص ۱۴-۱۵

[۶] الامر المحکم المربوط ص ۱۶، لطائف اشرفی ۱ : ۱۶۲

[۷] الامر المحکم المربوط ص ۱۶

اس میں دوگانہ پڑھ لے، پھر مرید کی قوتِ روحانیہ، مزاج اور اس کے مقتضائے حال میں غور کرے۔ شیخ ان دو رکعتوں میں ایسے حضور و جمعیت کو اختیار کرے جو مرید کے مناسب حال ہو۔[۱]

۱۵۔ شیخ عالم ہو۔[۲]

۱۶۔ شیخ کے لیے ضروری ہو کہ اس کی تین مجلسیں ہوں (ا) مجلسِ عام، جو عوام کے لیے ہو اس میں دقائقِ تصوف کو بیان نہ کرے، نہ اس میں کسی مرید کو شریک ہونے دے (ب) مجلس خاص، اس میں تمام اصحاب و مریدین شریک ہوں، اس میں اذکار و خلوات و ریاضات سے تجاوز نہ کرے۔ (ج) مجلس انفراد، اس میں ہر مرید سے جداگانہ مجالست کرے اور مرید کو زجر و توبیخ کرے[۳]

مرید کے لیے جو شرائط بیان کیے گئے ہیں ان میں دس شرطیں یہ ہیں:

۱۔ شیخ سے کوئی چیز پوشیدہ نہ رکھے، جو کچھ دل پر گزرے بیان کر دے

۲۔ شیخ سے جو کچھ دیکھے اس پر اعتراض نہ کرے، بلکہ قصہ موسیٰ و خضر کو یاد کرے۔

۳۔ طلبِ شیخ میں صادق ہو۔

۴۔ شیخ کو کوئی عمل کرتا دیکھے تو تب تک اس کی پیروی نہ کرے جب تک وہ اس کا حکم نہ دے۔

۵۔ شیخ کے ظاہر کلام کے بارے میں توقف اختیار کرے اس کی تاویل نہ کرے

۶۔ شیخ کے حکم کی خلاف ورزی نہ کرے۔

۷۔ مرید اپنے آپ کو کم ترین خیال کرے۔

۸۔ شیخ کے احکامات میں خیانت نہ کرے اس کے احترام میں حتی المقدور کوشاں رہے۔ شیخ کو اپنی جان اور اپنے کو شیخ کا قالب سمجھے۔

۹۔ مرید کی اپنی کوئی خواہش نہ ہو۔

---

[۱] الامر المحکم المربوط ص ۱۶

[۲] لطائف اشرفی ۱: ۱۶۱

[۳] الامر المحکم المربوط ص ۱۲-۱۴۔ مزید آداب کے لیے دیکھیے لطائف اشرفی ۱: ۱۸۱ - ۲۰۰

۱۰۔ مرید اپنے شیخ کو سب سے افضل جانے اگرچہ وہ علم میں فروتر ہی کیوں نہ ہو۔[1]

لیکن مرید کے لیے آداب میں سب سے اہم ادب اور اولین شرط یہ ہے کہ وہ شیخ کے سامنے اپنے ارادہ واختیار، عقل وعلم، آرزو وارمان سے یک سر دست بردار ہو جائے۔ حضرت نظام الدین اولیاء کا بیان ہے کہ ایک دفعہ شیخ فریدالدین گنج شکر نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور فرمایا: ''کوئی ہے جو اس دعا کو مجھ سے یاد کرلے''. میں سمجھ گیا کہ اس سے شیخ کا مقصود یہ ہے کہ میں اس دعا کو یاد کرلوں، چنانچہ میں نے جلدی میں عرض کیا کہ اگر حکم ہو تو میں اس دعا کو یاد کرلوں۔ حضرت نے وہ دعا مجھ کو عنایت کی۔ میں نے عرض کیا: ''حضور! اجازت ہو تو پڑھ کر سنا دوں اس کے بعد یاد کرلوں''. شیخ نے فرمایا: ''اچھا پڑھو''. (میں نے ایک مقام پر اپنی دانست میں اعراب درست کیے تھے) جب میں اس دعا کو پڑھنے لگا تو شیخ نے اعراب کی تصحیح کرتے ہوئے فرمایا: ''اسی طرح پڑھو جس طرح میں نے کہا ہے''. حالاں کہ جس طرح میں نے پڑھا وہ بھی ایک معنی میں درست تھا۔ دعا ذہن نشین ہوگئی، تو میں نے شیخ سے اجازت لے کر ساری دعا حسب تعلیم شیخ سنا دی۔ شیخ سے رخصت ہو کر باہر نکلا تو مولانا بدرالدین اسحاق[2] (۶۰۱ – ۶۷۰ھ / ۱۲۰۴ – ۱۲۷۱ء) نے فرمایا کہ تم نے بہت اچھا کیا جو دعا کے اعراب ویسے ہی پڑھ دیے جیسے شیخ نے بتلائے تھے۔ میں نے کہا: ''اگر سیبویہ[3] (۱۴۸ – ۱۸۰ھ / ۷۶۵ – ۷۹۶ء) جو اس علم کا واضع ہے، اور دوسرے بانیانِ قواعد (نحو) مجھ سے یہ کہیں کہ یہ اعراب اس طرح نہیں ہیں جس طرح تم پڑھتے ہو، تب بھی

---

[1] لطائفِ اشرفی ۱: ۱۶۳۔ ۱۷۶، نیز آداب کے لیے دیکھیے ۱: ۲۰۰۔ ۲۱۳

[2] شیخ بدرالدین اسحاق دہلوی حضرت فریدالدین گنج شکر کے خادم، داماد اور خلیفہ تھے بے حد پرہیزگار اور کثیرالبکاء تھے۔ سیر الاولیاء ص ۱۷۹، مراۃ الاسرار ۲: ۱۱۶، اخبار الاخیار ص ۷۳

[3] امام النحاۃ سیبویہ شیراز میں پیدا ہوئے۔ بصرہ آئے۔ بغداد جا کر امام کسائی سے مناظرہ کیا۔ اہواز میں وفات پائی۔ سیبویہ وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے فن نحو کی تدوین کی۔ دیکھیے: تاریخ بغداد ۱۲: ۱۹۵، وفیات الاعیان ۱: ۳۸۵، الاعلام ۵: ۲۵۲

میں اسی طرح پڑھوں گا جس طرح شیخ نے فرمایا ہے[۱]۔" خطاءِ پیر کو ثواب سمجھنے کی اس سے واضح مثال مولانا رومی کے یہاں ملتی ہے۔ مولانا کے پیر بھائی جو بعد میں ان کے لئے پیر ہو گئے، شیخ صلاح الدین زرکوب[۲] (م ۶۵۷ھ/۱۲۵۸ء) گاؤں کے رہنے والے تھے، عربی یا فارسی ان کی مادری زبان نہ تھی، اس لیے کبھی کبھی ان کی زبان سے غلط لفظ نکل جاتے لیکن مولانا رومی ان کی پیروی میں وہی غلط لفظ استعمال کرتے۔ ایک مرتبہ شیخ صلاح الدین زرکوب نے "قفل" کو "تلف" کہہ دیا۔ مولانا نے بھی یہی لفظ استعمال کیا، کسی نے کہا: قفل کہنا چاہیے۔ مولانا نے کہا: بے شک موضوع یہی ہے لیکن ایک عزیز کی رعایت سے میں نے ایسا کیا ہے۔ شیخ صلاح الدین زرکوب نے ایک روز خم کو خنب کہہ دیا، مولانا نے بھی ایسا ہی کیا۔ کسی نے کہا کہ خم صحیح ہے۔ مولانا کو ناگوار گزرا، کہا میں بھی جانتا ہوں لیکن جب شیخ صلاح الدین نے یوں کہا تو اولیٰ یہی ہے[۳]۔ اتباعِ شیخ کے جذبہ میں مولانا نے اپنے اشعار میں "خم" کی جگہ "خنب" استعمال کیا ہے:

مرا خنبک مزن اے یار میرو ... تو آن خنبے کہ من دیدم ندیدی

آن یکے دردو دگر صافی چہ دُر ... زانکہ ہر معشوق چوں خنب است پر

سیبویہ یا دوسرے ماہرینِ فن کی پیروی تو دور کی بات ہے، اہلِ طریقت کے یہاں "مذہبِ شیخ" کے مقابلہ میں ائمۂ اربعہ کو درخورِ اعتناء نہیں سمجھا جاتا۔ صوفیہ کا کہنا ہے کہ طریقت میں مرید کے لیے شیخ کے سوا کسی دوسرے امام کے مذہب پر عمل کرنا درست نہیں ہے۔ چناں چہ حضرت بایزید بسطامی حضرت امام جعفر صادق کی فقہ پر عمل پیرا تھے نیز چودہ خانوادوں سے وابستہ تمام اولیاء اپنے اپنے پیروں کے

---

۱ سیر الاولیاء ص ۳۴۶۔۳۴۷

۲ شیخ صلاح الدین زرکوب، قونیہ کے قریب ایک غریب خاندان میں پیدا ہوئے۔ قونیہ آئے تو زرکوبی کا پیشہ اختیار کیا۔ شمس تبریز کے بعد مولانا رومی کے مرکزِ توجہ بن گئے۔ آپ کی وفات قونیہ ہی میں ہوئی: قاضی تلمذ حسین۔ صاحب المثنوی، معارف پریس اعظم گڈھ ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۷ء ص ۲۲۰، نیز دیکھیے: مراۃ الاسرار ۲: ۸۵

۳ صاحب المثنوی ص ۲۳۲

مذہب کی متابعت کرتے تھے۔ معاملات میں صوفیہ اگرچہ صورۃً امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور دوسرے ائمہ کی پیروی کرتے ہیں، لیکن عبادات وعقائد اور امورِ صوری ومعنوی میں وہ قدم بہ قدم اپنے پیروں کے مذہب پر عمل پیرا ہیں اور "مشرب پیران" کے خلاف ہرگز کسی کی پیروی نہیں کرتے[1] حضرت نظام الدین اولیاء اور دوسرے پیرانِ چشت بھی معاملات میں اکثر امام ابوحنیفہ کی اقتدا کرتے ہیں اور حنفی کہلاتے ہیں، لیکن سماع چوں کہ احناف کے یہاں حرام ہے، اس لیے اس معاملہ میں اپنے پیروں کے مسلک پر عمل کرتے ہیں اور سماع سنتے ہیں۔ سماع سننے پر علماءِ وقت نے کئی بار احتجاج کیا اور مشائخِ چشت سے بادشاہ کے دربار میں جواب طلب کیا گیا، لیکن انھوں نے بالاتفاق یہی جواب دیا کہ ہم اپنے پیروں کے مشرب کی متابعت کرتے ہیں اور اس کے خلاف نہیں کرسکتے[2]

مشائخِ چشت میں "پیر کے سامنے سجدہ" کرنے کا دستور رہا ہے۔ حضرت نظام الدین اولیاء کا بیان ہے کہ میرے پاس ایک بزرگ زادہ تشریف لائے جس نے روم وشام کی سیاحت کی تھی، ابھی وہ بیٹھے ہی تھے کہ وحید الدین قریشی[3] آئے اور سجدہ کیا۔ نووارد بزرگ زادہ نے چیخ کر کہا "ایسامت کر کیوں کہ شریعت میں کسی کے آگے سجدہ کرنا جائز نہیں ہے"۔ غرضیکہ وہ وحید الدین سے خوب جھگڑا اور اس پر غالب ہوگیا۔ میں نے نہایت نرمی سے کہا کہ بھائی اس قدر غصہ نہ ہو اور جھگڑا نہ کر۔ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جو حکم فرض ہوتا ہے جب اس کی فرضیت جاتی رہتی ہے تو استحباب باقی رہتا ہے مثلاً عاشورہ کا روزہ گزشتہ امتوں پر فرض تھا، ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو عاشورہ کے روزے کی فرضیت منسوخ ہوگئی، استحباب باقی رہا۔ گزشتہ امتوں میں لوگ باہم سجدہ کرتے تھے یہ سجدہ ان میں مستحب تھا۔ رعایا بادشاہ کو، شاگرد استاد کو، امتی پیغمبر کو اور جورو خاوند کو سجدہ کرتی تھی۔ جب پیغمبر کا ورود ہوا تو اس کا استحباب جاتا رہا لیکن اباحت باقی رہی

---

[1] مراۃ الاسرار ۱: ۶-۷

[2] مراۃ الاسرار ۱: ۷

[3] شیخ نظام الدین اولیا کے ارادت مند تھے۔

جب سجدہ مباح ہے تو اب تم ہی بتاؤ کہ امرِ مباح کی ممانعت کہاں آئی ہے؟[1] یہ سن کر وہ بزرگ زادہ خاموش ہو گیا۔ حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کا کہنا تھا کہ اس کے باوجود لوگوں کا میرے سامنے سربسجود ہونا مجھے گوارا نہیں، لیکن چوں کہ ہمارے شیخ کے سامنے لوگ ایسا کرتے تھے اس لیے میں منع نہیں کر سکتا کیوں کہ میرے منع کرنے سے دو باتیں لازم آتی ہیں تجہیلِ مشائخ اور تفسیقِ مشائخ[2]۔ ایک دفعہ حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کی محفل میں سجدہ کا ذکر چھڑا تو انھوں نے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ لوگوں کو (سجدہ کرنے سے) منع کروں لیکن چوں کہ میں نے اپنے شیخ کے سامنے لوگوں کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا ہے اس لیے میں منع نہیں کرتا[3]۔ حضرت موصوف نے سجدہ کے بارے میں معترضین کو بھی یہی جواب دیا کہ لوگوں نے ہمارے پیر شیخ فریدالدین گنج شکر کے سامنے سجدہ کیا ہے انھوں نے اسے اپنے پیروں کے مشرب کے موافق جان کر لوگوں کو منع نہیں کیا۔ اب اگر میں اپنے مریدوں کو اس عمل سے منع کروں تو میں اپنے پیر کے فعل پر اعتراض کروں گا اور ایسا کرنا میرے لیے ممکن نہیں[4]۔

"اتباعِ شیخ" کا جذبہ صوفیہ میں اس قدر پختہ ہے کہ اس پر فرض عبادات بھی قربان کی جاتی ہیں اگر کوئی مرید "فرمودۂ پیر" کو شریعت کی کسوٹی پر پرکھنے کی جرأت کرتا ہے تو صوفیہ کے نزدیک وہ اپنی شریعت کی پابندی کے باوجود مردود ہو جاتا ہے۔ حضرت بایزید بسطامی کے پاس حضرت شقیق بلخی[5] (م ۱۹۴ھ/۸۱۰ء) اور شیخ ابوتراب بخشی[6] (م ۲۴۵ھ/۸۵۹ء) آئے، کھانا پیش کیا گیا، انھوں نے

---

[1] سیر الاولیاء ص ۳۵۰۔۳۵۱

[2] سیر الاولیاء ص ۳۵۱

[3] سیر الاولیاء ص ۳۵۰

[4] مراۃ الاسرار ۱ : ۷

[5] ابوعلی شقیق بن ابراہیم بلخی خراسان کے مشہور مشائخ میں سے ہیں۔ شیخ ابراہیم بن ادھم کے ہم نشین تھے۔ زہد و تقشف کا یہ عالم تھا کہ تین سو قریہ جات کے مالک تھے لیکن دم آخر یں کفن نہیں تھا حضرت شقیق بلخی جہاد فی سبیل اللہ میں ہمیشہ شریک ہوتے رہے ماوراء النہر میں غزوۂ کولان کے دوران شہید ہوئے۔ عاش حمیدًا و مات شہیدًا۔ مزار (بقیہ حاشیہ صفحہ دیگر)

بایزید کے ایک نوجوان خادم جو اُن کا مرید بھی تھا، سے کہا: آؤ ہمارے ساتھ کھانے میں شریک ہو جاؤ۔ اس نے کہا میں روزہ سے ہوں۔ شیخ ابوتراب نے کہا کھا لو ایک ماہ کے روزوں کا ثواب ملے گا۔ اس نے دوبارہ معذرت کی تو حضرت شقیق بلخی نے اس سے کہا: ہمارے ساتھ کھانا کھا لو ایک سال کے روزوں کا ثواب ملے گا لیکن مرید نے روزہ نہیں توڑا اور کھانے میں شریک نہیں ہوا۔ اس پر حضرت بایزید بسطامی نے ان دونوں سے کہا: چھوڑ دو ایسے آدمی کو جو خدا کی نظروں سے گر گیا۔ ایک سال کا عرصہ گزرا ہوگا کہ وہ مرید چوری کے جرم میں پکڑا گیا اور ہاتھ کاٹ دیا گیا۔[1]

حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کا بیان ہے کہ شیخ فریدالدین گنج شکر ایک مرتبہ رمضان میں بیمار تھے اس لیے روزہ نہیں تھا۔ میں بھی خدمت میں حاضر تھا، حضرت شیخ خربوزے کی ایک ایک قاش لے کر کھاتے تھے۔ اسی دوران انھوں نے ایک قاش میری طرف بڑھا دی۔ میں روزہ سے تھا لیکن میں نے سوچا کہ شیخ کا عطیہ ہے۔ اس وقت روزہ توڑ لوں گا بعد میں دو ماہ متصل روزہ رکھوں گا۔ میں نے قاش لینی چاہی کہ حضرت شیخ نے خود ہی فرمایا: مجھے شرعی رخصت ہے تم روزہ مت توڑو۔ یہ تمھارے اعتقاد کی آزمائش تھی۔[2] مرید کے لیے اس کی آزمائش کا مرحلہ بڑا کٹھن ہوتا ہے۔ ایک دفعہ حضرت جنید بغدادی کے پاس ایک طالب آیا۔ حضرت شیخ موصوف نے اس سے کہا کہ تم یہ کلمہ پڑھو "لا الہ الا اللہ جنید رسول اللہ"۔ طالب نے یہی الفاظ کہے تو شیخ نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادنیٰ

(گزشتہ سے پیوستہ) خقلان میں ہے۔ حلیۃ الاولیاء ۸ : ۵۸، لسان المیزان ۳ : ۱۵۱، الرسالۃ القشیریہ ص ۱۶، مراۃ الاسرار ۱ : ۱۱۴، الطبقات الکبریٰ ۱ : ۷۶، سفینۃ الاولیاء بذیل تذکرہ ص ۱۲۲، وفیات الاعیان ۵:۲

۶ عسکر بن الحصین، خراسان کے بلند مرتبہ شیخ گزرے ہیں۔ شیخ حاتم اصم کے صحبت یافتہ تھے۔ آپ کا قول ہے کہ دل کی اصلاح کے لیے عبادت سے زیادہ مفید چیز کوئی نہیں ہے۔ شیخ ابوتراب نے بصرہ کے جنگل میں وفات پائی۔ عرصہ بعد ایک جماعت وہاں پہونچی تو دیکھا کہ آپ قبلہ رو کھڑے ہیں۔ ہاتھ میں عصا ہے اور کسی درندے نے آپ کو نقصان نہیں پہنچایا تھا۔ الرسالۃ القشیریہ ص ۲۱، سفینۃ الاولیاء بذیل تذکرہ ص ۱۲۸، مراۃ الاسرار ۱ : ۲۴۴، طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ۲ : ۳۰۶، الطبقات الکبریٰ ۱ : ۸۳، حلیۃ الاولیاء ۱۰ : ۴۵

[1] الرسالۃ القشیریہ ص ۱۹۷

[2] سیر الاولیاء ص ۳۴۷

اور کم ترین چاکر ہوں۔ میرا مقصد اس سے صرف تمھاری طلبِ صادق کا امتحان لینا تھا۔ اصل کلمہ وہی ہے جو سب پڑھتے ہیں[1]۔ آزمائش و امتحان کا یہ طریقہ تصوف میں متداول رہا ہے۔ اس سے صوفیہ کے یہاں شیخ یا پیر کا مقام سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ حضرت نظام الدین اولیاء اور دوسرے صوفیہ کا کہنا ہے کہ شیخ کا فرمان رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی مانند ہوتا ہے[2]۔ حضرت فرید الدین گنج شکر نے ایک دفعہ اپنے ایک مرید کو آواز دی جو نماز میں مشغول تھا۔ اس نے نماز توڑ دی اور شیخ کا جواب دیا۔ شیخ نے کہا کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھانا تناول فرما رہے تھے، ایک صحابی کو آواز دی، وہ نماز میں مشغول تھا اس نے جواب میں تاخیر کی تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب خدا اور رسولؐ بلائیں تو فوراً جواب دینا چاہیے[3]۔ مولانا رومی اس سے آگے بڑھ کر کہتے ہیں کہ شیخ کی حضوری میں مرید کو بلا اجازتِ شیخ نماز پڑھنا بھی جائز نہیں ہے خواہ کعبہ ہی میں کیوں نہ ہو۔ اس پر انھوں نے یہ حکایت بیان کی ہے کہ ایک دفعہ حضرت بہاء الدین ولد[4] (م ۶۲۸ھ/۱۲۲۹ء) معرفت کے بیان میں مصروف تھے، نماز کا وقت آیا، بعض مرید اٹھ کر نماز میں مشغول ہو گئے اور بعض اسی طرح بیٹھے رہے۔ خدا نے لوگوں کو نگاہِ بصیرت عطا کی اور انھوں نے دیکھ لیا کہ نماز پڑھنے والوں کا منہ قبلہ کی طرف سے پھرا ہوا ہے[5]۔ چوں کہ ان مریدوں نے شیخ کی اجازت کے بغیر نماز پڑھی اس لیے اہلِ بصیرت کو ان کا رخ قبلہ کی طرف سے پھرا ہوا نظر آیا۔ صوفیہ کے یہاں قبلۂ عالم کی حیثیت شیخ کو حاصل ہے اور اس کی اجازت کے بغیر کوئی کام کرنا چاہے وہ عبادت ہی کیوں نہ ہو، قبلہ سے ہٹ کر نماز پڑھنے کے ہم معنی ہے۔ شیخ

---

[1] لطائفِ اشرفی ۱ : ۱۷۲-۱۷۳

[2] سیر الاولیاء ص ۳۴۷

[3] سیر الاولیاء ص ۳۴۷

[4] حضرت بہاءُ الدین ولد، حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ سے بیعت تھے۔ صاحبِ کرامات بزرگ گزرے ہیں۔ مزار قونیہ میں ہے۔

[5] صاحب المثنوی ص ۳۶۶-۳۶۷ بحوالہ مناقب العارفین ص ۱۱۴۔

محمد اجل شیرازی[1] (سال وفات نامعلوم) کے ایک مرید کسی الزام میں پکڑے گئے، تو قتل کی سزا ہوئی۔ قتل گاہ لائے گئے، قبلہ کی طرف رخ کیا جانا تھا لیکن اس طرح پشت پیر کی قبر کی طرف ہو جاتی تھی۔ چنانچہ اس نے اپنا منہ پیر کی قبر کی طرف کر لیا۔ سیاف (جلاد) نے کہا کہ اس وقت آپ کو اپنا منہ قبلہ کی طرف کرنا چاہیے۔ مرید نے جواب دیا: "میں نے اپنے قبلہ کی طرف رخ کیا ہے، تم اپنا کام کر جاؤ۔"[2] شیخ کے تبرکات کی حفاظت اور احترام میں مرید کی طرف سے بے حد اہتمام کیا جاتا ہے۔ شیخ شہاب الدین سہروردی کو اپنے شیخ سے ایک رومال ملا تھا جسے وہ ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ ایک دن سو گئے۔ رومال آپ کے پاؤں کی طرف رکھا تھا، اتفاقاً اس سے پاؤں لگ گیا، بیدار ہوئے تو حد درجہ قلق و اضطراب ہوا یہاں تک کہ بار بار کہتے تھے کہ کل قیامت کے روز اسی رنج و تاسف اور غم میں پھروں گا۔[3] حضرت فریدالدین گنج شکر کی داڑھی کا ایک بال گرا تو شیخ نظام الدین اولیاء نے ان کی اجازت سے اسے کپڑے میں لپیٹ کر تعویذ بنا لیا اور لوگوں کی تکالیف اور بیماریوں کے دور کرنے کے لیے اسے استعمال کرنے لگے۔ یہ بال ہر تکلیف اور ہر مرض میں تیر بہ ہدف تھا اور اس میں شیخ کے بہ قول کیا کیا اثرات تھے۔[4] شیخ نظام الدین اولیاء کے پاس ایک درویش متواتر کئی روز تک آکر مدد کا طالب ہوا۔ آخر شیخ موصوف نے اسے اپنے نعلین مبارک عطا کیے درویش نے حسنِ عقیدت سے نعلین لے کر دہلی سے باہر کی راہ لی۔ راستہ میں حضرت امیر خسرو[5] (م ۷۲۵ھ/۱۳۲۴ء) سے ملاقات ہوئی۔ حضرت امیر خسرو نے اپنے پیر و مرشد حضرت نظام الدین اولیاء کی خیر و عافیت کے بارے میں دریافت کیا۔ درویش نے خیریت کی اطلاع دی، تو حضرت امیر خسرو نے پوچھا: کیا تمھارے پاس میرے

---

[1] زندگی کے حالات معلوم نہ ہو سکے۔

[2] سیر الاولیاء ص ۳۴۸-۳۴۹

[3] سیر الاولیاء ص ۳۴۷

[4] سیر الاولیاء ص ۸۸

[5] طوطیٔ ہند حضرت امیر خسرو حضرت نظام الدین اولیاء کے چہیتے مرید تھے۔ برصغیر میں ایسا عبقری شخص کسی عہد میں پیدا نہیں ہوا۔ آپ کے اشعار کی تعداد قریباً ۵ لاکھ ہے۔ شیخ نظام الدین کے مقبرہ کے پائیں دفن ہیں۔

پیر و مرشد کی کوئی نشانی ہے؟ درویش نے جواب دیا یہ نعلین ہیں۔ آپ نے پوچھا: کیا یہ نعلین فروخت کرو گے؟ درویش نے آمادگی ظاہر کی تو آپ نے پانچ لاکھ میں خرید لے۔ یہ روپئے بادشاہ نے حضرت امیر خسرو کو ایک قصیدہ کے صلہ میں عطا کیے تھے۔ آپ یہ نعلین اپنے سر پر رکھے ہوئے حضرت نظام الدین اولیاء کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انھوں نے دیکھتے ہی فرمایا: "خسرو! بڑا سستا سودا کیا ہے"[1]۔

حضرت شیخ نظام الدین اولیاء سے سوال کیا گیا کہ ایک مرید پانچ وقت نماز پڑھتا ہے، کچھ ورد بھی کرتا ہے لیکن اس کے دل میں شیخ کی محبت اور پختہ اعتقاد ہے۔ اس کے برعکس دوسرا مرید عبادت میں بڑھا ہوا ہے، وہ بے اندازہ تسبیح اور اوراد پڑھتا ہے، حج بھی کیا ہے، لیکن شیخ کی محبت اور اعتقاد میں اتنا پختہ نہیں ہے۔ ان دونوں میں بہتر کون ہے؟ حضرت شیخ نے جواب دیا: "جو شیخ کا محب اور معتقد ہے"[2]۔ شیخ کی محبت اور عقیدت میں مرید کا اپنی جان پر کھیل جانا کوئی حیرت انگیز امر نہیں ہے۔ شیخ احمد بن حواری ایک دفعہ اپنے پیر شیخ ابو سلیمان دارانی کی مجلس میں آئے اور عرض کیا حضور! تنور گرم ہے مزید کیا حکم ہے؟ شیخ نے کو جواب نہ دیا۔ شیخ احمد نے تین بار یہی سوال کیا۔ شیخ ابو سلیمان کو بار بار سوال کرنا ناگوار گزرا فرمایا: جاؤ اسی میں بیٹھ جاؤ۔ تھوڑی دیر تک شیخ ابو سلیمان غافل رہے اس کے بعد خیال آیا کہ میں نے احمد سے کیا کہا تھا، فرمایا: ذرا احمد کو دیکھو کہاں ہیں؟ لوگوں نے تلاش کیا، دیکھا وہ تنور کے اندر ہیں اور ان کا ایک بال بھی نہیں جلا ہے[3]۔

شیخ کے بارے میں اہلِ تصوف کے یہاں راسخ عقیدہ ہے کہ وہ ہر مشکل گھڑی میں اپنے مرید کی دست گیری کرتا ہے۔ چناں چہ تصوف کی کتابوں میں ایسے ہزاروں واقعات منقول ہیں جن میں پیر یا مرشد نے مبتلائے رنج والم مرید کا غم دور کیا ہے۔ ایک مرتبہ تاجروں کا ایک قافلہ خرقان سے گزر رہا تھا۔ حسنِ اعتقاد کی بنا پر تاجر حضرت شیخ ابو الحسن خرقانی کی زیارت کو آئے۔ ملاقات کے دوران شیخ خرقانی نے ان

---

[1] سفینۃ الاولیاء بذیل تذکرہ ص ۱۰۰

[2] سیر الاولیاء، ص ۳۴۹

[3] الرسالۃ القشیریہ ص ۱۲۰-۱۲۱

سے فرمایا مشکل گھڑی میں میرا نام لینا۔ یہ لوگ رخصت ہو کر روانہ ہوئے راستہ میں ڈاکوؤں نے حملہ کیا تاجروں نے ایک دوسرے سے کہا کہ اس موقع پر پیر کا نام لو لیکن بعض لوگوں نے کہا کہ ہم خدا اور رسولؐ کا نام لیں گے اور سورہ فاتحہ اور آیت الکرسی کا ورد کریں گے۔ چنانچہ بعض نے پیر کا نام لیا اور بعض نے خدا اور رسولؐ کا نام لیا اور سورہ فاتحہ و آیت الکرسی کا ورد کیا۔ جن لوگوں نے پیر سے استمداد کیا وہ محفوظ رہے ان کا مال بھی بچ گیا، لیکن خدا اور رسولؐ کا نام لینے والے اور سورہ فاتحہ و آیت الکرسی والے ہلاک ہو گئے اور ان کا مال و متاع بھی لٹ گیا۔[1]

مشائخ کے بارے میں صوفیہ کا عقیدہ ہے کہ وہ کبھی مثالی صورتوں میں نمودار ہو کر یا خواب میں آکر اپنے ارادت مندوں کی حفاظت اور رہنمائی کرتے ہیں۔ حضرت نظام الدین اولیاء کا کہنا ہے کہ جس طرح شیطان کو یہ اختیار اور قدرت نہیں ہے کہ وہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صورتِ مبارکہ میں خواب میں ظاہر ہو، اسی طرح اسے یہ بھی طاقت نہیں کہ وہ شیخ کی صورت میں خواب میں ظاہر ہو کیوں کہ شیخ نبی کا قائم مقام ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے مرید اپنے شیخ کی پناہ میں شیطان کے شر سے محفوظ رہتا ہے۔[2]

جیتے جی تو مرید ہر موقع پر شیخ کی پناہ میں ہوتا ہے چاہے وہ سفر میں ہو یا حضر میں، لیکن اربابِ حال کا عقیدہ ہے کہ شیخ مرنے کے بعد عالمِ برزخ یا قیامت میں بھی اپنے مریدوں کی شفاعت کر سکتے ہیں۔ مرید سے یوں بھی گناہوں کا صدور برائے نام ہوتا ہے کیوں کہ "مرید اسی وقت مرید ہوگا جب اس کے بائیں طرف کا فرشتہ بیس سال تک اس کے بارے میں قلم روکے رہے"[3]۔ بعض اہلِ تصوف نے اس کی تشریح یوں کی ہے کہ مرید سے جب کسی خطا کا صدور ہوتا ہے تو وہ لکھے جانے سے پہلے ہی اس کی تلافی کر لیتا ہے۔ تاہم مرید

---

[1] جوامع الکلم ص ۷۹۔ ۸۰، سیر الاولیاء ص ۳۴۸

[2] سیر الاولیاء ص ۳۷۰، حضرت نظام الدین اولیاء نے حدیث نبوی: "من رأنی فی المنام فقد رأنی، فان الشیطان لا یتمثل" کو بیان کر کے اس سے استدلال کیا ہے: سیر الاولیاء ص ۳۷۰

[3] الرسالۃ القشیریہ ص ۱۲۱، سمعت ابابکر الدقاق یقول: "لا یکون المرید مریداً حتی لا یکتب علیہ صاحب الشمال عشرین سنۃ"

کو مواخذۂ حشر سے بچنے اور جنت میں داخل ہونے کے لیے شیخ کا وعدۂ شفاعت ایک ایسا امان نامہ ہے جس پر وہ مکمل بھروسہ کرتا ہے۔ شیخ کا وعدۂ شفاعت صرف "حرف تسلی" یا "وعدۂ فردا" کی حیثیت نہیں رکھتا بلکہ سیکڑوں ایسے واقعات منقول ہیں جن میں شیوخ نے اپنے مریدوں اور ارادت مندوں کو فرشتگانِ عذاب سے چھڑایا ہے۔ یا خود کارکنانِ حشر وحساب نے وابستگی شیخ کی بنا پر عقیدت مندوں کو بخش دیا ہے۔

خواجہ معین الدین چشتی کہتے ہیں کہ میرا ایک ہمسایہ خواجہ عثمان ہارونی[1] (م ۶۱۷ھ/۱۲۲۰ء) کا مرید تھا، اس کا انتقال ہوا، دفن کیا گیا، تو میں اس کی قبر پر ٹھہرا، دیکھتا کیا ہوں کہ فرشتگانِ عذاب آئے اور اسے عذاب دینا چاہا، خواجہ عثمان ہارونی بھی آپہنچے، فرمایا: "خبردار اسے عذاب مت کرنا، یہ ہمارے مریدوں میں سے ہے" فرشتوں کو حکم ہوا کہ خواجہ سے کہہ دو کہ وہ آپ کا سچا مرید نہ تھا، بلکہ آپ کے طریقہ سے ہٹا ہوا تھا۔ خواجہ نے جواب دیا: "ہاں یہ صحیح ہے، لیکن مجھ سے وابستہ تو تھا۔" فرشتوں کو حکم ہوا کہ خواجہ کے مرید سے اپنا ہاتھ روک لو، ہم نے اسے انھیں کو بخش دیا۔[2]

اسی طرح ایک مشہور بادشاہ (سلطان سنجر) کے بارے میں اللہ کی طرف سے فرشتوں کو حکم ہوا کہ اسے دوزخ میں لے جاؤ۔ جب حکم کی تعمیل کی جانے لگی تو دوسرا حکم ملا کہ چوں کہ اس نے دمشق کی مسجد میں فلاں دن خواجہ حاجی شریف زندنی[3] (۴۹۲-۶۱۲ھ/۱۰۹۸-۱۲۱۵ء) کی قدم بوسی کی تھی، اس لیے میں نے اسے بخش دیا۔[4]

حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی فرمایا کرتے تھے: "قسم ہے خدائے لایزال کی، میں

---

[1] حضرت خواجہ عثمان ہارونی خواجہ حاجی شریف زندنی کے مریدوں میں سے تھے۔ ان کا شمار اکابرین چشتیہ میں ہوتا ہے۔ آپ کا مزار مکہ معظمہ میں ہے: سیرالاولیاء ص ۵۴، مراۃ الاسرار ۱: ۲۳۱

[2] سیرالاولیاء، ص ۵۵

[3] خواجہ حاجی شریف زندنی، خواجہ مودود چشتی کے مرید تھے۔ چالیس سال تک ویرانوں میں عزلت کی زندگی گزارتے رہے جہاں درختوں کی پتیاں اور جنگلی میوے ہی ان کی خوراک تھی۔: سیرالاولیاء ص ۵۳، مراۃ الاسرار ۱: ۲۱۹

[4] سیرالاولیاء ص ۵۵

اس وقت تک اپنا سر سجدہ سے نہیں ہٹاؤں گا، جب تک میرے مریدوں کو میرے ساتھ جنت میں داخلہ کی اجازت نہیں ملے گی۔[۱] حضرت شیخ نظام الدین اولیاء تمام ارادتمندوں سے بیعت لیتے تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے مرشد حضرت فریدالدین گنج شکر نے ان سے کہا تھا کہ آپ کے مریدوں کو ساتھ لیے بغیر ہم خود بھی جنت میں قدم نہیں رکھیں گے۔[۲] شفاعت کا دائرہ بعض مشائخ نے اتنا وسیع کر دیا کہ خود مرید بھی خدا کے حضور میں شفیع و سفارشی کی حیثیت سے نمایاں نظر آ رہے ہیں۔ حضرت حاتم اصم نے ایک دفعہ شیخ بایزید بسطامی سے کہا کہ میں نے اپنے شاگردوں سے کہہ دیا ہے کہ جو قیامت کے دن دوزخیوں کی شفاعت کر کے انھیں جنت میں نہ لے جائے وہ میرا شاگرد نہیں۔ حضرت بایزید نے جواب میں کہا کہ میں نے بھی اپنے شاگردوں سے کہا ہے کہ وہ میرا شاگرد نہیں جو قیامت کے دن کھڑا ہو کر ان تمام موحدین کو جنھیں دوزخ میں لے جانے کا حکم ہو، ہاتھ پکڑ کر جنت میں نہ لے جائے۔[۳]

---

[۱] سفینۃ الاولیاء بذیل تذکرہ شیخ عبدالقادر جیلانی ص ۵۱

[۲] سیرالاولیاء ص ۵۸، پای در بہشت ننہم تا ایشاں را کہ تو دست بیعت دادہ با خود در بہشت نبرم۔ بعض مشائخ کا دعویٰ ہے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ سے اپنے مریدین کی ہمیشگی مغفرت کی ضمانت حاصل کی ہے چنانچہ شیخ اکبر فرماتے ہیں: "جب مجھ کو قطبیت دی گئی تو میں نے انکار کیا جب اصرار ہوا تو میں نے کہا کہ میں اس شرط پر اس خدمت کو قبول کر دوں گا کہ جو بھی شخص میرے سلسلہ میں داخل ہو گا اس کی مغفرت ہو گی۔ جب اس کا وعدہ مجھ سے کیا گیا تب میں نے یہ خدمت قبول کی" دیکھیے: مناقب حافظیہ ص ۱۸۵، سید اشرف جہانگیر سمنانی فرماتے ہیں: "میں کسی شخص کو تب تک مرید نہیں کرتا جب تک لوح محفوظ میں اس کا نام اپنے مریدوں میں لکھا ہوا نہیں پاتا ہوں، اور نہ کسی کو دست انابت دیتا ہوں جب تک اسے مغفوروں میں نہیں دیکھتا ہوں۔ شیخ سمنانی بعض مریدوں سے فرماتے تھے کہ ہم نے تمھیں اور تمھاری اولاد کو دو تین پشت نیچے تک قبول کیا ہے شیخ موصوف کبھی جذبات میں آ کر فرماتے "اشرف جہانگیر اکم از شیخ جاگیر نیستم کہ وی فرمودہ است ما اخذت العھد علی احد حتی رایت اسمہٗ مرقوماً فی اللوح المحفوظ من جملۃ المریدین المغفورین"۔ لطائف اشرفی ۱: ۳۲۹، حضرت عبدالقادر جیلانی فرماتے ہیں کہ مجھے ایک لمبا کاغذ دیا گیا جس میں قیامت تک میرے نام منسوب ہونے والے مغفور مریدوں کے نام تھے: سفینۃ الاولیاء ص ۵۱

[۳] سہلگی۔ النور من کلمات ابی طیفور مشمولہ شطحات الصوفیہ، جمع و ترتیب عبدالرحمٰن بدوی، وکالۃ المطبوعات الکویت/دارالقلم بیروت لبنان سنہ ۱۹۷۶ء ۱: ۹۸-۹۹

بعض مشائخ نے ان تمام زائرین کی شفاعت کا دعویٰ کیا ہے جو مرنے کے بعد ان کے مقبرہ یا مزار کی زیارت کو آتے ہیں۔ ان کے روضہ کے پاس سے گزرتے ہیں یا دور ہی سے ان کے روضہ پر عقیدت کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ شیخ ابو نصر سراج طوسی نے کہا ہے کہ جو جنازہ میرے مزار کے سامنے رکھا جائے گا انشاء اللہ اس کی مغفرت ہو جائے گی۔ چنانچہ اہلِ طوس آپ کی وصیت کے مطابق اپنے جنازے کو آپ کے مقبرہ کے پاس رکھ دیتے ہیں۔[۱] شیخ ابوبکر بن ہوار بطائحی[۲] (چوتھی صدی ہجری) کا کہنا ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے عہد لیا ہے کہ میرے مزار کے احاطہ میں جو بھی شخص داخل ہو اس پر آتشِ دوزخ حرام کر دے۔ چنانچہ ان کے مزار سے متصل گوشت یا مچھلی کو پکانا چاہیں تو نہیں پکتیں۔[۳] مولانا جلال الدین رومی نے ایک مرتبہ فرمایا: "میرے دوستو! میری تربت کو بلند بنانا تاکہ دور سے دکھائی دے۔ جو لوگ میری تربت کو دور سے دیکھ کر اعتقاد لائیں گے اللہ تعالیٰ اُن پر رحمت کرے گا۔ اور ان کے مقاصدِ دینی و دنیاوی بر آئیں گے۔"[۴]

صوفیہ کے یہاں مشائخ کے مزارات کی زیارت پر زور دیا جاتا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی (۱۱۱۴ - ۱۱۷۶ھ / ۱۷۰۳ - ۱۷۶۲ء) لکھتے ہیں:

"فنا فی الشیخ کی نسبت کے سلسلہ میں مشائخ کے عرسوں کا قیام، ان کی قبروں کی پابندی کے ساتھ زیارت کرنا، وہاں جا کر فاتحہ پڑھنا، ان کی ارواح کے نام سے صدقہ دینا، ان کے آثار و تبرکات، ان کی اولاد اور ان کے متعلقین کی تعظیم و تکریم میں پورا پورا اہتمام کرنا، یہ سب امور شامل ہیں۔"[۵]

---

[۱] سفینۃ الاولیاء بذیل تذکرہ شیخ ابو نصر سراج طوسی ص ۱۵۶؛ نفحات الانس ص ۱۸۰ - ۱۸۱

[۲] شیخ ابوبکر بن ہوار عزہ کے بزرگ گزرے ہیں۔ آپ نے خواب میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دست مبارک پر بیعت کر کے ان سے بلا واسطہ خرقۂ ولایت حاصل کیا تھا۔ آپ کا مزار بطائح میں ہے: سفینۃ الاولیاء بذیل تذکرہ شیخ عبد القادر جیلانی ص ۴۹، الطبقات الکبریٰ ۱: ۱۳۲

[۳] سفینۃ الاولیاء بذیل تذکرہ شیخ عبد القادر جیلانی ص ۴۹ - ۵۰، الطبقات الکبریٰ ۱: ۱۳۲

[۴] صاحب المثنوی ص ۱۵۸ بحوالہ مناقب العارفین ص ۲۴۳

[۵] شاہ ولی اللہ دہلوی۔ ہمعات، اسلامی پریس تحفہ محمدیہ (بدون تاریخ) ص ۲۴

صوفیہ کے یہاں زائرین کے لیے ضروری ہے کہ مقبروں کی زیارت کے وقت شیرینی اور پھول سبزہ لے کر حاضر ہوں۔ اگر پیر کی قبر ہو نقدی نذر و نیاز وہیں (ان کی قبر کے پاس) رکھیں، اس کے بعد مخدوم زادگان کو پہنچائیں اور مقبرہ کے مجاوروں کو کچھ نقدی دے دیں۔[۱]

تصوف کی کتابوں میں زیارتِ قبور کے مختلف آداب و قواعد بیان کیے گئے ہیں بعض سلسلوں میں خاص قواعد کو مجرب بتایا گیا ہے۔ لطائفِ اشرفی میں بیان کیے گئے طریقہ کے مطابق انسان جب قبر کی زیارت کو آئے تو پائنتی سے داخل ہو، تین یا سات بار تبرکاً طواف کرے اور میت کے مقابل کھڑا ہو کر کہے "علیکم السلام یا اھل لا الٰہ الا اللہ مِن اٰھل لا الٰہ الا اللہ کیف وجدتم قول لا الٰہ الا اللہ بحق لا الٰہ الا اللہ اغفر لمن قال لا الٰہ الا اللہ واحشرنا فی زمرۃ من قال لا الٰہ الا اللہ وقبلنا قول لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم"۔ اس کے بعد قبر پر پھول یا سبزہ ڈال دے اور بیٹھ کر یا کھڑا ہو کر سورہ فاتحہ، آیۃ الکرسی، اذا زلزلت الارض اور الھٰکم التکاثر ایک ایک بار اور سورۂ اخلاص سات یا دس بار پڑھے۔ بعد ازاں یہ دعا پڑھے لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد یحیی و یمیت وھو حی لا یموت ابداً ابداً ذو الجلال والاکرام بیدہ الخیر وھو علیٰ کل شیئ قدیر بسم اللہ وعلی ملۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ دعا پڑھنے کے بعد کہے اللّٰھم قرأت ھذہ القرأۃ وجعلت ثوابھا تحفۃ بروح فلان بن فلان۔ اس کے بعد قبر کے پاس آئے اور غلاف کے نیچے ہاتھ رکھ کر اپنی حاجت عرض کرے۔[۲]

شاہ ولی اللہ دہلوی نے کشفِ قبور کا ذکر یوں بتایا ہے:

"اول جب مقبرہ میں آئے تو اس بزرگ کی روح کے واسطے دوگانہ (دو رکعت) نماز

---

[۱] لطائفِ اشرفی ۲: ۳۰

[۲] لطائفِ اشرفی ۲: ۲۹-۳۰

پڑھے۔ اگر سورۂ فتح یاد ہو پہلی رکعت میں پڑھے اور دوسری رکعت میں سورۂ اخلاص پڑھے۔ نہیں تو ہر رکعت میں سورۂ اخلاص پانچ پانچ بار پڑھے۔ اس کے بعد قبلہ کی طرف پشت کر کے بیٹھے اور آیۃ الکرسی اور بعض سورتیں جو زیارت کے وقت پڑھی جاتی ہیں جیسے سورۂ ملک وغیرذالک۔ اس کے بعد قل کہے۔ بعدازاں فاتحہ پڑھے۔ اور اس کے بعد گیارہ بار سورۂ اخلاص پڑھے ختم کرے اور تکبیر کہے۔ یہ سب کرنے کے بعد سات مرتبہ طواف کرے۔ طواف کے دوران تکبیر کہے اور داہنی طرف سے شروع کرے۔ پھر پاؤں کی طرف رخسارہ رکھے۔ میت کے مُنہ کے نزدیک بیٹھے اور "یا رب" اکیس مرتبہ کہے۔ اس کے بعد اول آسمان کی طرف کہے "یا روح" اور دل میں ضرب کرے "یا روح الروح" جب تک انشراح نہ پائے یہ ذکر کرے۔ انشاء اللہ کشفِ قبور و کشفِ ارواح حاصل ہوگا۔"[1]

صوفیہ کا بیان ہے کہ وصال کے بعد مشائخ اپنی قبروں میں زندوں کی طرح تصرف کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں چار مشائخ کا خاص طور سے ذکر کیا گیا ہے، جو وفات کے بعد بھی زندوں کی طرح اپنے مزارات میں تصرفاتِ باطنی سے کام لیتے ہیں، اور مخلوق کو ان سے فیض پہنچتا ہے۔ ان بزرگوں کے نام حضرت معروف کرخی، حضرت عبدالقادر جیلانی، حضرت عقیل منبجی[2] (چھٹی صدی ہجری) اور شیخ حیٰوۃ بن قیس الحرانی[3] (م ۵۸۱ھ / ۱۱۸۵ء) بتائے گئے ہیں[4]۔ وصال کے بعد بزرگ صورِ مثالیہ میں آکر مخلوق کی مشکلات دُور کر دیتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ دہلوی اپنے والد صاحب شاہ عبدالرحیم (۱۰۵۴-۱۱۳۱ھ / ۱۶۴۴-۱۷۱۸ء) کی زبانی نقل کرتے

---

[1] الانتباہ فی سلاسل الاولیاء ص ۱۰۰

[2] حضرت عقیل منبجی شام کے مشہور شیخ زماں گزرے ہیں۔ بعد میں منبج کو اپنا وطن بنایا اور وہیں ان کا مزار ہے۔ اپنی کرامات کے لیے مشہور ہیں۔ عدی بن مسافر نے ان کی صحبت سے فیض حاصل کیا ہے: الطبقات الکبریٰ ۱: ۳۶

[3] شیخ حیٰوۃ ابن قیس حرانی مشہور بزرگ گزرے ہیں۔ حضرت عبدالقادر جیلانی کی صحبت کا شرف رکھتے ہیں۔ مزار حران میں ہے اور مرجع خاص وعام ہے: الطبقات الکبریٰ ۱: ۱۵۳، سفینۃ الاولیاء بذیل تذکرہ شیخ حیٰوۃ بن قیس الحرانی ص ۱۷۴

[4] سفینۃ الاولیاء بذیل تذکرہ شیخ حیٰوۃ بن قیس الحرانی ص ۱۷۴، ص ۱۷۸

ہیں کہ میں اکبرآباد میں میرزا محمد زاہد سے تعلیم کے دوران درس سے واپسی پر ایک لمبے کوچے سے گزر رہا تھا اور اس وقت ذوق میں آکر شیخ سعدی شیرازی[۱] (۵۸۰-۶۹۱ھ / ۱۱۸۴-۱۲۹۱ء) کے یہ اشعار گنگنا رہا تھا ؎

جُز یادِ دوست ہرچہ کنی عمر ضائع است — جُز سرِ عشق ہرچہ بخوانی بطالت است

سعدی بشوی لوحِ دل از نقش غیرِ حق — علمی کہ راہ بحق ننماید جہالت است

اچانک چوتھا مصرعہ میرے ذہن سے اتر گیا۔ ہرچند ذہن پر زور دیا مگر یاد نہ آیا۔ دفعتہً ایک فقیر منش، ملیح چہرہ، دراز زلف، پیر مرد نمودار ہوا، اور لقمہ دیتے ہوئے مصرعہ پڑھا ؎ علمی کہ رہ بحق ننماید جہالت است۔ میں نے کہا: "جزاک اللہ خیر الجزاء" آپ نے کتنی پریشانی سے مجھے آزاد کیا۔ میں نے اس بزرگ کی خدمت میں پان پیش کیے تو اس نے مسکراتے ہوئے کہا "کیا یہ بھولا ہوا مصرعہ یاد دلانے کی مزدوری ہے؟" میں نے عرض کیا: "نہیں یہ تو بطور ہدیہ اور شکریہ کے طور پر پیش کر رہا ہوں"۔ اس پر اس نے کہا: "میں پان استعمال نہیں کرتا ہوں"۔ میں نے عرض کیا: "پان کے استعمال میں کیا کوئی شرعی قباحت ہے یا طریقت کی کوئی رکاوٹ ہے؟ اگر ایسی بات ہے تو مجھے بھی آگاہ کیجیے تاکہ میں بھی اس سے احتراز کروں"۔ اس نے کہا: "ایسی کوئی بات نہیں، البتہ میں پان نہیں کھایا کرتا"۔ پھر کہا کہ مجھے جلدی جانا ہے۔ میں نے کہا میں بھی جلدی چلوں گا۔ اس نے کہا میں اس سے بھی جلدی جانا چاہتا ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے قدم اٹھایا اور کوچے کے آخر میں رکھا۔ میں سمجھ گیا کہ یہ کسی بزرگ کی روحِ متجسد ہے۔ میں نے آواز دی کہ اپنے نام سے مطلع تو کیجیے تاکہ فاتحہ پڑھ لیا کروں۔ اس نے جواب دیا: "فقیر کو سعدی کہتے ہیں"[۲]۔

---

[۱] شیخ شرف الدین بن مصلح الدین المعروف بہ شیخ سعدی شیرازی، فارسی زبان کے نامور شاعر، کا مولد و منشا شیراز ہے۔ آپ نے سب سے پہلے صوفیانہ، اخلاقی اور ناصحانہ رجحانات کو فارسی شاعری میں یکجا کیا۔ شیخ سعدی کی تصانیف میں گلستاں اور بوستاں کو عالمی شہرت حاصل ہے۔ شیخ سعدی، شیخ شہاب الدین سہروردی سے بیعت تھے۔ اسلامی ادب میں آپ کو ایک مصلح اخلاق کی حیثیت حاصل ہے۔ : اردو دائرۂ معارف اسلامیہ ۱۱ : ۴۱

[۲] انفاس العارفین ص ۵۴

شاہ عبدالرحیم صاحب ایک اور واقعہ یوں بیان کرتے ہیں کہ میرے والد شہادت کے بعد کبھی کبھار ظاہری شکل وصورت میں مجسم ہو کر میرے پاس آیا کرتے تھے۔ اور حال و مستقبل کی خبریں دیا کرتے تھے ایک دفعہ بھائی جان کی بیٹی کریمہ بیمار تھی۔ انھیں دنوں ایک روز میں تنہا اپنے حجرے میں سو رہا تھا کہ اچانک والد شہید تشریف لائے اور فرمایا: "میں کریمہ کو ایک نظر دیکھنا چاہتا ہوں" چنانچہ ہم نے گھر میں موجود مستورات اور کریمہ کے درمیان پردہ لٹکایا اور والد شہید کریمہ کو دیکھنے آئے۔ کریمہ نے انھیں پہچان لیا اور ان کے زندہ ہونے پر حیرت کا اظہار کرنے لگی، لیکن والد شہید نے بات ٹالتے ہوئے کہا: "بیٹی تم نے کافی تکلیف اٹھائی ہے، انشاء اللہ کل صبح اذان کے وقت تمھیں اس تکلیف سے نجات مل جائے گی"۔ اس کے بعد والد گرامی دروازے سے نکل کر غائب ہو گئے۔ صبح کے وقت کریمہ نے وفات پائی۔[۱]

وصال یا وفات کے بعد بزرگوں کی روحوں کا متمثل اور متجسد ہو کر آنا صوفیہ کے یہاں عام طور پر امر مسلّم ہے۔ تاہم یہ بعض مشائخ کے نزدیک شیطان کی دخل اندازی سے مامون نہیں ہے۔[۲]

صوفیہ کا بیان ہے کہ بزرگ حضرات اپنے مقبروں میں آستانہ پر آنے والے زائرین کے دلوں میں چھپے ہوئے بھیدوں سے آگاہ اور باخبر ہوتے ہیں اور وہ زائرین کی رہنمائی بھی کرتے ہیں۔ حضرت نظام الدین اولیاء کا کہنا ہے کہ جب میں خواجہ بختیار کاکی کے مرقد کی زیارت کو گیا تو دل میں خیال آیا کہ معلوم نہیں، بزرگوں کو اپنی قبر پر آنے والوں کی خبر بھی رہتی ہے یا نہیں۔ جب مزار پر پہنچا تو عین طواف کے دوران مقبرہ سے یہ دو اشعار سنائی دیے ؎

مرا زندہ پندار چوں خویشتن ... من آیم بجاں گر تو آئی بہ تن

مداں خالی از ہم نشینی مرا ... بہ بینم ترا گر نہ بینی مرا[۳]

اوپر ذکر کیا گیا کہ بعض مشائخ کے یہاں پیر کے سامنے سجدہ کرنے میں حرج نہیں سمجھا جاتا،

---

[۱] انفاس العارفین ص ۴۷

[۲] جواہر غیبی، کنز چہارم ص ۴۸۶

[۳] لطائفِ اشرفی ۲ : ۲۸

لیکن بعض مشائخ نے اسے وسعت دے کر پیر کی قبر کو سجدہ کرنے کی اجازت بھی دی ہے، ان کے بہ قول جو زندگی میں واجب التعظیم ہو، وہ موت کے بعد بھی قابلِ احترام ہوتا ہے۔ صوفیہ کے مطابق جو مشائخ زمین بوسی سے منع نہیں کرتے وہ غایتِ محبت و شفقت کی بنا پر ایسا نہیں کرتے تاہم اکثر مشائخ نے اس سے اعراض کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ سجدۂ تعظیمی اگلی امتوں میں جائز تھا اب منسوخ ہو چکا ہے[۱] لیکن بعض مشائخ سجدۂ تعظیمی یا سجدۃ التحیۃ کے لیے شرعی دلائل پیش کر کے اسے جائز بتاتے ہیں۔ سجدۃ التحیۃ کے جواز میں صوفیہ اس اثر سے دلیل لاتے ہیں، جس میں کہا گیا ہے: "سجدۃ التحیۃ بمنزلۂ سلام ہے"[۲] صوفیہ کا بیان ہے:

"الملتقط میں آیا ہے کہ سجدہ دو جہتوں سے ہوتا ہے، سلام کی جہت سے اور عبادت کی جہت سے۔ سلام کی جہت سے سجدہ انسان کو کیا جاتا ہے اور عبادت کی نیت سے اللہ تعالیٰ کو۔ حضرت ابن عباس رضی کا کہنا ہے کہ "سجدۃ التحیۃ بمنزلۂ سلام ہے"۔ اور شیوخ کے سامنے سر رکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ سجدہ کی دو قسمیں ہیں (۱) سجدۂ عبادت (۲) سجدۃ التحیۃ۔ پہلا سجدہ خدا کے لیے مخصوص ہے اور دوسرا سجدہ پانچ مقامات پر اکرام کے لیے جائز ہے۔ قوم کے لیے نبی کو، مرید کے لیے شیخ کو، رعایا کے لیے بادشاہ کو، اولاد کے لیے والدین کو اور غلام کے لیے آقا کو سجدہ کرنا جائز ہے۔ ہر حال میں اس کی رخصت آئی ہے۔ جب انسان سجدۃ التحیہ کرے تو اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی، اور جب انسان عبادت کے سوائے تعظیم اور سلام کے ارادہ سے بادشاہ کو سجدہ کرے تو اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔ صدرالشہید کا فتویٰ ہے کہ جس نے غیر اللہ کے سامنے سجدہ کیا اور اس سے اس کا مقصد عبادت نہیں، بلکہ سلام ہو اسے کافر نہیں کہا جائے گا۔ یہ تمام فتاویٰ (فقہ کی کتابوں)، قاضی خان، صغیر خانی، تیسیر، سراجی، خانی اور کافی میں منقول ہیں"[۳]

---

[۱] لطائف اشرفی ۲ : ۲۹

[۲] قال ابن عباس: سجدۃ التحیۃ بمنزلۃ السلام۔ لطائف اشرفی ۲ : ۲۹، جواہر غیبی، کنز دوم ص ۱۴۲

[۳] لطائف اشرفی ۲ : ۲۹، جواہر غیبی کے مصنف کا بیان ہے: "در فتاویٰ تیسیر میگوید (بقیہ حاشیہ بر صفحۂ دیگر)

صوفیہ کے بیان کے مطابق "مرصاد العباد" میں لکھا ہے کہ فرشتوں نے حضرت آدم کو جو سجدہ کیا اس کی وجہ یہ تھی کہ اللہ تعالےٰ نے اپنی ذات کے نور سے آدم کو متجلی فرمایا تھا اور اصل میں یہ سجدہ آدم کو نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے نور اور اللہ کے صفات کو تھا چنانچہ آج قبلہ و کعبہ کو سجدہ نہیں کیا جاتا بلکہ ربِ کعبہ و قبلہ کو کیا جاتا ہے۔ مشائخ کے سامنے زمین پر سر رکھنا سجدہ نہیں ہے بلکہ یہ نورِ ذات اور معبودِ حقیقی کے صفات کی تعظیم و تکریم ہے کیوں کہ مشائخ و اولیاء میں اسی نور کی تجلی ہوتی ہے[1]

اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض فقہا نے سجدۂ تعظیمی کی اجازت دی ہے۔ برِ صغیر میں فقہِ حنفی کی مشہور کتاب "فتاویٰ غیاثیہ" میں لکھا ہے:

"سیر الواقعات میں آیا ہے کہ جب مسلمان سے کہا جائے کہ بادشاہ کو سجدہ کرو ورنہ ہم تمہیں قتل کریں گے، تو افضل یہ ہے کہ وہ سجدہ نہ کرے کیوں کہ ایسا کرنا کفر ہے اور کفر سے احتراز کرنا افضل ہے، اگرچہ جبری کیوں نہ ہو۔ مختار یہ ہے کہ جس نے بادشاہوں کو سلام و ادب کے طور پر سجدہ کیا تو اسے کافر نہیں کہا جائے گا۔ اور جب غیر اللہ کو اعتقاداً سجدہ کرے تو اس کی تکفیر کی جائے گی۔ تعظیم کے لیے ان کے سامنے زمین بوس ہونا کفر نہیں ہے کیوں کہ وہ خوشی کا سلام ہے۔ عالم اور بادشاہ

(گزشتہ سے پیوستہ) "السجدۃ اثنان، سجدۃ العبادۃ وسجدۃ التحیۃ۔ سجدۃ العبادۃ للہ تعالیٰ خاصۃ وسجدۃ التحیۃ بدون اللہ تعالیٰ بوجہ التکریم فی خمسۃ حال جاز للقوم ان یسجد للنبی والمرید للشیخ والرعیۃ للملک والولد للوالدین والعبد للمولیٰ، فی کل حال یرخص۔ فتاوی سراجی اذا سجد الانسان سجدۃ تحیۃ لایکفر۔ فتاوی خانی وان سجد الرجل للسلطان وکان قصدہ التعظیم والتحیۃ دون الصلوٰۃ لایکفر۔ فتاوی کافی قال صدر الشہید من سجد لغیر اللہ تعالیٰ ویرید التحیۃ ودون العبادۃ لایکفر۔

جواہر غیبی، کنز دوم ص ۱۴۲

[1] لطائفِ اشرفی ۲: ۲۹، جواہر غیبی کنز دوم ص ۱۴۲، بقول شیخ عطار ؎ گر نبودے ذات حق اندر وجود ؛ آب و گل را کے ملک کردے سجود

عادل کے ہاتھ کا چومنا جائز ہے اور ان دو کے علاوہ باقی کسی شخص کے ہاتھ چومنے کی اجازت نہیں ہے۔ یہی مختار ہے۔"[۵]

لیکن حقیقت یہ ہے کہ صوفیہ اور بعض فقہاءِ متاخرین کی طرف سے سجدۂ تعظیمی کی اباحت کا جواز اسلام کی اصل روح کے خلاف ہے۔ مکتوبات امام ربانیؒ میں ایک مکتوب میں صراحت کے ساتھ کہا گیا ہے:

"اے بھائی تذلیل سجدہ جو زمین پر جبیں رکھنے سے عبارت ہے انتہائے تذلل و انکسار اور کمال تواضع و فروتنی پر مشتمل ہے۔ لہٰذا اس قسم کا تواضع واجب الوجود کی عبادت کے لیے مخصوص ہے۔ اس کے سوا کسی دوسرے کے لیے جائز نہیں ہے۔ منقول ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک روز راستہ سے گزر رہے تھے۔ ایک اعرابی آیا اور معجزہ طلب کیا تاکہ ایمان لائے۔ آں حضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: "جاؤ اس درخت سے کہو کہ پیغمبر تمہیں بلا رہے ہیں۔" اعرابی کے کہنے سے درخت اپنی جگہ سے چل کر آں حضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں آیا۔ اعرابی نے یہ حال دیکھا تو مسلمان ہوا اور عرض کی یا رسولؐ اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اگر آپ حکم فرمائیں تو میں آپ کو سجدہ کروں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "غیر خدا جل شانہ کو سجدہ کرنا جائز نہیں ہے۔ اگر میں خدا کے سوا کسی دوسرے کے لئے سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو کہتا کہ عورت اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔ اگرچہ بعض فقہاء نے سجدۂ تحیت (سجدۂ سلام و ادب) کو جائز کہا ہے لیکن سلاطینِ عظام کے شایانِ شان یہی ہے کہ اس معاملہ میں اللہ تعالےٰ کے سامنے تواضع کریں اور تذلل و انکسار کی اس انتہا کو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے لیے جائز نہ جانیں۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا کو ان کے زیر تسلط اور محتاج بنایا ہے۔ اس نعمت عظمیٰ کا شکر ایسے تواضع سے بجا لانا چاہیے جو اللہ تعالیٰ کے حضور

---

[۵] شیخ داؤد ابن یوسف۔ الفتاوی الغیاثیہ، کتاب الاستحسان، کوئٹہ پاکستان ۱۴۰۳ھ ص ۱۰۷، فتاویٰ عالمگیری میں ہے: اذا سجد لانسان سجدۃ تحیۃ لایکفر۔ اگر کسی آدمی کو سجدہ تعظیمی کیا تو کافر نہیں ہوا۔

میں کمالِ عجز و انکسار پر مبنی ہو اور اس معاملہ یعنی سجدہ میں اس کی شرکت اختیار نہ کریں۔ ہر چند بعض فقہا اسے جائز بتاتے ہیں لیکن ان کا حسن تواضع یہی ہے کہ اس معنی کو جائز نہ کہیں۔ هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ۔"[۱]

مولانا اشرف علی تھانوی نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی صحیح حدیث نقل کی ہے:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعن اللہ الیھود و النصاریٰ اتخذوا قبور انبیائھم مساجد۔	آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہود و نصاریٰ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو انھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔

مولانا تھانوی لکھتے ہیں:

"اس حدیث میں اصلاح ہے اس فعل کی جو اس وقت جہلاءِ صوفیہ میں شائع ہے کہ بزرگوں کی قبور کو سجدہ کرتے ہیں، خواہ وہ سجدۂ عبادت ہو کہ شرک و کفر ہے، خواہ وہ سجدۂ تحیت ہو کہ سخت کبیرہ قریب بہ کفر ہے۔"[۲]

متاخرین فقہاء میں سے بعض نے اگرچہ سجدۂ تعظیمی کا فتویٰ دیا ہے، لیکن علماءِ اسلام کی اکثریت نے اسے حرام کہا ہے۔ ان میں وہ علماء بھی شامل ہیں جو بریلوی مکتبِ فکر سے تعلق رکھتے ہیں۔ مثلاً "قانونِ شریعت" کے مصنف کا فتویٰ ہے:

"اللہ کے سوا کسی اور کو سجدۂ تعبدی کفر ہے اور سجدۂ تعظیمی حرام۔"[۳]

---

[۱] حضرت مجدد الف ثانیؒ۔ مکتوبات امام ربانی، امرت سر ۱۳۳۲ھ دفتر دوئم، حصۂ ہفتم، مکتوب ۹۲، ص ۹۴-۹۵

[۲] التکشف عن مہمات التصوف ص ۳۴۷، نیز دیکھیے: مکتوبات شیخ الاسلام حسین احمد دیوبندی جلد سوئم مکتوب ۸۸

[۳] مولانا شمس الدین احمد صاحب جعفری رضوی۔ قانون شریعت، اسرار کریمی پریس الہ آباد ۱: ۳۰

چہار تکبیر

مشائخ کے یہاں سر کے بال جڑ سے صاف کرنا (حلق)، بال چھوٹے کرنے کی بہ نسبت افضل مانا جاتا ہے، کیوں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ دعا کی: "اللّٰھم ارحم المحلقین" (اے اللہ! محلقین پر رحم کرنا) صحابہ نے عرض کیا حضور مقصرین کے لیے بھی دعا کیجیے۔ لیکن حضورؐ نے پھر محلقین کے لیے دعا کی۔ صحابہ نے گزارش کی حضور مقصرین کے لیے دعا کیجیے۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری، تیسری اور چوتھی بار محلقین ہی کے لیے دعا کی۔ اور آپؐ کی تکرار ہی حلق کی افضلیت کی دلیل ہے۔ سید الطائفہ (جنید بغدادی) کے بہ قول آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب "مُحَلِّقِیْنَ رُءُوْسَکُمْ" (پوری آیت اس طرح ہے لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ لَا تَخَافُوْنَ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا۔ الآیہ۔ الفتح: ۲۷) کے تحت محلوق ہوئے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام کارخانۂ الوہیت سے چار ٹوپیاں لے آئے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر استرا پھیرا۔ اور چاروں ٹوپیاں ان کے سر پر رکھ لیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ (۵۰ق ھ - ۱۳ھ / ۵۷۳ - ۶۳۴ء) کے سر پر استرا پھیر کر ان ٹوپیوں میں سے ایک کلاہ یک ترکی ان کے سر پر رکھ لی اس کے بعد تکبیر کہی، حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے حضرت عمر فاروق رضؓ (۴۰ق ھ - ۲۳ھ / ۵۸۲ - ۶۴۳ء) کے سر پر استرا پھیرا اور ایک کلاہ دو ترکی ان کے سر پر رکھ کر تکبیر کہی، اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضؓ نے حضرت عثمان رضؓ (۴۷ق ھ - ۳۵ھ / ۵۷۶ - ۶۵۵ء) کے سر پر استرا پھیرا اور ایک کلاہ سہ ترکی ان کے سر پر رکھ کر تکبیر کہی۔ آخر میں حضرت عثمان رضؓ نے حضرت علی رضؓ کے سر مبارک پر استرا پھیرا اور جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضؓ کے سر پہ کلاہ چہار ترکی رکھ کر تکبیر کہی۔ چہار پیر اور چہار تکبیر اسی طرف اشارہ ہے۔[1]

---

[1] لطائفِ اشرفی ۱ : ۳۳۹

چہار پیر — چہاردہ خانوادہ

اکثر صوفیہ کے نزدیک خرقۂ تصوف یا خرقۂ فقر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ان چار حضرات کو ملا ہے:

(ا) حضرت حسن رضی اللہ عنہ (۳ھ - ۵۰ھ / ۶۲۴ - ۶۷۰ء) (ب) حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۴ھ - ۶۱ھ / ۶۲۵ - ۶۸۰ء) (ج) حضرت کمیلؒ ابن زیاد[1] (م ۸۲ھ / ۷۰۱ء) (د) حضرت حسن بصریؒ

یہ چاروں حضرات "چہار پیر" کہلائے جاتے ہیں[2] اور یہی حضرت علی رضہ کے خلفاء مانے جاتے ہیں[3]۔ تصوف میں مشہور چہاردہ خانوادے انھیں سے نکلے ہیں۔ جن کی تفصیل یوں ہے:

(ا) خانوادۂ زیدیان: حضرت حسن بصری کے شاگرد شیخ عبدالواحد ابن زید[4] (م ۱۷۷ھ / ۷۹۳ء) سیرِ سلوک کے بعد مسندِ ارشاد پر متمکن ہوئے تو ابناءِ عبداللہ بن عوف میں سے پانچ شخص ان کے

---

[1] حضرت کمیل ابن زیاد نخعی کوفہ کے مشہور تابعی، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شاگرد، زہد و ورع میں مشہور تھے۔ حجاج بن یوسف نے آپ کو شہید کر دیا۔ حضرت کمیل ابن زیاد سلاسلِ تصوف میں ایک اہم کڑی ہیں۔ بعض تذکرہ نگاروں کا خیال ہے کہ حضرت حسن بصری نے حضرت کمیل ہی سے خرقۂ فقر حاصل کیا تھا: دیکھیے:

شذرات الذہب ۱ : ۹۱ ، مراۃ الاسرار ۱ : ۸۹ - ۹۰

[2] مراۃ الاسرار ۱ : ۱۸

[3] ابوالفضل۔ آئینِ اکبری، مطبع نول کشور لکھنؤ ۱۳۱۰ھ / ۱۸۹۳ء ۳ : ۱۶۵

[4] شیخ عبدالواحد ابن زید، بصرہ کے زاہد تھے۔ حضرت حسن بصری اور حضرت کمیل ابن زیاد کے شاگرد تھے۔ سلاسلِ تصوف میں اہم مقام رکھتے ہیں۔ آپ سے بہت سی کرامات منقول ہیں۔ دیکھیے:

الطبقات الکبریٰ ۱ : ۴۶ ، شذرات الذہب ۱ : ۲۸۷ ، سفینۃ الاولیاء بذیل تذکرہ ص ۸۶ ، حلیۃ الاولیاء ۶ : ۱۵۵

مرید ہوئے۔ انھوں نے حسب ونسب اور وطنی نسبت کو ترک کیا اور زیدیان کہلائے۔ خانوادۂ زیدیان سے وابستہ صوفی ہمیشہ بیابان میں رہتے ہیں، شہر اور آبادی میں نہیں جاتے۔ کسی سے فتوح ملے تو وہ بھی قبول نہیں کرتے۔ تین یا چار روز کے بعد میوہ یا گھاس کھا کر افطار کرتے ہیں۔ کسی جان دار کو نہیں مارتے۔ حضرت عبدالواحد ابن زید کو حضرت حسن بصری اور حضرت کمیل ابن زیاد سے خرقۂ خلافت ملا تھا۔ آخری وقت آن پہونچا تو انھوں نے حضرت حسن بصری کی طرف سے ملا خرقۂ خلافت حضرت فضیل ابن عیاض[1] (۱۰۵-۱۸۷ھ / ۷۲۳-۸۰۲ء) کو، اور حضرت کمیل ابن زیاد کا خرقۂ خلافت شیخ ابویعقوب السوسی[2] (تیسری صدی ہجری) کو عطا کیا۔ ان دونوں سے مزید دو خانوادے جاری ہوئے۔[3]

(ب) **خانوادۂ عیاضیان** :- جو صوفیہ اپنی آبائی و وطنی نسبت ترک کرکے حضرت فضیل ابن عیاض سے منسوب ہوئے وہ عیاضیان کہلاتے ہیں۔ عیاضیان ہمیشہ سفر میں رہتے ہیں۔ نکاح نہیں کرتے ہیں۔ گھر گرہستی سے آزاد ہیں۔ نیا لباس نہیں پہنتے ہیں، بلکہ چیتھڑے اٹھا کر خرقہ پر پیوند کرتے ہیں۔ بے طلب جو میسر آجائے اسے خرچ کرتے ہیں۔

---

[1] ابو علی فضیل ابن عیاض، زہد وورع میں عدیم المثال اور حدیث میں ثقہ اور قابل اعتبار تھے۔ سمرقند میں پیدا ہوئے اور ابیورد میں پروان چڑھے۔ کوفہ میں سکونت اختیار کی۔ آخر عمر میں مکہ میں قیام کیا اور وہیں وفات پائی۔ امام ابوحنیفہ کے دوست اور شاگرد تھے۔ امام شافعی نے ان سے استفادہ کیا ہے۔ حضرت فضیل ابن عیاض کا شمار اکابرین صلحاء امت میں ہوتا ہے۔ تذکرۃ الحفاظ ۱ : ۲۲۵، تہذیب ۸ : ۲۹۴، صفۃ الصفوۃ ۲ : ۱۳۴، وفیات الاعیان ۱ : ۴۱۵، حلیۃ الاولیاء ۸ : ۸۴، طبقات الصوفیہ ۲ : ۱۳۴، مراۃ الاسرار ۱ : ۹۹، نفحات الانس ص ۲۶ تذکرۃ الاولیاء باب ۱۱ ص ۴۸، سفینۃ الاولیاء بذیل تذکرہ ص ۸۶، الطبقات الکبریٰ ۱ : ۶۸

[2] شیخ یوسف بن حمدان المعروف بہ ابو یعقوب السوسی کا شمار قدماء مشائخ میں ہوتا ہے۔ بصرہ کے رہنے والے تھے اور شہر بصرہ سے چند فرسنگ دور ابلہ کے مقام پر وفات پائی۔ شیخ ابو یعقوب نہرجوری کے استاد تھے۔ نفحات الانس ص ۸۴۔

(بقیہ حاشیہ بر صفحۂ دیگر)

مہمانوں کے ساتھ کھانا کھاتے ہیں، مخلوق سے کنارہ کشی اور برہنہ پا سفر کرنا ان کا شیوہ ہے[۱]۔

(ج) خانوادۂ ادھمیان: حضرت ابراہیم بن ادھم کو حضرت خضر علیہ السلام اور حضرت امام محمد باقرؑ (۵۷-۱۱۴ھ / ۶۷۶-۷۳۲ء) سے نسبتِ ارادت تھی۔ جو صوفیہ اپنا نام و نسب اور وطن ترک کر کے حضرت ابراہیم بن ادھم سے وابستہ ہیں وہ ادھمیان کہلاتے ہیں ادھمیان ہمیشہ سفر میں رہتے ہیں۔ مجرد زندگی گزارنا، ذکرِ جلی کثرت سے کرنا، اہلِ دنیا سے کنارہ کشی کرنا ان کا طریقہ ہے۔ بے طلب دستِ غیب سے جو کچھ مل جائے اسی پر گزارا کر لیتے ہیں۔ ہمیشہ مجاہدہ اور ریاضت میں مصروف رہتے ہیں[۳]۔

(د) خانوادۂ ہبیریان: ہبیریان وہ صوفیہ کہلاتے ہیں جو پدری و وطنی نسبت سے آزاد ہو کر حضرت ہبیرہ بصریؒ[۴] (۱۶۷-۲۸۷/۲۸۹ھ / ۷۸۳-۹۰۰/۹۰۱ء) سے منسوب ہیں۔ حضرت ہبیرہ بصری شیخ حذیفہ مرعشیؒ[۵] (م ۲۰۲/۲۰۷ھ / ۸۱۷/۸۲۲ء) کے مرید تھے۔ ہبیریان ہمیشہ باوضو رہتے ہیں، شہر اور بستی میں قیام نہیں کرتے، تجرد کی زندگی گزارتے ہیں۔ پاسبانیٔ دل کا خاص خیال رکھتے ہیں۔

(حاشیہ گزشتہ سے پیوستہ) ۳؎ سید مظفر علی شاہ۔ جواہرِ غیبی، مطبع نول کشور ۱۸۹۸ء، کنز ششم ص ۷۰۷، مراۃ الاسرار ۱: ۱۸، آئینِ اکبری ۳: ۱۶۶

۱؎ مراۃ الاسرار ۱: ۱۸، آئینِ اکبری ۳: ۱۶۶، جواہرِ غیبی، کنز ششم ص ۷۰۷

۲؎ خانوادۂ رسالت ﷺ کے چشم و چراغ حضرت حسینؓ کے پوتے اور حضرت حسنؓ کے نواسہ ہیں مزار جنت البقیع میں ہے۔ شذرات الذہب ۱: ۱۴۹، سفینۃ الاولیاء، بذیل تذکرہ ص ۲۵، وفیات الاعیان ۴: ۱۷۴

۳؎ مراۃ الاسرار ۱: ۱۹، جواہرِ غیبی کنز ششم ص ۷۰۷، آئینِ اکبری ۳: ۱۶۶

۴؎ بصرہ کے زاہد اور صوفی تھے سلاسل تصوف کی اہم کڑی ہیں آپ کا پورا نام خواجہ امین الدین ہبیرۃ البصری ہے۔ بصرہ میں مزار ہے۔ مولانا محمد زکریا۔ تاریخ مشائخ چشت کراچی ۱۳۹۷ھ ص ۱۴۷، سفینۃ الاولیاء، بذیل تذکرہ ص ۸۸

۵؎ شیخ حذیفہ مرعشی مرعش (شام) کے رہنے والے تھے۔ حضرت ابراہیم بن ادھم کے مرید ہیں۔ الطبقات الکبریٰ ۱: ۲۶، سفینۃ الاولیاء، بذیل تذکرہ ص ۸۸، تاریخ مشائخ چشت (نا ص ۱۴۵

فتوح کسی سے قبول نہیں کرتے۔ ہر تین یا چار روز کے بعد میوہ یا جنگلی گھاس پر افطار کرتے ہیں۔[۱]

(۵) خانوادۂ چشتیاں : چشتیان خواجہ علو دینوری[۲] (م ۲۹۸ھ/۹۱۰ء) سے وابستہ ہیں خواجہ موصوف حضرت ہبیرہ کے مرید تھے۔ خواجہ علو دینوری کے مرید خواجہ ابو اسحاق چشتی[۳] (م ۳۲۹ھ/۹۴۰ء) ہیں، جو شام کے رہنے والے تھے۔ جب آپ خواجہ علو دینوری کی خدمت میں آئے تو خواجہ نے پوچھا: "کہاں سے آئے؟" خواجہ ابو اسحاق نے جواب دیا: "شام سے"۔ خواجہ علو دینوری نے یہ سن کر کہا: "آج سے تم چشتی کہلاؤ گے"۔ چنانچہ خواجہ علو دینوری نے انھیں خلافت نامہ دے کر چشت (خراسان) روانہ کیا۔ خواجہ ابو اسحاق چشتی جب چشت پہنچے تو وہاں کے ایک رئیس خواجہ احمد چشتی[۴] (۲۶۰-۳۵۵ھ/۸۷۳-۹۶۵ء) ان کے مرید ہو گئے۔ خواجہ ابو اسحاق سے انھوں نے خرقۂ خلافت حاصل کیا اور اپنے بعد اپنے فرزند خواجہ محمد چشتی[۵] (۳۳۱-۴۱۱ھ/۹۴۲-۱۰۲۰ء) کو خلافت عطا کی۔ خواجہ محمد چشتی سے یہ خلافت ان کے خواہر زادہ خواجہ ناصر الدین ابو یوسف چشتی[۶] (۳۷۴-۴۵۹ھ/۹۸۴-۱۰۶۶ء) اور ان سے

---

[۱] مراۃ الاسرار ۱ : ۱۹، جواہر غیبی، کنز ششم ص ۷۰، آئین اکبری ۳ : ۱۶۶

[۲] صاحب کشف و شہود بزرگ تھے۔ مشہور مشائخ میں شمار ہوتا ہے۔ سفینۃ الاولیاء، بذیل تذکرہ ص ۸۹

[۳] خواجہ ابو اسحاق شامی کا وطن شام ہے۔ چشت میں خانوادۂ چشت کو متعارف کرایا۔ آپ پہلے بزرگ ہیں جن کے نام کے ساتھ چشتی استعمال ہوا ہے۔ نفحات الانس ص ۲۰۶، سفینۃ الاولیا بذیل تذکرہ ص ۸۹

[۴] خواجہ احمد چشتی خانوادۂ چشت میں اہم مقام رکھتے ہیں آپ نے شیخ ابو اسحاق شامی کے ہاتھ پر بیعت کی۔ مزار چشت میں ہے۔ نفحات الانس ص ۲۰۶، سفینۃ الاولیاء بذیل تذکرہ ص ۸۹

[۵] خواجہ محمد چشتی، چشت کے یکتائے روزگار بزرگ تھے۔ سلطان محمود غزنوی نے سومنات پر حملہ کیا تو خواجہ محمد چشتی ان کے ساتھ تھے۔ مزار چشت میں ہے۔ نفحات الانس ص ۲۰۷، سفینۃ الاولیا بذیل تذکرہ ص ۹۰

[۶] خواجہ ناصر الدین یوسف بن سمعان چشتی، خواجہ محمد چشتی کے فیض یافتہ ہیں۔ خانوادۂ چشتیان میں آپ کا مقام بلند ہے۔ مزار چشت میں ہے۔ نفحات الانس ص ۲۰۸، سفینۃ الاولیا بذیل تذکرہ ص ۹۰

ان کے فرزند خواجہ قطب الدین مودود چشتیؒ[1] (۴۳۰-۵۲۷ھ/۱۰۳۸-۱۱۳۲ء) کو پہنچی۔ یہ پنج خواجگانِ چشت کہلاتے ہیں۔ برصغیر میں اس خانوادہ کے بڑے بزرگوں کو بھی خواجگانِ چشت کہا جاتا ہے۔ یہ خانوادہ خواجہ معین الدین چشتیؒ[2] (۵۳۶-۶۳۳ھ/۱۱۴۱-۱۲۳۶ء) کے توسط سے برصغیر میں پہنچا۔ چشتیان شہر و آبادی میں قیام کرکے مخلوق الٰہی کو دعوت دیتے ہیں، فقر و فاقہ کی زندگی بسر کرنا اور فقراء و مساکین سے محبت رکھنا ان کا شیوہ ہے۔ سماع کو پسند کرتے ہیں اور پیروں کا عرس مناتے ہیں۔[3]

(۹) خانوادۂ عجمیان یا حبیبیان: حضرت حسن بصری کے مرید حضرت حبیب عجمیؒ[4] (م ۱۵۶ھ/۷۷۲ء) سے جو صوفیہ منسلک ہوئے ہیں وہ عجمیان یا حبیبیان کہلاتے ہیں۔ مشہور صحابی حضرت

۱۔ خواجہ قطب الدین مودود چشتی نے اپنے والد سے خرقۂ خلافت پایا۔ اور والد کے انتقال کے بعد ہرات جاکر مشہور شیخِ طریقت احمد جام (۴۴۱-۵۳۶ھ/۱۰۴۹-۱۱۴۱ء) سے اپنی تربیت میں لے لینے کی درخواست کی۔ آپ کا مزار چشت میں ہے۔ نفحات الانس ص ۲۰۸، سفینۃ الاولیا، بذیل تذکرہ ص ۹۱

۲۔ برصغیر ہند و پاک کے نامور بزرگ حضرت خواجہ معین الدین چشتی کا مولد سجستان منشا خراسان اور اور مدفن اجمیر ہندستان ہے۔ آپ کے والد کا شمار حسینی سادات میں ہوتا ہے۔ ابتدا میں آپ نے سمرقند اور بخارا میں علوم دینیہ کی تکمیل کی۔ وہاں سے عراق و عرب کا قصد کیا۔ نیشاپور کے قصبہ ہارون پہنچ کر حضرت شیخ عثمان ہارونی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پورے بیس[۲۰] سال شیخ موصوف کی خدمت میں رہے چھ ماہ تک شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت سے فیض یاب ہوتے رہے۔ لاہور آئے اور لاہور سے دہلی کا سفر کیا۔ آپ نے اپنی سرگرمیوں کا مرکز اجمیر کو بنایا اور وہیں سپردِ خاک ہوئے۔ دیکھیے:
سفینۃ الاولیاء بذیل تذکرہ ص ۹۳، اردو دائرۂ معارف بذیل چشتی ۷: ۶۴۵

۳۔ لطائفِ اشرفی ۱: ۳۴۶-۳۴۷، مراۃ الاسرار ۱: ۱۹-۲۰، جواہر غیبی کنز ششم ص ۷۰.

۴۔ شیخ ابو محمد حبیب کا تعلق فارس سے تھا۔ زہد و ورع کے لیے مشہور ہیں۔ آپ حضرت حسن بصری کے مرید ہیں۔ آپ کا مزار بصرہ میں ہے۔ تذکرۃ الاولیاء باب ۶ ص ۳۳، سفینۃ الاولیا، بذیل تذکرہ ص ۱۲۰، جواہر غیبی کنز ششم ص ۷۲۰.

عبدالرحمٰن بن عوف[۱] (۴۴ ق ھ - ۳۲ھ / ۵۷۸ - ۶۵۲ء) کے خاندان میں سے دو متقی اور پرہیزگار بھائی مبارک بن حمزہ بن عبدالرحمٰن بن عوف اور محمد بن حمزہ بن عبدالرحمٰن بن عوف شیخ حبیب عجمی کے مرید ہوئے اور عزلت نشینی اختیار کی۔ شیخ حبیب عجمی نے انھیں خلافت دی اور ہدایت کی کہ کوہِ حرا میں جا کر عبادت میں مشغول ہو جاؤ۔ لوگوں سے میل جول نہ رکھو، مجرد اور تنہا زندگی گزارو، سات دن کے بعد ایک کھجور یا دو یا زیادہ سے زیادہ تین کھجور کھا کر روزہ کھولا کرو۔ ان دونوں نے بارہ سال تک کوہِ حرا میں خلوت نشینی کی زندگی بسر کی اور عجمیان کہلائے۔ عجمیان دن میں دانہ پانی نہیں لیتے۔ فتوح قبول نہیں کرتے، پہاڑی میوہ اور جنگلی گھاس پر گزارا کر لیتے ہیں۔ بتیس دن یا چالیس دن کے بعد کھانا کھاتے ہیں، اتنا ہی کپڑا استعمال کرتے ہیں جو ستر کے لیے ضروری ہو، جنگلی جانور ان سے مانوس ہوتے ہیں۔ ساتویں دن افطار کرتے ہیں[۲]

(ن) خانوادۂ طیفوریان: حضرت بایزید بسطامی نے حضرت امام جعفر صادق[۳] (۸۰/۸۳-۱۴۸ھ / ۶۹۹/۷۰۲-۷۶۵ء) کی خدمت میں بارہ سال گزارے اور ان سے خرقہ حاصل کیا۔ بعض مصنفین کا خیال ہے کہ انھیں حضرت امام جعفر صادق سے صحبت ظاہری حاصل نہیں، بلکہ انھیں باطنی طور پر ان سے خرقۂ خلافت ملا تھا۔ شیخ بایزید بسطامی کو شیخ حبیب عجمی سے بھی خرقۂ خلافت حاصل تھا۔ شیخ مسعود، شیخ محمود، شیخ ابراہیم اور شیخ احمد نے خانوادۂ طیفوریان کی بنیاد ڈالی۔ جن صوفیہ نے شیخ بایزید بسطامی سے

---

[۱] مشہور بدری صحابی، عشرۂ مبشرین میں سے ایک ہیں۔ حضرت عمر فاروق کی نامزد مجلس شوریٰ کے ایک اہم رکن تھے، مدینہ میں وفات پائی۔ ۶۵ احادیث کے راوی ہیں۔ حلیۃ الاولیاء ۱: ۹۸، الاصابہ ۴: ۳۴۶

[۲] لطائفِ اشرفی ۱: ۳۴۷-۳۴۸، مراۃ الاسرار ۱: ۲۰، جواہرِ غیبی کنزِ ششم ص ۸، ۷۰، آئینِ اکبری ۳: ۱۶۵

[۳] حضرت امام محمد باقر کے فرزند ارجمند ہیں۔ ورع و پرہیزگاری میں فقید المثال اور علم و تفقہ میں نادرۂ روزگار تھے۔ مدینہ منورہ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ تذکرۃ الاولیاء باب ص ۸، سفینۃ الاولیاء، بذیل تذکرہ ص ۲۵، حلیۃ الاولیاء ۳: ۱۹۲، وفیات الاعیان ۱: ۳۲۷، الطبقات الکبریٰ ۱: ۳۲

اپنے آپ کو منسوب کیا وہ طیفوریان کہلائے۔ طیفوریان خلافت حاصل کرنے کے بعد خرقہ پہن لیتے ہیں جو چار قسم کا ہوتا ہے۔ طیفوریان سات یا دس دن بعد روزہ کھولتے ہیں۔ دنیا اور اہلِ دنیا سے گریزاں اور جنگلی جانوروں سے مانوس ہوتے ہیں۔ کسی ذی روح کو تکلیف نہیں دیتے[۱]

(ح) خانوادۂ کرخیان : حضرت معروف کرخی[۲] (م ۲۰۰ھ/۸۱۵ء) سے منسوب صوفیہ کرخیان کہلاتے ہیں۔ حضرت معروف کرخی، حضرت امام علی رضا[۳] (۱۵۶-۲۰۸ھ/۷۷۲-۸۲۳ء) کے غلام تھے۔ حضرت حبیب عجمی سے بھی خرقۂ فقر پایا تھا۔ کرخیان دنیا سے نفور اور خوفِ خدا سے ہر وقت گریاں رہتے ہیں۔ ان کا وقت خلوت، ذکر اور تلاوت میں گزرتا ہے۔ اپنے آپ کو ہر ایک سے کمتر سمجھتے ہیں[۴]

(ط) خانوادۂ سقطیان : صوفیہ کا یہ طبقہ حضرت معروف کرخی کے مرید شیخ سری سقطی کی طرف منسوب ہے۔ مشہور خاندان برامکہ کے تین شخص، عزیر بن یحییٰ برمکی، عمر بن فضل برمکی اور علی بن عبداللہ برمکی، نے شیخ سری سقطی کا طریقہ اختیار کیا اور سقطیان کہلائے۔ سقطیان صائم الدہر اور قائم اللیل رہتے ہیں۔ اکثر اعتکاف میں رہتے ہیں۔ تین روز بعد خلوت سے نکل کر دوستوں کے ساتھ روزہ

---

[۱] لطائفِ اشرفی ۱ : ۳۴۸-۳۴۹، مراۃ الاسرار ۱ : ۲۰، جواہرِ غیبی، کنز ششم ص ۷۰۸

[۲] ابو محفوظ معروف کرخی، امام علی بن موسیٰ رضا کے ہاتھ پر اسلام لے آئے۔ حضرت علی بن موسیٰ رضا کے علاوہ بھی دوسرے مشائخِ وقت سے کسبِ فیض کیا۔ بغداد میں آپ کا مزار ہے۔ قبر کے متعلق عجیب و غریب واقعات منقول ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ جو دعا بھی ان کی قبر کے توسط سے مانگی جاتی ہے، قبول ہوتی ہے۔ الطبقات الکبریٰ ۱ : ۷۲، تذکرۃ الاولیاء، باب ۲۹ ص ۱۷۲، نفحات الانس ص ۲۷، سفینۃ الاولیاء بذیل تذکرہ ص ۳۵، حلیۃ الاولیاء ۸ : ۳۶۰، وفیات الاعیان ۵ : ۲۳۱،

[۳] حضرت امام موسیٰ علی رضا حضرت امام جعفر صادق کے پوتے ہیں۔ اہلِ تشیع کے آٹھویں امام مانے جاتے ہیں۔ طوس کے نزدیک ایک قصبہ میں وفات پائی۔ سفینۃ الاولیا بذیل تذکرہ ص ۲۶

[۴] لطائفِ اشرفی ۱ : ۳۴۹، مراۃ الاسرار ۱ : ۲۱، جواہرِ غیبی، کنز ششم ص ۷۰۸، آئینِ اکبری ۳ : ۱۶۶۔

کھولتے ہیں۔ حلقہ بنا کر ذکر کرتے ہیں[1]۔

(ی) خانوادۂ جنیدیان : صوفیہ کا جو طبقہ نسب و وطن ترک کر کے حضرت جنید بغدادی سے نسبت رکھتا ہے، جنیدیان کے نام سے معروف ہے۔ جنیدیان توکل کا خاص خیال رکھتے ہیں۔ ریاضت اور مجاہدہ کے لیے مشہور ہیں۔ غیب سے جو کچھ ہاتھ آتا ہے، اس پر روزہ افطار کرتے ہیں[2]۔

(ک) خانوادۂ گاذرونیان : حضرت عبداللہ بن حفیف کے مرید شیخ ابواسحاق گاذرونی[3] (۳۵۲ - ۴۲۶ھ / ۹۶۳ - ۱۰۳۴ء) سے جو صوفیہ نسبت رکھتے ہیں، گاذرونیان کہلاتے ہیں۔ گاذرونیان مخلوق رہ کر حق کا کام کرتے ہیں۔ اسم اعظم اور ایک مخصوص دعا کا اکثر ورد کرتے ہیں[4]۔

(ل) خانوادۂ فردوسیان : شیخ نجم الدین کبریٰ ولی تراش[5] (م ۶۱۸ھ / ۱۲۲۱ء) فردوس کے رہنے والے تھے، شیخ ابوالنجیب سہروردی کے مرید ہوئے اور خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ شیخ سہروردی نے خلافت عطا کر کے کہا کہ تم مشائخ فردوس میں سے ہو۔ اسوقت سے فردوسیان کہلائے۔ خانوادۂ فردوسیان میں دو فرقہ ہیں، ایک اپنے آپ کو فردوسیہ اور دوسرا اپنے آپ کو کبرویہ کہتا ہے۔ فردوسیان رقص

---

[1] لطائفِ اشرفی ۱ : ۳۴۹، مراۃ الاسرار ۱ : ۲۱، جواہر غیبی، کنز ششم ص ۷۰۸، آئین اکبری ۳ : ۱۶۶

[2] لطائفِ اشرفی ۱ : ۳۴۹، مراۃ الاسرار ۱ : ۲۱، جواہر غیبی، کنز ششم ص ۷۰۸

[3] شیخ ابواسحاق ابراہیم بن شہریار گاذرونی کا وطن فارس ہے۔ آپ تصوف کے علاوہ علم حدیث میں بھی ماہر تھے۔ اپنے وقت کے کئی مشائخ سے کسب فیض کیا ہے۔
تذکرۃ الاولیا، باب ۷۶ ص ۳۳۸، سفینۃ الاولیاء بذیل تذکرہ ص ۱۶۱

[4] لطائفِ اشرفی ۱ : ۳۵۱، مراۃ الاسرار ۱ : ۲۲، جواہر غیبی، کنز ششم ص ۷۰۸

[5] سلسلۂ کبرویہ کے سرخیل شیخ نجم الدین کبریٰ، فردوس کے شیخ طریقت تھے۔ تاتاریوں نے خوارزم پر حملہ کیا تو اس میں شیخ نے جام شہادت نوش کیا۔ سفینۃ الاولیاء بذیل تذکرہ ص ۱۰۳

وسماع اور وجد کو پسند کرتے ہیں۔ ذکرِ جلی کرتے ہیں۔ کھانے میں چون وچرا نہیں کرتے ہیں۔ کافر و مسلم اور غنی و فقیر میں کوئی امتیاز روا نہیں رکھتے ہیں[۱]۔

(م) خانوادۂ طوسیان: شیخ نجم الدین کبریٰ اور شیخ علاؤالدین طوسی[۲] (ساتویں صدی ہجری) کے درمیان اخوتِ دینی تھی، دونوں اکٹھے ہی شیخ ابوالنجیب سہروردی کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ شیخ علاؤالدین طوسی سے جو صوفیہ منسوب ہیں وہ طوسیان کہلاتے ہیں طوسیان اور فردوسیان کا ایک ہی طریقہ ہے۔ طوسیان بھی رقص وسماع کو پسند کرتے ہیں، ذکرِ جلی میں مشغول رہتے ہیں اور کافر و مسلم اور امیر و فقیر میں فرق نہیں کرتے[۳]۔

(ن) خانوادۂ سہروردیان: خانوادۂ سہروردیان سے وابستہ صوفیہ شیخ ضیاء الدین ابوالنجیب سہروردی کو اپنا پیشوا مانتے ہیں۔ شیخ سہروردی کو خرقۂ ارادت دو واسطوں سے حاصل تھا دوسرے خانوادوں کے مقابلہ میں اس خانوادہ سے وابستہ صوفیہ کی تعداد بہت کم ہے[۴]۔

ان چودہ خانوادوں میں سے پانچ خانوادے حضرت عبدالواحد بن زید کے توسط سے اور نو خانوادے حضرت حبیب عجمی کے واسطہ سے حضرت حسن بصری تک پہنچتے ہیں حضرت عبدالواحد بن زید سے جو پانچ خانوادے نکلے ہیں، ان کے نام یہ ہیں:

۱. زیدیان ۲. عیاضیان ۳. ادہمیان ۴. ہبیریان ۵. چشتیان۔

حضرت حبیب عجمی سے جو نو خانوادے نکلے ہیں، وہ یہ ہیں:

۱. حبیبیان ۲. طیفوریان ۳. کرخیان ۴. سقطیان ۵. جنیدیان ۶. گاذرونیان ۷. طوسیان ۸. فردوسیان ۹. سہروردیان[۵]۔

---

[۱] لطائف اشرفی ۱: ۳۵۲، مراۃ الاسرار ۱: ۲۲، جواہر غیبی کنز ششم ص ۷۰۸

[۲] شیخ علاء الدین طوسی طوس کے رہنے والے مشہور بزرگ ہیں۔ شیخ نجم الدین کبریٰ کے ہمراہ شیخ ابوالنجیب سہروردی کے مرید ہوئے۔ آپ کا خرقہ چھ واسطوں سے حضرت جنید تک پہنچتا ہے

[۳] مراۃ الاسرار ۱: ۲۲، جواہر غیبی کنز ششم ص ۷۰۸

[۴] لطائف اشرفی ۱: ۳۵۲، جواہر غیبی کنز ششم ص ۷۰۹، مراۃ الاسرار ۱: ۲۲، آئینِ اکبری ۳: ۱۶۶

[۵] لطائفِ اشرفی ۱: ۳۴۱، محمد معین الدین دردائی۔ تاریخ سلسلۂ فردوسیہ، بہار شریف پٹنہ ۱۹۶۲ء ص ۶۸

اگرچہ چودہ خانوادوں کو زیادہ شہرت حاصل ہے لیکن خانوادوں کی تعداد اس سے زیادہ ہے۔ لطائفِ اشرفی میں سلسلوں کی تعداد ۲۸، اور ۳۹، بتائی گئی ہے[۱]۔ ۳۹ سلسلوں میں سے ۲۵، سلسلے حضرت علی رضی اللہ عنہ، ۴ سلسلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، ۳ سلسلے حضرت خضر علیہ السلام، ۳ سلسلے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، ایک سلسلہ حضرت الیاس علیہ السلام ایک سلسلہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ اور ایک سلسلہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما تک پہنچتا ہے۔ ایک سلسلہ سلسلۂ اویسیہ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ دونوں تک پہنچتا ہے[۲]۔ گیارہویں صدی ہجری ہی میں چودہ خانوادوں سے نکلے سلسلوں کی تعداد ۴۰ بتائی گئی ہے[۳]۔ یہ تمام سلسلے چودہ خانوادوں سے وابستہ اور آپس میں ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں[۴]۔ سلسلوں کی تعداد سے تصوف کی مقبولیت کا اندازہ بہ آسانی لگایا جاسکتا ہے۔ تاہم کسی سلسلہ کی مقبولیت کا اصل راز اس کے اخلاقی نظام کی کشش، وقت اور ماحول سے اس کی مطابقت اور اس سے وابستہ صوفیہ کی محنت و جدوجہد میں مضمر ہے۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ سلسلوں کی کل تعداد کتنی ہے؟ خلیق احمد نظامی نے ۱۰۳، سلسلوں کے نام دیے ہیں[۵]۔ لیکن ان کی فہرست چنداں تسلی بخش نہیں ہے۔ اس فہرست میں بعض ایسے فرقوں کو بھی صوفی سلسلوں میں شمار کیا گیا ہے جو کلامی فرقوں میں شمار ہوتے ہیں۔ نظامی صاحب کی معلومات ماسینون کی بہم کردہ ناقص تحقیق سے ماخوذ ہیں[۶]۔

---

[۱] لطائفِ اشرفی ۱ : ۳۴۱

[۲] لطائفِ اشرفی ۱ : ۳۴۱

[۳] مراۃ الاسرار ۱ : ۲۴

[۴] مراۃ الاسرار ۱ : ۲۳

[۵] تاریخ مشائخ چشت ۱ : ۱۶۳ - ۱۷۱

[۶] اردو دائرۂ معارف اسلامیہ : بذیل "طریقہ" ۱۲ : ۴۵۸ - ۴۷۰

اس میں کوئی شک نہیں کہ صوفی سلسلوں کی تعداد بہت زیادہ ہے اور ان کے بارے میں مکمل تفصیلات حاصل کرنا ناممکن نہ سہی مشکل ضرور ہے۔ ان سلسلوں میں بہت سے سلسلے ایسے ہیں جو مقامی لوگوں ہی میں جانے جاتے ہیں۔ اور اپنے دائرۂ اثر سے باہر بہت کم لوگوں کو ان کے نام معلوم ہیں۔ سلسلوں کے بارہ میں معلومات جمع کرنے میں ایک دقّت یہ ہے کہ کئی سلسلوں کے نام عقائد و کلام کے فرقوں کے ضمن میں آتے ہیں۔ خود صوفیہ کے بعض مکاتبِ فکر کو سلسلہ سمجھنے کی غلطی بھی کی گئی ہے۔ اس لیے جب تک سلسلہ اور مکتبِ فکر کے درمیان فرق اور سلسلہ اور فرقہ کے مابین حدِ فاصل کو ملحوظِ خاطر نہ رکھا جائے تب تک سلاسلِ تصوف کی مستند اور معتبر تاریخ لکھنا دشوار ہے۔

شیخ علی ہجویری نے تصوف کے بارہ فرقوں کا ذکر کیا ہے، جن میں دس فرقے معتبر و مقبول اور دو فرقے مردود ہیں۔ صوفیہ میں ان فرقوں کو اسی طرح مذاہب کی حیثیت حاصل ہے جس طرح فقہ میں ائمۂ اربعہ کے مسالک و مذاہب کو حاصل ہے۔ ایک لحاظ سے صوفیہ کے یہ فرقے الگ الگ مکاتبِ فکر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ تاہم ان کے درمیان موجود اختلافات کبھی باہمی رسّہ کشی پر منتج نہیں ہو سکتے۔ صوفیہ حضرت بایزید بسطامی کے اس زریں قول پر عمل کرتے ہیں کہ "تجرید و توحید کے سوا (دوسرے مسائل میں) علماء کا اختلاف رحمت ہے"۔

شیخ ہجویری نے "کشف المحجوب" میں جو بارہ فرقے بیان کیے ہیں، وہ یہ ہیں:

۱۔ محاسبیہ:۔ محاسبیہ فرقہ سے وابستہ صوفیہ شیخ ابو عبداللہ بن حارث محاسبی سے عقیدت رکھتے ہیں۔ محاسبی رضا کو مقاماتِ تصوف میں شمار نہیں کرتے بلکہ اسے حال مانتے ہیں۔ عراقی صوفیہ نے ان کے قول کو رد کر کے کہا ہے کہ رضا تصوف کے مقامات میں سے ایک مقام ہے بلکہ رضا ہی تصوف کا انتہائی مقام ہے۔

۲۔ قصاریہ:۔ اس فرقہ سے جو صوفیہ وابستہ ہیں وہ شیخ ابو صالح حمدون بن احمد بن عمار القصاری[۱]

---

[۱] شیخ ابو صالح حمدون بن احمد القصار، فرقۂ ملامتیہ کے شیخ کا وطن نیشاپور ہے۔ (بقیہ حاشیہ بر صفحہ دیگر)

(م ۲۷۱ھ / ۸۸۴ء) سے خاص عقیدت رکھتے ہیں۔ یہ لوگ ملامتِ خلق کے قائل ہیں۔ ان کی رائے یہ ہے کہ نفس کے تزکیہ کے لیے مخلوق کی ملامت لازمی ہے۔ اس لیے اس فرقہ کے صوفیہ شریعت کی خلاف ورزی کیے بنا ایسی روش اختیار کرتے ہیں کہ عوام ان کی ملامت کریں۔ ان کے نزدیک مخلوق کی ملامت کا نشانہ بننا مقبولِ حق کے ہونے کی علامت ہے۔

۳۔ طیفوریہ:۔ اس فرقہ کے لوگ حضرت طیفور بن عیسیٰ المعروف بہ بایزید بسطامی کے عقیدت مند ہیں۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ اس راہ میں اقتدا اس کی کرنی چاہیے جو گردشِ احوال سے خلاصی پا چکا ہو اور جس کی طبیعت سکر پر قائم و مستقیم ہو۔ یہ لوگ سکر کو صحو پر ترجیح دیتے ہیں۔

۴۔ جنیدیہ:۔ اس فرقہ کے صوفی حضرت جنید بغدادی سے عقیدت رکھتے ہیں۔ یہ لوگ صحو کو سکر پر ترجیح دیتے ہیں۔ مذاہبِ تصوف میں یہ مذہب سب سے زیادہ مقبول و مشہور ہے اور تمام برگزیدہ مشائخ مذہبِ جنیدیہ ہی سے وابستہ رہے ہیں۔

۵۔ نوریہ:۔ فرقہ نوریہ کے صوفی ابوالحسین احمد بن محمد نوری کے عقیدت مند ہیں۔ یہ لوگ صحبت و موانست ایثار کو بنیادی اہمیت دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک وہ دوستی اور مصاحبت جس میں مصاحب کے حقوق کو اپنے حقوق پر اور اس کی منفعت کو اپنی منفعت پر مقدم نہ سمجھا جائے حرام ہے۔ شیخ ابوالحسین نوری کا کہنا ہے: "درویش اور باخدا لوگوں کی صحبت فرض ہے اس سے دل میں روشنی اور توانائی پیدا ہوتی ہے اور انسان غفلت اور معصیت سے محفوظ رہتا ہے۔ نیز اپنے مصاحب کی راحت و منفعت اپنی راحت و منفعت پر مقدم رکھنا بھی فرض ہے کیوں کہ کلام اللہ میں اس کی بہ کثرت تاکید آئی ہے۔

(گزشتہ سے پیوستہ) شیخ ابوتراب نخشبی اور شیخ نصر آبادی کے ہم نشین رہے ہیں۔ شیخ حمدون القصار فقیہ اور عالم تھے۔ حضرت سفیان ثوری کے فقہ پر عمل پیرا تھے۔ آپ کے مریدین میں شیخ عبداللہ بن محمد منازل (م ۳۳۱ھ / ۹۴۳ء) سب سے زیادہ مشہور ہیں۔ شیخ حمدون کا قول ہے: "جس نے گمان کیا کہ اس کا نفس فرعون کے نفس سے بہتر ہے اس نے تکبر کا اعلان کیا۔" شیخ حمدون نے نیشاپور میں وفات پائی اور حیرہ میں دفن ہوئے: الطبقات الکبریٰ ۱: ۸۴، نفحات الانس ص ۴۱، سفینۃ الاولیا، بذیل تذکرہ حمدون القصار ص ۱۳۲

اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مبارک اصول پر عمل کر کے دکھایا ہے اور ان کی سیرت اس صفت کی بزرگی پر گواہ ہے اور یاد رکھو گوشہ نشینی کوئی مفید اور قابل تعریف چیز نہیں ہے اسلام نے اسے رہبانیت قرار دے کر اس کی مذمت کی ہے بلکہ معاشرہ میں رہ کر اپنے ہم جنسوں کی زیادہ سے زیادہ خدمت کرنی چاہیے اور نوع انسان کو اپنی علمی و عملی صلاحیتوں سے فائدہ پہنچایا جائے۔ پس گوشہ نشینی سے پرہیز کرو اس لیے کہ گوشہ نشینی شیطان کی قربت ہے اور صحبت و مجلس کا التزام کرو کیوں کہ صحبت میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور نوع انسان کی فلاح و بہبود ہے۔"

۶۔ سہیلیہ :۔ اس فرقہ کے صوفی شیخ سہل بن عبداللہ تستری کو اپنا پیشوا مانتے ہیں۔ اس فرقہ میں اجتہاد، ریاضت اور مجاہدۂ نفس پر زور دیا جاتا ہے۔ شیخ سہل بن عبداللہ تستری مجاہدہ کے ذریعہ اپنے مریدوں کو کمال روحانیت تک پہنچا دیتے تھے۔ اس لیے ریاضت و مجاہدہ سے مریدوں کی روحانی تربیت کرنا سہیلیوں کا خاص طریقہ ہے۔

۷۔ حکیمیہ :۔ فرقہ حکیمیہ کے صوفیہ شیخ ابوعبداللہ محمد بن علی المعروف بہ حکیم ترمذی کو اپنا رہبر مانتے ہیں۔ اس فرقہ کے صوفیہ ولایت اور اس کے درجات اور اسرار و معارف پر بحث کرتے ہیں۔

۸۔ خرازیہ :۔ اس فرقہ کے صوفیہ شیخ ابوسعید خراز کی پیروی کرتے ہیں۔ شیخ ابوسعید خراز کا قول ہے : " فنا فی اللہ ہونے کی تکمیل یہ ہے کہ بندہ عبودیت کے آداب میں فنا ہو جائے اور بقا کا کمال یہ ہے کہ بندہ غیر اللہ سے قطع نظر کر کے مشاہدہ ذات حق میں بقائے دوام حاصل کر لے۔"
اس فرقہ کے صوفیہ فنا و بقا کے بارہ میں کلام کرتے ہیں۔

۹۔ خفیفیہ :۔ فرقہ خفیفیہ کے پیشوا شیخ ابوعبداللہ محمد بن خفیف شیرازی ہیں۔ اس فرقہ میں غیبت و حضور پر توجہ دی جاتی ہے اور ان کا کلام انھیں دو چیزوں پر ہوتا ہے۔

۱۰۔ سیاریہ :۔ یہ فرقہ شیخ ابوالعباس سیاری[۱] (م ۳۴۲ھ/۹۵۳ء) کو اپنا پیشوا مانتے ہیں۔ شیخ علی ہجویری

[۱] شیخ ابوالعباس قاسم بن مہدی کا وطن مرو ہے۔ شیخ ابوبکر واسطی سے تصوف حاصل کیا۔ جمع و تفریق پر کلام کرنے میں ماہر تھے۔ اہل مرو میں سب سے پہلے آپ ہی نے حقائق احوال کے بارے میں کلام کیا۔ حدیث کے عالم اور علوم توحید کے نکتہ داں تھے۔ آپ کا شمار صوفیہ کے طبقہ خامسہ میں ہوتا ہے : الطبقات الکبریٰ ۱ : ۱۱۹، نفحات الانس ص ۹۴، سفینۃ الاولیا بذیل تذکرہ ص ۱۹۴

کا بیان ہے کہ تمام مذاہب میں صرف فرقہ سیاریہ ہی اپنی اصلی حالت پر قائم ہے۔ مرو اور نسلے صوفیہ فرقہ سیاریہ سے وابستہ ہیں۔ ان کی فکر کا محور "جمع و تفرقہ" ہے۔ فرقہ سیاریہ کے صوفی "جمع و تفرقہ" پر کلام کرتے ہیں اور ان دونوں لفظوں کے معنی مخصوص ہیں۔

۱۱۔ حلمانیہ :۔ ایک گمراہ فرقہ جو شیخ ابو حلمان الفارسی الدمشقی (الحلبی) کی طرف منسوب ہے، اس فرقہ کا عقیدہ ہے کہ خدا خوبصورت اشخاص کے اندر موجود ہے۔

۱۲۔ حلاجیہ :۔ گمراہ فرقہ ہے جو غلط طور پر حسین بن منصور الحلاج سے منسوب ہے۔ ترک شریعت اور الحاد کے لیے بدنام ہے۔

ان بارہ مکاتب فکر میں آخری دو دبستان گمراہ مانے جاتے ہیں۔[۱]

پانچویں صدی ہجری کے بعد بہت سے ایسے فرقے بھی وجود میں آئے جنھوں نے تصوف میں غلو سے کام لیا۔ اور جادۂ اعتدال سے تجاوز کر گئے۔ ان میں سے بعض فرقوں پر سخت تنقید کی گئی اور علما، کے احتساب اور عوام کی بدظنی کے باعث ان فرقوں کے ماننے والوں کی تعداد محدود ہو کر رہ گئی۔ بعض فرقوں کا ذکر صرف کتابوں تک محصور ہو کر رہ گیا ہے۔ کچھ مکاتب فکر ایسے بھی ہیں جو دوسرے فرقوں میں ضم ہو کر اپنی انفرادیت کھو بیٹھے۔

درجہ کے لحاظ سے اہل تصوف کے یہاں طبقۂ صوفیہ کی سات قسمیں ہیں:

(۱) طالبان (۲) مریدان (۳) سالکان (۴) صابران (۵) طایران (۶) واصلان (۷) قطب ارشاد جس کا دل آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر ہوتا ہے۔[۲]

سلاسل تصوف میں سے صرف بڑے بڑے سلسلوں کے بارہ میں مکمل تفصیلات ملتی ہیں، بیشتر سلسلوں کے بارے میں کم کام کیا گیا ہے۔ شیوخ طریقت کے تذکروں، ملفوظات اور مکتوبات میں مختلف سلسلوں کے متعلق جو معلومات ملتی ہیں، ان کی مدد سے سلاسل تصوف کی ایک مبسوط اور مستند تاریخ لکھی جا سکتی ہے۔ لیکن اس کے لیے عالم اسلام کے الگ الگ ملکوں اور خطوں کی زبانوں

---

[۱] کشف المحجوب باب ۱۴، مراۃ الاسرار ۱ : ۲۷

[۲] مراۃ الاسرار ۱ : ۴

خانقاہی نظاموں اور مقامی روایات سے واقف ہونا لازمی ہے۔

بدقسمتی سے کسی سلسلہ کے شیوخ کی سوانح نگاری کو اس سلسلہ کی تاریخ سمجھا گیا ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ سوانح نگاری اور تاریخ نویسی میں کافی فرق ہے۔ ہر سلسلہ کا اپنا ایک مخصوص فکری نظام رہا ہے۔ اس فکری نظام کو عملی جامہ پہنانے کے لیے خانقاہی نظام وجود میں آیا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہر سلسلہ میں ارادت، بیعت، تعلیم و تربیت، ذکر و اذکار اور معاشرت کے طور طریقے، دوسرے سلسلوں سے مختلف ہوتے تھے۔ ہر مرید کے لیے سلسلہ کے اخلاقی نظام سے آگاہ ہونے اور اپنے آپ کو اس اخلاقی نظام کے رنگ میں رنگنے کے لیے خاص وقت تک خانقاہ میں قیام کرنا لازمی تھا۔ پیرِ طریقت کی نگہداشت اور دوسرے مریدوں کی صحبت سے اس کی زندگی ایک نئے قالب میں ڈھل جاتی تھی۔ خانقاہ میں قیام کرنے والے مریدوں کی اخلاقی اور روحانی تربیت کا ذمہ دار شیخِ طریقت ہوتا تھا۔ شیخ کی مسلسل نگہداشت، یارانِ طریقت کی صحبت اور شیخ سے قلبی و روحانی تعلق کی بنا پر خانقاہ کی اقامتی زندگی باہر کی حیاتِ اجتماعی کے مقابلہ میں روحانی اور اخلاقی لحاظ سے بہتر ہوتی تھی۔ کیوں کہ خانقاہ میں مقیم مریدین محض قلب و روح کی تسکین کے لیے، مادی فوائد اور دنیاوی علائق سے بالاتر ہو کر، سلسلہ کے ضابطۂ اخلاق کی پابندی کرتے تھے۔ جب یہی لوگ شیخِ طریقت کی اجازت سے خانقاہ سے باہر نکل کر اپنی نئی زندگی شروع کرتے تو خانقاہی روایات کے وفادار اور ترجمان بن کر سماج پر اثر انداز ہوتے تھے۔ ملّتِ اسلامیہ کی تمدنی تاریخ پر تصوّف کے اثرات کا جائزہ ابھی تک نہیں لیا گیا ہے۔ حالاں کہ تہذیب و تمدن کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس پر تصوّف کے بالواسطہ یا بلاواسطہ، منفی یا مثبت اثرات نہ پڑے ہوں۔ تمدنِ اسلام پر تصوّف کے اثرات کو دیکھ کر اقرار کرنا پڑتا ہے کہ فقیرِ بوریانشین، اقلیمِ سیاست کے تاجدار سے زیادہ طاقتور ثابت ہوا ہے۔

اصحابِ صُفّہ

صوفیہ کا دعویٰ ہے کہ تصوف کا ایک ایک رکن انبیاءِ کرام کی سیرت کا آئینہ دار ہے اور سخاوتِ ابراہیم ؑ[1]، رضاءِ اسحاق ؑ، صبرِ ایوب ؑ، اشارۂ زکریا ؑ، تجردِ یحییٰ ؑ، صوف پوشیِ موسیٰ ؑ، سیاحتِ عیسیٰ ؑ اور فقرِ محمدی ﷺ اس کی خصوصیات ہیں۔ صوفیہ کے بیان کے مطابق صحابہ بالخصوص اصحابِ صفہ اپنے بود و باش اور طرزِ زندگی کے لحاظ سے مجسم تصوف تھے۔ چنانچہ تصوف کی بعض کتابوں میں اصحابِ صفہ کا تذکرہ ایک مستقل عنوان کے تحت کیا گیا ہے[2] اور مسیح الاسلام حضرت ابوذر غفاری رضؓ[3] (۳۲ھ / ۶۵۲ء)، حضرت عمار بن یاسر رضؓ[4] (۵۷ ق ھ - ۳۷ھ / ۵۶۶ - ۶۵۷ء)، حضرت ابوہریرہ رضؓ[5] (۲۱ ق ھ - ۵۹ھ / ۶۰۲ - ۶۷۸ء)، حضرت ابوالدرداء رضؓ[6] (۳۲ھ / ۶۵۲ء) اور حضرت سلمان رضؓ فارسی کو زہد و تقشف کی بنا پر صوفیہ کے پیش رو کہا گیا ہے۔

---

[1] حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمانِ الٰہی کی تعمیل میں جس بیٹے کو قربان کرنا چاہا، اہلِ کتاب کے دعوی کے مطابق وہ حضرت اسحاق تھے۔ بعض علماءِ اسلام کی بھی یہی رائے ہے۔ صوفیہ بھی جیسا کہ رضاءِ اسحاق کی تلمیح سے بھی ظاہر ہوتا ہے، اسی رائے کے قائل ہیں۔ لیکن جمہور علماءِ اسلام کی رائے یہ ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل تھے نہ کہ حضرت اسحاق۔ علامہ حمید الدین فراہی نے "الرای الصحیح فی من ھو الذبیح" کے نام سے ایک تحقیقی رسالہ لکھا ہے جس میں انھوں نے مدلل طور پر ثابت کیا ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل تھے۔ اس رسالہ کا اردو ترجمہ "ذبیح کون" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

[2] اللمع، باب صفۃ اھل الصفۃ ص ۱۸۳، کشف المحجوب ص ۶۸، مراۃ الاسرار ۱ : ۶۲-۶۴

[3] حضرت ابوذر غفاری رضؓ قدیم الاسلام صحابی تھے۔ دولت کے ارتکاز کے سخت مخالف تھے۔ مدینہ کی نواحی بستی ربذہ میں وفات پائی۔ شذرات الذہب ۱ : ۳۹، الاصابہ ۷ : ۱۲۵، تذکرۃ الحفاظ ۱ : ۱۷

[4] حضرت عمار بن یاسر رضؓ مشہور صحابی جنگِ صفین میں حضرت علی رضؓ کی طرف سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے ان کی شہادت جنگ میں میزانِ العدل ثابت ہوئی اور حضرت علی رضؓ کا برحق ہونا روزِ روشن کی طرح واضح ہو گیا۔ شذرات الذہب ۱ : ۴۵

[5] حضرت ابوہریرہ رضؓ مکثرین صحابہ میں شامل ہیں۔ ۵۳۷۴ حدیثوں کی روایت کی ہے۔ شذرات الذہب ۱ : ۳۶، الطبقات الکبریٰ ۱ : ۲۵، الاصابہ ۷ : ۴۲۵، تذکرۃ الحفاظ ۱ : ۳۲

(بقیہ حاشیہ بر صفحہ دیگر)

اصحاب صفہ کے تعارف، تعداد اور طریقۂ حیات سے متعلق مورخین کے مقابلہ میں اہلِ تصوف نے زیادہ تفصیلات فراہم کی ہیں۔ ان کے اسماء جمع کرنے کی پہلی کوشش شیخ ابو سعید بن الاعرابی[1] (۲۴۶-۳۴۰ھ / ۸۶۰-۹۵۱ء) نے کی ہے۔ بعد میں شیخ ابو عبد الرحمٰن السلمی[2] (۳۲۵-۴۱۲ھ / ۹۳۶-۱۰۲۱ء) نے تاریخ اہل صفہ لکھی[3] ان دونوں کتابوں کو شیخ ابو نعیم اصبہانی نے حلیۃ الاولیاء میں جمع کیا ہے[4]۔ شیخ ابو نعیم اصبہانی نے ان دونوں کے بیان کردہ اسماء کے علاوہ اپنی طرف سے مزید آٹھ اصحابِ صفہ کا ذکر کیا ہے[5]۔ امام حاکم نیشاپوری[6] (۳۲۱-۴۰۵ھ / ۹۳۳-۱۰۱۴ء) نے مستدرک میں چھتیس اصحابِ صفہ کا ذکر کیا ہے[7]۔ جامعہ سلفیہ بنارس سے چند سال پہلے ایک نامعلوم مصنف کا ایک مخطوطہ شائع ہوا ہے جس میں ایک سو آٹھ

(گزشتہ سے پیوستہ) [6] حضرت ابو درداءؓ، انصاری و خزرجی صحابی تھے۔ ۱۷۹ حدیثوں کے راوی ہیں۔ شام میں وفات پائی۔ حلیۃ الاولیاء ۱ : ۲۰۸، شذرات الذہب ۱ : ۳۹، الاصابہ ۴ : ۴۷، تذکرۃ الحفاظ ۱ : ۲۴

[1] ابو سعید محمد بن محمد ابن الاعرابی فارسی نژاد تھے۔ نیشاپور میں مستقل سکونت اختیار کی تھی۔ شیخ جنید بغدادی سے تصوف حاصل کیا۔ شیخ ابو بکر شبلی کے ہم نشینوں میں تھے۔ نیشاپور میں وفات پائی۔ شذرات الذہب ۲ : ۳۵۴ حلیۃ الاولیاء ۱۰ : ۳۷۵، تذکرۃ الحفاظ ۳ : ۶۶، لسان المیزان ۱ : ۳۰۸، الاعلام ۱ : ۱۹۹

[2] شیخ ابو عبد الرحمٰن السلمی کا شمار علماءِ تصوف میں ہوتا ہے۔ آپ کی تصانیف کی تعداد ایک سو ہے ان میں اکثر کتابیں تصوف سے متعلق ہیں۔ تصوف کی تاریخ سے متعلق ان کی کتاب "طبقات الصوفیہ" مشہور ہے۔ نیشاپور میں وفات پائی۔ تاریخ بغداد ۲ : ۲۴۸، میزان الاعتدال ۳ : ۴۶، تذکرۃ الحفاظ ۳ : ۱۰۴۶

[3] مجموع فتاوی ۱۱ : ۴۱-۴۲

[4] حلیۃ الاولیاء ۱ : ۳۳۷ تا ۲ : ۲۵، ذکر اہل الصفہ

[5] حلیۃ الاولیاء ۲ : ۲۵ تا ۲ : ۳۹،

[6] محمد بن عبد اللہ المعروف بہ حاکم نیشاپوری، نیشاپور کے مشہور حافظ حدیث، مورخ اور مصنف تھے۔ تاریخ بغداد ۵ : ۴۷۳ تذکرۃ الحفاظ ۳ : ۱۰۳۹

[7] ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ المعروف بہ حاکم النیشاپوری، المستدرک، حیدر آباد ۳ : ۱۸

اصحابِ صفہ کے اسماء ہیں۔ محشی نے اس میں مزید تین ناموں کا اضافہ کرکے یہ تعداد ایک سو گیارہ تک پہنچادی ہے[1]۔ تاہم یہ تعداد ان روایات کی روشنی میں بہت کم معلوم ہوتی ہے جن میں اصحاب صفہ کی تعداد کل ملاکر چار سو، چھ سو یا سات سو بتائی جاتی ہے[2]۔

صفہ مسجد نبوی سے متصل جگہ کو کہتے تھے اور یہ مسجد کے عقبی حصہ میں شمال کی طرف واقع تھا[3]۔ یہ جگہ چھپر ڈال کر سایہ دار ٹھہرنے کے لائق بنائی گئی تھی۔ یہاں فقراء مہاجرین میں سے وہ حضرات قیام کرتے تھے جن کا مدینہ میں کوئی رشتہ دار یا واقف کار نہیں ہوتا تھا جس کے ہاں قیام کرتے۔ بے سروسامانی کی وجہ سے مدینہ کی نئی بستی میں کسب معاش یا تجارت فوری طور پر شروع کرنا بھی ان کے لیے ممکن نہ تھا۔ حضرت ابو طلحہ بصری رضی اللہ عنہ[4] کا بیان ہے کہ ہم میں سے جب کوئی مدینہ آتا اور وہاں اس کا کوئی واقف کار ہوتا تو وہ اس کے ہاں قیام کرتا اور جس کا کوئی واقف کار نہ ہوتا وہ صفہ میں ٹھہرتا[5]۔ عہد مدنی میں ایسے ہی ہنگامی حالات کئی برسوں تک رہے۔ ان میں سے کسی صحابی کا قیام صفہ میں مستقل نہیں تھا۔ جب کسی کو رہائش کی سہولت میسر آتی وہ صفہ چھوڑ دیتا تھا یا اگر کسی کی شادی ہوتی تو صفہ چھوڑ کر بیوی کے ساتھ دوسری جگہ قیام کرتا[6]۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تعداد گھٹتی بڑھتی رہتی تھی۔ کبھی ان کی تعداد دس یا اس سے بھی کم اور کبھی ستر سے بھی زائد ہو جاتی تھی[7]۔

---

[1] نشرۂ جامعۃ السلفیہ بنارس فروری ۱۹۸۷ء

[2] مجموع فتاویٰ ۱۱: ۴۰-۴۲، ۸۱، الفرقان بین اولیاء الرحمٰن و اولیاء الشیطٰن مصر ۱۳۷۸ھ/۱۹۵۸ء ص ۳۰

[3] مجموع فتاویٰ ۱۱: ۳۸

[4] حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ بن عمرو البصری اصحاب صفہ میں سے تھے آخر میں بصرہ میں سکونت اختیار کی۔ حلیۃ الاولیاء ۱: ۳۷۴-۳۷۵

[5] المستدرک ۳: ۱۵، حلیۃ الاولیاء ۱: ۳۷۴

[6] مجموع فتاویٰ ۱۱: ۴۱

[7] مجموع فتاویٰ ۱۱: ۴۱-۴۲

اصحابِ صفہ نہایت تنگ حالی اور عسرت کی زندگی گزارتے تھے۔ ان کے فقر و فاقہ کی بنا پر ہی اہل تصوف انھیں اپنا پیش رو مانتے ہیں۔ حضرت طلحہ کا بیان ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اصحابِ صفہ کو روزانہ ایک مد (پیمانہ) کھجوریں دو آدمیوں کو اور (ایک قسم کا موٹا) کپڑا دیتے تھے۔ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دن کی کوئی نماز ادا فرما کر سلام پھیرا تو اصحابِ صفہ نے دائیں بائیں سے زور زور سے آوازیں دیں کہ کھجوروں نے ہمارے پیٹ جلا کر رکھ دیے ہیں اور یہ کپڑے بھی پھٹ رہے ہیں۔ یہ سن کر آں حضرتؐ منبر پر چڑھے اور حمد و ثنا کے بعد ان تکالیف کا ذکر فرمایا جو دین کی راہ میں آپؐ کو اٹھانا پڑیں، اسی ذیل میں یہ بھی فرمایا کہ ایک وقت مجھ پر اور میرے ساتھی (غالباً حضرت بلالؓ) پر وہ دور گزرا ہے کہ دس سے زیادہ دنوں تک ابراک (ایک خار دار درخت جس میں انگور کے خوشوں کی طرح پھل نکل آتے ہیں اور جو اونٹوں کے چارہ کے کام آتا ہے) کے پھل کے علاوہ ہمارے پاس کھانے کے لیے کچھ نہ تھا۔ ہم اپنے بھائیوں یعنی انصار کے پاس آئے ان کی زیادہ تر غذا کھجور رہی ہے۔ انھوں نے اسی کے ذریعہ ہماری خدمت کی، خدا کی قسم اگر میں اس حیثیت میں ہوتا کہ تمھیں گوشت اور روٹی کھلا سکوں تو پیٹ بھر کر کھلا دیتا۔ ایک دن وہ بھی آئے گا کہ تمھارے سامنے صبح کو ایک برتن اور شام کو دوسرا برتن آئے گا۔ اصحابِ صفہ نے سوال کیا، کیا اس وقت ہم بہتر حالت میں ہوں گے یا آج ہماری حالت بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا آج تم بہتر حال میں ہو اس لیے کہ تم ایک دوسرے سے محبت کرتے ہو۔ اس وقت آپس میں دشمن ہو گے اور ایک دوسرے کی گردن کاٹو گے[۱]۔ ابونصر سراج طوسی کا کہنا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واقعہ میں معذرت فرمائی ان کی شکایت کا رد نہیں فرمایا اور نہ انھیں کسی کام یا تجارت کے ذریعہ کسب معاش کا حکم دیا[۲]۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز پڑھاتے تو اصحابِ صفہ بھوک کی نقاہت کی وجہ سے زمین پر گر پڑتے۔ انھیں دیکھ کر اعرابی سمجھتے کہ ان پر جنوں کا

۱؎ المستدرک ۳: ۱۵، حلیۃ الاولیاء ۱: ۳۷۴-۳۷۵

۲؎ اللمع ص ۱۸۴

اثر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سلام پھیر کر ان کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے فرماتے: "اگر تمہیں معلوم ہو جائے کہ اللہ کے پاس تمہارے لیے کون کون سی نعمتیں ہیں تو تمہارا فقر و فاقہ اور بڑھ جائے۔[1]

حضرت ابوہریرہ اپنا ایک ذاتی واقعہ بیان کرتے ہیں خدا کی قسم میری حالت یہ تھی کہ بھوک کی وجہ سے زمین پر گر پڑتا اور پیٹ پر پتھر باندھ لیا کرتا تھا۔ ایک روز بھوک سے پریشان ہو کر راستہ میں بیٹھ گیا۔ حضرت ابوبکرؓ ادھر سے گزرے تو میں نے ان سے ایک آیت کا مطلب پوچھا۔ میرا مقصد یہ تھا کہ وہ میری حالت کا اندازہ لگا کر مجھے اپنے ساتھ گھر لے جا کر کچھ کھلا پلا دیں۔ لیکن وہ میری اصل ضرورت کو نہیں بھانپ سکے اور چل دیے۔ میں اسی جگہ بیٹھا رہا اتنے میں حضرت عمر فاروقؓ وہاں سے گزرے تو میں ان سے بھی اسی طرح آیت کا مطلب دریافت کرنے لگا لیکن وہ بھی میری ضرورت کو محسوس نہ کر سکے (اور آیت کا مطلب بیان کر کے خاموشی سے چل دیے) مگر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو انھیں فوراً احساس ہوا کہ میں بھوک سے پریشان ہوں، فرمایا: "ابوہریرہ میرے ساتھ چلو"۔ آپ گھر کے اندر تشریف لے گئے اور اجازت لے کر میں بھی گھر میں داخل ہوا۔ آپ نے دیکھا کہ دودھ کا ایک پیالہ رکھا ہوا ہے، دریافت فرمایا "کہاں سے آیا ہے؟ گھر والوں نے جواب دیا: فلاں نے آپ کی خدمت میں ہدیہ بھیجا ہے۔ آپ نے مجھ سے فرمایا: ابوھریرہ! جاؤ اصحاب صفہ کو بلا لاؤ۔ مجھ کو یہ بات اچھی نہیں لگی میں نے سوچا کہ اس تھوڑے سے دودھ کا اصحاب صفہ کے درمیان کیا ہوگا؟ مجھے اس وقت اس کی زیادہ ضرورت ہے، بہرحال آپؐ کے حکم کی تعمیل میں اصحاب صفہ کو بلا لایا۔ جب سب لوگ آگئے اور اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے، تو آپ نے مجھ سے فرمایا کہ دودھ انھیں پیش کرو۔ میں ان میں سے ایک ایک کو یہ پیالہ دیتا جاتا تھا اور وہ پوری طرح جی بھر کر پی کے پیالہ میرے حوالہ کرتا جاتا تھا، جب سب لوگ پی چکے تو میں نے آپؐ کی خدمت میں پیالہ پیش کیا۔ پیالہ ہاتھ میں لے کر مسکرائے اور فرمایا: اب ہم اور تم باقی رہ گئے، بیٹھو اور پیو۔ میں نے بھی پی لیا، آپؐ نے فرمایا: "اور پیو"۔ میں نے اور پیا۔ آپؐ یہی فرماتے رہے اور پیو۔ میں نے عرض کیا: "اب بالکل گنجائش نہیں۔

---

[1] سنن ترمذی۔ ابواب الزھد، باب ماجاء فی معیشۃ اصحاب النبی، حدیث ۲۳۶۸، ۴: ۵۸۳

آپ نے پیالہ ہاتھ میں لیا اور جو دودھ بچا تھا پی لیا۔[1]

اصحاب صفہ کا لباس بھی فقر و افلاس کی تصویر تھا۔ حضرت ابو ہریرہ کے بیان کے مطابق ستر اصحاب صفہ اس قدر مختصر لباس میں تھے کہ اس ڈر سے کہ کہیں بے ستری نہ ہو اپنے دونوں ہاتھوں سے کپڑا پکڑ (سمیٹ) لیتے تھے۔[2]

اصحاب صفہ اسلام کے مہمان تھے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی دل جوئی کا خاص خیال رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ (۱۸ ق ھ - ۱۱ ھ / ۶۰۴ - ۶۳۲ ء) خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں اور اپنی محنت و مشقت (حضرت فاطمہؓ کے ہاتھوں میں چکی پیستے چھالے پڑ گئے تھے) کا ذکر کر کے عرض کیا کہ اس وقت قیدی آئے ہیں ہم کو بھی ایک غلام عنایت فرمایئے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا: خدا کی قسم میں اصحاب صفہ کو محروم کر کے تم دونوں کو غلام نہیں دے سکتا، ان کے پیٹ فاقہ سے پچکے ہوئے ہیں، میرے پاس ان پر خرچ کرنے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے، ہاں میں ان غلاموں کو فروخت کروں گا اور قیمت اصحاب صفہ پر خرچ کروں گا۔" یہ دونوں واپس چلے گئے تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لے گئے اور سوتے وقت تسبیح پڑھنے کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ تسبیح غلام سے بہتر ہے۔ یہی تسبیح تسبیح فاطمہ کے نام سے مشہور ہے۔[3] آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم انصار کو حکم فرماتے تھے کہ وہ ایک ایک دو دو کو اپنے ساتھ لے جا کر کھانا کھلائیں۔ مہاجرین بھی اصحاب صفہ کی میزبانی کرتے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ اور دوسرے صاحب حیثیت مسلمان دو دو تین تین آدمیوں کو اپنے اپنے گھر لے جا کر ان کو کھانا کھلاتے تھے۔ حضرت

---

[1] صحیح بخاری۔ ماجاء فی الرقائق (کتاب الرقاق)، الجزء الثامن ص ص ۱۱۹ - ۱۲۱

[2] صحیح بخاری۔ کتاب الصلوٰۃ، باب نوم الرجال فی المسجد، الجزء الاول ص ۱۲۰

[3] حضرت امام احمد ابن حنبل۔ مسند امام احمد، محمد احمد شاکر دار المعارف مصر سنہ ۱۳۷۳ھ / ۱۹۵۴ء الطبعۃ الرابعۃ والثالثۃ ۱ : ۶۰۶ حدیث ۶۰۴، ۱ : ۷۳۸ حدیث ۷۴۰، ۱ : ۷۳۸ - ۷۳۹ حدیث ۸۳۸۔

سعد بن معاذؓ[1] (۳۲ ق ھ - ۵ ھ / ۵۹۰ - ۶۲۶ء) کبھی اسّی آدمیوں کو اپنے گھر لے جا کر کھانا کھلاتے تھے۔[2] اس معاملہ میں فرمانِ نبوی یہ تھا کہ جس کے ہاں دو آدمیوں کا کھانا ہو وہ ان میں سے تیسرے کو لے جائے اور جس کے پاس چار آدمیوں کا کھانا ہو وہ ان میں سے پانچواں یا چھٹا لے جائے۔[3] انصار اصحاب صفہ کے لیے مسجد نبوی میں کھجور کے خوشے لٹکا دیا کرتے تھے۔ اصحاب صفہ میں سے جب کسی کو بھوک لگتی تو وہ خوشہ کے پاس آ کر چھڑی سے کچی اور پکی کھجوریں توڑتا بعض لوگوں کی طرف سے اس میں بے احتیاطی ہوتی، وہ خراب خوشے لٹکاتے، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی:

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَ مِمَّاۤ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۪ وَ لَا تَیَمَّمُوا الْخَبِیْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَ لَسْتُمْ بِاٰخِذِیْهِ اِلَّاۤ اَنْ تُغْمِضُوْا فِیْهِ ؕ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ ۝ (البقرہ: ۲۶۷)[4]	اے ایمان والو! جو مال تم نے کمائے ہیں اور جو کچھ ہم نے زمین میں سے تمہارے لیے نکالا ہے اس میں سے بہتر حصہ خرچ کرو۔ اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لیے بری سے بری چیز چھانٹنے کی کوشش مت کرو حالاں کہ وہی چیز اگر کوئی تمھیں دے تو تم ہرگز اسے گوارا نہیں کرو گے اِلّا یہ کہ تم اس کے لینے میں اغماض برت جاؤ۔

---

[1] بدری انصاری صحابی قبیلہ اوس کے سردار تھے۔ غزوۂ خندق میں تیر سے زخم لگا جس کے اثر سے انتقال کیا۔ آپ کی وفات کا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت دکھ ہوا فرمایا: "سعد کی موت سے عرش ہل گیا"۔ بقیع میں دفن ہوئے۔ صفۃ الصفوۃ ۱: ۱۸۰، الاصابہ ۳: ۸۴

[2] اللمع ص ۱۸۳

[3] صحیح بخاری۔ باب (کتاب مواقیت الصلوٰۃ وفضلہا باب السمر مع الضیف والاہل) الجزء الاول ص ۱۵۶

[4] سنن ترمذی۔ کتاب التفسیر، سورۃ البقرہ، حدیث ۲۹۸۷، ۵: ۲۱۸-۲۱۹، اصحاب صفہ پر دیکھیے سید جلال الدین عمری کا مضمون "اصحاب صفہ" سہ ماہی تحقیقات اسلامی علی گڑھ جلد ۶ شمارہ ۴، اکتوبر۔ دسمبر ۱۹۸۷ء ص ۳۰-۴۶

تمھیں جان لینا چاہیے کہ اللہ تعالےٰ بے نیاز
ہے اور بہترین صفات سے متصف ہے۔

اصحابِ صفہ کو دوسرے صحابہ کی بہ نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استفادہ کرنے کا زیادہ موقع ملتا تھا۔ وہ شب و روز علمی مذاکرہ کرتے قرآن کی تعلیم حاصل کرتے اور دینی مسائل سیکھتے تھے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود ان میں بیٹھ کر انھیں واقعات سناتے اور نصیحت فرماتے تھے۔ اصحاب صفہ ان سے دینی مسائل پوچھتے تو آپ جواب دیتے۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اصحابِ صفہ اپنے میں سے کسی قاری کو قرآن سنانے کے لیے کہتے تو وہ سناتا تھا اور باقی لوگ خاموشی سے سنتے تھے۔ اس طرح صفہ کو عہدِ نبوی میں تعلیم و تعلم کی اولین درس گاہ کی حیثیت حاصل تھی۔

تصوف کی کتابوں میں اصحابِ صفہ سے متعلق بہ کثرت روایات اور واقعات منقول ہیں علم لدنی، ترکِ کسب، فقر و زہد و مجاہدہ کے باب میں انھیں اربابِ حال کا پیش رو تسلیم کیا گیا ہے۔ بعض علماءِ تصوف کے بیان کے مطابق معراج میں اللہ تعالیٰ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ستر ہزار اسرار القا کیے اور فرمایا کہ ان میں سے پینتیس[۳۵] ہزار اسرار کسی سے مت بتانا بلکہ انھیں چھپا کر رکھو۔ معراج سے واپس آکر (صبح کو) جب آپ اصحابِ صفہ کے پاس گئے تو وہ لوگ انھیں اسرار کو بیان کر رہے تھے، جن کے چھپانے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم حیران ہوئے، پوچھا: آپ کو یہ اسرار کس نے بتلائے؟ جواب ملا: "اسی نے جس نے تنہائی میں آپ کو اسرار بتائے اور انھیں چھپانے کی ہدایت کی۔"[۱] آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا: "پروردگار! میں نے تو یہ اسرار کسی کو نہیں بتائے تھے۔" اللہ تعالیٰ نے وحی کی کہ یہ لوگ ہمارے اور تمھارے درمیان مشاہدہ کر رہے تھے۔"[۲] بعض صوفیہ کا کہنا ہے کہ اصحابِ صفہ[۳]

---

[۱] مناقب العارفین ص ۳۵۹-۳۶۰، مراۃ الاسرار ۱ : ۶۲-۶۳ ع من نہاں زجبرئیل امیں جبرئیل امیں دگر دارم

[۲] مجموع فتاویٰ ۱۱ : ۵۴، اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: انا امرتک ان لاتعلم بہ احدًا لکن انا الذی اعلمتہم بہ۔ "میں نے آپ کو حکم دیا تھا کہ کسی کو یہ راز نہ بتانا مگر انھیں خود میں نے اس کی اطلاع دی۔

بعثتِ نبوی ﷺ سے پہلے ہدایت یافتہ تھے۔ انھوں نے کافروں کے خلاف جہاد کرنے کے معاملہ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اختلاف کیا اور جہاد کرنے نہیں نکلے۔ بعض صوفیہ کے بہ قول آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ ان کے پاس تشریف لے گئے۔ دروازہ کھٹکھٹایا، اندر سے آواز آئی کہ کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: "انا محمد"۔ آواز آئی کہ ہمارے ہاں اس شخص کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے جو "أنا" کہتا ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لے گئے۔ دوبارہ تشریف لائے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ اندر سے اصحابِ صفہ نے آواز دی، کون؟ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: "محمدٌ مسکینٌ" (محمد مسکین) یہ سن کر انھوں نے آپ ﷺ کو اندر آنے کی اجازت دی۔[1]

شیخ علی ہجویری نے اپنی کتاب میں ۲۲، اصحابِ صفہ کے نام گنائے ہیں۔ شیخ کا بیان ہے "عبادت اصحابِ صفہ کا مشغلہ تھا، انھیں زندگی کے کاموں سے لگاؤ نہ تھا، انھوں نے دنیا کو ترک کیا تھا، یہاں تک کہ یہ لوگ کسبِ معاش سے بھی دور رہتے تھے، انھیں کے سلسلہ میں خدا نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر عتاب کرتے ہوئے فرمایا:

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ	اور ان لوگوں کو اپنے پاس سے مت دھتکارو
رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ	جو اپنے رب کی رضا جوئی کے لیے صبح وشام
يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ[2] "	اسے پکارتے ہیں۔

(الانعام: ۵۲)

شیخ ابو نصر سراج طوسی نے بھی اپنی کتاب میں اصحابِ صفہ پر ایک جداگانہ باب لکھا ہے۔ شیخ طوسی کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کئی مقامات پر اصحابِ صفہ کا ذکر کیا ہے، جن میں سے چند ایک یہ ہیں:

---

[1] مجموع فتاویٰ ۱۱: ۷

[2] کشف المحجوب ص ۶۸

(۱) لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيمَاهُمْ لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ۔ (البقرۃ : ۲۷۳)

(خدا کی خوش نودی کے لیے خرچ کرو) ان فقراء پر جو خدا کی راہ میں گھرے ہوئے ہیں، زمین میں کاروبار کے لیے نقل وحرکت کی طاقت نہیں رکھتے۔ بے خبر لوگ ان کی خودداری کی بنا پر انھیں غنی خیال کرتے ہیں۔ تم انھیں ان کی صورت سے پہچان سکتے ہو۔ وہ لوگوں سے لپٹ کر نہیں مانگتے۔ اور جو مال بھی تم خرچ کروگے اللہ اس سے خوب آگاہ ہے۔

(۲) وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ .... الخ الانعام : ۵۲

اور ان لوگوں کو اپنے پاس سے مت دھتکارو جو اپنے رب کی رضا کے لئے صبح وشام سے پکارتے ہیں۔

(۳) وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيدُ زِينَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطًا۔

(الکھف : ۲۸)

اور آپ ان لوگوں کے ساتھ اپنے نفس کو مطمئن رکھیے جو صبح وشام اپنے پروردگار کی رضاجوئی کے لیے اسے پکارتے ہیں۔ دنیاوی زندگی کی زینت کی چاہت میں ان سے آنکھیں مت پھیرلو اور ایسے شخص کی پیروی مت کرو جس کے دل کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کیا ہے اور جس نے اپنی خواہش کی پیروی کی اور جس کا معاملہ حد سے نکل گیا ہو۔

(۴) نیز اللہ تعالے نے ان کے بارے میں اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ فرماکر عتاب نازل کیا :

عَبَسَ وَتَوَلَّىٰ أَنْ جَاءَهُ الْأَعْمَىٰ (عبس : ۱،۲)

پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) چیں بہ جبیں ہوئے اور متوجہ نہ ہوئے اس بات سے کہ ان کے پاس اندھا آیا۔

کہتے ہیں کہ یہ آیت ابن ام مکتوم کی شان میں نازل ہوئی جو اصحاب صفہ میں سے تھے۔[1] شیخ شہاب الدین سہروردی بھی کہتے ہیں کہ آیات مندرجہ بالا اصحاب صفہ کے بارہ میں نازل ہوئی ہیں[2]۔ ان کے بہ قول اصحاب صفہ نہ کھیتی کرتے تھے اور نہ دودھ کے جانور پالتے تھے۔ شیخ ابونصر سراج طوسی کی رائے اوپر نقل کی جا چکی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں کسب کا حکم نہیں دیا۔ ان روایات کی بنیاد پر بعد کے لوگ اصحاب صفہ کے متعلق برملا کہنے لگے کہ صوفیہ نے انھیں کے نقش قدم پر چل کر ترک دنیا کی روش اختیار کی ہے۔ چنانچہ ایسے حضرات کے نزدیک اصحاب صفہ علم لدنی سے واقف، اسرار الٰہی سے آگاہ، جہاد سے نفور، کسب معاش سے دور، فقر کے حامل اور عبادت کے لیے فارغ تھے۔ امام حاکم نیشاپوری کا بیان ہے کہ میں نے اہل صفہ کے بارے میں وارد روایات میں غور کیا تو میں نے انھیں اکابرین صحابہ میں پایا جو توکل اور ورع پر عمل پیرا تھے اور جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کو لازم پکڑ لیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے وہی چیز پسند کی جو اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پسند کی۔ مسکینی، فقر، عبادت الٰہی میں تفرع اور دنیا کو دنیا والوں کے لیے چھوڑ دینا۔ یہی وہ طائفہ ہے جن کے طریقہ پر قرن بعد قرن صوفیہ مشہور ہوئے۔ پس ہر زمانہ میں جو ترک دنیا، صبر، فقر کے ساتھ انس اور ترک سوال کا طریقہ اختیار کرتے ہیں وہ اہل صفہ کے طریقہ پر ہیں اور اپنے خالق پر توکل کرتے ہیں[3]۔

اصحاب صفہ کے بارہ میں وارد روایات کو روایت و درایت اور جرح و تعدیل کے اصولوں پر پرکھے بغیر لوگوں نے ان کی بنیاد پر بے اصل مفروضات قائم کیے۔ مثلاً مشائخ چشت کے تذکرہ نگار پروفیسر خلیق احمد نظامی نے اسی قسم کا ایک مفروضہ یوں قائم کیا ہے:

---

[1] اللمع ص ۱۸۳، عبداللہ ابن ام مکتوم (م ۱۵ھ/۶۳۶ء) کے لیے دیکھیے: الطبقات الکبریٰ لابن سعد ۴: ۲۰۵

[2] عوارف المعارف علی ہامش احیاء ۱: ۳۳۸-۳۳۹

[3] المستدرک ۳: ۱۶

"رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اصحابِ صفہ کا وجود اس بات کا ثبوت ہے کہ رسولِ اکرم صلعم عبادت میں ہمہ وقت انہماک کو ایک خاص طبقہ کے لیے برا نہیں سمجھتے تھے۔"[1]

---

[1] تاریخ مشائخِ چشت ۱: ۵۶، پروفیسر خلیق احمد نظامی نے اس کے بعد کشف المحجوب کی عبارت نقل کی ہے۔ پروفیسر صاحب کا بیان ہے کہ اس جماعت میں حضرت ابوذر غفاریؓ، حضرت سلمان فارسیؓ، حضرت عمارؓ، حضرت صہیبؓ، حضرت بلالؓ، حضرت حذیفہؓ بن الیمان، حضرت ابوسعید الخدریؓ وغیرہم شامل تھے۔ شیخ شہاب الدین سہروردی نے ان کی تعداد چار سو بتائی ہے۔ حافظ ابونعیم حروفِ تہجی کے اعتبار سے ان کا ذکر کیا ہے اور ابن جوزی نے صفۃ الصفوۃ میں اس طبقہ کے بہت سے بزرگوں کا ذکر زاہدوں اور عابدوں کے ضمن میں کیا ہے (تاریخ مشائخ چشت ۱: ۵۷) آگے لکھتے ہیں: "ان کے حالات میں ابن الاعرابی احمد بن محمد البصری (م سنہ ۳۰۴ھ)، علامہ جلال الدین السیوطی اور دیگر علماء نے رسالے اور کتابیں لکھی ہیں سورہ انعام اور سورہ کہف میں ان بزرگوں کی عبادت و ریاضت کی تعریف کی گئی ہے" (تاریخ مشائخِ چشت ۱: ۵۸) اصحابِ صفہ کے بارے میں یہ تمام معلومات انھوں نے "تصوف کتاب وسنّت کی روشنی میں" کے عنوان کے تحت جمع کی ہیں۔ پروفیسر صاحب کا تعلق مسلم یونی ورسٹی علی گڈھ سے رہا ہے اس لیے ان کی رائے کو عام تذکرہ نگاروں کے مقابلہ میں اہمیت دی جاتی ہے۔ تصوف کے ماہر مستشرق بھی (جو تصوف کے سوا باقی تمام علوم قرآن وحدیث فقہ اسلامی اور عقائد پر بجلیاں گرا دینے میں پیش پیش ہیں) پروفیسر خلیق احمد نظامی کی وسعتِ علمی کے معترف اور ان کے لیے رطب اللسان ہیں۔ پروفیسر نظامی کے اس بیان میں کئی ایک تاریخی مغالطے موجود ہیں۔ انھوں نے جن صحابہ کا ذکر اہلِ صفہ کی حیثیت سے کیا ہے، وہ مدینہ منورہ کی اجتماعی زندگی میں سرگرم رہے ہیں اور ان کے حالاتِ زندگی، ان کی اجتماعی حیات اور اسلامی معاشرہ کی تشکیل میں ان کی خدمات اسلامی تاریخ کا زریں باب ہیں۔ یہ تمام صحابہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی ساتھی تھے۔ دوسرے صحابہ کی طرح یہ لوگ بھی غزوات وسرایا میں شریک ہوتے تھے۔ پروفیسر نظامی صاحب کا یہ کہنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عبادت میں ہمہ وقت انہماک کو ایک خاص طبقہ کے لیے برا نہیں سمجھتے تھے۔ ایک خود ساختہ مفروضہ ہے۔ خاص طبقہ تو دور کی بات ہے آپ نے کسی صحابی کو بھی عبادت میں ہمہ وقت انہماک کی اجازت نہیں دی بلکہ آپ نے صحابہ کو متعدد بار عبادت میں اعتدال ملحوظ رکھنے اور شدت سے بچنے کی تلقین کی۔ دیکھیے صحیح بخاری۔ باب التہجد باللیل باب مایکرہ من التشدید فی العبادۃ، الجزء الاول ص ۶۷، سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ باب النعاس فی الصلوۃ ۱: ۱۸۶

اصحابِ صفہ کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ بعثتِ نبوی سے پہلے ہدایت یاب تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں جسارت ہے۔ اسلام سے پہلے دوسرے صحابہ کی طرح اصحابِ صفہ بھی گمراہی اور کفر کی حالت میں تھے اور اللہ اور اس کے دین سے ناواقف تھے۔ اس معاملہ میں اہلِ صفہ اور دوسرے صحابہ میں کوئی فرق نہیں تھا انھیں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب اور اپنے رسولؐ کے ذریعہ ہدایت دی۔[1] اسلام کے بعد بھی حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ جیسے بہت سے صحابی اہلِ صفہ میں شامل نہیں تھے۔

اصحابِ رسول میں افضل طبقہ خلفاءِ راشدین کا ہے ان چاروں برگزیدہ صحابیوں میں کوئی بھی صفہ میں نہیں رہا۔ اس کے بعد ان چھ صحابہ کو فضیلت حاصل ہے جنھیں خلفاءِ راشدین کے ساتھ جنت کی خوشخبری سنائی گئی ہے۔ یہ دس صحابی "عشرۂ مبشرین" کہلائے جاتے ہیں۔ ان میں صرف حضرت سعد ابن وقاصؓ (۲۳ ق ھ - ۵۵ ھ / ۵۹۹ - ۶۷۴ء) اصحابِ صفہ میں شامل رہے اور کہا جاتا ہے کہ آپ بھی صرف ایکمرتبہ صفہ پر ٹھہرے تھے۔[2] عشرۂ مبشرین کے بعد امت میں فضیلت ان صحابہ کو حاصل ہے جنھوں نے جنگِ بدر میں شرکت کی اور "بدری صحابہ" کہلائے۔ ان میں سے بعض صحابی اصحابِ صفہ میں شامل تھے لیکن ان کی اکثریت کا تعلق صفہ سے نہ تھا۔ اسی طرح اکابرین مہاجر و انصار بھی اصحابِ صفہ میں شامل نہیں تھے۔ اس لیے اصحابِ صفہ کو خلفاءِ راشدین، اہلِ شوریٰ (عشرۂ مبشرین) اور دوسرے اصحابِ بدر و اکابرین مہاجرین و انصار پر فضیلت دینا درست نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود قرآن میں صحابہ کے مراتب بیان کیے ہیں:[3]

---

[1] مجموع فتاویٰ ۱۱ : ۵۶-۵۷

[2] مجموع فتاویٰ ۱۱ : ۵۷

[3] دیکھیے وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنصَارِ ... الخ سورۃ التوبہ : ۱۰۰

لَا يَسْتَوِي مِنكُم مَّنْ أَنفَقَ مِن قَبْلِ .... الخ سورۃ الحدید : ۱۰

لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ .... الخ سورۃ الفتح : ۱۸

صوفیہ میں مشہور ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج میں اللہ تعالیٰ نے جو اسرار القا کیے وہ اصحابِ صفہ کو بغیر کسی واسطہ کے معلوم ہوئے۔ یہ روایت روایتاً و درایتاً غلط اور بے بنیاد ہے۔ قرآن میں معراج کے واقعہ کے متعلق صراحت کے ساتھ کہا گیا ہے:

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا۔[1]

پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو راتوں رات سیر کرائی مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک۔

حدیث و آثار سے ثابت ہے کہ معراج کا واقعہ ہجرت سے پہلے مکہ میں پیش آیا اس وقت صفہ کا وجود بھی نہیں تھا صفہ تو ہجرت کے بعد مدینہ میں قائم ہوا۔ تمام مورخین بہ شمول صوفیہ اس پر متفق ہیں کہ صفہ مسجدِ نبوی کے شمالی چبوترے کو کہتے ہیں جہاں مکہ سے آئے ہوئے وہ نادار مہاجرین ٹھہرتے تھے جن کو مدینہ میں رہائش اور ٹھہرنے کی سہولت نہ تھی۔ اس لیے یہ کیسے ممکن ہے کہ اصحابِ صفہ کو معراج کے اسرار کے بارے میں آگاہی ملی۔

بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ جہاد کے بارے میں اصحابِ صفہ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اختلاف کیا اور جہاد سے رکے رہے۔ اصحابِ صفہ کے مومنانہ کردار، تاریخ اور حقائق سے میل نہیں کھاتا۔ اصحابِ صفہ نے کبھی جہاد کے باب میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اختلاف نہیں کیا۔ انھوں نے تو گھر بار اور وطن چھوڑ کر فقر و فاقہ کی زندگی بسر کرتے ہوئے اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کیا تھا۔ کیا ایسے نفوسِ قدسیہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے (وہ بھی جہاد کے باب میں) اختلاف کر سکتے تھے؟ اصحابِ صفہ کی تاریخ بتاتی ہے کہ یہ لوگ جہاد میں پیش پیش رہتے تھے۔ ان میں سے ستر صحابہ تو بئرمعونہ ہی کے واقعہ میں شہید ہوئے۔ تصوف کی کتابوں میں اصحاب صفہ کے جو اسماء دیے گئے ہیں، ان میں ایک ایک کردار تاریخی ہے۔ طبقات و سیر کے مولفین نے ان کے حالات تفصیلاً بیان کیے ہیں۔ مدینہ منورہ کے اسلامی معاشرہ کی تشکیل میں انھوں

---

[1] سورہ بنی اسرائیل : ۱

نے ہمیشہ اپنی خدمات پیش کی ہیں۔ ان میں سے بعض حضرات نے دوسرے قبائل میں جا کر دعوت و تبلیغ کا کام کیا۔ ان کی اکثریت غزوات اور سرایا میں شریک ہوتی رہی۔ ان میں بہت سے صحابہ نے جنگوں میں شہادت پائی۔ اصحابِ صفہ میں ایک نام حضرت عُکاشہ بن مُحصَن رضؓ (۳۳ق ھ - ۱۲ھ / ۵۸۹ - ۶۳۳ء) کا آتا ہے۔ آپ نے بدر اور دوسرے تمام غزوات میں حصہ لیا۔ سنہ ۶ھ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو چالیس افراد کی جمعیت کے ساتھ بنو اسد کی سرکوبی کے لیے روانہ فرمایا۔ خلافتِ صدیقی میں مرتدین کے خلاف جنگ کرتے ہوئے شہید ہوئے[۱]۔ اصحابِ صفہ میں حضرت عمار بن یاسر رضؓ شامل تھے، آپ بدری صحابی ہیں، تمام غزوات میں شریک رہے۔ جنگِ صفین میں حضرت علی رضؓ کی طرف سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے[۲]۔ صفہ کے ایک ممتاز فرد حضرت مقداد بن عمرو رضؓ (۳۷ق ھ - ۳۳ھ / ۵۸۵ - ۶۵۳ء) بدری صحابی ہیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جنگوں میں حصہ لیا۔ آپ ہی نے جنگ کے موقع پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا تھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم آپ سے وہ نہیں کہیں گے جو حضرت موسیٰ کی قوم نے ان سے کہا تھا کہ "آپ خود اور اپنے پروردگار کو لے کر جایے اور لڑائی کیجیے ہم یہیں بیٹھے رہیں گے"۔ یہ سُن کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک فرطِ مسرت سے کھِل اُٹھا تھا۔ آپ کا شمار مشہور تیر اندازوں میں ہوتا تھا آپ پہلے صحابی ہیں جنھوں نے اللہ کی راہ میں گھوڑا تیار رکھا[۳]۔ صفہ کے ایک اور رکن حضرت خباب بن ارت رضؓ (۴۰ق ھ - ۳۷ھ / ۵۸۲ - ۶۵۷ء) بھی بدری صحابی ہیں۔ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام جنگوں میں شرکت کی[۴]۔ اصحابِ صفہ میں سے ایک اور صحابی حضرت عمر رضؓ کے بھائی حضرت زید رضؓ بن الخطاب رضؓ (م ۱۲ھ / ۶۳۳ء) تھے جنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ غزوات میں ہمیشہ شرکت کی۔ جنگ یمامہ میں شہید ہوئے[۵]۔ صفہ ہی کے ایک ممتاز رکن حضرت سلمان فارسی رضؓ کی

---

[۱] الطبقات الکبریٰ لابن سعد ۳ : ۹۲ ، الاصابہ ۴ : ۵۳۳ - ۳۴ھ

[۲] الطبقات الکبریٰ لابن سعد ۳ : ۲۴۶ [۳] الطبقات الکبریٰ لابن سعد ۳ : ۱۶۲

[۴] الطبقات الکبریٰ لابن سعد ۳ : ۱۶۶

[۵] الطبقات الکبریٰ لابن سعد ۳ : ۳۶۸

تجویز پر ۵ھ میں جنگ خندق کے موقع پر مدینہ کے گرد ساڑھے تین میل لمبی، پانچ گز گہری اور پانچ گز چوڑی خندق کھودی گئی[1] اسی طرح صفہ پر قیام کرنے والے ایک صحابی حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ تھے۔ یہ بدری صحابی ہیں اور تمام جنگوں میں شریک رہے[2]۔ اصحابِ صفہ میں حضرت ابوہریرہؓ نے بھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر جہاد کیا[3]۔ حضرت عتبہؓ بن غزوان (۲ق ھ - ۱۷ھ / ۵۸۲ - ۶۳۸ء) کا شمار بدری صحابہ میں ہوتا ہے آپ بھی غزوات میں شریک ہوتے رہے ہے[4]۔

باقی اصحابِ صفہ کی جہادی سرگرمیوں کی تفصیلات بھی تاریخ وسیر کی کتابوں میں ملتی ہیں۔ ہم بہ خوفِ طوالت اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔ یہ وہ صحابی ہیں جنھیں خود اہلِ تصوف نے اصحابِ صفہ میں شمار کیا ہے۔

اہلِ صفہ کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ لوگ فقر وفاقہ کی زندگی بسر کرتے تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ صفہ پر قیام کے دوران ان کی زندگی فقر ونا داری کی تصویر تھی لیکن ان کی غربت اختیاری نہ تھی جیسا کہ اہلِ تصوف کا خیال ہے۔ بلکہ یہ ایک اضطراری حالت تھی جو مسلمانوں کی معاشی حالت بہتر ہونے سے بدل گئی۔ ان میں بعض صحابہ کی مالی حالت اچھی ہوگئی، بعض خلافتِ راشدہ میں اہم عہدوں پر فائز ہوئے۔ حضرت سعد بن وقاصؓ فاتح ایران کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کوفہ کا والی بنایا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں کوفہ کے گورنر رہے[5]۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ مداین کے گورنر تھے اور وہیں وفات پائی[6]۔ حضرت

---

[1] حضرت سلمانؓ کی تجویز پر خندق کھودنے کی تفصیلات تاریخ کی اکثر کتابوں میں موجود ہیں۔

[2] الاصابہ ۴ : ۲۳۳ - ۲۳۶

[3] البدایہ والنہایہ ۷ : ۱۱۷، ۱۲۲

[4] الاصابہ ۴ : ۴۳۸ - ۴۳۹

[5] الاصابہ ۳ : ۷۴، ۷۵، ۷۶

[6] الاصابہ ۳ : ۱۴۱

عمار رضی اللہ عنہ بھی خلافتِ فاروقی میں کوفہ کے حاکم مقرر ہوئے[۱]۔ حضرت عتبہ بن مسعود ہذلی رضؓ (المتوفی عہد فاروقی) بھی اصحابِ صفہ میں شمار ہوتے ہیں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بھائی تھے، حضرت عمر رضؓ نے آپ کو بھی عہدہ دیا[۲] حضرت عتبہ رضؓ بن غزوان کو بھی حضرت عمر رضؓ نے بصرہ کا والی مقرر کیا[۳] حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کو حضرت عمرؓ نے تعلیم کے لیے کوفہ بھیجا۔ حضرت عثمانؓ نے انھیں خزانہ کا نگراں مقرر کیا[۴]۔ حضرت ابو ہریرہ رضؓ خلافتِ فاروقی میں بحرین کے عامل رہے[۵]۔ حضرت ابوالدرداء رضؓ کو حضرت معاویہ رضؓ نے خلافتِ فاروقی میں دمشق کا قاضی مقرر کیا[۶]۔

تاریخ کی کتابوں میں اصحابِ صفہ کے ترکہ جات اور ورثوں کی پوری تفصیل موجود ہے۔ حضرت محمد ابن سیرین بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت ابو ہریرہ کے پاس موجود تھے وہ کتان کا رنگین جوڑا پہنے ہوئے تھے۔ اس دوران انھوں نے ناک صاف کی اور کہا بھلا ابو ہریرہ کو دیکھو جو کتان کے کپڑوں سے ناک صاف کر رہا ہے، حالاں کہ ایک زمانہ میں میرا حال تھا کہ میں منبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عائشہ رضؓ کے حجرے کے درمیان چلتا ہوا بے ہوش ہو کر گر پڑتا تھا۔ گزرنے والے میری گردن پر پیر رکھتے اور سمجھتے کہ میں پاگل ہوں۔ حالاں کہ میں پاگل نہ تھا بلکہ بھوک سے میرا یہ حال تھا[۷]۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ کو چھ ہزار درہم خلیفہ سے ملتے تھے آپ سفید قیمتی کپڑا استعمال

---

[۱] الاصابہ ۴ : ۵۷۵

[۲] الاصابہ ۴ : ۴۴۱

[۳] الاصابہ ۴ : ۴۳۸ ، الطبقات الکبریٰ لابن سعد ۳ : ۹۸

[۴] الاصابہ ۴ : ۲۳۵ ، الطبقات الکبریٰ لابن سعد ۳ : ۱۵۷

[۵] الاصابہ ۷ : ۴۴۲ ، الطبقات الکبریٰ لابن سعد ۴ : ۳۳۵ - ۳۳۶

[۶] الاصابہ ۴ : ۷۴۸ ، شذرات الذہب ۱ : ۳۹

[۷] صحیح بخاری ۔ کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ باب ما ذکر النبی وحض علی اتفاق اہل العلم ، ۷ ، التاسع ص ۱۲۷

کرتے اور ہمیشہ خوشبو لگاتے تھے۔ آپ نے وصیت کی تھی کہ مجھے ایک سو درہم کے حلہ کا کفن دیا جائے[1] صوفیہ کی یہ حکایت کہ اصحابِ صفہ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت اندر آنے کی اجازت نہیں دی جب انھوں نے کہا کہ "انا محمد" اور جواب یہ دیا کہ ہمارے ہاں اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے جو "انا" کہتا ہو جھوٹ ہے[2]۔ حضرت بلالؓ اور حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ تو ہمیشہ آپؐ کی خدمت میں رہتے تھے، دوسرے اصحابِ صفہ بھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضِ صحبت سے ہمیشہ فیض یاب ہوتے تھے۔

صوفیہ کے بہ قول قرآن کریم میں کئی مقامات پر اصحابِ صفہ کا ذکر آیا ہے۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی کہتے ہیں کہ سورۃ انعام اور سورۃ کہف میں ان بزرگوں کی عبادت و ریاضت کی تعریف کی گئی ہے[3]۔ سورہ انعام مکہ میں نازل ہوئی ہے جہاں صفہ کا وجود نہ تھا۔ نیز اس سورہ کی جو آیت اس سلسلہ میں پیش کی جاتی ہے وہ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِیْنَ .... الخ ہے۔ یہ ان صحابہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو کمزور تھے، متکبر لوگ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کرتے تھے کہ آپ ان کمزوروں کو اپنی مجلس سے نکال دیں تاکہ ہم آپ کے پاس آسکیں۔ اللہ تعالیٰ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان لوگوں کو اپنی مجلس سے نکالنے کی ممانعت کی یہی حال سورہ کہف کی آیت وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ .... کا ہے۔ یہ آیت عام ہے پوری سورت میں یہی آیت مدنی ہے لیکن یہ کہنا درست نہیں کہ یہ اصحاب صفہ ہی کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو لوگ بھی اس وصف کے ذیل میں آتے ہیں چاہے وہ اصحاب صفہ رہے ہوں یا دوسرے، اس آیت کے مصداق ہیں۔ ان دونوں آیتوں کے مصداق وہ تمام صحابہ ہیں جن میں یہ اوصاف موجود ہوں۔ "سورۂ عبس" کی آیات حضرت ابن ام مکتوم رضؓ کے

---

[1] الطبقات الکبریٰ لابن سعد ۳ : ۱۵۷ - ۱۵۹

[2] مجموع فتاویٰ .. : ۷۱

[3] تاریخ مشائخ چشت ۱ : ۵۸

باب میں نازل ہوئی ہیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم چند سرداران قریش کے ساتھ باتیں کر رہے تھے کہ نابینا صحابی حضرت ابن ام مکتوم رضؓ آگئے۔ اس وقت یہ آیات نازل ہوئیں۔ سورۂ عبس بھی مکی ہے اس لیے اس کے بارے میں یہ کہنا کہ اصحاب صفہ کے بارے میں نازل ہوئی صحیح نہیں ہے۔ سورۃ البقرۃ کی آیت لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا ..... الخ عام فقراء مہاجرین کے معاملہ میں نازل ہوئی جن میں اصحاب صفہ بھی شامل ہیں۔ اس آیت میں مالدار مسلمانوں کو ان فقراء پر خرچ کرنے کی ترغیب دی گئی ہے جو ناداری میں بھی اپنی خودداری باقی رکھے ہوئے ہیں تاہم قرآن میں متعدد آیات ایسی ہیں جن میں اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم بہ شمول اصحاب صفہ کی تعریف کی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں صحابۂ رسول کو بعد میں آنے والے لوگوں پر فضیلت دی ہے۔

اصحاب صفہ میں وہ برگزیدہ صحابی بھی تھے جو دار ارقم سے پہلے اسلام لے آئے، جنھوں نے مکہ میں قریش کے ظلم و ستم برداشت کیے۔ ان میں ایسے صحابہ بھی تھے جنھوں نے جنگ بدر میں شرکت کی اور فتح مکہ سے پہلے اسلام لے آئے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں یہ کہہ کر فضیلت دی:

لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ ۚ أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوا ۚ وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ ۚ [1]	تم میں سے برابر نہیں ان کے جو لوگ فتح مکہ سے پہلے (فی سبیل اللہ) خرچ کر چکے اور لڑ چکے وہ لوگ درجہ میں بڑے ہیں ان لوگوں سے جنھوں نے (فتح مکہ کے) بعد میں خرچ کیا اور لڑے اور اللہ تعالیٰ نے بھلائی کا وعدہ سب سے کر رکھا ہے۔

اصحاب صفہ میں وہ پاک سیرت بھی تھے جو بیعت الرضوان میں موجود تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی رضا مندی کا اظہار ان الفاظ میں کیا:

لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ	بالتحقیق اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں سے خوش ہوا جب یہ لوگ آپ سے درخت (سمرہ) کے نیچے بیعت کر رہے تھے اور ان کے دلوں میں جو کچھ تھا اللہ کو وہ بھی معلوم تھا

---

[1] سورۃ الحدید : ۱۰

عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ؕ[1] — پس اللہ تعالیٰ نے ان میں اطمینان پیدا کر دیا اور انکو ایک لگے ہاتھ فتح دی۔

اسی طرح "السابقون الاولون" مہاجرین وانصار اور دوسرے تمام صحابہ کو اللہ تعالیٰ نے باقی تمام مسلمانوں پر فضیلت دیتے ہوئے انھیں اپنی رضا اور عظیم کامیابی کی خوش خبری سنا

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ[2]

اور جو مہاجرین اور انصار (ایمان لانے میں سب سے) سابق اور مقدم ہیں اور (بقیہ امت میں) جو اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں اللہ ان سب سے راضی ہوا اور وہ سب اس سے (اللہ سے) راضی ہوئے۔ اور اس نے اللہ نے ان کے لئے ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے یہ بڑی کامیابی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تمام صحابہ کو مسلمانوں میں خود ایک ممتاز مقام عطا فرمایا ہے۔ اہلِ صفہ بھی عظمت و بلندی کے اس مقام پر فائز ہیں۔

اصحابِ صفہ نے اسلام کی راہ میں سختیاں برداشت کیں، عزیز واقارب کو چھوڑ دیا۔ گھروں سے نکالے گئے، وطن سے ہجرت کرنی پڑی اور برسوں فقر وفاقہ کی زندگی گزارتے رہے۔ لیکن ان تمام ناسازگار حالات میں بھی وہ تبلیغ دین اور جہاد میں پیش پیش اور مدینہ منورہ میں اسلامی معاشرہ کی صورت گری میں آگے آگے رہے۔ خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی دل جوئی فرماتے تھے۔ ان میں سے بعض حضرات کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہم فرائض سونپ دیئے انھیں مختلف قبائل میں مبلغ بنا کر بھیجا۔

وہ ہجرت کے ابتدائی برسوں میں مال ودولت سے محروم ضرور تھے لیکن ان کے دل خلوص وایمان اور یقین کی دولت سے مالامال تھے۔ وہ مادی نعمتوں سے تہی دست اور دنیاوی لذتوں سے کنارہ کش تھے مگر ان کے سینے قرآن کی دولت سے معمور اور ان کے کام ودہن ذکرِ الٰہی کے لذت شناس تھے۔ فقر وناداری نے انھیں بازارِ سود وزیاں سے اگر دور رکھا تو سرچشمۂ علم وحکمت کے قریب بھی کر دیا۔ انھیں اگر مدینہ منورہ میں ایسے آشنا ملتے جو ان کی مہمانداری کرتے تو "اضیاف الاسلام" بننے کا شرف کسے حاصل ہوتا؟ مانا کہ ان کے پاس کوئی مسکن ومکان نہ تھا لیکن عشق ومحبت کی یادگار مسجدِ نبوی کی خاکِ پاک بھی ان کے حصہ میں آئی اصحابِ صفہ

---

[1] سورۃ الفتح: ۱۸ [2] سورۃ التوبہ: ۱۰۰

نے جو لمحات، شب و روز اور ماہ و سال صفہ میں گزارے ان کا ایک ایک لمحہ ملتِ اسلامیہ کے لیے مبارک ہے۔ کیا یہ امر واقعہ نہیں کہ صفہ کی درس گاہِ نبوی سے امت کو موذن، مبلغ، امام، قاضی، مفتی، منتظم اور سپاہی ملے جنھوں نے مکی زندگی کے دوران اپنے خونِ جگر سے شجرِ اسلام کی آب یاری کی تو مدینہ میں وقت پڑنے پر اس کی حفاظت کے لیے تلواریں لے کر میدان میں کود پڑے استحکام ملا تو مبلغ اور داعی، قاضی اور فقیہ بن کر اسلام کی نعمت گھر گھر پہنچا دی۔ خلافتِ راشدہ کے دوران اصحابِ صفہ زندگی کے مختلف میدانوں میں سرگرم نظر آتے ہیں۔ اور کیوں نہ آتے؟ اس دور میں ان کی زیادہ ضرورت تھی۔ پہلے یہ فقر و فاقہ اور جسم و جان کو درپیش خطرات کی آزمائش سے دوچار تھے۔ اب دنیاوی دولت اور مادی فوائد کا امتحان سر پر آ کھڑا تھا۔ خلفاءِ راشدین بھی ان کے مرتبہ دان اور عظمت شناس تھے۔ انھیں معلوم تھا کہ جو "وارفتگانِ شوق" مکہ کے ریگ زاروں میں تپتی ہوئی ریت اور دہکتے ہوئے انگاروں پر لیٹ کر آزمائش میں پورے اترے ہیں، وہی دنیاوی "تنعم اور مال و دولت" کے امتحان میں بھی کامیاب ہوں گے۔ انھوں نے عہدے اور مناصب کبھی طلب نہیں کیے، بلکہ یہ چیزیں خود انھیں تلاش کر رہی تھیں۔ ان کی زندگی میں اگر خوش حالی اور فارغ البالی آئی بھی، تو ان کے خلوص و یقین میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔ پہلے وہ صابرین کے زمرہ میں تھے اب وہ "شاکرین" قرار پائے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں "صبر و شکر" کی مکمل نعمتوں سے سرفراز فرمایا۔ اصحابِ رسول میں وہ لوگ بھی تھے جو صوبوں کے گورنر تھے مگر جب ان کی لاعلمی میں حضرت عمرؓ نے فقرا کی فہرست طلب کی تو اس میں اپنے گورنر کا نام پایا۔ حیران ہو کر پوچھا کہ انھیں بیت المال سے جو تنخواہ ملتی ہے وہ کیا ہوتی ہے؟ جواب ملا کہ پہلے ہی دن غریبوں میں تقسیم کر کے فارغ ہو جاتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے انھیں کچھ رقم تنخواہ کے علاوہ دی تاکہ اسے اپنے مصرف میں لے آئیں۔ لیکن انھوں نے اسے بھی تقسیم کر ڈالا۔ اہلِ صفہ میں حضرت عمار بن یاسرؓ تھے جو سراپا ایمان تھے، حضرت عمرؓ نے انھیں والی بنایا اور بعد میں معزول بھی کیا۔ معزولی کے بعد پوچھا کہ آپ کے دل کو ٹھیس تو نہیں لگی؟ تو انھوں نے برملا جواب دیا "میں نہ اس وقت خوش ہوا تھا جب آپ نے مجھے یہ منصب تفویض کیا تھا، اور نہ اس وقت خوش ہوں۔" انھیں میں سے مداین کے گورنر حضرت سلمان فارسیؓ تھے جو

بازار سے سودا سلف خود لاتے تھے۔ خلافتِ راشدہ کو ان پاک نفسوں کی کس قدر ضرورت تھی اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ حضرت عتبہ بن غزوان رضؓ کو حضرت عمر رضؓ نے بصرہ کا والی بنایا آپ بصرہ جاکر واپس مدینہ لوٹ آئے لیکن حضرت عمر فاروق رضؓ نے انھیں دوبارہ بصرہ بھیج دیا۔ چنانچہ والی کی حیثیت سے انتقال فرما گئے۔

ناواقفیت کی وجہ سے لوگوں نے اصحابِ صفہ کی ایسی تصویر پیش کی ہے جو بے چارگی کی تصویر ہے۔ حالاں کہ قرآن نے " لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا " کہہ کر خود فقراءِ مہاجرین جن میں اصحابِ صفہ بھی شامل ہیں، کی غیرت اور خودداری کی تعریف کی ہے۔ حضرت عمر فاروق رضؓ کی مجلس میں بڑے بڑے سردار لرزتے تھے، لیکن اصحابِ صفہ کے رکن حضرت خباب بن ارت رضؓ آئے تو عزت واحترام کے ساتھ انھیں اپنی مسند پر تکیہ کے ساتھ بٹھایا۔ حضرت صہیب بن سنان رومی رضی اللہ عنہ (۳۲ ق ھ - ۳۸ ھ / ۵۸۸ - ۶۵۸ء) کی عظمت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ آپ حضرت عمر فاروق رضؓ کی شہادت کے بعد تین دن خلیفہ رہے۔ اہلِ صفہ کی ایک برگزیدہ شخصیت حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کی ہے، جن کے بارے میں حضرت عمر فاروق کہا کرتے تھے " ابوبکر رضؓ ہمارے سردار ہیں انھوں نے ہمارے سردار بلال رضؓ کو آزاد کرایا۔"

اصحابِ صفہ ہی کے ذریعہ اللہ تعالےٰ نے جغرافیائی حدود کی تنگی، حسب و نسب کا غرور اور نسلی و لسانی تعصبات کو مٹا کر عالمگیر اخوت کی مثال قائم کی۔ حضرت سلمان فارسی رضؓ سے مسلمان ہونے کے بعد حسب و نسب پوچھا جاتا تو " سلمان ابن اسلام " کہا کرتے تھے۔ یہی ان کا ارفع و اعلیٰ نسب تھا۔ حضرت صہیب بن سنان رومی رضؓ تھے جنھیں دولتِ اسلام نصیب ہوئی تو حضرت عمر فاروق رضؓ کے ہم نشین ہو گئے۔ فتحِ مکہ کے روز حضرت بلال حبشی رضؓ نے خانہ کعبہ کی چھت پر اذان دی تو قریش کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔ یہ وہی مسلمان غلام تھا جسے انھوں نے برسہا برس تک کمزور اور حبشی سمجھ کر ظلم و ستم کا نشانہ بنایا تھا۔ آج یہی کمزور غلام خود خدائے وحدہٗ لاشریک کے گھر کی چھت پر نام و نسب، جغرافیائی حدود اور انسان کی خود ساختہ زنجیروں کو پامال کر کے " اللہ اکبر" کی صدائے توحید بلند کر کے محض اللہ تعالیٰ کی کبریائی کا اعلان کر رہا تھا۔ یہ لوگ طعن و تشنیع کرنے لگے :

"کیا یہ سیاہ فام غلام کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دے رہا ہے؟"

اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں یہ آیت نازل کی:

يَآ اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ۔ [1]

اے لوگو! ہم نے تمھیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمھاری شاخیں اور قبیلے بنا دیے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو بے شک تم میں سب سے باعزت وہ ہے جو زیادہ متقی ہو۔ اس میں شبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ علیم و خبیر ہے۔

ان پاک سیرت انسانوں نے جو اسلام کی راہ میں قربانیاں دیں ان کا اجر تو اللہ تعالیٰ کے یہاں ملے گا لیکن ان کا ذکرِ جمیل قیامت تک کیا جاتا رہے گا۔ قیاصرۂ روم کا نام و نشان مٹ گیا، مگر رومی نژاد غلام صہیب (رضی اللہ عنہ) عشق و ایمان کی علامت بنا ہوا ہے۔ کسریٰ فارس کا کوئی نام بھی نہیں لیتا، لیکن فارسی نژاد سلمان فارسی کے نام پر لاکھوں بچوں کے نام رکھے جاتے ہیں۔ (رضی اللہ عنہ) حبش اور شاہانِ حبش کا ذکر سنتے ہی غلامی کی طرف ذہن دوڑ جاتا ہے، لیکن دنیا کے کونے کونے میں ہر روز پانچ وقت کی اذان سنتے ہی کروڑوں انسان کے دلوں میں بلال رضی اللہ عنہ کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔

فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ۔

---

[1] سورۃ الحجرات : ۱۳

علمِ باطن

صوفیہ کا اس پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ اربابِ ذوق اور اربابِ وجد و حال کو ایک مخصوص علم عطا کرتا ہے جسے علمِ لدُنّی یا علمِ باطن کہتے ہیں۔ شیخ ابوطالب مکّیؒ (م ۳۸۶ھ / ۹۹۶ء) اس علم کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ھٰذا ھو العلم النافع الذی بین العبد وبین اللہ تعالیٰ و ھو الذی یلقاہ بہ[1]	یہ وہ علم نافع ہے جو بندہ اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہے اور یہی (ان دونوں کے درمیان) لقاء کا واسطہ ہے۔

شیخ محی الدین ابن عربیؒ[2] (۵۶۰-۶۳۸ھ / ۱۱۶۵-۱۲۴۰ء) کہتے ہیں کہ اہلِ ذوق اسے اللہ تعالیٰ سے حاصل کر لیتے ہیں، وہی ان کے معاملہ میں اپنی خاص رحمت اور مہربانی کے طور پر اس علم کو اپنے پاس سے

---

[1] قوت القلوب ۱: ۱۹۸۔ ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ اس علم کے حاملین کے نزدیک ان کا علم ایک خاص علم ہے جو صرف مخصوص بندوں کے لیے مناسب ہے۔ دیکھیے قوت القلوب ۱: ۳۱ و ۳۳۴

[2] ابوبکر محی الدین محمد بن علی الحاتمی الطائی المعروف بہ شیخ ابن عربی اندلس کے شہر مرسیہ میں پیدا ہوئے۔ ابھی آٹھ سال کے تھے کہ ان کے والد نے اشبیلیہ کی طرف ہجرت کی۔ تیس سال تک ابن عربی نے اشبیلیہ کو اپنا مسکن بنایا۔ اندلس اور افریقہ کے مختلف شہروں کی سیاحت کی۔ ۵۹۸ھ میں تونس، قاہرہ اور یروشلم ہوتے ہوئے حج کو گئے۔ قیامِ مکہ کے دوران مشہور کتاب فتوحاتِ مکیہ لکھی۔ اس کے بعد تادمِ وفات دمشق کو اپنا مسکن بنایا۔ اس دوران بھی وہ سفر کرتے رہے۔ آپ نے دمشق میں وفات پائی اور جبل قاسیون میں دفن ہوئے (بقیہ حاشیہ بر صفحۂ دیگر)

ان کے سینوں میں ڈال دیتا ہے جیسا کہ اس نے اپنے بندہ خضر کے بارے میں بتایا ہے[1]۔ شیخ نے اپنی اس رائے کا اظہار امام فخر الدین رازی[2] (۵۴۴-۶۰۶ھ / ۱۱۴۹-۱۲۰۹ء) کے نام ایک خط میں بھی کیا ہے جس میں انھوں نے امام موصوف سے کہا ہے کہ اگر آپ کسی مردِ خدا کا دامن پکڑ لیں گے تو وہ آپ کو اللہ کی بارگاہ تک پہنچائے گا اور آپ کو بطریقِ الہام بغیر کسی محنت و بیداری کے وہ علم ملے گا جو حضرت خضر علیہ السلام کو حاصل تھا۔ اور علم بھی وہی ہے جو کشف و شہود کے ذریعہ ہو نہ کہ نظر و فکر اور ظن و تخمین کی وساطت سے[3]۔ شیخ ابونصر سراج طوسی کا کہنا ہے کہ اس علم کی کوئی انتہا نہیں ہے[4]۔ شیخ کے بہ قول تمام علوم کا مقصد یہی علمِ عقائق ہے یہاں پہنچ کر وہ سمندر میں مل جاتے ہیں جس کی کوئی حد نہیں ہے تم اسے علمِ قلوب علمِ معارف، علمِ اسرار، علمِ باطن، علمِ تصوف، علمِ احوال اور علمِ معاملات جو چاہے کہو معنی ایک ہیں[5]۔

(حاشیہ گزشتہ سے پیوستہ) شیخ ابن عربی کثیر التصانیف عالم، مفکر اور صوفی کی حیثیت سے مشہور ہیں آپ نے ۲۵۱۔ کتابیں تصنیف کی ہیں۔ وحدۃ الوجود کے فلسفہ کی وجہ سے شیخ اکبر ہر دور میں متنازعہ رہے ہیں۔ آپ کی دو کتابوں فتوحاتِ مکیہ اور فصوص الحکم نے مسلمانوں کے فکر و ذہن پر دور رس اثرات ڈالے ہیں۔ شیخ اکبر کے فلسفہ وحدۃ الوجود کے مقابلہ میں مجدد الف ثانی نے وحدۃ الشہود کا نظریہ پیش کیا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ علمائے تصوف میں اسے وہ مقبولیت حاصل نہ ہوئی جو شیخ اکبر کے فلسفہ کو حاصل ہے۔

[1] الفتوحات المکیہ۔ ۲: ۲۵۴۔ اشارہ ہے قرآن کی آیت وَعَلَّمْنَاهُ مِن لَّدُنَّا عِلْمًا (الکھف: ۶۴) اور ہم نے اسے (خضر کو) اپنے پاس سے ایک علم دیا۔

[2] ہرات کے شیخ الاسلام امام فخر الدین رازی رے نیشاپور میں پیدا ہوئے تفسیر، حدیث، فقہ، کلام اور فلسفہ میں یکتائے روزگار تھے۔ مفاتیح الغیب کے نام سے قرآن کی مشہور تفسیر لکھی۔ امام رازی صوفیہ کے نزدیک علم و عقل کے سب سے بڑے ترجمان تھے لیکن دین کے رازداں نہیں تھے۔ مولانا روم نے کہا ہے:

گر بہ استدلال کار دیں بُدے
فخر رازی راز دار دیں بدے

[3] الطبقات الکبریٰ ۱: ۵

[4] اللمع ص ۷،

[5] اللمع ص ۵۷ ھ

شیخ ابوبکر کلاباذی کا بیان ہے کہ یہ بلند ترین علوم علوم خواطر، علوم مشاہدات اور علوم مکاشفات کہے جاتے ہیں یہ اشارہ کے ساتھ مخصوص ہیں اور صرف صوفیہ کو حاصل ہوتے ہیں۔ انھیں علم اشارہ کا نام اس لیے دیا گیا ہے کہ دلوں کے مشاہدات اور باطنی مکاشفات کی تشریح تحقیقی طور پر نہیں کی جا سکتی۔ اس مقام کا علم صرف اس طرح ممکن ہے کہ وہ (صوفیہ) اپنے مقام سے نیچے آکر بات کریں اور وجد میں آکر سوختہ ہو جائیں۔ ان مقامات کو وہی شخص جان سکتا ہے جو ان مقامات میں اترا ہو، اور جس نے ان منازل میں قیام کیا ہو[۱] اس مخصوص علم کی تشریح اس واقعہ سے کسی قدر کی جا سکتی ہے کہ شیخ بایزید بسطامی کے پاس اسی علاقہ کے ایک فقیہ آئے اور دونوں کے درمیان اس طرح مکالمہ ہوا:

فقیہ: حضرت! آپ کے بارے میں ہم نے ایسی باتیں سنی ہیں جو عجیب و غریب معلوم ہوتی ہیں۔

شیخ: اور جو آپ نے نہیں سنی ہیں وہ اور بھی عجیب ہیں۔

فقیہ: آپ نے یہ باتیں کن سے اور کہاں سے سیکھی ہیں؟

شیخ: میرا علم عطاءِ خداوندی سے ہے اور وہاں سے آیا ہے جہاں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "جس نے اس علم پر عمل کیا جو وہ جانتا ہے تو اللہ تعالے اسے وہ علم عطا کرتا ہے جسے وہ نہیں جانتا" اور جہاں پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "علم دو ہیں ایک علم ظاہر ہے جو مخلوق پر اللہ تعالیٰ کی حجت ہے اور دوسرا علم باطن ہے جو علم نافع ہے"۔ اے شیخ! تمہارا علم تعلیم کے ذریعہ ایک زبان سے دوسری زبان تک منتقل ہوا ہے عمل کے ذریعہ نہیں۔ اور میرا علم اللہ سے ملا ہے۔ میرا علم اس کے الہامات میں سے ہے۔

فقیہ: میرا علم ثقات سے ماخوذ ہے اکابر رواۃ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل سے اور انھوں نے خدا سے لیا ہے۔

شیخ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اللہ کی طرف سے ایک ایسا علم بھی تھا جس سے جبرئیل

---

[۱] التعرف ص ۸۷۔

اور میکائیل بے خبر تھے۔

فقیہ : اچھا تو میں اس علم کے بارے میں کچھ جاننا چاہتا ہوں۔

شیخ : میں اس حد تک آپ کے لیے اسے ثابت کروں گا جس حد تک آپ کا دل اس کے جاننے کی تاب لا سکتا ہے کیا آپ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ سے کلام کیا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کلام کیا انھوں نے اسے روبرو دیکھا۔ انبیا سے وحی کی شکل میں کلام کیا۔

فقیہ : ہاں۔

شیخ : کیا آپ نہیں جانتے کہ صدیقین اور اولیاء کا کلام اللہ کی طرف سے ان کے لیے الہام ہوتا ہے اس میں ان کے لیے فوائد اور تائید ہوتی ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ انھیں دانائی کی باتیں عطا کرتا ہے، امت ان سے فیض حاصل کرتی ہے، میرے دعویٰ کے تائید میں جو دلائل ہیں ان میں حضرت موسیٰ کی ماں کی طرف اللہ کے الہام کا واقعہ ہے، خدا نے اس کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ موسیٰ کو صندوق میں بند کر دو، اس نے اپنے بچہ کو اٹھایا اور (صندوق میں بند کر کے) اسے دریا میں ڈال دیا۔ اسی طرح خدا نے حضرت خضر کو کشتی، لڑکے اور دیوار کے معاملہ میں الہام کیا، چناں چہ انھوں نے حضرت موسیٰ سے کہا کہ میں نے یہ کام اپنے آپ سے نہیں کیے۔ اللہ نے اپنے پاس سے انھیں علم عطا کیا تھا جیسا کہ خدا نے خود کہا ہے عَلَّمْنَاهُ مِن لَّدُنَّا عِلْمًا (الکہف: ۶۴) بایں طور حضرت یوسفؑ کو جیل میں الہام کیا۔ نیز حضرت ابوبکر صدیق نے (بستر مرگ پر) حضرت عایشہ سے کہا کہ بنت خارجہ (حضرت ابوبکر کی بیوی) کے پیٹ میں لڑکی ہے، چناں چہ وضع حمل ہوا تو اس نے لڑکی کو جنم دیا[1]۔ حضرت ابوبکر کو بذریعہ الہام معلوم

---

[1] مرض وفات میں حضرت ابوبکر صدیق نے حضرت عائشہ سے کہا کہ میں نے جو چیز تمھیں ہبہ دی ہے اس میں تمھارے دو بھائیوں اور دو بہنوں کا حصہ ہے۔ حضرت عائشہ کے دو بھائی اور ایک بہن تھی اس لیے وہ حیران ہوئیں۔ انھوں نے اپنی اس حیرانی کا اظہار کیا تو حضرت ابوبکر نے جواب دیا کہ بنت خارجہ (حضرت ابوبکر کی بیوی یا بعضوں کے بہ قول لونڈی) کے پیٹ میں بچہ ہے اور میرے دل میں یہ بات ڈال دی گئی ہے کہ وہ بچہ لڑکی ہے۔ اللمع باب ذکر ابی بکر الصدیق۔ ص ص ۱۷۰-۱۷۱

ہوا تھا کہ اس کے پیٹ میں لڑکی ہے۔ اسی طرح کا الہام حضرت عمرؓ کو ہوا تھا جب انھوں نے (مدینہ میں) منبر پر زور سے پکارا یاسادیۃ الجبل (اے ساریہ! پہاڑ کی طرف آ)[1]۔ اس قسم کی مثالیں بہت ہیں۔ اہل الہام ایک ایسی قوم ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل وکرم سے ان فوائد کے لیے مخصوص کیا ہے اور اللہ ہی نے الہام اور فراست کے معاملہ میں ان میں سے بعض حضرات کو دوسروں پر برتری بخشی ہے۔

فقیہ: (یہ سن کر کھڑا ہوگیا اور کہا) آپ نے مجھے اصل چیز عطا کی اور میرے سینہ کو شفا بخشی[2]۔

شیخ بایزید بسطامی کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ علم درس وتدریس اور تعلیم وتعلم سے حاصل نہیں ہوتا، بلکہ یہ خدا اور بندے کے درمیان ایک ایسا علم ہے جو جبرئیل ومیکائیل جیسے مقرب فرشتوں کی دسترس سے باہر ہے۔ تنہا بایزید پر ہی موقوف نہیں، بلکہ تمام صوفیہ اس پر متفق ہیں کہ اس علم کے لیے خدا اور بندے کے درمیان کسی درمیانی واسطہ کی ضرورت نہیں ہے۔ امام غزالی[3] (۴۵۰ - ۵۰۵ھ / ۱۰۵۸ - ۱۱۱۱ء) اپنے مخصوص انداز میں اس پر لکھتے ہیں:

---

[1] حضرت عمر فاروق کے عہدِ خلافت میں مسلمان نہاوند کے مقام پر جہاد کر رہے تھے اچانک لشکرِ اسلام کے پاؤں اکھڑنے لگے۔ مدینہ منورہ میں اس وقت حضرت عمر فاروق خطبہ دے رہے تھے، خطبہ کے دوران انھوں نے "یاساریۃ الجبل" کے الفاظ پکار کر کہے۔ اور پھر خطبہ جاری رکھا نہاوند کے معرکہ میں مسلمانوں نے یہ آواز اس طرح سُنی گویا قریب ہی کوئی پکار رہا ہے۔ انھوں نے اس کی تعمیل کی اور فتح یاب ہوئے۔ البدایہ والنہایہ ۷: ۱۳۰-۱۳۱، نفحات الانس ص ۱۷-۱۸ کشف الخفاء ۲: ۳۸۰ - ۳۸۱

[2] ابو یزید بسطامی۔ النور من کلمات ابی طیفور مشمولہ شطحات الصوفیہ، مرتبہ عبد الرحمٰن البدوی وکالۃ المطبوعات الکویت، دار القلم بیروت لبنان ۱۹۷۶ء ۱: ۱۱۳-۱۱۴، تلبیس ابلیس ص ۳۲۱ - ۳۲۲

[3] حجۃ الاسلام ابو حامد محمد بن محمد الغزالی طابران (طوس)، میں پیدا ہوئے۔ نیشاپور، بغداد، حجاز، بلادِ شام اور مصر میں زندگی کا ایک بڑا حصہ گزارنے کے بعد اپنے وطن لوٹ آئے اور وہیں وفات پائی۔ امام غزالی رح ایک سو کتابوں کے مصنف ہیں جن میں ان کی تصنیف "احیاء علوم الدین" کو بے حد شہرت نصیب ہوئی۔ اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ شیخ ابو محمد کازرونی نے اس کے متعلق کہا ہے: (بر صفحۂ دیگر)

"یہ علوم کتابوں میں نہیں لکھے جاتے بلکہ اللہ تعالیٰ ان میں سے تھوڑا سا حصہ جس بندہ کو عطا کرتا ہے وہ دوسروں سے اس کا بیان نہیں کرتا سوائے ان لوگوں کے جو اس کے اہل ہوں اور وہ اس کے شریکِ راز ہوتے ہیں۔ یہ وہ پوشیدہ علم ہے جس کی طرف رسول اللہ نے اس حدیث میں اشارہ کیا ہے:

ان من العلم کھیئۃ المکنون	بعض علوم پوشیدہ راز کی صورت میں ہوتے ہیں،
لا یعلمہ الا اھل المعرفۃ باللہ	جنھیں صرف وہ لوگ جانتے ہیں جنھیں اللہ کی
تعالیٰ فاذا نطقوا بہ لم یجھلہ	معرفت حاصل ہے جب وہ اس کے بارے میں
الا اھل الاغترار باللہ تعالیٰ[۱]	کلام کرتے ہیں تو صرف وہ لوگ اس کا انکار کرتے
	ہیں جو اللہ کے معاملہ میں دھوکہ میں ہیں۔

پس تم کسی ایسے عالم کی تحقیر مت کرو جسے اللہ نے اپنے پاس سے اس علم میں سے کچھ حصہ دیا ہے۔ اللہ نے جب اسے اس علم سے نوازا ہے تو اس کی تحقیر نہیں کی ہے[۲]

چنانچہ صوفیہ اسے کتابوں کا مطالعہ کرکے حاصل نہیں کرتے اور نہ یہ بتانے سے آتا ہے[۳]۔ اس کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ سالک ماسوی اللہ سے قطع تعلق کرکے ارادت اختیار کرے

(گزشتہ سے پیوستہ) "اگر تمام علوم مٹا دیئے جائیں تو میں احیاء کی مدد سے سب کو زندہ کرلوں گا۔" امام غزالی کو پانچویں صدی ہجری کا مجدد مانا گیا ہے۔ آپ کی سیرت کے متعلق قریباً دس کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ اردو میں مولانا شبلی نعمانی نے "الغزالی" کے نام سے آپ کی سوانح لکھی ہے۔ شذرات الذہب ۴ : ۱۰، سفینۃ الاولیاء بذیل تذکرہ ص ۱۶۶۔۱۶۷، وفیات الاعیان ۴ : ۲۱۶

۱؎ احیاء علوم الدین۔ ۱ : ۲۷، شیخ کلاباذی نے الفاظ کے تغیر کے ساتھ یہ حدیث نقل کی ہے۔ دیکھیے التعرف ص ۸۷

۲؎ احیاء علوم الدین ۱ : ۲۷

۳؎ قوت القلوب ۱ : ۱۹۸

اور کسی شیخِ طریقت کا دامن پکڑ لے۔ یہ علم مافوق الادراک حقائق سے تعلق رکھتا ہے جو عالمِ روحانی یا عالمِ ملکوت سے وابستہ ہیں[1]۔ صوفیہ کے بہ قول حواسِ باطنی کو ترقی دے کر غیر مادی حقائق کا علم ممکن الحصول ہے۔ امام غزالی لکھتے ہیں:

"جس طرح عالم محسوسات یعنی عالم جسمانی کے لیے دل کی طرف حواس خمسہ کے پانچ دروازے ہیں، اسی طرح عالم ملکوت یا عالم روحانی کی طرف بھی دل میں ایک دروازہ ہے"[2]

صوفیہ بالعموم حالت خواب یا بعض صورتوں میں بہ حالت بیداری عالم ملکوت سے جو حقائق اخذ کر لیتے ہیں ان کے بارے میں انھیں یقین کامل ہوتا ہے کہ اس میں غلطی یا فساد کا احتمال نہیں اس لیے یہ علم ہر لحاظ سے قابلِ اعتماد ہے امام قشیری کہتے ہیں کہ:

اذا بلغ العبد مقام المعرفة اوحی	بندہ جب معرفت کے مقام تک پہنچ جاتا ہے تو
اللہ تعالی الیہ بخواطرِ وحرس	اللہ تعالی خود اپنی طرف سے اس کے دل میں بات
سرہ ان یستنح فیہ غیر	ڈال دیتا ہے اور اس کے سر کی حفاظت کرتا رہتا ہے
خاطر الحق[3]	تاکہ اس میں غیر خدا کی جانب سے کوئی بات القا نہ ہو۔

اس مقام پر پہنچ کر عارف کے قلب پر علم کے انوار روشن ہو جاتے ہیں جس سے وہ غیب کے عجائب و غرائب کو دیکھتا ہے[4] حتی کہ کوئی بات اس پر پوشیدہ نہیں رہتی اور نہ اس سے غائب رہتی ہے[5]۔ اس علم

---

[1] عالم ملکوت اور عالم مثال سے بحالت خواب یا بیداری حقائق کا اخذ و حصول کیسے ممکن ہے اس کے لیے دیکھیے: ابو حامد محمد الغزالی، المضنون بہ علی غیر اہلہ، مصر ۱۳۰۹ھ ص ۱۹، نیز شاہ ولی اللہ المحدث الدہلوی، حجۃ اللہ البالغہ مصر ۱۳۲۲ھ ۱: ۱۰، تصوف ایک تجزیاتی مطالعہ ص ۱۴۲ تا ۱۵۰۔

[2] تصوف ایک تجزیاتی مطالعہ ص ۱۴۳ بحوالہ کیمیائے سعادت ص ۱۲

[3] الرسالۃ القشیریہ ص ۱۸۵، نیز دیکھیے شیخ یحیی منیری، مکتوبات صدی لکھنؤ ۱۲۸۷ھ ص ۸۵

[4] الرسالۃ القشیریہ ص ۱۸۷، "العارف تضئی لہ انوار العلم فیبصر بہ عجائب الغیب"

[5] الرسالۃ القشیریہ ص ۱۳۸، "لا یغیب عنہ ولا یخفی علیہ شیئ"

کی طرف شیخ ابوبکر شبلی نے ان اشعار میں اشارہ کیا ہے:

علم التصوف علم لانفاذ لہ — علم سنّیٌ سماویٌ ربوبیٌ

فیہ الفوائد للارباب یعرفھا — اھل الجزالۃ والصنع الخصوصیٌ[1]

اوپر گزر چکا ہے کہ اس خاص علم کو صرف مخصوص لوگوں کے سامنے بیان کیا جاتا ہے کیوں کہ صوفیہ کے بقول یہ وہ جوہر ہیں جو ناقدروں کے بازار میں لائے نہیں جا سکتے۔ بعض اوقات انھیں جب عام لوگوں کے سامنے بیان کیا جاتا ہے تو کم فہم لوگوں کے دلوں میں غلط فہمیاں پیدا ہو جاتی ہیں چنانچہ حضرت جنید بغدادی اپنے گھر کے اندرونی حصہ میں بیٹھ کر دروازہ بند کر کے کنجی تکیہ کے نیچے رکھتے تب توحید پر گفتگو کرتے[2]۔ انھوں نے شیخ ابوبکر شبلی کو نصیحت کی تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کا راز محجوبین کے درمیان افشا نہ کریں[3]۔ اس علم کو ظاہر نہ کرنے کا سبب یہ ہے کہ اس کے اظہار سے معاشرہ میں فساد برپا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

صوفیہ اپنے عدم اظہار کے دعویٰ کی دلیل میں کہتے ہیں کہ:

(۱) حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو قسم کا علم یاد کیا ہے ایک کو شائع کیا اور اگر دوسرے کو ظاہر کروں تو میری گردن کاٹ جائے گی۔"[4]

(۲) حضرت عبداللہ بن عباس[5]ؓ (۲ق ھ - ۶۸ھ / ۶۲۰ - ۶۸۷ء) کے متعلق بتایا جاتا ہے کہ آپ نے آیت اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَهُنَّ (الطلاق: ۱۲) کی تفسیر نہیں

---

[1] التعرف ص ۸۷-۸۸

[2] الطبقات الکبریٰ ۱: ۱۱

[3] الطبقات الکبریٰ ۱: ۱۱

[4] احیاء علوم الدین ۱: ۱۰۵۔ عن ابی ھریرۃ قال حفظت من رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم وعاءین فاما احدھما فبثثتہ واما الآخر فلو بثثتہ قطع ھذا البلعوم۔ صحیح بخاری کتاب العلم باب حفظ العلم الجزء الاول ص ۴۱

[5] حضرت عبداللہ بن عباس، شعب ابی طالب میں پیدا ہوئے۔ حبر الامۃ اور ترجمان القرآن کی حیثیت سے مشہور ہیں۔ طائف میں وفات پائی۔ تذکرۃ الحفاظ ۱: ۴۰، حلیۃ الاولیاء ۱: ۳۱۴، الطبقات الکبریٰ ۱: ۲۵

بتائی اور کہا کہ اگر میں اس کی تفسیر کروں تو تم مجھے سنگسار کرو گے۔ دوسری روایت میں ہے کہ تم کہو گے عبداللہ بن عباس کافر ہے۔[1]

علمِ لدنی اور علمِ شریعت کا باہمی ربط پوری تاریخ اسلامیہ کے دوران موضوعِ بحث رہا ہے۔ ایک طرف علماءِ شریعت کو صوفیہ نے ہمیشہ علماءِ ظاہر کا نام دے کر ان کی تحقیر کی ہے۔ دوسری طرف بعض علماءِ شریعت نے علمِ لدنی کے حاملین کو ہدفِ تنقید بنایا ہے۔ علمِ لدنی کے حاملین اپنے آپ کو اعتراض سے بچانے کے لیے دعویٰ کرتے ہیں کہ علمِ باطن، علمِ شریعت سے کوئی مختلف چیز نہیں ہے۔ لیکن اس دعویٰ کی حیثیت وقتی اور عارضی ہے اور صرف معترض کا منہ بند کرنے کے لیے اسے پیش کیا جاتا ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اربابِ حال کے یہاں طریقت کا معاملہ شریعت سے بالکل جداگانہ اور مختلف ہے اور دونوں میں تطبیق دینے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی، نہ ہی چند اقوال کے مواد سے دونوں کے درمیان موجود وسیع خلیج کو پاٹا جاسکتا ہے۔ تصوف کی کتابوں میں ہزاروں واقعات اور تجربات دیکھنے میں آتے ہیں جن کی شریعت میں کوئی گنجائش نہیں ہے اور خود اربابِ حال کی محفل میں شریعت کا بہت کم گزر ہوتا ہے۔ طریقت و شریعت کی اس تفریق نے دینِ اسلام کی جامعیت کو جو نقصان پہنچایا ہے، اس کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہے۔ ملت اسلامیہ میں ظاہر و باطن کا فرق ایک آزمائش کی صورت میں نمودار ہوا، اور اس نے مسلمانوں کی قوتِ عملی کو مضمحل کر کے رکھ دیا۔ دین کا ایک حصہ خانقاہ کی چہار دیواری کے پنجرے میں اپنی شکستہ بالی پر ماتم کرتا رہا اور دوسرا حصہ میدانِ عمل میں ماہیِ بے آب کی طرح تڑپتا رہا۔ اہلِ سلوک نے صاف دعویٰ کیا کہ ہم جس راہ پر گام زن ہیں وہ شریعت کے بتائے ہوئے راستہ سے جداگانہ ہے۔ شیخ ہجویری کا بیان ہے:

شریعت اندر حکم از حقیقت جدا است۔[2]	شریعت حکم میں حقیقت سے مختلف ہے۔

ایک اور مقام پر اس سے واضح طور پر کہا ہے:

فرق بسیار میان ہر دو باشد۔[3]	دونوں کے درمیان کافی فرق ہے۔

---

[1] احیاء علوم الدین ۱ : ۱۰۵ [2] کشف المحجوب ص ۳۳۲

[3] کشف المحجوب ص ۳۳۳

ان سے پہلے شیخ ابوطالب مکّی نے حقیقت کو شریعت کے راستوں میں سے ایک راستہ قرار دیا تھا[۱] انھوں نے علمِ باطن کو علم الملکوت اور علمِ شریعت کو علم الملک سے تعبیر کیا ہے پھر دونوں کے درمیان موازنہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ علمِ باطن کو علمِ ظاہر پر وہی فضیلت حاصل ہے جو ملکوت کو ملک پر حاصل ہے[۲] امام قشیری کے بہ قول شریعت التزام عبودیت ہے اور حقیقت مشاہدۂ ربوبیت ہے۔ شریعت یہ ہے کہ تم اس کی عبادت کرو اور حقیقت یہ ہے کہ اس کا مشاہدہ کرو[۳] حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی لکھتے ہیں:

اللہ تک پہنچانے والے راستے دو ہیں ایک کی وحی اور تعلیماتِ انبیاء نے تلقین کی ہے ..... اور دوسرا وہ راستہ ہے جس کا تعین الہام اور اولیاء کے معارف سے ہوا ہے[۴]

دوسری جگہ کہتے ہیں:

"خدا رسیدگی کی دو راہیں ہیں ایک راہ تو وہ ہے جو نبی کے ذریعہ لوگوں تک پہنچی اور دوسری جو اللہ اور اس کے بندے کے درمیان ہے۔" اس دوسرے راستہ کے بارہ میں شاہ صاحب کہتے ہیں کہ اس طریقہ میں درمیانی واسطہ نہیں ہے[۵] درمیانی واسطہ سے مراد رسول یا جبرئیل ہے۔ اگر حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی درمیانی واسطہ کی قید کو ضروری نہیں سمجھتے تو شریعت و طریقت میں کوئی رشتہ باقی نہیں رہتا۔ مولانا تھانوی نے ایک مقام پر علمِ باطن کو علمِ شریعت کا ایک شعبہ قرار دیا ہے[۶] ان کے نزدیک شریعت مجموعہ احکام تکلیفیہ کا نام ہے جس میں ظاہری و باطنی اعمال سب

---

۱ قوت القلوب ۲ : ۴۴ الحقیقۃ علم وھو احد الطرقات الشریعۃ۔

۲ قوت القلوب ۲ : ۳۲ فضل العلم الباطن علی الظاھر کفضل الملکوت علی الملک۔

۳ الرسالۃ القشیریہ ص ۵۴

۴ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔ التفہیمات الالٰھیہ، المجلس العلمی ڈابھیل (سورت)، مدینہ پریس بجنور ۱۳۵۵ھ/۱۹۳۶ء ۲ : ۲۸

۵ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔ فیوض الحرمین، دہلی ۱۳۰۸ھ ص ۵۰

۶ مولانا اشرف علی تھانوی۔ التکشف عن مہمات التصوف حیدرآباد آندھرا ص ۷۳

آ گئے متقدمین کی اصطلاح میں لفظ فقہ کو اس کا مرادف سمجھتے تھے جیسے امام ابو حنیفہ سے فقہ کی یہ تعریف منقول ہے:

معرفۃ النفس مالھا وما علیھا[1] - نفس کا اپنے حقوق و فرائض سے واقف ہونا۔

کاش اصل حقیقت یہی ہوتی۔ اگر مولانا تھانوی کی رائے کے صوفیہ قائل ہوتے تو کوئی اعتراض نہیں تھا، لیکن اصولِ تصوف کی روشنی میں مولانا کی رائے محلِ نظر ہے، خود مولانا نے دوسری جگہ لکھا ہے:

ہمارا یہ دعویٰ نہیں کہ علمِ شریعت ہی کو علمِ حقیقت کہتے ہیں، بلکہ دعویٰ یہ ہے کہ علمِ حقیقت علمِ شریعت کے خلاف نہیں ہے[2] علمِ باطن کی اس آزاد اور جداگانہ حیثیت کی روشنی ہی میں صوفیہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہمارا یہ علم براہِ راست اللہ تعالیٰ سے ماخوذ ہے اور اسے ہمارا قلب اللہ تعالیٰ سے اخذ کرتا ہے۔ چنانچہ صوفیہ میں یہ روایت مشہور ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج میں جو اسرار بتائے گئے تھے اصحابِ صفہ جنھیں تصوف میں اخوان الصفا بھی کہتے ہیں، کو صفہ میں بیٹھے معلوم ہوئے تھے واپس آکر ایک مرتبہ رسول اللہ نے ان سے ان اسرار میں سے کچھ باتیں سُنیں تو پوچھا کہ تمھیں یہ باتیں کس نے بتائیں؟ انھوں نے عرض کیا اسی نے جس نے آپ کو انھیں چھپانے کا حکم دیا[3] قطع نظر اس کے کہ روایت اور درایت کے لحاظ سے اس کا ناقابلِ یقین ہونا کس قدر واضح ہے یہ نکتہ اسے مسترد کرنے کے لیے کافی ہے کہ بہ اجماع امت معراج کا واقعہ مکہ میں ہجرت سے پہلے ہوا جہاں صفہ کا وجود ہی نہیں تھا۔ اہلِ سلوک کا یہ دعویٰ کہ ان کا دل براہِ راست بغیر کسی واسطہ کے وہیں سے علم حقائق اخذ کرتا ہے جہاں سے رسول اخذ کرتے ہیں ایک ایسا دعویٰ ہے جو اسلام کی روح کے خلاف ہے اور جس کو اسلام کی نظروں میں کوئی اہمیت حاصل نہیں اس دعویٰ کا نتیجہ یہ نکلا کہ خدا کے نزدیک بھی ان کی حیثیت تمام قوموں ہی سے نہیں بلکہ امتِ محمدی

---

[1] التکشف عن مہمات التصوف ص ۱۱۴

[2] مولانا اشرف علی تھانوی تعلیم الدین، ناز پبلشنگ ہاؤس دہلی ص ۱۱۷

[3] شمس الدین افلاکی المعروف بہ چلپی عارف۔ مناقب العارفین، آگرہ ۱۸۹۷ء ص ۳۵۹-۳۶۰، کتاب میں جگہ جگہ اصحاب صفہ کے بجائے "اخوان الصفا" کے الفاظ دیے ہیں اس روایت پر علامہ ابن تیمیہ نے سخت تنقید کر کے اسے مسترد کیا ہے۔

سے بھی الگ ہو گئی ہے چنانچہ شیخ سری سقطی کہتے ہیں:

تدعی الامم یوم القیامة بانبیاءھا	روز قیامت امتوں کو ان کے پیغمبروں کے نام سے
علیھم السلام فیقال یا امة موسی ویا	پکارا جائے گا پس کہا جائے گا اے موسیٰ کے امتیو
امة عیسٰی ویا امة محمد غیر	اے عیسٰی کے امتیو اور اے محمد کے امتیو لیکن
المحبین للہ تعالٰی فانھم ینادون	ان لوگوں کو نہیں جو اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے
یا اولیاء اللہ[1]	ہیں انھیں "اے خدا کے دوستو" کہہ کر پکارا جائے گا

اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ صوفیہ جب " حدثنی قلبی عن ربی[2]" کہتے ہیں تو اس سے ان کی مراد اس کے سوا کچھ نہیں ہوتی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے نیاز ہیں اس کا اظہار ایک صاحب طریقت نے اس طرح کیا ہے: قرآن حجاب ہے رسول حجاب ہے عبد اور رب کے سوا کچھ نہیں ہے[3]. قرآن اور رسول کو حجاب قرار دینا اسی فکر کا عکاس ہے، جو ولایت کو نبوت سے افضل قرار دیتی ہے[4]. بلکہ ان کے اقوال اور افکار کی روشنی میں پیغمبر تو اس فرشتہ کا محتاج ہوتا ہے جو اس

---

[1] احیاء علوم الدین ۴ : ۲۸۸

[2] شیخ محی الدین ابن عربی اس دعویٰ کو بھی خاطر میں نہیں لاتے ان کا کہنا ہے کہ حدثنی قلبی عن ربی (میرے دل نے میرے رب کی طرف سے مجھ سے کہا) کہنے والا اپنی بلند مرتبی کے باوجود اپنے اور خدا کے درمیان قلب کا واسطہ رکھتا ہے اس لیے اس شخص کے علمی مقام تک اس کی رسائی نہیں ہو سکتی جو یہ کہہ سکتا ہو کہ مجھ سے میرے رب نے براہ راست فرمایا. الفتوحات المکیہ ۱ : ۵۷، علامہ ابن جوزی کہتے ہیں کہ حدثنی قلبی عن ربی کہنے والا در پردہ اس کا اقرار کرتا ہے کہ وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے بے نیاز ہے اور ایسا کہنے والا کافر ہے. تلبیس ابلیس ص ۳۷۴، امام ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ اپنے آپ کو علمِ ظاہر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ کا محتاج اور علمِ باطن میں ان سے بے نیاز کہنے والا شخص یہود و نصاریٰ سے بھی بُرا ہے جو یہ کہتے تھے کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم اہلِ کتاب کی طرف نہیں بلکہ امیوں کی طرف مبعوث ہوئے ہیں. دیکھیے: مجموع فتاویٰ ۱۱ : ۲۲۵

[3] تلبیس ابلیس ص ۳۲۴

(بقیہ حاشیہ بر صفحۂ دیگر)

کی طرف وحی لے کر آتا ہے جب کہ ایک صوفی کی رسائی براہِ راست اللہ تک ہے۔

آیے دیکھیں کہ کیا قرآن وحدیث کی طرح علمِ لدنی اور علمِ باطن کے نظریہ کی کوئی مستحکم بنیاد ہے؟ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے کوئی خاص علم عطا فرمایا تھا، جسے انھوں نے صرف چند مخصوص صحابہ تک پہنچایا؟ مولانا جلال الدین رومی کی بیان کی ہوئی ایک روایت کے مطابق معراج میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ستر ہزار اسرار عطا کیے گئے اور بعد میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا ان میں سے پینتیس ۳۵ ہزار اسرار کے بارے میں آپ کو اختیار ہے کہ اپنے اخیار صحابہ میں جس کو چاہیں اسے بتادیں اور باقی پینتیس ہزار اسرار کسی کو نہ بتائیں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے بعض اسرار بعض صحابہ کو بتائے اور باقی اپنے خزانۂ غیب میں چھپا کر رکھ دیے[۱]

صحابہ میں سے جن حضرات کو اس مخصوص علم سے نوازا گیا تھا ان میں ایک نام حضرت ابوبکرؓ کا لیا جاتا ہے۔ شیخ ابوبکر واسطی[۲] (م ۳۰۸ھ / ۹۲۰ء) کا قول ہے کہ اس امت میں سب سے پہلے صوفیانہ

(گزشتہ سے پیوستہ) [۴] اہلِ تصوف میں سے ایک بزرگ کا قول یہ ہے: "الولایۃ افضل من النبوۃ" (ولایت نبوت سے افضل ہے) علماءِ شریعت نے اس پر اعتراض کیا تو اہلِ تصوف نے اس کی توجیہ یہ کی کہ نبی کی نبوت سے اس کی ولایت افضل ہوتی ہے کیوں کہ نبوت میں اس کا تعلق مخلوق کے ساتھ ہوتا ہے جب کہ ولایت میں اس کا تعلق صرف اللہ کے ساتھ رہتا ہے۔ تاہم صوفیہ کے ایک طبقہ نے اس توجیہ کو اعتذار پر محمول کیا اور صاف صاف کہہ دیا کہ ولایت نبوت سے فضل ہے کیوں کہ نبوت قید ہے اور ولایت آزادی ہے۔ چنانچہ ایک صوفی نے اپنے ایک ہم مشرب کو قریب قریب یہی الفاظ ایک خط میں تحریر کیے۔ دیکھیے: پروفیسر یوسف سلیم چشتی۔ اسلامی تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش، لاہور سنہ ۱۳۹۶ھ/سنہ ۱۹۷۶ء ص ۱۰۴ - 105

[۱] مناقب العارفین ص ۳۵۹ - ۳۶۰

[۲] محمد بن موسیٰ الفرغانی المعروف بہ ابوبکر واسطی، شیخ جنید بغدادی اور شیخ ابوالحسین نوری کے ہم نشینوں میں سے ہیں۔ توحید و معرفت کے بیان میں مہارت رکھتے تھے۔ آپ کا مزار مرو میں ہے: سفینۃ الاولیاء بذیل تذکرہ ص ۱۴۵،

کلام حضرت ابوبکر صدیقؓ کی زبان سے ادا ہوا جس سے اہلِ فہم نے ایسے لطائف کا استخراج کیا جو عقلاء کے لیے باعثِ وسوسہ ہیں[۱]۔ شیخ واسطی کا اشارہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ان الفاظ کی طرف تھا جو انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک سوال کے جواب میں کہے تھے۔ ایک دفعہ انھوں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خدا کی راہ میں اپنا سارا اثاثہ پیش کیا تو آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ تم نے اہل و عیال کے لیے کیا چھوڑا؟ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جواب دیا: "اللہ اور اس کا رسول"۔ صدیق اکبر کا پہلے اللہ کا نام لینا اور پھر رسول کا، حقائق تفرید میں اہلِ توحید کے لیے ایک اشارہ ہے[۲]۔ شیخ ابوالعباس ابن عطاء[۳] (م ۳۰۹ھ/۹۲۱ء) سے پوچھا گیا کہ آیت "كُونُوا رَبَّانِيِّينَ" (آل عمران: ۷۹) کے کیا معنی ہیں؟ تو انھوں نے کہا کہ اس کے معنی ہیں "كونوا كابي بكر الصديق" (ابوبکر صدیق کے مثل ہو جاؤ) استدلال میں شیخ نے یہ واقعہ پیش کیا کہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد صحابہ میں بے چینی پھیل گئی لیکن صدیق اکبر کے پائے ثبات کو اس وقت بھی لغزش نہیں ہوئی چنانچہ لوگوں کو خطاب کر کے کہا:

> "جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا تو (اسے معلوم ہونا چاہیے کہ) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا، جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا تو اللہ کو کبھی موت نہیں آسکتی۔"[۴]

شیخ ابونصر سراج طوسی بھی اس واقعہ سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اہلِ لطائف کے لیے اس میں یہ نکتہ مضمر ہے کہ حضرت صدیقؓ توحید میں ثابت قدم تھے اور ان کی وجہ سے دیگر صحابہ بھی ثابت قدم ہو گئے۔ نیز یومِ بدر کے موقع پر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا کرتے تھے اے اللہ! اگر یہ گروہ تو نے ہلاک کر دیا تو زمین پر تیری عبادت نہیں کی جائے گی"۔ تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان سے کہا:

---

[۱] اللمع ص ۶۹-۱۶۸

[۲] اللمع ص ۱۶۹

[۳] احمد بن محمد المعروف بہ ابوالعباس ابن عطاء، شیخ جنید بغدادی، ابوسعید الخراز اور حلاج کے ہم نشینوں میں تھے سفینۃ الاولیا، بذیل تذکرہ ص ۱۴۳، حلیۃ الاولیاء ۱۰: ۳۰۲، الطبقات الکبریٰ ۱: ۹۵

[۴] اللمع ص ۱۶۸

دع مناشدتک ربک فان واللہ منجز لک ما وعدک[1]

بس کیجیے بخدا آپ کا رب آپ سے کیے گئے وعدے کو پورا کرے گا۔

حضرت ابوبکر صدیق کا یہ کہنا اہلِ لطائف کے لیے اہمیت سے خالی نہیں ہے[2]۔ حضرت ابوبکر صدیق کے متعلق صوفیہ کے اس تصور کو شیخ ابوبکر شبلی کے اس قول سے بھی تقویت ملتی ہے جس میں حضرت صدیق اکبرؓ کو فقر میں اربابِ باطن کا امام مانا گیا ہے۔ ایک عالم نے شیخ موصوف سے بغرض امتحان پوچھا کہ زکوٰۃ کتنی دینی چاہیے؟ تو انھوں نے جواب دیا: "جب بخل جو د ہو اور مال بھی حاصل ہو جائے تو دو سو درہم میں پانچ درہم اور بیس دینار میں نصف دینار، یہ آپ کے مذہب میں فرض ہے ہمارے مذہب میں تو آدمی کو کسی چیز کا مالک ہی نہیں ہونا چاہیے تاکہ زکوٰۃ کا مشغلہ ہی نہ رہے۔" عالم نے پوچھا اس میں آپ کا امام کون ہے؟ شیخ نے جواب دیا: "ابوبکر صدیقؓ، جنھوں نے اپنا سارا مال (خدا کی راہ میں) دے دیا، اور جب رسول اللہ صلعم نے پوچھا کہ تم نے اہل و عیال کے لیے کیا چھوڑا؟ تو انھوں نے جواب دیا "اللہ اور اس کا رسول"[3]۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو علمِ لدنی کا حامل یا انھیں اہلِ فقر کا امام ثابت کرنے کے لیے اِن نکات کے علاوہ ایک حدیث اور حضرت عمر فاروق کے ایک اثر سے بھی استدلال کیا جاتا ہے۔ اہلِ تصوف کے بیان کے مطابق آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ما فضلکم ابوبکر بکثرۃ صلاۃ و لکن بشئی وقر فی صدرہ[4]

ابوبکر کو تم لوگوں پر جو فضیلت حاصل ہے وہ کثرتِ نماز کی وجہ سے نہیں، بلکہ اس چیز کی بنا پر ہے جو ان کے سینہ میں ڈال دی گئی ہے۔

---

[1] اللمع ص ۱۶۹

[2] اللمع ص ۱۶۹

[3] کشف المحجوب ص ۳۷۷

[4] احیاء علوم الدین ۱ : ۲۹ ـ ۳۰، منہاج العابدین ص ۴۱، ایک روایت میں ولا بصوم کے الفاظ بھی ہیں۔

نیز حضرت عمر فاروق کا بیان ہے :

کان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم	آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب ابوبکر کے
اذا تکلم مع ابی بکر کنت بینہما	ساتھ ہم کلام ہوتے تو میں دونوں کے درمیان
کالزنجی الذی لا یفہم [۱]	اس حبشی کی مانند ہوتا جس کی سمجھ میں کوئی بات نہ آتی۔

ارباب حال کے بیان کے مطابق حضرت عمر فاروق نے اپنے عہدِ خلافت میں حضرت ابوبکر کی اہلیہ کے ساتھ اس غرض سے نکاح کیا تھا تاکہ وہ ان سے حضرت صدیق اکبرؓ کے حالات پوچھ لیں۔ چنانچہ انھوں نے حضرت عمر کو خلیفۂ اول کے حالات سے آگاہ کرتے ہوئے کہا کہ جب رات کے آخری حصہ میں وہ آہ بھرتے تھے تو مجھ کو ان کے جگرِ سوختہ کی مہلک آتی تھی [۲] لیکن حضرت ابوبکر صدیقؓ کو علمِ لدنی کا حامل قرار دینا اور انھیں اہلِ تصوف کے سرخیل کی حیثیت سے پیش کرنا صحیح نہیں لگتا۔ امام طریقت تسلیم کیے جانے کے باوجود مشہور سلاسلِ تصوف میں سے صرف ایک سلسلہ "نقشبندیہ" [۳] ان سے منسوب ہے۔ باقی تمام سلسلے حضرت علی کی وساطت سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتے ہیں۔ صوفیہ کا یہ تضاد خود ان کے اس دعویٰ کی تردید کے لیے کافی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ علمِ لدُنی کے حامل ہیں۔ اب رہا حدیث "ما فضلکم... الخ کا معاملہ، تو اس کے متعلق علماءِ حدیث کا فیصلہ ہے کہ یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے غلط طور

۱ے مجموع فتاویٰ ۱۱ : ۱۰۹، السمط المجید میں محب طبری کی ریاض النضرۃ سے یہ عبارت دی گئی ہے "کنت ادخل علی رسول اللہ صلے اللہ وسلم وھو وابوبکر یتکلمان فی علم التوحید فاجلس بینھما کانی زنجی لا اعلم ما یقولون۔" شیخ احمد قشاشی۔ السمط المجید، دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن ۱۳۲۷ھ ص ۱۱۴۔

۲ے جوامع الکلم ص ۳۴

۳ے مولانا محمد سعید خاں۔ شجرۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ، منگراؤں اعظم گڑھ (یو۔پی) ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء ص ۵-۶، محمد اسحٰق میرٹھی۔ شجرۂ عالیہ نقشبندیہ دہلی ۱۳۶۰ھ، مولانا حسین احمد دیوبندی سلاسلِ طیبہ، دیوبند ۱۳۶۹ھ ص ۲۵، السمط المجید ص ۷۸-۷۹

پر منسوب ہے۔ حافظ زین الدین عراقیؒ[1] (۷۲۵ - ۸۰۶ھ / ۱۳۲۴ - ۱۴۰۳ء) کا کہنا ہے کہ حکیم ترمذی نے اسے "النوادر" میں بکر بن عبداللہ مزنی[2] (م ۱۰۸ھ / ۷۲۶ء) کا قول بتایا ہے[3]۔ حافظ سخاویؒ[4] (۸۳۱ - ۹۰۲ھ / ۱۴۲۷ - ۱۴۹۷ء) نے بھی حکیم ترمذی ہی کے حوالہ سے اسے بکر بن عبداللہ مزنی کا قول کہا ہے[5]۔ ملا علی قاریؒ[6] (م ۱۰۱۴ھ / ۱۶۰۶ء) نے حافظ عراقی کے الفاظ نقل کیے ہیں[7]۔ شیخ عجلونیؒ[8] (۱۰۸۷ - ۱۱۶۲ھ / ۱۶۷۶ - ۱۷۴۸ء) کی بھی یہی رائے ہے[9]۔ صوفیہ میں سے خود شیخ ابو نصر سراج طوسی نے

---

1 حافظ زین الدین عراقی کردی الاصل حافظ حدیث تھے مصر میں انتقال کیا "الفیہ" ان کی مشہور تصنیف ہے: الاعلام ۴ : ۱۱۹۔

2 بکر بن عبداللہ المزنی، بصرہ کے فقیہ، عابد اور فاضل گزرے ہیں حضرت مغیرہ بن شعبہ سے روایت کی ہے: شذرات الذہب ۱ : ۱۳۵

3 حافظ زین الدین عراقی۔ المغنی عن حمل الاسفار فی الاسفار بحواشی احیاء ۱ : ۳۰

4 شمس الدین محمد بن عبدالرحمن سخاوی مشہور مفسر، حافظ حدیث، مورخ اور ادیب قاہرہ میں پیدا ہوئے اور مدینہ منورہ میں وفات پائی، فتح المغیث، المقاصد الحسنہ اور الضوء اللامع ان کی مشہور تصانیف ہیں: شذرات الذہب ۸ : ۱۵۔

5 شمس الدین ابوالخیر محمد بن عبدالرحمن السخاوی۔ المقاصد الحسنۃ فی بیان کثیر من الاحادیث المشتہرۃ علی الالسنۃ۔ تصحیح تعلیق وتحشیہ عبداللہ محمد الصدیق، تقدیم عبدالوہاب عبداللطیف دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء ص ۳۶۹

6 علی بن محمد سلطان المعروف بہ ملا علی قاری، علوم اسلامیہ کے بے مثال حنفی ماہر تھے مکہ میں وفات پائی: الاعلام ۵ : ۱۶۶-۱۶۷

7 ملا علی قاری۔ المصنوع فی معرفۃ الحدیث الموضوع، تحقیق وتعلیق عبدالفتاح ابوغدہ، موسسۃ الرسالۃ بیروت، الطبعۃ الثانیۃ ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء، ص ۱۶۲، ملا علی قاری۔ الموضوعات الکبیر، المطبع الرفیع المجتبائی دہلی ۱۳۱۵ھ ص ۶۲۔ "الموضوعات الکبیر" میں ملا علی قاری نے اسے ص ۶۲ پر بکر بن عبداللہ مزنی اور ص ۱۰۶ پر ابوبکر بن عیاش کا قول کہا ہے۔ علامہ ابن قیم نے بھی اسے ابوبکر بن عیاش کا قول کہا ہے دیکھیے: ابن قیم۔ المنار المنیف، المکتب المطبوعات الاسلامیہ، الطبعۃ الثانیۃ ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء ص ۱۱۵، سبکی اس حدیث کو بے سند احادیث کے ذیل میں لائے ہیں دیکھیے طبقات الشافعیۃ الکبریٰ، عیسی البابی الحلبی وشرکاہ ۱۳۸۸ھ/۱۹۶۸ء

۶ : ۲۸۸

8 ابوالفداء اسماعیل بن محمد بن عبدالہادی العجلونی کا مولد عجلون اور منشاء ومدفن دمشق ہے، شام کے مشہور محدث گزرے ہیں۔ الاعلام ۱ : ۳۲۴

9 ابوالفداء اسماعیل بن محمد بن عبدالہادی العجلونی۔ کشف الخفاء، دار احیاء التراث العربی بیروت لبنان، الطبعۃ الثانیۃ ۱۳۵۲ھ ۲ : ۱۰۹

اسے بکر بن عبداللہ مزنی کے قول کی حیثیت سے پیش کیا ہے[1]

حضرت ابوبکر کے علمِ لدنی کے ثبوت میں حضرت عمر فاروق کا جو اثر نقل کیا جاتا ہے، اسے بھی علماءِ رجال نے من گھڑت قرار دیا ہے۔ امام ابن تیمیہ اسے رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

هذا الكذب ظاهر لم ينقله احد من اهل العلم بالحديث ولا يرويه الا جاهل او ملحد[2]

یہ صریح جھوٹ ہے علماءِ حدیث میں سے کسی نے اسے نقل نہیں کیا ہے اس کی روایت صرف جاہل اور ملحد لوگ کرتے ہیں۔

مُلا طاہر پٹنی[3] (۹۱۳-۹۸۶ھ / ۱۵۰۷-۱۵۷۸ء) نے بھی اسے موضوع (گھڑی ہوئی حدیث) قرار دیا ہے[4]۔ مشہور ماہر الکنانی[5] (۹۰۷-۹۶۳ھ / ۱۵۰۲-۱۵۵۶ء) کی رائے بھی یہی ہے کہ یہ موضوع ہے[6]۔ قاضی شوکانی[7] (۱۱۷۳-۱۲۵۰ھ / ۱۷۶۰-۱۸۳۴ء) کے نزدیک یہ گھڑی ہوئی روایت ہے[8]۔

---

[1] اللمع ص ۱۷۱

[2] امام ابن تیمیہ۔ احادیث القصاص، مرتبہ ڈاکٹر محمد الصباغ المکتب الاسلامی، الطبعۃ الاولیٰ سنہ ۱۳۹۲ھ/ ۱۹۷۲ء ص ۷۸

[3] ہندستان کے مشہور عالمِ حدیث، مسلکاً حنفی تھے۔ وطن ضلع پٹن گجرات تھا۔

[4] ملا طاہر پٹنی۔ تذکرۃ الموضوعات وقانون الموضوع والضعفاء، مرتبہ عبدالکبیر سامرودی سنہ ۱۳۴۲ھ ص ۹۳

[5] ابوالحسن علی بن محمد بن عراق الکنانی۔ فقیہ، متصوف، مورخ اور محدث تھے۔ دمشق میں وفات پائی: الاعلام ۷: ۱۹۰-۱۹۱

[6] ابوالحسن علی بن محمد بن عراق الکنانی۔ تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ عن الاخبار الموضوعۃ، تحقیق و تعلیق عبدالوہاب عبداللطیف و عبداللہ محمد الصدیق، دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان، الطبعۃ الاولیٰ سنہ ۱۳۹۹ھ/ ۱۹۷۹ء ۱: ۴۰۷

[7] یمن کے کثیر التصانیف عالمِ حدیث اور فقیہ تھے: الاعلام ۷: ۱۹۰-۱۹۱

[8] محمد بن علی الشوکانی۔ الفوائد المجموعۃ فی الاخبار الموضوعۃ، تعلیق عبداللہ محمد الصدیق بیروت، الطبعۃ الثانیہ، سنہ ۱۳۹۲ھ ص ۳۳۵ - مزید تفصیل کے لیے دیکھیے الفرقان بین اولیاء الرحمٰن واولیاء الشیطٰن ص ۳۰، مجموع فتاویٰ ۱۱: ۳۰۹-۳۱۰۔ امام ابن تیمیہ نے اس پر بحث کی ہے ان کا کہنا ہے کہ یہ نہ صحیح ہے نہ ضعیف بلکہ کلامِ باطل ہے اور جو اس کو نقل کرتے ہیں وہ ملاحدہ باطنہ ہیں جن کا دعویٰ ہے کہ وہ اس راز کو جانتے ہیں جو عمرؓ کی سمجھ میں نہیں آیا: مجموع فتاویٰ ۱۱: ۳۰۹-۳۱۰

امام ابن تیمیہ نے اس روایت کو بھی رد کیا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے بعد حضرت عمر فاروقؓ نے ان کی بیوی سے نکاح کیا تھا تاکہ وہ حضرت ابوبکرؓ کا باطنی حال ان سے معلوم کر لیں، اہلِ تصوف کا کہنا ہے کہ حضرت عمر فاروق کے نکاح میں آنے کے بعد ان کی بیوی نے حضرت عمر سے کہا :

كنت اشم رائحة الكبد المشوية۔ مجھ کو بھنے ہوئے جگر کی مہک آتی تھی۔

امام ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ یہ بھی جھوٹ ہے، حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کی بیوی سے نکاح نہیں کیا، بلکہ حضرت علی نے ان کے ساتھ نکاح کیا۔ حضرت ابوبکر کے نکاح میں آنے سے پہلے وہ حضرت جعفرؓ [1] (م ۸ھ / ۶۲۹ء) کے نکاح میں تھیں۔ یہ خاتون حضرت اسماء بنت عمیس [2] (م ۴۰ھ / ۶۶۰ء) ہیں جن کا شمار عقلمند عورتوں میں ہوتا تھا۔ امام ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ان کی بیویوں سے زیادہ واقف تھے [3]۔ ان دلائل کی روشنی میں حضرت ابوبکر صدیق کو کسی مخصوص علم کا حامل قرار دینا عقلاً و نقلاً غلط ہے۔

علمِ باطن کے سلسلہ میں ایک اور نام حضرت حذیفہ بن الیمان [4] (م ۳۶ھ / ۶۵۶ء) کا لیا جاتا ہے۔ امام غزالی کے بہ قول حضرت حسن بصری لوگوں میں سب سے زیادہ انبیاء کے مشابہ کلام کرنے والے تھے اور صحابہ سے ہدایت پانے میں زیادہ قریب تھے، اس بات پر لوگ متفق ہیں کہ اُن کی اکثر باتیں خواطرِ قلوب، فسادِ اعمال، وساوسِ نفوس اور شہواتِ نفس کے متعلق ہوتی تھیں جب ان سے پوچھا گیا اے ابوسعید! تم نے کہاں سے یہ باتیں سیکھی ہیں جو ہم آپ کے علاوہ کسی دوسرے سے نہیں سنتے؟ تو انھوں نے جواب دیا: "حذیفہ بن الیمان سے"۔ اور میں نے خود حذیفہ بن الیمان سے یہی سوال پوچھا تو انھوں نے کہا کہ مجھے خصوصی طور پر یہ علم

---

[1] جعفر بن ابی طالب رسول اللہ کے ابن عم اور حضرت علی کے برادر، اولین مسلمانوں میں ہیں ۸ ہجری میں شہید ہوئے: الاعلام ۲: ۱۱۸

[2] مشہور صحابیہ دار ارقم میں رسول اللہ کے داخلہ سے پہلے اسلام لے آئیں دو ہجرتیں کیں اور دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی ہے: حلیۃ الاولیاء ۲: ۷۴

[3] مجموع فتاویٰ ۱۱: ۱۱۰-۱۱۱

[4] مشہور صحابی، حاملِ علم المنافقین، رسول اللہ نے ان کے علاوہ یہ علم کسی کو نہیں دیا تھا حضرت عمرؓ نے انھیں عامل بنایا تو اہلِ مدائن کو لکھا: "ان کا حکم سنو اور اطاعت کرو جو کچھ مانگیں وہ دو"۔ کتبِ حدیث میں ان سے ۲۲۵ احادیث مروی ہیں: المستدرک ۳: ۳۷۹، حلیۃ الاولیاء ۱: ۲۷۰، شذرات الذہب ۱: ۴۴، الطبقات الکبریٰ ۱: ۲۵

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمایا ہے۔ لوگ ان سے خیر کی بابت پوچھتے تھے اور میں شر کے متعلق ان سے دریافت کرتا تھا تاکہ اس میں مبتلا نہ ہو جاؤں[1]۔ شیخ ابو طالب مکّی بھی حضرت حسن بصری کو حضرت حذیفہ بن الیمان کا شاگرد بتلاتے ہیں[2]۔ اور انھیں حضرت حذیفہ کے توسط سے علمِ باطن کے حامل لکھتے ہیں، اغلب یہی ہے کہ امام غزالی نے انھیں سے یہ روایت لی ہو۔

شیخ ابوبکر کلاباذی علمِ باطن کے متعلق یہ روایت نقل کرتے ہیں:

عن عبد الواحد بن زید قال سألت الحسن عن علم الباطن فقال سألت حذیفة (بن) الیمان عن علم الباطن فقال سألت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن علم الباطن فقال سألت جبرئیل عن علم الباطن فقال سألت اللہ عز وجل عن علم الباطن فقال ھو سرٌ من سری اجعله فی قلب عبدی لا یقف علیه احد من خلقی[3]	عبد الواحد بن زید کہتے ہیں کہ میں نے حسن بصری سے علم باطن کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے کہا کہ میں نے حضرت حذیفہ بن الیمان سے علم باطن کے بارے میں سوال کیا تو انھوں نے بتایا کہ میں نے رسول اللہ سے علمِ باطن کے متعلق پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت جبرئیل سے علمِ باطن کے بارے میں سوال کیا تو اس نے کہا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے پوچھا کہ علمِ باطن کیا ہے، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "یہ میرے رازوں میں سے ایک راز ہے جسے میں اپنے بندے کے دل میں ڈال دیتا ہوں میری مخلوق میں سے کوئی اس سے واقف نہیں ہوتا۔

امام قشیری ایک طویل سلسلۂ اسناد کا ذکر کرتے ہوئے اس روایت کو تغیر لفظی کے ساتھ اخلاص کے ذیل میں لے آئے ہیں:

...... سألت احمد بن غسان عن الاخلاص ماھو قال سألت عبد الواحد ابن زید عن الاخلاص	...... نے کہا کہ میں نے احمد بن غسان سے پوچھا کہ اخلاص کیا چیز ہے اس نے کہا کہ میں نے عبد الواحد ابن زید سے سوال

---

[1] احیاء علوم الدین ۱ : ۸۳، الکواکب الدریہ ۱ : ۵۱

[2] قوت القلوب ۲ : ۲۳، اعلام التصوف الاسلامی ۲ : ۳۳

[3] التعرف ص ۸۷

ماھو قال سألت الحسن عن الاخلاص ما ھو قال سألت حذیفۃ عن الاخلاص ماھو قال سألت النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن الاخلاص ماھو قال سألت جبرئیل علیہ السلام عن الاخلاص ماھو قال سألت رب العزۃ عن الاخلاص ماھو قال: " سر من سری استودعتہ قلب من احببتہ من عبادی "[1]

کیا کہ اخلاص کیا ہے تو انھوں نے کہا کہ میں نے حضرت حسن بصری سے پوچھا کہ اخلاص کسے کہتے ہیں، تو انھوں نے کہا کہ میں نے حضرت حذیفہ بن الیمان سے اخلاص کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ سے پوچھا کہ اخلاص کیا چیز ہے، تو انھوں نے فرمایا کہ میں نے جبرئیل علیہ السلام سے سوال کیا کہ اخلاص کسے کہتے ہیں تو اس نے کہا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ اخلاص کیا چیز ہے تو ارشاد ہوا کہ یہ میرے رازوں میں سے ایک راز ہے جسے میں اپنے بندوں میں سے اس بندہ کے دل کو عطا کرتا ہوں جو مجھے محبوب ہوتا ہے۔

اس روایت میں بھی حضرت حسن بصری کو حضرت حذیفہ بن الیمان کا شاگرد بتایا گیا ہے شیخ شہاب الدین سہروردی نے بھی امام قشیری ہی کی بیان کی ہوئی روایت نقل کی ہے[2] شیخ عبدالوہاب شعرانی[3] (۸۹۸-۹۷۳ھ/۱۴۹۲-۱۵۶۵ء) نے حضرت حذیفہ کی جگہ حضرت ابوذر غفاری، علمِ باطن کے بجائے اخلاص اور حضرت جبرئیل اور اللہ کے درمیان حضرت میکائیل کا واسطہ بڑھا کر اس روایت کو نقل کیا ہے[4]

شیخ عبدالواحد ابن زید سے یہ روایت احمد بن غسان نے سُنی ہے[5] لیکن احمد بن غسان اور

---

[1] الرسالۃ القشیریہ ص ۱۲۴ [2] عوارف المعارف علی ہامش احیاء، ۲: ۳۰۴-۳۰۵

[3] شیخ ابوالمواہب عبدالوہاب شعرانی، کثیر التصانیف صوفی عالم اور شیخ ابن عربی کی فکر کے ترجمان ہیں۔ قاہرہ میں وفات پائی۔ معجم المؤلفین ۶: ۲۱۸

[4] عبدالوہاب شعرانی۔ کشف الغمہ عن جمیع الامۃ، مصطفی البابی الحلبی داولادہ بمصر القاہرہ، الطبعۃ الاخیرۃ، ۱۳۷۰ھ/۱۹۵۱ء ۱: ۱۳

[5] جلال الدین سیوطی۔ ذیل الموضوعات، المطبع العلوی لکھنؤ، ۱۳۰۳ھ ص ۴۴-۴۵، نیز دیکھیے الرسالۃ القشیریہ کی بیان کی ہوئی مذکورہ بالا روایت۔

شیخ عبدالواحد ابن زید دونوں متروک الحدیث ہیں[۱]۔ امام ابن حجر نے زہر الفردوس میں اس روایت کو موضوع کہا ہے کیوں حضرت حذیفہ بن الیمان سے حضرت حسن بصری کی ملاقات ثابت نہیں ہے[۲]۔ مُلّا علی قاری بھی ابن حجر کے ہم رائے ہیں[۳]۔ قاضی شوکانی بھی اِن دونوں علماء کے ہم خیال ہیں[۴]۔ کنانی بھی اسی رائے کے قائل ہیں[۵]۔

علماءِ فن کے اس انکار کا انکار ممکن نہیں ہے۔ حضرت حسن بصری کی ملاقات حضرت حذیفہ بن الیمان سے ثابت نہیں ہے تو علمِ باطن والی روایت بھی مشکوک ٹھہرتی ہے لیکن ہمارے نزدیک کچھ اور بھی دلائل ہیں جن سے حضرت حذیفہ بن الیمان کے علمِ لدُنّی یا علمِ باطن کی نفی ہوتی ہے۔ مثلاً حضرت حذیفہ بن الیمان علمِ باطن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تصوف میں خشتِ اول کی حیثیت رکھتے تو سلاسلِ تصوف میں حضرت حسن بصری سے پہلے ان کا نام آنا چاہیے تھا جبکہ سلاسلِ تصوف میں کوئی سلسلہ ان سے منسوب نہیں ہے۔ شاہ ولی اللہ دہلوی نے حضرت حسن بصری کی صغر سنی کی بنا پر حضرت علی سے حضرت حسن بصری کی ملاقات کو مشکوک ٹھہرایا ہے۔ حالاں کہ حضرت علی کی شہادت کا واقعہ ۴۰ھ میں پیش آیا جب وہ کوفہ میں تھے۔ حضرت حذیفہ بن الیمان کی وفات حضرت عثمان ذی النورین کی شہادت کے چالیس روز بعد ۳۶ھ میں مداین میں ہوئی[۶]۔ اس وقت حضرت حسن بصری کی عمر صرف پندرہ برس کی تھی۔ شاہ ولی اللہ دہلوی اور دوسرے محدثین کی آراء کی روشنی میں حضرت حذیفہ بن الیمان

۱۔ جلال الدین سیوطی، کشف الاحوال فی نقد الرجال، المطبع العلوی لکھنؤ ۱۳۰۳ھ ص ۱۴، ۷۲

۲۔ ذیل الموضوعات ص ۴۴۔۴۵

۳۔ المصنوع فی معرفۃ الحدیث الموضوع ص ۱۲۴، الموضوعات الکبیر ص ۴۸۔۴۹

۴۔ الفوائد المجموعہ ص ۲۸۴

۵۔ تنزیہ الشریعۃ ۱: ۲۸۰، روایت کے اسناد کی تردید کے لیے دیکھیے ذیل الموضوعات ص ۴۴۔۴۵

۶۔ المستدرک ۳: ۳۸، الکواکب الدریہ ۱: ۵۱ [مات بالمداین سنۃ ست وثلاثین بعد قتل عثمان باربعین یوماً]

سے ان کی ملاقات زیادہ بعید از فہم لگتی ہے۔ نیز احادیث میں صاف صاف کہا گیا ہے کہ حضرت حذیفہ بن الیمان کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس علم کی تعلیم دی تھی وہ "علم الفتن" اور "علم المنافقین" تھا۔ خود حضرت حذیفہ بن الیمان کا کہنا ہے کہ میرے دوستوں نے خیر اور میں نے شر کا علم حاصل کیا[1] شر سے بچنے کی خاطر وہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شر کے بارے میں سوال کرتے تھے جب کہ دوسرے صحابی خیر کے متعلق پوچھا کرتے تھے[2] یہی وجہ ہے کہ حضرت حذیفہ رضؓ بن الیمان سے حضرت عمر فاروق رضؓ نے ان فتنوں کے متعلق سوال کیا جن کی آگاہی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں دی تھی، تو انھوں نے جواب دیا کہ آپ اور ان فتنوں کے بیچ میں ایک بند دروازہ حائل ہے۔ جب حضرت عمر نے پوچھا کہ کیا وہ دروازہ کھول دیا جائے گا یا اُسے توڑا جائے گا؟ تو انھوں نے جواب میں کہا: "نہیں وہ توڑ دیا جائے گا۔" (بعد میں) جب ان سے پوچھا گیا کہ وہ دروازہ کون ہیں؟ تو انھوں نے کہا: "حضرت عمرؓ"[3] اسی علم کی بنا پر حضرت حذیفہ بن الیمان "رازدارِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم" کی حیثیت سے معروف تھے[4]

---

[1] صحیح بخاری۔ باب علامات النبوۃ فی الاسلام، الجزء الرابع ص ۲۴۲۔ ۲۴۳۔ تعلّم اصحابی الخیر و تعلمت الشر۔

[2] صحیح بخاری۔ باب علامات النبوۃ فی الاسلام، الجزء الرابع ص ۲۴۲، کتاب الفتن، باب کیف الامر اذا لم تکن جماعۃ، الجزء التاسع ص ۶۵۔

[3] صحیح بخاری علامات النبوۃ فی الاسلام، الجزء الرابع ص ۲۳۸، کتاب الفتن الجزء التاسع ص ۶۸۔ ۶۹، حضرت عمر بھی اس سے واقف تھے کہ یہ بند دروازہ خود ان کی ذات ہے۔ حضرت حذیفہ بن الیمان سے ایک دفعہ انھوں نے پوچھا کیا میرے عمال میں کوئی شخص منافق ہے؟ انھوں نے جواب دیا: "ہاں ایک شخص ہے۔" حضرت عمر نے نام پوچھا تو انھوں نے کہا: "میں نام نہیں لوں گا۔" حضرت عمر نے اپنی فراست سے ایک عامل کو معزول کر دیا۔ حضرت حذیفہ کہتے تھے کہ معلوم ہوتا ہے اس معاملہ میں (اللہ کی طرف سے) عمر کی رہنمائی کی گئی تھی۔ حضرت عمر تب تک کسی جنازہ میں شرکت نہیں کرتے تھے جب تک حضرت حذیفہ کو نمازِ جنازہ میں شریک نہ دیکھتے: الاصابہ ۱: ۳۱۷، مراۃ الاسرار ۱: ۲۸

[4] صحیح بخاری۔ باب مناقب المہاجرین و فضلہم، باب مناقب عمار و حذیفہ، الجزء الخامس ص ۳۱ [صاحب سر النبی ؐ]۔

خود اہل تصوف میں سے بعض صوفیہ کا بیان ہے کہ حضرت حذیفہؓ بن الیمان کو جو علم دیا گیا تھا اس کا تعلق فتنوں اور منافقوں سے تھا۔ شیخ ابو نصر سراج طوسی کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ کے پاس تین قسم کے علوم تھے۔ ایک علم تو خاص وعام کے لیے واضح تھا جس میں حدود اور امر و نہی کے احکام شامل ہیں دوسرا علم جو صرف مخصوص صحابہ کو حاصل تھا جیسے حضرت حذیفہ بن الیمان کو علمِ اسماءِ منافقین دیا گیا تھا چنانچہ حضرت عمرؓ اپنے فضل وجلالت کے باوجود ان سے پوچھتے تھے اے حذیفہؓ! کیا میں منافقین میں سے ہوں۔ اسی طرح حضرت علی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ مجھے رسول اللہؐ نے ستر ایسے علوم سکھائے جنھیں میرے سوا کوئی اور نہیں جانتا۔ چنانچہ صحابہ میں سے جب کسی کو کوئی اشکال پیش آتا تو وہ حضرت علی کی طرف رجوع کرتا۔ تیسرا علم صرف رسول اللہؐ کے لیے خاص تھا اس میں کوئی صحابی شریک نہیں تھا۔ اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

لو تعلمون ما اعلم لضحکتم قلیلا ولبکیتم کثیرا[۱] — اگر تم وہ چیز جانتے جو میں جانتا ہوں، تو تم ہنسو گے کم اور روؤ گے زیادہ۔

امام غزالی کا بیان ہے کہ حضرت حذیفہؓ بن الیمان کو "علم المنافقین" اور "اسبابِ نفاق" کا علم دیا گیا تھا[۲] شیخ عبدالرؤف المناوی کی رائے بھی یہی ہے کہ انھیں علم المنافقین کی تعلیم دی گئی تھی[۳]

حضرت حذیفہؓ بن الیمان کو علمِ باطن کا حامل قرار دینا درست نہیں ہے۔ وہ ایک مشہور صحابی ہیں اگر انھیں کوئی ایسا علم دیا گیا ہوتا تو صحابہ ان کے اس امتیاز سے واقف ہوتے۔ وہ ان کی طرف رجوع کرتے اور اس کے حصول کی اسی طرح کوشش کرتے جس طرح وہ علم المنافقین کے معاملہ میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔ حضرت حذیفہؓ بن الیمان کے علم باطن کا ذکر نہ تو احادیث و آثار کے کسی معتبر ماہر

---

[۱] اللمع ص ۵۶ ہم ، ۱۸۰، صحیح بخاری۔ کتاب الرقاق، باب قول النبی لو تعلمون ما اعلم، الجزء الثامن ص ۱۲۷

[۲] احیاء علوم الدین ۴ : ۱۷۰

[۳] الکواکب الدریہ ۱ : ۵۱۔ نیز دیکھیے المستدرک ۳ : ۳۷۹، اربابِ حال میں سے بعض کا کہنا ہے کہ حضرت حذیفہؓ بن الیمان رجال الغیب میں سے تھے اور ان کے علاوہ کسی دوسرے مردِ غیب کی شناخت نہیں ہوئی ہے۔ مراۃ الاسرار ۱ : ۲۸

نے کیا ہے اور نہ ہی ان علماءِ تصوف نے جو علمِ حدیث سے واقف اور آگاہ ہیں۔ جن لوگوں نے حضرت حذیفہؓ بن الیمان کو علمِ باطن کا حامل قرار دیا ہے، انھیں اشتباہ ہوا ہے۔ انھوں نے حدیث کی کتابوں میں حضرت حذیفہؓ بن الیمان کے لیے "صاحب سر النبی" کے الفاظ دیکھے تو قیاس کیا کہ انھیں اسرارِ باطنی بتائے گئے ہوں گے حالاں کہ احادیث کی مستند کتابوں میں تصریح ہے کہ صحابہؓ نے حضرت حذیفہ بن الیمان کو "صاحب سر النبی" اس لیے کہا کہ انھیں منافقین کے بارے میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی باتیں بتائی تھیں جو دوسرے صحابہ کو معلوم نہیں تھیں۔

اہلِ تصوف کے یہاں حضرت علی کرم اللہ وجہ کو جو مقام حاصل ہے اس میں کوئی دوسرا صحابی ان کا شریک وسہیم نہیں ہے۔ صوفیہ کے افکار واقوال میں ان سے جس عقیدت کا اظہار کیا جاتا ہے وہ بجائے خود ایک بحث طلب امر ہے۔ بعض اوقات انھیں وصی، ولی ہی نہیں، اول و آخر کے القاب سے یاد کر کے جملہ صحابہ ہی پر نہیں، تمام انبیاء پر فضیلت دی جاتی ہے جس سے نعوذ باللہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت وحرمت بھی متاثر ہوتی ہے۔

حضرت نظام الدین اولیاء کا بیان ہے کہ معراج کی رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دربارِ الٰہی سے خرقۂ فقر عطا کیا گیا اور ہدایت کی گئی کہ جو اس کا اہل ہو اسی کو دیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب واپس تشریف لائے تو ایک ایک کر کے چاروں برگزیدہ صحابیوں سے پوچھا کہ اگر یہ خرقہ آپ کو عطا کیا جائے تو آپ اس کی حق ادائی کے طور پر کیا کریں گے؟ حضرت ابوبکرؓ سے پوچھا تو انھوں نے جواب دیا: "میں سچائی پر چلوں گا، جہاد اور عبادت کروں گا۔" حضرت عمرؓ سے پوچھا تو انھوں نے جواب دیا کہ اگر یہ خرقہ مجھ کو ملے تو میں عدل وانصاف قائم کروں گا۔ حضرت عثمانؓ سے سوال کیا تو انھوں نے جواب دیا: "میں انفاق، سخاوت اور جہاد کروں گا۔" حضرت علیؓ سے پوچھا تو انھوں نے کہا: "اگر یہ خرقہ مجھ کو عنایت ہو تو میں پردہ پوشی کروں گا اور خدا تعالیٰ کے بندوں کے عیبوں پر پردہ ڈالوں گا۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جواب سن کر حضرت علیؓ کو خرقہ عطا کیا اور فرمایا: "مجھے خدا کی طرف سے حکم ملا تھا کہ جو بھی یہ جواب دے گا، خرقہ اسی کو عطا کرنا۔"[1] اس روایت کے علاوہ مشائخ کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام

---

[1] امیر حسن علاء سنجری۔ فوائد الفواد، مطبع نولکشور لکھنؤ، بار چہارم ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء ص ۱۹۶، سیر الاولیاء ص ۳۵۱-۳۵۲، مراۃ الاسرار ۱:۱۷

خانقاہ صمدیت سے ایک جامہ شریف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئے۔ انھوں نے اس کے چار ٹکڑے کر کے ایک ایک ٹکڑا حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کو عطا فرمایا اور وصیت کی کہ اسے محفوظ رکھو، جب ہم کو ضرورت ہو تو لے آنا۔ ایک روز آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چاروں سے یہ ٹکڑے طلب فرمائے، اول الذکر تین صحابہ میں سے کسی کے پاس کوئی موجود نہ تھا۔ حضرت علیؓ نے چاروں ٹکڑے خدمتِ اقدس میں پیش کیے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ دیکھ کر خوش ہوئے اور فرمایا: "مبارک ہو پہنو اور دوسروں کو پہناؤ"[1] مولانا جلال الدین رومی کہتے ہیں کہ معراج کی رات آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالےٰ نے ستر ہزار اسرار کا علم عطا فرمایا تھا، اس میں سے دس ہزار اسرار انھوں نے حضرت علی کو عطا کیے۔ جب حضرت علی اسرارِ یقین سے مالامال ہوئے تو شور کرتے ہوئے اور نعرہ لگاتے ہوئے صحرا کی طرف نکلے ایک کنویں میں سر لٹکایا، آہ، آہ کی، معانی بیان کیے اور اسی حالت میں کہا:

لو کشفنا الغطاء ما ازددت یقیناً[2] — اگر ہم پر سے پردہ ہٹا بھی دیا جائے تو بھی ہمارے یقین میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا۔

ان اسرار کی تشریح کرتے ہوئے مولانا رومی کا بیان ہے کہ حدیثِ نبویؐ "اول ما خلق اللہ القلم (خدا نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا)، قرآن کی آیت "نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا یَسْطُرُوْنَ (سورۃ القلم: ۱-۲) کی تفسیر ہے۔ اس سلسلہ میں مولانا ایک روایت بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند اسرار حضرت علیؓ کو خلوت میں بتائے اور وصیت فرمائی کہ یہ اسرار کسی نامحرم سے مت کہنا۔ چالیس روز تک حضرت علیؓ نے صبر و تحمل سے کام لیا لیکن اسرار کے بار سے ان کا قرار جاتا رہا، حاملہ عورت کی طرح ان کا پیٹ پھول گیا، اور سانس لینا دشوار ہوگیا۔ آخر کار وارفتہ ہو کر صحرا کی طرف جا نکلے اور ایک کنویں میں سر لٹکا کر ایک ایک کر کے وہ اسرار بیان کرنے شروع کیے۔ مستی سے ان کے منہ میں جھاگ

---

[1] لطائفِ اشرفی ۱: ۳۳۲

[2] مناقب العارفین ص ۳۵۹-۳۶۰

پیدا ہوا اور یہ جھاگ کنوئیں میں گر کر پانی میں تحلیل ہو گیا۔ چند روز بعد اس کنوئیں میں "نے" کا ایک درخت اُگا جو بڑھتے بڑھتے لمبا ہوتا گیا۔ ایک روشن دل چرواہے کو کسی طرح اس معاملہ کا پتہ چل گیا اس نے اس درخت کو کاٹا۔ اس میں چند سوراخ کر کے اس کی بانسری بنائی۔ چرواہا عاشقانہ وار بانسری بجا بجا کر مویشی چراتا رہا۔ قبائلِ عرب میں اس کی نے نوازی مشہور ہوئی۔ اونٹ اور بھیڑ گھاس چرنے کے بجائے اس چرواہے کے گرد حلقہ بنا بنا کر بیٹھتے۔ بات دور تک پھیل گئی۔ مشرق و مغرب سے اہلِ عرب اس کی نے نوازی سننے کے لیے آنے لگے۔ لذتِ آواز کا یہ عالم تھا کہ سننے والے رو پڑتے تھے۔ جب یہ خبر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو انھوں نے چرواہے کو حاضر کرنے کا حکم دیا۔ جب وہ حاضرِ خدمت ہوا اور تعمیلِ ارشاد میں بانسری بجانا شروع کی تو تمام صحابہ وجد میں آ کر شور کرنے لگے اور بے خود ہو گئے۔ یہ حال دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ اُن اسرار کی شرح ہے جو ہم نے علی سے خلوت میں بیان کیے تھے[۱]۔ حضرت علی کو تصوف میں محرمِ اسرار کی حیثیت حاصل ہے۔ ان اسرار یا مخصوص علم کی وجہ سے وہ بعض اوقات خلفائے ثلاثہ سے ممتاز تصور کیے جاتے ہیں۔ حضرت بندہ نواز گیسو دراز ایک روایت بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ چار یہودی حضرت عمرؓ کے پاس آئے اور کہا کہ آپ کے پیغمبر دنیا سے نقل کر گئے ہیں، ہم آپ سے چند سوال پوچھیں گے اگر آپ نے صحیح جواب دیے تو آپ کا دین برحق، نہیں تو باطل ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا پوچھ لو۔ انھوں نے یہ سوال پوچھے: دوزخ کے دروازہ کا قفل کیا ہے اور اس کی کنجی کیا ہے؟ جنت کے دروازہ کا قفل کیا ہے اور اس کی کلید کیا ہے؟ کون زندہ مقبور تھا جسے اس کی قبر زمین میں لیے لیے پھرتی رہی؟ آدم کے علاوہ کون مولود ہے جو ماں باپ کے بغیر پیدا ہوا؟ گھوڑا صہیل میں بھیڑ اور اونٹ وغا میں، کوا نعیق میں اور گدھا نہیق میں کیا کیا کہتے ہیں؟ اسی طرح اور دوسرے سوالات پوچھے۔ حضرت عمرؓ نے سوچتے ہوئے کہا کہ اگر عمرؓ کو چند باتیں معلوم نہیں ہیں تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔ یہودی ہنسنے اور تمسخر اڑانے لگے۔ حضرت علی کے پیکرامیہ موجود تھے۔ انھوں نے ان کا تمسخر اور مذاق اڑانا دیکھا تو ہائے اسلام ہائے اسلام، کہتے ہوئے حضرت علیؓ کے پاس دوڑ کر آئے اور

---

[۱] مناقب العارفین ص ۲۸۹

انھیں سارا ماجرا سنایا۔ حضرت علیؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جبہ زیب تن کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دستار سر پر رکھی، دوڑتے ہوئے آئے اور حضرت عمرؓ کے ساتھ بیٹھ گئے۔ حضرت علی نے کہا: "پوچھ لو کیا پوچھنا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ پر علم کے ہزار دروازے اور ہر دروازہ سے دوسرے ہزار دروازے کھولے ہیں۔"

یہودی: دوزخ کے دروازہ کا قفل کیا ہے؟

حضرت علی: کلمہ "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" دوزخ کے دروازہ کا قفل ہے۔

یہودی: اس قفل کی کنجی کیا ہے؟

حضرت علی: "الاشراک باللہ (خدا کا شریک ٹھہرانا) اس قفل کی کنجی ہے۔

یہودی: جنت کے دروازہ کا قفل کیا ہے؟

حضرت علی: "الاشراک باللہ"

یہودی: اس قفل کی کنجی کیا ہے؟

حضرت علی: کلمہ "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" اس کی کنجی ہے۔

یہودی: کون مقبور تھا جسے اس کی قبر لیے لیے پھرتی تھی؟

حضرت علی: وہ حضرت یونس علیہ السلام تھے جو مچھلی کے پیٹ میں تھے اور مچھلی دریا میں چلتی پھرتی تھی۔

حضرت علی ان کے ایک ایک سوال کا جواب دیتے گئے۔ تین یہودی جواب سن کر مسلمان ہو گئے، مگر چوتھے نے کہا کہ اگر آپ میرے آباؤ اجداد کے نام، میرے وطن کے بادشاہ اور میرے شہر کے حالات بتائیں گے تو میں مسلمان ہو جاؤں گا۔ حضرت علی نے یہ تمام چیزیں بتا دیں، چنانچہ وہ بھی مسلمان ہو گیا۔[1]

ان روایات کی بنا پر صوفیہ ہر دور میں دعویٰ کرتے رہے ہیں کہ حضرت علیؓ ان کے پیشوا اور مقتدا ہیں۔ حضرت جنید بغدادی کہتے ہیں:

شیخنا فی الاصول والبلاء	اصول و آزمائش میں ہمارے شیخ

---

[1] جوامع الکلم ص ۲۵۴-۲۵۵۔

علی المرتضیٰ[1] — حضرت علی مرتضیٰ ہیں۔

شیخ ابو نصر سراج طوسی حضرت علیؓ کے بارے میں رقم طراز ہیں:

ذاک امرؤ اعطی علم اللدنی، و	یہ وہ شخص ہیں جنھیں علمِ لدنی عطا کیا گیا ہے
العلم اللدنی ھو العلم الذی	اور علمِ لدنی وہ علم ہے جو خاص طور سے
خص بہ الخضر علیہ السلام[2]	حضرت خضر علیہ السلام کو ملا تھا۔

شیخ ہجویری کہتے ہیں:

پس اہل ایں طریقت اقتدا بدو کنید	پس اس طریقت پر چلنے والے حقائقِ عبارات،
در حقایق عبارات و دقایقِ اشارات	دقائقِ اشارات اور دنیا و آخرت کے معلوم سے
و تجرید از معلوم دنیا و آخرت و نظارہ	علیحدہ ہونے اور تقدیرِ حق کے دائرہ میں مشاہدہ کرنے
اندر تقدیر حق[3]	میں انھیں کی اقتدا کرتے ہیں۔

صوفیہ کا بیان ہے کہ حضرت علیؓ نے اپنے سینے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

ان ھٰھنا لعلوماً جمۃ لو وجدت	یہاں علوم کا گنجینہ ہے کاش اس بارِ علم کا
لہا حملۃ[4]	اٹھانے والا مل جاتا۔

شیخ ابو نصر سراج طوسی کی بیان کی ہوئی ایک روایت کے مطابق حضرت علیؓ نے ایک دفعہ فرمایا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ستر ایسے علوم سکھائے ہیں جو میرے علاوہ کسی دوسرے کو معلوم نہیں ہیں[5]۔ نیز ایک آدمی نے ان سے پوچھا کہ ایمان کیا ہے؟ حضرت علیؓ نے جواب دیا: ایمان چار ستونوں

---

[1] کشف المحجوب ص ۶۰۔ شیخ جنید بغدادی کا ایک قول اور بھی اس طرح نقل کیا گیا ہے: "اگر حضرت علی جنگوں میں مشغول نہ ہوتے تو ہمارے اس علم میں گراں قدر اضافہ کرتے۔" دیکھیے اللمع ص ۱۷۹۔

[2] اللمع ص ۱۷۹

[3] کشف المحجوب ص ۶۱

[4] احیاء علوم الدین ۱: ۶۳، اللمع ص ۸ [5] اللمع ص ۴۵۶۔

پر قائم ہے صبر، یقین، عدل اور جہاد۔ اس کے بعد انھوں نے ان چاروں میں سے ہر ایک کے دس دس مقامات بیان کیے۔ شیخ ابونصر سراج طوسی کا بیان ہے کہ اگر یہ روایت صحیح ہے تو حضرت علیؓ پہلے شخص ہیں جنھوں نے احوال و مقامات پر گفتگو کی[۱]۔ شاہ ولی اللہ دہلوی کہتے ہیں کہ وہ یعنی حضرت علی اس امت کے پہلے صوفی ہیں، پہلے مجذوب اور پہلے عارف ہیں[۲]۔

چنانچہ صوفیہ کے نزدیک حضرت علیؓ خلافتِ باطنی کے حامل ہیں اور ان کی اس خلافت پر امت میں کوئی اختلاف موجود نہیں ہے۔ حضرت بندہ نواز گیسو دراز کہتے ہیں:

خلافت ہر دو نوع است، خلافتِ کبریٰ و خلافتِ صغریٰ۔ خلافتِ کبریٰ خلافتِ باطنی است و خلافتِ صغریٰ خلافتِ ظاہر لیست۔ خلافتِ کبریٰ مخصوص بہ امیر المومنین علی بود بہ اجماعِ امت، و خلافتِ صغریٰ میان امت مختلف فیہ است[۳]	خلافت دو قسم کی ہے، خلافتِ کبریٰ و خلافتِ صغریٰ۔ خلافتِ کبریٰ باطنی خلافت ہے اور خلافتِ صغریٰ ظاہری۔ خلافتِ کبریٰ بہ اجماعِ امت حضرت علی کے لیے مخصوص ہے اور خلافتِ صغریٰ امت کے درمیان مختلف فیہ ہے۔

اسی مخصوص علم کی بنا پر حضرت علیؓ کو صحابہ میں ایک امتیازی مقام حاصل ہے[۴]۔ یہاں تک کہ جب صحابہؓ کو کوئی مشکل پیش آتی تھی تو وہ حضرت علیؓ کی طرف اشارہ کرتے تھے[۵]۔ شیخ عمر ابن الفارض[۶] (۵۷۶-۶۳۲ھ/ ۱۱۸۱-۱۲۳۵ء)

---

[۱] اللمع ص ۱۸۰

[۲] شاہ ولی اللہ دہلوی۔ فیوض الحرمین، مطبع احمدی دہلی ۱۳۰۸ھ ص ۵۱

[۳] جوامع الکلم ص ۹۸-۹۹، مراۃ الاسرار ۱: ۱۷

[۴] جوامع الکلم ص ۹۸-۹۹، مراۃ الاسرار ۱: ۱۷

[۵] اللمع ص ۱۷۹، ۱۸۰

[۶] مصر کے مشہور صوفی شاعر۔ سلطان العاشقین کے لقب سے معروف ہیں: الاعلام ۵: ۲۱۶، ۲۱۷، میزان الاعتدال ۲: ۲۶۶، لسان المیزان ۴: ۳۱۷، سفینۃ الاولیا، بذیل تذکرہ ص ۱۷۸، الدکتور محمد مصطفیٰ حلمی۔ ابن الفارض سلطان العاشقین، وزارۃ الثقافۃ والارشاد القومی مصر قاہرہ ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۳ء

نے اسی خصوصیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے :

واوضح بالتاویل ما کان مشکلا — علی بعلم نالہ بالوصیۃ۔[1]

علامہ ابن جوزی نے حضرت علی کے متعلق صوفیہ کی ایک روایت اس طرح نقل کی ہے :

.... عن الحسن بن علی بن ابی طالب	.... حضرت حسن بن علی بن ابی طالب بیان کرتے ہیں کہ
کرم اللہ وجھہ عن النبی انہ قال	رسول اللہ نے فرمایا: علم باطن اللہ کے اسرار میں سے
علم الباطن سرٌّ من سر اللہ	ایک سر ہے اور اس کے احکام میں سے ایک حکم ہے جو
عزوجل وحکم من احکام اللہ تعالیٰ	اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں ڈال دیتا ہے جنھیں
یقذفہ اللہ عزوجل فی قلوب	وہ اپنے دوستوں میں سے چاہتا ہے۔
من یشاء من اولیائہ۔[2]	

فاس کے ایک شیعہ عالم ابن عجیبہ[3] (۱۱۶۰-۱۲۲۴ھ/۱۷۴۷-۱۸۰۹ء) کے بہ قول اس علم یعنی تصوف کے اصل واضع نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، انھیں وحی والہام کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے یہ علم دیا پس جبرئیل پہلے شریعت لے کر نازل ہوئے جب شریعت نے قرار پایا تو دوسری بار حقیقت لے کر نازل ہوئے، اس کے لیے بعض حضرات مخصوص ہوئے اور سب سے پہلے جس شخص نے اس کے بارے میں کلام کیا اور اسے معرضِ اظہار میں لایا وہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ ہیں ان سے یہ علم حسن بصری نے حاصل کیا۔[4]

حضرت علی کے مقام کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ سید مظفر علی شاہ (م ۱۲۹۹ھ/۱۸۸۱ء) سلاسل کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ دیارِ ہند وایران، توران، ترکستان، بدخشاں، بلخ، بخارا، سمرقند، خراسان، فارس، عراق، گیلان، بغداد، روم، ماوراء النہر اور عرب کے تمام لوگ اپنا سلسلۂ طریقت امیر المومنین حضرت علیؓ تک پہنچاتے

---

[1] ابن الفارض۔ دیوان (مرتبہ کرم البستانی) دار صادر بیروت ۱۳۷۶ھ/۱۹۵۷ء ص ۱۰۵

[2] تلبیس ابلیس ص ۳۲۱

[3] احمد بن محمد بن عجیبہ فاس کے ایک عالم گزرے ہیں : الاعلام ۱ : ۲۳۴

[4] ابن عجیبہ۔ ایقاظ الھمم فی شرح الحکم ص ۵۔

ہیں۔ ان میں سے بعض ائمہ اہلِ بیت کی وساطت سے اور بعض رئیس التابعین حضرت حسن بصری کے واسطہ سے حضرت علی تک پہنچتے ہیں۔ دیارِ یمن میں حضرت کمیل ابن زیاد کے واسطہ سے حضرت علیؓ کے ساتھ لوگ اپنا سلسلۂ طریقت جوڑتے ہیں۔ دیارِ مغرب اور اس کے اطراف میں بعض سلسلے اپنے آپ کو بعض خلفاءِ راشدین سے منسوب کرتے ہیں۔ شیخ ابوالحسن شاذلی[1] (۵۹۱-۶۵۶ھ / ۱۱۹۵-۱۲۵۸ء) کا سلسلہ حضرت امام حسینؓ تک پہنچتا ہے۔ سلسلۂ مداریہ و نقشبندیہ دونوں حضرت علیؓ سے بھی ملتے ہیں اور حضرت ابوبکر صدیقؓ سے بھی۔[2] گویا سلاسلِ تصوف میں چار مشہور سلسلے اور بیشتر چھوٹے سلسلے حضرت علی ہی کے واسطہ سے رسول اللہ سے ملتے ہیں اور باقی سلسلوں میں بھی وہ حضرت ابوبکرؓ کے شریک ہیں، مثلاً :

چشتیہ سلسلہ کی سند کے ابتدائی واسطے اس طرح ہیں (ط) ممشاد دینوری (ح) امین الدین ابی ہبیرۃ البصری (ز) سدید الدین حذیفہ المرعشی (و) ابراہیم بن ادہم (ھ) فضیل ابن عیاض (د) ابوالفضل عبدالواحد ابن زید (ج) حسن بصری (ب) حضرت علی بن ابی طالب (ا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔[3]

سلسلۂ سہروردیہ کی ابتدائی کڑیاں یوں ہیں (و) معروف کرخی (ھ) داؤد طائی (د) حبیب عجمی (ج) حسن بصری (ب) حضرت علی (ا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔[4]

سلسلۂ کبرویہ کی سند کی ابتدائی کڑیاں یہ ہیں (ط) معروف کرخی (ح) علی بن موسیٰ الرضا (ز) موسیٰ کاظم (و) جعفر صادق (ھ) محمد باقر (د) زین العابدین (ج) حضرت حسین (ب) حضرت علی (ا) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔[5]

قادریہ سلسلہ کی سند میں ابتدائی کڑیاں یہ ہیں (و) جعفر صادق (ھ) محمد باقر (د) زین العابدین (ج)

---

[1] سلسلۂ شاذلیہ کے راس الطائفہ، "الحزب الاعظم" ان کی مشہور اوراد ہے۔ الطبقات الکبریٰ ۲ : ۴ ، الاعلام ۵ : ۱۲۰

[2] جواہرِ غیبی، کنز ششم ص ۷۰۹

[3] السمط المجید ص ۶۷-۶۹ ، اردو دائرہ معارف ۷ : ۶۴۸

[4] السمط المجید ص ۷۱-۷۲ ، سلاسلِ طیبہ ص ۲۵-۲۶

[5] السمط المجید ص ۷۶ ، محمد معین الدین دردائی "تاریخ سلسلۂ فردوسیہ" ، بہار شریف پٹنہ ۱۹۶۲ء ص ۷۱

حضرت حسین (ب) حضرت علیؓ (ا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔[1]

ان سلاسل کو شیخ جنید بغدادی کی وساطت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک اِس طرح پہنچایا جاتا ہے:

الجنید ابن محمد البغدادی

سری سقطی

معروف کرخی

علی بن موسیٰ الرضا

موسیٰ بن جعفر الکاظم

جعفر بن محمد الصادق

محمد بن علی الباقر

علی بن حسین زین العابدین

حسین ابن علی

داؤد طائی

حبیب عجمی

حسن البصری

حضرت علیؓ ابن ابی طالب

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم[2]

[1] السمط المجید ص ۳، ۴-۷، سلاسلِ طیبہ ص ۲۱-۲۲

[2] The Sufi orders in Islam p. 262.

سلاسلِ مذکورہ کا بہ غور مطالعہ کرنے سے یہ نکات ابھرتے ہیں:

(۱) رسول اللہ کو جو مخصوص علم دیا گیا تھا وہ حضرت علی کی طرف منتقل ہوا۔

(۲) قادریہ اور کبرویہ سلسلوں سے لگتا ہے کہ یہ علم حضرت علیؑ سے حضرت حسینؓ کی طرف منتقل ہو کر ائمۂ اہلِ بیت کی کڑیوں کو طے کرتا ہوا شیعوں کے آٹھویں امام حضرت علی بن موسیٰ رضا تک پہنچا۔ حضرت علی بن موسیٰ رضا سے معروف کرخی کو یہ علم ملا، اس طرح پہلی دفعہ یہ علم اہلِ بیت کے دائرے سے نکل کر عام مسلمانوں میں سے کسی کو ملا۔

(۳) سہروردیہ اور چشتی سلسلوں کے مطالعہ سے ایسا لگتا ہے کہ یہ علم جسے خرقہ پہنانے کی رسم سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے، حضرت علی سے حضرت حسن البصری کو ملا۔

تصوف کی قدیم ترین سند جو اب تک دستیاب ہوئی ہے، کے متعلق ابن الندیم[۱] (م ۴۳۸ھ/۱۰۴۷ء) کا بیان ہے:

قال محمد بن اسحاق قرأت بخط ابی محمد جعفر الخلدی وکان رئیساً من رؤساء المتصوفة ورعاً زاهداً وسمعته یقول ما قرأته بخطه اخذت عن ابی القاسم الجنید بن محمد وقال لی اخذت عن ابی الحسن السری بن المغلس السقطی وقال: اخذ السری عن معروف الکرخی واخذ معروف الکرخی عن فرقد السنجی واخذ فرقد عن الحسن البصری، واخذ الحسن عن انس بن مالک ولقی الحسن سبعین	محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ میں نے ابو محمد جعفر خلدی جو شیوخِ تصوف میں ایک زاہد و پرہیزگار شیخ تھے، کا لکھا ہوا بیان پڑھا اور خود ان سے یہ بیان سنا بھی کہ میں نے ابو القاسم جنید سے یہ علم اخذ کیا اور جنید بغدادی نے مجھ سے کہا کہ میں نے یہ علم ابو الحسن سری بن المغلس السقطی سے اخذ کیا انھوں نے معروف کرخی سے اور معروف نے فرقد سنجی سے اور فرقد نے حضرت حسن بصری سے اور حضرت حسن بصری نے حضرت انس بن مالک سے یہ علم حاصل کیا تھا، حضرت حسن بصری نے ستر بدری صحابہ سے ملاقات حاصل

[۱] بغداد کے فہرست نگار، کتاب فروش تھے: لسان المیزان ۵ : ۷۲، الاعلام ۶ : ۲۵۳

من البدائین [1] — کی تھی۔

اس کے ۲۰ سال بعد شیخ ابوعلی دقاق نے ایک واسطہ کا اضافہ کرکے یہی نام گنائے ہیں۔ جیسا کہ قشیری لکھتے ہیں:

کان الاستاذ ابو علی یقول اخذت هذا الطریق عن النصرآبادی والنصرآبادی عن الشبلی، والشبلی عن الجنید، والجنید عن السری، والسری عن معروف الکرخی، ومعروف الکرخی عن داؤد الطائی وداؤد الطائی لقی التابعین [2]

ہمارے استاذ ابوعلی دقاق کہا کرتے تھے کہ میں نے یہ طریقہ نصرآبادی سے اخذ کیا انھوں نے شبلی سے، شبلی نے جنید سے، جنید نے سری سے، سری نے معروف کرخی سے اور معروف نے داؤد طائی سے اسے حاصل کیا اور داؤد طائی نے تابعین سے ملاقات کی تھی۔

بعض علماءِ تصوف کو اعتراف ہے کہ جنید سے پہلے خرقہ پہنانے کی رسم ثابت نہیں ہے [3] بلکہ اس زمانہ میں نسبت صحبت موجود تھی [4] ان کے بہ قول بیعت کی رسم حضرت جنید بغدادی کے دور میں شروع ہوئی [5] لیکن اکثر مشائخ کا دعویٰ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خرقہ کی نسبت متصل اور معنعن حدیث سے ثابت ہے [6] ان کے دعویٰ کے مطابق آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضؓ کو اور انھوں نے حضرت حسن بصری و حضرت کمیل ابن زیاد کو خرقہ پہنایا ہے [7]

---

[1] ابن الندیم۔ الفہرست، دار المعرفۃ بیروت لبنان/ مطبعۃ الاستقامۃ قاہرہ، ص ۲۷۴

[2] الرسالۃ القشیریہ (باب الصحبۃ) ص ۱۷۵

[3] نفحات الانس ص ۳۶۶، سیر الاولیاء ص ۳۵۴، لطائفِ اشرفی ۱: ۳۲۳

[4] نفحات الانس ص ۳۶۶، الانتباہ فی سلاسل الاولیاء ص ۲-۳، سیر الاولیاء ص ۳۵۴

[5] لطائفِ اشرفی ۱: ۳۲۳، الانتباہ فی سلاسل الاولیاء، ص ۳

[6] نفحات الانس ص ۳۶۶-۳۶۷

[7] جوامع الکلم ص ۲۵۳، نفحات الانس ص ۳۶۶

علماءِ حدیث کے نزدیک حضرت علی رضؓ سے حضرت حسن بصری کی سماعت ثابت نہیں ہے۔ لیکن بعض کمزور روایات کے علاوہ صوفیہ دو دلیلیں دیتے ہیں۔ ایک یہ کہ حضرت علی رضؓ نے بصرہ میں تمام قصاص (قصہ گو کرنے والوں) کے منبر توڑ ڈالے، لیکن جب حضرت حسن بصری کے منبر تک پہنچے تو لوگوں نے بتایا کہ یہ حسن کا منبر ہے۔ حضرت علیؓ نے حسن کا نام سن کر اسے باقی رہنے دیا۔ یہ ایک طرح کی اجازت تھی۔ دوسرے یہ کہ حضرت علی رضؓ ایک مرتبہ بصرہ آئے۔ کوئی انھیں شناخت نہ کر سکا۔ حضرت حسن بصری نے پہچانا۔ چنانچہ آپ نے حضرت علیؓ کی خدمت میں عرض کیا: "حضرت مجھے وضو کی تعلیم دیجیے۔" حضرت علی رضؓ نے پانی منگوایا اور سامنے بیٹھ کر وضو بنایا۔ حضرت حسن بصری کو تعلیم ملی۔ یہ تعلیم ایک طرح کی اجازت تھی[1]۔ صوفیہ یہ بھی کہتے ہیں کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت اویس قرنی کو ایک خرقہ بھیجا تھا[2]۔

خرقہ اور تلقین کی اصل کے معاملہ میں محدثین اور علماءِ تصوف کے مابین ہمیشہ اختلاف موجود رہا ہے۔ علماءِ حدیث کے معیار و میزان پر وہ روایات پوری نہیں اترتیں جن میں حضرت حسن بصری کو حضرت علیؓ کا شاگرد بتایا گیا ہے۔ دوسری طرف علماءِ تصوف یا وہ اہلِ قلم جو تصوف کے لیے اپنے دِلوں میں نرم گوشہ رکھتے ہیں، حضرت علی رضؓ کو علمِ باطن کا حامل اور حضرت حسن بصری کو ان کا شاگرد ثابت کرنے کے لیے کثیر تعداد میں احادیث واخبار اور آثار نقل کرتے چلے آئے ہیں۔ امام جلال الدین سیوطی نے " اتحاف الفرقة بوصل الخرقة " کے نام سے اس موضوع پر ایک رسالہ لکھا ہے جس میں انھوں نے حضرت حسن بصری کو حضرت علی کرم اللہ وجہ کا شاگرد ثابت کرنے کی کوشش کی ہے[3]۔ شاہ ولی اللہ دہلوی رحؒ نے حضرت علی رضؓ کے ساتھ حضرت حسن بصری کی ملاقات

---

[1] جوامع الکلم ص ۲۵۴

[2] لطائف اشرفی ۱ : ۳۲۳

[3] یہ رسالہ امام جلال الدین سیوطی کے دوسرے رسائل "مجموعہ رسائل تسعہ سیوطی" میں شامل ہے۔ مجموعہ مطبع محمدی لاہور سے چھپا ہے سنہ طباعت درج نہیں ہے " اتحاف الفرقة بوصل الخرقة" صفحہ ۲ کی پہلی سطر سے شروع ہو کر صفحہ ۴ کی تیرہویں سطر پر ختم ہوتا ہے رسالہ کل ملا کر ۶۶ سطروں پر مشتمل ہے ہر سطر میں اوسطاً ۱۵، لفظ ہیں، اس طرح یہ رسالہ کم وبیش ایک ہزار الفاظ پر مشتمل ہے۔ یہ رسالہ " فخرالحسن " کے آخر میں بھی شامل ہے۔

صغرِ سنی کی بنا پر مشکوک قرار دی تو سلسلہ چشتیہ کے ایک بزرگ شیخ فخر الدین نظامی چشتی دہلوی[۱] (۱۱۲۶ھ-۱۱۹۹ھ / ۱۷۱۴-۱۷۸۴ء) نے ان کی تردید کی اور "فخر الحسن" کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں انھوں نے متعدد روایات سے ان کی ملاقات کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے[۲]۔ شیخ فخر الدین نظامی نے کتاب لکھ کر اپنی مجلس میں جستہ جستہ سنائی۔ ایک ارادت مند نے کتاب کا نام "فخر الحسن" تجویز کیا جسے شیخ نے خندہ پیشانی سے پسند فرمایا۔ اس کتاب کو اہلِ حال کے حلقوں میں بے حد مقبولیت حاصل ہوئی۔ مولانا عبد العلی بحر العلوم[۳] (۱۱۴۴-۱۲۳۵ھ / ۱۷۳۱-۱۸۱۹ء) نے کتاب دیکھ کر اسے پسند کیا اور کہا کہ حسنِ اعتقاد کے ساتھ ہم جانتے ہیں کہ اس بارے میں بزرگوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ حق ہے لیکن مولانا کی یہ تحقیق ہمیں معلوم نہ تھی[۴]۔ اربابِ حال کے نزدیک اس کتاب کی اہمیت اور مقبولیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ مولانا محمد علی خیر آبادی[۵] (۱۱۹۲-۱۲۶۶ھ / ۱۷۷۸-۱۸۴۹ء) کے خلیفہ اور مرید مولانا حسن الزماں حیدر آبادی نے عربی میں "القول المستحسن فی فخر الحسن" کے نام سے اس کی ایک ضخیم شرح لکھی[۶] اور مولانا ابو الحسنات عبد الغفور داناپوری نے اردو زبان میں "علی حسن" کے نام سے اس کا ترجمہ کیا[۷] جس میں انھوں نے "القول المستحسن" کی تشریحات سے بھی استفادہ کیا ہے

۱۔ شیخ فخر الدین نظامی چشتی دہلوی کا مولد اورنگ آباد اور مسکن و مدفن دہلی ہے انھیں اپنے والد سے ارادت حاصل تھی۔ ۳۴ سال کی عمر میں دہلی آکر رشد و ہدایت کا کام شروع کیا مزار خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے مزار کے قریب واقع ہے:

غلام محمد ہادی علی خاں چشتی کشمیری لکھنوی۔ مناقب حافظیہ، مطبع احمدی کانپور ۱۳۰۵ھ ص ۲۱-۲۳

۲۔ فخر الدین نظامی چشتی دہلوی۔ فخر الحسن مع ترجمہ علی حسن، مطبع النبیع بانکی پور ۱۳۲۱ھ/ ۱۹۰۳ء

۳۔ مولانا عبد العلی فرنگی محلی الملقب بہ بحر العلوم، لکھنؤ کے مشہور عالم شیخ ابن عربی کے فلسفہ سے متاثر تھے۔

۴۔ مناقب حافظیہ ص: ۱۷

۵۔ شیخ حافظ محمد علی خیر آبادی خیر آباد (یو۔پی) کے مشہور چشتی بزرگ گزرے ہیں مزار خیر آباد میں ہے ان کے حالات و ملفوظات غلام محمد ہادی علی خاں نے "مناقب حافظیہ" میں جمع کیے ہیں۔

۶۔ حسن الزماں حیدر آبادی۔ "القول المستحسن فی فخر الحسن" مطبعۂ عزیزیہ دکن ۱۳۱۲ھ۔ کتاب کی ضخامت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس کی پہلی جلد بڑی تقطیع کے ۵۸۴ صفحات پر مشتمل ہے۔

۷۔ "فخر الحسن مع ترجمہ علی حسن" مطبع النبیع بانکی پور ۱۳۲۱ھ/ ۱۹۰۳ء

افادۂ خاص و عام کی غرض سے "فخر الحسن" کا عربی متن اور اردو ترجمہ الموسوم بہ "علی حسن" کتابی شکل میں "فخر الحسن مع ترجمہ علی حسن" کے نام سے شائع کیے گئے[1] فخر الحسن مع ترجمہ "علی حسن" کے آخر میں امام جلال الدین سیوطی کا رسالہ "اتحاف الفرقۃ بوصل الخرقۃ" اور مولانا ابو الحسنات عبد الغفور داناپوری ہی کے قلم سے اس کا اردو ترجمہ "البرۃ فی اتصال الخرقۃ" بھی شامل کیا گیا ہے[2] "مناقب حافظیہ" کے مولف کے مطابق شاہ ولی اللہ دہلوی کے فرزند شاہ رفیع الدین دہلوی (۱۱۶۳ - ۱۲۳۳ھ / ۱۷۵۰ - ۱۸۱۸ء) نے "فخر الحسن" کا جواب لکھنے کی کوشش کی لیکن ہمت نہ ہوئی[3] اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اتحاف الفرقۃ بوصل الخرقۃ، فخر الحسن اور القول المستحسن فی فخر الحسن میں جو روایات جمع کی گئی ہیں اور جن میں اتصال خرقہ اور علمِ باطن کے اثبات کی کوشش کی گئی ہے قاری کو چونکا دینے والی ہیں، لیکن علماءِ حدیث اور فنِ رجال کے ماہرین کی بحث ملاحظہ کرنے کے بعد یہ مانے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ حق علماءِ حدیث کے ساتھ ہے۔ شاہ ولی اللہ دہلوی سے پہلے بھی محدثین کی ایک بڑی تعداد نے اتصالِ خرقہ سے انکار کیا ہے۔ ان کے نزدیک وہ تمام روایات جن میں حضرت علی رضؓ سے حضرت حسن بصری کی سماعت کا ذکر ملتا ہے متن اور سند کے لحاظ سے اصولِ فن کے میزانِ عدل میں پوری نہیں اترتیں۔ امام جلال الدین سیوطی، فخر الدین نظامی اور مولانا حسن الزماں حیدرآبادی نے حضرت حسن بصری کی وہ روایات نقل کی ہیں جن کی سماعت انھوں نے حضرت علی رضؓ سے کی ہے۔ مگر محدثین اور فن اسماء الرجال کے ماہرین نے اپنی کتابوں میں ان میں ایک ایک روایت مستر د کر کے کہا ہے کہ حضرت علی رضؓ سے حضرت حسن بصری

---

[1] بانکی پور والے ایڈیشن میں فخر الحسن کے عربی متن کے متوازی علی حسن کے زیر عنوان اردو ترجمہ دیا گیا ہے ہر صفحہ کے دائیں طرف فخر الحسن کی عبارت اور بائیں طرف "علی حسن" کے زیر عنوان اردو ترجمہ موجود ہے۔

[2] فخر الحسن مع ترجمہ علی حسن کے آخر میں صفحہ ۷۴ - ۸۰ تک "اتحاف الفرقۃ بوصل الخرقۃ" اور اس کا اردو ترجمہ "البرۃ فی اتصال الخرقۃ" شامل ہے۔ ہر صفحہ کے دائیں طرف اتحاف الفرقۃ کی عبارت اور بائیں طرف "البرۃ فی اتصال الخرقۃ" کے زیر عنوان اردو ترجمہ موجود ہے۔ دیکھیے فخر الحسن مع ترجمہ علی حسن ص ۷۴ - ۸۰

[3] مناقب حافظیہ ص ۱۷۱

کی ملاقات ہی نہیں ہوئی ہے۔ البتہ ایک حدیث ضرور ایسی ہے جس پر بعض علماء نے سکوت اختیار کیا ہے یا کم از کم اسے موضوع نہیں کہا ہے۔ وہ حدیث یہ ہے:

مثل امتی کالمطر لایدری اولہ خیر أم آخرہ[1] — میری امت کی مثال بارش کی ہے جس کے بارے میں یہ نہیں معلوم ہے کہ اس کا پہلا حصہ بہتر ہے کہ آخری۔

⁂

یہ حدیث مختلف طُرق سے مروی ہے[2] لیکن مسند ابویعلی میں اسے حضرت حسن بصری نے حضرت علی رضی سے سُنا ہے، بعض علماء کے نزدیک چوں کہ اس کے رواۃ ثقہ ہیں، اس لیے اس سے دونوں کی ملاقات ثابت ہوتی ہے[3]۔ بعض علماء کے نزدیک یہ حدیث حضرت علی رض سے حسن بصری کی سماعت (کے اثبات) کے لیے "نص صریح" ہے[4]۔ تاہم کسی محدّث نے اسے صحیح حدیث کا مرتبہ نہیں دیا ہے۔ یہ حدیث الفاظ کے تغیر کے ساتھ جن دوسرے طرق سے مروی ہے ان کے لحاظ سے اس پر کلام کیا گیا ہے[5]۔ لیکن جن لوگوں نے اسے حضرت حسن بصری سے روایت کیا ہے وہ بعض علماء کے نزدیک ثقہ ہیں اس لیے ان کے نزدیک اس حدیث کو "حسن" کا درجہ حاصل ہے؛ تاہم یہ حدیث ضعف کے دوسرے وجوہ سے خالی نہیں ہے۔ یہ مسند ابی یعلی کی حدیث ہے[6]

---

[1] اتحاف الفرقۃ بوصل الخرقۃ مشمولہ رسائل تسعہ ص ۴، القول المستحسن فی فخر الحسن ۱ : ۲۰۱

[2] المقاصد الحسنہ ص ۳۷۴ - ۳۷۵

[3] حاشیہ المقاصد الحسنہ ص ۳۷۵

[4] اتحاف الفرقۃ بوصل الخرقۃ مشمولہ رسائل تسعہ سیوطی ص ۴ "ھذا نص صریح فی سماع الحسن من علی"۔

[5] المقاصد الحسنہ ص ۳۷۴ - ۳۷۵، کشف الخفاء ۲ : ۱۹۷ - ۱۹۸

[6] حدیث یوں ہے: "قال ابویعلی انا جوثرۃ بن اشرس انا عقبۃ بن ابی الصھباء الباھلی سمعت الحسن یقول سمعت علیاً یقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "مثل امتی مثل المطر لایدری اولہ خیر أم آخرہ"۔ اتحاف الفرقۃ میں غلطی سے جوثرہ کی جگہ جعریرہ بن اشرسی چھپا ہے۔ جوثرہ کو ابن حبان نے ثقہ کہا ہے اور عقبہ کو امام احمد بن حنبل اور یحییٰ ابن معین نے (بقیہ حاشیہ صفحہ دیگر پر)

درایتاً بھی یہ حدیث قرآن حکیم و احادیثِ صحیحہ اور اجماع سے معارض معلوم ہوتی ہے۔ امت کا پہلا حصہ جس میں صحابہ، تابعین اور تبع تابعین شامل ہیں، بعد میں آنے والے مسلمانوں سے بہتر اور افضل ہیں۔ صحابہ کی فضیلت پر قرآن، احادیثِ صحیحہ اور اجماع شاہد ہیں۔ علامہ ابن تیمیہ نے اس حدیث کے لیے "فیہ لینًا" کے الفاظ استعمال کیے ہیں[1]۔ جن محدثین نے حضرت علی رض کے ساتھ حضرت حسن بصری کی سماعت کو تسلیم نہیں کیا، وہ اس حدیث سے باخبر تھے انھوں نے اس حدیث سے آگاہ ہوتے ہوئے بھی ان کی سماعت سے انکار کیا اور اس کے لیے ان کے پاس دلائل بھی ہیں۔

محدثین نے ان تمام روایات کو جن میں علمِ باطن یا اتصالِ خرقہ کی بات کہی گئی ہے، رد کیا ہے۔ علامہ ابن جوزی اس روایت کو جس میں حضرت حذیفہ رض کی جگہ حضرت علی رض کا نام آیا ہے اور جس کو انھوں نے خود بھی نقل کیا ہے، رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ھذا حدیث لا اصل لہ عن	اس حدیث کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
النبی صلی اللہ علیہ وسلم	سے منسوب ہونے کی کوئی اصل نہیں ہے اس
وفی اسنادہ مجاھیل لا یعرفون[2]	کی سند میں مجہول الحال لوگ ہیں جو غیر معروف ہیں۔

امام ابن تیمیہ حضرت علی کرم اللہ وجہ کے ساتھ حضرت حسن بصری کی ملاقات سے متعلق مروی روایات کو رد کرتے ہوئے کہتے ہیں:

(گزشتہ سے پیوستہ) ثقہ گردانا ہے۔: اتحاف الفرقۃ بوصل الخرقۃ مشمولہ مجموعہ رسایلِ تسعہ سیوطی ص ۴، المقاصد الحسنہ حاشیہ ۵، ۳، حدیث کے لیے دیکھیے: سنن ترمذی۔ کتاب الامثال باب ۶ حدیث نمبر ۲۸۶۹، ۵ : ۱۵۲۔ امام ترمذی نے اسے دوسری سند کے ساتھ نقل کیا ہے لیکن انھوں نے اسے "حسن غریب" کہا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کو حسن اور امام نووی نے اسے ضعیف کہا ہے۔ بعض دوسرے علما نے اس حدیث کی تاویل کی ہے۔ دیکھیے تحفۃ الاحوذی، کتاب الامثال باب ۶ حدیث نمبر ۳۰۳۰

[1] مجموع فتاوی ۱۱ : ۳۷۱

[2] تلبیس ابلیس ص ۳۲۱

قد اتفق اهل المعرفة بالمنقولات ان الحسن لم يصحب عليًا ولم ياخذ عنه شيئًا وانما اخذ عن اصحابه كالاحنف بن قيس وسعد بن عباد وامثالهما ولم يقص الحسن فى زمن على ولا فى زمن معاوية وانما قص بعد ذلك[1]

منقولات کی معرفت رکھنے والے اس پر متفق ہیں کہ حسن بصری حضرت علیؓ کی صحبت نہیں پائے ہیں۔ اور نہ انھوں نے ان سے کوئی چیز اخذ کی بلکہ انھوں نے حضرت علی کے صحبت یافتہ لوگوں مثلاً احنف بن قیس سعد بن عباد اور ان دونوں جیسے دوسرے بزرگوں سے تعلیم پائی۔ حضرت حسن بصری نے حضرت علیؓ کے عہد میں وعظ گوئی اختیار نہیں کی نہ حضرت معاویہ کے عہد میں وعظ کیا۔ انھوں نے وعظ گوئی بعد میں اختیار کی۔

حافظ سخاوی اپنے شیخ، شیخ ابنِ حجر عسقلانی کی رائے اتصالِ خرقہ کے بارے میں یوں نقل کرتے ہیں:

"اس کے طرق میں کوئی چیز ثابت نہیں ہے اور نہ کوئی صحیح، حسن یا ضعیف درجہ کی کوئی خبر (حدیث) اس معاملہ میں مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طریقہ پر، جو صوفیہ میں رائج ہے، کسی صحابی کو خرقہ پہنایا ہے۔ اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کسی صحابی کو ایسا کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس معاملہ میں جو کچھ مروی ہے وہ سب صریحاً باطل ہے۔ پھر مفتری کے جھوٹ میں سے ایک قول یہ ہے کہ حضرت علی رضؓ نے حسن بصری کو خرقہ پہنایا ہے۔ ائمۂ حدیث کے نزدیک حضرت علی رضؓ سے حسن بصری کی سماعت ہی ثابت نہیں ہے، انھیں خرقہ پہنانا تو دور کی بات ہے۔[2]

ملا علی قاری نے بھی حافظ سخاوی کے یہ الفاظ نقل کرکے ان کی تائید کی ہے[3]۔ حافظ سخاوی اور ملا علی قاری نے ابنِ حجر عسقلانی کے علاوہ مزید تیرہ ماہرینِ علمِ حدیث کا نام لیا ہے جنھوں نے ابنِ حجر عسقلانی سے پہلے اسی رائے کا اظہار کیا ہے۔ ان میں علمِ حدیث کے چوٹی کے علماء شامل ہیں۔ ان میں سے بعض علماء ایسے ہیں جنھوں نے تبرکاً خود بھی خرقہ پہنا ہے اور دوسروں کو پہنایا ہے لیکن اتصالِ

---

[1] مجموع فتاوی ۱۳ : ۲۴۴

[2] المقاصد الحسنہ ص ۳۳۱ [3] الموضوعات الکبیر ص ۵۵

امر کے طور پر یا تبرکاً خرقہ پہننے یا پہنانے کے باوجود حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھوں حضرت حسن البصری کو خرقہ پہنائے جانے کی روایت ان کے نزدیک باطل ہے[1] ان علماءِ حدیث میں ابن دحیہ[2] (۵۴۴–۶۳۳ھ / ۱۱۴۹–۱۲۳۵ء) ابن الصلاح[3] (۵۷۷–۶۴۳ھ / ۱۱۸۱–۱۲۴۵ء) دمیاطی[4] (۶۱۳–۷۰۵ھ / ۱۲۱۷–۱۳۰۶ء) ذہبی[5] (۶۷۳–۷۴۸ھ / ۱۲۷۴–۱۳۴۸ء) ہکاری[6] (م ۷۶۳ھ / ۱۳۶۱ء) ابو حیان[7] (م ۷۵۴ھ / ۱۳۵۳ء) علائی[8] (م ۷۶۱ھ / ۱۳۵۹ء) مغلطائی[9] (م ۷۶۲ھ / ۱۳۶۰ء) ابن الملقن[10] (م ۸۰۴ھ / ۱۴۰۱ء) الانباسی[11] (۸۲۹–۸۹۱ھ / ۱۴۲۶–۱۴۸۶ء) برہان حلبی[12] (م ۸۴۱ھ / ۱۴۳۷ء) ابن ناصر الدین[13] (م ۸۴۲ھ / ۱۴۳۸ء) اور عراقی[14] شامل ہیں[15]۔

۱؎ المقاصد الحسنہ ص ۳۳۱

۲؎ ابو الخطاب ابن دحیہ بلنسیہ (مشرقی اندلس) میں پیدا ہوئے۔ بلادِ اسلامیہ کے مختلف علماء سے حدیث پڑھی، قاہرہ میں وفات پائی۔ وفیات الاعیان ۴ : ۴۴۸

۳؎ شیخ عثمان بن عبد الرحمن شہرزوری تفسیر، فقہ، حدیث، اسماء الرجال کے نادرۂ روزگار عالم تھے ان کی مایۂ ناز تصنیف "مقدمہ" ہے۔ دمشق میں وفات پائی : تذکرۃ الحفاظ ۴ : ۱۴۳۰، وفیات الاعیان ۳ : ۲۴۳، البدایہ والنہایہ ۱۳ : ۱۶۸

۴؎ عبد المومن خلف الدمیاطی شافعی حافظ حدیث تھے۔ قاہرہ میں وفات پائی: تذکرۃ الحفاظ ۴ : ۱۴۷۷، الاعلام ۴ : ۳۱۸

۵؎ ترکمانی الاصل امام حدیث، ماہر فن رجال اور مورخ، تقریباً ایک سو کتابوں کے مصنف ہیں۔ دمشق میں وفات پائی۔ ابو المحاسن الحسینی الدمشقی۔ ذیل تذکرۃ الحفاظ للذہبی، دار احیاء التراث العربی ص ۳۴، مفتاح السعادۃ ۱ : ۲۱۲، الاعلام ۶ : ۲۲۲

۶؎ شیخ الاسلام احمد بن محمد الہکاری، فن رجال کے مشہور ماہر ہیں، صحیحین کے رجال پر ان کی ایک تصنیف ہے۔

۷؎ ابو حیان مشہور مفسر اور عالم مراد ہیں، تذکرہ آگے آرہا ہے۔

۸؎ علامہ ابو سعید خلیل بن کیکلدی العلائی، بیت المقدس کے عالم، حدیث، فقہ، اصول اور نحو کے امام مانے جاتے ہیں۔

۹؎ امام علاء الدین مغلطائی الحنفی المصری، انساب و حدیث کے ماہر، ایک سو کتابوں کے مصنف اور ابن ماجہ و ابو داؤد کے شارح ہیں۔

۱۰؎ ابو حفص سراج الدین عمر بن علی الملقن، شافعی عالم اور امام حدیث، کثیر التصانیف عالم، صحیح بخاری کی شرح کے لیے مشہور ہیں۔

۱۱؎ شافعی فاضل عبد الرحیم بن ابراہیم الانباسی کا مولد و منشا قاہرہ ہے۔ معجم المولفین ۶ : ۲۰۱

۱۲؎ طرابلسی الاصل شافعی عالم ابو الوفاء ابراہیم بن محمد خلیل، دیار حلب کے شیخ الحدیث، شرح البخاری و شرح الشفاء لعیاض کیلئے مشہور ہیں

۱۳؎ محمد بن ابوبکر بن عبد اللہ القیسی الدمشقی الشافعی المعروف بہ ابن ناصر الدین، شام کے محدث و مورخ کا مولد و مدفن دمشق ہے امام ابن تیمیہ کا دفاع کیا ہے اور خرقہ کے موضوع پر ایک جزو بھی تحریر کیا ہے۔

۱۴؎ المقاصد الحسنہ ص ۳۳۱

محدثین نے نہ صرف یہ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہ سے حضرت حسن بصری کی ملاقات والی روایات کو مسترد کیا ہے، بلکہ انھوں نے ستر بدری صحابہ سے حضرت حسن بصری کی ملاقات کو بھی بازاری روایات میں سے ایک روایت سے تعبیر کیا ہے[1] امام مسلم[2] (۲۰۴-۲۶۱ھ / ۸۱۹-۸۷۴ء) روایت کرتے ہیں:

حدثنی حسن بن علی الحلوانی قال	مجھ سے حسن بن علی حلوانی نے کہا کہ مجھ
حدثنی یزید بن ھارون اخبرنا ھمام	سے یزید بن ہارون نے بیان کیا کہ ہمیں ہمام
قال دخل ابوداؤد الاعمٰی علی قتادہ	نے خبر دی کہ ابوداؤد الاعمیٰ قتادہ کی مجلس میں
فلما قام قالوا ان ھذا یزعم انه	آئے۔ جب وہ اٹھے تو لوگوں نے کہا کہ یہ شخص
لقی ثمانیة عشر بدریا فقال	دعویٰ کرتا ہے کہ اس نے اٹھارہ بدری صحابہ
قتادہ ھذا کان سائلا قبل	سے ملاقات کی ہے۔ اس پر قتادہ نے کہا کہ
الجارف لا یعرض فی شیئ من	یہ طاعون جارف (۶۹ھ) سے پہلے بھیک
ھذا ولا یتکلم فیه، فواللہ	مانگا کرتا تھا اس سے نہ تو تعرض کیا جائے
ماحدثنا الحسن عن بدری	اور نہ اس میں کلام کیا جائے قسم بخدا ہم سے
مشافھة ولا حدثنا سعید بن	حسن بصری نے کسی بدری صحابی سے بالمشافہ
المسیب عن بدری مشافھة	ملاقات کا ذکر نہیں کیا اور نہ سعید بن مسیب
الا عن سعد بن مالک[3]	نے کہا کہ انھوں نے کسی بدری صحابی سے ملاقات
	کی ہو سوائے سعد بن مالک کے۔

---

[1] تہذیب التہذیب ۲ : ۲۶۷

[2] مسلم بن حجاج بن کوشاد قشیری المعروف بہ امام مسلم، "صحیح مسلم" کے جامع ہیں۔ مولد نیشاپور اور مدفن نصیر آباد (مضافات نیشاپور) ہے۔ تذکرۃ الحفاظ ۲ : ۵۸۸، وفیات الاعیان ۵ : ۱۹۴

[3] امام مسلم۔ صحیح مسلم شریف بشرح نووی، داراحیاء التراث العربی بیروت، الطبعۃ الثانیہ ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء ۱ : ۱۰۵-۱۰۷

مسلم شریف کے شارح امام نووی[1] (۶۳۱-۶۷۶ھ / ۱۲۳۳-۱۲۷۷ء) اس روایت کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اس کلام سے مراد ابوداؤد داعمی کے اس قول اور زعم کی تردید کرنا ہے کہ اس نے اٹھارہ بدری صحابہ سے ملاقات کی ہے۔ قتادہ کا کہنا ہے کہ حسن بصری اور سعید بن مسیب ابوداؤد سے عمر میں بڑے اور بزرگ تھے اور حدیث وعلماءِ حدیث کی صحبت کے لیے اور صحابہ سے علم حاصل کرنے میں کوشاں رہتے تھے مگر اس کے باوجود ان دونوں بزرگوں میں سے صرف ایک بزرگ سعید بن مسیب نے صرف ایک بدری صحابی سے حدیث بیان کی ہے۔

پس ابوداؤد داعمی کیسے دعوی کرتا ہے کہ اس نے اٹھارہ بدری صحابہ سے ملاقات کی ہے؟

یہ بہت بڑا بہتان ہے[2]"

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ امام مسلم جیسے امامِ حدیث کے نزدیک بھی حضرت حسن بصری کی سماعت کسی بدری صحابی سے ثابت نہیں ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی بدری صحابہ میں شامل ہیں۔

ابنِ ندیم نے تصوف کی جو سند بیان کی ہے، اس میں حضرت علی رضؓ کا نام نہیں ہے بلکہ اُن کی جگہ حضرت انس بن مالک[3] رضؓ (۱۰ ق ھ - ۹۳ھ / ۶۱۲ - ۷۱۲ء) کا نام دیا ہے[4] اس سے لگتا ہے کہ چوتھی صدی ہجری کی ابتدا تک حضرت علی رضؓ کو تصوف کا امام نہیں سمجھا جاتا تھا، یا یہ کہ حضرت علی رضؓ کے حاملِ علمِ لدُنّی ہونے کا تصور متقدمین صوفیہ کے یہاں اتنا قوی نہ تھا جتنا بعد کے زمانہ میں ہوا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہ کو سرچشمۂ تصوف قرار دینے میں صوفیہ اہلِ تشیع سے متاثر رہے ہیں۔

خواجہ بندہ نواز گیسودراز کا بیان ہے کہ جس کسی کو دولتِ سلوک نصیب ہوئی، اہلِ بیت ہی کے طفیل نصیب ہوئی۔ سلطان العارفین بایزید بسطامی نے ایک سو تیس پیروں کی خدمت کی لیکن مقصود

---

[1] ابوزکریا یحیٰی بن شرف بن مری بن حسن الخزامی الحورانی، النووی شام کے مشہور محدث اور عالم تھے اور انھوں نے مسلم شریف کی شرح کی ہے: شذرات الذهب ۵ : ۳۵۴، تذکرۃ الحفاظ ۴ : ۱۴۷۰، البدایہ والنہایہ ۱۳ : ۲۷۸

[2] صحیح مسلم شریف بہ شرح نووی ۱ : ۱۰۷

[3] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص خادم اور مشہور صحابی، ان سے ۲۲۸۶ احادیث مروی ہیں۔

[4] الفہرست ص ۲۷۴

تک رسائی نہ ہوئی جس کے پاس گئے اس نے جواب دیا کہ تمھاری بات ہماری فہم سے بالاتر ہے آخر میں حضرت امام جعفر صادق کے پاس گئے تو انھوں نے فرمایا کہ یہ دولت صرف ہمارے خانوادہ سے ملتی ہے۔ اس کے بعد آپ نے فراشی کا حکم دیا۔ حضرت بایزید نے عرض کیا کہ میں نے ایک سو تیس پیروں کی خدمت کی ہے لیکن مقصود کا نشان کسی نے نہیں بتایا۔ حضرت امام جعفر صادق نے جواب دیا کہ جس مقصود کا ذکر تم کرتے ہو وہ ہمارے خانوادہ کے علاوہ کہیں اور نہیں ملتا ہے۔ بایزید بسطامی نے بارہ سال ان کی خدمت کی۔ ایک روز حضرت امام جعفر صادق نے کہا: "طیفور طاق پر سے کاغذ اٹھا لاؤ"۔ حضرت بایزید نے جواب دیا: "یہاں کوئی طاق بھی ہے"۔ حضرت امام نے کہا سبحان اللہ! بارہ سال فراشی کی ہے اور نہیں جانتے کہ طاق کہاں ہے؟ بایزید نے جواب دیا: "اے فرزند رسول صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اس شخص پر تعجب ہے جو آپ کی خدمت کرے اور اسے دائیں بائیں کی خبر ہو! حضرت امام نے ان کے کام پر نگاہ کی اور فرمایا، بسطام جاؤ میں نے آپ کا کام مکمل کر دیا۔ بایزید واپس آئے۔ اِسی ایک نگاہ کی بدولت انھیں بزرگی نصیب ہوئی[۱]۔ خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کے بہ قول حضرت معروف کرخی (اہلِ بیت کے) دربان اور حضرت بایزید بسطامی فراش تھے[۲]۔ امام اعظم و سفیان ثوری بھی حضرت امام جعفر صادق کے شاگرد تھے[۳]۔ نیز حضرت امام اعظم کی والدہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ امام جعفر صادق کو وضو کراتی تھیں اور جو پانی ان کے وضو سے بچ جاتا تھا اسے خود پی جاتی تھیں۔ اسی پانی کی برکت کا نتیجہ تھا کہ ایسا بیٹا ان سے پیدا ہوا[۴]۔

---

[۱] جوامع الکلم ص ۲۵۴

[۲] جوامع الکلم ص ۲۵۴

[۳] جوامع الکلم ص ۲۵۴

[۴] جوامع الکلم ص ۲۷۳۔ حضرت امام جعفر صادق ۱۷ ربیع الاول ۸۰ھ / ۶۹۹ء یا بہ روایت دیگر ۸۳ھ / ۷۰۲ء کو پیدا ہوئے۔ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ بہ قول ابن خلکان ۸۰ھ / ۶۹۹ء یا بہ روایت مقدمہ اوجز المسالک ۷۰ھ / ۶۹۰ء میں پیدا ہوئے۔ اس لحاظ سے امام اعظم حضرت امام جعفر صادق سے عمر میں ۱۲ سال یا ۹ سال یا ۳ سال (بقیہ صفحہ دیگر)

ہندستان ہی کے ایک دوسرے بزرگ کا بیان ہے:

"حضرت علی رضؓ جملہ اولیاءِ امت کے پیرو مرشد اور رہبرِ باطن رہے ہیں، ان کی بیعت اور توسل کے بغیر امت میں سے کوئی شخص مقامِ عرفان پر فائز نہیں ہوا ہے وہ "اعلم الاصحاب"، "صاحب سرِّ مصطفوی" اور "وصیِ جناب نبوت" ہیں۔ اہلِ سنت والجماعت میں سے کسی کو اس سے اختلاف نہیں ہے اور یہ احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے۔۔۔۔ رہا لسانِ نبوت سے حضرت علی رضؓ کا صفتِ ہدایت سے متصف ہونا تو ابن جریر اور ابن مردویہ نے اپنی تفسیروں، ابن اعرابی اور ابونعیم نے اپنی کتاب کتاب المعرفۃ، دیلمی نے مسند الفردوس نیز ابن عساکر اور ابن نجار نے اپنی تاریخوں میں حضرت ابن عباس رضؓ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ جب قرآن کی آیت "اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (سورۃ الرعد: ۷، آپ صرف ڈرانے والے نبی ہیں اور ہر قوم کے لیے نبی ہوتے چلے آئے ہیں) نازل ہوئی تو آپ نے اپنا ہاتھ سینہ پر رکھ کر فرمایا: میں منذر (ڈرانے والا) ہوں۔ اور ہاتھ سے حضرت علی رضؓ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: "اے علی تم ہادی ہو، میرے بعد ہدایت والے تم سے ہدایت پائیں گے۔"[1]

تصوف میں حضرت علی رضؓ کی منفرد اور ممتاز حیثیت کا اندازہ مولانا روم کے ان اشعار سے لگایا جاسکتا ہے جن کی صدا خانقاہوں کے در و بام سے گونج رہی ہے ؎

تا صورت پیوند جہاں بود علی بود — تا نقش زمیں بود، زماں بود، علی بود
شاہی کہ وصی بود ولی بود علی بود — سلطان سخا و کرم و جود علی بود
آن شاہ سرافراز کہ اندر شب معراج — با احمدِ مختار یکی بود علی بود

(گزشتہ سے پیوستہ) بڑے ہیں یا کم از کم ہم عمر ہیں، اس لیے یہ کہنا درست نہیں ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ کی والدہ حضرت امام جعفر صادق کو وضو کراتی تھیں اور وضو کے بچے ہوئے پانی کی برکت سے امام اعظم جیسا بیٹا پیدا ہوا۔ یہ روایت عقلاً و نقلاً غلط ہے۔

[1] مناقب حافظیہ ص ۱۶۳۔

آن شیر دلاور کہ برای طمع نفس — برخوان جہان پنجہ نیالود علی بود
سر دو جہان جملہ ز پیدا و ز پنہاں — شمس الحق تبریز کہ بنمود علی بود
ہارون ولایت ز پس موسیٰ عمران — باللہ کہ علی بود علی بود علی بود
این یک دو سہ بیتی کہ بگفتم بہ حقیقت — حقا کہ سر او من و مقصود علی بود[1]

ان اشعار میں جن خیالات کا اظہار کیا گیا ہے ان پر شیعیت کی گہری چھاپ ہے۔ مولانا روم سُنّی تھے۔ ان کا سلسلۂ نسب بھی حضرت ابوبکر صدیق رضؓ سے ملتا ہے۔ انھوں نے اپنے سُنّی العقیدہ ہونے کا اظہار بھی متعدد مقامات پر کیا ہے، بنا بریں یہ کہنا غلط ہے کہ وہ شیعہ تھے لیکن چوں کہ وہ صوفی تھے اس لیے حضرت علی رضؓ کے متعلق ایسے خیالات کے اظہار سے وہ اپنے آپ کو باز نہ رکھ سکے۔ یہی حال ایران کے اکثر صوفیہ کا ہے۔ حکیم سنائی[2] (م ۵۲۵ھ / ۱۱۳۱ء) نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب "حدیقہ سنائی" میں خلفاء راشدین کی منقبت والہانہ عقیدت سے لکھی ہے اور حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام لوگوں پر فضیلت دی ہے[3]۔ حضرت عمر فاروق رضؓ اور حضرت عثمان رضؓ کو ایک کٹر سُنّی کی طرح خراجِ عقیدت پیش کیا ہے[4]۔ لیکن حضرت علی رضؓ کی منقبت میں وہی غلو کیا ہے جو اہلِ تشیع کا امتیاز ہے۔ حکیم سنائی بھی حضرت علیؓ رضؓ کو "وصی" مانتے ہیں ؎

مر نبی را وصی و ہم داماد — جانِ پیغمبر از جمالش شاد[5]

آگے چل کر حضرت معاویہ رضؓ اور حضرت علی رضؓ کے مشاجرات کا ذکر یوں کرتے ہیں ؎

---

[1] مراۃ الاسرار ۱ : ۶۷
[2] ابوالمجد مجدد بن آدم، خواجہ یوسف ہمدانی کے مرید تھے۔ فارسی زبان کی صوفیانہ شاعری میں حکیم سنائی کی تصنیف "حدیقہ" کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ مزار غزنین میں ہے۔
[3] حکیم سنائی۔ حدیقہ سنائی مع شرح لطائف الحدائق خواجہ عبداللطیف عباسی، مطبع نول کشور لکھنؤ ۱۸۸۶ء ص ۲۴۱
[4] حدیقہ سنائی ص ص ۲۴۹ - ۲۵۹ -
[5] حدیقہ سنائی ۲۰۸ -

حیدری کس خدای خوانده شیر | کی زدی بر معاویہ شمشیر
شیر روباہ را نیازارد | یک صد گور زندہ بگزارد [۱]

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان جنگ ہوئی، اس میں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ شہید ہوگئے۔ ان کے بارے میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی تھی کہ عمار کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔ چوں کہ حضرت عمارؓ حضرت علی رضؓ کی طرف سے لڑتے ہوئے شامیوں کے ہاتھوں شہید ہوئے تھے اس لیے حضرت معاویہؓ کی فوج میں سراسیمگی پھیل گئی۔ یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے حکیم سنائی نے "حرب صفین وقتل عمار بن یاسرؓ" کے عنوان کے تحت حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ (م ۴۳ھ / ۶۶۳ء) جیسے مشہور اور برگزیدہ صحابی کے لیے اہل تشیع کی روایتی زبان اختیار کی ہے۔ شامی افواج کی پریشانی کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں ؎

کہ شنیدیم ما ز قول رسول ؎ | کہ گفت ایں سخن بشوی بتول
گفت عمار بس ہمایونست | قاتل او بدانکہ ملعونست
ایں زماں کشتہ شد چہ چارہ کنیم | دل دریں درد و رنج پارہ کنیم
ہمہ تیغ و سپر بیفگندند | خود و مغفر ز سر بیفگندند
عمرو عاص ایں حدیث بشنید | بجز از مکر د ہیچ چارہ ندید
گفت ظن شما خطاست چنیں | ایں ہمہ گفتگو چراست چنیں
آں کہ صد سالہ را بحرب آرد | پیشکے زود وکشتہ انگارد
پس علی ہست قاتل عمار | نیست جای ملامت و گفتار
جملہ راضی شدند بشنیدند | رونق کار خود در آں دیدند [۲]

حکیم سنائی نے حضرت عمرو بن العاص رضؓ اور حضرت معاویہ رضؓ کے ساتھ ساتھ ام المومنین حضرت عایشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں بھی مسلک اہل تشیع کی ہم نوائی کی ہے اور حضرت عایشہ رضی اللہ عنہا

---

[۱] حدیقہ سنائی ص ۲۷۱

[۲] حدیقہ سنائی ص ۲۷۹

کے مقام و مرتبہ کو نظر انداز کر کے اہل شیعہ کا لب و لہجہ اپنایا ہے۔

در جمل چوں معاویہ بہ گریخت — خون ناحق بسی بخیرہ بریخت
شد ہزیمت بہ جانب بغداد — گشتہ از فعل زشت خود ناشاد
سرِّ احرار حیدرِ کرّار — سرفراز مہاجر و انصار
چوں مصاف معاویہ بشکست — یافت بر لشکر معاویہ دست
جمل آں ستیزہ را پی کرد — برگ و ساز معاویہ غنی کرد
ہودج زن بخاک تیرہ فتاد — وز خجالت نقاب رخ نکشاد
گفت بد کرد نم امانم دہ — در ترحم کنوں زمانم دہ
چوں بدیدند زود برگشتند — در خوی و خون را نیاغشتند
خواند حیدر برادرش را زود — جملۂ حالہا ورا بنمود
رفت و قتی محمد بوبکر — آں ہمہ صدق فارغ از ہمہ مکر
پس برآہیخت تیغ تا بزند — گفت حیدر مکن کس این نکند
عفو کن تا بسوی خانہ رود — بعد ازیں کارہای بد نہ کند
برگرفتن محمد از سر راہ — جملہ لشکر شدہ ز کار آگاہ
بسوی مکہ زود بفرستاد — در تواضع محل او ننہاد
باہزاراں خجالت و تشویر — رفت زی مکہ جفت و گرم و زحیر[1]

حدیقہ سنائی کی یہ پوری داستان کذب و افترا کا آئینہ ہے۔ ستم بالائے ستم یہ کہ شاعر نے حضرت معاویہ کو جنگِ جمل میں دکھایا ہے حالاں کہ وہ اس وقت شام میں تھے۔ جنگِ جمل میں ایک طرف حضرت عایشہ رض، حضرت طلحہ رض، حضرت زبیر رض اور دوسری طرف حضرت علی رض تھے۔ داستان گو نے "ہودج زن" کہہ کر حضرت عایشہ رضی اللہ عنہا سے دشمنی کا برملا اظہار کیا ہے اور کہا ہے کہ ان کے بھائی محمد بن ابوبکر (۱۰ - ۳۸ھ / ۶۳۱ - ۶۵۸ء) نے ان کو قتل کرنے کے لیے تلوار کھینچ لی لیکن حضرت علی رض نے انھیں ایسا کرنے سے منع

---

[1] حدیقہ سنائی ص ۲۸۰ - ۲۸۱

کیا۔ اس قسم کی روایات صرف اہلِ تشیع کے حلقوں میں بیان کی جاتی ہیں۔ حدیقہ کے شارح عبداللطیف عبّاسی جنھوں نے "لطائف الحدائق" کے نام سے اس کی شرح کی ہے، ان کا خیال ہے کہ حکیم سنائی کی تصنیف میں یہ اشعار الحاقی ہیں۔ چنانچہ انھوں نے اس پر گرفت کر کے لکھا ہے کہ جنگِ جمل کے وقت حضرت معاویہؓ شام میں تھے۔ اور شیعہ و سنّی دونوں فریقین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ جنگ حضرت عائشہ رضؓ، حضرت طلحہ رضؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت علی رضؓ کے درمیان ہوئی تھی۔ عباسی لکھتے ہیں:

"اسناد عدم اطلاع این واقعہ مشہورہ با وجود بزرگی حالی و عالی و جندیں علم و دانش مثل حکیم بزرگے عیاذاً باللہ اسناد جلست با و عیاذاً باللہ منہ پس بحکم عقل و نقل کہ کتبِ معتبرہ سیر مثل روضۃ الاحباب وغیرہا آن ناطقست ثابت و محقق شد کہ این داستان و ما یتعلق بہا درین کتاب الحاقیست واز حکیم نیست"۔[1]

خواجہ فرید الدین عطّارؒ[2] (م ۶۲۷ھ / ۱۲۲۹ء) سُنّی ہیں اور خلفائے راشدین کے عقیدت مند ہیں، لیکن حضرت علی رضؓ کے بارے میں شیعہ افکار سے متاثر ہیں۔ مثلاً حضرت علی رضؓ کے متعلق "الٰہی نامہ" میں لکھتے ہیں:

پیمبر گفت چوں نور دو دیدہ	زیک نوریم ہر دو آفریدہ
علی چوں با نبی باشد زیک نور	یکی باشند ہر دو از دوئی دور
چناں در شہر دانش باب آمد	کہ جنت را بحق نواب آمد[3]

[1] عبداللطیف عبّاسی۔ لطائف الحدائق مع حدیقہ سنائی حواشی ص ۲۸، عبّاسی کی رائے صحیح بھی لگتی ہے حکیم سنائی نے خود کہا ہے: رافضی را محل آں نبود وآنچہ اُو ظن برد چناں نبود

[2] شیخ فرید الدین عطّار، نیشاپور کے مشہور صوفی شاعر گذرے ہیں۔ تذکرۃ الاولیاء، منطق الطیر، الٰہی نامہ، پند نامہ عطّار ان کی مشہور تصانیف ہیں۔ سفینۃ الاولیاء بذیل تذکرہ ص ۷،

[3] فرید الدین عطّار۔ الٰہی نامہ، مطبع نول کشور لکھنؤ ۱۸۷۲ء ص ۸۵، (الٰہی نامہ اگرچہ الگ سے شائع ہوا ہے لیکن اس کا پہلا صفحہ ۷۱، سے شروع ہوتا ہے)

اس کے علاوہ شیخ عطّار کی کتابوں میں بہت سے اشعار ایسے ہیں جو مسلکِ اہلِ تشیع کی ترجمانی کرتے ہیں۔ حالاں کہ شیخ عطّار نے "منطق الطیر" میں صحابہ کے بارے میں حسنِ اعتقاد کا اظہار کرتے ہوئے "در تعصب گوید" کے تحت کہا ہے ؂

پاک از قشر روایت بودہ اند — زانکہ در مغز روایت بودہ اند[1]

بعض لوگوں کی رائے ہے کہ ان بزرگوں کے کلام میں بہ کثرت عبارتیں ملادی گئی ہیں جس طرح کہ معین الدین سجزی کے یہ اشعار حضرت معین الدین چشتی اجمیری رح کی طرف منسوب کیے گئے:

شاہ است حسین شہنشاہ است حسین — دین است حسین دیں پناہ است حسین

سر داد نہ داد دست در دست یزید — حقا کہ بنائے لا الٰہ است حسین

صوفیا کے ملفوظات اور کتابوں میں اس طرح کی عبارتیں بہ کثرت ملتی ہیں، چنانچہ اکثر حضرت علی رضؓ کو "وصی" اور "ظاہر و باطن" حاملِ علم لدنی اور "اول و آخر" کے القاب سے یاد کیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں کتبِ تصوف ان تمام احادیث و آثار سے بھری پڑی ہیں جو اہلِ تشیع میں مشہور ہیں۔

تصوف میں بھی حضرت علی رضؓ کو وہی مقام حاصل ہے جو اہلِ شیعہ کے یہاں انھیں حاصل ہے۔ شیعوں کے نزدیک حضرت علی رضؓ اول و آخر بھی ہیں اور ظاہر و باطن بھی، وہ ولی بھی ہیں اور وصی بھی۔ انھیں مخصوص صفات کی بنا پر ان کے نام کے آخر میں "علیہ السلام" لگایا جاتا ہے حالانکہ علمائے اہلِ سنت کے نزدیک یہ صرف انبیاء کے لیے مخصوص ہے۔ صحابہ کے لیے "رضی اللہ عنہ" استعمال کیا جاتا ہے۔ شیعوں کے یہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ آلام و مصائب سے نجات دلانے والے اور مشکل کشا ہیں۔ "نادِ علی" شیعوں کا مشہور و مجرب عمل اور تعویذ ہے، اور صوفیہ میں بھی اسی شانِ نزول اور پس منظر کے ساتھ اسے قبولِ عام حاصل ہے، جو شیعوں میں مشہور ہے۔ مثلاً سید مظفر علی شاہ چشتی نے "نادِ علی" ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

نادِ علیاً مظہر العجائب تجدہ — (اے محمدؐ) پکار علی کو جو عجائبات کو ظاہر

عوناً لک فی النوائب کل ھم و غم — کرنے والے ہیں، تم اسے مصائب میں اپنا

---

[1] فرید الدین عطّار۔ منطق الطیر، مطبع نول کشور لکھنؤ ۱۲۸۸ھ/۱۸۷۱ء ص ۱۲۔

سینجلی بنبوتك یا محمد — مددگار پاؤ گے، تمام پریشانیاں اور غم جلد ہی،
بولایتك یا علی یا علی — اے محمد تیری نبوت اور اے علی تیری ولایت
یا علی [1] — سے دور ہو جائیں گے۔ یا علی یا علی یا علی۔

سید مظفر علی چشتی لکھتے ہیں کہ ان کلمات کا سببِ نزول یہ ہے کہ غزوۂ تبوک میں جب لشکرِ اسلام کو شکست ہوئی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مقتولوں کے درمیان نظروں سے اوجھل ہوئے تو حضرت جبرئیل یہ کلمات لے کر آئے اور کہا کہ ان کلمات کو پڑھیے۔ ابھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کلمات کو تین بار بھی نہیں پڑھا تھا کہ حضرت علی رضی ظاہر ہوئے۔ انھوں نے بعض کافروں کو قتل کیا بعض کو شکست دی۔ لشکرِ اسلام کو کافی مالِ غنیمت ہاتھ آیا۔ ان کلمات کے سلسلہ میں دو روایات ہیں، ایک میں مظہر العجائب بفتح میم وھا ہے۔ اس لحاظ سے اس کے معنی یوں ہوں گے کہ اے محمد! پکار علی کو کہ عجائب وغرائب کو ظاہر کرنے والا ہے۔[2]

قابلِ ذکر امر یہ ہے کہ شیعہ ائمہ تصوف کے لیے رطب اللسان رہے ہیں۔ قادریہ اور کبرویہ سلسلوں کے پہلے آٹھ واسطے شیعوں کے امام ہیں۔ چنانچہ شیعیت اور تصوف کے درمیان ہمیشہ مضبوط رشتہ رہا ہے۔ صوفیہ بھی خلافتِ باطنی کے قائل ہیں، اس لیے شیعہ کو باطنی نظریہ کے ثبوت میں ایک دلیل فراہم ہوئی۔ اس کے علاوہ صوفیہ باطنی قرابت کے دعوے دار تھے۔ حضرت امام جعفر صادق نے اس قول میں اسی قرابت کی طرف اشارہ کیا ہے:

---

[1] جواہرِ غیبی، کنزِ پنجم ص ۶۴۱۔

[2] جواہرِ غیبی، کنزِ پنجم ص ۶۴۱، بیکتاشی درویشوں میں یہ روایت مشہور ہے کہ جنگِ احد میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم زخمی ہوئے تو جبرئیل نے آکر کہا کہ نادِ علی پڑھو۔ آپؐ نے نادِ علی پڑھنا شروع کیا تو حضرت علیؓ نمودار ہوئے اور کافروں کو قتل کر کے آپؐ کو اور تمام مسلمانوں کو بچایا۔ اسی روایت کو مظفر علی چشتی نے غزوۂ احد کے بجائے غزوۂ تبوک کے تغیر کے ساتھ بیان کیا ہے دیکھیے: پروفیسر یوسف سلیم چشتی۔ اسلامی تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش، مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور ۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء ص ۳۴-۳۵

من عاش فی ظاهر الرسول فهو سُنّی۔ ومن عاش فی باطن الرسول فهو الصوفی۔[۱]

جس نے رسول کی ظاہری زندگی کی روشنی میں زندگی بسر کی وہ سنّی ہے اور جس نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے باطن کے مطابق زندگی گزاری وہ صوفی ہے۔

❖

شیعیت اور تصوف میں حضرت علی رض کی ذات قدر مشترک ہے۔ چنانچہ شیعوں کے نزدیک تصوف بھی حضرت علی رض ہی کا طریقہ ہے۔ مشہور شیعہ عالم حیدر علی آملی[۲] (حیات تا ۷۸۷ھ/۱۳۸۵ء) لکھتے ہیں:

تصوف طریقۂ مرتضوی است و تصوف و تشیع یک معنی دارد۔[۳]

تصوف طریقۂ مرتضوی ہے اور تصوف اور تشیع کے ایک ہی معنی ہیں۔

صوفیہ اور شیعہ کے علاوہ مورخین بھی اس رائے کے قائل ہیں کہ تصوف پر شیعیت کے گہرے اثرات ہیں۔ علامہ ابن خلدون تشیع اور تصوف کے مشترک نکات پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"..... یہاں تک کہ جب انھوں (صوفیہ) نے خرقۂ تصوف کی پوشش کو طریقت وخلوت کی اصل بنایا تو اس کا سرچشمہ بھی حضرت علی رض ہی کو قرار دیا۔ یہ بھی انھیں (شیعہ) کے اثرات کا نتیجہ ہے ورنہ صحابہ میں تنہا حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی طریقت اور خلوت کے ساتھ کسی لباس یا حال کے لیے مخصوص نہ تھے۔ بلکہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے زیادہ زاہد تھے۔ ان میں (صحابہ میں) اکثر عبادت گزار تھے، لیکن ان میں کوئی دین کے کسی مخصوص پہلو کے لیے خاص نہیں ہوا بلکہ تمام صحابہ دین، زہد اور مجاہدہ میں نمونہ تھے۔"[۴]

---

[۱] حلیۃ الاولیاء ۱ : ۲۰

[۲] حیدر علی آملی ایک شیعہ صوفی عالم گزرے ہیں۔ دیکھیے: سید محسن امین۔ اعیان الشیعہ، دار التعارف للمطبوعات بیروت سنہ ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء ۶ : ۲۷۱، معجم المؤلفین ۴ : ۹۱

[۳] اسلامی تصوّف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش ص ۸۶ بحوالہ اصول تصوف از احسان اللہ استخری

[۴] مقدمہ ۱ : ۴۷۳

مصری اہلِ قلم احمد امین بھی ایسے ہی خیالات کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ " شیعوں نے کلام کو ظاہر و باطن میں تقسیم کیا۔ ظاہر وہ جسے عوام سمجھتے ہیں، اور باطن وہ ہے جسے صرف خواص سمجھتے ہیں۔ انھوں نے رمز و کنایہ کی تلاش کی اور آیاتِ قرآنی کی ایسی تفسیر کی، جو حضرت علی رضا اور دوسرے لوگوں کے لیے رمز ہوں۔ مثلاً یٰاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ (سورۃ المائدہ: ۶۷، اے رسول جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے، اسے آپ سب پہنچا دیں، اور اگر آپ ایسا نہ کریں گے تو آپ نے اللہ تعالیٰ کا پیغام نہیں پہنچایا۔) میں " بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ " سے خلافتِ علی رضا مراد ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ان علوم کے پیچھے پوشیدہ اسرار ہیں چنانچہ امام علی زین العابدین نے اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے:

انی لاکتم من علمی جواہرہٗ کیلا یری الحق ذو جھل فیفتتنا

میں اپنے علم کے جواہر چھپاتا ہوں۔ تاکہ ایسا نہ ہو کہ جاہل لوگ حق کو دیکھ کر فتنہ میں پڑیں۔

وقد تقدم فی ھذا ابوحسن الی الحسین واوصیٰ قبلہ الحسنا

اس سے پہلے ابوالحسن علی نے حسین اور ان سے پہلے حسن کو اسی کی وصیت کی ہے۔

ضرب جوھر علم لو ابوح بہ لقیل لی انت ممن یعبد الوثنا

علم کے وہ جواہر اگر میں ظاہر کروں تو لوگ مجھ سے کہیں گے کہ تم بت پرستوں میں سے ہو۔

ولا ستحل رجال مسلمون دمی یرون اقبح ما یاتونہ حسنا

مسلمان میرے خون کو حلال تصور کریں گے اور اچھی شے کو قبیح کہیں گے۔

بعض صوفیہ بھی اسی راہ پر چل کر کہنے لگے کہ علم ظاہر سے ماوراء علم باطن ہے، جسے کمالاتِ لغوی اور براہینِ منطقی سے سمجھا نہیں جاسکتا، بلکہ اسے الہام و مکاشفہ کے ذریعہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔"[۱]

ڈاکٹر زکی مبارک علامہ ابن خلدون کی رائے نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

والواقع ان الصلۃ وثیقۃ بین امر واقعہ یہ ہے کہ تشیع و تصوف میں صلہ وثیقہ

---

[۱] احمد امین، ضحی الاسلام، قاہرہ، الطبعۃ الثانیہ سنہ ۱۳۶۰ھ / ۱۹۴۱ء ص ۲۴۸-۲۴۹، امام زین العابدین کے اشعار صوفیہ کے ملفوظات میں بھی ملتے ہیں۔ دیکھیے جوامع الکلم ص ۲۴۲-۲۴۳

التشیع والتصوف فعلیؓ ھو معبود الشیعہ وھو امام الصوفیہ۔[1] حضرت علیؓ ہیں جو شیعوں کے معبود اور صوفیہ کے امام ہیں۔

ڈاکٹر موصوف نے صوفیہ کی سند، ان کے اقوال بالخصوص ابونصر سراج طوسی کے بیان کردہ اقوال جو "اللمع" میں موجود ہیں، بہ حیثیت دلیل کے پیش کیے ہیں۔ ڈاکٹر موصوف کے بہ قول شیعوں اور صوفیوں میں بہت سی چیزیں مشترک ہیں۔ شیعوں کو میدانِ سیاست میں شکست ملی، صوفیوں کو زندگی کے میدان میں ہزیمت ملی، اور شکست جب دو نفوس کے درمیان قدرِ مشترک بنتی ہے تو وہ دونوں ایک دوسرے کے قریب آتے ہیں۔ اس کتاب (ڈاکٹر زکی مبارک کی کتاب التصوف الاسلامی) میں بہت سے فقرات ایسے آئے ہیں، جن میں کہا گیا ہے کہ آدمی اس وقت صوفی بن جاتا ہے، جب وہ شکست سے دوچار ہوتا ہے، جب وہ مادی عالم میں اپنی سند کھو دیتا ہے تو عالم برزخ میں جا کر غوث سے فریاد کرتا ہے۔ شیعیت اور تصوف میں ایک اور مشترک نکتہ یہ ہے کہ دونوں اسرار پر ایمان رکھتے ہیں اور عوالم غیبیہ میں نجات کے متعلق بحث کرتے ہیں، اس لیے ان کے اوہام و گمان اور خیالات ایک دوسرے سے مشابہت رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر موصوف کے الفاظ میں زندگی کے متعلق نقطۂ نگاہ میں بھی ایک دوسرے کے قریب ہیں اور اصلی دلیل تو یہ ہے کہ تمام مسلمانوں میں اہلِ ایران سب سے زیادہ مائل بہ تصوف ہیں، کیوں کہ اس سرزمین میں صوفیہ شیعوں سے متاثر ہوئے۔[2]

عقائد و نظریات اور رسم و رواج میں بھی صوفیہ اہلِ تشیع سے متاثر ہیں۔ اہلِ بیت کے مشاہد و مزارات اہلِ تشیع کی عقیدت کے مرکز ہیں، چنانچہ شیعہ دور دراز علاقوں سے ان مشاہد کی زیارت کرنے کے لیے سفر کرتے ہیں اور ان مقامات پر پہنچ کر عرضِ حاجات کرتے ہیں۔ یہی حال صوفیہ کا ہے، وہ بھی ان مزارات کو قبلۂ حاجات تصور کرتے ہیں۔ خواجہ گیسو دراز بندہ نواز فرماتے ہیں:

> چند مشہدِ اہلِ بیت نیک معتبر است۔ یکی از آں مشہدِ علی رضؓ دوم مشہدِ حسین رضؓ سوم مشہدِ زین العابدینؒ، چہارم مشہدِ علی موسیٰ رضاؒ سلطانِ خراسان، ہر کوری و کری

---

[1] التصوف الاسلامی ۲ : ۳۳

[2] التصوف الاسلامی ۲ : ۳۵

دنگنگی دلنگی وکوکی کہ در مشہد ایشان رفت و بدآن طریقیکہ میاں ایشان آمدہ است، بر گور ایشان افتاد البتہ البتہ چشم یافت و پا یافت و زبان کشادہ شد۔[۱]"

صوفیہ اور شیعہ دونوں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مخصوص علم کا حامل مانتے ہیں۔ دونوں کے یہاں احادیث و روایات مشترک ہیں، دونوں حضرت علی رض کو "محرم اسرار" کا درجہ دیتے ہیں اور اس کے لیے موضوع احادیث کا سہارا لیتے ہیں۔ چناں چہ دونوں کے یہاں حضرت عبداللہ بن عباس کی یہ روایت ملتی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انا مدینۃ العلم وعلیّ بابہا[۲]	میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے۔

یہ حدیث ان الفاظ میں بھی وارد ہے:

انا مدینۃ العلم وعلیّ بابہا فمن ارادمدینۃ العلم فلیاتہا من بابہا[۳]	میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے پس جو علم کا طالب ہو وہ دروازے سے آئے۔

"سنن الترمذی" میں یہ حدیث ان الفاظ میں آئی ہے:

حدثنا اسماعیل بن موسیٰ اخبرنا	ہم سے اسماعیل بن موسیٰ نے بیان کیا
محمد بن عمر بن الرومی اخبرنا	کہ ہم کو محمد بن عمر بن الرومی نے خبر دی
شریک عن سلمہ بن کُہیل	کہ ہم کو شریک نے سلمہ بن کہیل سے
عن سَوِید بن غفلہ عن الصاجی	اور انھوں نے سوید بن غفلہ سے، سوید

---

۱ جوامع الکلم ص ۲۶۲

۲ مناقب حافظیہ ص ۵۸

۳ یہ حدیث حضرت عبداللہ بن عباس رض سے دس طرق اور حضرت علی رض سے ایک طریقہ سے مروی ہے۔ اَنَا دار الحکمۃ کے الفاظ کے ساتھ حضرت علی رض سے تین طرق سے اور انا مدینۃ الفقہ کے الفاظ کے ساتھ ایک طریقہ سے مروی ہے۔ دیکھیے: ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی الجوزی القرشی۔ کتاب الموضوعات، تقدیم وتحقیق عبدالرحمٰن محمد عثمان دارالفکر، بیروت، الطبعۃ الثانیہ ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء ۱: ۳۴۹ - ۳۵۴

عن علی قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم: "انا دار الحکمۃ وعلی بابھا"[1]	نے ضا بجی سے اور انھوں نے حضرت علی رضہ سے ہم کو اس روایت کی خبر دی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں علم کا شہر ہوں اور علی رضہ اس کا دروازہ ہے۔

امام ترمذی[2] (۲۰۹ - ۲۷۹ھ / ۸۲۴ - ۸۹۲ء) نے کہا ہے: "ھذا حدیث غریب منکر"[3] اس حدیث میں سلمہ بن کُہیل ہیں جو موصوف بالتشیع ہیں[4]۔ حضرت علی رضہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضہ سے یہ حدیث "انا مدینۃ العلم"، "انا دار الحکمۃ" اور "انا مدینۃ الفقہ" کے الفاظ کے ساتھ کل ملا کر پندرہ طُرق سے مروی ہے[5]۔ "انا مدینۃ العلم" کے الفاظ سے اسے حاکم نے مستدرک میں، امام طبرانی[6] (۲۶۰ - ۳۶۰ھ / ۸۷۳ - ۹۷۰ء) نے معجم الکبیر میں اور ابو الشیخ نے سنن میں، اور "انا دار الحکمۃ" کے الفاظ سے اسے امام ترمذی نے جامع ترمذی اور ابو نعیم اصبہانی نے حلیۃ الاولیاء میں روایت کیا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی سے اس حدیث کے بارے میں سوال کیا گیا تو انھوں نے جواب دیا کہ یہ حدیث حسن ہے نہ کہ صحیح جیسا کہ حاکم نے کہا ہے اور نہ یہ موضوع ہے جیسا کہ ابن جوزی کا خیال ہے[7]۔ حافظ ابو سعید علائی کہتے ہیں کہ یہ حدیث طرق کے اعتبار سے حسن ہے، نہ صحیح ہے اور نہ ضعیف، موضوع ہونا تو دور کی بات ہے[8]۔ علامہ ابن جوزی نے اس حدیث کے تمام طرق پر کلام کیا ہے۔ حضرت علی رضہ سے یہ

---

[1] سنن الترمذی۔ ابواب المناقب باب ۸۷، حدیث ۳۸۰۷

[2] الامام الحافظ ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ الترمذی، جامع ترمذی کے مصنف ہیں۔ تذکرۃ الحفاظ ۲: ۶۳۳

[3] سنن الترمذی، ابواب المناقب، باب ۸۷، حدیث ۳۸۰۷

[4] حاشیہ احادیث القصاص ص ۸۷

[5] کتاب الموضوعات ۱: ۳۴۹ - ۳۵۳

[6] محدث امام طبرانی جن کے تین معاجم، معجم صغیر، معجم اوسط، اور معجم کبیر کتب حدیث میں مشہور ہیں۔

[7] الموضوعات الکبیر ص ۲۴

[8] الموضوعات الکبیر ص ۲۴

حدیث جن طرق سے مروی ہے، ان میں ایک پر انھوں نے امام دار قطنی[1] (۳۰۶-۳۸۵ھ / ۹۱۹-۹۹۵ء) کا یہ قول نقل کیا ہے کہ یہ حدیث مضطرب غیر ثابت ہے، سوید کو ضابحی سے سماعت حاصل نہیں ہے۔ اسی طریقہ میں محمد بن عمر الرومی ہیں جن کے بارے میں ابن حبان کا کہنا ہے کہ ثقہ لوگوں سے ایسی احادیث بیان کرتے تھے جو ان کی نہیں ہوتی تھیں، اس لیے کسی حال میں ان سے حجت پکڑنا جائز نہیں ہے۔ دوسرے اور تیسرے طریقہ میں عبدالحمید بن بحر ہیں جن کے متعلق ابن حبان کا بیان ہے کہ وہ حدیث کا سرقہ کرتے تھے اور ثقہ راویوں سے ایسی حدیث لاتے ہیں جو ان کی نہیں ہوتی تھیں۔ اس لیے ان سے بھی حجت پکڑنا جائز نہیں ہے۔ چوتھے طریقہ میں محمد بن قیس ہیں جو مجہول ہیں اور پانچویں میں رواۃ مجاہیل ہیں[2]۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث جن دس طرق سے مروی ہے، ان میں پہلے طریقہ میں جعفر بن محمد البغدادی ہیں، جن پر اس حدیث کے سرقہ کا اتہام ہے۔ دوسرے طریقہ میں جابر بن سلمہ ہیں، یہ بھی اس حدیث کے سرقہ سے متہم ہیں۔ تیسرے اور چوتھے طریقہ میں عثمان بن اسماعیل ہیں، جو یحییٰ ابن معین کے الفاظ میں: "لیس بشیٔ کذاب خبیث رجل سوء" اور دارقطنی کے نزدیک متروک ہیں۔ پانچویں طریقہ میں ابوالصلت ہروی ہیں، جو کذب سے متہم ہیں اسی نے اس حدیث کو ابو معاویہ پر گھڑا اور لوگوں نے اس سے یہ حدیث چرالی۔ چھٹے طریقہ میں احمد بن سلمہ ہیں، جو ابن عدی کے بہ قول ثقہ لوگوں سے باطل روایات بیان کرتا ہے اور احادیث کا سرقہ کرتا ہے۔ ساتویں طریقہ میں سعید بن عقبہ ہیں، جو ابن عدی کے بہ قول مجہول غیر ثقہ ہیں۔ آٹھویں میں ابوسعید العدوی ہیں جو وضاع ہے۔ نویں طریقہ میں اسماعیل بن محمد بن یوسف ہیں، جو ابن حبان کے بہ قول احادیث کا سرقہ کرتا ہے، اسناد کو پلٹ دیتا ہے اس لیے اس سے حجت پکڑنا جائز نہیں ہے۔ دسویں طریقہ میں حسن بن عثمان ہیں، جو احادیث گھڑا کرتے تھے[3]۔

---

[1] ابوالحسن علی بن عمر بن احمد الدارقطنی، مشہور شافعی امام حدیث نے بغداد میں وفات پائی: تاریخ بغداد ۱۲: ۳۴، الاعلام ۵: ۱۳۰

[2] کتاب الموضوعات ۱: ۳۵۳

[3] کتاب الموضوعات ۱: ۳۵۴

طبرانی کی بیان کردہ سند میں ایک راوی عبد السلام بن صالح الھروی ہیں، جو ضعیف ہیں[۱]۔

اس حدیث کو کبار محدثین نے موضوع قرار دیا ہے۔ امام بخاری[۲] (۱۹۴-۲۵۶ھ / ۸۰۹-۸۶۹ء) نے کہا ہے کہ یہ حدیث کسی طرح سے صحیح نہیں ہے[۳]۔ امام یحییٰ ابن معین[۴] (۱۵۱-۲۳۳ھ / ۷۶۸-۸۴۷ء) نے اسے "بے بنیاد جھوٹ" کہا ہے[۵]۔ ابو حاتم اور یحییٰ بن سعید[۶] (۱۲۰-۱۹۸ھ / ۷۳۶-۸۱۳ء) کے نزدیک بھی یہ حدیث جھوٹ ہے[۷]۔ امام ذہبی نے بھی اسے موضوع کہا ہے[۸]۔ ابن دقیق العید[۹] (۶۲۵-۷۱۲ھ / ۱۲۲۷-۱۳۱۲ء) کہتے ہیں کہ یہ حدیث ثابت نہیں ہے[۱۰]۔ امام ابن تیمیہ کے یہاں یہ حدیث علماءِ حدیث کے نزدیک جھوٹی ہے، اگرچہ امام ترمذی نے اس کی روایت کی ہے، مگر اس کے باوجود جھوٹی ہے[۱۱]۔

صوفیہ اور شیعہ میں مشہور ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن حضرت علی رضؓ کی آغوش میں سر رکھے ہوئے تھے، وحی نازل ہو رہی تھی۔ سورج غروب ہو گیا اور حضرت علی رضؓ کی عصر کی نماز چھوٹ گئی۔

۱؎ حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الھیثمی۔ مجمع الزوائد و منبع الفوائد، مکتبہ القدسی قاہرہ، بدون تاریخ طباعت ۹ : ۱۱۴

۲؎ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم البخاری، صحیح بخاری کے مصنف جو قرآن کے بعد " اصح الکتب " ہے۔ وفیات الاعیان ۴ : ۱۸۸

۳؎ المقاصد الحسنہ ص ۹۷-۹۸، کشف الخفاء ۱ : ۲۰۳-۲۰۵، الموضوعات الکبیر ص ۲۴ [سہواً بخاری کی جگہ سخاوی چھپا ہے]

۴؎ فن اسماء الرجال کے مشہور ماہر یحییٰ ابن معین بغدادی، جن کے بارے میں امام احمد ابن حنبل کا بیان ہے کہ یحییٰ ابن معین ہم میں سب سے زیادہ رجال سے واقف تھے : تذکرۃ الحفاظ ۲ : ۴۲۹

۵؎ الموضوعات الکبیر ص ۲۴، المقاصد الحسنہ ص ۹۷-۹۸، کشف الخفاء ۱ : ۲۰۳-۲۰۵

۶؎ سید الحفاظ یحییٰ بن سعید بن فروخ المعروف بہ القطان، فن رجال کے کبار ائمہ میں سے ہیں : تذکرۃ الحفاظ ۱ : ۲۹۸

۷؎ الموضوعات الکبیر ص ۲۴، المقاصد الحسنہ ص ۹۷-۹۸، کشف الخفاء ۱ : ۲۰۳-۲۰۵

۸؎ الموضوعات الکبیر ص ۲۴، المقاصد الحسنہ ص ۹۷-۹۸، کشف الخفاء ۱ : ۲۰۳-۲۰۵

۹؎ شیخ الاسلام تقی الدین ابو الفتح الشافعی کا مولد حجاز ہے۔ انکی مشہور کتابیں شرح العمدہ، امام، کتاب الامام فی الاحکام ہیں : تذکرۃ الحفاظ ۴ : ۱۴۸۱

۱۰؎ الموضوعات الکبیر ص ۲۴، المقاصد الحسنہ ص ۹۷-۹۸، کشف الخفاء ۱ : ۲۰۳-۲۰۵

۱۱؎ احادیث القصاص ص ۷۸

آفتاب غروب ہونے کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی، اے اللہ! علی تو تیری اور تیرے رسول کی اطاعت ہی میں مشغول تھا، پس اس کے لیے سورج لوٹا دُ تاکہ یہ نماز ادا کر سکے۔ چنانچہ غروب ہونے کے بعد سورج لوٹ آیا اور حضرت علی رضؓ نے نماز پڑھی۔ علامہ ابن جوزی نے اس حدیث کے لیے "موضوع بلاشک" کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ ان کے بیان کے مطابق مختلف طُرق سے مروی اس حدیث کے راویوں میں متروک، کذاب، واضعین حدیث اور مثالب صحابہ وضع کرنے والے رافضی لوگ ہیں۔ اس کے واضع کی غفلت کا یہ عالم ہے کہ اسے یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ سورج غائب ہونے کے بعد نماز فوت ہو گئی اور سورج کے واپس آنے پر بھی وہ ادا نہیں بلکہ قضا شمار ہو گی۔ نیز صحیح حدیث کے مطابق سورج حضرت یوشع کے علاوہ کسی کے لیے نہیں روکا گیا۔[1] امام احمد بن حنبل کا کہنا ہے کہ یہ حدیث بے بنیاد ہے[2]۔ بعض محدثین نے سورج واپس آنے کی اس روایت کو صحیح کہا ہے، لیکن ایسا واقعہ اگر وقوع میں آیا ہوتا تو ہزاروں اور لاکھوں لوگ اس واقعہ کا مشاہدہ کرتے، جب کہ یہ محیر العقول واقعہ اتنا مشہور نہیں ہے جتنا کہ اسے ہونا چاہیے تھا۔ اور نہ اس کے رواۃ کی تعداد اتنی کثیر ہے جو ایسے عظیم الشان واقعہ کے مطابق ہو۔ اس لیے اسے صحیح قرار دینے والوں کی رائے محلِ نظر ہے۔

مختلف تفسیروں میں حضرت علی رضؓ کے بارے میں جو حدیث بیان کی جاتی ہے وہ یوں ہے:

حدثنا احمد بن یحیی الصوفی قال حدثنا	ہم سے احمد بن یحیی صوفی نے بیان کیا کہ ہم
الحسن بن الحسین الانصاری قال	کو حسن بن حسین انصاری نے کہا کہ ہم سے معاذ
حدثنا معاذ بن مسلم حدثنا الھروی عن	بن مسلم، اس نے ھروی سے، اس نے
عطاء بن السائب عن سعید بن جبیر	عطاء بن السائب سے، انھوں نے سعید
عن ابن عباسؓ قال لما نزلت	بن جبیر سے اور انھوں نے حضرت ابن عباس رضؓ

---

[1] کتاب الموضوعات ۱: ۳۵۵-۳۵۷، وفی الصحیح عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم "ان الشمس لم تحبس علی احد الا لیوشع"

[2] الموضوعات الکبیر ص ۲۴ "حدیث ان الشمس ردت علی علی ابن ابی طالب، قال احمد لا اصل لہ"

”إِنَّمَا أَنْتَ مُنْذِرٌ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ“
وضع صلی اللہ علیہ وسلم یدہ علی
صدرہ فقال انا المنذر ولکل
قوم ھاد وأومأ بیدہ الی منکب
علی قال ”انت الھادی یا علی
بک یھتدی المھتدون
بعدی“[1]

سے روایت کی کہ انھوں نے بیان کیا جب آیت ”انما انت منذر ولکل قوم ھاد“ نازل ہوئی تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سینہ پر ہاتھ رکھ کر فرمایا: ”میں منذر ہوں اور ہر قوم کا ہادی ہوتا ہے۔“ پھر انھوں نے حضرت علی کے کندھے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ”اے علی تم ہادی ہو میرے بعد ہدایت پانے والے تم سے ہدایت پائیں گے۔“

اس حدیث کو مفسرین کے علاوہ بعض محدثین اور مورخین نے بھی نقل کیا ہے۔ نیز صوفیہ اسی طرح اس سے حجت پکڑتے ہیں جس طرح اہلِ تشیع اس سے استدلال کرتے ہیں، چنانچہ شیخ جنید بغدادی کے نزدیک بھی اس آیت میں ہادی سے مراد حضرت علی رضؓ ہیں۔

لیکن علماءِ حدیث کے نزدیک اس حدیث کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔ امام ابن تیمیہ کے یہاں یہ حدیث بہ اتفاق اہلِ علم موضوع ہے[2]۔ حافظ ابن کثیر[3] (م ۷۷۴ھ/۱۳۷۲ء) نے اس حدیث کے بارے میں کہا ہے کہ اس میں شدید نکارت ہے[4]۔ امام ذہبی نے معاذ بن مسلم کے ذیل میں لکھا ہے کہ

---

[1] ابوجعفر محمد بن جریر الطبری۔ جامع البیان فی تفسیر القرآن، دار المعرفۃ بیروت لبنان، الطبعۃ الرابعۃ ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء الجزء الثالث عشر، سورۃ الرعد ص ۷۲

[2] ابن تیمیہ۔ مقدمہ فی اصول التفسیر، تحقیق الدکتور عدنان زرزور، دار القرآن الکریم الکویت، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء ص ۷۸

[3] حافظ عماد الدین اسماعیل بن کثیر القرشی، شافعی فقیہ، عالم حدیث، مورخ اور مشہور مفسر۔ امام ابن تیمیہ کے شاگرد تھے اور انھیں کی رائے کے مطابق فتویٰ دیتے تھے۔ تاریخ میں ”البدایہ والنہایہ“ اور تفسیر میں ”تفسیر القرآن العظیم“ کے لیے مشہور ہیں۔

[4] ابن کثیر۔ تفسیر القرآن العظیم۔ دار الفکر العربی، تفسیر سورۃ الرعد ۲: ۵۰۲ ”ھذا الحدیث فیہ نکارۃ شدیدۃ“

معاذ مجہول ہیں[1]۔ اور اس نے عطاء بن السائب سے خبرِ باطل روایت کی ہے[2]۔ حسن بن الحسین الانصاری صدوق نہیں ہے، بلکہ رؤساءِ شیعہ میں سے تھا[3]۔ نیز اس کی حدیث ثقہ لوگوں کی حدیث نہیں ہے اور وہ مقلوب روایات بیان کرتا تھا[4]۔ امام ذہبی نے اس کی منکر احادیث میں اس حدیث کو بھی شامل کر کے کہا ہے کہ حسن نے اسے معاذ سے سنا اور شاید معاذ ہی سے یہ آفت آئی ہو[5]۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارہ میں مشہور ہے کہ ایک جنگ کے موقع پر آواز سُنی گئی جو کہہ رہی تھی :

لاسیف الّا ذو الفقار و لا فتی الّا علی بن ابی طالب۔

نہیں کوئی تلوار سوائے ذو الفقار کے اور نہیں کوئی جوان سوائے علی کے۔

یہ حدیث بھی جعلی اور موضوع ہے۔ اس کے راویوں میں شیعہ، متروک الحدیث اور متہم بالوضع لوگ ہیں[6]۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انھوں نے تن تنہا خیبر کا دروازہ اٹھایا جب انھوں نے اسے زمین پر ڈال دیا تو چالیس یا ستر آدمی اسے اپنی جگہ سے ہلا نہ سکے۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ آٹھ آدمیوں نے اسے پلٹنے کی کوشش کی مگر نہ پلٹ سکے۔ اس روایت کو شیعہ اور صوفیہ میں قبولِ عام حاصل ہے، لیکن اس کے راویوں میں شیعہ اور ضعیف لوگ ہیں۔ حافظ سخاوی کہتے ہیں کہ یہ سب کی سب واہی روایات ہیں[7]۔

---

[1] میزان الاعتدال ۴ : ۱۳۲

[2] میزان الاعتدال ۴ : ۱۳۲، خبر باطل سے یہی حدیث مراد ہے جیسا کہ امام ذہبی نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

[3] میزان الاعتدال ۱ : ۴۸۳

[4] میزان الاعتدال ۱ : ۴۸۳

[5] میزان الاعتدال ۱ : ۴۸۴

[6] کتاب الموضوعات ۱ : ۳۸۲

[7] المقاصد الحسنہ ص ۱۹۳

اہلِ تشیع اور صوفیہ دونوں کا عقیدہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضؓ کو وصایا کا ایک صحیفہ عطا فرمایا تھا، جس میں وہ وصیتیں تھیں جن سے دوسرے صحابہ لاعلم تھے۔ لیکن فنِ حدیث کے ماہروں کا کہنا ہے کہ وہ تمام وصایا جو " یا علی " کے الفاظ سے شروع ہوتے ہیں، من گڑھت ہیں۔ ان میں وہ حدیث بھی شامل ہے، جس میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضؓ سے فرمایا تھا " اے علی! میں نے تمھیں اگلوں اور پچھلوں کا علم عطا کیا۔" وصایا میں شامل تمام حدیثیں موضوع ہیں اور ان میں صرف یہ حدیث صحیح ہے: "یا علی انت منی بمنزلۃ ھارون غیر انہ لا نبی بعدی۔" (اے علی! تمھاری مثال میرے لیے ہارون کی ہے، مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا) وصایا کے اس مجموعہ کو حماد بن عمرو بن النصیبی نے گھڑا ہے۔ ملّا علی قاری، صغانی[1] (۵۷۷-۶۵۰ھ / ۱۱۸۱-۱۲۵۲ء)، سیوطی اور دوسرے محدثین کے نزدیک سوائے اس ایک حدیث کے یہ تمام وصایا جعلی اور موضوع ہیں۔[2]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مناقب میں اہلِ تشیع نے کثرت سے جعلی احادیث بنائیں اور تصوف کی راہ سے انھیں احادیث نے اہلِ سنّت کی کتابوں میں جگہ پائی۔ بعض واضعین نے خود اس کا اعتراف کیا ہے کہ انھوں نے حضرت علی رضؓ کے مناقب میں احادیث گھڑ لی ہیں۔ ایک وضّاع سے مرتے وقت کہا گیا کہ کیا وجہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ سے مغفرت نہیں مانگتے؟ تو اس نے جواب دیا "نہیں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ میری مغفرت کرے گا میں نے حضرت علی کے مناقب میں ستر احادیث گھڑ لی ہیں[3]۔" ایک قول کے مطابق شیعوں نے حضرت علی رضؓ کے فضائل میں تین لاکھ احادیث گھڑ لی ہیں۔[4]

شیعہ کی طرح صوفیہ بھی کہتے ہیں کہ تمام بڑے بڑے ائمہ نے اہلِ بیت ہی سے تعلیم پائی ہے مگر

---

[1] برِصغیر کے شہرۂ آفاق محدث شیخ رضی الدین حسن بن محمد عمری الصغانی کا مولد لاہور اور مدفن مکہ مکرمہ ہے۔ مشارق الانوار، التکملہ، العباب الزاخر اور رسالہ فی الموضوعات ان کی تصانیف میں مشہور ہیں۔

[2] الموضوعات الکبیر ص ۸۶

[3] کتاب الموضوعات ۱ : ۳۳۹

[4] الموضوعات الکبیر ص ۱۰۶

ابن تیمیہ نے ان دعووں کو رافضیوں کے اقوال، قرار دیا ہے اور اس سے انکار کیا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے امام جعفر صادقؒ سے اور امام شافعیؒ نے حضرت محمد بن حسنؒ سے علم حاصل کیا ہے۔[۱]

صوفیہ اور شیعہ کا یہ کہنا کہ اعمیٰ، اشج اور اپاہج حضرت علی رضؒ بن موسیٰ رضا کے روضہ پر جاکر ٹھیک ہو جاتے ہیں، یہ بھی جھوٹ اور بہتان ہے۔[۲]

قرآن و حدیث سے ایسی کوئی دلیل نہیں ملتی جس سے یہ ثابت ہو کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کوئی ایسا علم عطا فرمایا تھا، جو دوسرے صحابہ کو نہیں دیا۔ اس کے برعکس جب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ آپ کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی ایسا علم دیا ہے، جو دوسرے لوگوں کو نہیں ملا؟ تو انھوں نے قسم کھا کر انکار کیا اور کہا: "نہیں، قسم ہے اس ذات کی جس نے تخم کو پھاڑا اور ہر ذی روح کو پیدا کیا، البتہ مجھے وہ فہم دیا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو قرآن کا عطا کرتا ہے۔ امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حدثنا احمد بن یونس حدثنا زهیر حدثنا مُطَرِّفٌ ان عامرا حدَّثهم عن ابی جُحَيفةَ رضی الله عنه قال قلتُ لِعَلِيٍّ رضی الله عنه هل عندكم شیئٌ من الوحي اِلا ما فی کتاب الله قال (لا) والذی فلق الحبة وبرءَ النَّسمة مَا اَعْلَمُهُ اِلّاَ فهمًا یعطیه اللهُ رجلاً فی القرآن وما فی هٰذه الصحیفة. قلتُ وما فی الصحیفة؟ قال العقل و فکاکُ الاسیر وان لایُقتل	ہم سے احمد بن یونس نے بیان کیا کہ ہم سے زہیر نے ان سے مطرف نے کہا کہ عامر نے انھیں ابوجحیفہؓ سے روایت کرتے ہوئے کہا کہ ابوجُحیفہؓ نے بیان کیا کہ میں نے حضرت علی سے کہا: "کیا آپ کے پاس اس وحی کے علاوہ جو قرآن میں ہے اور کوئی وحی (علم) ہے؟" تو انھوں نے کہا: نہیں قسم ہے اس ذات کی جس نے تخم کو پھاڑا اور خلق کو پیدا کیا میں کسی ایسے علم سے واقف نہیں ہوں، البتہ وہ فہم ہے جو اللہ تعالیٰ قرآن کا کسی بندے کو عطا کرتا ہے اور جو کچھ اس صحیفہ میں لکھا ہوا ہے۔ میں نے کہا کہ اس صحیفہ میں کیا لکھا ہے؟ تو انھوں نے کہا: دیت

۱۔ ابن تیمیہ۔ منہاج السنۃ النبویۃ، مکتبۃ الریاض الحدیثۃ (بدون سنہ طباعت) ۴ : ۱۴۳

۲۔ الموضوعات الکبیر ص ۸۶

مسلم بکافرٍ[1] — اور اسیر کی رہائی کے احکام اور یہ کہ کافر کے بدلہ مسلمان کو قتل نہ کیا جائے۔

یہی حدیث کتبِ احادیث میں متعدد مقامات پر آئی ہے[2]۔ بخاری کی ایک اور روایت میں یہ حدیث یوں آئی ہے:

.... عن الشعبی عن ابی جحیفة قال قلتُ لعلیٍّ هل عندکم کتاب قال لا، الّا کتابُ اللهِ او فهمٌ أعطِیَهُ رجل مسلم او ما فی هٰذهِ الصحیفة۔ قال قلت فما فی هٰذهِ الصحیفة؟ قال العقل وفکاك الاسیر ولا یُقتَل مسلم بکافرٍ[3]

.... شعبی ابو جحیفہ سے روایت کرتے ہیں کہ اس نے بیان کیا کہ میں نے حضرت علی سے پوچھا کہ کیا آپ کے پاس (کتاب اللہ کے علاوہ) اور کوئی کتاب ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا: نہیں، صرف کتاب اللہ ہے یا وہ فہم ہے جو کسی مسلمان کو عطا کیا جاتا ہے یا وہ چیز ہے جو اس صحیفہ میں ہے۔ میں نے پوچھا اس صحیفہ میں کیا ہے؟ تو کہا: دیت اور اسیروں کی رہائی کے احکام اور یہ کہ کسی مسلمان کو کافر کے بدلہ قتل نہ کیا جائے۔

ان شواہد کی روشنی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے علمِ باطن کی روایات منسوب کرنا غلط ہے۔ اگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو علمِ باطن عطا کیا ہوتا، تو صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جو نیکی اور خیر کے اعمال میں انبیاء کے بعد سب سے آگے رہتے تھے حضرت علیؓ

---

[1] صحیح بخاری، دعاء النبی الی الاسلام، باب فکاک الاسیر، الجزء الرابع ص ۸۴

[2] احمد بن حنبل۔ المسند، تشریح احمد محمد شاکر، دار المعارف بمصر ۱۳۷۳ھ/۱۹۵۴ء، الطبعة الرابعة والثالثة ۱: ۵۹۹-۶۰۰، حدیث نمبر ۵۹۹، ۲: ۳۵-۳۶، اسناده صحیح رواه البخاری مرتین، رواه ایضاً ابوداؤد، والترمذی، والنسائی۔

[3] صحیح بخاری۔ کتاب العلم، باب کتابة العلم، الجزء الاول ص ۳۸۔ نیز دیکھیے بخاری۔ کتاب الدیات، باب لایقتل المسلم بالکافر، الجزء التاسع ص ۱۶ میں اسی روایت میں کہا گیا ہے کہ ابو جحیفہ رضؓ نے یہ بھی پوچھا کہ کیا تمھارے پاس کوئی ایسی چیز ہے جو دوسرے لوگوں کے پاس نہیں ہے؟ اس کے جواب میں حضرت علی نے وہ بات کہہ دی جو اوپر گزر چکی۔

سے اِس کے حصول کی کوشش کرتے۔ خلفاءِ ثلاثہ ہمیشہ ان سے دینی اور اجتماعی معاملات میں رائے لیتے تھے، لیکن انھوں نے کبھی ان سے کسی ایسے علم کے بارے میں سوال نہیں کیا جو صرف حضرت علی رضؓ کو ملا ہو۔ اگر یہ کہا جائے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضؓ کو اس کی اشاعت سے منع کیا تھا تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ جو چیز عہدِ صحابہ میں ممنوع تھی، وہ بعد کے آنے والوں کے لیے کس طرح جائز ہو گئی؟ کیا بعد کے آنے والے نعوذ باللہ صحابہ سے زیادہ اس علم کے سمجھنے کی اہلیت رکھتے تھے؟ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحیح روایات کے مطابق خود کسی مخصوص علم سے انکار کیا ہے اور تمام کبار محدثین، جن کا پایۂ علم و تحقیق میں مفسرین، مورخین اور صوفیہ سے بلند تسلیم کیا گیا ہے، کی رائے بھی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی خاص علم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نہیں دیا تھا۔ اس کے بعد کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی کہ حضرت علی کرم اللہ وجہ کے ارشاد اور محدّثین کی تحقیق کو نظر انداز کر کے موضوع احادیث کا سہارا لے کر علمِ باطن کی بات کی جائے۔

بعض اہلِ علم اور صوفیہ کی روایات کے مطابق آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو وصیت کی تھی کہ میرا خرقہ اویس قرنی کو پہنچا دیا جائے اور ان سے میری امت کے لیے دعائے مغفرت کے لیے کہا جائے۔ چناں چہ حضرت عمر فاروق رضؓ یا حضرت علی رضؓ نے اپنے دورِ خلافت میں اس وصیت کی تعمیل کی، اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا سے قبائلِ ربیعہ و مضر کے بھیڑوں کے بالوں کی تعداد سے زیادہ امتِ محمدیہ کی بخشش فرمائی[1]۔ بعض روایات میں کہا گیا ہے کہ حضرت عمر رضؓ نے اپنے دورِ خلافت میں حضرت علی کو ساتھ لے کر حضرت اویس قرنی کو یہ خرقہ پہنچایا[2]۔ لیکن محدثین کے نزدیک یہ روایات ثابت نہیں ہیں۔ ملّا علی قاری نے حضرت اویس قرنی کو خرقہ ملنے اور حضرت عمرؓ و علیؓ سے ان کی ملاقات اور تلقین متعارفہ کی نسبت کو بے بنیاد قرار دیا ہے۔ اسی طرح آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مصافحہ متصلہ کی نسبت بھی علماءِ اعلام کے نزدیک بے اصل ہے۔ نیز حضرت اویس قرنی کی طرف خرقہ کی نسبت، حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا انھیں خرقہ پہنچانے کی وصیت کرنا اور حضرت عمرؓ و حضرت علیؓ کی طرف سے انھیں خرقہ پہنچا دینا، ان کا خرقہ پانا اور اس قسم کی دوسری روایات ثابت نہیں ہیں[3]۔ ملّا علی

---

[1] سفینۃ الاولیاء ص ۳۰ [2] سفینۃ الاولیاء ص ۳۰-۳۱

[3] الموضوعات الکبیر ص ۵۵

قاری کی اس رائے پر حسن الزماں نے نقد کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس میں کلام نہیں کہ حضرت علی رضؓ اور حضرت عمر رضؓ نے ان سے ملاقات کی تھی، حضرت عمر رضؓ نے انھیں میدانِ عرفات میں حضرت علی رضؓ کی موجودگی میں وہ قمیص پہنائی، جو آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمائی تھی اور حضرت علی رضؓ نے صفین کے موقع پر انھیں وہ رداءِ مبارک پہنائی جو انھوں نے آں حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے پائی تھی۔ یہ دونوں چیزیں انھیں حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے ملی تھیں[1] لیکن انصاف یہ ہے کہ حسن الزماں کی بیان کی ہوئی روایات میں روایتاً و درایتاً کوئی جان نہیں ہے اور حق محدثین اور ملا علی قاری کے ساتھ ہے۔

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کا جو اثر اوپر گزرا ہے، اور جس میں انھوں نے کہا ہے کہ میں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے علم کے دو ظروف (دو عائین)، یاد کیے، ایک کو عوام میں شائع کیا، لیکن اگر دوسرے کو شائع کروں تو میری گردن کاٹی جائے گی۔ صوفیہ کا کہنا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ نے جس ظرفِ علم کی اشاعت نہیں کی، وہ علمِ باطن تھا۔

اِس اثر کو امام بخاری نے روایت کیا ہے، اس لیے شارحینِ حدیث کے یہاں اس کی تشریح بہ آسانی ملتی ہے۔ ملا علی قاری نے حضرت ابو ہریرۃ رضؓ کے شائع کردہ ایک ظرفِ علم سے احکام و اخلاق سے متعلق علمِ ظاہر مراد لیا ہے[1]۔ شارح و محدث قسطلانی[2] (۸۵۲ - ۹۲۳ھ / ۱۴۴۸ - ۱۵۱۷ء) نے اس سے احادیث مراد لیے ہیں[3]۔ ملا علی قاری کے ایک قول کے مطابق علم کی دوسری قسم جسے حضرت ابو ہریرۃ رضؓ نے شائع نہیں کیا، علمِ باطن ہے، چنانچہ اثر کی شرح کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرۃ رضؓ کا یہ

---

[1] ملا علی قاری۔ مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، مرتبہ شیخ محمد بن عبد الحلیم بن عبد الرحیم چشتی، المکتبۃ النوریہ مدنی مسجد دیوبند الہند ۱ : ۳۱۳

[2] ابو العباس شہاب الدین احمد بن محمد القسطلانی، مصر کے مشہور عالمِ حدیث جنھوں نے "ارشاد الساری بشرح صحیح البخاری" کے نام سے صحیح بخاری کی شرح لکھی ہے۔

[3] ابو العباس شہاب الدین احمد بن محمد القسطلانی۔ ارشاد الساری بشرح صحیح البخاری، مطبع نول کشور کانپور کتاب العلم، باب حفظ العلم ۱ : ۱۷۳

کہنا ' اگر میں اس علم کی تفصیلات لوگوں کے سامنے بیان کروں تو میرا حلقوم کاٹ دیا جائے گا ' اس وجہ سے تھا کہ حقیقتِ توحید کے اسرار کی تعبیر علی وجہ مراد مشکل ہے ، اور یہی وجہ ہے کہ جس نے بھی اس معاملہ میں لب کشائی کی ، اس پر حلول والحاد کا وہم ہوا ، کیوں کہ عوام کا فہم مقصودِ اصلی کے ادراک سے قاصر ہوتا ہے اور صوفیہ کا قول ہے ، صدور الاحرار قبور الاسرار[1] (احرار کے سینے اسرار کے گنجینے ہوتے ہیں) امام قسطلانی اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے کہتے ہیں : " یا اس سے مراد وہ مخفی علوم ہوں ، جو اہلِ عرفان و مشاہدات اور کاملین میں سے عارفین باللہ کو علم شرائع اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے احکامات پر عمل کرنے اور شریعت کی حد میں رہنے کے نتیجہ میں خاص طور پر حاصل ہوتے ہیں ۔ اس میں وہی کامیاب ہوتے ہیں جو بحرِ مجاہدات میں غوّاصی کرتے ہیں ، اور انھیں کو یہ سعادت ملتی ہے ، جو انوارِ مشاہدات کے لیے منتخب ہوتے ہیں ۔ لیکن محدث قسطلانی ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ اس سے تنہا علمِ اسرار ہی مراد لینا محل نظر ہے ، کیوں کہ اگر ایسا ہوتا تو کتمانِ علم کی مذمت میں وارد آیت کا ذکر کرنے کے بعد وہ اس کو چھپا نہیں سکتے تھے وہ بھی اس شان کا علم جو ثمرِ علم کا مغز ہو ! نیز حضرت ابوہریرہ رضؓ بغیر کسی تخصیص کے علی العموم اس کی اشاعت سے انکار کیا ہے ۔ لہٰذا اس سے یہ استدلال کیوں کر صحیح ہوگا ؟ پھر حضرت ابوہریرہ رضؓ نے جب خود اس مخفی علم کو ظاہر نہیں کیا ، تو یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ اس سے مراد یہی علم ہے[2]

ملا علی قاری نے اگرچہ دوسرے وعاء سے علمِ باطن مراد لیا ہے ، لیکن اس کے ساتھ ہی انھوں نے بعض لوگوں کی یہ تشریح بھی نقل کی ہے ، کہ یہ وہ علم تھا جس کا تعلق منافقین اور ان کے اعیان یا بنو امیہ کے ظالم والیوں یا ان کے زمانے کے دوسرے فتنوں سے تھا ۔[3] ملا علی قاری کے بیان کے مطابق ابہری[4] (م ۳۳۰ھ / ۹۴۱ء) کا کہنا ہے کہ علماء نے حضرت ابوہریرہ رضؓ کے اس علم کو جسے

---

[1] مرقاۃ المفاتیح ۱ : ۳۱۳

[2] ارشاد الساری بشرح صحیح البخاری (مطبع نولکشور کانپور) کتاب العلم ، باب حفظ العلم ۱ : ۱۷۴

[3] مرقاۃ المفاتیح ۱ : ۳۱۳

[4] ابوبکر عبداللہ بن طاہر الابہری مشایخ جبل میں سے ہیں اور طبقۂ رابعہ میں شمار ہوتے ہیں ۔ ابوبکر شبلی کے دوست ، یوسف بن حسین رازی و مظفر قرمیسینی کے ہم صحبت اور حکیم ترمذی کے معاصر تھے : الطبقات الکبریٰ ۱ : ۱۱۲ ، نفحات الانس ص ۱۱۸ ، سفینۃ الاولیاء ، ص ۱۴۸

انھوں نے شائع نہیں کیا، ان احادیث پر محمول کیا ہے، جن میں ظالم امراء کے نام اور ان کے احوال و ازمنہ کی وضاحت کی گئی تھی۔ حضرت ابوہریرہ رضؓ صراحت کے ساتھ ان کا ذکر نہیں کرتے تھے کیوں کہ انھیں ان کی طرف سے جان کا خطرہ لاحق تھا۔ وہ اشاروں اور کنایوں میں ان میں سے بعض کا ذکر کرتے تھے، مثلاً وہ دعا کرتے تھے کہ میں سنہ ساٹھ ہجری کے آخر سے، اور بچوں کی حکومت سے، اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں۔ اور یہ اشارہ یزید[۱] ابن معاویہ رضؓ (۶۰ھ-۶۴ھ / ۶۷۹-۶۸۳ء) کی خلافت کی طرف تھا، جو ۶۰ سنہ ھ میں منعقد ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوہریرہ رضؓ کی دعا قبول فرمائی اور وہ اس سے ایک سال پہلے وفات پا گئے۔[۲]

قسطلانی نے حضرت ابوہریرہ رضؓ کے چھپائے ہوئے علم کی تشریح میں علم اسرار کا بھی ذکر کیا ہے، لیکن انھوں نے خود بھی اس پر اشکال کا اظہار کیا ہے۔ حدیث کی شرح کے دوران انھوں نے اپنی پہلی رائے ظاہر کرتے ہوئے کہا ہے کہ حضرت ابوہریرہ کے دوسرے ظرفِ علم، جسے انھوں نے شائع نہیں کیا، سے مراد وہ اخبارِ فتن اور قیامت کے شرائط ہیں، جن کی خبر آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئی ہے اور جو قریش کے نادان و کمزور رائے والے لڑکوں کے ہاتھوں دین میں بگاڑ سے متعلق تھیں۔ چنانچہ حضرت ابوھریرۃ رضؓ کہا کرتے تھے، کہ اگر میں چاہوں تو نام بہ نام ان کا ذکر کروں گا اور اس سے مراد وہ احادیث تھیں جن میں ظالم امراء، ان کے نام و احوال اور ان کے زمانوں کا بیان تھا۔[۳] قسطلانی نے حضرت ابوھریرہ رضؓ کی دعا اور یزید بن معاویہ کی خلافت کی طرف ان کے اشارہ کا ذکر کیا ہے۔ بخاری کی سب سے مشہور شرح "فتح الباری" ہے۔ شارح ابن حجر عسقلانی نے حضرت ابوھریرہ رضؓ کے شائع نہ کیے ہوئے علم کے متعلق لکھا ہے، کہ علماء نے اسے ان احادیث پر محمول کیا ہے، جن میں ظالم امراء، ان کے اسماء، واحوال اور ان کے زمانوں کا بیان تھا، اس کے بعد انھوں نے حضرت

---

[۱] حضرت معاویہ رضؓ بن ابی سفیان رضؓ کے فرزند ۳۴ سال کی عمر میں خلیفہ ہوئے۔ کربلا اور حرہ کے واقعات فاجعہ اسی کے دورِ امارت میں پیش آئے۔

[۲] مرقاۃ المفاتیح ۱ : ۳۱۳

[۳] ارشاد الساری بشرح صحیح البخاری، کتاب العلم، باب حفظ العلم ۱ : ۱۷۳-۱۷۴

ابوہریرہ رض کی دعا اور اس میں یزید کی خلافت کی طرف اشارہ ہونے کا ذکر کیا ہے۔[1] ابن حجر عسقلانی نے اس سلسلہ میں ابن المنیر[2] (م ۶۸۳ھ/۱۲۸۴ء) کا یہ قول نقل کیا ہے، کہ باطنیہ نے اس حدیث کو یوں اپنے باطل کے جواز کا ذریعہ بنایا کہ انھوں نے یہ عقیدہ گھڑا کہ "شریعت کا ایک ظاہر اور ایک باطن ہے"۔ اور یہ باطن "انحلال من الدین" پر منتج ہوتا ہے۔[3]

حضرت ابوہریرۃ رض کے اس قول کا کہ، لوگ میری گردن کاٹیں گے، مطلب یہ تھا کہ ظالم جب اپنے افعال و اعمال کی مخالفت سنیں گے تو مجھے قتل کریں گے۔ اور اس کی تائید یوں بھی ہوتی ہے کہ اگر یہ مخفی علم احکامِ شرع سے متعلق ہوتا، تو کتمانِ علم کی مذمت میں وارد آیت کے ذیل میں خود حضرت ابوھریرۃ رض کی حدیث (جو اسی باب میں اس سے پہلے گزر چکی ہے) کے ہوتے ہوئے وہ اسے چھپا نہیں سکتے تھے۔[4] بعض علماء نے اسے قیامت کے شرائط، احوال کے تغیر اور آخر زمانہ میں وقوع میں آنے والی پیشین گوئیوں پر محمول کیا ہے، جن پر عقل و شعور سے عاری لوگ انکار و اعتراض کرتے ہیں۔[5]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے اس اثر کو ان کے دوسرے آثار کی روشنی میں دیکھا جائے تو بات واضح ہو جاتی ہے۔ قسطلانی اور عسقلانی نے بھی اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے کہا ہے کہ بخاری کی "کتاب الفتن" میں اس کا مزید ذکر آئے گا۔ حدیث یہ ہے:

---

[1] احمد بن علی بن حجر العسقلانی۔ فتح الباری، تصحیح و تحقیق عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز، ادارات البحوث العلمیۃ والافتاء والدعوۃ والارشاد بالمملکۃ العربیۃ السعودیہ ۱۳۳۹ھ، کتاب العلم، باب حفظ العلم، حدیث ۱۲۰، ۱ : ۲۱۶

[2] العباس ناصر الدین احمد بن المنیر۔ اسکندریہ کے مالکی قاضی تھے "الانتصاف من صاحب الکشاف" ان کی تصنیف ہے۔

[3] فتح الباری۔ کتاب العلم، باب حفظ العلم ۱ : ۲۱۶

[4] فتح الباری۔ کتاب العلم، باب حفظ العلم ۱ : ۲۱۶-۲۱۷

[5] فتح الباری۔ کتاب العلم، باب حفظ العلم ۱ : ۲۱۷

حدثنا موسیٰ بن اسماعیل حدثنا	ہم سے موسیٰ بن اسماعیل نے بیان کیا کہ ہم سے
عمرو بن یحییٰ بن سعید بن عمرو	عمرو بن یحییٰ بن سعید بن عمرو بن سعید نے کہا
بن سعید قال اَخبرنی جدّی	کہ مجھ سے میرے دادا نے یہ واقعہ بیان کیا کہ
قال کنت جالسًا مع ابی ھریرۃ	میں ابوہریرہ رضؓ کے ساتھ مدینہ میں مسجد نبوی میں
فی مسجد النبی بالمدینۃ ومعنا	تھا، مروان بھی ہمارے پاس تھے۔ ابوہریرہ رضؓ
مروان قال ابو ھریرۃ سمعتُ	نے کہا کہ میں نے اپنے محبوب سچی خبر دینے والے
الصادق المصدوق یقول ھلکۃ	نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ میری امت کی
امتی علی یدی غلمۃٍ من قریش	ہلاکت قریش کے لڑکوں کے ہاتھوں ہو گی۔
فقال مروان لعنۃ اللہ علیھم	مروان نے کہا: "ان لڑکوں پر خدا کی لعنت ہو۔"
غلمۃً فقال ابو ھریرۃ لو شئتُ ان	اس پر حضرت ابوہریرہ نے کہا کہ اگر میں چاہوں
اقول بنی فلان و بنی فلان لفعلتُ	کہ یہ کہوں وہ فلاں اور فلاں کی اولاد ہیں
فکنتُ اُخرج مع جدّی الی بنی	تو ایسا کر سکتا ہوں۔ پھر میں اپنے دادا
مروان حینَ مُلکو بالشام فاذا رأھم	کے ساتھ اس وقت بنو مروان کے پاس شام
غلماناً احداثا، قال عسیٰ ھٰؤلاء	گیا جب انھیں حکومت ملی انھوں نے انھیں نوجوان
ان یکونوا منھم قلنا انت اعلم۔[1]	لڑکے پایا تو ہم سے کہا کہ ممکن ہے یہ انھیں لڑکوں
	میں سے ہوں گے۔ ہم نے کہا آپ بہتر جانتے ہیں۔

٭

شارحینِ حدیث نے اس حدیث کی تشریح کے دوران اُس "ظرفِ علم" کی تصریح کی ہے، جسے حضرت ابوھریرہ رضؓ نے اندیشۂ جان کی بنا پر شائع نہیں کیا۔ چنانچہ قسطلانی کہتے ہیں کہ حضرت ابوھریرہ رضؓ جب بازار میں چلتے تھے تو کہتے تھے کہ اے اللہ! مجھے ۶۰ سنہ ھ اور بچوں کی امارت کے ایام نہ دکھانا۔ فتح الباری میں آیا ہے کہ یہ اشارہ اس طرف تھا کہ لڑکوں کی امارت ۶۰ سنہ ھ میں ہو گی، اور ایسا ہی ہوا، کیوں کہ یزید بن معاویہ رضؓ اسی سنہ میں خلیفہ ہوئے اور ۶۴ سنہ ھ تک حکومت کی۔ حضرت

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الفتن، باب قول النبی ھلاک امتی علی یدی اُغیلمۃٍ، الجزء التاسع ص ۶۰

ابو ہریرہ رضؓ کا یہ قول کہ اگر میں یہ کہنا چاہوں کہ وہ فلاں فلاں کی اولاد ہیں، تو ایسا کرسکتا ہوں، اس بنا پر تھا کہ انھیں ان کے نام معلوم تھے۔ اور یہ علم وہی ظرف تھا، جسے انھوں نے شائع نہیں کیا تھا۔[1]

ان احادیث اور تشریحات سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت ابو ھریرۃ رضؓ کے مخفی علم سے "اخبارِ فتن"، اشراطِ قیامت اور ملاحم مراد ہیں۔ شارحینِ حدیث اور علماءِ اسلام کی اکثریت نے اس کی یہی تشریح کی ہے۔ اس لیے اس سے علم باطن مراد لینا درست معلوم نہیں ہوتا۔ جیسا کہ شارحینِ حدیث نے وضاحت کی ہے کہ اگر اس سے یہی علم مراد ہوتا جو صوفیہ کے یہاں تمام علوم کا مغز ہے تو حضرت ابو ہریرہ رضؓ کے لیے اسے چھپانے کی گنجائش ہی نہیں تھی۔ شارحینِ حدیث نے کتمانِ علم کی مذمت میں نازل آیت کے ذیل میں حضرت ابو ہریرہ رضؓ کی اس روایت کا ذکر کیا ہے، جو اسی باب میں موجود ہے، حضرت ابو ہریرۃ رضؓ کا بیان ہے: "لوگ کہتے ہیں کہ ابو ہریرہؓ کثرت سے حدیث بیان کرتے ہیں، اگر قرآن میں یہ دو آیتیں نہ ہوتیں تو میں حدیث بیان نہ کرتا:

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِن بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ. إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنُوا فَأُولَٰئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ.

(سورۃ التوبہ: ۱۵۹ - ۱۶۰)[2]

جو لوگ اخفا کرتے ہیں ان مضامین کا جن کو ہم نے نازل کیا ہے جو کہ (اپنی ذات میں) واضح ہیں اور (دوسروں کو) ہادی ہیں، بعد اس کے کہ ہم ان کو کتابِ الٰہی (توراۃ و انجیل) میں عام لوگوں پر ظاہر کرچکے ہیں، ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ بھی لعنت فرماتے ہیں اور دوسرے بہتیرے لعنت کرنے والے بھی ان پر لعنت بھیجتے ہیں مگر جو لوگ توبہ کرلیں اور اصلاح کرلیں اور ان مضامین کو ظاہر کردیں تو ایسے لوگوں پر میں متوجہ ہوجاتا ہوں اور میری تو عادت ہے بہ کثرت توبہ قبول کرلینا اور مہربانی کرنا۔

---

[1] ارشاد الساری بشرح صحیح البخاری (نول کشور سانفور) کتاب الفتن، باب قول النبی ھلاک امتی علی یدی اغیلمۃ ۱۰: ۱۳۸ - ۱۳۹

[2] صحیح بخاری، کتاب العلم، باب حفظ العلم، الجزء الاول ص ۴۰

صوفیہ کے نزدیک علمِ باطن کا اظہار صرف نااہل اور قاصر الفہم لوگوں کے لیے ممنوع ہے خواص کے لیے نہیں، جب کہ حضرت ابوہریرہؓ نے سب کے لیے اس کی اشاعت کی نفی کی ہے۔ لہٰذا اس اثر سے علمِ باطن کا استنباط درست نہیں ہے۔

اوپر حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ کے متعلق یہ روایت بیان کی گئی کہ انھوں نے سورہ طلاق کی آیت:

اَللّٰهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ	اللہ ہی ہے جس نے سات آسمان پیدا کیے
وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ	اور انھیں کی طرح زمین بھی، اور ان سب
يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ	میں اس کے احکام نازل ہوتے رہتے ہیں

(سورۂ طلاق: ۱۲)

کی تفسیر نہیں کی اور بروایت (عمرو بن علی عن وکیع عن اعمش عن ابراہیم بن مہاجر عن مجاھد عن ابن عباس) ایک شخص سے کہا اگر میں اس کی تفسیر تم سے بیان کروں تو تم کفر کروگے اور تمھارا کفر یہ ہوگا کہ اسے جھٹلاؤ گے[1]۔ نیز (بروایت ابن حمید عن یعقوب بن عبداللہ بن سعد القمی الاشعری عن جعفر بن ابی المغیرہ الخزاعی عن سعید بن جبیر) ایک آدمی نے ان سے اس آیت کی تفسیر پوچھی تو انھوں نے کہا: "کیا بھروسہ ہے کہ میں تمھیں اس کا مطلب بتاؤں اور تم کافر نہ ہو جاؤ گے[2]"۔ بعض روایات میں آیا ہے: "اگر میں اس کی تفسیر کروں تو تم لوگ مجھے سنگسار کروگے"۔ یا "تم کہوگے کہ عبداللہ بن عباس کافر ہے[3]"۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ کا یہ اثر حدیث کی مستند اور معتبر کتابوں میں موجود نہیں ہے۔ خود حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے منسوب تفسیر "تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس" میں بھی اس اثر

---

[1] جامع البیان فی تفسیر القرآن، سورۃ الطلاق ۲۸ : ۹۹

[2] جامع البیان فی تفسیر القرآن، سورۃ الطلاق ۲۸ : ۹۹

[3] احیاء علوم الدین ۱ : ۱۰۵

کا کوئی ذکر نہیں ہے[1]۔ امام رازی، ابوحیان[2] (۶۵۴-۷۵۴ھ / ۱۲۵۶-۱۳۵۴ء)، اور بعض دوسرے مفسرینِ قرآن نے اپنی تفسیروں میں اس اثر کا ذکر نہیں کیا ہے۔ جن مفسرین نے اسے اپنی تفسیروں میں نقل کیا ہے، انھوں نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ سے دوسرے اقوال بھی نقل کیے ہیں۔ ان میں خاص طور سے اس اثر کا ذکر کیا گیا ہے جو اثرِ ابن عباس کے نام سے مشہور ہے۔ امام زمخشری[3] (۴۶۸-۵۳۸ھ / ۱۰۷۵-۱۱۴۳ء) نے ان میں سے کسی اثر کو بیان نہیں کیا ہے بلکہ اس آیت کی تفسیر میں انھوں نے کہا ہے کہ نافع بن ازرق[4] (م ۶۴ھ / ۶۸۳ء) نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے پوچھا کیا زمینوں کے نیچے مخلوق ہے؟ انھوں نے کہا "ہاں" نافع نے پوچھا کون سی مخلوق ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا "ملائکہ یا جن"[5]۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے دوسرے اقوال کا منقول ہونا ہی اس اثر کو مشکوک بنا دیتا ہے۔ اگر تنہا یہی ایک قول ان سے منقول ہوتا تب بھی اس سے علمِ باطن کا استنباط درست نہ ہوتا۔ حدیث میں آیا ہے کہ لوگوں سے ان کی عقلوں کے مطابق کلام کیا کرو۔ اگر حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اس لیے کوئی چیز بیان نہیں کی کہ لوگ اس کے سمجھنے سے قاصر تھے، تو اس سے کہاں ثابت ہوتا ہے کہ وہ چیز یقیناً علمِ باطن تھی۔ جب تک دوسرے تمام اقوال درایتاً وروایتاً غلط اور صرف یہ قول صحیح ثابت نہیں ہو جاتے، اس وقت تک اس سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہوگا۔ اس کے بعد بھی اس کی یہ توجیہ

---

[1] ابوطاہر محمد بن یعقوب الفیروزآبادی۔ تنویر المقیاس من تفسیر ابن عباس، الطبعۃ الاولیٰ بالمطبعۃ الازہریۃ المصریہ ۱۳۱۶ھ، سورۃ الطلاق ص ۳۵۹

[2] محمد بن یوسف المشہور بہ ابی حیان الاندلسی، مشہور مفسرِ قرآن گزرے ہیں۔ آپ کی تفسیر، تفسیر البحر المحیط، اعراب نحو اور تجوید کے مباحث کے لیے مشہور ہے۔ ذیل تذکرۃ الحفاظ ص ۲۳

[3] ابوالقاسم جاراللہ محمود بن عمر الزمخشری الخوارزمی، شہرۂ آفاق مفسرِ قرآن، لغت، نحو، بیان اور تفسیر کے امام ہیں۔ الکشاف، اطواق الذہب، اور اساس البلاغۃ ان کی تصانیف ہیں۔ عقیدۃً معتزلی تھے: وفیات الاعیان ۵: ۱۶۸

[4] نافع بن ارزق، خوارج کے فرقۂ ازارقہ کے سردار تھے۔ اپنے نہ ماننے والوں کو کافر قرار دیتے تھے۔ واقعۂ دولاب میں قتل ہوئے۔

[5] ابوالقاسم جاراللہ محمود بن عمر الزمخشری الخوارزمی۔ الکشاف عن الحقایق التنزیل وعیون الاقاویل فی وجوہ التاویل، دار المعرفۃ بیروت لبنان، سورۃ الطلاق ۴: ۱۲۴

ممکن ہے کہ حضرت ابن عباسؓ اس اندیشہ سے اس کی تفسیر نہ کرتے ہوں کہ دوسری زمینوں اور ان میں مخلوقات کے وجود کا قائل ہونا (وہ بھی آج سے چودہ سو برس پہلے) لوگوں کے لیے بعید از فہم تھا۔ بہ ایں ہمہ یہ اثر رواۃ کے لحاظ سے بھی اتنا قوی نہیں ہے۔ بروایت عمرو بن علی اس میں ابراہیم بن مہاجر ہیں جن کے بارے میں یحییٰ بن سعید کہتے ہیں کہ قوی نہیں تھے، اور ابن عدی نے بھی ان پر کلام کیا ہے[1]۔ بروایت ابن حمید اس میں یعقوب بن عبداللہ بن سعد القمی الاشعری ہیں، جن کے بارے میں دارقطنی نے کہا ہے کہ قوی نہیں ہیں[2]۔ اس لیے اس اثر سے علم باطن کی دلیل لانا تحصیل لاحاصل ہے۔

سورۂ طلاق کی اسی آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے وہ قول بھی نقل کیا جاتا ہے جو "اثر ابن عباس" کے نام سے موضوع بحث بنا رہا ہے۔ حاکم نیشاپوری روایت کرتے ہیں:

اخبرنا احمد بن یعقوب	ہم کو احمد بن یعقوب الثقفی نے خبر دی کہ عبید
الثقفی حدثنا عبید بن غنام	بن غنام نخعی نے ہم سے یہ حدیث بیان کی کہ علی
النخعی انبأ علی بن حکیم حدثنا	بن حکیم نے کہا کہ ہمیں شریک نے عطا بن
شریک عن عطاء بن السائب	السائب سے، انھوں نے ابی الضحیٰ سے
عن ابی الضحیٰ عن ابن عباس	اور انھوں نے حضرت ابن عباسؓ سے یہ
رضی اللہ عنہما انہ قال	روایت بیان کی کہ انھوں نے اللہ الذی
اللہ الذی خلق سبع سموات	خلق سبع سموات ومن الارض مثلھن
ومن الارض مثلھن قال سبع	کی تفسیر کرتے ہوئے کہا کہ زمینیں سات
ارضین فی کل ارض نبی کنبیکم،	ہیں اور ہر زمین میں تمہارے نبیؐ کی طرح نبیؐ،
وآدم کآدمکم ونوح کنوح	آدم کی طرح آدم، نوح کی طرح نوح، ابراہیم
وابراھیم کابراھیم وعیسیٰ کعیسیٰ۔	کی طرح ابراہیم اور عیسیٰ کی مانند عیسیٰ
ھذا حدیث صحیح الاسناد	ہیں۔ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے لیکن

---

[1] میزان الاعتدال ۱ : ۶۷

[2] میزان الاعتدال ۴ : ۴۲۵

لم یخرجاہ[1] | بخاری اور مسلم اسے اپنی کتابوں میں نہیں لے آئے ہیں۔

حاکم نیشاپوری ہی ایک دوسری روایت یوں نقل کرتے ہیں:

حدثنا عبدالرحمن بن الحسن القاضی حدثنا آدم بن ابی ایاس ثنا شعبہ عن عمرو بن مرۃ عن ابی الضحیٰ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما فی قولہ عزوجل خلق سبع سمٰوات ومن الارض مثلھن قال فی کل ارض نحو ابراھیم۔ ھذا حدیث صحیح علی شرط الشیخین ولم یخرجاہ[2]	ہم سے عبدالرحمن بن حسن قاضی نے بیان کیا کہ ہم سے آدم بن ابی ایاس نے یہ حدیث بیان کی کہ ہم سے شعبہ بن عمرو بن مرہ، انھوں نے ابی الضحیٰ سے اور انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اللہ تعالیٰ کے ارشاد "خلق سبع سمٰوات ومن الارض مثلھن" کی تفسیر میں ان کا یہ قول بیان کیا کہ ہر زمین میں ابراہیم کا مثیل ہے۔ یہ حدیث شیخین (بخاری اور مسلم) کے شرائط کے مطابق صحیح ہے، لیکن یہ دونوں اس اثر کو اپنی کتابوں میں نہیں لائے ہیں۔

یہ دونوں روایتیں امام بیہقی[3] ($\frac{\text{۳۸۴ - ۴۵۸ھ}}{\text{۹۹۴ - ۱۰۶۵ء}}$) نے بھی انھیں اسناد اور متون کے ساتھ نقل کی ہیں[4]۔ یہ روایات بعض تفسیروں میں بھی نقل کی جاتی رہی ہیں۔ اہلِ کشف والہام کے نزدیک

---

[1] المستدرک، کتاب التفسیر، تفسیر سورۂ طلاق ۲ : ۴۹۳

[2] المستدرک، کتاب التفسیر، تفسیر سورۂ طلاق ۲ : ۴۹۳

[3] شیخ ابوبکر احمد بن حسین البیقی محدث اور شافعی فقیہ، صاحب تصانیف عالم گزرے ہیں، "السنن والآثار" اور "الاسماء والصفات" ان کی مشہور تصانیف ہیں۔ نیشاپور میں وفات پائی۔ تذکرۃ الحفاظ ۳ : ۱۱۳۲

[4] ابوبکر احمد بن حسین البیہقی۔ کتاب الاسماء والصفات، مطبع انوار احمدی الٰہ آباد، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۱۳ھ

اس اثر کو یہ اس وجہ اہمیت حاصل ہے کہ ان کے نزدیک بھی عوالم کی تعداد کثیر ہے، یہاں تک کہ بعض صوفیہ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اٹھارہ ہزار عالم پیدا کیے ہیں اور ہر عالم میں الگ الگ مخلوق ہے۔ چنانچہ اہلِ کشف کے نزدیک حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے اس اثر کی صحت میں کوئی کلام نہیں ہے۔ شیخ محی الدین ابن عربی اس سلسلہ میں ایک ذاتی واقعہ یوں بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک بار نیم خوابی کی حالت میں دیکھا کہ کچھ لوگوں کے ساتھ، جن کو پہچانتا نہیں تھا، خانۂ کعبہ کا طواف کر رہا ہوں، انھوں نے ہم کو دو بیت پڑھ کر سُنائے، جن میں سے یہ ایک بیت ہم کو یاد رہا

لقد طفنا کما طفتم سنینا　　　　بھذا البیت طرا اجمعینا

ہم سب برسہا برس سے اس گھر کا طواف کرتے رہے جس طرح تم اس کا طواف کرتے ہو۔

ان میں سے ایک نے مجھے ایسے نام سے پکارا جسے میں جانتا نہیں تھا۔ پھر اس نے ہم سے کہا کہ میں تمھارے قدیم اجداد سے ہوں۔ میں نے پوچھا آپ کو مرے ہوئے کتنی مدت ہوئی؟ اس نے جواب دیا: "چالیس ہزار سال سے کچھ زیادہ"۔ (بروایت دیگر چالیس ہزار دو سو اسی برس) میں نے کہا: ابوالبشر آدم کو اتنی مدت نہیں ہوئی۔ اس نے کہا: تم کس آدم کی بات کرتے ہو؟ یہ آدم جو تم سے قریب گزرے ہیں یا کوئی دوسرے آدم؟ اس پر مجھے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث یاد آئی کہ خدا نے ایک لاکھ آدم پیدا کیے۔[1]

شیخ محی الدین ابن عربی کا بیان ہے کہ خدا نے جب آدم کو پیدا کیا تو اس خمیر کی مٹی میں سے تھوڑی سی بچ گئی، خدا نے اس سے کھجور کو پیدا کیا۔ یہی وجہ ہے کہ کھجور آدم کی بہن ہے اور ہماری عمہ (پھوپھی) ہے۔ شریعت نے اسی وجہ سے اسے عمہ کہا ہے اور مومن سے اسے تشبیہ دی ہے۔ کھجور کی پیدائش کے بعد تل کے برابر تھوڑی سی مٹی بچی تو اس مٹی سے خدا نے ایک کشادہ زمین بنائی عرش اور اس کے گرداگرد کی چیزیں، کرسی، آسمان، زمینیں، بہشت اور دوزخ پیدا کیے۔ یہ سب چیزیں اس طرح دکھائی دیتی ہیں جیسے لق و دق صحرا میں چھلا پڑا ہے۔ اس میں عجائب و

---

[1] شیخ محی الدین ابن عربی۔ الفتوحات المکیہ، دار الکتب العربیۃ الکبریٰ مصر ۱۳۲۹ھ، باب ۳۹۰، ۳: ۵۴۹

غرائب اور مختلف عوالم پیدا کیے۔ ان عوالم میں ایک عالم ہماری صورت پر پیدا کیا۔ پس جب عارف ان عوالم کا مشاہدہ کرتا ہے تو اپنے آپ کو بھی دیکھتا ہے۔ چنانچہ کعبہ کے متعلق حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ کا یہ قول اسی کی طرف اشارہ کرتا ہے:

انها بیت واحد من اربعة	یہ چودہ گھروں میں سے ایک گھر ہے اور سات
عشر بیتاً وان فی کل ارض	زمینوں میں سے ہر ایک زمین میں ہماری طرح
من السبع الارض خلقا مثلنا	ایک مخلوق آباد ہے۔ یہاں تک کہ ان میں میری
حتیٰ ان فیهم ابن عباس مثلی[1]	طرح ابن عباس بھی موجود ہے۔

تفسیر طبری میں بروایت مجاہد حضرت ابن عباس رضؓ سے ایک اثر یوں منقول ہے:

هذا البیت الکعبة رابع اربعة عشر	خانہ کعبہ چودہ گھروں میں سے چوتھا گھر ہے۔ ہر
بیتاً فی کل سماء بیت کل بیت	آسمان میں ایک گھر ہے ان میں سے ہر گھر کا ایک
منها حذو صاحبه لو وقع دقع	مقابل ہے، اگر اس کے ساتھی کے ساتھ کچھ پیش
علیه وان هذا الحرم حرمی	آجائے تو اس پر بھی پیش آئے گا۔ بلاشبہ میرے
بناؤه من السموات السبع	اس حرم کی بنیاد ساتویں آسمان اور ساتویں
والارضین السبع[2]	زمین سے ہے۔

یہ تمام اقوال یا آثار دراصل اسی اثر کی تشریحات ہیں، جس میں کہا گیا ہے کہ ہر زمین میں ہماری طرح مخلوق موجود ہے، یہاں تک کہ جس طرح ہمارے یہاں انبیاء موجود ہیں، اسی طرح ہر زمین کے انبیاء اور پیغمبر ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ کا یہ اثر کہ "زمینیں سات ہیں اور ہر زمین میں تمہارے نبی کی طرح نبیؐ، آدمؑ کی طرح آدم، نوحؑ کی مانند نوح، ابراہیمؑ کی طرح ابراہیم اور عیسیٰؑ کی مانند عیسیٰ ہیں"۔ علمائے

---

[1] الفتوحات المکیہ، باب ۷، ۱ : ۱۲۶-۱۲۷

[2] جامع البیان فی تفسیر القرآن، سورۂ طلاق ۲۸-۲۹، اس روایت میں ایک راوی ابن وہب ہیں جو غیر معروف ہیں۔ دیکھیے: میزان الاعتدال ۴ : ۵۹۷، صوفیہ اور بعض دوسرے مفکرین کے نزدیک "عالم مثال" کا جو تصور ہے، اثر ابن عباس رضؓ کو اس کے ساتھ ایک گونہ مطابقت ہے۔

اسلام میں ہمیشہ موضوعِ بحث بنا رہا ہے۔ بعض علماء کے نزدیک اس کے ماننے میں عقلاً و نقلاً کوئی قباحت نہیں ہے جب کہ بعض نے اس اثر پر یقین کرنے والوں پر سخت فتوے لگائے جہاں بعض نے اسے صحیح مان کر اس کی توجیہات و تشریحات پیش کیں، وہیں بعض نے اسے ضعیف و شاذ ہی نہیں، موضوع و مردود بھی کہا ہے۔

برِّ صغیر کے مسلمانوں کی مذہبی و علمی تاریخ پر اثرِ ابن عباسؓ کے اثرات کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس پر بحث کے دوران برِّ صغیر کے علماء دو مخالف خیموں میں بٹ گئے اور ایک درجن سے زائد کتابیں اور رسالے ایک دوسرے کی تردید میں تصنیف کیے گئے[۱]

حضرت ابن عباسؓ کا یہ اثر صحاح ستہ میں موجود نہیں۔ تفسیر جامع البیان المعروف بہ تفسیر طبری، تصانیفِ حاکم اور وہ کتابیں جن میں یہ اثر موجود ہے، کتب احادیث کے طبقہ ثالثہ اور رابعہ میں شمار ہوتی ہیں ان کتابوں میں صحیح، ضعیف بلکہ موضوع روایات تک منقول ہیں۔ حاکم نیشاپوری نے اگرچہ اس اثر کو صحیح کہا ہے لیکن اہلِ فن کے نزدیک حاکم کا تساہل مشہور و معروف ہے۔ انھوں نے

---

[۱] اس موضوع پر مولانا عبدالحی فرنگی محلی لکھنوی نے دافع الوسواس فی اثر ابن عباس، زجر الناس علی انکار اثر ابن عباس، اور الآیات البینات علی وجود الانبیاء لکھی۔ مولوی عبدالغفار کانپوری اور دوسرے علماء نے فتاویٰ بےنظیر کے نام سے مولانا عبدالحی لکھنوی کے جواب میں ایک رسالہ لکھا شاہ اسمٰعیل شہید نے "رسالہ فی امکان النظیر" کے نام سے ایک رسالہ تصنیف کیا، جس کے جواب میں "رسالہ فی امتناع النظیر" کے نام سے مولانا فضل حق خیرآبادی نے ایک رسالہ لکھا۔ مولوی سراج الدین بجنوری نے مولانا فضل حق خیرآبادی کی تردید میں ایک رسالہ تحریر کیا اور الانتصار کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ دیکھیے:
عبدالحی الحسنی۔ الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند۔ تقدیم ابوالحسن علی الحسنی الندوی۔ دمشق ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء ص ۲۴۴-۲۴۵۔ علاوہ ازیں الکلام الاحسن مولفہ مولانا ہدایت علی (۲) تنبیہ الجہال بالہام الباسط المتعال مولفہ حافظ بخش بدایونی (۳) قول الفصیح مولفہ مولانا فصیح الدین بدایونی (۴) افادات صمدیہ مولفہ مولوی عبدالصمد سہسوانی (۵) کشف الالتباس فی اثر ابن عباس اور (۶) قسطاس فی موازنہ اثر ابن عباس مولفہ شیخ محمد محدث تھانوی بھی تصنیف کی گئیں۔

بہت سی ایسی احادیث کو صحیح کہا ہے جو علماءِ حدیث کے نزدیک ضعیف اور موضوع ہیں۔ چنانچہ محدثین کے یہاں تنہا حاکم کی تصحیح اعتقادیات میں قابلِ قبول نہیں ہے۔

امام بیہقی نے اس اثر کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس رض سے اس اثر کی سند صحیح ہے لیکن شاذ ہے میں نہیں جانتا کہ کسی دوسرے نے اس کی روایت میں ابوالضحیٰ کی پیروی کی ہے۔ امام بیہقی کا قول بعض دوسرے ناقلینِ اثر نے بھی نقل کیا ہے۔ شارح قسطلانی نے اثرِ ابن عباس رض کو نقل کرنے کے ساتھ ساتھ امام بیہقی کا قول بھی نقل کر کے کہا ہے کہ صحتِ اسناد سے صحتِ متن لازم نہیں آتی جیسا کہ علمائے حدیث کے نزدیک مشہور ہے، پس کبھی سند صحیح ہوتی ہے مگر متن میں شذوذ اور علت مانعِ صحت ہوتی ہے اور اس کے مثل حدیث ضعیف سے ثابت نہیں ہوتا۔[1] علامہ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں اس اثر کو نقل کیا ہے، لیکن البدایہ والنہایہ میں کہا ہے کہ اگر یہ صحیح بھی ہو تو اسے اس پر محمول کیا جائے گا کہ ابن عباس رض نے اسے بنی اسرائیل سے اخذ کیا ہے۔[2] علامہ قسطلانی نے بھی ابن کثیر کا یہ قول نقل کیا ہے۔[3] حافظ سخاوی نے امام بیہقی اور علامہ ابن کثیر کا قول نقل کرنے کے بعد کہا ہے کہ یہ اور اس طرح کی روایات کی سند جب معصوم رسول ص تک نہ پہنچے تو اسے قائل کی طرف لوٹایا جائے گا (یعنی قبول نہیں کیا جائے گا)۔[4] ملا علی قاری نے اسے موضوع کہتے ہوئے لکھا ہے کہ اگر یہ ابن عباس رض ہی کی روایت ہے تب بھی اسرائیلیات میں سے ہے۔ یہ اور اس قسم کی دوسری روایات کی سند جب صحت کے ساتھ معصوم رسول ص تک نہیں پہنچے تو انھیں

---

[1] ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری، داراحیاء التراث العربی بیروت لبنان، کتاب بدء الخلق، باب ماجاء فی سبع ارضین ۵ : ۲۵۲

[2] البدایہ والنہایہ ۱ : ۲۱

[3] ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری، کتاب بدء الخلق، باب ماجاء فی سبع الارضین ۵ : ۲۵۲، محدث قسطلانی یہ بھی کہتے ہیں کہ علی تقدیر ثبوت کہا جاسکتا ہے کہ یہ وہ رسل ہیں جو خدا کے انبیاء کی طرف سے جنوں کو پیغام پہنچاتے ہیں اور ان میں ہر ایک اس نبی کے نام سے موسوم ہوتا ہے جس کی طرف سے وہ تبلیغ کرتا ہے۔

[4] المقاصد الحسنہ ص ۴۹۔ ۵۰

قائل کی طرف لوٹا جائے گا۔[1]

"تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس" میں اس اثر کا کوئی ذکر نہیں ہے۔[2] امام رازی نے بھی اس اثر کا ذکر نہیں کیا ہے۔[3] علامہ ابو حیان نے کہا ہے کہ اس حدیث کے موضوع ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔[4] "روح المعانی" میں کہا گیا ہے کہ اس حدیث کو صحیح ماننے میں عقلاً و شرعاً کوئی چیز مانع نہیں ہے اس سے مراد یہ ہے کہ ہر زمین میں ایک مخلوق ہے جو اپنی اصل واحد کی طرف رجوع کرتی ہے جس طرح بنی آدم ہماری زمین میں حضرت آدم علیہ السلام کی طرف راجع ہوئے ہیں اور ہر زمین میں ایسے ممتاز افراد موجود ہیں جو اپنے ہاں دوسروں کے مقابلہ میں اسی طرح ممتاز ہیں جس طرح ہمارے ہاں نوح ؑ اور ابراہیم ؑ ممتاز ہیں۔[5]

جن علماء کی رائے یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ نے اسے یہودیوں سے نقل کیا ہے، ان کی پہلی دلیل یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ سے یہ حدیث منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام اہلِ زمین و آسمان پر فضیلت دی ہے جب کہ اثر ابن عباس اس کے خلاف ہے، دوسرے اس اثر میں انبیاءِ اولوالعزم جو حضرت موسیٰ ؑ سے پہلے اور بعد میں گزرے ہیں سے ہر ایک کے مقابل ان کی مثل اور تصریح ہے لیکن حضرت موسیٰ کا نہ تذکرہ ہے اور نہ مماثلِ موسیٰ کا۔ اگر اس قول کا قائل یہودی ہو سکتا ہے تو وجہ ترکِ ذکرِ موسیٰ یہ ہو سکتی ہے کہ بزعم یہود موسیٰ ؑ کا مماثل

---

[1] الموضوعات الکبیر ص ۱۹

[2] تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس، تفسیر سورۃ الطلاق ص ۳۵۹

[3] الفخر الرازی۔ التفسیر الکبیر، دار احیاء التراث العربی بیروت، سورۃ الطلاق ۲۹ : ۳۹-۴۰

[4] محمد بن یوسف الشہیر بابی حیان الاندلسی۔ البحر المحیط، دار الفکر، الطبعۃ الثانیۃ ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء، تفسیر سورۃ الطلاق ۸ : ۲۸۷

[5] ابو الفضل شہاب الدین سید محمود الآلوسی۔ روح المعانی، الطبعۃ الاولیٰ، بولاق مصر ۱۳۰۱ھ سورۃ الطلاق ۹ : ۱۰۲، نیز دیکھیے: مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی۔ تفہیم القرآن، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی، ۱۹۸۴ء تفسیر سورہ طلاق ۵ : ۵۸۱-۵۸۳

کوئی نہیں، ورنہ کب ممکن ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چھ مماثل کا وجود ہو، اور مثلِ موسیٰؑ ایک بھی نہ ہو۔ اس سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر حضرت موسیٰؑ کی فضیلت لازم آتی ہے، اور یہ باطل ہے۔ لہٰذا قطعاً ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے یہ قول کسی یہودی سے نقل کیا ہے۔ تیسری دلیل یہ ہے کہ صحابۂ کرام کے نزدیک کلمہ "نبیّکم" (تمھارے نبی)، کلمہ "ارتداد" ہے۔ عہدِ صدیقی میں حضرت خالدؓ (م ۲۱ھ / ۶۴۱ء) کے سامنے ایک آدمی نے "صاحبکم" کہا۔ حضرت خالدؓ نے اس کا سر تن سے، یہ کہہ کر، جدا کر دیا کہ اس کے الفاظ سے معلوم ہوا کہ اس کا صاحب نہیں ہے۔ صحابہ نے بھی اس معاملہ میں قصاص کا مطالبہ نہیں کیا۔ پس جب بہ اتفاق صحابہ کلمہ "صاحبکم" (تمھارے صاحب صلی اللہ علیہ وسلم)، کلمۂ ارتداد ہے، تو کلمہ "نبیّکم" بدرجہ اولیٰ ارتداد ہوگا۔[1]

علّامہ عبدالحی لکھنوی (م ۱۳۰۴ھ / ۱۸۸۶ء) نے ان دلائل کا جواب دیا ہے اور کہا ہے کہ طبقات الارض میں انبیاء کے وجود سے یہ لازم نہیں آتا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم افضل الانبیاء اور خاتم المرسلین نہیں ہیں۔ یہ اثر صحیح ہے اور اسے صحیح ماننے میں عقلاً و شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے۔[2] لیکن حقیقت یہ ہے کہ اثرِ ابنِ عباس موضوع ہے اور اگر یہ صحیح بھی ہوتا تب بھی اس سے علمِ باطن کا استدلال ممکن نہیں۔ جو علما اسے صحیح مانتے ہیں، ان کے نزدیک بھی زیادہ سے زیادہ اس کی تشریح یہ ہے کہ ہماری اس زمین کے علاوہ دوسری زمینوں میں بھی مخلوق آباد ہے۔ عین ممکن ہے کہ حضرت ابنِ عباسؓ عام لوگوں کے سامنے اس اندیشہ کی بنا پر دوسری زمینوں میں ذی عقل مخلوق کی آبادی کا ذکر کرنے سے پہلے ہچکچاتے ہوں گے کہ کہیں لوگوں کے عقائد متزلزل نہ ہو جائیں۔[3] اس لیے اس اثر سے علمِ باطن کا وجود ثابت کرنا محال ہے۔

علمِ لدنّی یا علمِ باطن پر اس طویل بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی صحابی کو کوئی ایسا علم عطا نہیں فرمایا تھا، جس پر علمِ باطن کا اطلاق ہو سکے یا جسے خرقۂ تصوف

---

[1] مولوی محمد عبدالغفار و دیگر علمائے ہند۔ فتاویٰ بے نظیر، مطبع اسدی مطبع نظامی کانپور ۱۲۹۰ھ ص ۳۸-۳۹

[2] مولانا عبدالحی فرنگی محلی لکھنوی۔ دافع الوسواس فی اثر ابن عباس، مطبع یوسفی فرنگی محل لکھنو بار دوم ص ۳

[3] تفہیم القرآن، سورۃ الطلاق ۵ : ۵۸۱-۵۸۲

کی اصل کہا جاسکے۔

(۱) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ کہنا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں کوئی مخصوص علم عطا کیا تھا، صحیح نہیں ہے۔

(۲) حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو علم عطا فرمایا تھا، وہ علم سر المنافقین تھا، علمِ باطن نہ تھا۔

(۳) حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی ایسا علم عطا نہیں فرمایا تھا جسے علمِ لدنی یا علمِ باطن کا نام دیا جاسکے۔

(۴) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضرت حسن بصری کی ملاقات محدثین اور مورخین اور بعض صوفیہ کے نزدیک ثابت نہیں ہے، اس لیے سلاسلِ تصوف میں تاریخی تسلسل مفقود ہے۔

(۵) سلاسلِ تصوف کے واسطوں میں تاریخی تسلسل اس وقت اور بھی مفقود ہو جاتا ہے جب شیخ جنید بغدادی کہتے ہیں کہ لوگ مجھے سری سقطی سے منسوب کرتے ہیں، جب کہ میں نے تصوف محمد بن علی قصاب سے حاصل کیا[1]۔

(۶) حضرت علی رضی اللہ عنہ کے امامِ تصوف یا سلاسلِ تصوف کا سرخیل قرار دینا شیعہ اثرات کا نتیجہ ہے۔

(۷) حضرت اویس قرنی کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے خرقہ ملنے کی روایات ثابت نہیں ہیں۔

(۸) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے مخفی ظرفِ علم سے علمِ لدنی، علمِ باطن یا علمِ اسرار مراد لینا درست نہیں ہے۔

(۹) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا اثر اگر صحیح بھی ہو تو اسرائیلیات سے ماخوذ ہے۔ یوں بھی اس کا تعلق طبقات الارض، تعددِ عوالم یا دوسرے عالموں میں ذی عقل مخلوق کی آبادی سے ہے، علمِ باطن سے نہیں۔

(۱۰) علمِ باطن یا علمِ لدنی کے سلسلہ میں منقولہ روایات موضوع ہیں۔

---

[1] تاریخ بغداد ۳ : ۶۲ : الناس ینسبونی الی سری وکان استاذی محمد القصاب۔ مولانا جامی کہتے ہیں: جنید گوید مردماں پندارند کہ من شاگرد سری سقطی ام، من شاگرد محمد بن علی القصابم۔ دیکھیے نفحات الانس ص ۵۴

زہد و مجاہدہ

شیخ ابراہیم بن ادہم نے طواف کے دوران ایک شخص سے کہا :

لا تنال درجة الصالحين حتى تجوز ست عقاب [عقبات] اولاها [اوله] تغلق باب النعمة وتفتح باب الشدة، و الثانية تغلق باب العز وتفتح باب الذل والثالثة تغلق باب الراحة و تفتح باب الجهد والرابعة تغلق باب النوم وتفتح باب السهر والخامسة تغلق باب الغناء وتفتح باب الفقر والسادسة تغلق باب الامل وتفتح باب الاستعداد للموت[1]

تم صالحین کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتے جب تک ان چھ گھاٹیوں کو عبور نہیں کرو گے (۱) نعمت کا در بند کر کے سختی کا در کھولو (۲) عزت کا باب بند کر کے ذلت کا دروازہ کھولو (۳) راحت کا دروازہ بند کر کے مشقت کا باب کھولو (۴) نیند کا دروازہ بند کر کے بیداری کا دروازہ کھولو (۵) غنا کا باب بند کر کے فقر کا در کھولو (۶) امید کا دروازہ بند کر کے موت کے لیے تیاری کا دروازہ کھولو۔

⁂

شیخ موصوف کا یہ قول زہد اور مجاہدۂ نفس کے ایک ہمہ گیر عمل کی تفسیر ہے۔ صوفیہ کا کہنا ہے کہ دنیا اور خدا کی محبت دونوں ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتی، اس لیے آخرت کے طالب کے لئے دنیا و مافیہا کو ترک کرنا لازمی ہے۔ شیخ حفص بن حیدر کہتے ہیں: کہ علماء، فقہا، حکماء اور شعراء کا اس پر اجماع ہے کہ اُخروی نعمتوں کا کمال، دنیاوی نعمتوں کا نقصان برداشت کرنے ہی سے حاصل ہوتا ہے[2] یہی وجہ ہے کہ تمام صوفیہ

---

[1] طبقات الصوفیہ ص ۳۸ ، الرسالۃ القشیریہ ص ۱۰ و ۶۲

[2] عبدالوہاب شعرانی۔ تنبیہ المغترین ، المطبعۃ الیمنیہ مصر ۱۳۲۴ھ/۱۳۱۱ھ ص ۵۴

رضائے الٰہی کے حصول کے لیے ترکِ دنیا کو شرطِ اول بتاتے ہیں۔ شیخ بایزید بسطامی سے ایک دفعہ سنت اور فرض کے بارے میں سوال کیا گیا تو انھوں نے جواب دیا:

"سنت دنیا کا ترک کرنا ہے اور فرض صحبت مع المولیٰ ہے۔ کیوں کہ سنت ترکِ دنیا کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور فرض صحبتِ مولیٰ کی طرف۔ پس جس نے سنت اور فرض کو جان لیا وہ کمال کو پہنچا۔"[1]

ترکِ دنیا سے صرف یہ مطلب نہیں ہے کہ مال و دولت سے کنارہ کشی اختیار کی جائے، بلکہ اہلِ سلوک کے یہاں اسے وسیع مفہوم میں لیا جاتا ہے۔ ترکِ دنیا کا تصور اگر صرف ان حدود تک محدود رہتا جو قرونِ ثلاثہ میں صلحاءِ امت اور ائمۂ امت کے طرزِ حیات کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے تھے، تو چنداں قابلِ اعتراض بات نہ تھی۔ زہد کے عنوان پر متقدمین میں سے حضرت عبداللہ بن مبارک اور حضرت امام احمد بن حنبل جیسے ائمہ نے کتابیں لکھی ہیں[2]۔ حالاں کہ امام موصوف اس قدر محتاط تھے کہ وہ دین کے نام پر کسی چیز کو صرف اس لیے قبول نہیں کرتے تھے کہ اس کے قائلین میں متقی اور پرہیزگار اشخاص رہے ہیں۔ مشہور صوفی حارث محاسبی سے انھوں نے قطع تعلق کر لیا تھا اور وجہ صرف یہ تھی کہ امام موصوف کے نزدیک انھوں نے ایسے اقوال زبان سے نکالے جو متقدمین میں کسی سے منقول نہیں تھے۔ صحابہ کرام، تابعین عظام اور تبع تابعین میں ہم بہ کثرت زہد کا میلان پاتے ہیں، اس وقت اسے تمام لوگ مستحسن نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ دراصل ان کے نزدیک زہد کا مفہوم یہ تھا کہ حرام اور مشتبہ چیزوں سے پرہیز کیا جائے۔ انسان کے دل میں حرام اور مشتبہ چیزوں کی خواہش فطری طور پر موجود ہے اس لیے زہد کی طرف مائل شخص اپنی خواہشات کو قابو میں کر لیتا ہے انھیں بالکل فنا نہیں کرتا۔ ایک زاہد اور صوفی میں فرق یہی ہے کہ زاہد جہاں اپنی خواہشات کو کم کرنے کی کوشش کرتا ہے، صوفی انھیں ختم کر دینا چاہتا ہے۔ محدثینِ کرام کے یہاں زہد کا یہی تصور ہے۔ حضرت سفیان ثوری اور حضرت امام احمد بن حنبل کے نزدیک زہد کے معنی یہ ہیں کہ خواہشات کو کم کیا جائے[3]۔ شیخ شقیق بلخی اور

---

[1] طبقات الصوفیہ ص ۷۴

[2] کشف الظنون ص ۲ : ۱۴۹

[3] الرسالۃ القشیریہ ص ۷۲ انما ھو قصر الامل

شیخ یوسف ابن اسباط کے نزدیک فقر کو پسندیدہ سمجھنا ہی زُہد ہے۔[1] یعنی زہد اصل میں فقر ہی ہے۔ لیکن بعد میں آنے والے صوفیہ نے زہد کو تصوف کے معنی میں استعمال کیا۔ خود تابعین اور تبع تابعین کے دور میں بعض اہلِ حال نے زہد کو وسیع معنوں میں لیا ہے۔ اس وقت کا مُسلم معاشرہ ایک مردِ خدا کے سامنے لاکھ اصلاح و تجدید کی دعوت دیتا ہو مگر ان حضرات نے اس طرف کوئی توجہ نہیں دی، بلکہ اپنے ایمان کو معاشرہ کے خطرات میں محصور پاکر خود الگ ہو گئے۔ ممکن ہے۔ عہدِ بنو امیہ اور بنو عباس میں دولت و ثروت کی فراوانی نے صلحاء کو "اعتزال عن الناس" پر مجبور کیا ہو، کیوں کہ دولت کی فراوانی نے معاشرہ میں دینی اور اخلاقی قدروں کو پامال کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی تھی خلفائے راشدین کے عہدِ مسعود کے خاتمہ کے بعد زمامِ اقتدار (بہ استثنائے چند) ایسے اشخاص کے ہاتھوں میں آئی جو اپنے اقتدار کے استحکام کے لیے دینی تقاضوں تک کو قربان کرنے سے ہچکچاتے نہیں تھے۔ ان حالات میں اگر کسی نے ہمت کر کے آواز بلند کرنے کی کوشش کی تو اسے اس کے لیے سخت جسمانی صعوبتیں بھی برداشت کرنی پڑیں۔ اس پس منظر میں زہد بھی تصوف کی شکل اختیار کرتا گیا۔ مشہور تابعی حضرت حسن بصری سے بڑھ کر کون اپنے زمانہ کا مزاج داں رہا ہوگا، انھوں نے جب زہد کی تعریف کی تو کہا:

الزھد فی الدنیا ان تبغض اھلھا و تبغض ما فیھا[2]	دنیا میں زہد یہ ہے کہ اہلِ دنیا و ما فیہا سے بغض رکھو۔

یہی وجہ ہے کہ ترکِ دنیا کا یہ مطلب لیا جانے لگا کہ دنیا میں رہنے والوں سے بھی علیحدگی اختیار کی جائے کیوں کہ ان کے بہ قول ایک انسان کے ایمان کو زیادہ تر خطرہ ابنائے زماں کی طرف سے ہوتا ہے۔ اس لیے "اعتزال عن الناس" کو ان خصوصیات میں شمار کیا گیا جن کی وجہ سے ابدال، ابدال بن گئے ہیں۔[3]

---

[1] الرسالۃ القشیریہ ص ۷۲ وقال عبداللہ بن مبارک الزھد ھو الثقۃ باللہ تعالیٰ مع حب الفقر وبہ قال شقیق البلخی ویوسف بن اسباط۔ الرسالۃ القشیریہ ص ۷۲۔

[2] الرسالۃ القشیریہ ص ۷۳

[3] احیاء علوم الدین ۳ : ۷۳

مشہور زاہد داؤد بن نصیر طائی نے ایک شخص کو نصیحت کرتے ہوئے کہا:

صم عن الدنیا واجعل فطرک الموت	دنیا سے روزہ رکھو موت پر افطار کرو
وفر من الناس کفرارک من السبع [1]	اور لوگوں سے اس طرح بھاگو جس طرح درندہ سے بھاگا جاتا ہے۔

وقت گزرنے کے ساتھ مخلوق سے صوفیہ کی نفرت کا رویہ دوام اور پختگی اختیار کرتا گیا۔ وہ کبھی اپنے آپ کو عوام کے ساتھ ملنے جلنے پر راضی نہ کر پائے اس کے نتیجہ میں صوفیہ اور عوام کے درمیان ایک ناقابلِ فہم دوری پیدا ہوئی۔ صوفیہ ہمیشہ ابنائے دنیا و زماں سے نالاں رہے اگرچہ زمانہ کا گلہ کرنا ان کے نزدیک اہلِ دنیا کا شیوہ تھا اور ان کے بہ قول درویش کی شان اس سے بلند ہے کہ اس کی زبان ابنائے زماں کی شکایت سے آلودہ ہو۔ تاہم غیر شعوری طور پر بعض نامور صوفیہ کی زبان سے ایسے الفاظ کا صدور ضرور ہوا ہے جن میں زمانہ کی ناہنجاری اور اہلِ زمانہ کی ناگفتہ بہ دینی حالت کی شکایت کی گئی ہے۔ خود اہلِ تصوف کے نزدیک عہدِ رسالت کے بعد جن لوگوں نے صحابہ سے کسبِ فیض کیا انھیں تابعی کہا گیا۔ ان کے بعد پرہیزگارانہ زندگی گزارنے والوں کو زاہد کہا جاتا تھا لیکن جب زمانہ رسالت کو گزرے ایک عرصہ ہو گیا وحی آسمانی بند ہو گئی، نورِ مصطفوی چھپ گیا اور رائیں مختلف ہو گئیں، ملتِ اسلامیہ فرقوں میں بٹ گئی، لوگ ہوائے نفسانی میں گرفتار ہو گئے، جہالتیں غالب آگئیں اور زاہدین و متقین کے عزائم ٹوٹ گئے تو ایک گروہ سب سے الگ ہو گیا ان کے اعمال صالح اور احوال روشن تھے، صدق ان کی عزیمت میں اور قوت ان کے دین میں تھی انھوں نے گوشہ نشینی اور تنہائی کو غنیمت جانا، اپنے اخلاق و معاملات کو پاکیزہ اور اپنی طبیعت کو دنیاوی خواہشات سے منزہ کیا اسی لیے انھیں صوفی کہا جانے لگا [2] ان لوگوں نے اپنے دین و ایمان کی حفاظت کی غرض سے مخلوق سے کنارہ کشی اختیار کرنے ہی میں عافیت سمجھی یہاں تک کہ شیخ جنید بغدادی کو کہنا پڑا:

من اراد ان یسلم له دینه ویستریح   جو شخص اپنے دین کا بچاؤ اور قلب و بدن کا

---

[1] الرسالۃ القشیریہ ص ۱۶

[2] تصوف ایک تجزیاتی مطالعہ ص ۲۰

بدنه وقلبه فليعتزل الناس[1] آرام چاہتا ہے اسے لوگوں سے علیحدگی اختیار کرنی چاہیے۔

ان کے شاگرد اور دوست شیخ ابوبکر شبلی نے ایک ارادت مند کو وصیت کرتے ہوئے صاف صاف کہا :

" تنہائی لازم پکڑو، قوم کی فہرست سے اپنے آپ کو خارج کر دو، دیوار کی طرف منہ کر کے رہو یہاں تک کہ تمھیں موت آجائے۔"[2]

اس اندازِ فکر کا نتیجہ یہ نکلا کہ اربابِ حال نے ہمیشہ دنیا والوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیا اور خود کنارہ کشی و علیحدگی اختیار کر کے غاروں اور پہاڑوں کی راہ لی۔ انھوں نے عوام کو مُردہ تصور کیا اور یہ کہہ کر علیحدہ ہو گئے کہ مُردوں کو تبلیغ کی نہیں بلکہ چہار تکبیر کی ضرورت ہوتی ہے۔ شیخ بایزید بسطامی کا کہنا ہے :

" میں بارہ سال تک اپنے نفس کا آہن گر تھا اور پانچ سال تک اپنے نفس کا آئینہ۔ ایک سال تک اپنے نفس کو دیکھتا رہا تو وسط میں صاف زنّار نظر آیا۔ بارہ سال اس کے کاٹنے میں لگائے پھر نظر کی تو دیکھا کہ میرے باطن میں زنّار ہے۔ پانچ سال اس کے کاٹنے کے بارے میں سوچا کہ اس کو کیسے کاٹوں۔ تب مجھ پر کشف کے ذریعہ اس کا طریقہ ظاہر ہوا مخلوق کی طرف نظر دوڑائی تو انھیں مردہ پایا۔ پس میں نے ان پر چار تکبیریں پڑھ دیں۔"[3]

" اعتزال عن الناس" (عوام سے علیحدگی) کے بعد صوفیہ نفس کشی کے عمل میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ ان کا

---

[1] الرسالۃ القشیریہ ص ۶۶، تھوڑے سے تغیر کے ساتھ یہ قول شیخ سری سقطی کی طرف منسوب ہے: الطبقات الکبریٰ ۱ : ۷۴

[2] الرسالۃ القشیریہ ص ۶۶، شیخ شبلی کے اصل الفاظ یوں ہیں : " الزم الوحدة وامح اسمك عن القوم واستقبل الجدار حتى تموت"۔

[3] النور من کلمات ابی طیفور مشمولہ شطحات الصوفیہ ۱ : ۹۷

کہنا ہے کہ نفس خدا اور بندہ کے درمیان سب سے بڑا حجاب ہے اس لیے اس سنگِ گراں کو ہٹا کر ہی آگے کا سفر جاری رکھا جاسکتا ہے۔ شیخ ابوبکر طمستانی[1] (م ۳۴۰ھ / ۹۵۱ء) کا قول ہے کہ نفس سے خروج کرنا نعمتِ عظمیٰ ہے کیوں کہ نفس تیرے اور بندے کے درمیان سب سے بڑا حجاب ہے[2]۔ یہ تنہا شیخ موصوف کی رائے نہیں ہے، بلکہ اہلِ سلوک کا متفقہ فیصلہ ہے کہ خدا کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ نفس ہے، یہی انسان کی تمام خواہشات کا اصل منبع ہے اور خدا کی نافرمانی کا باعث۔ اس لیے اہلِ تصوف کے یہاں ایک سالک کا ابتدائی مرحلہ اپنے نفس کے خلاف جہاد کرنا ہے جسے اربابِ حال "مجاہدۂ نفس" کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔

مجاہدۂ نفس کے مختلف طریقے ہیں، کبھی نفس کو آرام و آسائش کی چیزوں ہی سے نہیں، بلکہ مباح اور حلال اشیاء سے بھی پرہیز کرایا جاتا ہے اور کبھی اسے خطرناک اذیتیں دے کر رام کیا جاتا ہے۔ تصوف کی کتابوں میں بہت سے ایسے واقعات ملتے ہیں جنھیں پڑھ کر حیرت ہوتی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اس معاملہ میں اہلِ سلوک نے تادیبِ نفس کے لیے جو طریقے نقل کیے ہیں، وہ عوام تو کجا، خواص کے بس کی بات نہیں۔ اور یہی چیز صوفیہ کو عوام و خواص میں مقبول اور ہر دل عزیز بناتی ہے۔ عام لوگ اور علماء جب دیکھتے ہیں کہ فلاں صوفی نے اپنے نفس کو رام کرنے کے لیے ایسا ناقابلِ یقین عمل سرانجام دیا ہے تو وہ اپنی طبعی کمزوریوں کی روشنی میں اس کے سوا اور کوئی توجیہہ نہیں کر پاتے کہ یہ محض فضلِ خداوندی کا ثمرہ ہے۔ تاہم اسلام کا جو نظریہ تزکیۂ نفس سے متعلق ہے، وہ صوفیہ کے طریقوں سے کلی طور پر جداگانہ اور مختلف ہے۔ جس کی بحث آگے آئے گی۔ مجاہدۂ نفس کا ابتدائی مرحلہ اپنی خواہشات کو فنا کرنا ہے چاہے یہ خواہش حلال ہی کی طلب پر مبنی کیوں نہ ہو۔ شیخ داؤد طائی کو نمک کھانے کی خواہش ہوئی لیکن انھوں نے نفس کو رام کرنے کے لیے مرتے دم تک کوئی نمکین چیز نہیں

---

[1] شیخ ابوبکر طمستانی شام کے مشائخ میں یکتائے زماں صوفی ہیں۔ شیخ ابراہیم فارسی کے ہم نشین تھے:

الطبقات الکبریٰ ۱: ۱۲۱-۱۲۲، نفحات الانس ۱۲۰-۱۲۱

[2] الرسالۃ القشیریہ ص ۹۲، قال ابوبکر الطمستانی: النعمۃ العظمیٰ الخروج من النفس لان النفس اعظم حجاب بینک وبین اللہ عزوجل۔

کھائی[1]۔ امام قشیری نے ایک بزرگ کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کے جسم سے ہر وقت بھڑیں چمٹی رہتی تھیں لیکن وہ ان کے ڈسنے کو اپنے حق میں بہتر سمجھتے تھے۔ انھوں نے کبھی انھیں ہٹانے کی کوشش نہیں کی[2]۔ شیخ ہجویری کہتے ہیں کہ میں نے ایک بزرگ کو دیکھا جو بیس سال سے برابر کھڑے تھے صرف نمازیں تشہد کے وقت بیٹھتے تھے[3]۔ میر خورد[4] (م ۷۷۰ھ/۱۳۶۸ء) نے چشتیہ سلسلہ سے وابستہ ایک بزرگ خواجہ ابو محمد کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ اپنے مکان کے ایک گہرے کنویں میں الٹا لٹک کر عبادت میں مشغول ہوتے تھے[5]۔ شیخ فریدالدین گنج شکر کے بارے میں منقول ہے کہ انھوں نے ایک مسجد کے کنویں میں چلہ معکوس کھینچا تھا اور چالیس روز تک ایک درخت سے جو کنویں کے کنارے موجود تھا، اپنے آپ کو آویزاں کر کے الٹے لٹک کر صلوٰۃ معکوس پڑھتے تھے[6]۔ اس کا حکم ان کے مرشد خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے دیا تھا[7]۔

مجاہدۂ نفس اور نفس کشی کے عمل کے سلسلے میں صوفیہ اپنے آپ کو تین چیزوں کا عادی بناتے ہیں۔ فاقہ کشی، شب بیداری، اور خاموشی۔ انھیں چیزوں کو زادِ راہ سمجھ کر ایک سالک راہِ سلوک پر گامزن ہوتا ہے۔ یہ تینوں چیزیں نفس کشی کی بنیاد فراہم کرتی ہیں

فاقہ کشی یا بھوک

ارباب سلوک کے یہاں بھوک یا فاقہ کشی کا شمار ان چار امور میں ہوتا ہے جو سالک کو "قواطع الطریق"

---

[1] احیاء علوم الدین ۴ : ۳۹۴ ، تصوف، ایک تجزیاتی مطالعہ ص ۷۲

[2] الرسالۃ القشیریہ ص ۹۲، تصوف۔ ایک تجزیاتی مطالعہ ص ۷۳

[3] کشف المحجوب ص ۲۹۲ ، تصوف۔ ایک تجزیاتی مطالعہ ص ۷۳

[4] سید محمد بن مبارک علوی کرمانی معروف بہ میر خورد، حضرت نظام الدین اولیاء کے مرید تھے۔ اخبار الاخیار ص ۱۰۳

[5] سیر الاولیاء ص ۵۰

[6] عبدالحق محدث دہلوی۔ اخبار الاخیار، کتب خانہ رحیمیہ دیوبند ص ۵۹، سیر الاولیاء ص ۷۸۔۸۰

[7] سیر الاولیاء ص ۷۸ ، تصوف۔ ایک تجزیاتی مطالعہ ص ۷۴ (حاشیہ)

سے بچانے میں ممد و معاون ہیں[1]۔ حضرت فضیل بن عیاض کا کہنا ہے:

"جو شخص آخرت کی راہ پر چلنا چاہتا ہے اسے اپنے نفس کے لیے چار رنگ کی موت قبول کرلینی چاہیے سفید، سُرخ، سیاہ اور سبز۔ سفید موت سے مراد بھوک ہے سیاہ سے لوگوں کی مذمت، سُرخ سے شیطان کی مخالفت اور سبز موت سے مراد پے درپے وقائع ہیں (جو صوفیہ کو پیش آتے ہیں)[2]"

شیخ حاتم اصم بھی بھوک کو سفید موت کا نام دیتے ہیں[3]۔ صوفیہ کے نزدیک فاقہ کشی راہِ سلوک کی وہ منزل ہے جس پر پہنچے بغیر کوئی شخص معرفت کے بلند مرتبہ پر فائز نہیں ہوسکتا۔ شیخ جنید بغدادی کا بیان ہے: "ہم نے تصوف قیل وقال سے نہیں، بلکہ بھوک، ترکِ دُنیا اور پسندیدہ اور اچھی چیزوں کو چھوڑ دینے سے اسے حاصل کیا ہے[4]"۔ شیخ بایزید بسطامی سے جب سوال کیا گیا کہ آپ کو یہ بلند مقام کیسے نصیب ہوا؟ تو انھوں نے جواب دیا:

ببطن جائع وبدن عار[5] خالی پیٹ اور ننگے بدن سے

جب معرفت کا مقام بھوکے پیٹ اور ننگے بدن کے ذریعہ ہی ممکن الحصول ہو تو ارباب باطن کے یہاں اس سے برتر چیز کوئی نہیں ہوسکتی کیوں کہ ان کا منتہائے مقصود ہی معرفت کا حاصل کرنا ہے صوفیہ کے بہ قول بھوک سے انسان کا دِل صاف ہوجاتا ہے اور اس کی قساوت اور سختی جاتی رہتی ہے۔

---

[1] احیاء علوم الدین ۳ : ۷۳

[2] منہاج العابدین ص ۶۱، لطائف اشرفی میں الموت الاخضر یعنی سبز موت سے مراد "مرقع پہننا" دیا ہے:

لطائف اشرفی ۱ : ۲۴۷

[3] طبقات الصوفیہ ص ۹۳

[4] عوارف المعارف علی ھامش احیاء ۱ : ۳۱۴، طبقات الصوفیہ ص ۱۵۸، تلبیس ابلیس ص ۶۸

[5] الرسالۃ القشیریہ ص ۱۷، طبقات الصوفیہ ص ۷۴

شیخ بایزید بسطامی اس نکتہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ بھوک بادل کی مانند ہے، جب آدمی بھوکا رہتا ہے تو اس کے دل پر حکمت کی بارش ہوتی ہے[1]۔ بارانِ حکمت کے اس منبع کی جستجو اور اسے حاصل کرنے کا ولولہ ہر صوفی کے سینہ میں موجود ہوتا ہے۔ شیخ یحیی بن معاذ رازی اس کی اہمیت کو یوں بیان کرتے ہیں: "اگر یہ معلوم ہو جائے کہ بھوک بازار میں فروخت ہوتی ہے تو طالبانِ آخرت کو چاہیے کہ اس کے علاوہ کوئی چیز نہ خریدیں"[2] لیکن اس کے ساتھ ساتھ صوفیہ یہ بھی کہتے ہیں کہ فاقہ کشی کی توفیق سب کو نہیں ہوتی، بلکہ اللہ تعالیٰ کے خاص افراد ہی کے حصہ میں بھوک آتی ہے۔[3] تصوف میں بھوک کو ایک رازِ الٰہی تصور کیا جاتا ہے اس راز کو فاش کرنا (بھوک کی شکایت کرنا) فتوۃ (جواں مردی) کے خلاف سمجھا جاتا ہے۔ ایک صوفی نے ایک دفعہ اپنے ایک ہم مشرب سے کہا: "میں بھوکا ہوں"۔ تو اس نے ڈانٹا اور کہا: "تم جھوٹ کہتے ہو"۔ بھوکے صوفی نے جھٹلانے کی وجہ پوچھی تو کہا بھوک اللہ کے خزانوں میں سے ایک راز ہے اسے وہ اس شخص کے حوالہ نہیں کرتا جو اسے فاش کرے۔[4] سرِ الٰہی کو فاش کرنے کا یہ جرم ناقابلِ معافی ہے اور اس کی سزا یہ ہے کہ راز فاش کرنے والے کو خانقاہ سے نکال دیا جائے۔ ایک دفعہ شیخ ابو تراب نخشبی نے ایک صوفی کو، جو تین دن کا بھوکا تھا، دیکھا کہ وہ خربوزہ کے چھلکے کی طرف ہاتھ بڑھا رہا ہے۔ شیخ نے ٹوکتے ہوئے کہا: "تم راہِ تصوف میں نہیں چل سکتے، جاؤ بازار میں بیٹھ جاؤ"۔[5] شیخ ابو علی روذباری بھی یہی کہتے ہیں کہ پانچ دن بعد جب فقیر کہے کہ میں بھوکا ہوں، تو اسے بازار میں بٹھاؤ اور اسے کوئی کام کرنے کا یا کمائی کرنے کا حکم دو۔[6]

---

[1] الکواکب الدریہ ۱: ۲۴۷، احیاء علوم الدین ۳: ۸۲

[2] اللمع ص ۲۶۹، الرسالۃ القشیریہ ص ۸۵-۸۶

[3] اللمع ص ۲۶۹

[4] اللمع ص ۲۷۰

[5] الرسالۃ القشیریہ ص ۱۰۲

[6] الرسالۃ القشیریہ ص ۶۲، ۸۷، ۱۰۲

صوفیہ کے یہاں بھوک کی نوعیت انسانوں کے مختلف مراتب کے حساب سے بدلتی رہتی ہے۔ شیخ یحییٰ بن معاذ رازی کے نزدیک بھوک مریدین کے لیے ریاضت، توبہ کرنے والوں کے تجربہ، زاہدوں کے لیے سیاست اور عارفین کے لیے باعثِ عزت ہے[1] شیخ ابو سعید الخراز کا کہنا ہے کہ بھوک زاہدوں کی غذا اور ذکر عارفوں کی خوراک ہے[2] شیخ علی ہجویری کے بیان کے مطابق بھوک صدیقوں کے لیے طعام، مریدوں کے لیے مسلک اور شیطان کے لیے زنجیر ہے[3] سلوک میں فاقہ کشی اس لیے بھی محمود ہے کہ سالکانِ راہ کے لیے شکم سیری نقصان سے خالی نہیں سمجھی جاتی۔ شیخ ابو سلیمان دارانی کہتے ہیں کہ شکم سیری دنیا کی کنجی ہے اور بھوک آخرت کی[4] شکم سیری دنیا کی کنجی اس لیے ہے کہ اس سے انسان کی شہوت کو تحریک ملتی ہے اور بندہ جب (تکمیلِ شہوت کے لیے) شادی کرتا ہے اور بگاڑ سے بچتا ہے تو اس کی تکالیف بڑھ جاتی ہیں، اگر اولاد پیدا ہوئی تو اس کے دشمن بھی پیدا ہوں گے اور فساد کی جہتیں اس کے لیے وسیع ہو جاتی ہیں جیسا کہ خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ[5] — تمہاری بعض بیبیاں اور اولاد تمہارے (دین کے) دشمن ہیں سو تم ان سے ہوشیار رہو۔

(التغابن :)

امام قشیری کے مطابق شیخ ابو بکر فورک[6] (م ۴۰۶ھ / ۱۰۱۵ء) نے اس کو صاف صاف بیان کیا ہے:

شغل العیال نتیجة متابعة الشهوة — عیال کی مشغولی شہوتِ حلال کی پیروی کا

---

1. الرسالۃ القشیریہ ص ۸۶
2. الرسالۃ القشیریہ ص ۲۸۹
3. کشف المحجوب ص ۲۸۴
4. الرسالۃ القشیریہ ص ۸۶
5. شیخ زکریا انصاری، شرح علی ہامش الرسالۃ القشیریہ ص ۸۶
6. ابو بکر محمد بن حسن بن فورک مشہور شافعی اشعری عالم ہیں۔ سو کتابوں کے مصنف ہیں۔ وفیات الاعیان ۴: ۲۷۲

بالحلال فما ظنك بقضیہ شھوۃ	نتیجہ ہے۔شہوات حرام کے پورا ہونے کا
الحرام[1]	نتیجہ کیا ہوگا۔

پیٹ بھر کر کھانے کے اور بھی نقائص ہیں جن کو مدنظر رکھ کر صوفیہ بھوک کے اور بھی شیدائی ہو جاتے ہیں۔ شیخ بایزید بسطامی سے جب ایک شخص نے پوچھا کہ آپ بھوک کی اتنی زیادہ تعریف کیوں کرتے ہیں؟ تو انھوں نے جواب دیا: "اگر فرعون بھوکا ہوتا تو اَنَا رَبُّکُمُ الاَعلیٰ ہرگز نہ کہتا، اگر قارون بھوکا ہوتا تو سرکش نہ ہو جاتا[2]۔ نیز اگر ثعلبہ[3] بھوکا ہوتا تو تمام لوگ اس کے رطب اللسان ہوتے جب وہ شکم سیر ہوا تب اس نے نفاق ظاہر کیا[4]۔ صوفیہ کہتے ہیں کہ حضرت آدم ایک لقمہ ہی کی وجہ سے جوارِ حق سے دور ہو گئے[5]۔ ایک بزرگ کا کہنا ہے کہ مچھر تب تک زندہ رہتا ہے جب تک وہ بھوکا ہوتا ہے اور جب اس کا پیٹ بھر جاتا ہے تو وہ موٹا ہوتا ہے اور جب موٹا ہو جاتا ہے تو مر جاتا ہے اسی طرح انسان جب شکم سیر ہوتا ہے تو اس کا دل مر جاتا ہے[6]۔ شیخ ابو العباس قصاب[7] (۳۹۷ھ/۱۰۰۶ء)

---

[1] الرسالۃ القشیریہ ص ۸۷

[2] کشف المحجوب ص ۳۰۳-۳۰۴، تذکرۃ الاولیاء باب ۱۴ ص ۱۰۸

[3] حضرت ثعلبہ بن حاطب بدری صحابی ہیں۔ ابن حجر عسقلانی نے اُس روایت کو غیر صحیح کہا ہے جس میں ثعلبہؓ کی طرف سے پیش کیے ہوئے صدقہ کو حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ نے قبول نہیں کیا تھا۔ الاصابہ ۱: ۲۰۱

[4] کشف المحجوب ص ۳۰۳-۳۰۴، شیخ ذوالنون مصری کا قول ہے: "جب بھی میں نے پیٹ بھر کے کھانا کھایا تو مجھ سے خدا کی نافرمانی کا جرم ضرور سرزد ہوا، یا کم سے کم اس کی نافرمانی کا قصد ضرور ہوا۔ سفینۃ الاولیاء بذیل تذکرہ ص ۱۲۷۔

[5] کشف المحجوب ص ۲۸۴

[6] تنبیہ المغترین ص ۵۴

[7] شیخ احمد بن محمد بن عبد الکریم کا مولد آملہ تھا، طبرستان کے شیخ زماں رہے ہیں۔ آپ نے تصوف محمد بن عبد اللہ طبری سے حاصل کیا، سنہ وفات اختلافی ہے: نفحات الانس ص ۱۸۲

کہتے ہیں کہ میری طاعت اور گناہ دو لقمہ نان سے وابستہ ہیں جب کھاتا ہوں تو تمام گناہ و معاصی کا مایہ اپنے اندر پاتا ہوں اور جب ان سے دست کش ہو جاتا ہوں تو طاعت کا مادہ اپنے اندر پاتا ہوں[1]
شیخ ابوالخیر العسقلانی[2] (بعد ۳۱۰ھ / ۹۲۲ء) کے متعلق کہا جاتا ہے کہ دو سال سے ان کو مچھلی کھانے کی خواہش تھی، جب ایک روز حلال ذریعہ سے میسر ہوئی تو کھانے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ کانٹا چبھ گیا تو بولے: "میرے اللہ یہ حال اس شخص کے ساتھ جس نے شہوت کے ساتھ ہاتھ حلال کی طرف بڑھایا اس کا حال کیا ہوگا جو شہوت کے ساتھ اپنا ہاتھ حرام کی طرف بڑھائے؟[3] ایک بزرگ کہتے ہیں کہ زبان سے فضول کلام کا جاری ہونا شکم میں فضول طعام داخل ہونے کا نتیجہ ہے[4]

قول اور فعل کا تضاد صوفیہ کے یہاں بہت کم پایا جاتا ہے۔ انھوں نے بھوک کی جتنی تعریف کی ہے عمل سے اس کی تصدیق بھی کر دی ہے چنانچہ اہل تصوف کو کبھی کھانے کی فکر لاحق نہیں ہوتی۔ ایسا لگتا ہے کہ وہ اُن منزلوں سے بہت آگے نکل چکے ہیں جہاں زندگی خورد و نوش کے گرد گھومتی ہے شیخ رویم[5] (م ۳۰۳ھ / ۹۱۵ء) کہتے ہیں کہ بیس سال سے میری یہ حالت ہے کہ جب تک کھانا سامنے نہ ہو یاد نہیں ہوتا[6] شیخ جریری کے ایک درویش ساتھی کا کہنا ہے کہ بیس سال سے مجھے تب تک کھانا یاد نہیں آتا جب تک سامنے موجود نہ ہو[7] حضرت شیخ ابراہیم بن شیبان[8] (م ۳۳۰ھ / ۹۴۱ء) کا قول ہے کہ اسّی سال

[1] کشف المحجوب ص ۲۸۴-۲۸۵

[2] ابوالخیر عسقلانی (حمصی)، نے بغداد میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔ : نفحات الانس ص ۱۳۶

[3] الرسالۃ القشیریہ ص ۸۷ [4] تنبیہ المغترین ص ۸۳

[5] ابو محمد احمد بن یزید بن رویم بغدادی الاصل صوفی شیخ جنید بغدادی کے مرید تھے۔ اخفائے حال کے قائل تھے۔ بعض عالموں نے انھیں شیخ جنید پر بھی فوقیت دی ہے۔ شونیزیہ (بغداد) میں آپ کا مزار ہے: الطبقات الکبریٰ ۱ : ۸۸، سفینۃ الاولیاء بذیل تذکرہ ص ۱۱۰، حلیۃ الاولیاء ۱۰ : ۲۹۶

[6] اللمع ص ۲۴۵ [7] التعرف ص ۱۴۹

[8] ابو اسحاق ابراہیم بن شیبان مشائخ جبل میں سے ہیں۔ حضرت ابراہیم خواص کے دوست تھے: سفینۃ الاولیاء بذیل تذکرہ ص ۱۴۸، نفحات الانس ص ۱۳۶، حلیۃ الاولیاء ۱۰ : ۳۶۱

سے میں نے اپنی خواہش سے کوئی چیز کھائی نہیں[1]۔

بھوک یا فاقہ کی مدت کیا ہوتی ہے۔ تصوف کی کتابیں اس پر بہت کم روشنی ڈالتی ہیں، اوپر گذر چکا ہے کہ صوفیہ کے یہاں مرید پانچ دن کے بعد بھی کھانا مانگے تو اسے طریقت کے لائق نہیں سمجھتے، بلکہ صوفیہ کا اس پر اجماع ہے کہ بھوک عظیم ارکانِ طریقت میں سے ایک رکن ہے اس لیے اگر کوئی مرید پانچ دن کے بعد کھانا طلب کرے تو اسے کسب کرنے کا حکم دو وہ بالکل طریقت کے لائق نہیں ہے[2]۔ ایک صوفی ایک شیخ طریقت کے پاس گیا تو اس نے کھانا پیش کیا اور پوچھا کب سے بھوکے ہو؟ صوفی نے کہا "پانچ دن" سے۔ اس پر شیخ نے کہا کہ یہ بخیل کی بھوک ہے فقیر کی بھوک نہیں ہے[3]۔

بعض بزرگ فاقہ کشی کی مدت کو اس قدر طول دیتے تھے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ ایک بزرگ شعیب بن حرب[4] (م ۱۹۷ھ/۸۱۲ء) کہتے ہیں کہ میں دس دن میں ایک بار کھانا اور ایک گھونٹ پانی پیتا ہوں[5]۔ شیخ سہل بن عبداللہ تستری کے متعلق بتایا جاتا ہے کہ وہ بیس دن میں ایک بار کھانا کھاتے تھے[6]۔ شیخ ابوعقال مغربی[7] کے بارے میں منقول ہے کہ وہ چھ ماہ میں ایک دفعہ کھانا تناول کرتے تھے[8]۔ دوسری روایات کے مطابق انھوں نے چار یا سات سال تک کھانا نہیں کھایا[9]۔ شیخ شرف الدین

---

[1] اللمع ص ۲۴۳-۲۴۵

[2] تنبیہ المغترین ص ۵۳

[3] الرسالۃ القشیریہ ص ۸۶

[4] شعیب بن حرب المدائنی علمائے حدیث میں سے انتہائی زاہد و پرہیزگار تھے ان کے بارے میں امام احمد بن حنبل کا قول ہے: "حمل نفسہ فی الورع"۔ شذرات الذہب ۱ : ۳۴۹

[5] تاریخ بغداد ۹ : ۲۴۱، التصوف الاسلامی ۲ : ۱۸۷

[6] اللمع ص ۲۶۹، الرسالۃ القشیریہ ص ۸۵، کشف المحجوب ص ۲۸۱، اس سلسلہ میں منقول روایات کے مطابق ۱۵ دن اور ایک روایت کے مطابق ۱۰ دن میں ایک بار کھاتے تھے۔

[7] مشہور بزرگ تھے۔ ان کا مزار مکہ میں ہے۔ نفحات الانس ص ۵۱-۵۲

[8] تنبیہ المغترین ص ۵۳

[9] حمید قلندر۔ خیرالمجالس، تصحیح و تعلیق خلیق احمد نظامی، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ص ۵۵ و ۹۲

الصیدی[1] (دسویں صدی ہجری) چالیس روز میں ایک بار کھانا کھاتے تھے سلطان محمد غوری[2] (۸۵۰ - ۹۲۲ھ / ۱۴۴۶ - ۱۵۱۶ء) نے امتحان لینے کی غرض سے ان کو ایک مقفل کمرہ میں بند کر دیا چالیس روز بعد دروازہ کھولا گیا تو شیخ کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے[3]۔ ایک بزرگ عیسیٰ بن نجم[4] کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ سترہ سال تک اس حالت میں رہے کہ نہ کوئی چیز کھائی نہ کچھ پیا اور نہ سوئے[5]۔

راہِ سلوک میں اچھی غذا سے پرہیز کی بھی تاکید کی جاتی ہے۔ حضرت مالک بن دینار کا بیان ہے کہ لوگوں کے بقول جو شخص چالیس روز تک گوشت کھانا ترک کرتا ہے اس کی عقل کم ہو جاتی ہے، میں نے ساٹھ روز سے گوشت نہیں کھایا لیکن میری عقل کم نہیں ہوئی[6]۔ شیخ ابراہیم بن ادہم سے لوگوں نے کہا کہ گوشت مہنگا ہو گیا ہے تو انھوں نے جواب دیا کہ "اسے سستا کرو"۔ یعنی خرید و مت[7]۔ بعض صوفیہ کا کہنا ہے کہ ایک درہم کا گوشت چالیس دن کے لیے دل کو سخت بنا دیتا ہے[8]۔ حضرت بایزید بسطامی کہتے ہیں کہ میں نے چالیس سال سے کوئی ایسی چیز نہیں کھائی جس کو اولادِ آدم کھاتی ہے[9]۔ شیخ یزید الرقاشی[10] (دوسری صدی ہجری) نے اس خوف سے کبھی ٹھنڈا پانی

---

۱ مصر کے ایک بزرگ، امام شافعی کے مزار کے قریب دفن ہیں: الطبقات الکبریٰ ۲: ۱۴۸، جامع کرامات الاولیاء ۲: ۳۸

۲ قانصوہ بن عبداللہ الغوری مصر کے چرکسی النسل سلطان تھے: الاعلام ۶: ۲۳

۳ الطبقات الکبریٰ ۲: ۱۴۸

۴ عیسیٰ بن نجم ریاضت اور مجاہدہ کے لیے مشہور ہیں دیکھیے: الطبقات الکبریٰ ۲: ۱۰۷

۵ تنبیہ المغترین ص ۵۳، جامع کرامات الاولیاء ۲: ۲۲۸

۶ تنبیہ المغترین ص ۱۱۳

۷ الرسالۃ القشیریہ ص ۱۰

۸ تلبیس ابلیس ص ۲۰۹ - ۲۱۰

۹ تلبیس ابلیس ص ۲۱۰

۱۰ بصرہ کے مشہور زاہد، بکائین میں شمار ہوتے ہیں۔ حلیۃ الاولیاء ۳: ۵۰ - ۵۴

نہیں پیا کہ کہیں اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس سے محروم نہ رکھے۔[1] اس کے برعکس ہم دیکھتے ہیں کہ بعض زہاد اور صوفیہ ریت اور مٹی پر گذارہ کرتے تھے۔ حضرت سفیان ثوری کے متعلق صوفیہ بتاتے ہیں کہ مکہ میں ان کا نفقہ ختم ہوا تو انھوں نے پندرہ دن تک ریت پر گذارہ کر لیا۔[2] شیخ ابراہیم بن ادھم کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ بیس دن تک مٹی کھاتے رہے۔[3]

فاقہ کشی کو طول دینا اور لذیذ غذاؤں سے پرہیز کرنا ہی تصوف میں "خورد و نوش" کا باب بند نہیں کرتا بلکہ تقلیل غذا کا عمل بھی صوفیہ کے یہاں کافی اہمیت کا حامل ہے۔ شیخ سہل بن عبداللہ تستری کے بارے میں منقول ہے کہ ان کے لیے ایک درہم کی غذا سال بھر کے لیے کافی ہوتی تھی۔[4] شیخ عبداللہ بن خفیف ہر روز دس منقے افطار کے وقت کھاتے تھے۔ ان کے مرید نے ایک دن پندرہ منقے حاضر کیے انھوں نے صرف دس منقے کھائے باقی چھوڑ دیے۔[5] شیخ مرشد (مصر کے ایک بزرگ) چالیس سال تک صرف ایک منقہ روز پر گذارہ کرتے رہے۔[6]

اہلِ سلوک کے یہاں اسبابِ ظاہری پر جسمانی قوت کا انحصار ہے بھی نہیں۔ شیخ سہل بن عبداللہ تستری کے متعلق مشہور ہے کہ جب بھوکے ہوتے تو قوی ہو جاتے اور جب کوئی چیز کھاتے تو کمزور ہو جاتے تھے۔[7] شیخ نوری کو ایک دفعہ جنگل میں بھوک لگی تو ہاتف نے آواز دی "تمہیں کون سی چیز پسند ہے سبب یا کفایت؟" شیخ نوری نے جواب دیا: "کفایت، کیوں کہ اس سے اوپر کوئی نہایت نہیں ہے۔" اس کے بعد انھوں نے سترہ دن بغیر کھائے پیے گزار دیے۔[8] تصوف میں غذا کے متعلق

---

[1] تنبیہ المغترین ص ۱۱۳، ایک قول کے مطابق شیخ یزید نے چالیس برس تک ٹھنڈا پانی نہیں پیا: حلیۃ الاولیاء ۳: ۵۴

[2] منہاج العابدین ص ۶۴ [3] منہاج العابدین ص ۶۴

[4] التصوف الاسلامی ۲: ۱۸۷ النشر المحاسن الغالیۃ علی حاشیہ جامع کرامات الاولیاء ۲: ۱۱۵، بدرہم شعیر بغیر ملح۔

[5] الرسالۃ القشیریہ ص ۱۸۷ [6] الطبقات الکبریٰ ۲: ۱۴۸

[7] الرسالۃ القشیریہ ص ۸۶

[8] الرسالۃ القشیریہ ص ۱۰۲

ایک قاعدہ یہ ہے کہ صوفی صرف ضرورت کے وقت کھانا کھائے، حضرت شیخ جنید بغدادی کے بہ قول فقرا پر تین اوقات میں رحمت کا نزول ہوتا ہے، ایک کھانا کھاتے وقت کیوں کہ وہ اس وقت کھاتے ہیں جب ضرورت ہو، کلام کرتے وقت کیوں کہ وہ اس وقت کلام کرتے ہیں جب مجبوری ہو، سماع کے وقت کیوں کہ وہ اس وقت سنتے ہیں جب وجد میں ہوں[1]۔ گویا ایک صوفی اگر کبھی کھانا کھاتا بھی ہے تو وہ اس وقت جب یہ عمل ناگزیر ہو اور خطرے کے قریب پہنچ جائے۔ شیخ سہل بن عبداللہ تستری خود کہتے ہیں کہ میں نے اپنی عقل، قوت اور معرفت کے سات حصے کیے ہیں جب تک ان میں سے چھ حصے ختم نہ ہو جائیں کھانا نہیں کھاتا ہوں۔ اگر ہلاکت کا خوف نہ ہوتا تو تب تک کھانا نہ کھاتا جب تک ساتوں حصے رخصت نہ ہو جاتے[2]۔ شیخ موصوف یہ بھی کہتے ہیں کہ "چالیس سال سے میں صرف اس وقت کھانا کھاتا ہوں جب انسان کے لیے مردار کا کھانا حلال ہو جاتا ہے[3]۔" تاہم بعض زہاد اور صوفیہ ایسے بھی رہے ہیں جنھیں اگر اچھا کھانا میسر آجاتا تو خندہ پیشانی سے کھاتے جیسا کہ خود صوفیہ کہتے ہیں کہ حضرت حسن بصری ہر روز گوشت خریدتے تھے[4]۔ حضرت معروف کرخی کو جب اچھا کھانا پیش کیا جاتا تو وہ تناول کرتے تھے۔ جب ان سے کہا گیا کہ تمھارا بھائی بشر ایسا کھانا نہیں کھاتا ہے تو انھوں نے جواب دیا: "بشر پر ورع کا غلبہ ہے اور مجھ پر معرفت کھل گئی ہے میں اپنے آقا کے گھر کا مہمان ہوں جب کھانا دیتا ہے کھا لیتا ہوں، نہیں دیتا ہے صبر کر لیتا ہوں، مجھے اختیار و اعتراض سے کیا کام؟[5]" شیخ ابراہیم بن ادہم نے ایک ساتھی کو چند درہم دے کر کچھ چیزیں منگوائیں ایک دوسرے ساتھی نے (اشیائے خوردنی کی زیادتی دیکھ کر) اعتراض کیا تو شیخ نے کہا: "تم پر افسوس! جب ہمیں کھانا ملتا ہے تو مردوں کی طرح کھاتے ہیں، نہیں

---

[1] التعرف ص ۱۶۱

[2] تنبیہ المغترین ص ۵۳، تلبیس ابلیس ص ۲۰۷

[3] تلبیس ابلیس ص ۲۰۷

[4] تلبیس ابلیس ص ۲۱۲

[5] التصوف الاسلامی ۲: ۱۹۶، قوت القلوب ۲: ۶۱

ملتا ہے تو مردوں کی طرح صبر کرتے ہیں[1]

مرید کے لیے مستحب یہ ہے کہ وہ صرف غلبۂ نوم کے وقت سوئے، بہ وقت ضرورت کلام کرے اور فاقہ کے وقت کھانا کھائے[2] شیخ ابوطالب مکی کے نزدیک مستحب یہ ہے کہ دن اور رات میں صرف دو روٹیاں کھائے، روٹی چھتیس لقموں پر مشتمل ہو، تاکہ ایک ساعت تک قوتِ نفس کو قائم رکھنے کے لیے تین لقمے ہوں، جب اس طریقہ سے روٹی کھائی جائے تو تین لقموں کے بعد پانی کا ایک گھونٹ پی لے، اس طرح چھتیس لقموں میں پانی کے بارہ گھونٹ ہوں گے۔ اس سے جسم بحال رہے گا[3] شیخ سہل بن عبداللہ تستری سے سوال کیا گیا کہ ایک آدمی دن میں ایک بار کھانا کھاتا ہے تو انھوں نے کہا: "یہ صدیقین کا کھانا ہے"۔ دو بار کھانے والے کے متعلق انھوں نے کہا: "مومنین کا کھانا ہے" مگر جب تین بار کھانے والے کے بارے میں پوچھا گیا تو جواب دیا:

قل لاھلك یبنون لك معلفاً[4] اپنے گھر والوں سے کہو کہ آپ کے لیے چراگاہ بنادیں۔

لیکن ابوعثمان مغربی کہتے ہیں کہ: "ربانی درویش چالیس روز میں ایک دن کھانا کھاتا ہے، اور صمدانی اسّی روز میں ایک دن"۔[5]

بہ ایں ہمہ نفس کو کم خوری یا فاقہ کشی کے ذریعہ ختم کرنے کا عمل لازمی طور پر مادۂ شر کے اختتام پر منتج ہوگا صوفیہ کے نزدیک ضروری نہیں ہے۔ شیخ ابونصر سراج طوسی کے بہ قول یہ سمجھنا غلط ہے کہ فاقہ کشی کے ذریعہ نفس جب ٹوٹتا ہے تو مادۂ شر اور آفاتِ بشریت اس سے زائل ہو جاتے ہیں[6] شیخ

---

[1] التصوف الاسلامی ۲: ۱۹۵، قوت القلوب ۲: ۴۶

[2] کشف المحجوب ص ۴۸۲

[3] التصوف الاسلامی ۲: ۱۹۳، قوت القلوب ۲: ۴۶

[4] الرسالۃ القشیریہ ص ۸۶

[5] الرسالۃ القشیریہ ص ۸۶

[6] اللمع ص ۴۲۷

کہتے ہیں کہ صوفیہ کا ایک گروہ بھوکا اور پیاسا رہنے اور صرف گھاس پھوس پر گزر اوقات کرلینے کی وجہ سے اتنا کمزور ہوگیا کہ اس سے فرائض چھوٹ گئے اور وہ ان آداب کو ملحوظ نہیں رکھ پایا جو متقدمین سالکین طریقت کا خاصہ تھے[۱] اسی طرح بہت سے جوان قلت طعام، شب بیداری اور ذکر دوام پر عامل ہیں یہاں تک کہ ان میں سے کوئی غش کھا جاتا ہے تو اسے چند دن آرام کی ضرورت پڑتی ہے تاکہ وہ فرض نماز کی ادائگی کے قابل ہوسکے[۲] اس لیے ابوالحسن ابن سالم[۳] (م ۳۶۵ھ / ۹۷۵ء) کہتے ہیں کہ فاقہ کشی کا قاعدہ ہے کہ آدمی صرف بلے کے کان کے برابر اپنی غذا کم کرتا رہے[۴] ابن سالم ہی کے بہ قول جب صوفیہ تقلیل غذا کا ارادہ کرتے تو ہر جمعہ کو اپنی غذا میں سے بلے کے کان کے برابر کم کرتے تھے[۵] شیخ سہل بن عبداللہ تستری جو کم خور صوفی کی حیثیت سے مشہور ہیں، اپنے ساتھیوں کو تاکید کرتے تھے کہ ہر جمعہ کو ایک بار گوشت کھائیں تاکہ اتنے کمزور نہ ہوں کہ عبادت ہی چھوٹ جائے[۶]

قلّتِ مَنام

راہِ سلوک میں کم سونا بھی ایک لازمی ریاضت ہے۔ اہلِ لطائف کا کہنا ہے کہ جب آدم پر اللہ تعالیٰ نے نیند کو غالب کیا تو ان کے (بائیں پہلو سے) حوا کو پیدا کیا اور جتنے مصائب سے انھیں واسطہ پڑا وہ سب حوا کی وجہ سے تھے[۷] کہنے کا مقصد یہ ہے کہ حضرت آدم اللہ کے

---

[۱] اللمع ص ۵۲۷

[۲] اللمع ص ۵۲۸

[۳] شیخ سہل بن عبداللہ تستری کے مرید تھے۔ بصرہ آپ کا وطن تھا، طریقۂ سالمیہ کے بانی ہیں: سفینۃ الاولیاء بذیل تذکرہ ص ۱۵۳

[۴] الرسالۃ القشیریہ ص ۸۵ [۵] اللمع ص ۵۲۷

[۶] اللمع ص ۵۲۷

[۷] الرسالۃ القشیریہ ص ۲۳۰، کشف المحجوب ص ۳۰۸

حضور میں سوئے تو سونے کی سزا حوا کی شکل میں ملی جو اُن کے لیے باعثِ آفات ثابت ہوئی۔ شیخ ابو علی دقاق نے اسی خیال کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام سے جب کہا:

یٰبُنَیَّ اِنِّیْۤ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْۤ اَذْبَحُكَ (سورہ الصّٰفّٰت : ۱۰۲)	اے میرے بیٹے! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ تمھیں ذبح کر رہا ہوں۔

تو حضرت اسماعیل نے جواب دیا:

یا ابت ھذا جزاء من نام عن حبیبه ولو لم تنم لما امرت بذبح الولد[1]	ابا جان! یہ اس کی جزا ہے جو دوست سے غافل ہو کر سویا آپ نہ سوتے تو بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم نہ دیا جاتا۔

اس کے علاوہ صوفیہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو وحی بھیجی اور کہا:

کذب من ادعی محبتی فاذا جنه اللیل نام عنی[2]	وہ انسان جھوٹا ہے جو میری محبت کا مدعی ہے جب رات آتی ہے تو سو جاتا ہے۔

شیخ ابوبکر شبلی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے مطلع کیا کہ جو سویا وہ غافل رہا اور جو غافل رہا وہ محجوب ہوا۔[3]
نیند اور بیداری سے متعلق صوفیہ ایک نکتہ یہ بیان کرتے ہیں:

"اگر تمھیں حضوری حاصل ہے تو مت سوؤ کیوں کہ حضوری میں سونا بے ادبی ہے اگر تم غائب ہو تو اہلِ حسرت و مصیبت میں سے ہو اور مصیبت زدہ کو آرام کہاں ہے"[4]

صوفیہ چوں کہ زیادہ تر حضوریِ قلب کی دولت سے مالا مال ہوتے ہیں اس لیے وہ بیداری پر اس قدر

---

[1] الرسالۃ القشیریہ ص ۲۳۰، کشف المحجوب ص ۳۰۷

[2] الرسالۃ القشیریہ ص ۲۳۰، کشف المحجوب ص ۳۰۷

[3] الرسالۃ القشیریہ ص ۲۳۰، کشف المحجوب ص ۳۰۶، ایک بزرگ کا کہنا ہے کہ اگر نیند میں کوئی بھلائی ہوتی تو جنت میں ضرور سونا ہوتا دیکھیے: الرسالۃ القشیریہ ص ۲۳۰، کشف المحجوب ص ۳۰۸ [4] الرسالۃ القشیریہ ص ۲۳۰-۲۳۱

فرلیفتہ ہیں کہ نیند کو دور کرنے کی خاطر ناقابلِ بیان حد تک اپنے نفس کو اذیتیں دیتے ہیں۔ حضرت شیخ جنید بغدادی کہتے ہیں کہ میں نے سَری سے زیادہ کسی کو عبادت گزار نہیں دیکھا، وہ اٹھانوے (۹۸) برس تک زندہ رہے اور سوائے مرضِ موت کے کبھی زمین پر پہلو تک نہیں ٹیکا۔[1] شیخ ابو محمد حریری کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ ایک سال تک انھوں نے مکہ میں قیام کیا، اِس دوران نہ وہ سوئے نہ کسی سے کلام کیا، نہ کسی دیوار یا کھمبے سے انھوں نے ٹیک لگایا اور نہ اپنی ٹانگوں کو پھیلایا۔[2] ایک بزرگ صفوان بن سلیم[3] (م ۱۳۲ھ/۷۴۹ء) سردیوں میں زمین پر لیٹتے تھے تاکہ انھیں ٹھنڈک لگے گرمیوں میں گھر کے اندر لیٹتے تاکہ انھیں گرمی لگے اور وہ سو نہ سکیں۔[4] شیخ ابوبکر کتانی[5] (م ۳۲۲ھ/۹۳۴ء) تیس سال حرم شریف میں گوشہ نشین رہے اس عرصہ میں آپ بالکل نہیں سوئے۔[6] شیخ ابوبکر شبلی نیند کو دور کرنے کے لیے اپنی آنکھوں میں نمک ڈالا کرتے تھے۔[7] حسین بن منصور حلاج[8] (۲۴۴-۳۰۹ھ/۸۵۸-۹۲۲ء) کے

---

[1] سفینۃ الاولیاء، بذیل تذکرہ ص ۳۶

[2] سفینۃ الاولیاء، بذیل تذکرہ ص ۱۴۳، تذکرۃ الاولیاء باب ۶۹ ص ۳۱۱

[3] صفوان بن سلیم الزہری زہد و عبادت اور مجاہدہ و ریاضت میں مشہور تھے۔ متعدد تابعین سے روایت کی ہے: حلیۃ الاولیاء ۳: ۱۵۸-۱۶۵، الطبقات الکبریٰ ۱: ۳۸

[4] حلیۃ الاولیاء ۳: ۱۵۹، الطبقات الکبریٰ ۱: ۳۸

[5] حلیۃ الاولیاء ۱۰: ۳۵۷، تاریخ بغداد ۳: ۷۴، سفینۃ الاولیاء، بذیل تذکرہ ص ۱۴۵

[6] سفینۃ الاولیاء ص ۱۴۶، تذکرۃ الاولیاء باب ۶۷ ص ۳۰۳، طواف کے دوران بارہ ہزار بار ختم قرآن کیا تھا: تذکرۃ الاولیاء باب ۶۷ ص ۳۰۳

[7] الرسالۃ القشیریہ ص ۲۳۰، کشف المحجوب ص ۳۰۸، تذکرۃ الاولیاء باب ۶۸ ص ۳۸۱، گویند کہ ہفت من نمک در چشم کردہ بود: تذکرۃ الاولیاء باب ۶۸ ص ۳۸۱

[8] ابو المغیث حسین بن منصور الحلاج بیضا (فارس) کی بستی طور میں پیدا ہوئے۔ عمرو بن عثمان مکی، شیخ سہل بن عبداللہ تستری اور شیخ جنید بغدادی کی ہم نشینی اختیار کی "انا الحق" کہنے کے جرم میں (بقیہ حاشیہ بر صفحہ دیگر)

متعلق مشہور ہے کہ نہ وہ ٹیک لگاتے اور نہ پہلو بدلتے تھے، رات بھر قیام کرتے نیند کا غلبہ ہوتا تو اپنے کندھوں پر سر رکھتے[۱] ایک بزرگ شیخ ابوبکر بن عیاش[۲] (۹۵-۱۹۳ھ / ۷۱۴-۸۰۸ء) نے چالیس برس تک فرش سے پہلو ہی نہیں لگایا[۳] اور ایک دوسرے سالکِ طریقت شیخ ابو العباس بستی[۴] (م ۳۵۶ھ / ۹۶۷ء) نے پورے ستر سال تک زمین پر پہلو نہیں رکھا[۵] مشہور صوفی شاہ شجاع کرمانی[۶] (م ۲۷۰ھ / ۸۸۳ء) چالیس سال تک محوِ خواب نہیں ہوئے، جب ایک رات نیند آ گئی تو خواب میں اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا اس کے بعد جہاں جاتے کپڑے ساتھ لے جاتے تاکہ سو جائیں اور دیدارِ الٰہی کی نعمت سے بہرہ مند ہو سکیں، یہاں تک کہ آواز سنائی دی کہ اس خواب میں جو دولت آپ کو ملی وہ سابقہ بیداری کا ثمرہ تھی[۷] ایک بزرگ کہتے ہیں کہ بعض اوقات میں سستا لیتا ہوں تو مجھ کو کہا جاتا ہے کہ تو مجھ سے غافل ہو کر سو رہا ہے اگر تو مجھ سے غافل ہو کر سوئے گا تو میں تجھے کوڑے لگاؤں گا[۸]

نیند کو کمتر درجہ دیتے وقت صوفیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں: النوم اخ الموت

(گزشتہ سے پیوستہ) قتل کیے گئے۔ ۴۹ کتابوں کے مصنف ہیں لیکن ان کی سب سے مشہور کتاب کتاب الطواسین ہے جسے لوئی ماسینون نے ۱۹۱۳ء میں پیرس سے شائع کیا: نفحات الانس ص ۹۶-۹۷، الطبقات الکبریٰ ۱: ۱۰۷-۱۰۹، تذکرۃ الاولیاء باب ۷۲، سفینۃ الاولیاء بذیل تذکرہ ص ۱۴۲، وفیات الاعیان ۲: ۱۴۰

۵۱ التعرف ص ۱۴۸

۵۲ آپ کا شمار نساک میں ہوتا ہے: الطبقات الکبریٰ ۱: ۶۲، تاریخ بغداد ۱۴: ۳۷۱-۳۸۵

۵۳ احیاء علوم الدین ۴: ۳۹۸

۵۴ قندھار کی ایک بستی بست کے صوفی تھے۔ بیت المقدس میں وفات پائی: سفینۃ الاولیاء بذیل تذکرہ ص ۱۴۱

۵۵ سفینۃ الاولیاء بذیل تذکرہ ص ۱۴۱

۵۶ شیخ ابو حفص حداد نیشاپوری کے مرید تھے طبقۂ ثانیہ میں شمار ہے: سفینۃ الاولیاء بذیل تذکرہ ص ۱۳۱-۱۳۲، الطبقات الکبریٰ ۱: ۹۰

۵۷ سفینۃ الاولیاء بذیل تذکرہ ص ۱۳۱، تذکرۃ الاولیاء، باب ۳۶ ص ۲۰۲

۵۸ التعرف ص ۱۵۳

حدیث سے استدلال کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ زندگی خدا کی نعمت ہے اور موت بلاء محنت، اس لیے نعمت مصیبت سے اشرف اور بہتر ہے[1]۔ یعنی جب زندگی موت سے بہتر ہے تو بیداری بھی نیند سے بہتر ہونی چاہیے۔

لیکن بعض حالات میں نیند کو بیداری کے مقابلہ میں بہتر مانا جاتا ہے۔ ان حالات کی روشنی میں اہلِ سلوک نیند کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہلِ مجاہدہ کے لیے صدقہ سمجھتے ہیں[2]۔ ابوالحسن علی بن عبداللہ اصبہانی[3] (م ۳۰۷ھ/۹۱۹ء) نے شیخ جنید بغدادی کو ایک خط لکھا جس میں کہا گیا کہ نیند غفلت اور قرار ہے ایک محب کو نیند اور آرام کا خوگر نہیں ہونا چاہیے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد کو وحی بھیجی کہ رات میں سو جانے والا اگر محبتِ الٰہی کا مدعی ہے تو وہ جھوٹا ہے۔ اس خط کا جواب حضرت جنید نے دیا اس کا مغز یہ ہے کہ نیند اللہ تعالیٰ کی ایک بخشش ہے[4]۔ نیند کو مخصوص حالات کے تحت صوفیہ اس لیے بہتر بتاتے ہیں کہ ایک صوفی جب سوتا ہے تو اس کے امکانات بہت زیادہ ہوتے ہیں کہ اسے خواب میں کوئی دولت نصیب ہو جائے مثلاً اسے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہو یا اسے کوئی صحابی، بزرگ یا درویش خواب میں دکھائی دے جن کا دیکھنا حالتِ بیداری میں ممکن نہیں ہے[5]۔ نیز اسے خواب میں کوئی کشف وغیرہ حاصل ہو یا کسی غلطی پر اسے بذریعہ خواب متنبہ کیا جائے۔ نیند کو بہتر بتانے کی ایک وجہ یہ ہے کہ اس سے انسان بہت سے ایسے فتنوں سے محفوظ رہتا ہے جن سے دامن بچانا عالمِ بیداری میں ذرا مشکل ہے۔ شیخ ابوعلی دقاق[6] (م ۴۰۵ھ/۱۰۱۴ء) کے بقول ایک آدمی نے شیخ سے

---

[1] کشف المحجوب ص ۳۰۶ [2] الرسالۃ القشیریہ ص ۲۳۱

[3] اصفہان کے صوفی اور بزرگ شیخ ابوتراب نخشبی کے صحبت یافتہ تھے: الطبقات الکبریٰ ۱: ۹۴، نفحات الانس ص ۶۷

[4] کشف المحجوب ص ۳۰۶-۳۰۷

[5] الرسالۃ القشیریہ ص ۲۳۱

[6] ابوعلی حسن بن محمد الدقاق نیشاپور کے شیخِ طریقت تھے ابوالقاسم نصر آبادی کے مرید اور امام قشیری کے مرشد تھے: نفحات الانس ص ۱۸۶-۱۸۷، سفینۃ الاولیاء بذیل تذکرہ ص ۱۵۹

بسیار خوابی کی شکایت کی تو شیخ نے جواب دیا :

اذھب واشکر اللہ تعالیٰ علی العافیۃ	جاؤ اس عافیت پر خدا کا شکر ادا کرو کتنے بیمار
فکم من مریض فی شہوۃ غمضۃ	ہیں جنھیں اس نیند کی شدید خواہش ہے
من النوم الذی تشکو منہ[۱]	جس کے تم شاکی ہو۔

گنہ گار انسان کے لیے صوفیہ کے بہ قول سونا بہتر اور اولیٰ ہے کیوں کہ اس سے کم از کم اس کے گناہوں میں اضافہ نہیں ہوتا۔ اہلِ سلوک کے اس خیال کی اساس حبر الامت حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ حکیمانہ قول ہے :

"گنہ گار کی نیند سے ابلیس کے لیے کوئی چیز سخت نہیں ہے جب گنہ گار سوتا ہے تو ابلیس کہتا ہے کب جاگے گا تاکہ اللہ کی نافرمانی کرے۔"[۲]

مشائخ میں بعض حضرات کا خیال ہے کہ ایک مردِ خدا کو راہِ سلوک میں نیند ضرر نہیں پہنچاتی بشرطیکہ وہ اس راہ کا جواں مرد راہی ہو۔ شیخ ذوالنون مصری نے ایک آدمی کے ذریعہ حضرت بایزید بسطامی سے کہلوایا "کب تک نیند اور راحت میں رہوگے قافلہ آگے نکل گیا ہے"۔ اس کا جواب انھوں نے قاصد کو یہ دیا "بھائی ذوالنون سے کہنا کہ وہ ایسا مرد ہے جو تمام رات سوتا ہے اور قافلہ سے پہلے منزل پر صبح کرتا ہے"۔ جب ذوالنون کو یہ بات پہنچی تو انھوں نے کہا :

ھذا کلام لاتبلغہ احوالنا	یہ وہ کلام ہے جس کے مطابق ہمارے
ھنیئاً لہ[۳]	احوال نہیں ہیں۔

لیکن مشائخ کا اس پر اتفاق ہے کہ بیداری کو نیند پر فضیلت حاصل ہے اس لیے مرید کو ہدایت کی جاتی ہے کہ صرف غلبہ کے وقت سوئے اور جب بیدار ہو تو پھر نہ سوئے دوبارہ سونا اس پر حرام ہے۔[۴]

---

[۱] الرسالۃ القشیریہ ص ۲۳۱

[۲] کشف المحجوب ص ۳۰۶ (الرسالۃ القشیریہ میں قائل کا نام نہیں دیا ہے الرسالۃ القشیریہ ص ۲۳۱)

[۳] النور من کلمات ابی طیفور مشمولہ شطحات الصوفیہ ۱ : ۱۰۳

[۴] کشف المحجوب ص ۳۰۹

قلتِ کلام

قلتِ طعام اور قلتِ منام کے ساتھ قلتِ کلام بھی مجاہدۂ نفس کا ایک جز ہے۔ یوں بھی حکماء اور مصلحین نے خاموشی کو اس لیے بہتر بتایا ہے کہ انسان زبان کے فتنوں سے محفوظ رہتا ہے۔ بعض حالات میں خاموشی اس قدر ناگزیر بن جاتی ہے کہ آدمی کے دین و ایمان کی سلامتی اسی میں مضمر سمجھی جاتی ہے لیکن صوفیہ کے یہاں خاموشی "آدابِ حضوری" میں شمار ہوتی ہے اور ان کے نزدیک یہ معرفت کا ثمرہ ہے۔ شیخ جنید بغدادی کہتے ہیں:

من عرف اللہ کل لسانہ[1] — جس نے خدا کو پہچانا اس کی زبان گونگی ہو گئی

شیخ ابو بکر وراق[2] (م ۳۴۷ھ / ۹۵۸ء) کا کہنا ہے کہ حکماء انبیاء کے جانشین ہوتے ہیں، نبوت کے بعد صرف حکمت باقی رہی اور حکمت کی نشانی ہے طویل خاموشی اور بہ وقتِ ضرورت کلام[3]۔ اس پس منظر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ قول نقل کیا جاتا ہے کہ عبادت کے دس حصے ہیں نو حصے خاموشی ہیں اور ایک حصہ لوگوں سے فرار ہونے میں ہے[4]۔ وہیب بن الورد[5] (م ۱۵۳ھ / ۷۷۰ء) کہتے ہیں کہ عافیت کے دس حصے ہیں نو حصے خاموشی میں اور ایک حصہ لوگوں سے فرار ہونے میں ہے[6]۔ سہل بن عبد اللہ تستری کا قول ہے:

لا یصح لاحد الصمت حتیٰ یلزم نفسہ الخلوۃ ولا تصح لہ التوبۃ حتی یلزم نفسہ الصمت[7]

کسی شخص کے لیے خاموشی درست نہیں جب تک وہ خلوت کو اپنے نفس کے لیے لازم نہ کر لے اور نہ کسی کے لیے توبہ درست ہے جب تک وہ خاموشی کو

---

[1] کشف المحجوب ص ۳۱۰

[2] محمد بن عمر المعروف بہ ابو بکر وراق کا تعلق صوفیہ کے طبقۂ دوم سے ہے ترمذ وطن اور مدفن ہے شیخ حکیم ترمذی کے شاگرد ہیں۔ تذکرۃ الاولیاء باب ۵۹ ص ۲۹۱-۲۹۴، الطبقات الکبریٰ ۱: ۹۱-۹۲، نفحات الانس ص ۸۰-۸۱، حلیۃ الاولیا ۱۰: ۲۳۵

[3] طبقات الصوفیہ ص ۲۲۶ [4] احیاء علوم الدین ۳: ۹۲

[5] مکہ کے ایک دانا اور صالح، حضرت ابراہیم بن ادہم اور حضرت سفیان ثوری کے ہم نشین تھے: حلیۃ الاولیاء ۸: ۱۴۰

[6] تنبیہ المغترین ص ۸۴

[7] الرسالۃ القشیریہ ص ۷۵

اپنے لیے لازم نہ پکڑ لے

خاموشی کا ایک فائدہ یہ ہے کہ اس سے آدمی غیبت سے محفوظ رہتا ہے اور صوفیہ سے یہ چیز مخفی نہیں ہے۔ انھیں روحانی اور معنوی فوائد سے فیض یاب ہونے کی نیت سے اہلِ سلوک خاموشی کی مشق کرتے اور بسا اوقات حیرت انگیز حد تک اپنے آپ کو خاموشی کا خوگر بنانے کی کوشش کرتے۔ شیخ ابو طالب مکی ایک بزرگ کے بارے میں نقل کرتے ہیں کہ وہ تیس برس تک اپنے منہ میں کنکریاں بھرے رہے تاکہ وہ خاموشی کے خوگر ہو سکیں[1]۔ ایک بزرگ ربیع بن خثیم[2] (م ۶۳ھ/۶۸۲ء) کے متعلق بتایا جاتا ہے کہ بیس سال تک اپنی زبان سے کوئی لفظ نہیں نکالا سوائے چھینکنے کے[3]۔ ایک دوسرے بزرگ حسان بن سنان[4] (۶۰-۱۸۰ھ/۶۷۹-۷۹۶ء) نے ایک دفعہ کوئی لغو کلمہ زبان سے نکالا تو اپنے نفس کو سزا دینے کے لیے ایک سال تک روزے سے رہے[5]۔

مجاہدہ کا عمل تصوف میں بجائے خود وسیلہ ہے تزکیۂ نفس کا اور تزکیۂ نفس بھی اپنے اندر کوئی مقصد نہیں ہے، بلکہ مقصد علمِ لدنی کا حصول ہے جو بدون نفس کشی کے حاصل نہیں ہو سکتا۔ شیخ ہجویری لکھتے ہیں کہ آدمی کل عالم کا نمونہ ہے اور عالم نام ہے دو جہانوں کا اور انسان میں دونوں جہانوں کا نشان موجود ہے[6]۔ انسان اسی لیے جہانِ اصغر کہلایا جاتا ہے کہ اس میں روح لطافت کی وجہ سے بہشت کی قائم مقام ہے اور نفس خرابی و وحشت کی وجہ سے دوزخ کی علامت ہے اور جسم بجائے خود میدانِ قیامت ہے[7]۔ یہی رائے ایرانی مفکر مانی کی ہے چنانچہ وہ بھی نور و ظلمت اور خیر و شر کے

[1] قوت القلوب ۱ : ۱۴۲

[2] مشہور زاہد تھے۔ تابعین میں شمار ہوتا ہے: الطبقات الکبریٰ ۱ : ۲۸-۲۹، تہذیب التہذیب ۳ : ۲۴۲، الطبقات الکبریٰ ۱ : ۲۸

[3] الکواکب الدریہ ۱ : ۱۰۶، تنبیہ المغترین ص ۴۸

[4] بصرہ کے عابدوں میں شمار ہوتے ہیں حدیث کی روایت حسن بصری سے کی ہے: حلیۃ الاولیاء ۳ : ۱۱۴، تہذیب التہذیب ۲ : ۲۴۹-۲۵۰

[5] تنبیہ المغترین ص ۴۸، مرحسان بن سنان بغرفۃ فقال مذکم بنیت ھذہ؟ قال: ثم رجع الی نفسہ فقال وما علیک مذکم بنیت تسألین عما لا یعنیک نعاقبہا بصوم سنۃ: حلیۃ الاولیاء ۳ : ۱۱۵

(حاشیہ بر صفحہ دیگر)

تنازع کی انسانی فطرت کی سرشت بتاتا ہے۔ مانی کے نزدیک روح جسم کے اندر مقید ہے اور اس نفس سے آزادی چاہتی ہے لیکن روح کی رہائی یا تطہیر مادی خوشی کو چھوڑ کر ہی حاصل کی جاسکتی ہے۔ مانی کے فلسفۂ ثنویت اور تصوف کی اسی مماثلت کو دیکھ کر بعض عالموں نے تصوف کو ثنویت سے متاثر بتایا ہے۔ حضرت بایزید بسطامی کہتے ہیں کہ صفت نفس صرف باطل کے ساتھ قائم رہ سکتی ہے[۱] شیخ سلیمان دارانی کے بہ قول نفس امانت میں خیانت کرنے والا اور رضاء الٰہی کی طلب میں روکنے والا ہے[۲] اس لیے مخالفت نفس کو جملہ عبادات کی اصل اور تمام مجاہدات کی تکمیل کہا گیا ہے اور اس کی موافقت کو بندہ کی ہلاکت اور مخالفت کو باعثِ نجات بتایا گیا ہے[۳] مشہور صوفی شیخ ابوسعید ابوالخیر نے اپنی اس رباعی میں نفس کے مقابلہ میں کالے سانپ کی موافقت کو بہتر گردانا ہے ؎

در راہ یگانگی نہ کفر است و نہ دیں ۔۔۔ یک گام زخود برون نہ در راہ ببیں

اے جانِ جہاں تو راہ اسلام گزیں ۔۔۔ با مارِ سیہ نشین و با خود منشیں[۴]

جب نفس ایسی ہی بری شے ہے تو لامحالہ صفائے باطن کے لیے اس کا قلع قمع کرنا ضروری ہے اسی مقصد کے حصول کے لیے مجاہدہ کیا جاتا ہے۔ امام قشیری مجاہدہ کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اصل المجاھدۃ و ملاکھا فطم النفس عن المألوفات و حملھا علی خلاف ھواھا فی عموم الاوقات[۵]	مجاہدہ کی اصل اور اس کی بقا نفس کو اس کی پسندیدہ چیزوں سے جدا کرنے اور اسے خواہشات کی خلاف ورزی کرنے پر ہر وقت ابھارنا ہے۔

(گزشتہ سے پیوستہ) [۶] کشف المحجوب ص ۱۷۸، تصوف۔ ایک تجزیاتی مطالعہ ص ۸۰۔

[۷] کشف المحجوب ص ۱۷۸، تصوف۔ ایک تجزیاتی مطالعہ ص ۸۰۔

[۱] کشف المحجوب ص ۱۷۸

[۲] کشف المحجوب ص ۱۷۹

[۳] کشف المحجوب ص ۱۷۶

[۴] نفحات الانس ص ۱۹۴، سفینۃ الاولیاء بذیل تذکرہ ص ۱۶۲

[۵] الرسالۃ القشیریہ ص ۶۲

اور اس لحاظ سے مجاہدہ ایک ایسا عمل ہے جس کے بغیر میدانِ طریقت میں گام زن ہونا فضول اور بے معنی ہے. ابوعثمان مغربی[1] (۳۷۳ھ-۲۴۳ / ۹۸۳-۸۵۶ء) کہتے ہیں کہ جو انسان یہ سمجھتا ہے کہ التزام مجاہدہ کے بغیر اس راہ کی کوئی چیز اس پر کھل سکتی ہے وہ دھوکے میں ہے[2]

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی سے منقول ہے :

"یہ توقع نہ رکھو کہ تم روحانیوں کے زمرے میں داخل ہو سکو گے جب تک کہ اپنے تمام اعضا کی مخالفت نہ کرو، اپنے وجود، اپنی سماعت، اپنی بصارت، اپنے قویٰ، اپنی سعی و عمل، اپنی عقل اور ہر اس چیز سے علیحدہ نہ ہو جاؤ جو تمھاری روح کے وجود سے پہلے اور تمھاری روح کے نفخ کے بعد واقع ہوئی کیوں کہ یہ سب تمھارے اور خدا کے درمیان حجاب ہیں۔"[3]

یعنی بہ اعتبار جسم انسان کی سرشت میں صفائی ہے ہی نہیں. شیخ علی ہجویری کے بہ قول مشائخ کا کہنا ہے :

لیس الصفا من صفات البشر لان	صفا بشر کی صفات میں سے نہیں ہے کیوں کہ
البشر مدر لا یخلو من کدر[4]	بشر ڈیلا رمٹی) سے بنا ہے جو گدلاہٹ سے خالی نہیں۔

اہلِ سلوک کے نزدیک جسم کثیف کے برعکس روح لطیف "نور عزت" سے پیدا ہوئی ہے[5]. یا بہ قول شیخ سہروردی وہ علوی آسمانی ہے[6]، جو ظلمتِ نفس کی قید سے آزاد ہونے کے بعد ہی مقاماتِ قرب کی طرف عروج شروع کرتی ہے[7]. اس فکر کی اساس فکرِ مانوی کے علاوہ یونانی ثنویت بھی ہے۔

---

[1] ابوعثمان سعید بن سلام المغربی قیروان کی بستی کوکب میں پیدا ہوئے. حرم شریف میں مدتوں قیام کرنے کے بعد نیشاپور گئے اور وہیں وفات پائی : الطبقات الکبریٰ ۱ : ۱۲۲، سفینۃ الاولیاء بذیل تذکرہ ص ۷۴-۷۵، تذکرۃ الاولیاء باب ۹ ص ۴۱۸-۴۲۲

[2] الرسالۃ القشیریہ ص ۶۲

[3] الطبقات الکبریٰ ۱ : ۱۳۳، تصوف-ایک تجزیاتی مطالعہ ص ۷۹

[4] کشف المحجوب ص ۲۹

[5] عوارف المعارف علی ہامش احیاء ۴ : ۲۱۵

[6] عوارف المعارف علی ہامش احیاء ۴ : ۲۲۰

[7] عوارف المعارف علی ہامش احیاء ۴ : ۲۲۶-۲۲۷

افلاطون کے مطابق حقیقتِ کلی کا علم اس وقت مشکل ہی سے حاصل ہوتا ہے جب روح جسم کی اسیر ہو[1] اور اس مقصد کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ روح کو آزادی دلانے کے لیے نفس کو ریاضتوں کا خوگر بنایا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ مجاہدہ کی ابتدا ہی تعذیبِ نفس کے عمل سے شروع ہوتی ہے اور اس کا پہلا نشانہ جسم ہوتا ہے اوپر دیے گئے واقعات سے بہ آسانی یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ صوفیہ کے یہاں جسم کی بقا و نگہداشت بے معنیٰ ہے، بلکہ اگر وہ غذا استعمال کرتے ہیں تو صرف اس لیے کہ انسان زندہ رہ سکے اور زندہ رہنے کے لیے چالیس دن میں صرف ایک بار کھانا کافی ہے[2]۔ شیخ ہجویری کے بہ قول اولیاء جب چاہتے ہیں کہ کلامِ الٰہی باطنی طور پر سنیں تو چالیس روز تک بھوکے رہتے ہیں جب تیس دن گذر جاتے ہیں تو وہ مسواک کر لیتے ہیں پھر دس روز اور بھوکے گذار دیتے ہیں اس کے بعد اللہ تعالیٰ لازمی طور پر ان کے باطن سے ہم کلام ہو جاتا ہے[3]۔ چلّہ کی روایات یا چالیس دن کی اصل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں تلاش کر لی گئی ہے، جس کا ذکر قرآن میں بہ ایں الفاظ آیا ہے:

وَوٰعَدْنَا مُوسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً	اور ہم نے موسیٰ سے تیس راتوں کا وعدہ کیا اور
وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ	مزید دس راتوں کو اس کا تتمہ بنایا سو اس کے
رَبِّهٖٓ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً[4]	رب کی مدت چالیس راتوں میں پوری ہوئی۔

روایت ہے کہ حضرت موسیٰ نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں اس کے حکم کے بموجب تیس دن تک بغیر افطار کے روزے رکھے۔ تیس راتیں پوری ہوئیں تو انھوں نے اپنے منہ کی بدبو دور کرنے کے لیے مسواک کر لیا۔ فرشتوں نے ان سے کہا کہ ہم تو آپ کے منہ کی خوشبو سونگھتے تھے جسے آپ نے مسواک سے کھو دیا اللہ تعالیٰ نے انھیں بغیر افطار کے مزید دس دن روزہ رکھنے کا حکم دیا اس طرح حضرت موسیٰ نے بغیر کھائے پیے چالیس دن گذار دیے[5]۔ شیخ سہروردی کے بہ قول اس چلہ کو پورا کرنے کے بعد ہی انھیں خدا تعالیٰ سے

---

[1] B.A.G. Fuller, A History of Philosophy, New Delhi 1969 Vol. I p.

[2] کشف المحجوب ص ۲۸۴

[3] کشف المحجوب ص ۲۸۳

[4] سورہ اعراف: ۱۴۲ [5] عوارف المعارف علی ہامش احیاء ۲: ۲۹۶-۲۹۷

ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا لہٰذا جو شخص محض اللہ کے لیے چالیس روز تک اپنے معدہ کو غذا سے خالی رکھتا ہے اللہ تعالےٰ اسے علمِ لدنّی عطا فرماتا ہے[1]۔ اور یہی چیز اس مرحلہ پر صوفیہ کا منتہائے مقصود بھی ہے۔ صوفیہ کے یہاں تعذیبِ جسم کا مقصد تزکیۂ نفس اور شہوت کا ختم کرنا ہے۔ جسم جب قوی ہوتا ہے تو مشکل سے عبادت کی طرف مائل ہوتا ہے اس لیے اس کی تمام آسائشیں مسدود کی جاتی ہیں، اور ناقابلِ برداشت ریاضتوں سے اسے رام کیا جاتا ہے۔ سخت ریاضتوں کا خوگر بننے کے لیے بعض صوفیہ ابتدائے ارادت میں رات رات بھر سر کے بل کھڑے رہنے کی مشق کرتے تھے[2]۔ جسم کی قوت کو گناہ و معصیت کا سبب سمجھ کر تصوف میں شکم سیری کو شراب پینے سے زیادہ قبیح سمجھا جاتا ہے اس سلسلہ میں شیخ سہل بن عبداللہ تستری کہتے ہیں کہ میرے نزدیک شراب سے بھرا ہوا معدہ، رزقِ حلال سے بھرے ہوئے پیٹ کی بہ نسبت زیادہ پسندیدہ ہے کیوں کہ معدہ شراب سے بھر جاتا ہے تو شعورِ انسانی آرام پاتا ہے اور شہوت کی آگ دب جاتی ہے مگر جب پیٹ بھرا ہوتا ہے تو وہ بے جا آرزو کرتا ہے اور شہوت بڑھ جاتی ہے[3]۔ جسم کی بقا اور نگہداشت کو نظر انداز کرنے کا عمل صرف غذا کی کمی تک محدود نہیں رہا، بلکہ اس کے ساتھ طویل شب بیداریوں، کثرتِ اسفار، گرمی اور سردی کی تکالیف، اور دوسری ناقابلِ بیان ریاضتوں سے اسے رام کرنے کی کوششیں بھی جاری رہتی ہیں۔ علاوہ ازیں صرف جسم کو عذاب دے کر مسئلہ حل نہیں ہوتا، بلکہ اس معاملہ میں ہوائے لذت و شہوت کے خاتمہ کے ساتھ ساتھ ہوائے جاہ و ریاست کا خاتمہ بھی ضروری خیال کیا جاتا ہے اور اس کی سبیل امام غزالی کے الفاظ میں یہ ہے:

ان الطریق الکلی فیہ سلوک مسلک المضادۃ لکل ما تھواہ النفس و تمیل الیہ[4]	اس کا تمام تر طریقہ یہ ہے کہ نفس جس چیز کی بھی خواہش کرے اور جدھر بھی مائل ہو سب میں اس کی مخالف روش اختیار کی جائے۔

---

[1] عوارف المعارف علیٰ حاشیہ احیاء ۴ : ۲۹۸

[2] احیاء علوم الدین ۳ : ۶۰

[3] کشف المحجوب ص ۳۰۴

[4] احیاء علوم الدین ۳ : ۶۰

مثلاً تکبر اور غرورِ نفس کو توڑنے کے لیے انھوں نے بھیک مانگنے کا علاج تجویز کیا ہے تاکہ عزتِ نفس کا مادہ خاک میں مل جائے :

فان عزة النفس والرئاسة لا
تنكسر الا بالذل ولا ذل اعظم
من ذل السؤال[1]

نفس کی عزت اور بڑائی اسے ذلیل کیے بغیر نہیں
ٹوٹ سکتی اور بھیک مانگنے سے بڑھ کر ذلت
اور پستی کی بات کوئی نہیں ہو سکتی۔

امام غزالی کہتے ہیں کہ کچھ وقت تک بھیک مانگنے کا عمل جاری رکھا جائے تاکہ تکبر اور غرورِ نفس کا نام نہ رہے[2] اسی اصول کے تحت غصہ دور کرنے کے لیے ایسے انسان کی صحبت اختیار کرنی چاہیے جو بدخلق ہو[3] جس طرح بعض مشائخ اپنے غصہ کو دور کرنے کے لیے ایسے آدمی کو اجرت پر رکھتے جو بر سرِ عام انھیں گالی دے[4]۔ امام صاحب کہتے ہیں کہ یہ مثالیں ہیں جن سے تم قلب کی بیماریوں کا علاج جان سکتے ہو[5] یعنی خودداری اور عزتِ نفس کو خاک میں ملانے کے لیے تمام ممکنہ طریقے اپنائے جا سکتے ہیں شرط صرف یہ ہے کہ علاج کارگر ہو اور حُبِّ جاہ و ریاست سے نجات دلانے میں ممد و معاون ثابت ہو۔ یہ محض الفاظ نہیں ہیں، بلکہ انھوں نے ان طریقوں اور مثالوں کو آزمایا بھی ہے۔ تصوف کی کتابوں میں ایسے ہزاروں واقعات ملتے ہیں جو بہر حال ایک مسلمان کی شان سے فروتر ہیں مگر صوفیہ کے نزدیک ان سے قلب کی اصلاح ہوتی ہے۔ ان کا اصل مقصد قلب کی بیماری کا علاج ہوتا ہے۔ اس کے لیے وہ تمام طریقے استعمال کیے جا سکتے ہیں جو اس معاملہ میں کارگر اور مفید ثابت ہوں گے۔ صوفیہ کو اس کی فکر بھی نہیں ہوتی کہ ان کا طریقۂ علاج علماء و فقہاء کی نظروں میں محمود و پسندیدہ ہو۔ اہلِ تصوف یہ بھی جانتے ہیں کہ اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا کہ مومن اپنے آپ کو ذلیل کرے۔ ان کی دلیل صرف یہ ہے کہ انسان کی خودی یا انا ہی بہت بڑا حجاب ہے۔

---

[1] احیاء علوم الدین ۳ : ۶۰

[2] احیاء علوم الدین ۳ : ۶۰

[3] احیاء علوم الدین ۳ : ۶۰

[4] احیاء علوم الدین ۳ : ۶۰

[5] احیاء علوم الدین ۳ : ۶۰ فهذه الامثلة لتعرفك طريق معالجة القلوب۔

نفس کشی اور مجاہدہ کا عمل دنیا کی دوسری قوموں میں بھی موجود رہا ہے عیسائیوں میں نفس کشی کا رجحان دوسری صدی عیسوی میں پیدا ہوا صرف تین سو سال کے عرصہ میں اس نے پوری عیسائی دنیا کو اپنی لپیٹ میں لیا چھٹی صدی عیسوی میں پوری عیسائی قوم ترکِ دنیا کے نشہ میں مدہوش تھی مشرقِ وسطیٰ بھیک مانگنے والے رہبانوں کی منڈی میں تبدیل ہوا تھا۔ ہر طرف مجذوب، درویش اور سنیاسی نظر آتے تھے۔ کرامات اور کرشمے وردِ زبان تھے۔ انسان اپنا اصلی مقصد چھوڑ کر کاروبارِ حیات ترک کر کے زندگی اور اس کے تقاضوں سے فرار اختیار کر رہا تھا کہ فاران کی چوٹیوں سے ایک آواز بلند ہوئی:

وَرَهْبَانِيَّةَ ۨابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنٰهَا	اور انھوں نے رہبانیت کو خود اختیار کر لیا
عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا	تھا ہم نے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی فرض
رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا۔	کی تھی پس انھوں نے اس کی پوری
حدید: ۲۷	رعایت نہیں کی۔

یہ آواز رہبانیت کی بڑھتی ہوئی گمراہی کے خلاف ایک احتجاج ہی نہیں، بلکہ للکار تھی، کہ جس کو تم منتہاءِ مقصود سمجھ بیٹھے ہو، وہ اللہ کو مطلوب ہی نہیں۔ عیسائی رہبانیت کی پوری تاریخ سامنے رکھ کر ہی اس آیتِ کریمہ کی وسعت، جامعیت اور معنویت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

اسلام آیا تو اس نے بنی نوع انسانی کے لیے ایک معقول، پاکیزہ اور معتدل زندگی کا خاکہ بھی پیش کیا، جو مادیت اور رہبانیت دونوں سے پاک تھا، جس میں نہ عیش و عشرت کے دل دادہ مسرتوں کو سراہا گیا اور نہ ہی اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو ٹھکرانے والے تارک الدنیا انسانوں کی داد و تحسین کی گئی ہے۔

رہبانیت کو قدیم زمانہ سے دنیا کی مختلف قوموں نے تقدس و پرہیزگاری کا مقام دیا ہے عوام کی نگاہوں میں ایک راہب کا حلال و پاک چیزوں کو ترک کرنا اس کے بلندیٔ کردار کی علامت سمجھی جاتی تھی، لیکن اسلام نے اس کے برعکس صاف صاف اعلان کیا:

وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا	سو کھاؤ جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے تم کو حلال

طَيِّبًا وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ [1] — اور پاک دی ہیں اور اللہ کی نعمت کا شکر کرو اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ [2] — سو کھاؤ حلال اور پاکیزہ چیزیں اور ڈرتے رہو اللہ سے، بے شک اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔

عیسائیوں نے حلال وحرام کے بارے میں احبار اور رہبان کو مختارِ کل کی حیثیت دی تھی۔ وہ جس چیز کو حلال کہتے اسے عیسائی حلال سمجھتے اور جس چیز کو حرام کہتے اسے حرام سمجھتے۔ قرآن نے اس بات کی مذمت کی اور کہا کہ تحلیل وتحریم کا حق احبار ورہبان کو دینا انھیں خدا بنا دینا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ [3] — انھوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اپنے احبار اور رہبان کو رب بنالیا ہے

یہ آیتِ کریمہ جب نازل ہوئی تو حضرت عدی بن حاتم[4] (م ۶۸ھ/۶۸۷ء) نے جو اس وقت عیسائی تھے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنی گردن میں سونے کی صلیب ڈالے (اعتراض کرنے آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا ایسا نہیں ہے کہ وہ جس چیز کو حلال قرار دیتے ہیں تم اسی کو حلال مانتے ہو اور جس چیز کو حرام کہتے ہیں تم اس کو حرام مانتے ہو؟ انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ بات صحیح ہے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہی ان کی عبادت ہوئی[5] (یعنی ان کو رب بنانا ہوا)

---

[1] سورۃ النحل: ۱۱۴ [2] سورۃ الانفال: ۶۹

[3] سورۃ التوبہ: ۳۱، شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ نے یوں ترجمہ کیا ہے "ٹھہرا لیا ہے اپنے عالموں اور درویشوں کو خدا، اللہ کو چھوڑ کر"۔

[4] عرب کے مشہور سخی حاتم طائی کے فرزند ابو وہب عدی بن حاتم طائی ۹ھ میں ایمان لے آئے۔ کوفہ میں انتقال کیا۔ ان سے ۶۶ احادیث مروی ہیں: الاصابہ ۴: ۴۶۹، الاعلام ۵: ۸

(بقیہ حاشیہ بر صفحہ دیگر)

اللہ تعالیٰ کے قانون تحلیل و تحریم میں جو حکمتیں اور مصلحتیں پوشیدہ ہیں انھیں اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ کوئی شیخ، پیر یا مرشد محض اپنی رائے سے کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دیتا ہے تو وہ حکمتِ الٰہی کو مسترد کرتا ہے۔ تصوف اور سلوک سے وابستہ لوگوں کو اس کا عملی تجربہ ہے کہ بعض اوقات کوئی پیر اپنے مریدوں کو گوشت کھانے سے منع کرتا ہے اور مرید جب کسی دعوت میں پہنچ جاتا ہے جہاں گوشت سے مہمانوں کی تواضع کی جاتی ہے تو وہ کھانے سے انکار کر دیتا ہے اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ مرید نے کسی شیخ یا پیر کے ہاتھ پر بیعت کی ہے اور مرشد نے مرید کو گوشت کھانے سے منع کیا ہے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کسی خانوادہ یا سلسلۂ تصوف سے وابستہ شخص چند عالموں کو بُلا کر اپنے گھر میں ذکر واذکار، درود واوراد یا کسی بزرگ سے منسوب ختم کراتا ہے، مجلسِ ختم میں ایک مخصوص و معین تعداد میں بزرگ کے تلقین کیے ہوئے ذکر واذکار کا وِرد کیا جاتا ہے یا بعض لوگ "ختمِ خواجگان" کے نام سے ختم کراتے ہیں۔ محفلِ ختم یا مجلسِ ذکر میں جو اشخاص شامل ہوتے ہیں ان کی دل کھول کر مہمان داری کی جاتی ہے۔ ان کی خوشنودی کے لیے تمام ممکنہ کوششیں ہوتی ہیں۔ انھیں جو کھانا پیش کیا جاتا ہے اس میں ہر قسم اعلیٰ درجہ کی ہوتی ہے۔ اگر میزبان اُس جذبہ کے تحت ان کا احترام بجا لاتا ہے جس کا اسلام نے مہمان کے معاملہ میں حکم دیا ہے، تو لائقِ تحسین بات تھی مگر وہ غلطی سے یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ مجلسِ ختم میں صدیوں پہلے گزرے بزرگ تشریف لائے ہیں اس لیے وہ چیز اِس محفل میں پیش نہیں ہونی چاہیے جس کو مذکورہ بزرگ نے اپنی زندگی میں نہیں کھایا ہے۔ گویا بزرگ کے زہد و مجاہدہ اور ذوق و وجدان کا اثر اس کی وفات کے سیکڑوں سال بعد بھی زائل نہیں ہوتا۔ بعض علاقوں میں آج بھی یہ چیز دیکھنے میں آتی ہے کہ محفلِ ختم میں شامل لوگوں کی خدمت میں بھینس، بیل یا گائے جس کو لوگ بڑے کا گوشت کہتے ہیں اور جو کمتر درجہ کا سمجھا جاتا ہے، پیش نہیں کیا جاتا، بلکہ اس کے برعکس بھیڑ، بکرے اور مرغ کے گوشت سے ان کی ضیافت کی جاتی ہے۔ دینِ اسلام سے اس کا کو تعلق نہیں ہے۔ اسلام نے بیل گائے کی قربانی میں سات افراد کے شرکت کی اجازت دی ہے جب کہ بھیڑ اور بکرے کی قربانی صرف ایک مسلمان کی طرف سے ہوتی ہے۔ اس سے لگتا ہے کہ قربانی میں جو چیز جائز ہے

(حاشیہ گزشتہ سے پیوستہ) ۵ الکشّاف ۲ : ۱۴۹، حدیث کی تخریج کے لیے دیکھیے: امام حافظ احمد بن حجر العسقلانی۔ الکافی الشّاف فی تخریج احادیث الکشّاف (مشمولہ الکشّاف الجزء الرابع) دارالمعرفۃ بیروت لبنان، حدیث نمبر ۱۰۸ ص ۷۵

محفلِ ختم میں بار پانے کے قابل نہیں ہے حالاں کہ قربانی واجب ہے اور مشہور اسلامی احکام میں سے ہے، نیز بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ گوشت مچھلی انڈا ترک کر کے صرف سبزی اور دال کھاتے ہیں جس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ان کے مرشد نے انھیں ایسا کرنے کا حکم دیا ہے۔ غور سے دیکھا جائے تو وہی احبار و رہبان والا معاملہ ہے۔ جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا ہے، اسے حرام یا ممنوع قرار دینے کا حق شیخ یا پیر کو کہاں سے حاصل ہو گیا؟ کیا ایسے مرشد کی اطاعت ایک مرید پر واجب ہے؟ جہاں تک اسلام اور اس کی تعلیمات کا تعلق ہے، اِن دونوں سوالوں کا جواب نفی میں ہے۔ جو لوگ جہالت میں اپنی رائے سے کسی باطنی مقصد کے حصول کے لیے کسی چیز کو حرام یا حلال بتاتے ہیں، انھیں قرآن میں اِس غلط حرکت پر سرزنش کی گئی ہے:

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ	تم اپنی زبانوں کے بیان کیے ہوئے جھوٹ کی بنا پر
الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ	یہ نہ کہو کہ فلاں چیز حلال ہے اور فلاں چیز حرام۔
لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ اِنَّ	تاکہ اللہ پر جھوٹ باندھو۔ جو لوگ اللہ پر جھوٹ
الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ	باندھتے ہیں وہ فلاح نہیں پائیں گے۔
لَا يُفْلِحُوْنَ ؕ[1]	

اور تو اور اس معاملہ میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ واضح ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ عصر کے بعد ازواجِ مطہرات کے ہاں تشریف لے جاتے۔ ایک روز ام المومنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا ($\frac{\text{۲۰ھ} - \text{۳۳ق ھ}}{\text{۵۹۰} - \text{۶۴۱ء}}$) کے ہاں کچھ دیر لگی، وجہ یہ تھی کہ انھوں نے شہد پیش کیا تھا جس کے نوش فرمانے میں کچھ تاخیر ہوئی۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ نے ایک ایک کر کے آپ سے کہا کہ حضور آپ کے دہنِ مبارک سے مغافیر کی بو آتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھائی کہ شہد نہیں کھاؤں گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی:

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ	اے نبی تم کیوں اس چیز کو حرام کرتے ہو جو اللہ نے
اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ؕ	تجھ پر حلال کی ہے تم اپنی بیویوں کی رضامندی چاہتے ہو

---

[1] سورۃ النحل : ۱۱۶

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۔ قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ وَاللّٰهُ مَوْلٰكُمْ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝ [1]

اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمھاری قسموں کا کھول ڈالنا تم پر فرض کر دیا ہے اور اللہ مالک ہے تمھارا وہ جانتا ہے حکمت والا ہے۔

اس سے واضح ہے کہ انسان کو کسی دوسرے انسان کی خوشنودی کے لیے اپنے اوپر وہ چیز ہرگز حرام نہیں کرنی چاہیے جس کو اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہو۔ اللہ کی حلال کی ہوئی چیزوں سے اجتناب واحتراز حدِ اعتدال سے تجاوز اور رہبانیت ہے۔ جیساکہ خود قرآنِ حکیم میں کہا گیا ہے:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۔ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝ [2]

اے ایمان والو! جو چیزیں اللہ نے تمھارے لیے جائز کی ہیں ان میں سے پاکیزہ چیزوں کو حرام نہ کرو اور حدود سے آگے نہ بڑھو۔ اللہ حدود سے آگے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ اور کھاؤ ان چیزوں سے جو اللہ نے تم کو بخشی ہیں، حلال وطیب کو اور اللہ سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان لائے ہو۔

اس آیت میں اللہ کی حلال اور پاکیزہ چیزوں کو حرام ٹھہرانے کو "اعتداء" سے تعبیر کیا گیا ہے جس کے معنی حدود سے آگے بڑھنا ہیں اور یہ غلط حرکت اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے۔

تصوّف کے اثر میں بعض مسلمان گوشت خوری کو اچھا نہیں سمجھتے۔ غیر مسلم بھی گوشت خوری کے خلاف دلائل دیتے ہیں ان کے بہ قول انسان کے اندر شہوانی جذبہ پیدا ہوتا ہے، دل میں قساوت آجاتی ہے اور جسم میں طرح طرح کی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اس کے برعکس دال اور سبزی کی بہت تعریف کی جاتی ہے۔ اربابِ حال کے یہاں گوشت خوری کو بہرحال پسند نہیں کیا جاتا۔ اگر کوئی مرید غلطی سے کہیں گوشت کھاتا بھی ہے تو وہ ندامت سے سر جھکا کر اپنے مرشد کے پاس حاضر ہوتا ہے۔ گویا ایسا گناہ کر کے لوٹا ہو جو ناقابلِ معافی ہو۔ بسا اوقات گوشت خوری کے خلاف یہ مہم ان قوموں

---

[1] سورۃ التحریم: ۱ و ۲، صحیح البخاری، کتاب التفسیر، سورۃ التحریم، الجزء السادس ص ۱۹۴

[2] سورۃ المائدہ: ۸۷-۸۸

کی طرف سے چلائی جاتی ہے جنکے ہاں گوشت خوری ممنوع ہے مسلمان ان قوموں کے عزائم سے بے خبر ہوتے ہیں اس لیے وہ بھی گوشت کے بجائے سبزی خوری کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ یہ انداز فکر اسلام اور اسلامی تعلیمات کے منافی ہے۔ قرآن حکیم میں تصریح ہے کہ اللہ تعالےٰ نے یہودیوں کو من وسلویٰ کی شکل میں اپنی خاص بخشش سے نوازا۔

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى[1]

اور ہم نے تم پر ابر کا سایہ کیا اور من و سلویٰ اتارا۔

لیکن یہود نے اس پر صبر نہ کیا اور مطالبہ کرنے لگے کہ ہم ایک ہی قسم کے کھانے سے اکتا گئے ہیں انھوں نے موسیٰؑ سے کہا کہ خدا سے دعا کرو کہ وہ ہمارے لیے زمین سے سبزی اُگائے:

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ؕ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِىْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِىْ هُوَ خَيْرٌ[2]

اور جب تم نے کہا، اے موسیٰ ہم ایک ہی طرح کے کھانے پر صبر نہیں کریں گے۔ سو اپنے پروردگار سے دعا مانگ کہ وہ زمین سے ہمارے لیے ترکاری، ککڑی، گیہوں، مسور اور پیاز اُگائے۔ موسیٰ نے کہا کہ کیا تم بہتر چیز کے بدلہ میں ادنیٰ چیز لینا چاہتے ہو۔

اللہ تعالیٰ نے انھیں من وسلویٰ کی نعمت سے سرفراز کیا انھیں چاہیے تھا کہ خدا کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے لیکن کور ذوقوں نے حضرت موسیٰ سے مطالبہ کیا کہ اے ہمارے پیغمبر! خدا سے کہیے کہ وہ ہمارے لیے زمین سے ترکاری، ککڑی، گیہوں، مسور اور پیاز اُگائے جس کو ہم کھائیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان سے ان کی سبزی خوری کی مذمت کی کہ تم من وسلویٰ جیسی بہترین نعمت کے بدلہ ساگ سبزی جیسی ادنیٰ سی چیز مانگتے ہو۔ یہاں گوشت کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ نے سبزی کو ادنیٰ چیز قرار دیا اور

---

[1] سورۃ البقرہ : ۵۷

[2] سورۃ البقرہ : ۶۱

یہودیوں کی مذمت کی کہ بدذوق ہیں من و سلویٰ کے بدلہ میں سبزی کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ اس لیے زہد و مجاہدہ کے دوران گوشت کو چھوڑ کر دال و سبزی استعمال کرنا غیر اسلامی طرزِ فکر کا عکاس ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ جب گوشت کھاتا ہوں تو میری طبیعت عورتوں کی طرف مائل ہوتی ہے اور میری خواہش مجھ پر غالب آتی ہے، اس لیے میں نے اپنے اوپر گوشت کو حرام کرلیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ[۱]	اے ایمان والو اللہ تعالیٰ نے جن پاکیزہ چیزوں کو حلال بنایا ہے تم ان کو حرام مت کرو۔

مولانا اشرف علی تھانوی ترمذی کی اس حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں:

"بعض متشددین بعض حلال چیزوں کو، جیسے مطلق گوشت یا مثلاً گائے کا گوشت وغیرہ اس طرح ترک کر دیتے ہیں جس طرح حرام چیزوں کو ترک کرتے ہیں۔ ان کے ترک کو موجب تقرب الی اللہ اعتقاد کرتے ہیں۔ یہ عملاً و علماً غلو و افراط فی الدین و بدعتِ سیئہ ہے اور جس رہبانیت کا ابطال آیا ہے یہ اس میں داخل ہے۔ آیت کا شانِ نزول جو حدیث میں آیا ہے اور خود اس کا مدلول اس کی منع میں نص صریح ہے۔ اہلِ مجاہدہ نے جو لذات کو ترک کیا اس کا رتبہ اس سے زیادہ نہیں ہے جس طرح بعض مضراتِ طبیہ کے سبب مریض بعض اغذیہ سے پرہیز کرتا ہے، نہ عقیدۃً اس کو حرام سمجھتا ہے نہ اس ترک کو عبادت جانتا ہے۔ ایسے ترک کو البتہ رہبانیت سے کوئی تعلق نہیں جیسا کہ بعض کم فہم اس کے بھی منکر ہوئے ہیں۔"[۲]

---

[۱] سورۃ المائدہ: ۸۷، سنن ترمذی

[۲] التکشف عن مہمات التصوف ص ۳۱۴-۳۱۵، مولانا تھانوی دوسری جگہ ترکِ لحم کے بارے میں لکھتے ہیں: اگر ترکِ لحم کی مصلحت تقلیل قوتِ بہیمیہ جو مفضی عن المعاصی ہے تب تو اس کا مبنی صحیح ہے اور موافق حدیث (ایاکم واللحم فان لہ ضراوۃ کضراوۃ الخمر وان اللہ یبغض اہل البیت اللحمیین اخرجہ مالک) ہے البتہ گاہ گاہ کھا لینا مناسب ہے کہ صورۃ تحریم حلال نہ ہو اور اگر اس کو کچھ قربِ الٰہی میں سمجھے تو بدعت ہے اگر عملیات وغیرہ اس کا سبب ہے تو بناء العبث ہے اگر اس کا منشا ذبح کو خلافِ ترحم علی الحیوان سمجھتا ہے تو الحاد فی الدین ہے: التکشف ص ۳۵۷۔

خود قرآن نے بہ ایں الفاظ گوشت کا ذکر کیا ہے:

وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَأْكُلُوا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا[1]	اور وہی ہے جس نے سمندر کو کام پر لگا دیا تاکہ تم اس میں سے تازہ گوشت کھالو۔

کسی دین میں حلال و پاکیزہ اشیاء میں وسعت رحمتِ الٰہی کا مظہر ہے۔ یہودیوں پر شریعت اس لیے تنگ کی گئی کہ ان کی سرکشی کا بدلہ یہی تھا۔ خدا بھی ان پر اپنا قہر و جلال نازل کرتا رہا اور ان کے انبیاء نے بھی ان پر لعنت و مذمت کی۔ انھیں جو آئین و قوانین دیے گئے وہ ان کے لیے سزا تھے۔ جیسا کہ سورہ انعام میں ارشادِ ربانی ہے:

وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفُرٍ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُومَهُمَا إِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُورُهُمَا أَوِ الْحَوَايَا أَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ذَٰلِكَ جَزَيْنَاهُم بِبَغْيِهِمْ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ[2]	اور یہود پر ہم نے حرام کیا تھا ہر ناخن والا جانور اور گائے اور بکری میں سے حرام کی تھی اُن کی چربی مگر ان کی پشت پر لگی ہو، یا انتڑیوں پر یا جو چربی کہ ملی ہو ہڈی کے ساتھ۔ یہ ہم نے ان کو سزا دی تھی ان کی شرارت پر، اور ہم سچ کہتے ہیں۔

دوسری جگہ قرآن میں کہا گیا ہے کہ یہود کے ظلم و عدوان کی وجہ سے ان پر حلال چیزوں کا دائرہ تنگ کر کے سختی کی گئی تاکہ ان کی سرکشی کا زور ٹوٹے۔ قرآن نے صراحت کے ساتھ اس کو بیان کیا ہے:

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٍ أُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَن سَبِيلِ اللَّهِ كَثِيرًا وَأَخْذِهِمُ الرِّبَا وَقَدْ نُهُوا عَنْهُ وَأَكْلِهِمْ	سو یہود کے گناہوں کی وجہ سے ہم نے ان پر بہت سی پاک چیزیں جو ان پر حلال تھیں، حرام کیں اور اس وجہ سے کہ وہ اللہ کی راہ سے بہت روکتے تھے اور اس وجہ سے کہ سود

---

[1] سورۃ النحل: ۱۴

[2] سورۃ الانعام: ۱۴۶، وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِن قَبْلُ وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلَٰكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ۔ النحل: ۱۱۸

اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ؕ وَاَعْتَدْنَا   کھاتے تھے حالاں کہ اس سے ان کو منع کیا گیا تھا
لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا[۱]   اور اس وجہ سے کہ لوگوں کا مال ناحق کھاتے تھے
اور تیار کر رکھا ہے ہم نے کافروں کے واسطے جو اُن
میں ہیں دردناک عذاب۔

علامہ حمید الدین فراہی (۱۲۸۰ - ۱۳۴۹ھ / ۱۸۶۳ - ۱۹۳۰ء) کے بہ قول اس کی شہادت اسپنوزا[۲] (۱۶۳۲ - ۱۶۷۷) نے بھی دی ہے وہ کہتا ہے:

"یرمیاہ نبی نے کہا تھا کہ بنی اسرائیل کا خدا اُس دن سے اُن پر غضب ناک ہے جس دن سے انھوں نے اپنے شہر کی تعمیر کی لیکن ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ بنی اسرائیل پر خدا کی غضبناکی اُسی روز سے ہے جس روز سے ان کو شریعت ملی۔ اور حزقیل نبی کے کلام سے ہمارے دعوے کی تصدیق ہوتی ہے، باب ۲۰ میں ہے: "سو میں نے ان کو بُرے آئین دیے اور ایسے احکام دیے جن سے وہ زندہ نہ رہیں"۔[۳]

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام دُنیا کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گئے۔ انھیں جو شریعت عطا کی گئی وہ افراط اور تفریط دونوں سے پاک ہے۔ اس میں یہودیوں کی تنگی اور

---

[۱] سورۃ النساء: ۱۶۰ - ۱۶۱

[۲] مشہور یہودی مفکر، وحدۃ الوجود کا علم بردار ایمسٹرڈم میں پیدا ہوا۔ اسپین کے عیسائیوں سے بچنے کے لیے نیدرلینڈ میں پناہ لی۔ تالمود اور یہودی دینیات سے واقفیت کے ساتھ ساتھ اس نے اسپینی۔ پرتگیزی۔ عبرانی۔ فرنچ اور اطالوی زبانوں سے آگاہی حاصل کی۔ جدتِ افکار کے جرم میں یہودی علماء نے اس پر حکمِ کفر لگا کر اپنی برادری سے خارج کیا۔ اسپنوزا کو اپنی برادری سے خارج ہونے کے بعد اپنا نام تبدیل کر کے ہیگ کی مستقل سکونت اختیار کرنی پڑی۔ دنیائے فلسفہ میں وہ اپنے افکار کی بنا پر "خدا مست مفکر" کے معزز لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

[۳] علامہ حمید الدین فراہی۔ تفسیر نظام القرآن، ترجمہ امین احسن اصلاحی، دائرہ حمیدیہ سرائے میر اعظم گڈھ سنہ ۱۴۱۱ھ / ۱۹۹۰ء، ص ۷۲ - ۷۳۔ التوراۃ۔ حزقیال، ۲۰: ۲۵ "واعطیتھم ایضا فرائض غیر صالحۃ واحکاما لا یحیون بھا" اصل عبارت ہے۔

عیسائیوں کا غلو نہیں ۔ بشری کمزوریوں کی رعایت ہے ۔ ان پر ناقابلِ برداشت سزاؤں کی وعید نہیں ۔ اسلام نے جہاں معاملات کے بارے میں اعتدال کو ملحوظ رکھا ہے تو عبادات کے معاملہ میں میانہ روی کی ہدایت کی ہے ۔ انسان پر اسی قدر تکالیفِ شرعیہ کا بار ڈالا گیا ہے جس کو وہ آسانی سے اٹھا سکے ۔ خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو تنگی اور شدت سے بچانے کے لیے تہجد کی نماز کو جماعت سے پڑھنا ترک فرمایا ۔ کیوں کہ آپ کو اندیشہ تھا کہیں مسلمانوں کے ذوق وشوق کو دیکھ کر یہ نماز فرض نہ کی جائے ۔ اسی جذبۂ رحمت کے پیشِ نظر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح کی جماعت ترک فرمادی ۔ دین اسلام میں سب سے اہم عبادت نماز ہے لیکن ایسی اہم عبادت میں بے پایاں رعایتیں ہیں ۔ مسلمانوں کے لیے پوری زمین مسجد ہے ۔ مریض کے لیے گنجائش ہے کہ وہ بیٹھ کر نماز پڑھ لے ۔ بیٹھ بھی نہ سکے تو اشاروں سے پڑھ سکتا ہے ۔ مسافر کے لیے رعایت ہے کہ سفر میں چار رکعت فرض کے بجائے دو ہی رکعت پڑھے ۔ پانی نہ ملے تو تیمم کرنے کی اجازت ہے ۔ روزہ فرض ہے لیکن بیمار اور شیخِ فانی کے لیے فدیہ دینے کی چھوٹ ہے ۔ مسافر رمضان گزارنے کے بعد دوسرے دِنوں میں قضا روزے پورے کر سکتا ہے ۔ زکوٰۃ فرض ہے لیکن صرف ان لوگوں پر جو صاحبِ نصاب ہوں حج فریضۂ الٰہی ہے لیکن ان لوگوں کے لیے جو صاحبِ استطاعت ہوں ۔ اس پر بھی حق العباد کو حق اللہ پر مقدم رکھا گیا ہے کہ پہلے اپنے اہل وعیال کو خرچہ دے ۔ اللہ تعالیٰ خود ارشاد فرماتا ہے :

يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ [1]

اللہ تعالیٰ تمھاری آسانی چاہتا ہے وہ تمھارے لیے تنگی نہیں چاہتا۔

دوسری جگہ یہ بشارت ان الفاظ میں دی گئی ہے :

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ [2]

اور اس نے تم پر دین کے احکام میں کسی قسم کی تنگی نہیں کی ۔

ایک مرتبہ ایک شخص نے خدمتِ اقدس میں آکر عرض کیا : یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلاں

---

[1] سورۃ البقرہ : ۱۸۵

[2] سورۃ الحج : ۸۷

شخص لمبی نماز پڑھاتا ہے ہو سکتا ہے میں جماعت میں شرکت نہ کر سکوں۔ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وعظ کے دوران سخت غصہ آیا۔ فرمایا: "اے لوگو! تم لوگوں کو دین سے نفرت دلاتے ہو، تم میں جو امامت کرے تو نماز کے ہر رکن میں تخفیف کرے۔ اقتدا کرنے والوں میں مریض کمزور اور حاجت مند بھی ہوتے ہیں"[۱]

ایک مرتبہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نماز پڑھانے کھڑا ہوتا ہوں تو طویل نماز پڑھانا چاہتا ہوں، بچہ کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو اس اندیشہ سے کہ کہیں بچہ کی ماں کو تکلیف نہ ہو، نماز مختصر کر کے ختم کرتا ہوں۔[۲]

حضرت معاذ بن جبل آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ کر واپس جاتے تو اپنے قوم کی امامت کرتے تھے۔ انھوں نے عشا کی نماز میں سورہ بقرہ پڑھی۔ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی گئی تو انھوں نے ٹوکا اور تاکیداً تین بار فرمایا: "تم فتنہ میں ڈالتے ہو" یہ کہہ کر آپ نے انھیں اوساطِ مفصل کی دو سورتیں پڑھنے کا حکم دیا۔[۳]

ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مسجد میں داخل ہوئے۔ دیکھا کہ دو ستونوں کے درمیان ایک رسی آویزاں ہے۔ دریافت فرمایا تو بتایا گیا کہ اسے حضرت زینب نے باندھا ہے نماز میں تھک جاتی ہیں تو اسی کا سہارا لے کر کھڑی ہو جاتی ہیں، فرمایا اسے کھول دو۔ نماز اسی وقت تک پڑھنا چاہیے جب تک بدن میں تازگی رہے جب کوئی تھک جائے تو اسے بیٹھ جانا چاہیے۔[۴]

۱؎ صحیح بخاری۔ کتاب العلم، باب الغضب فی الموعظۃ والتعلیم، الجزء الاول ص ۲۳-۲۴۔ باب تخفیف الامام فی القیام الجزء الاول ص ۱۸۰، باب من شکا امامہ اذا طول، الجزء الاول ص ۱۸۰

۲؎ صحیح بخاری۔ باب اہل العلم والفضل احق بالامامۃ، من اخف الصلوٰۃ عند بکاء الصبی۔ الجزء الاول ص ۱۸۱

۳؎ صحیح بخاری۔ باب اذا طول الامام وکان للرجل حاجۃ، الجزء الاول ص ۱۷۹-۱۸۰، باب من شکا امامہ اذا طول الجزء الاول ص ۱۸۰

۴؎ صحیح بخاری۔ باب التہجد من اللیل، باب مایکرہ من التشدید فی العبادۃ، الجزء الثانی ص ۶۷

حضرت عائشہؓ کے پاس بنی اسد کی ایک عورت بیٹھی تھی۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے دریافت فرمایا یہ کون ہیں۔ حضرت عائشہؓ نے کہا کہ فلاں عورت ہے رات کو نہیں سوتی ہے یعنی وہ عبادت کرتی رہتی ہے۔ فرمایا عبادت اتنی کرو جتنی تمہارے اندر طاقت ہو۔ اللہ تب تک نہیں اکتاتا جب تک تم نہ اکتاؤ۔[1] حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ[2] (۹ ق ھ - ۶۹ھ / ۶۱۳ - ۶۸۸ء) دن کو روزہ رکھتے اور رات کو عبادت کرتے تھے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو فرمایا تم رات کو عبادت کرتے ہو اور دن میں روزہ رکھتے ہو؟ انھوں نے عرض کیا حضور میں ایسا کرتا ہوں۔ فرمایا: ”ایسا کروگے تو آنکھوں میں گڑھے پڑ جائیں گے، بدن کمزور ہو جائے گا۔ تمہارے نفس کا تم پر حق ہے، تمہاری بیوی کا تم پر حق ہے، روزہ بھی رکھو اور افطار بھی کیا کرو، رات کو عبادت بھی کرو اور آرام بھی کیا کرو۔“[3]

قبیلہ باہلہ کے ایک صحابی مسلمان ہونے کے بعد اپنے قبیلہ میں واپس گئے تو مسلسل روزہ رکھنے لگے اس سے ان کی صحت متاثر ہوئی۔ ایک سال بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کے خد و خال اس قدر بدل گئے تھے کہ آپؐ نے نہیں پہچانا صحابی نے اپنا نام بتلایا تو فرمایا تمہاری صورت کیوں بدل گئی ہے؟ انھوں نے جواب دیا یا رسول اللہ جب سے آپ سے مل کے گیا ہوں مسلسل روزے رکھتا ہوں۔ یہ سن کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تم نے اپنی جان کو عذاب میں کیوں ڈالا؟ رمضان کے علاوہ ہر ماہ میں ایک دن کا روزہ کافی ہے۔“ صحابی نے عرض کیا حضرت میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں۔ تو آپؐ نے ہر ماہ دو دن کے روزے کی

---

[1] صحیح بخاری۔ باب التہجد باللیل، باب ما یکرہ من التشدید فی العبادۃ، الجزء الثانی ص ۶۷، سنن ابی داؤد کتاب الصلوٰۃ، باب النعاس فی الصلوٰۃ ۱ : ۱۸۶

[2] حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص مشہور صحابی ہیں، ”الصادقہ“ ان کا مجموعہ احادیث ہے۔ زہد و تقشف کے لیے مشہور ہیں۔ شام یا مکہ میں وفات پائی۔ الاصابہ ۴ : ۱۹۲، تذکرۃ الحفاظ ۱ : ۴۱، حلیۃ الاولیاء ۱ : ۲۸۳

[3] صحیح بخاری باب التہجد باللیل، الجزء الثانی ص ۶۸، کتاب الصوم، باب حق الجسم فی الصوم، الجزء الثالث ص ۵۱۔ ایک طویل حدیث ہے۔

اجازت دی۔ صحابی نے پھر عرض کیا کہ میں اس سے زیادہ کی اجازت چاہتا ہوں، تو آپ نے ہر ماہ تین دن روزہ رکھنے کی اجازت دی، صحابی نے اس سے زیادہ کی درخواست کی تو آپ نے شہرِ حرام کے روزوں کی اجازت مرحمت فرمائی۔[۱]

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ[۲] (۱ ق ھ - ۷۳ھ / ۶۱۲ - ۶۹۲ء) روایت کرتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو میرے بارے میں معلوم ہوا کہ میں کہتا ہوں کہ بخدا جب تک زندہ رہوں گا دن کو برابر روزہ رکھوں گا اور رات کو عبادت کرتا رہوں گا۔ میں نے آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے عہد کیا ہے۔ فرمایا: تم اس کی طاقت نہیں رکھتے روزہ بھی رکھو اور افطار بھی کرو۔ رات میں عبادت بھی کرو اور سوؤ بھی، ہر ماہ تین دن کے روزے رکھا کرو کیوں کہ نیکی کا اجر اس کا دس گنا ہے اور یہ صیام الدھر کے مثل ہوا۔ میں نے کہا کہ میں اس سے زیادہ طاقت رکھتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: ایک دن روزہ رکھو اور دو دن افطار کرو۔ میں نے کہا کہ میں اس سے بھی زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں، تو آپؐ نے فرمایا: ایک دن روزہ رکھو اور ایک دن افطار کرو اور یہ حضرت داؤدؑ کا روزہ ہے اور سب سے افضل روزہ ہے۔ میں نے کہا میں اس سے زیادہ طاقت رکھتا ہوں، آپ نے فرمایا اس سے افضل کوئی روزہ نہیں۔[۳]

عربوں کے زہد و تقشف کا بہترین موقع و محل حج تھا۔ اس کے لیے وہ لوگ مختلف قسم کے نذر مانتے تھے۔ کوئی نذر مانتا کہ وہ سواری کے باوجود پیدل حج کرے گا، کوئی عہد کرتا کہ سفرِ حج بغیر سایہ کے دھوپ میں چل کر طے کروں گا، کوئی ترکِ کلام اور خاموشی کی نذر مانتا، کوئی اپنی

۱۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصیام، باب فی صوم شہر الحرام ۱ : ۳۳۰

۲۔ خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے صاحب زادے، زہد و تقشف اور کثرتِ احادیث کے لیے مشہور ہیں۔ الاصابہ ۴ : ۱۸۱، تذکرۃ الحفاظ ۱ : ۳۷، حلیۃ الاولیاء ۱ : ۲۹۲، الطبقات الکبریٰ ۱ : ۲۴، شذرات الذہب ۱ : ۸۱

۳۔ صحیح بخاری، کتاب الصوم، باب صوم الدھر، الجزء الثالث : ۵۱-۵۲

ناک میں نکیل ڈال کر کعبہ کا طواف کرتا لیکن اسلام نے یہ سب رسوم منسوخ کر دیے۔

حضرت عقبہ بن عامرؓ[1] (م ۵۸ھ/۶۷۸ء) کی بہن نے ایک مرتبہ نذر مانی کہ وہ پیدل حج کریں گی۔ حضرت عقبہ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: "اللہ کو اس کے نذر کی کوئی ضرورت نہیں اس سے کہو کہ سوار ہو کر حج کرے"[2]

ایک مرتبہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حج میں طواف کے دوران ایک شخص کو اپنی ناک میں نکیل ڈالے ہوئے دیکھا اور دوسرا اسے جانور کی طرح کھینچ کر کعبہ کا طواف کرا رہا تھا۔ آپ نے جا کر نکیل کاٹ دی اور فرمایا کہ ہاتھ پکڑ کر اسے طواف کراؤ۔[3]

ایک بار خطبہ کے دوران آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دھوپ میں کھڑا دیکھا۔ دریافت فرمایا تو لوگوں نے کہا کہ اس کا نام ابو اسرائیل ہے اس نے نذر مانی ہے کہ وہ کھڑا رہے گا بیٹھے گا نہیں، سایہ میں آرام نہیں کرے گا، کلام نہیں کرے گا اور برابر روزے رکھے گا۔ آپ نے فرمایا کہ اس سے کہو کہ بات کرے، سایہ میں رہے، نیچے بیٹھے اور اپنا روزہ پورا کرے۔[4]

ایک آدمی کے ساتھ اونٹ تھا لیکن وہ پیدل چل رہا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سواری پر بیٹھ جانے کا حکم دیا۔ اس نے عرض کیا کہ یہ قربانی کا اونٹ ہے۔ آپ نے دو یا تین بار فرمایا افسوس تمھارے لیے اس پر سوار ہو جاؤ۔[5] ایک بار سفرِ حج میں ایک بوڑھے کو دیکھا جو چلنے سے معذور تھا اس کے دو بیٹے اسے دونوں طرف سے پکڑ کر سہارا دے رہے تھے۔ رسول اللہؐ

---

[1] حضرت عقبہ بن عامر مشہور صحابی ہیں ان سے ۵۵، احادیث مروی ہیں مصر میں وفات پائی: حلیۃ الاولیاء ۲ : ۸، الاعلام ۵ : ۳۷، الاصابہ میں سال وفات ۷۳ھ دیا ہے الاصابہ ۴ : ۵۲۲

[2] سنن ابی داؤد، کتاب الایمان والنذور، باب من رای علیہ کفارۃ اذا کان فی معصیۃ ۲ : ۴۶۸

[3] صحیح بخاری۔ کتاب الایمان والنذور، باب النذر فیما لا یملک وفی معصیۃ، الجزء الثامن ص ۱۷۸

[4] صحیح بخاری۔ کتاب الایمان والنذور، باب النذر فیما لا یملک وفی معصیۃ، الجزء الثامن ص ۱۷۸، سنن ابی داؤد، کتاب الایمان والنذور، باب النذر فی المعصیۃ ۲ : ۴۶۷

[5] سنن ابی داؤد، کتاب المناسک، باب فی رکوب البدن ۱ : ۲۴۵

نے دریافت فرمایا تو معلوم ہوا کہ اس نے پیدل حج کی نیت کی ہے۔ فرمایا: "خدا کو اس کی ضرورت نہیں کہ یہ شخص اپنی جان کو عذاب میں ڈالے اسے سواری پر بٹھاؤ"[1]

آپؐ نے ایک دفعہ ایک صحابی کو بد ہیئت دیکھا تو پوچھا آپ کے پاس مال ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بہت دیا ہے۔ آپ نے فرمایا: "جب تمہارے پاس مال ہے تو تمہارے لباس سے اس کا اظہار ہونا چاہیے"[2] آپؐ نے بھوک سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہی ہے۔ دعا کرتے تو اس میں یہ الفاظ ہوتے تھے "اللھم انی اعوذبك من الجوع فانه بئس الضجیع واعوذبك من الخیانة فانها بئست البطانة"[3] نیز آپؐ نے قلت و ذلت سے بھی پناہ مانگی ہے آپ دعا مانگتے تھے: اللھم انی اعوذبك من القلة والذلة واعوذبك ان اظلم او اظلم"[4]

احکامِ الٰہی کی وسعتوں اور دینِ حنیف کی رحمتوں کی اساس پر عہدِ نبوی میں جو معاشرہ تشکیل پایا وہ تاریخ میں اپنی مثال آپ تھا۔ یہ معاشرہ ہر قسم کی افراط و تفریط اور غلو و تخفیف سے پاک تھا۔ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس بعض صحابہ آکر زہد و تقشف کے میلان کا اظہار کرتے تھے لیکن آپ صلے اللہ علیہ وسلم ہمیشہ منع فرماتے تھے۔ آپ نے نہ تو کسی صحابی کو متصل روزہ رکھنے کی تلقین کی نہ مسلسل شب بیداری کا حکم دیا۔ نہ آپؐ نے کسی صحابی کو ترکِ کلام کی ہدایت کی اور نہ کسی کو تعذیبِ نفس کی اجازت دی۔ خود آپ کی حیاتِ مبارکہ ہر لحاظ سے مثالی تھی۔ اکثر فقر و

---

[1] سنن ابی داؤد، کتاب الایمان والنذور، باب من رای علیه کفارة اذا کان فی معصیة ۲: ۲۶۸، بخاری، باب المحصر وجزاء الصید، باب من نذر المشی الی الکعبة، الجزء الثالث ص ۲۵، کتاب الایمان والنذور، باب النذر فیما لایملک وفی معصیة، الجزء الثامن ص ۱۷۷، ان اللہ لغنی عن تعذیب ھذا نفسه۔

[2] امام نسائی، سنن النسائی بشرح الحافظ جلال السیوطی، تحقیق عبد الفتاح ابوغدہ، بیروت لبنان، الطبعة الثانیة ۱۴۰۶ھ/ ۱۹۸۶ء کتاب الزینة حدیث ۵۲۹۴، ۸: ۱۹۶

[3] سنن النسائی، کتاب الاستعاذہ من الجوع حدیث ۵۴۶۸، ۸: ۲۶۳

[4] سنن النسائی، کتاب الاستعاذہ، باب الاستعاذہ من الذلة حدیث ۵۴۶۰، ۵۴۶۱، ۸: ۲۶

فاقہ ہوتا لیکن جب کھانا میسر آتا تو تناول فرماتے تھے۔ شہد آپ کو مرغوب تھا۔ دست کا گوشت پسند فرماتے تھے۔ آپ کی محفل حلم و وقار کا نمونہ تھی۔ تاہم آپ کبھی کبھی صحابہ سے لطیف انداز میں مذاق فرماتے جس سے حاضرین محظوظ ہوتے۔ آپؐ کی مجلس میں حاضرین جاہلی دور کے واقعات اور اشعار سناتے تھے۔ دین کے معاملہ میں آپ ہمیشہ آسانی کی تلقین فرماتے تھے۔

یسّروا ولا تعسّروا وسکّنوا ولا تنفّروا[1] — آسانی تلاش کرو دشواری نہیں، لوگوں کے لیے آرام کا باعث بنو انھیں نفرت نہ دلاؤ۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلّم فرماتے تھے اپنی جانوں کے لیے شدت اختیار مت کرو اللہ تعالیٰ بھی تم پر شدت کرے گا۔ جب بھی کسی قوم نے اپنے آپ پر شدت اختیار کی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر شدت کی۔[2] صوم الدھر، مسلسل شب بیداری، ترکِ نکاح کے سے اعمالِ شاقہ کی ممانعت تھی تاکہ انسان اس قدر کمزور نہ ہو جائے کہ اس سے عبادت اور حقوق و فرائض چھوٹ جائیں۔[3] دین میں تنگی پیدا کرنے کے خلاف آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمّت کو متنبہ کرتے ہوئے فرمایا:

ان الدّین یسر ولن یشادّ الدّین احد الا غلبہ فسدّدوا وقاربوا وابشروا واستعینوا بالغدوۃ والرّوحۃ وشیئ من الدُّلجۃ[4] — دین آسان ہے جو اس میں ناروا سختی کرے گا تو دین اس پر غالب آئے گا پس تم میانہ رو رہو، قریب تر رہو (دین حنیف کے ملنے پر خوش رہو صبح و شام عبادت گزاری اور خیرات سے قوتِ دینی حاصل کرو۔

---

[1] صحیح بخاری کتاب الصبر علی الأذی، باب قول النبی یسّروا ولا تعسروا، الجزء الثامن ص ۳۶۔ حضرت معاذ بن جبل اور ایک دوسرے صحابی کو تبلیغ کے لیے روانہ کیا تو فرمایا: یسّرا ولا تعسّرا وبشّرا ولا تنفرا وتطاوعا۔ (آسانیاں تلاش کرو دشواریاں نہیں، لوگوں کو خوشخبری دو، نفرت نہ دلاؤ، ان کے دلوں میں رغبت پیدا کرو) صحیح بخاری، الجزء الثامن ص ۳۶

[2] ملا علی قاری۔ المرقاۃ فی شرح المشکاۃ، مکتبہ امدادیہ ملتان پاکستان ۱ : ۲۵۳

---

[3] المرقاۃ فی شرح المشکاۃ حاشیہ ۱ : ۲۵۳

[4] صحیح بخاری۔ کتاب الایمان، باب الدین یُسرٌ، الجزء الاول ص ۱۶

قرآن وحدیث اور سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے میزانِ عدل میں مجاہدۂ نفس کے ان طریقوں کو تولا جائے جن پر صوفیہ عمل پیرا رہے ہیں تو یقیناً مایوسی ہوگی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ نفس کو قابو میں رکھنے کی اسلام میں سخت تاکید آئی ہے اور مجاہدہ کا عمل تزکیۂ نفس ہی کے لیے کیا جاتا ہے لیکن تزکیۂ نفس کے لیے بھی لازمی یہی ہے کہ قرآن وحدیث کی واضح اور صاف ہدایات پر عمل کیا جائے۔ یہ ناممکن ہے کہ اسوۂ رسول صلے اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر کوئی انسان اپنے نفس کا ایسا تزکیہ کرے جو قرآن کو مطلوب ومقصود نہیں۔ انسانوں کے تزکیۂ نفس کا کام تو خود پیغمبر کے فرائضِ منصبی میں شامل ہے قرآن میں کہا گیا ہے:

وَهُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ	اور وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں ان ہی کی قوم
رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَ	میں سے ایک پیغمبر بھیجا جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ کر
يُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ	سناتے اور ان کو (عقائدِ باطلہ وغیرہ مذموم باتوں
وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي	سے) پاک کرتے اور حکمت ودانش کی باتیں سکھلاتے ہیں
ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝ [1]	ان سے پہلے یہ کھلی گمراہی میں تھے۔

اسلام کی نگاہ میں تزکیۂ اخلاق ایک پاک اور عظیم مقصد ہے اور اس عظیم مقصد کے حصول کے لیے جو طریقہ اختیار کیا جائے اس کا سنت کے موافق ہونا لازمی ہے۔ شریعت کی نظروں میں مقصد کی پاکیزگی تب تک بے معنی ہے جب تک وسیلہ ایسا اختیار نہ کیا جائے جو مقصد کی روح سے ہم آہنگی اور مناسبت نہ رکھتا ہو۔ حضرت فضیل ابن عیاض نے قرآن کی آیت " لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا "[2] (تاکہ تمھیں آزمائے کہ کس کا عمل سب سے اچھا ہے) کی تفسیر میں کہا ہے کہ اس سے مراد " اخلص " اور " اصوب " عمل ہے۔ لوگوں نے پوچھا کہ یہ اخلص اور اصوب کیا ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا:

اذا کان خالصاً ولم یکن صواباً	عمل اگر خالص ہو مگر وہ درست نہ ہو

---

[1] سورۃ الجمعہ : ۲

[2] سورۃ الملک : ۲

لم يقبل واذا كان صوابا ولم يكن خالصا لم يقبل حتى يكون خالصا صوابا والخالص ان يكون لله والصواب ان يكون على السنة۔[1]

تو قبول نہیں کیا جائے گا۔ اگر درست ہو مگر خالص نہ ہو تو بھی قبول نہیں کیا جائے گا جب تک کہ وہ خالص اور درست نہ ہو۔ خالص کے معنی یہ ہیں کہ وہ اللہ کے لیے ہو اور درست کے معنی یہ ہیں کہ وہ سنت کے موافق ہو۔

---

[1] مجموع فتاویٰ ١١ : ٦٠٠

تجرّد

تجرد یا ترکِ نکاح کو تاریخ کے ہر دور میں رہبانیت کی علامت تسلیم کیا گیا ہے۔ بعثتِ نبوی سے پہلے عیسائی راہبوں میں اس کا چلن تھا، مسلمانوں میں جب دوسری صدی ہجری میں تصوف کی نشوونما ہوئی تو ترکِ نکاح کو بھی مستحسن نظروں سے دیکھا جانے لگا۔ سوادِ اعظم نے عملاً کبھی اسے سندِ قبولیت تو نہیں دی لیکن مجرد اور تارک نکاح زاہدوں کو عزت و احترام کا مقام ضرور نصیب ہوا۔ اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ تجرد کو عزیمت کا مقام دینے کے باوجود بعض صوفیہ نکاح کی زنجیروں میں پابہ جولاں اور اہل و عیال کی بیڑیوں میں اسیر تھے۔ مثلاً شیخ سہل بن عبداللہ تستری صاحبِ اولاد بزرگ تھے[۱] حسین بن منصور حلاج کے تین بیٹے اور ایک بیٹی تھی[۲] مشہور بزرگ شیخ حاتم اصم اور شیخ عبدالقادر جیلانی بھی ان صوفیہ میں شمار ہوتے ہیں جو عائلی زندگی بسر کرتے تھے تاہم ان کا عمل صوفیہ کے لیے کبھی اسوہ نہیں بنا۔ بلکہ اسے ہمیشہ رخصت پر محمول کیا گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ تصوف ان مردانِ آزاد کا میدان ہے جو بندے اور خدا کے درمیان بیوی اور بچوں کو سنگِ راہ تصور کرتے ہیں اسی بنا پر طریقت میں ترکِ نکاح کو حیرت انگیز حد تک سراہا گیا ہے۔ شیخ ہجویری کہتے ہیں کہ طریقت کی اساس تجرد پر رکھی گئی ہے[۳] کیوں کہ نکاح بہر حال دو خرابیوں سے خالی نہیں ہے ایک غیر اللہ کا دل میں خیال پیدا ہونا اور دوسرے جسم کا لذتِ نفس میں مشغول ہونا[۴]۔ صوفیہ کے اس

---

[۱] کشف المحجوب ص ۳۱۷

[۲] اردو دائرۂ معارف اسلامیہ ۸ : ۵۳۰

[۳] کشف المحجوب ص ۳۱۸

[۴] کشف المحجوب ص ۳۱۶

انداز فکر کا نتیجہ یہ نکلا کہ انھوں نے عورت کے وجود ہی کو عذاب اور سزا سے تعبیر کیا۔ اس سلسلہ میں ارباب حال کا استدلال یہ ہے کہ حضرت حوا کی پیدائش ایک سزا ہے جو حضرت آدم کو اس لیے دی گئی کہ وہ اللہ کے دربار میں سوئے تھے اور ان کی یہ حرکت بے ادبی تھی[1]۔ نیز بعد میں حضرت آدم کو جن مصائب سے واسطہ پڑا وہ سب حوا کی وجہ سے آئیں[2]۔ صوفیہ کی ایک روایت کے مطابق حضرت یونس علیہ السلام کی بیوی ترش روتھی جب ان سے اس کے متعلق سوال کیا گیا تو انھوں نے جواب دیا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ جو عذاب مجھے آخرت میں دینا ہے دنیا ہی میں دے دے۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ فلاں آدمی کی بیٹی تیرے لیے عذاب ہے اس سے نکاح کرو چنانچہ میں نے اس کے ساتھ نکاح کیا اور اب اس کی ترش روئی کو صبر کے ساتھ برداشت کرتا ہوں[3]۔ فتنہ ہائے دین و دنیا میں عورت کے وجود کی نشاندہی کرتے ہوئے شیخ ہجویری کا کہنا ہے کہ جنت میں آدم پر سب سے پہلا فتنہ اسی عورت کا تھا۔ دنیا میں پہلا فتنہ یعنی آدم کے دو بیٹوں ہابیل اور قابیل کی باہمی لڑائی کا سبب بھی یہی عورت تھی۔ جب اللہ تعالیٰ نے دو فرشتوں کو عذاب دینا چاہا تو اس کی وجہ بھی یہی عورت تھی۔ اور آج تک ہمارے دینی و دنیاوی فتنوں کا سبب عورتیں ہی رہی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

ماترکت بعدی فتنۃً اضر علی الرجال من النساء — میں نے اپنے بعد مردوں کے لیے عورتوں سے زیادہ مضر فتنہ نہیں چھوڑا۔

جب ظاہر میں ان کا فتنہ ایسا ہے تو باطن میں کیسا ہوگا[4]۔ حضرت حسن بصری کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی بھلائی چاہتا ہے تو اسے اہل و عیال میں مشغول نہیں کرتا[5]۔ مالک ابن دینار کی بیوی کا انتقال ہوگیا جب کہا گیا کہ دوسری شادی کر لیجیے تو جواب دیا کہ میں دنیا کو تین طلاقیں دے چکا ہوں اب رجعت کی کوئی گنجائش

---

[1] الرسالۃ القشیریہ ص ۲۳۰
[2] کشف المحجوب ص ۳۱۶ - ۳۱۷
[3] عوارف المعارف باب ۲۱ علی ھامش احیاء ۲ : ۲۱۶، احیاء علوم الدین ۲ : ۳۳ - ۳۴
[4] کشف المحجوب ص ۳۱۷ - ۳۱۸، عوارف المعارف علی ھامش احیاء ۲ : ۲۰۰ - ۲۰۱
[5] احیاء علوم الدین ۲ : ۲۵، شعرانی نے باھل ولا ولد کے الفاظ نقل کیے ہیں۔ الطبقات الکبریٰ ۱ : ۲۹

نہیں ہے[۱]۔ حضرت سفیان ثوری کا کہنا ہے کہ جب آدمی شادی کرتا ہے تو دنیا اس کے گھر میں داخل ہو جاتی ہے اور جس کے گھر میں دنیا داخل ہوتی ہے وہ ابلیس کی بیٹی کے ساتھ شادی کرتا ہے اور جو ابلیس کا داماد بنتا ہے تو اس کے گھر میں دختر ابلیس کے موجود رہنے کی بنا پر ابلیس کی آمد و رفت بڑھ جاتی ہے اس لیے نکاح سے حذر کرو[۲]۔ شیخ ابراہیم بن ادہم کہتے ہیں کہ فقیر جب شادی کرے تو اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو کشتی پر سوار ہوا اور جب بچہ پیدا ہو تو سمجھ لو کہ وہ ڈوب گیا[۳]۔ شیخ ابو سلیمان دارانی کا کہنا ہے کہ جس نے تین چیزیں طلب کیں وہ دنیا کی طرف مائل ہوا، وہ تین چیزیں یہ ہیں، طلبِ معاش نکاح اور کتابتِ حدیث[۴]۔ وہ یہ بھی کہا کرتے تھے کہ میں نے اپنے دوستوں میں سے کسی کو نہیں دیکھا کہ وہ شادی کرنے کے بعد اپنے سابق رتبہ پر قائم رہا ہو[۵]۔ احمد بن حواری کا بیان ہے کہ ابو سلیمان دارانی کا قول ہے کہ جو اولاد کا خواہش مند ہوتا ہے وہ احمق ہے اس کی نہ دنیا ہے اور نہ آخرت اگر وہ کھانا سونا یا اپنی بیوی کے پاس جانا چاہے تو بچہ اس کے عیش میں خلل ڈالے گا اور اگر عبادت کرنا چاہے تو بچہ اس کی توجہ اپنی طرف منعطف کرے گا[۶]۔ شیخ بشر بن حافی سے لوگوں نے کہا کہ لوگ آپ کے تارکِ سنت ہونے پر چہ می گوئیاں کرتے ہیں تو انھوں نے جواب دیا: "ان سے کہہ دو کہ میں سنت کو چھوڑ کر فرض میں مشغول ہوں[۷]"۔ جب پوچھا گیا آپ شادی کیوں نہیں کرتے؟ تو جواب ملا عورت مردوں کے لیے ہوتی ہے اور ہم ابھی مردوں کی عمر کو نہیں پہنچے ہیں[۸]۔ شیخ سہل بن عبداللہ تستری کا قول ہے کہ ولی کا لوگوں کے ساتھ اختلاط ذلت ہے اور اس کی علیحدگی عزت ہے میں نے خدا

۱؎ التصوف الاسلامی ۲ : ۲۰۶ ۲؎ تنبیہ المغترین ص ۲۹

۳؎ اللمع ص ۲۶۵، ایک جگہ خود ابو نصر سراج طوسی نے لکھا ہے کہ یہ قول سفیان ثوری سے منسوب ہے دیکھیے اللمع ۲۶۵

۴؎ احیاء علوم الدین ۲ : ۲۵ و ۳ : ۹۸، عوارف المعارف علی ہامش احیاء ۲ : ۲۰۰

۵؎ احیاء علوم الدین ۲ : ۲۵ و ۳ : ۹۸، عوارف المعارف علی ہامش احیاء ۲ : ۲۰۰

۶؎ تلبیس ابلیس ص ۲۹۶

۷؎ عوارف المعارف علی ہامش احیاء ۲ : ۲۰۰، احیاء علوم الدین ۲ : ۲۴

۸؎ الکواکب الدریہ ۱ : ۲۰۸، عوارف المعارف علی ہامش احیاء ۲ : ۱۹۷

کے ولیوں میں زیادہ تر منفرد (غیر شادی شدہ) لوگوں کو پایا۔[۱] ان سے عورتوں کے متعلق سوال کیا گیا تو انھوں نے جواب دیا:

الصبر عنھن خیر من الصبر علیھن — ان کے بغیر صبر کرنا ان کو رکھ کر صبر کرنے سے بہتر
والصبر علیھن خیر من الصبر — ہے اور ان کو رکھ کر صبر کرنا آگ پر صبر کرنے
علی النار[۲] — سے بہتر ہے

شیخ بایزید بسطامی کا بیان ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہی کہ وہ مجھے عورت اور غذا سے بے نیاز کردے مگر خیال آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی دعا نہیں فرمائی تھی اس لیے باز رہا لیکن اللہ تعالیٰ نے میرے اندر از خود یہ چیز ختم کی یہاں تک کہ عورت اور دیوار میں میرے لیے اب کوئی فرق نہیں ہے۔[۳] شیخ احمد سرخسی[۴] (پانچویں صدی ہجری) سے لوگوں نے پوچھا کہ کیا آپ کو نکاح کی حاجت ہے؟ جواب دیا: "نہیں"۔ پوچھا گیا کیوں؟ تو کہا: "اس لیے کہ میں اپنے حال میں غائب و حاضر رہتا ہوں جب غائب ہوتا ہوں تو دونوں جہان کی مجھ کو خبر نہیں رہتی اور جب حاضر ہوتا ہوں تو اپنے نفس کو ایسے رکھتا ہوں کہ اگر ایک روٹی مل جائے تو وہ خیال کرے کہ اسے ایک ہزار حوریں مل گئیں۔[۵] شیخ جنید بغدادی کا کہنا ہے کہ اولاد شہوتِ حلال کا عذاب ہے حرام کی شہوت کا کیا حال ہوگا؟[۶] شیخ ابوبکر وراق کہتے ہیں کہ نکاح، کتابتِ حدیث اور سفر مرید کے لیے تین آفتیں ہیں۔[۷]

---

[۱] الطبقات الکبریٰ ۱: ۷۸، قوت القلوب ۱: ۱۵۴

[۲] عوارف المعارف علی ہامش احیاء ۲: ۲۰۱، الکواکب الدریہ ۱: ۲۳۸

[۳] اللمع ص ۱۴۵

[۴] یہ شیخ احمد بن حماد سرخسی، شیخ علی ہجویری کے ہم نشین تھے۔ وطن سرخس تھا۔ تفصیل کے لئے دیکھیے: نفحات الانس ص ۲۰۲

[۵] کشف المحجوب ص ۳۱۸

[۶] تلبیس ابلیس ص ۲۹۷، زکی مبارک، الاخلاق عند الغزالی، مطابع دار الکتاب العربی بمصر، ص ۸۰ [۷] الرسالۃ القشیریہ ص ۱۲۷، تھوڑے سے تغیر کے ساتھ یہ قول ابوبکر الدقاق الکبیر سے منسوب ہے۔ الطبقات الکبریٰ ۱: ۸۹

ان اقوال کی روشنی میں یہ نتیجہ بہ آسانی نکالا جا سکتا ہے کہ نکاح کے متعلق صوفیہ کے افکار قرآن اور سنت کے احکام وہدایات سے جداگانہ ہیں، اور یہ تمام اقوال محض نادانستہ طور پر زبانوں سے ادا نہیں ہوئے ہیں، بلکہ شیخ علی ہجویری کے بہ قول مشائخ اس پر متفق ہیں کہ اہلِ طریقت میں سب سے بہتر و افضل مجرد لوگ ہیں، بشرطیکہ ان کا دل خرابی سے خالی اور طبیعت خواہش نفسانی سے اعراض کرتی ہو[1]۔ موصوف نے ان لوگوں کو ملامت کا نشانہ بنایا ہے جو خواہشاتِ نفسانی کو عملی جامہ پہنانے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں: "تین چیزیں میری محبوب بنا دی گئی ہیں خوشبو، عورتیں، اور نماز۔" ان لوگوں کے بیان کے مطابق چوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ چیزیں محبوب تھیں اس لیے نکاح کرنا افضل ہے۔ شیخ ہجویری کہتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: "میرے دو پیشے ہیں، فقر اور جہاد۔" پس تم اس پیشے سے کیوں جھجکتے ہو؟ اگر عورت آپ کی محبوب ہے تو یہ پیشہ بھی آپ کا محبوب ہے صرف اس وجہ سے کہ تمھاری خواہش نفس کو عورت کی طرف زیادہ رغبت ہے اسے پیغمبرؐ کا محبوب قرار دینا غلط ہے۔ کوئی شخص پچاس سال تک اپنی خواہش نفس کا تابع رہ کر یہ خیال کرے کہ وہ سنت ادا کر رہا ہے تو وہ سخت غلطی پر ہے[2]۔ شیخ موصوف خدا کا شکر بجا لاتے ہوئے اپنے بارے میں کہتے ہیں کہ اس نے مجھے نکاح کی آفت سے پندرہ سال تک بچائے رکھا اس کے بعد میں تقدیر الٰہی سے اس فتنہ میں مبتلا ہو گیا اور ایک سال تک ایک پری پیکر کے دامِ الفت میں گرفتار رہا لیکن جلد ہی اللہ تعالیٰ نے مجھے نجات دی[3]۔

تجرد کا نظریہ اس وقت قابلِ توجہ بن جاتا ہے جب شیخ عبد القادر جیلانی کہتے ہیں کہ میں نے تب تک نکاح نہیں کیا جب تک آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے نکاح کرنے کا حکم نہیں دیا[4]۔ یعنی صوفیہ کے یہاں اگر کوئی بزرگ نکاح کرتا بھی ہے تو وہ صرف اس صورت میں جب اسے اجازت ملے اور یہ اجازت صرف اہلِ قرب و حضور تک محدود ہے[5]۔ عام سالکین کو بہر حال اس کی ممانعت ہے۔ اسی ممانعت کے پیشِ نظر امام غزالی کہتے

---

[1] کشف المحجوب ص ۳۱۷

[2] کشف المحجوب ص ۳۱۷

[3] کشف المحجوب ص ۳۱۸

[4] عوارف المعارف علی ہامش احیاء ۲ : ۲۰۷

[5] عوارف المعارف علی ہامش احیاء ۲ : ۲۰۹، تصوف ایک تجزیاتی مطالعہ ص ۶۳

ہیں کہ مرید کو ابتدائے ارادت میں شادی نہیں کرنی چاہیے کیوں کہ شادی کا عمل اسے راہِ سلوک سے ہٹا کر بیوی سے مانوس کرے گا، اور جو اللہ کے سوا کسی اور سے مانوس ہوا وہ اللہ سے پھر گیا[1]۔ صوفیہ ہمیشہ عورتوں کی عقیدت واحترام کے مرکز رہے ہیں لیکن اس عقیدت واحترام کا صلہ انھیں یہ ملا کہ ان کا وجود ہی باعثِ رنج والم اور موجبِ عذاب قرار پایا۔ ان کا وجود صوفیہ کی نگاہوں میں سالکینِ طریقت کے لیے ایک ایسا عذاب ہے جس کو برداشت کرنا اربابِ حال اپنی زاہدانہ زندگی کا جزو لاینفک سمجھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شعرانی نے اس معاملہ میں صوفیہ کے قوتِ برداشت اور صبر وتحمل پر ایک باب قائم کیا ہے جس کا عنوان " من اخلاقھم، صبرھم علی أذی زوجاتھم " رقم کیا ہے[2]۔ ایک بزرگ کے بقول ایک پیغمبر نے خدا سے بیوی کی بدخلقی کی شکایت کی، تو اللہ تعالیٰ نے وحی نازل کی کہ یہ تمھاری سزا کا ایک حصہ ہے[3]۔ شیخ شقیق بلخی اپنی بیوی سے کہتے تھے کہ اگر تمام اہلِ بلخ میرے ساتھ ہوں اور تنہا تم میری مخالفت کرو تو میں اپنا دین بچا نہیں پاؤں گا[4]۔ ابو مطیع بلخی نے ایوب بن خلف سے بیوی کی بدخلقی کی شکایت کی تو ایوب نے کہا:

> "جو شخص اپنی بیوی کی اذیت پر صبر نہیں کرے گا وہ کیسے دعویٰ کرتا ہے کہ وہ درجہ میں عورت سے بلند ہے[5]۔"

بعض صوفیہ نکاح کی زنجیروں میں اسیر ہوتے ہوئے بھی مجرد زندگی گزارتے ہیں۔ نکاح کی رسم ادا کرنے سے ان کا مقصد صرف سنت کی پیروی کرنا ہوتا ہے جس طرح صوفیہ کے بقول حضرت یحییٰ علیہ السلام نے نکاح تو کیا تھا لیکن وظیفۂ زوجیت کبھی ادا نہیں کیا[6]۔ شیخ ابو عبداللہ بن خفیف کے متعلق کہا جاتا ہے کہ انھوں نے چار سو نکاح کیے تھے لیکن قربت سے پہلے بیویوں کو طلاق دیدیتے تھے ایک وزیر کی لڑکی چالیس سال تک ان کے نکاح میں رہی ایک دن شیخ کی دوسری بیویوں نے دو عورتوں کو شیخ کی بیوی کے پاس دریافتِ حال کے لیے بھیجا۔ تو اس نے کہا کہ جس دن شیخ کے ساتھ میرا نکاح ہوا تو ایک آدمی آیا اور مجھ سے کہا کہ شیخ آج کی رات

---

[1] احیاء علوم الدین ۳ : ۹۸، تلبیس ابلیس ص ۲۹۵، تنبیہ المغترین ص ۲۹ - ۳۰

[2] تنبیہ المغترین ص ۲۹ - ۳۰

[3] تنبیہ المغترین ص ۲۹

[4] تنبیہ المغترین ص ۲۹

[5] تنبیہ المغترین ص ۳۰

[6] احیاء علوم الدین ۲ : ۲۲، عوارف المعارف علیٰ ہامش احیاء ۲ : ۲۶۴

رات آپ کے گھر تشریف لائیں گے۔ میں نے خوب کھانا وغیرہ تیار کیا جب وہ آئے تو کھانا ان کے سامنے پیش کیا گیا انھوں نے مجھے اپنے پاس بلایا، کبھی مجھے دیکھتے کبھی کھانے کی طرف نظر دوڑاتے، اس کے بعد میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے دکھایا کہ ان کے پیٹ پر سینہ سے ناف تک پندرہ گرہیں تھیں جس کی توجیہہ شیخ نے یہ کی کہ یہ صبر اور ضبط کی نشانی ہے، میں اس خوب صورت چہرے اور اچھے کھانوں سے کب کا پرہیز کر چکا ہوں[1]۔ شیخ ابوشعیب البراثی[2] (م ۱۹۷ھ/۸۱۲ء) کا نکاح بھی اسی قبیل کا تھا ان کی بیوی جب ان کے گھر آئی تو اس نے اندر داخل ہونے سے انکار کیا کیوں کہ گھر میں چٹائی کا ٹکڑا موجود تھا۔ چنانچہ چٹائی کا وہ ٹکڑا ابھی گھر سے باہر پھینکا گیا اس کے بعد میاں بیوی دونوں عبادت میں مصروف ہو گئے اور تا دم وفات ان کی یہی حالت رہی[3]۔ شیخ ابواحمد مصعب قلانسی[4] (م ۲۹۰ھ/۹۰۲ء) کی بیوی کے متعلق ان کے شاگرد ابوسعید اعرابی کا کہنا ہے:

بقیت عندہ ثلثین سنۃ وھی بکر[5] وہ ان کے پاس تیس سال رہی لیکن باکرہ رہی

شیخ ابراہیم خواص ایک بزرگ سے ملنے ان کے مکان پر گئے ان کا بیان ہے کہ شیخ کا مکان انتہائی پاکیزہ اور اولیاء اللہ کے گھروں جیسا لگا۔ اس پاکیزگی کا سبب یہ تھا کہ وہ اپنی پینسٹھ[65] سالہ ازدواجی زندگی میں کبھی اپنی بیوی سے نہیں ملے تھے۔ اور دونوں گھر کے دو کونوں میں بالکل اجنبیوں کی طرح رہتے تھے[6]۔

صوفیہ ان احکام و ہدایات سے پوری طرح واقف ہیں جو قرآن اور حدیث میں نکاح سے متعلق مذکور ہیں۔ مثلاً تصوف کی کتابوں میں لکھا ہے کہ خدا تعالیٰ نے قرآن میں انھیں پیغمبر(ل) کا ذکر کیا ہے جو شادی شدہ تھے۔ البتہ حضرت یحییٰؑ کے بارے میں بعض صوفیہ کی رائے یہ ہے کہ انھوں نے نکاح کی فضیلت کے پیش نظر، سنت

---

[1] کشف المحجوب ص ۲۲۱۔ ۲۲۲

[2] ابوشعیب البراثی زہد و عبادت میں معروف ہیں۔ عمر بھر گوشہ نشینی کی زندگی بسر کی ہے۔ ایک امیر زادی کو ان کی یہ زندگی پسند آئی اور اس نے ترکِ دنیا کر کے ان کے ساتھ شادی کی۔ تاریخ بغداد ۱۴ : ۴۱۸۔ ۴۱۹

[3] اللمع ص ۲۶۵ ، تاریخ بغداد ۱۴ : ۴۱۸۔ ۴۱۹

[4] ان کا وطن مرو تھا، بغداد میں شیخ جنید اور شیخ رویم کی صحبتوں سے فیض یاب ہوئے۔ مکہ معظمہ میں وفات پائی۔ نفحات الانس ص ۷۱

[5] اللمع ص ۲۶۵

[6] کشف المحجوب ص ۳۱۶

کی پیروی کی خاطر اور غضِ بصر کے لیے نکاح کیا تھا لیکن بیوی کے قریب نہیں گئے[1] اور حضرت عیسیٰ[4] کے بارے میں ان کا کہنا ہے کہ جب زمین پر اتریں گے تو نکاح کریں گے ان کی اولاد بھی ہوگی۔[1] صوفیہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادِ گرامی سے بھی بہ خوبی آگاہ ہیں "نکاح میری سنت ہے جو اس سے اعراض کرے گا وہ ہم میں سے نہیں"[2] وہ کبار صحابہ کے آثار سے بھی اچھی طرح باخبر ہیں مثلاً تصوف کی کتابوں میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا یہ اثر دیکھنے کو ملتا ہے کہ اگر میں صرف دس دن تک زندہ رہوں گا تب بھی نکاح کروں گا۔[3] یا یہ کہ حضرت معاذ بن جبلؓ[4] (۲۰ ق ھ ـ ۱۸ھ / ۶۰۳ ـ ۶۳۹ء) نے طاعون کے مرض میں بھی وصیت کی کہ ان کا نکاح کیا جائے۔[5] صوفیہ بشر بن حرث کا یہ قول بھی بہ کثرت نقل کرتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل کو تین چیزوں کی وجہ سے مجھ پر فضیلت حاصل ہے ایک یہ کہ وہ اپنے اور دوسروں کے لیے رزق حلال تلاش کرتے تھے اور میں صرف اپنے لیے ایسا کرتا ہوں، دوسری چیز ان کا نکاح کرنا اور تیسری چیز لوگوں کا پیشوا ہونا ہے۔[6] ان تمام احکام واحادیث و آثار کے نقل کرنے سے قاری سرسری طور سے یہ نتیجہ اخذ کر سکتا ہے کہ صوفیہ نکاح کو وہی مقام دیتے ہیں جو اسے شریعت نے دیا ہے لیکن یہ نتیجہ بہر حال خود صوفیہ کے نظریہ کے خلاف ہوگا۔ تصوف کی کتابوں میں ان کے نقل کرنے سے مقصود یہ ہے کہ صوفیہ کا تجرد کو برتری دینا شریعت سے عدم واقفیت کا ثمرہ نہیں ہے، بلکہ یہ کہ نکاح اربابِ حال کے شایان شان نہیں ہے۔ چنانچہ صوفیہ کا اس پر اتفاق ہے کہ نکاح عزیمت سے رخصت کی طرف انحطاط ہے۔[7] اور مشائخ اس پر متفق ہیں کہ اہل طریقت میں سب سے بہتر اور

---

[1] احیاء علوم الدین ۲ : ۲۲ ، عوارف المعارف علیٰ ہامش احیاء ۲ : ۲۱۴

[2] احیاء علوم الدین ۲ : ۲۲ ، "اَلنِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِي فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي"

[3] احیاء علوم الدین ۲ : ۲۳ ، عوارف المعارف علی ہامش احیاء ۲ : ۲۱۴

[4] مشہور بدری صحابی، بیعت عقبہ میں انصار کے ستر افراد میں شامل ہو کر ۱۸ برس کی عمر میں اسلام لے آئے، بدر اور دوسرے غزوات میں شریک ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کا قاضی بنا کر بھیجا۔ قرآن کے بہت بڑے عالم تھے۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، دار صادر، بیروت ۱۳۸۸ھ/۱۹۶۸ء ۳ : ۵۸۳ ، الاعلام ۸ : ۱۶۶

[5] احیاء علوم الدین ۲ : ۲۳

[6] احیاء علوم الدین ۲ : ۲۴ ، الکواکب الدریہ ۱ : ۲۰۸

[7] عوارف المعارف علی ہامش احیاء ۲ : ۱۹۹ ـ ۲۰۰ ، فوائد الفواد ص ۱۵۶

افضل مجرد لوگ ہیں[1]۔ کیوں کہ عورت اشتغال باللہ، قیامِ لیل اور صیامِ نہار کی کثرت سے باز رکھنے کا موجب بنتی ہے۔ باطن پر فقر کا خوف مسلط کر دیتی ہے اور ذخیرہ اندوزی سے لگاؤ پیدا کرتی ہے جب کہ مجرد ان تمام چیزوں سے آزاد ہوتا ہے[2]۔ شیخ ہجویری کہتے ہیں کہ جب نکاح ہو جاتا ہے تو حال میں تبدیلی آ جاتی ہے[3]۔ حضرت بختیار کاکی کے متعلق مشہور ہے کہ ان کی شادی کے ابتدائی ایام میں ایک شخص کو رسول اللہؐ نے خواب میں آ کر ہدایت دی کہ قطب الدین بختیار کاکی سے کہو کہ جو تحفہ تم پہلے بھیجا کرتے تھے وہ تین راتوں سے نہیں پہنچ رہا ہے۔ وہ تحفہ یہ تھا کہ حضرت بختیار کاکی روزانہ سونے سے پہلے تین ہزار بار درود شریف پڑھا کرتے تھے۔ شادی ہوئی تو اس میں خلل پڑا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ پیغام سننے کے بعد انھوں نے فوراً اپنی بیوی کو طلاق دے کر رخصت کیا[4]۔ یہی حالات اور واقعات دیکھ کر صوفیہ کہتے ہیں کہ "نکاح کرنا عزیمت سے رخصت اور سہولت میں گرنا ہے، راحت سے تلخ زندگی کی طرف پھرنا ہے، ازواج و اولاد کے ساتھ قیدی بننا ہے، کج روی کے مواقع کے گرد گھومنا ہے، زہد کے بعد دنیا کی طرف متوجہ ہونا ہے اور طبیعت و عادت کے موافق خواہشات کی طرف مائل ہونا ہے[5]۔"

اولاد کے متعلق بھی اصحابِ حال کے خیالات عام انسانوں سے الگ ہیں۔ تصوف میں جو چیز بندہ اور خدا کے درمیان حائل ہو جائے اسے چھوڑ دینا یا راستہ سے ہٹانا طریقت کی اساس ہے۔ شیخ ابراہیم بن ادہم کے بارے میں منقول ہے کہ انھوں نے اپنے بیٹے کو حالت شیر خوارگی میں چھوڑ کر بلخ سے مکہ کی راہ لی۔ بیٹا بڑا ہوا تو اس نے اپنی ماں سے باپ کے متعلق دریافت کیا۔ ماں نے بتایا کہ اس کا باپ گم ہو گیا ہے مکہ میں اس کا پتہ ملتا ہے۔ لڑکے نے منادی کرا دی کہ جس کسی کو حج کرنا ہو وہ میرے ساتھ چلے، زاد وراہ میں فراہم کروں گا۔ چار ہزار آدمی جمع ہوئے۔ لڑکے نے سب کو زاد و راحلہ فراہم کیا۔ مقصد باپ سے ملاقات کرنا تھا۔ لڑکے نے ماں کو بھی ساتھ لیا۔ قافلہ مکہ پہنچا اور مسجد میں فروکش ہوا تو لڑکے نے وہاں موجود مرقع پوشوں کی ایک جماعت سے

---

[1] کشف المحجوب ص ۳۱۷

[2] عوارف المعارف علی ھامش احیاء ۲ : ۲۰۵

[3] کشف المحجوب ص ۳۱۸

[4] سیر الاولیاء ص ۶۰

[5] عوارف المعارف علی ھامش احیاء ۲ : ۱۹۹ ۔ ۲۰۰، تصوف ایک تجزیاتی مطالعہ ص ۶۳

پوچھا کہ کیا وہ ابراہیم بن ادہم کو جانتے ہیں؟ ان لوگوں نے جواب دیا کہ وہ تو ہمارے شیخ ہیں، صحرا (مکہ جنگل) میں لکڑی لینے گئے ہیں تاکہ اسے فروخت کر کے اپنے اور ہمارے لیے روٹی کا بندوبست کریں۔ لڑکا جنگل کی طرف چل نکلا تو ایک بوڑھے کو سر پر لکڑی اٹھائے آتے دیکھا۔ لڑکے نے بوڑھے کا تعاقب کیا، یہاں تک کہ اس نے بازار پہنچ کر آواز لگائی: "کون ہے جو پاکیزہ مال کے عوض پاکیزہ مال خریدے؟" آواز سن کر ایک آدمی نے روٹیوں کے بدلے لکڑی خریدی، بوڑھے نے روٹیاں لاکر اپنے مریدوں کے سامنے رکھ دیں اور خود نماز میں مشغول ہوا۔ شیخ ابراہیم بن ادہم نے اپنے مریدوں کو ہدایت کر رکھی تھی کہ کبھی کسی عورت یا مرد کو نظر بھر کر مت دیکھنا خصوصاً ایامِ حج میں محتاط رہنا جب حج کی وجہ سے عورتیں اور لڑکے بہ کثرت مکہ میں جمع ہوتے ہیں۔ ایک بار دورانِ طواف آپ کا لڑکا سامنے آگیا اور بے ساختہ شیخ کی نظریں اس پر جم گئیں۔ طواف سے فارغ ہونے کے بعد آپ کے مریدوں نے عرض کیا حضرت! آپ نے تو ہمیں اس سے منع کیا تھا۔ شیخ نے جواب دیا: یہ بات تو تمھارے علم میں ہے ہی کہ میں نے جب بلخ کو چھوڑا تھا تو اس وقت میرا ایک چھوٹا سا بچہ تھا اور مجھے یقین ہے کہ یہ وہی بچہ ہے۔ پھر اگلے دن آپ کا ایک مرید بلخ کے قافلہ کی تلاش کرتا ہوا قافلہ میں پہنچا تو دیکھا کہ وہی لڑکا دیبا و حریر کے خیمہ میں ایک کرسی پر بیٹھا تلاوتِ قرآن میں مشغول ہے۔ لڑکے نے مرید سے آنے کا سبب پوچھا تو مرید نے سوال کیا کہ آپ کس کے صاحب زادہ ہیں؟ سوال سُن کر لڑکے نے روتے ہوئے کہا کہ میں نے اپنے باپ کو نہیں دیکھا ہے کل ایک لکڑہارے کو دیکھ کر ایسا لگا کہ شاید وہی میرے باپ تھے اگر میں ان سے پوچھ گچھ کرتا تو اندیشہ تھا کہ وہ بھاگ جاتے کیونکہ وہ گھر سے فرار ہیں۔ ان کا نام ابراہیم بن ادہم ہے۔ یہ سن کر مرید نے کہا چلیے میں آپ سے ان کی ملاقات کراتا ہوں۔ مرید شیخ ابراہیم بن ادہم کے بیٹے اور ان کی بیوی کو لے کر بیت اللہ میں آیا۔ جب بیوی کی نظر اپنے شوہر شیخ ابراہیم بن ادہم پر پڑی تو اس نے لڑکے سے کہا یہی تیرے باپ ہیں۔ سب لوگ یہ حال دیکھ کر رو پڑے لڑکا روتے روتے بے ہوش ہوا۔ ہوش آیا تو باپ کو سلام کیا۔ شیخ نے سلام کا جواب دیا اور لڑکے کو اپنی آغوش میں لے کر پوچھا تمھارا مذہب کیا ہے؟ لڑکے نے جواب دیا "اسلام" شیخ نے الحمدللہ کہہ کر خدا کا شکر ادا کیا، پھر پوچھا کیا قرآن پڑھا ہے؟ لڑکے نے اثبات میں جواب دیا۔ شیخ نے اس پر بھی خدا کی تحمید بیان کی، پھر سوال کیا کیا کوئی علم بھی سیکھا ہے؟ لڑکے نے جواب دیا ہاں سیکھا ہے۔ یہ سن کر شیخ ابراہیم نے الحمدللہ کہا۔ اب شیخ ابراہیم نے مزید کچھ جاننا چاہا کہ لڑکا اٹھ گیا۔ بیوی فریاد کرنے لگی یہ دیکھ کر شیخ نے بیٹے کو آغوش میں لے کر آسمان کی طرف رخ کیا اور دعا کی: "الٰھی اَغِثْنِی" (اے اللہ میری مدد کر) لڑکے نے آغوش ہی میں جان جاں آفریں کے سپرد کی۔ ساتھیوں نے پوچھا

"اے ابراہیم! یہ کیا ہوا؟" جواب دیا کہ جب میں نے لڑکے کو اپنی آغوش میں لیا تو اس کی محبت میرے دل میں بڑھنے لگی لیکن آواز آئی "اے ابراہیم! تم دعویٰ تو ہماری محبت کا کرتے ہو لیکن ہمارے ساتھ کسی دوسرے سے بھی محبت کرتے ہو"۔ یہ آواز میں نے سنی تو خدا سے دعا کی بار الٰہا! اگر اس کی محبت تیری محبت میں حائل ہے تو ہم دونوں میں سے کسی ایک کو موت دے۔ چنانچہ میری دعا اس کے حق میں قبول ہوئی[۱] شیخ عطار اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد رقم طراز ہیں:

اگر کسے را ازیں حال عجب آید گویم از ابراہیم	اگر کسی کو اس واقعہ پر تعجب ہو تو میں کہتا ہوں
عجب نیست قربان کردن پسر را[۱]	کہ ابراہیم سے بیٹے کا قربان کرنا عجب نہیں ہے

ایسا ہی واقعہ سمنون محب[۲] (م ۲۹۰ھ / ۹۰۳ء) کے ساتھ گزرا۔ ادائے سنت کے خیال سے انھوں نے آخری عمر میں شادی کی تو ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ جب تین سال کی عمر کو پہنچی تو بہ تقاضائے محبتِ پدری سمنون کو اس سے لگاؤ ہوا، ایک رات انھوں نے خواب میں دیکھا کہ قیامت برپا ہے اور ہر قوم کے لیے جھنڈے نصب کیے گئے ہیں۔ ایک جھنڈا انھوں نے دیکھا جس کا نور تمام عرصات پر حاوی ہے انھوں نے معلوم کیا کہ یہ جھنڈا کس قوم کا ہے؟ جواب ملا اس قوم کے لیے جس کی شان میں یُحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ (اللہ ان سے محبت کرے گا اور وہ اللہ سے محبت کریں گے) کے الفاظ نازل ہوئے ہیں یعنی یہ محبین کا علم ہے سمنون بھی اس جماعت میں شامل ہو گئے۔ ایک فرشتہ آیا اور انھیں باہر نکالا سمنون نے فریاد کی تو جواب ملا کہ یہ محبین کا جھنڈا ہے اور تم ان میں سے نہیں ہو۔ سمنون نے کہا مجھے سمنونِ مُحِب کے نام سے پکارتے ہیں اللہ تعالیٰ میرے دل کے حال سے باخبر ہے۔ یہ کہنا تھا کہ ہاتفِ غیبی نے آواز دی اے سمنون! تم محبین میں سے تھے لیکن جب سے اس بچہ کے ساتھ لگاؤ پیدا ہو گیا تمھارا نام محبین کی فہرست سے نکال دیا گیا۔ سمنون نے خواب ہی میں خدا سے دعا کی کہ بار خدایا! اگر یہ بچہ میری راہ میں حائل ہے تو اسے دور کر۔ خواب سے بیدار ہوئے تو خبر ملی کہ لڑکی چھت سے نیچے گر کر مر گئی[۳] اولاد کو اشتغال باللہ میں حارج و حائل

۱؎ تذکرۃ الاولیاء بذیل تذکرہ باب ۱۱ ص ۵۸۔ ۵۹

۲؎ شیخ سری سقطی اور دوسرے مشائخ سے کسب فیض کیا ہے۔ محبت میں آپ کا کلام مشہور ہے۔ الطبقات الکبریٰ ا: ۸۹، نفحات الانس ص ۶۵۔ ۶۷ ۳؎ تذکرۃ الاولیاء، باب ۵۵ ص ۲۷۸۔ ۲۷۹

سمجھ کر اپنے نفس کو پدرانہ محبت اور شفقت سے خالی کرنا سالک کی بزرگی کی دلیل ہے۔ اس سلسلہ میں ایک دلِ چسپ واقعہ حضرت شیخ فرید گنج شکر سے متعلق ہے۔ حضرت شیخ کے اہل و عیال پر فقر و فاقہ سے ایسا وقت آپڑا کہ ایک دن ان کی اہلیہ نے آکر کہا کہ آپ کا بیٹا بھوک کی شدت سے دم توڑ رہا ہے۔ اس پر بھی ان کے استغال باللہ میں فرق نہیں آیا اور اہلیہ سے فرمایا بندہ مسعود کر ہی کیا سکتا ہے اگر خدا کا فیصلہ یہی ہے کہ اس کی موت آجائے تو اس کے پاؤں میں رسی باندھو اور کھینچ کر باہر پھینک دو[1]۔ سالک کا راہِ سلوک میں اپنے بچوں کے ساتھ پیار و محبت سے پیش آنا بھی ایک ایسی لغزش تصور کی جاتی ہے جس پر عالم غیب سے سرزنش اور تنبیہ کی جاتی ہے۔ یہ شیخ فتح موصلی[2] (م ۲۲۰ھ / ۸۳۵ء) نے ایک بار ایک بچہ کا بوسہ لیا تو ہاتف نے آواز دی اے فتح! تمھیں شرم نہیں آتی ہمارے علاوہ کسی دوسرے سے محبت کرتے ہو۔ اس کے بعد شیخ موصوف نے کبھی کسی بچہ کا بوسہ نہیں لیا[3]۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ اپنے کسی مرید کے بچہ کے بدلے شیخ طریقت نے اپنا بچہ داعیِ اجل کو پیش کیا جیسا کہ حضرت سراج الدین محمد شاہ عالم[4] (۸۱۷ - ۸۸۰ھ / ۱۴۱۴ - ۱۴۷۵ء) کے بارے میں منقول ہے کہ ایک بوڑھی عورت ان کے حلقۂ ارادت میں داخل تھی اس کا چار یا پانچ سالہ لڑکا ایک بیماری میں مر گیا۔ بوڑھی بے چاری مغلوب الحال ہو کر شیخ کے پاس آئی اور دامن پکڑ کر کہا کہ جب تک میرا لڑکا مجھ کو نہیں ملے گا میں دامن نہیں چھوڑوں گی۔ بوڑھی عورت کی بے قراری دیکھ کر شیخ نے اسے تسلی دی اور گھر کے اندر گئے۔ آپ کا بھی ایک چھوٹا سا لڑکا تھا آپ نے اسے گود میں لے کر دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے اور دعا کی خدایا! اس لڑکے کے بجائے یہ لڑکا حاضر ہے۔ اسی وقت آپ کا لڑکا مر گیا۔ باہر آکر آپ نے اس

---

[1] سفینۃ الاولیاء تذکرہ شیخ فریدالدین گنج شکر ص ۹۷ "بندہ مسعود چہ کند اگر تقدیر حق در رسیدہ واز جہان سفر کند رسنی در پائی او بہ بندید و بیرون افگنید۔" اخبار الاخیار ص ۵۹، سیر الاولیاء ص ۷۷، رسنے در پائی او بندی و بیرون بیفگنی و بیائی۔

[2] شیخ فتح بن علی موصلی کے بارے میں منقول ہے کہ جتنے بزرگوں سے ملاقات کی سب کے سب ابدال تھے۔ عیداضحیٰ کے روز وفات پائی۔ وطن موصل تھا۔ تذکرۃ الاولیاء، باب ۳۱ ص ۱۸۲، سفینۃ الاولیاء تذکرہ فتح موصلی ص ۱۲۳ - ۱۲۴، الطبقات الکبریٰ ۱ : ۸۰

[3] اللمع ص ۲۶۵

[4] ابوالبرکات محمد بن قطب عالم سلسلہ قادریہ کے بزرگ تھے احمد آباد میں مزار ہے۔ سفینۃ الاولیاء بذیل تذکرہ ص ۱۱۸ - ۱۱۹

بوڑھی عورت سے فرمایا: "گھر جا تیرا لڑکا زندہ ہوگیا ہے"۔ وہ گھر پہنچی تو لڑکا صحیح و سلامت تھا[1]۔

صاحبِ عیال صوفی کے لیے اربابِ باطن کہتے ہیں کہ صوفی اپنے اہل و عیال کو خدا پر نہ چھوڑے، بلکہ ان کی ضروریات کا خیال رکھے یہاں تک کہ وہ بھی اسی کی طرح صاحبِ حال ہو جائیں[2]۔ لیکن اس معاملہ میں بعض صوفیہ کا خیال ذرا مختلف ہے۔ شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی[3] (م ۷۵۷ھ/۱۳۵۶-۱۳۵۷ء) کے بہ قول منہاج العابدین میں لکھا ہے کہ سالک جب راہِ حق میں داخل ہو جائے اور شیطان اس کے دل میں وساوس ڈالے کہ تم عیال رکھتے ہو، اگر توکل کرو گے تو ان کا کیا ہوگا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ میری اولاد یا تو اشقیاء ہوگی یا اولیاء، اگر اشقیاء ہیں تو مجھے ان کا غم ہی نہیں، اگر اولیاء ہیں تو اللہ تعالےٰ کے ظلِ عنایت میں ہیں[4]۔ شیخ سید احمد ردمی[5] (بعد ..۹ ہجری) کے متعلق عبدالوہاب شعرانی لکھتے ہیں کہ ۱۷ سال تک اشتغال باللہ کی وجہ سے اپنے عیال کے پاس نہیں آئے، ان کا کہنا تھا کہ ہم نے سنت پر عمل کیا اور اولادِ کثیر پیدا کی بس مقصد حل ہوگیا[6]۔ اہل و عیال کے رزق کے لیے پریشان و سرگرداں رہنا اربابِ باطن کے یہاں کبھی مستحسن نگاہوں سے نہیں دیکھا جاتا، بلکہ ایک صوفی کا اعتقاد یہ ہوتا ہے کہ انھیں رزق پہنچانے کا کام اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لیا ہے۔ شیخ ابوبکر شبلی کے پاس ایک آدمی آیا اور کثرتِ عیال کی شکایت کی جس کا مومنانہ جواب شبلی نے اس طرح دیا:

ارجع الی بیتک فمن لیس له رزقه علی اللہ فاطردہ عنک[7]۔	اپنے گھر جاؤ اور دیکھو جس کا رزق اللہ تعالےٰ کے ذمہ نہیں ہے اسے اپنے پاس سے بھگا دو۔

---

[1] سفینۃ الاولیاء بذیل تذکرہ سراج الدین محمد شاہ عالم ص ۱۱۸

[2] اللمع ص ۲۶۵

[3] آپ کا نام محمود تھا اور وطن اودھ۔ حضرت نظام الدین اولیاء کے خلیفۂ مجاز تھے۔ سلسلۂ چشتیہ سے متعلق ہونے کے باوجود آپ سماع اور قوالی کی محفل میں شریک نہیں ہوتے تھے ان کے خیال میں سنتِ نبوی میں اس کی اجازت نہیں تھی خیر المجالس آپ کی تصنیف ہے۔ مزار دہلی میں واقع ہے۔ خزینۃ الاصفیاء ۱: ۳۵۳-۳۵۷، سفینۃ الاولیاء ص ۱۰۰-۱۰۱، اخبار الاخیار ص ۸۶

[4] خیر المجالس ص ۵۶

[5] مصر کے ایک کثیر المجاہدہ بزرگ تھے۔ الطبقات الکبریٰ ۲: ۱۸۳-۱۸۴

[6] الطبقات الکبریٰ ۲: ۱۸۴

[7] الرسالۃ القشیریہ ص ۱۰۰

نکاح کی آفت سے بچنے کے لیے صوفیہ کے یہاں چند ہدایات ملتی ہیں۔ امام قشیری کا مشورہ ہے کہ اگر مرید کا دل نکاح کی طرف مائل ہو اور وہاں اس کی رہنمائی کے لیے شیخ موجود نہ ہو، تو اسے سفر کرنا چاہیے تاکہ یہ حالت دور ہو جائے[1]۔ شیخ شہاب الدین سہروردی کہتے ہیں کہ اگر فقیر کے دل میں نکاح کا خیال متواتر آئے تو وہ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگے، مشائخ اور پیر بھائیوں سے اپنے احوال بیان کرے، اُن سے درخواست کرے کہ وہ اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے حسنِ اختیار کی دعا مانگیں۔ مساجد اور مشاہد میں گھومے، اس دوران توجہ میں کمی نہ کرے، اس لیے کہ بڑا فتنہ اور عظیم خطرہ منہ کھولے سامنے آ کھڑا ہوا ہے، خدا نے کہا ہے:

اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ (التغابن: ۱۴) تمھاری بیویوں اور تمھاری اولاد میں سے بعض تمھارے دشمن ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے انکساری کے ساتھ دعا کرے، خلوت میں خوب روئے اور استخارہ مکرر کرے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نیند، بیداری یا کسی متدین آدمی کے ذریعہ ممانعت کرے یا اجازت دے[2]۔ صوفیہ کا خیال ہے کہ نکاح کے "خیالاتِ بد" سے بچانے کا بہترین ہتھیار روزہ ہے۔ ان کے اس خیال کی بنیاد ان احادیث پر ہے جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کی استطاعت نہ رکھنے والوں کو روزوں سے مدد لینے کی ہدایت کی ہے[3]۔ بعض صوفیہ کے نزدیک فاقہ کشی، غضِ بصر اور اشتغال اس بیماری کی دوائیں ہیں[4]۔ لیکن علاج کے ان نسخوں کو کچھ بزرگوں نے کافی نہ سمجھا۔ ان میں سے چند حدِ اعتدال سے بڑھ گئے اور انھوں نے آلۂ شہوت ہی کو کاٹ کر پھینک دیا۔ علامہ ابن جوزی کہتے ہیں کہ بعض صوفیہ اپنا عضوِ تناسل کاٹ دیتے تھے[5]۔ شیخ ابو علی سیاہ مروزی[6] (م ۴۲۴ھ/۱۰۳۲ء) کے متعلق کہا جاتا ہے کہ انھوں نے منبعِ شہوات کو ختم کرنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ آواز آئی:

۱۔ الرسالۃ القشیریہ ص ۲۴۲

۲۔ عوارف المعارف علی ہامش احیاء ۲: ۲۰۵-۲۰۶

۳۔ صحیح بخاری، الجزء السابع، کتاب النکاح ص ۳، عوارف المعارف علی ہامش احیاء ۲: ۲۰۳

۴۔ احیاء علوم الدین ۳: ۸۹

۵۔ تلبیس ابلیس ص ۲۹۶

۶۔ شیخ ابو علی سیاہ مروزی کا شمار مرو کے مشائخ کبار میں ہوتا ہے۔ شیخ ابو علی دقاق کی صحبت سے فیض یاب ہوئے۔ آپ کا انتقال مرو میں ہوا۔ نفحات الانس ص ۱۸۵-۱۸۶، سفینۃ الاولیاء، تذکرہ ابو علی سیاہ ص ۱۶۱

اے ابو علی! ہمارے ملک میں تصرف کرتے ہو ہمارے نزدیک کوئی عضو کسی عضو سے برتر نہیں ہے اگر تو نے اسے اپنے بدن سے جدا کیا، تو ہم تمہارے بدن کے ہر بال میں ایسی سیکڑوں شہوتیں پیدا کریں گے[1] صوفیہ کے یہاں وہ تمام اعضا جو انسان کو عورت کی طرف میلان کا سبب بنتے ہیں، قابلِ تعزیر ہیں۔ شیخ ابو بکر زقاق[2] (م ۲۹۰ھ/۹۰۲ء) کہتے ہیں کہ میں ایک عرب قبیلہ کا مہمان بنا میں نے ایک خوب صورت لڑکی دیکھی اور اس پر نظر کی۔ بعد میں میں نے وہ آنکھ ہی نکال دی جس سے میں نے اسے دیکھا تھا[3]۔ اسی طرح حضرت غزوان کی نگاہ ایک لونڈی پر پڑ گئی تو انھوں نے اپنی آنکھ پھوڑ ڈالی[4]۔ محمد ابن سیرین بیان کرتے ہیں کہ ایک وحشی درندہ شہر میں اودھم مچائے ہوا تھا اتنے میں ایک زاہد جس کی صرف ایک ہی آنکھ تھی آیا تو وحشی درندہ نے اپنی گردن جھکا لی تاکہ زاہد اسے قتل کرے۔ لوگ حیران ہوئے اور زاہد سے ماجرا پوچھا، تو اس نے جواب دیا کہ تمام زندگی میں صرف ایک گناہ کیا تھا اور وہ یہ تھا کہ عورت پر نظر پڑنے سے آزمائش میں مبتلا ہوا بعد میں تیر کے ذریعہ وہ آنکھ ہی نکال دی[5]۔ ایک اور بزرگ کا ہاتھ ایک دفعہ کسی عورت کی ٹانگ پر پڑ گیا تو انھوں نے اپنا وہ ہاتھ دہکتی ہوئی آگ پر رکھ دیا حتی کہ وہ جل کر سوکھ گیا[6]۔ یہ خوفناک عمل صرف مردوں تک محدود نہیں رہا ہے بلکہ زہد و مجاہدہ کی طرف میلان رکھنے والی خواتین بھی اس میں پیش پیش رہی ہیں۔ حضرت شعوانہ[7] (م ۱۷۵ھ/۷۹۱ء) کہتی ہیں کہ میری ہمسائیگی میں ایک صالحہ رہتی تھیں۔ ایک دن وہ بازار گئیں تو ایک

۱؎ کشف المحجوب ص ۱۸۷۔ ۱۸۸

۲؎ اس نام کے دو صوفی گزرے ہیں۔ احمد بن نصر المعروف بہ ابو بکر زقاق المصری جو شیخ جنید کے اقران میں سے تھے اور ابو بکر زقاق الکبیر کے نام سے مشہور ہوئے ہیں اور دوسرے ابو بکر زقاق صغیر بغدادی۔ غالباً یہاں ابو بکر زقاق صغیر مراد ہیں جو یک چشم تھے۔ نفحات الانس ص ۱۱۳ ۳؎ تلبیس ابلیس ص ۳۰۹ ۴؎ احیاء علوم الدین ۴: ۳۹۳، تصوف ایک تجزیاتی مطالعہ ص ۸۶

۵؎ Ignaz Goldziher. Muslim studies, Edited by S.M. Stern Translated from German by C.R. Barber and S.M. Stern, London 1971, 2: 359.

۶؎ احیاء علوم الدین ۴: ۳۹۳، تصوف ایک تجزیاتی مطالعہ ص ۸۶

۷؎ ایک ایرانی زاہدہ اور عابدہ جو وعظ و تبلیغ کے لیے مشہور تھیں آپ کے زہد و ورع کا یہ حال تھا کہ حضرت فضیل بن عیاض جیسے بزرگ آپ سے دعا کی درخواست کے لیے حاضر خدمت ہوتے۔ الطبقات الکبریٰ ۱: ۶۷، نفحات الانس ص ۶۰۲، سفینۃ الاولیاء بذیل تذکرہ ص ۲۰۷

آدمی اس پر فریفتہ ہو گیا۔ واپس آئی تو وہ آدمی پیچھا کرتا ہوا اس کے گھر کے دروازے تک پہنچا۔ اس کی حالت دیکھ کر صالحہ نے کہا کہ تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟ اس نے کہا میں تیری وجہ سے بے قرار ہوں۔ صالحہ خاتون نے پوچھا تمھیں میری کون سی چیز پسند آئی؟ اس نے کہا "تیری آنکھیں"۔ یہ سن کر عورت گھر میں داخل ہوئی، اپنی دونوں آنکھیں نکال کر دروازے پر آئی اور آدمی کی طرف دونوں آنکھیں پھینکتے ہوئے کہا: "لے جاؤ انھیں خدا تیرا بھلا نہ کرے"۔[1]

اہلِ حال میں سے بعض حضرات نے خود اس کا اعتراف کیا ہے کہ وہ عورت کے معاملہ میں زندگی میں کبھی نہ کبھی آزمائشوں سے دوچار رہے ہیں۔ شیخ علی ہجویری کا اعتراف اوپر گزر چکا کہ کس طرح وہ پندرہ سال تک مجرد رہنے کے بعد اچانک پورے ایک سال کے لیے ایک عورت کو دل دے بیٹھے اور پھر محض توفیقِ الٰہی سے سلوک کی طرف واپس آئے۔ ایک اور بزرگ شیخ ابو محمد مرتعش[2] (م ۳۲۸ھ/۹۳۹ء) کے ساتھ بھی ایسی ہی واردات پیش آئی۔ بغداد کے ایک محلہ سے گزر رہے تھے کہ پیاس لگی ایک گھر سے پانی مانگا لڑکی پانی لے کر نکلی تو شیخ نے پانی تو پی لیا لیکن لڑکی کی خوبصورتی سے اس قدر متاثر ہوئے کہ وہیں بیٹھ گئے۔ جب گھر کا مالک آگیا تو شیخ نے کہا اے خواجہ! میرا دل شدت سے پانی کا طلب گار تھا آپ کے گھر سے پانی ملا ہے لیکن دل دے بیٹھا ہوں۔ صاحبِ خانہ نے کہا وہ میری لڑکی ہے میں نے اس کا نکاح تیرے ساتھ کیا۔ لڑکی کا باپ بغداد کے امراء میں سے تھا۔ اس نے شیخ کو حمام میں بھیجا۔ شیخ نے رقع اتار دیا اور اچھا سا لباس زیب تن کیا۔ جب رات ہوئی تو نماز و اوراد سے فراغت پا کر خلوت میں مشغول ہوئے۔ اسی اثناء میں آواز آئی کہ ہمارا مرقع لاؤ۔ جب شیخ سے ماجرا دریافت کیا گیا تو انھوں نے کہا کہ میرے سرہانے کسی نے آواز دی ایک نگاہ تو نے ہمارے خلاف ڈالی تو ظاہر میں ہم نے آپ کا جامۂ صلاح و صفوت اتار دیا اگر تم نے دوسری نظر ڈالی تو ہم تیرے باطن سے لباس آشنائی بھی اتار دیں گے۔[3]

---

[1] تلبیس ابلیس ص ۳۱۰
[2] شیخ ابو محمد عبداللہ بن محمد مرتعش نیشاپوری کا مسکن بغداد ہے۔ یہ شیخ ابو حفص حداد کے مرید اور شیخ جنید بغدادی کے ہم نشین تھے۔ برہنہ پا اور برہنہ سر سفر کے لیے مشہور ہیں۔ سفینۃ الاولیاء، تذکرہ شیخ ابو محمد مرتعش ص ۱۴۷، نفحات الانس ص ۱۳۰-۱۳۱، تذکرۃ الاولیاء باب ۵۵ ص ۲۸۰-۲۸۲، حلیۃ الاولیاء ۱۰: ۳۵۵، الانساب ۱۲: ۱۸۳
[3] کشف المحجوب ص ۴۴-۴۵، تذکرۃ الاولیاء باب ۵۵ ص ۲۸۱

اسی طرح شیخ علی خواص (دسویں صدی ہجری) جب ایک عورت پر فریفتہ ہو گئے تو صوفیہ کے پاس آکر اپنا خرقہ اتار دیا اور کہا کہ میں راہِ سلوک میں جھوٹ بولنا پسند نہیں کرتا ہوں میرا دل فلاں عورت کی طرف مائل ہو گیا ہے۔ اس کے بعد وہ اس عورت کی خدمت میں دل وجان سے مشغول ہو گئے۔ دس ماہ تک ان کی یہی حالت رہی، پھر صوفیہ کے پاس آئے اور کہا کہ مجھے خرقہ پہناؤ میرا دل اب اس عورت کی محبت سے بھر گیا ہے۔ جب عورت کو یہ بات پہنچی تو اس نے توبہ کی اور تادمِ وفات شیخ کی خدمت کرتی رہی[۱]

شیوخ طریقت کا کہنا ہے کہ اگر فقیر کے لیے شادی کرنا ضروری ہو جائے تو اسے غریب عورت سے شادی کرنی چاہیے[۲]۔ شیخ ابو سلیمان دارانی کہتے ہیں کہ عورتوں کے باب میں زہد یہ ہے کہ شریف اور خوب صورت عورت کے بجائے غریب اور یتیم عورت سے نکاح کیا جائے[۳]۔

ترکِ نکاح یا تجرد کے لیے صوفیہ قرآن اور سنت دونوں سے استدلال کرتے ہیں۔ قرآن حکیم کی آیت: اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ (التغابن: ۱۴) کو شیخ شہاب الدین سہروردی نے اس استدلال میں پیش کیا ہے کہ نکاح ایک فتنہ اور عظیم خطرہ ہے۔ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تجرد کے جواز میں یہ احادیث پیش کی جاتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(۱) خیر الناس بعد المائتین الخفیف الحاذ لا اهل له ولا ولد[۴]۔ — دو سو سال کے بعد بہترین آدمی وہ ہوگا جو ہلکا پھلکا اور کم مال والا ہو اور جس کے بیوی بچے نہ ہوں

(۲) اذا کان بعد المائتین ابیحت العزوبة لامتی[۵]۔ — جب دو سو سال گزر جائیں گے تو میری امت کے لیے تجرد جائز ہوگا۔

---

[۱] الطبقات الکبریٰ ۲: ۱۵۴

[۲] اللمع ص ۲۶۵، احیاء العلوم الدین ۳: ۹۹۔ ۱۰۰ ("ان ینکح فقیرة متدینة ولا یطلب غنیة")

[۳] احیاء العلوم الدین ۴: ۲۲۴

[۴] احیاء علوم الدین ۲: ۶۴، عوارف المعارف علیٰ ہامش احیاء ۲: ۲۰۲

[۵] عوارف المعارف علیٰ ہامش احیاء ۲: ۲۰۵

ایک اور روایت میں کہا گیا ہے کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا دوسو سال گزرنے کے بعد امّت کے حق میں کتّے کے پلّہ کی پرورش بچّے کی پرورش سے بہتر ہوگی:

(۳) لان یربی احدکم جرو کلب خیر من ان یربی ولدًا۔[۱]	اگر تم میں کوئی کتّے کا پلّہ پالے تو بچہ کی پرورش سے بہتر ہوگا۔

اس کی روشنی میں صوفیہ کے یہاں عائلی زندگی کے لیے بہرحال کوئی گنجائش نہیں نکل سکتی۔ چنانچہ شیخ ہجویری نے اہل وعیال کو ہلاکت کا موجب بتا کر حضرت حسن بصری کا یہ قول نقل کیا ہے: "مجرد لوگ نجات پاگئے اور بال بچوں والے ہلاک ہوگئے۔"[۲] اہلِ حال کی نگاہوں میں صوفیہ کے یقین و توکل کو ضعف اور کمزوری سے دوچار کرنے والے اہل وعیال ہی ہوتے ہیں انھیں سے انسان کے پائہ ثبات کو لغزش ہوتی ہے۔ شیخ ابوسلیمان دارانی نے اس نکتہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے:

العیال یضعفون یقین صاحب الیقین لانه اذا کان وحده فجاع فرح واذا کان له عیال فجاعوا طلب لهم واذا جاء الطلب فقد ضعف الیقین۔[۳]	اہل وعیال صاحبِ یقین کے یقین کو کمزور کرتے ہیں کیونکہ اگر وہ تنہا ہو اور نوبت فاقہ کی آئے تو وہ خوش ہوتا ہے لیکن جب اس کے اہل وعیال ہوں اور فاقہ لگے تو وہ ان کے لیے تلاش رزق میں نکلے گا اور جہاں تلاش شروع ہوئی وہاں یقین متزلزل ہوگیا۔

یہی وجہ ہے کہ اہل وعیال پر کوئی حادثہ گزرے اور وہ موت سے ہم کنار ہوجائیں تو صوفیہ اسے حرماں نصیبی کی دلیل نہیں بلکہ فضل الٰہی سے تعبیر کرتے ہیں اور اسے فضل الٰہی قرار دینے کی وجہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر راضی رہنے کا جذبہ نہیں ہے بلکہ یہ خیال ہے کہ بندہ اب عبادت کے لیے فارغ ہوگیا۔ اس معاملہ میں حضرت حسن بصری سے منسوب یہ قول کتبِ تصوف میں منقول ہے:

اذا اراد الله بعبد خیرا امات عیاله وخلاه للعبادة۔[۴]	اللہ تعالیٰ جب بندہ کی خیر کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے اہل وعیال کو ہلاک کردیتا اور اسے عبادت کیلیے فارغ کرتا ہے۔

۱؎ قوت القلوب ۴ : ۱۵۰

۲؎ کشف المحجوب ص ۳۱۶ ۳؎ طبقات الصوفیہ ص ۸۰ ۴؎ الطبقات الکبریٰ ۱ : ۲۹

لیکن نکاح اور رشتہ ازدواج کے معاملہ میں انبیاءِ کرام کی سنتیں رہبانیت اور تصوف کی نفی کرتی ہیں، ابوالبشر حضرت آدمؑ سے لے کر خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم تک صرف حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے نکاح کے بارے میں قرآن خاموش ہے۔ حضرت یحییٰؑ کے بارے میں قرآن کے الفاظ ان کے مجرد ہونے کی دلیل ہیں[1]۔ قرآن میں حضرت نوحؑ اور حضرت لوطؑ کی بیویوں کا ذکر ملتا ہے جو ان حضرات کے صاحبِ اہل وعیال ہونے کا ثبوت ہے[2]۔ اسی طرح دوسرے انبیاء کے بارے میں منقول ہے کہ وہ شادی شدہ تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تین بیویاں تھیں سارہ، ہاجرہ اور قطورہ[3][4]۔ حضرت اسحاقؑ اور حضرت اسماعیلؑ دونوں شادی شدہ تھے[4]۔ حضرت یعقوب کی دو بیویاں اور دو حرمیں تھیں[5]۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی کئی ایک بیگمات تھیں[6]۔ حضرت سلیمانؑ کی بیویوں کی تعداد بہت زیادہ بتائی جاتی ہے۔ تورات کے مطابق ان کے پاس سات سو شہزادیاں، ان کی بیویاں اور تین سو حرمیں تھیں[7]۔

خود اسلام کا زاویۂ نگاہ اس معاملہ میں رہبانیت کی تردید کرتا ہے، چنانچہ اس نے نہ تو عورت کو گناہ کی جڑ قرار دیا اور نہ اسے پیدائشی اور فطری گنہ گار کہہ کر اس کی تذلیل کی، بلکہ اس کی پیدائش کو "آیاتِ الٰہی" میں سے ایک نشانی قرار دیا :

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ	اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ تم لوگوں کے
اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ	واسطے تمہاری جنس سے بیویاں پیدا کیں تاکہ تم کو
مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ	ان کے پاس آرام ملے اور تم میں باہمی محبت و ہمدردی

---

[1] سورہ آل عمران : ۳۹ "اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًۢا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا ... الخ

[2] سورہ التحریم : ۱۰ "ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ ... الخ

[3] تورات - کتاب پیدائش باب ۱۱ : ۲۹، باب ۱۶ : ۲، باب ۲۵ : ۱ - حضرت ہاجرہ کو لونڈی بتایا گیا ہے۔

[4] تورات - کتاب پیدائش باب ۲۶ : ۱۲ تا ۲۰

[5] تورات - کتاب پیدائش باب ۲۹ و ۳۰

[6] تورات - سموئیل ۱، باب ۳۰ : ۵، سموئیل ۲، باب ۵ : ۱۳

[7] تورات - کتاب سلاطین ۱، باب ۱۱ : ۳

لِقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ۔[1] پیدا کی اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو فکر کرتے ہیں۔

ایک اور مقام پر عورت اور مرد کو ایک دوسرے کا لباس قرار دے کر فرمایا:

ھُنَّ لِبَاسٌ لَّکُمْ وَ اَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّھُنَّ۔[2] وہ (عورتیں) تمھارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے۔

خود صحیفہ سیرتِ نبوی کا ایک ایک ورق تجرد کی نفی کرتا ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لاصُرُورۃ فی الاسلام۔[3] اسلام میں تجرد نہیں ہے۔

بعض صحابہ نے نکاح کے داعیہ کو ختم کرنے کے لیے خصی ہونے کی اجازت چاہی، لیکن آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ (۲۳ ق ھ - ۵۵ھ / ۵۹۹ - ۶۷۴م) بیان کرتے ہیں:

رَدَّ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی عثمان بن مظعون التبتل وَلَوْ اَذِنَ لہ لَاخْتَصَیْنَا۔[4] رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعون کو تبتل سے منع فرمایا اگر انھوں نے اجازت دی ہوتی تو ہم اپنے آپ کو خصی کرتے۔

حضرت ابوذر عکاف بن بشر تمیمی نے باوجود استطاعت کے نکاح نہیں کیا تھا۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو آپ نے پوچھا: "عکاف کیا تمھاری بیوی ہے؟" جواب دیا "نہیں" آپؐ نے پھر پوچھا: "کوئی لونڈی ہے؟" جواب دیا: "نہیں"۔ آپؐ نے پوچھا: "تم مال دار ہو" اس نے کہا: "ہاں"۔ آپؐ نے فرمایا: "تب تو اخوان الشیاطین ہو۔ اگر نصاریٰ میں سے ہوتے تو ان کے پادری ہوتے، ہماری سنت نکاح ہے، تمھارے کنوارے تمھارے بدتر لوگ ہیں جن کی موت

---

[1] سورہ روم: ۲۱

[2] سورۃ البقرہ: ۱۸۷

[3] سنن ابوداؤد، کتاب النکاح، باب لاصرورۃ فی الاسلام۔

[4] صحیح بخاری۔ کتاب النکاح، باب مایکرہ من التبتل والخصاء، الجزء السابع ص ۵، صحیح مسلم، کتاب النکاح، ۹: ۱۷۶

بھی بدتر ہے، تم شیطان کو کیوں موقع دیتے ہو؟ صالحین کے لیے اس کا مہلک ترین ہتھیار عورتیں ہیں، شادی شدہ لوگ ہی پاک وصاف ہیں، افسوس اے عکاف، ایوبؑ، داؤد، یوسفؑ اور کرفس کو ان سے واسطہ پڑا ہے۔ بشر بن عطیہ نے سوال کیا: "یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کرفس کون تھے؟" آپؐ نے فرمایا: "ایک یہودی شخص تھا، جو ساحلِ سمندر پر تین سو سال تک صائم النہار اور قائم اللیل بن کر خدا کی عبادت کرتا تھا۔ اس کے بعد ایک عورت کے عشق میں گرفتار ہوا اور کفر کی نوبت آگئی عبادت بھی بھول گیا۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے اسے توبہ کی توفیق بخشی۔ عکاف! نکاح کرو ورنہ تمہارا شمار گنہگاروں میں ہوگا۔" عکاف نے عرض کیا یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میرا نکاح کیجیے۔ آپؐ نے اس کا نکاح کریمہ بنت کلثوم حمیری سے کیا۔[1]

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صالح عورت کو بہترین متاع قرار دیا اور فرمایا:

الدنیا متاع وخیر متاع الدنیا المرأۃ الصالحۃ۔[2]	دنیا ایک بازار ہے اور صالح عورت اس کا متاعِ خیر ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا:

اربع من سنن المرسلین الحیاء، والتعطر، والسواک والنکاح۔[3]	چار چیزیں مرسلین کی سنت ہیں۔ حیا، خوشبو لگانا، مسواک کرنا، اور نکاح۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ نے حضرت سعید بن جبیر[4] (۴۵ - ۹۵ھ / ۶۶۵ - ۷۱۴ء) کو نصیحت کرتے ہوئے کہا:

---

[1] حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الھیثمی۔ مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، مکتبۃ القدسی قاہرہ (بدون تاریخ) کتاب النکاح ۴ : ۲۵۰ - ۲۵۱

[2] صحیح مسلم۔ کتاب الرضاع، استحباب نکاح البکر ۱۰ : ۵۴

[3] سنن الترمذی۔ کتاب النکاح، باب ما جاء فی فضل التزویج حدیث 1919

[4] ابوعبداللہ سعید بن جبیر کوفی مشہور تابعی تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن عباس سے علم حاصل کیا۔ حجاج بن یوسف نے آپ کو شہید کر دیا۔ مفتاح السعادۃ ۱ : ۳۶۳، تذکرۃ الحفاظ ۱ : ۷۶

"نکاح کرو اس امت کے بہترین سردار کے ازواج کی تعداد سب سے زیادہ تھی"[1] قرآن وسنت میں نکاح کی تاکید کو مدنظر رکھ کر فقہاء نے کتبِ فقہ میں عبادات کے بعد اور معاملات سے پہلے نکاح کا ذکر کیا ہے، کیوں کہ نکاح اس سے ملا ہوا ہے۔ اس سے عابد اور عبادات کی بقا ہے۔ اور بقا کے لیے کسب حلال لازمی ہے، اور کسبِ حلال معاملات کی معرفت پر موقوف ہے۔ تمام معاملات پر نکاح کو اس لیے بھی مقدم کیا گیا کہ یہ عبادت کے معنوں میں ہے[2]۔ فقہا نے ارکانِ اربعہ کے بعد اس کا ذکر اس لیے بھی کیا کہ ارکانِ اربعہ کے ساتھ اس کی وہی نسبت ہے جو بسیط کو مرکب کے ساتھ ہوتی ہے۔ کیوں کہ یہ معاملات میں سے ہوتے ہوئے بھی عبادت ہے۔ جہاد پر اسے مقدم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ دونوں مسلمان اور اسلام کے وجود کا سبب ہیں، لیکن نکاح سے مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا ہے اور جہاد گو مسلمان کے وجود کا سبب بھی ہے لیکن اس میں اکثر قتل و ذمہ حاصل ہوتا ہے[3]۔ نکاح کی اہمیت کے پیش نظر بعض علماء نے یہاں تک کہا ہے کہ عبادات نافلہ کے لیے خلوت میں بیٹھنے سے نکاح افضل ہے[4]۔ علماء کے بہ قول نکاح و ایمان کے سوا کوئی عبادت ایسی نہیں ہے جو عہدِ آدمؑ سے اب تک شریعت میں چلی آرہی ہو، اور جنّت میں بھی باقی رہے[5]۔

علمائے اسلام میں سے بعض نے نکاح کو فرض عین، بعض نے فرض کفایہ، بعض نے واجب علی الکفایہ بعض نے سنتِ موکدہ اور بعض نے مستحب کہا ہے۔ بعض علماء نے اسے غلبۂ شہوت کے وقت فرض، یا واجب اور حالتِ اعتدال میں سنت کہا ہے[6]۔

---

[1] صحیح بخاری۔ کتاب النکاح، الجزء السابع ص ۴، "فَتَزَوَّجْ فَإِنَّ خَيْرَ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَكْثَرُهَا نِسَاءً۔"

[2] بدرالدین محمود بن احمد العینی۔ البنایہ فی شرح الهدایہ المشهور عینی شرح ہدایہ، المکتبۃ الامدادیہ مکۃ المکرمہ، کتاب النکاح المجلد الثانی ص ۳۔۴

[3] ابن عابدین۔ ردالمحتار علی الدر المختار فی شرح تنویر الابصار۔ مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ پاکستان، الطبعۃ الثانیہ ۱۴۰۴ھ

۲ : ۲۸۰

[4] ردالمحتار ۲ : ۲۸۰

[5] ردالمحتار ۲ : ۲۸۴

[6] عینی۔ کتاب النکاح، المجلد الثانی ص ۵

نکاح سے دامن بچانا زہد نہیں ہے۔ صوفیہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو امامِ طریقت مانتے ہیں، لیکن ان کی چار بیویاں اور متعدد لونڈیاں تھیں[۱] صحابۂ کرام اور ان کے بعد صلحاءِ امت نکاح کرتے تھے۔ خود صوفیہ کہتے ہیں کہ عورتوں کے معاملہ میں زہد ہے ہی نہیں، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نو نکاح کیے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ کہا کرتے تھے کہ جوان کا زہد تب تک مکمل نہیں ہوتا جب تک وہ شادی نہ کرے[۲]

اولاد کے بارے میں صوفیہ کے خیالات اسلام سے میل نہیں کھاتے۔ انبیاءِ کرام تک نے اولاد کے لیے دعا کی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان الفاظ میں اولاد کے لیے دعا مانگی:

رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ[۳] اے میرے رب مجھ کو ایک نیک فرزند عطا کر دے۔

حضرت زکریا علیہ السلام کے بارے میں آیا ہے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی:

رَبِّ هَبْ لِي مِن لَّدُنكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً[۴] اے میرے رب مجھے اپنے پاس سے اچھی اولاد عنایت کیجیے۔

حضرت زکریا علیہ السلام ہی نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ مجھے وارث عطا کر:

رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا وَأَنتَ خَيْرُ الْوَارِثِينَ[۵] اے میرے رب مجھے اکیلا نہ چھوڑ اور تو ہی بہترین وارث ہے۔

اولاد خدا کی نعمت ہے۔ اس نعمت کو راہِ سلوک میں رکاوٹ سمجھنا کسی طرح درست قرار نہیں دیا جاسکتا۔ انبیاءِ کرام علیہم السلام بھی اپنی اولاد سے محبّت کرتے تھے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے جب بنیامین کے قید ہونے کی خبر اپنے بیٹوں کی زبانی سُنی تو قرآن کے مطابق ان کی حالت یہ ہوگئی:

۱ے احیاءِ علوم الدین ۲ : ۲۴، ۳ : ۹۸، ۴ : ۲۳۳، عوارف المعارف "سبع عشر سریہ" دیا ہے: عوارف المعارف علی ہامش احیاء ۲ : ۲۱۳

۲ے عوارف المعارف علی ہامش احیاء ۲ : ۲۰۹ ۳ے سورۃ الصّٰفّٰت : ۱۰۰-۱۰۱

۴ے سورۃ آل عمران : ۳۸

۵ے سورۃ الانبیاء : ۸۹

وَتَوَلّٰی عَنْهُمْ وَقَالَ يٰٓاَسَفٰی عَلٰی يُوْسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ[1]

اور ان سے دوسری طرف رخ کر لیا اور پکارا ہائے یوسف افسوس اور غم سے ان کی آنکھیں سفید پڑ گئیں اور (وہ غم سے اندر ہی اندر) گھٹا کرتے تھے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہل و عیال کے لیے سراپا شفقت تھے۔ آپؐ نے ایک نواسہ کو اس وقت آغوش میں لیا جب وہ آخری سانسیں لے رہے تھے۔ آپؐ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ حضرت عبادہ بن صامتؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، یہ کیا؟ آپؐ نے فرمایا: یہ رحم ہے جو اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کے دل میں ڈال دیا ہے، اور اللہ تعالیٰ اپنے رحم دل بندوں ہی پر رحم فرماتا ہے[2]۔

ایک مرتبہ حضرت اقرعؓ بن حابس تمیمی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں موجود تھے، آپؐ نے حضرت حسنؓ کا بوسہ لیا، حضرت اقرع نے کہا کہ میرے دس بیٹے ہیں، میں نے ان میں سے کبھی کسی کا بوسہ نہیں لیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف دیکھا، اس کے بعد فرمایا: "جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔"[3]

ایک دفعہ ایک اعرابی نے خدمت میں حاضر ہو کر کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، آپ بچوں کا بوسہ لیتے ہیں، ہم تو نہیں لیتے۔ آپؐ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل سے رحم نکال دیا ہے، تو میں کیا کروں[4]۔"

آپؐ کا ارشاد ہے:

لیس منا من لم یرحم صغیرنا — وہ شخص ہم میں سے نہیں جو چھوٹوں پر رحم

---

[1] سورۃ یوسف: ۸۴

[2] سنن ابن ماجہ۔ کتاب الجنایز، باب ماجاء فی البکاء علی المیت، حدیث ۱۵۸۸

[3] صحیح بخاری۔ کتاب الادب، باب رحمۃ الولد وتقبلہ، الجزء الثامن ص ۹

[4] صحیح بخاری۔ کتاب الادب، باب رحمۃ الولد وتقبلہ، الجزء الثامن ص ۹، سنن ابن ماجہ۔ کتاب الادب، باب بر الوالد، حدیث ۳۶۶۵

وَلَمْ یُوَقِّرْ کَبِیْرَنَا[1] نہ کرے اور بڑوں کی عزت نہ کرے۔

حضرت انسؓ کے بقول حضرت حسن و حسین دوڑتے ہوئے آئے تو آپؐ نے ان دونوں کو سینہ سے لگایا۔[2]

صوفیہ خود بھی جانتے ہیں کہ اسلام میں چھوٹوں پر شفقت کرنے کی کتنی تاکید آئی ہے۔ شیخ نظام الدین اولیاء کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بچوں کو پیار کرتے تھے اور ان سے نرمی سے پیش آتے تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں ایک شخص کو ایک علاقہ کا حاکم بنایا، اور پروانۂ تقرری لکھ کر اس کے ہاتھ میں دیا۔ حضرت عمرؓ کی گود میں بچہ تھا انھوں نے اسے پیار کیا۔ اس شخص نے کہا: امیر المومنین! میرے دس بیٹے ہیں مگر میں نے ان میں سے کسی کو اس طرح پیار نہیں کیا ہے اور نہ اتنی محبت و شفقت کی ہے۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ فاروق نے اس سے کہا کہ جو پروانہ میں نے آپ کو دیا ہے وہ مجھے دے دو۔ اس شخص نے پروانہ حضرت عمرؓ کو دیا تو انھوں نے اسے پارہ پارہ کیا اور کہا: "جب تمہارے نزدیک چھوٹوں کے لیے شفقت نہیں ہے تو بڑوں کے لیے کہاں سے ہوگی؟"[3]

اولاد کی محبت کی بنا پر ہی انسان کسبِ معاش کی طرف توجہ کرتا ہے۔ لیکن صوفیہ کا مسلک مختلف ہے۔ شیخ فتح موصلی سے لوگوں نے کہا کہ آپ ماہی گیر ہیں، اہل و عیال کے لیے ماہی گیری کیوں نہیں کرتے؟ انھوں نے جواب دیا: "میں ڈرتا ہوں کہ پانی میں اللہ کی فرماں برداری کرنے والوں (مچھلیوں) کو شکار کروں اور پھر ان لوگوں کو کھلاؤں جو زمین پر اللہ کی نافرمانی کرتے ہیں"۔[4] علامہ ابن جوزی نے فتح موصلی کی اس توجیہ کو شرع و عقل کے مخالف بتایا ہے۔[5] خود حضرت نوح علیہ السلام کے سلسلہ میں قرآن کریم میں آیا ہے کہ طوفان میں جب ان کا نافرمان بیٹا کافروں کے ساتھ رہا تو حضرت نوح نے اس کے بچاؤ کے لیے دعا کرتے ہوئے کہا: "رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ"[6] (اے میرے رب میرا یہ بیٹا میرے گھر والوں میں سے ہے)

---

[1] سنن الترمذی۔ کتاب البر والصلۃ، باب ۱۵ ماجاء فی رحمۃ الصبیان

[2] سنن ابن ماجہ۔ کتاب الادب، باب برالوالد، حدیث ۳۶۶۶

[3] فوائد الفواد ص ۱۸۵

[4] تلبیس ابلیس ص ۲۸۶ - ۲۸۷

[5] تلبیس ابلیس ص ۲۸۷

[6] سورۃ هود : ۴۵

حدیث میں آیا ہے کہ انسان اپنے اہل وعیال پر جو کچھ خرچ کرتا ہے وہ صدقہ ہے[۱]۔ اہل وعیال کی ذمہ داریوں سے فرار محض راہبانہ زندگی کی خوش نما تعبیر ہے۔ نیز اہل وعیال کو خدا طلبی کی راہ میں سنگ گراں سمجھ کر اس سے احتراز کرنا خود صوفیہ کی "فتوۃ" (جواں مردی) کے خلاف ہے۔

بعض صوفیہ کا قطع عضو، یا آنکھیں نکالنا بھی غیر اسلامی فعل ہے۔ مشہور صوفی شیخ ابونصر سراج طوسی نے ان لوگوں کو غلط ٹھہرایا ہے جو اپنا عضو مخصوص کاٹ ڈالتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ عضو قطع کرنے سے وہ شہوت کی آفتوں سے نجات پا گئے۔ شیخ ابونصر سراج طوسی کے بہ قول ایسے لوگ غلطی پر ہیں، کیوں کہ ان آفتوں کا تعلق باطن سے ہے۔ لہٰذا جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ اصلی آفت عضو مخصوص میں ہے اور اس کے قطع کرنے سے شر سے خلاصی ملے گی، وہ غلطی پر ہے[۲]۔ حضرت محمد بن سیرین کے بیان کردہ یک چشم زاہد کے واقعہ پر امام احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ ممکن ہے اس طرح کا فعل یہودیوں اور عیسائیوں کے ہاں جائز رہا ہو، لیکن ہماری شریعت حرام پر پڑنے والی آنکھ کو نکالنے کی اجازت نہیں دیتی ہے، بلکہ ہمیں یہ تعلیم دیتی ہے کہ توبہ کر کے خدا سے معافی مانگی جائے، اور گناہ سے توبہ کرنے کے بعد باز رہا جائے[۳]۔

تجرد کی فضیلت میں جو احادیث صوفیہ بیان کرتے ہیں، انھیں حفاظِ حدیث نے موضوع قرار دیا ہے۔ علامہ ابن قیم جوزی[۴] (۶۹۱ - ۷۵۱ھ / ۱۲۹۲ - ۱۳۵۰ء) موضوع احادیث کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ومنہا احادیث ذم الاولاد کلہا	اور ان میں سے (موضوع احادیث میں ہے) اولاد
کذب من اولہا وآخرہا	کی مذمت میں منقول تمام احادیث از اول تا آخر

---

[۱] صحیح بخاری۔ کتاب الوصایا، باب ان یترک ورثتہ الاغنیاء، الجزء الرابع ص ۳

[۲] اللمع ص ۵۲۸

[۳] Muslim Studies Vol. II p. 359 360

[۴] محمد بن ابوبکر بن ایوب بن سعد الزرعی المعروف بہ ابن قیم الجوزیہ، دمشق کے نابغۂ روزگار فقیہ، مفسر، محدث، متکلم تھے۔ امام ابن تیمیہ کے شاگرد تھے۔ نصاریٰ، یہود، فلاسفہ اور صوفیہ کی تردید میں کتابیں لکھی ہیں۔ اپنے استاذ امام ابن تیمیہ کے افکار کو بہترین انداز میں پیش کرتے ہیں۔ تصوف میں ان کی کتابوں میں سب سے زیادہ شہرت "مدارج السالکین" کو حاصل ہے۔ آپ کی زندگی پر کئی کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔

لحديث لو يربي احدكم بعد الستين ومنه جرو كلب خير من ان يربي ولداً.....[۱]
جھوٹی ہیں مثلاً لو يربي احدكم بعد الستين اور جرو كلب خير من ان يربي ولداً۔

دوسری جگہ کہتے ہیں:

احاديث مدح العزوبة كلها باطل[۲]
عزوبة کی مدح میں منقول تمام احادیث باطل ہیں۔

شیخ مجد الدین شیرازی[۳] (م ۸۱۷ھ / ۱۴۱۴ء) احادیثِ موضوعہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وباب ذم المولودين بعد المائة لم يثبت فيه شيئ وباب وصف مايقع بعد مائة وثلاثين سنة وبعد مائتي سنة وبعد ثلاث مائة سنة، ومذمة اولئك القوم ومدح الانفراد والتجرد في ذالك الوقت مجموعة باطل ومفترى[۴]
ایک سو سال کے بعد مولودین کی مذمت کے باب میں کوئی حدیث ثابت نہیں ہے ایک سو تیس سال کے بعد، دو سو سال کے بعد اور تین سو سال کے بعد والے زمانہ میں مولودین کی مذمت اور تنہائی وتجرد کی مدح میں منقول احادیث باطل کا مجموعہ اور افترا ہیں۔

آگے چل کر شیخ شیرازی کہتے ہیں:

وباب مذمة الاولاد في آخر الزمان
آخری زمانہ میں اولاد کی مذمت کے باب میں منقول

---

[۱] ابن قیم۔ المنار المنيف في الصحيح والضعيف، تحقيق عبد الفتاح ابو غدہ، المكتب المطبوعات الاسلاميه حلب، الطبعة الثانيه ۱۴۰۲ھ / ۱۹۸۲ء، ص ۱۰۹

[۲] المنار المنيف ص ۱۲۷

[۳] مشہور عالم مجد الدين ابی طاہر محمد بن يعقوب الشيرازی تفسیر، حدیث اور لغت کے امام تھے۔

[۴] مجد الدين شیرازی۔ سفر السعادة على هامش كشف الغمہ، مطبعة مصطفى البابی الحلبی واولادہ بمصر القاهرہ، الطبعة الاخيرة ۱۳۷۰ھ / ۱۹۵۱ء ۲: ۲۶۱

وقول لأن یربی احدکم بجرو کلب	احادیث نیز حدیث لأن یربی احدکم
خیر من ان یربی بولد وحدیث	بجرو کلب خیر من ان یربی بولد
یکون المطر خیظاً والولد غیظاً لم	اور حدیث یکون المطر خیظاً والولد غیظاً میں سے
یثبت من ھٰذہ الاحادیث شیئ[1]	کوئی حدیث ثابت نہیں ہے۔

مُلّا علی قاری موضوعات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ومنھا احادیث ذم الاولاد کلھا	اور ان میں سے (موضوعات میں سے) اولاد کی
کذب من اولھا الی اٰخرھا کحدیث	مذمت میں مروی تمام احادیث از اول تا آخر
لو یربی احدکم بعد الستین مائة جرو	لو یربی احدکم بعد الستین مائة جرو کلب خیر من
کلب خیر من ان یربی ولداً[2]	ان یربی ولداً کی حدیث کی طرح جھوٹی ہیں۔

امام ابن حزم نے بھی دو احادیث "لو یربی احدکم جرو کلب خیر له من ان یربی ولد المرء" اور "خیرکم الذی لا اھل له ولا ولد" کو موضوع کہا ہے، کیوں کہ اگر لوگ ان احادیث پر عمل کریں تو ترک تناسل سے اسلام، جہاد اور دین ہی ختم ہو جائیں گے۔ اور اہلِ کفر کو غلبہ حاصل ہوگا۔[3]

تصوف کی کتابوں میں ایک حدیث یوں نقل کی جاتی ہے:

اطلبوا الخیر عند حسان الوجوہ۔	حسین چہروں کے پاس خیر طلب کرو۔

لیکن آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس باب میں کوئی چیز ثابت نہیں ہے، اس لیے اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے۔[4] اس کے علاوہ ایک اور حدیث اس طرح بیان کی جاتی ہے:

[1] سفر السعادۃ علیٰ ہامش کشف الغمہ ۲ : ۲۶۲، احیاء علوم الدین میں منقول "خیر الناس" والی حدیث کے لیے دیکھیے: زین الدین ابو الفضل عبد الرحیم بن الحسین العراقی۔ المغنی عن حمل الاسفار فی تخریج ما فی الاحیاء من الاخبار مع احیاء علوم الدین ۲ : ۲۴

[2] الموضوعات الکبیر ص ۱۰۴

[3] عینی، المجلد الثانی، کتاب النکاح ص ۵

[4] تلبیس ابلیس ص ۲۶۵

ثلاثة تجلو البصر، النظر الی الخضرة والنظر الی الماء والنظر الی الوجه الحسن۔ — تین چیزیں نظر کو جلا بخشتی ہیں، سبزہ زار کی طرف دیکھنا، پانی کی طرف نظر کرنا اور حسین چہرہ کو دیکھنا۔

مگر یہ حدیث بھی موضوع ہے۔[۱]

حاصلِ بحث یہ ہے کہ نکاح اور اہل وعیال کے بارے میں صوفیہ کے خیالات اسلام سے متصادم ہیں۔ قرآن وحدیث میں نکاح کی تاکید آئی ہے۔ صحابہ اور سلفِ صالحین سے لے کر آج تک سوائے صوفیہ کے کسی نے اس کی مذمت نہیں کی ہے۔ دنیا کے دوسرے مذاہب میں بھی ترکِ نکاح کو عوام کے لیے مفید نہیں کہا گیا ہے۔ قربِ الٰہی حاصل کرنے کے لیے بھی ترکِ نکاح کرنا چنداں مستحسن نہیں ہے۔ دیکھنے میں آیا ہے کہ بہت سے تارکِ نکاح اہل وعیال کی محبت سے بھی محروم رہے اور خدا بھی نہ ملا۔ اس کے برعکس بہت سے خوش نصیب صاحبِ عیال ہوتے ہوئے بھی عرفان وسلوک کی بلندیوں پر پہنچ گئے۔

ذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ

تجرد کو فوقیت دینے کے باوجود صوفیہ عورت کی عظمت کے قائل ہیں، چنانچہ تصوف کی کتابوں میں مردوں کے ساتھ ساتھ ان باکمال صالحات کا بھی ذکر ملتا ہے جو سلوک وعرفان کے مقاماتِ عالیہ پر فائز رہی ہیں۔ ان میں سے بعض صالحات نے مریدوں کی تربیت وارشاد کا فریضہ بھی انجام دیا ہے۔ علاوہ ازیں عورت کو صوفیانہ افکار وشاعری میں "اعیانِ ثابتہ" کی علامت واستعارہ کی حیثیت بھی حاصل ہے جیسا کہ مولانا رومی سے منسوب اس شعر میں کہا گیا ہے ؎

از آں مادر کہ من زادم دگر بارہ شدم جفتش — از آنم گبر میخوانند کہ با مادر زنا کردم[۲]

بعض صوفیہ نے عورت کے بارے میں ایسے خیالات کا اظہار کیا ہے جن میں اسے مرد پر ہزار گونہ فضیلت حاصل ہے۔ انھیں خیالات کی بنیاد پر مرد وزن کے تعلقات کی ایک نئی تصویر پیش کی گئی ہے۔

---

[۱] تلبیس ابلیس ص ۲۶۵-۲۶۶ [۲] لطائف اشرفی ۲: ۲۴۲

چھٹی اور ساتویں صدی ہجری میں نکاح کے متعلق صوفیہ نے ایک نیا زاویۂ نگاہ پیش کیا، جو اول الذکر نظریہ سے مختلف بھی تھا اور متضاد بھی۔ اس نئے نظریہ کی اصل بھی صوفیہ کے اس قول میں مضمر تھی کہ خدا خوب صورت جسموں کے اندر حلول کرتا ہے چناں چہ علماءِ شریعت نے اس قول پر سخت ردعمل کا اظہار کیا لیکن چھٹی صدی ہجری میں شیخ محی الدین ابن عربی اور ان کے ہم نواؤں نے جو نظریہ پیش کیا، اس کی روشنی میں خدا عورت کی صورت میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ شیخ ابن عربی کے بہ قول خدا نے آدمؑ کو اپنی صورت پر پیدا کیا اور آدم ہی میں سے اس کا ہم صورت و ہم شکل انسان حواؑ کو پیدا کیا پھر آدم کو حوا کا ایسا شوق ہوا جس طرح انسان اپنے جزو کو چاہتا ہے اور حوا آدم کو اس طرح چاہنے لگی جیسے کوئی اپنے وطن اور اصل کو دوست رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مرد عورت سے محبت کرتا ہے۔ مرد اور عورت کی محبت چوں کہ لازمی ہے اس لیے مرد کا دل فطرۃً عورت کی طرف مائل ہے وہ چاہتا ہے کہ وصال ہو جائے اس نشاۃ عنصری اور مادی دنیا میں وصال یعنی ایک ہو جانے کا طریقہ نکاح کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ شیخ محی الدین ابن عربی کہتے ہیں:

فلما احب الرجل المرأة طلب الوصلة ای غایة الوصلة التی تکون فی المحبة فلم یکن فی صورة النشاة العنصریة اعظم وصلة من النکاح ولهذا تعم الشهوة اجزاءه کلها ولذلك امر بالاغتسال منه فعمت الطهارة کما عم فنا فیها عند حصوله الشهوة فان الحق غیور علی عبده ان یعتقد انه یلتذ بغیره فطهره بالغسل لیرجع بالنظر الیه فیمن فنی فیه اذ لا یکون الا ذلك فاذا شاهد الرجل الحق فی المرأة کان شهوداً فی منفعل واذا شاهد فی نفسه من ظهور المرأة عنه شاهده فی فاعل واذا شاهد فی نفسه من غیر استحضار صورة ما تکون عنه کان شهوده فی منفعل عن الحق بلا واسطة فشهوده للحق اتم واکمل لانه یشاهد الحق من حیث فاعل منفعل ومن نفسه من حیث هو منفعل خاصة فلهذا احب صلی الله علیه وسلم النساء لکمال الشهود الحق فیهن اذ لا یشاهد الحق مجرداً عن المواد ابداً فان الله بذات غنی عن العالمین واذا کان الامر من هذا

الوجه ممتنعا ولم تکن شہادۃ الا فی مادۃ فشہود الحق فی النساء اعظم الشہود واکمله واعظم الوصلة النکاح[۱]

شیخ عمر و ابن الفارض نے انھیں خیالات کو اس طرح شعری جامہ پہنایا ہے ؎

فکل ملیح حسنه من جمالها	معار له، بل حسن کل ملیحة
بها قیس لبنیٰ هام بل کل عاشق	کمجنون لیلی او کثیر عزة
ففی النشاة الاولی ترأت لآدم	بمظهر حوا قبل حکم الامومة
وتظهر للعشاق فی کل مظهر	من اللبس فی اشکال حسن بدیعة
ففی مرة لبنیٰ واخری بثینة	واونه تدعی بعزة عزت[۲]

لبنیٰ، بثینۃ اور عزۃ سے بالترتیب قیس، جمیل اور کثیر کے نام بہ حیثیت عاشق جڑے ہوئے ہیں۔

شیخ محی الدین ابن عربی کا یہ نظریہ آگے چل کر وحدۃ الوجود کے ماننے والوں میں پھیل گیا۔ شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی اپنے والد صاحب کے بارے میں لکھتے ہیں کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ بعض درویشوں کے بارے میں مجھے تردد تھا کہ حضرت حق تعالےٰ کی بارگاہ میں وہ کیا مرتبہ رکھتے ہیں چنانچہ میں نے چشم مشاہدہ سے ایک تجلّی دیکھی گویا حضرت حق حسین صورت میں متمثل ہو کر برقعہ پوش ہیں میرے اور حضرت حق کے درمیان کچھ فاصلہ ہے جب اس کا جمالِ پاک مجھ پر ظاہر ہوا تو دل ہاتھ سے چلا اور مجھے اس سے بھی زیادہ قُرب کی خواہش پیدا ہوئی۔ وہ میری اس تمنا پر مطلع ہو کر قدرے اور نزدیک ہوا، اس پر آتشِ شوق بھڑک اٹھی اور خواہشِ قُرب میں اور اضافہ ہوا۔ اس پر مطلع ہو کر وہ اور نزدیک آگیا۔ اس مرحلہ پر میں برقع کی موجودگی سے تنگ آگیا اور اس کے ہٹانے کی آرزو کی، فرمایا برقعہ تو بہت باریک ہے جو حسنِ مستور کو اور نمایاں کر رہا ہے۔ عرض کی پھر بھی حجاب تو ہے بالآخر نقاب اٹھا دی اور پھر فرمایا کہ بعض سالکوں کو پہلا مرتبہ حاصل ہے خاص سالکین کو دوسرا مرتبہ اور اخص الخواص کو مرتبۂ ثالث میسر ہے اور فلاں فلاں ان تینوں میں

---

[۱] محی الدین ابن عربی۔ فصوص الحکم، تعلیق ابو العلاء عفیفی، دار احیاء الکتب العربیہ، عیسی البابی الحلبی دمشق ۱۳۶۵ھ/۱۹۴۶ء ۱: ۲۱۷، ۲: ۳۲۹

[۲] دیوان ابن الفارض ص ۷۔

کوئی مرتبہ نہیں رکھتے۔[۱] شاہ ولی اللہ صاحب کے بہ قول ان کے والد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ انتہائی قبض عظیم محسوس کر رہا تھا کہ واقعتہً مجھ پر ایک تجلی وارد ہوئی میں نے دیکھا کہ ایک حسین وجمیل عورت زیورات اور جاذب نظر لباس سے مزین ہے اور وہ آہستہ آہستہ میرے قریب آنے لگی اس کے قرب سے میرا شعلۂ شوق بھڑکنے لگا، بالآخر وہ مجھ سے بغل گیر ہو کر یک تن ہو گئی میرا وجود اس کی شکل میں متمثل ہو گیا اور تمام زیورات و لباس میں نے اپنے وجود پر موجود پائے یہ دیکھ کر مجھے انتہائی انبساط و سرور حاصل ہوا اور وہ گھٹن جاتی رہی۔[۲] شاہ ولی اللہ صاحب کہتے ہیں کہ یہ واقعہ مقام توحید کے حصول پر دلالت کرتا ہے اور گذشتہ واقعہ ہی کی ایک شاخ ہے۔[۳]

بعض صوفیہ کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ حسن وجمال ظاہری پر بہت زیادہ فریفتہ تھے اور اس کی توجیہ یہ کرتے تھے کہ مرد کی صورت میں جمال الٰہی کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ شیخ احمد غزالی اس علت سے متہم تھے۔[۴] مشہور بزرگ شیخ اوحد الدین کرمانی[۵] (م ۶۳۵ھ/۱۲۳۷ء) کے متعلق یہ بات مشہور ہے۔ شیخ شمس الدین تبریزی[۶] (م ۶۴۵ھ/۱۲۴۷ء) نے آپ سے کہا: "یہ کیا شیوہ ہے؟" آپ نے جواب دیا: "چاند کی صورت پانی کے طشت میں دیکھ رہا ہوں۔" شیخ موصوف نے کہا: "تمھاری پشت پر دنبل نہیں نکلا ہے تو آسمان کی طرف کیوں نہیں دیکھتے؟"[۷] برصغیر میں دہلی کے مشہور مجذوب سرمد[۸] (م ۱۰۷۰ھ/۱۶۵۹ء) کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ اس الزام سے متہم تھے۔[۹]

۱۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔ انفاس العارفین مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۳۵ھ/۱۹۱۷ء ص ۳۵

۲۔ انفاس العارفین ص ۳۵-۳۶ ۳۔ انفاس العارفین ص ۳۶

۴۔ فوائد الفواد ص ۸۴، تلبیس ابلیس ص ۲۶۷

۵۔ شیخ اوحد الدین کرمانی شیخ رکن الدین سنجاسی کے مرید تھے۔ صوفیہ خود بیان کرتے ہیں کہ وہ مشہود حقیقت میں مظاہر صوری سے توسل کرتے تھے اور جمال مطلق کا صور مقیدات میں مشاہدہ کرتے تھے۔ نفحات الانس ص ۳۸۵-۳۸۷

۶۔ محمد بن علی بن ملک المعروف بہ شمس تبریزی مشہور صوفی تھے جنھوں نے مولانا روم کی سیرت کی تعمیر میں اہم رول ادا کیا۔ سفینۃ الاولیاء ص ۱۷۹

۷۔ نفحات الانس ص ۳۸۶، سفینۃ الاولیاء بذیل تذکرہ ص ۱۷۹

۸۔ دہلی کے مشہور مجذوب جنھیں اورنگ زیب عالم گیر کے حکم سے قتل کیا گیا۔ ان کی قبر جامع مسجد دہلی کے صحن میں ہے۔

۹۔ اردو دائرۂ معارف اسلامیہ ۸: ۸۲۸

لیکن جب ان پر اعتراض کیا جاتا تو وہ کہتے کہ وہ تو تجلی حق کا نظارہ کر رہے ہیں۔ شاہ ولی اللہ دہلوی کا بیان ہے کہ کسی نے ان کے چچا حضرت شیخ (ابوالرضا) کی خدمت میں بعض متصوفین کا یہ قول بیان کیا:

اقرب الطرق الی اللہ رویۃ الامارد — خدا تعالیٰ تک پہنچنے کا سب سے نزدیک راستہ امارد کو دیکھنا ہے۔

آپ نے اس قول کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ شاید ان کی مراد یہ ہو کہ کائنات کی تمام محسوس اشیا میں امارد کی شکل و شباہت بہت متناسب ہوتی ہے اور ان کی جانب نفس کا میلان بھی زیادہ ہوتا ہے اس اعتبار سے امارد میں رویتِ حق کا مشاہدہ زیادہ آسانی کے ساتھ ہو سکتا ہے اور جن مشائخ نے اسے برا جانا ہے ان کے پیش نظر یہ خطرہ موجود تھا کہ امارد کو دیکھنے سے سالک عالمِ شہادت ہی میں محدود ہو کر رہ جاتا ہے اور کئی دیگر آفات کے خدشے کی بنا پر جمالِ حقیقی سے مشرف نہیں ہو پاتا۔ یہاں حضرت شیخ مسکرائے اور فرمایا کہ امارد میں خون ہی تو ہوتا ہے جو حسن کی صورت میں جلوہ گر ہوتا ہے اگر ان کا یہ خون خارج کر دیا جائے تو کو ان کی جانب آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھے اہل شہود کی مثال کتاب دیکھنے والے اس شخص کی سی ہے جو عینک لگا کر اسے پڑھتا ہے۔ اس کی توجہ عینک کی طرف بالکل نہیں ہوتی، مگر ساری کتاب کو اسی کے وسیلہ سے دیکھتا ہے مگر ایسی صورت میں کہ عینک کے آگے کوئی حجاب آجائے یا کوئی شخص ہاتھ رکھ دے تو اس کی توجہ عینک کی طرف مبذول ہو جاتی ہے۔ اہلِ شہود حسین عورتوں، حوروں اور امارد وں کی طرف التفات نہیں کرتے کیوں کہ ان کی نظر ان تمام سے وراء مقصودِ حقیقی جل جلالہ پر لگی ہوتی ہے، مگر حقیقت ناشناس حسین عورتوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور بدصورت سے پہلوتہی کرتا ہے جب کہ عارف کی نظر میں دونوں برابر ہیں۔[1]

ان اقوال کی اصل صوفیہ کے لیے تلاش کرنا چنداں محال نہ تھا۔ نظریہ وحدۃ الوجود اور ہمہ اوست پہلے ہی سے موجود تھا، قدماء میں سے کسی کا یہ شعر پیش کیا گیا ۔

رق الزجاج ورقت الخمر — فتشابھا وتشاکل الامر

شیشہ و شراب دونوں شفاف اور باریک ہیں۔ یعنی مظاہر جو بمنزلہ شیشہ کے ہیں صاف و شفاف۔ اور محبوب مستور جو کہ بمنزلہ شراب کے ہے وہ بھی غایت درجہ شفاف ہے۔ تو دونوں میں ایسی مشابہت پیدا

---

[1] انفاس العارفین ص ۱۰۹

ہوگئی کہ تمیز کرنا مشکل ہوگیا۔

فکأنما خمرٌ ولا قدح | وکأنما قدح ولا خمرٌ
جیسے شراب ہے شیشہ نہیں | اور گویا پیمانہ ہے شراب نہیں

اسی معنی میں یہ شعر پیش کیا جاتا ہے ؎

ان شئت قلت حق لا خلق | وان شئت قلت خلق لا حق
اگر تو چاہے تو کہے حق ہے خلق نہیں | اور اگر چاہے تو کہے کہ خلق ہے حق نہیں

ہماری رائے میں شیخ محی الدین ابن عربی اور ابن الفارض کے نظریات صریحاً اسلام سے متصادم ہیں۔ عقلی طور پر بھی اس رائے میں کوئی وزن نہیں ہے۔ سیدھے سادے اسلام میں اس خیال آرائی کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور نہ ہی عربوں کا سادہ ذہن جو قرآن کا اولین مخاطب تھا اس پُر اسرار فلسفہ کو اپنے اندر سمو سکتا تھا۔ قرآن نے

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ (النساء: ۳۴) مرد حاکم ہیں عورتوں پر

کہہ کر اس کی تردید کی ہے۔ اگر ہم شیخ اکبر کے اس فلسفہ کو درست تسلیم کریں تو ہم عجیب و غریب نتائج سے دوچار ہوں گے۔ خدا خود تو یہ کہہ رہا ہے کہ مرد، عورت پر قوام ہے، لیکن اپنے جمال کا جلوہ دکھانے کے لیے "نعوذ باللہ" عورت کی صورت اختیار کرتا ہے، جس کو وہ خود مرد کے مقابلہ میں کم تر قرار دے چکا ہے۔ اسی طرح شیخ عمر وابن الفارض کا یہ خیال کہ اللہ تعالیٰ عشاق کے لیے مظاہر میں جلوہ گر ہوتا ہے، غیر اسلامی تخیل کا عکاس ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی نے ایسے ہی اقوال کے لئے کیا خوب کہا ہے:

قائل آں سخناں شیخ کبیر یمنی باشد، یا شیخ اکبر شامی کلام محمد عربی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام درکار است:۔ نہ کلام محی الدین عربی وصدر الدین قونوی وعبد الرزاق کاشی، مارا بانص کار است نہ بفص۔ فتوحات مدنیہ از فتوحات مکیہ مستغنی ساختہ است[1]

---

[1] حضرت مجدد الف ثانی۔ مکتوبات امام ربانی، کراچی ۱۳۹۷ھ/۱۹۷۷ء دفتر اول مکتوب صدم ص ۲۰۵

فقر

طریقت میں جن احوال و مقامات کو تزکیۂ نفس کی روح سے تعبیر کیا جاتا ہے ان میں فقر کا مقام اعلیٰ و اشرف تسلیم کیا گیا ہے۔ عربوں کے نزدیک فقر سے مراد محتاجی اور مال کی عدم ملکیت ہے[1] لیکن جب اہلِ سلوک نے دنیاوی مال و اسباب سے کنارہ کشی کر کے اپنی مرضی سے فقر اختیار کیا تو اس میں خودداری کے ساتھ غناءِ قلب کا مفہوم بھی شامل ہوا۔ تاہم صدرِ اوّل میں فقیر سے خوددار غیر مستطیع انسان مراد لیا جاتا تھا اور اس میں وہ ماورائیت شامل نہیں تھی جو بعد کے ادوار میں اس لفظ میں سمو دی گئی۔ صوفیہ کے بہ قول فقر وہ مقامِ شریف ہے جس کی تعریف اللہ تعالیٰ نے خود ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے:

لِلْفُقَرَاءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ	(در رضاءِ الٰہی کی خاطر خرچ کرو) ان غریبوں کے لیے
سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا	جو خدا کی راہ میں گھرے ہوئے ہیں زمین میں کاروبار
فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ	کے لیے نقل و حرکت نہیں کر سکتے بے خبر ان کی خودداری
اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ	کے سبب انھیں غنی خیال کرتا ہے تم انھیں ان کی صورت
بِسِيْمٰهُمْ لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ	سے پہچان سکتے ہو۔ وہ لوگوں سے لپٹ کر نہیں مانگتے
اِلْحَافًا وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ	اور جو مال بھی تم خرچ کرو گے اللہ تعالیٰ اس سے
فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ[2]	خوب واقف ہے۔
(البقرہ ۲: ۲۷۳)	

---

[1] لسان العرب ۵: ۳۶۷، الفقر: الحاجة، نیز الفقیر عند العرب المحتاج۔ لسان العرب ۵: ۳۶۸ بذیل مادہ فقر۔

[2] احیاء علوم الدین ۴: ۱۹۲۔

اہلِ تصوف کے نزدیک فقر کے محمود ہونے کی دلیل وہ دعا ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "زمرۂ مساکین" میں شامل ہونے کی آرزو کا اظہار فرمایا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی ہے:

اللّٰھم احینی مسکیناً و اَمِتنِی مسکیناً و احشرنی فی زمرۃ المساکین[1]

اے اللہ! مجھے مسکین زندہ رکھ مسکین کی موت دے اور مسکینوں کے ساتھ قیامت میں اٹھا

صوفیہ کی روایات کے مطابق آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"خدائے تعالیٰ قیامت کے دن فقراء کی طرف خطاب کرتے ہوئے کہے گا قسم ہے اپنے جلال کی میں نے آپ لوگوں سے اس لیے دنیا نہیں چھینی تھی کہ آپ کی میرے نزدیک کوئی قدر و منزلت نہیں تھی بلکہ اس لیے (آپ لوگوں سے چھینی تھی)، کہ آج کے دن آپ لوگوں کا درجہ بلند کروں، جاؤ اور لے آؤ اس آدمی کو جس نے تمھیں روٹی کا ٹکڑا دیا تھا پانی پلایا تھا یا کپڑا پہنایا تھا لے جاؤ اسے جنت میں[2]"

مزید برآں تصوف کی کتابوں میں بہ کثرت ایسی احادیث ملتی ہیں جن سے فقر کی اہمیت و برتری واضح ہو جاتی ہے۔

فقر کیا ہے؟ اس سوال کا جواب ذرا مشکل ہے کیوں کہ ہر صوفی اور سالک نے اس کی تعریف اپنے اپنے ذوق اور حال کی روشنی میں بیان کی ہے۔ شیخ جویری کا کہنا ہے کہ فقیر وہ ہے کہ معدوم چیز کی اس وقت تک تلاش نہ کرے جب تک وہ چیز گم نہ کرے جو اس کے پاس ہو[3]۔ شیخ ابو عبداللہ ابن جلاء[4] (م ۳۰۶ھ/ ۹۱۸ء) کہتے ہیں: "فقر یہ ہے کہ تمھارے پاس کوئی چیز نہ ہو، اور

---

[1] کشف المحجوب ص ۱۹

[2] احیاء علوم الدین ۴ : ۱۹۲

[3] اللمع ص ۷۵

[4] ابو عبداللہ محمد بن احمد بن الجلاء بغدادی الاصل بزرگ، رملہ اور شام میں قیام کیا، ذوالنون مصری کے ہم نشین اور شیخ ابوتراب بخشی کے مرید تھے: تذکرۃ الاولیاء باب ۴۸ ص ۲۶۴، الطبقات الکبریٰ ۱ : ۸۷-۸۸، سفینۃ الاولیاء بذیل تذکرہ ص ۱۴۱

جب ہو تو پھر نہ رہے[1] شیخ ابوالحسین نوری کا قول ہے: "فقر وہ ہے کہ جب اس کے پاس کچھ نہ ہو تو اسے سکون حاصل ہو اور جب ہو تو اسے خرچ کرے[2]" ان اقوال سے ایسا لگتا ہے کہ فقر استغنا، یا شانِ بے نیازی کے ہم معنی ہے لیکن بعض صوفیہ نے اس سے ظاہری طور پر مال کا بالکل موجود نہ ہونا بھی مراد لیا ہے۔ شیخ ابراہیم بن ادہم کی خدمت میں ایک شخص نے دس ہزار درہم بھیجے لیکن شیخ نے انھیں اس خدشہ کی بنا پر لینے سے انکار کیا کہ کہیں شیخ کا نام فقراء کی فہرست سے نہ نکال دیا جائے[3] ایک بزرگ شیخ ابوجعفر الدرّاج (چوتھی صدی ہجری) اپنا ذاتی واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک بار سرمہ دانی کی تلاش میں اپنے استاد کے برتن کو ٹٹولا تو اس میں چاندی کا ایک ٹکڑا پایا اس پر مجھے حیرت ہوئی۔ جب استاد آئے تو میں نے عرض کیا کہ میں نے آپ کے برتن میں چاندی کا ایک ٹکڑا پایا ہے۔ انھوں نے پوچھا کہ کیا تو نے اسے دیکھا ہے؟ اسے وہیں رکھ دو۔ پھر خود ہی کہا کہ اسے تم لے لو اور اس کے بدلے کچھ خرید لو۔ میں نے کہا معبود کی قسم مجھ کو بتایے اس ٹکڑے کا کیا قصہ ہے؟ تو فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے اس کے سوا مجھے کچھ نہیں دیا ہے، میں نے چاہا کہ وصیت کروں کہ اس ٹکڑے کو میرے کفن کے ساتھ باندھ دیا جائے تاکہ میں اللہ تعالیٰ کو اسے واپس کر دوں[4] شیخ ابن الجلاء سے جب فقر کے تعلق سوال کیا گیا تو انھوں نے تب تک کو جواب نہیں دیا جب تک جیب میں موجود ایک درہم کو پہلے خرچ نہ کر ڈالا[5] کیوں کہ یہ اقتضائِ فقر کے خلاف تھا کہ ایک درہم موجود ہو اور فقر پر گفتگو کی جائے۔ شیخ عبداللہ بن خفیف کہتے ہیں کہ چالیس سال سے مجھ پر زکوٰۃ واجب ہی نہیں ہوئی اور مجھے خاص و عام میں مقبولیت ملی۔ واجب نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اتنا مال جمع ہی نہ ہوا جس پر زکوٰۃ واجب ہوتی[6] مرض موت میں حضرت معروف کرخی سے

---

[1] التعرف ص ۹۶

[2] التعرف ص ۹۶

[3] الرسالۃ القشیریہ ص ۱۶۰، احیاء علوم الدین ۴: ۱۹۴

[4] التعرف ص ۹۶؛ عوارف المعارف علی ہامش احیاء ۴: ۳۵۸-۳۵۹

[5] عوارف المعارف علی ہامش احیاء ۴: ۳۶۱ [6] الرسالۃ القشیریہ ص ۱۶۴

سوال کیا گیا کہ کوئی وصیت کیجیے تو انھوں نے کہا کہ میری قمیص صدقہ کرنا، میں دنیا سے اسی طرح عریاں ہو کر جانا چاہتا ہوں جس طرح آیا تھا۔[۱] شیخ بایزید بسطامی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ابتدائے حال میں ایک رات انھیں عبادت میں لذت محسوس نہ ہوئی تو اپنے بھتیجے ابو موسیٰ سے کہا: "ذرا دیکھو گھر میں کہیں کھانے پینے کی کوئی چیز موجود تو نہیں ہے؟" انھوں نے تلاش کرنے کے بعد تھوڑے سے انگور رکھے ہوئے پائے۔ شیخ کو اطلاع دی تو انھوں نے کہا کہ "اسے کسی کو دے دو، یہ تو بقالوں کا گھر ہو گیا ہے"۔[۲]

لیکن صرف مال کا ظاہری طور پر اپنے پاس موجود نہ رکھنا ہی فقیر کے لیے کافی نہیں ہے بلکہ ایک صوفی کا قول ہے: "فقیر وہ نہیں ہے جو سامان سے خالی ہو، بلکہ وہ ہے جس کا دلِ مراد سے خالی ہو"۔[۳] ایک اور بزرگ کے بہ قول جس نے فقر کو شرف کے لیے اختیار کیا وہ فقیر مرا، اور جس نے فقر کو اس لیے اختیار کیا کہ وہ اللہ سے منھ نہ موڑے وہ غنی مرگیا۔[۴] شیخ ہجویری کے نزدیک ذاتِ حق کے سوا تمام چیزوں سے قلب کے فارغ ہونے کا نام فقر ہے۔[۵] شیخ ابوبکر دراق کا کہنا ہے کہ فقیر دنیا و آخرت میں خوش بخت ہے کیوں کہ دنیا میں بادشاہ اس سے خراج اور

۱؎ الرسالۃ القشیریہ ص ۱۲

۲؎ النور من کلمات ابی طیفور مشمولہ شطحات الصوفیہ ۱ : ۹۱

۳؎ کشف المحجوب ص ۲۳

۴؎ الرسالۃ القشیریہ ص ۱۶۴

۵؎ کشف المحجوب ص ۲۳۔ شیخ ہجویری کے بہ قول: "فقیر وہ ہے جو نہ ظاہری اسباب سے غنی ہو اور نہ اسباب کا نہ ہونا اس کے لیے باعثِ افلاس ہو۔ اسباب کا وجود و عدم اس کے نزدیک برابر ہو۔ بلکہ عدم اسباب اس کے لیے زیادہ باعثِ مسرت ہو۔ کشف المحجوب ص ۲۰۔ شیخ یحییٰ ابن معاذ رازی سے فقر کے معنی دریافت کیے گئے تو انھوں نے جواب دیا "حقیقۃ ان لا یستغنی الا باللہ و رسمہ عدم الاسباب" لکھا۔ (اس کی حقیقت یہ ہے کہ صرف خدا کو اپنے حق میں کافی سمجھا جائے اور اس کی ظاہری علامت یہ ہے کہ تمام اسباب معدوم ہو جائیں)، الرسالۃ القشیریہ ص ۱۶۰، تصوف۔ ایک تجزیاتی مطالعہ ص ۲۶۔

آخرت میں خدا اس سے حساب طلب نہیں کرے گا۔[1] فقر کے بارہ میں اہلِ تصوف کی ماورائیت بعض اوقات انھیں اس مقام تک پہنچاتی ہے جہاں اس کا عالم ہی عجیب ہوتا ہے۔ شیخ ترمسینی[2] (چوتھی صدی ہجری) کا قول ہے:

الفقیر ھو الذی لا یکون له الی اللہ حاجة[3]	فقیر وہ ہے جس کی اللہ تعالیٰ کے پاس کوئی حاجت نہ ہو۔

فقر کی اس تعریف کی تاب خود علماء طریقت بھی نہ لا سکے، چنانچہ امام قشیری کو اس کی تاویل کرتے ہوئے کہنا پڑا کہ قائل کا اشارہ مطالبات سے دست بردار ہو جانے، ارادہ واختیار سے فانی اور تقدیرِ الٰہی پر راضی ہونے کی طرف ہے[4] اور شیخ شہاب الدین سہروردی نے اس کی اس طرح تاویل کی کہ وہ بندگی کے وظائف میں مشغول اپنے رب پر مکمل اعتماد کیے ہوئے ہے اسے خدا کی نگہبانی کا علم ہے۔ عرض حاجات کو اس لیے ضروری نہیں سمجھتا کہ اللہ تعالیٰ اس کے حال سے واقف ہے اس لیے وہ سوال کو فضول تصور کرتا ہے۔[5] اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرضِ حاجات سے بے نیازی کی کیفیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ شیخ ممشاد دینوری[6] (م ۲۹۹ھ / ۹۱۱ء) کے انتقال کا وقت قریب آیا تو ان کے مرید نے دعا کی کہ خدا شیخ کو بہشت بریں میں جگہ نصیب کرے۔ شیخ نے

---

[1] الرسالۃ القشیریہ ص ۱۶۴

[2] شیخ مظفر القرمسینی مشائخ جبل میں شمار ہوتے ہیں۔ رملہ میں وفات پائی: حلیۃ الاولیاء ۱۰: ۳۶۰-۳۶۱، الرسالۃ القشیریہ ص ۳۴

[3] الرسالۃ القشیریہ ص ۱۶۳

[4] الرسالۃ القشیریہ ص ۱۶۴

[5] عوارف المعارف علی ہامش احیاء ۱: ۳۲، تصوف۔ ایک تجزیاتی مطالعہ ص ۳۰،

ڈاکٹر عبید اللہ فراہی ان دونوں تاویلات کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: "یہ تاویلات نہ صرف یہ کہ غیر اطمینان بخش ہیں بلکہ بجائے خود محل نظر ہیں اس وجہ سے کہ قرآن مجید میں انبیاء کرامؑ تک کی عرضِ حاجات کا ذکر ہے کہ انھوں نے اپنے اور اپنے قوم کے مطالبات کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیا۔"

[6] حضرت جنید بغدادی کے مرید اور ابو محمد رویم اور شیخ ابو الحسین نوری کے معاصر تھے۔ مولد دینور (فارس) ہے۔ عراق کے مشائخ میں شمار ہے۔

یہ سن کر نظر اٹھائی اور کہا: "کیا واہیات اور خرافات بک رہے ہو تیس برس سے کہا جا رہا ہے کہ دیکھو یہ جنت ہے کیا تمھیں پسند ہے؟ لیکن میں نے نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا، یہ بھی کوئی دعا ہے"[1] لیکن فقر تمام کی منزل اس سے بھی آگے تھی، جس کا اظہار یوں کیا گیا:

اذا تم الفقر فهو الله[2] — فقر جب اتمام کمال کو پہنچ جائے تو وہ اللہ ہے۔

یہ محض غالی قسم کے صوفیہ کے اقوال نہ تھے، بلکہ بزم سلوک کے اصحاب ہوش و خرد نے بھی اس کی تشہیر و تفسیر میں بھرپور حصہ لیا۔ مولانا عبدالرحمن جامی نے اس رباعی میں اسی خیال کو شاعری کے پیرایہ میں بیان کیا ہے:

آں را کہ فنا شیوہ و فقر آئین ست — نی کشف یقیں، نہ معرفت، نی دین ست
رفت او زمیان ہمیں خدا ماند خدا — الفقر اذا تم ھو اللہ این ست[3]

---

[1] مکتوبات صدی ص ۸۸، تصوف۔ ایک تجزیاتی مطالعہ ص ۳۰۔۳۱، دارا شکوہ نے تیس سال کے بجائے چالیس سال کے الفاظ نقل کیے ہیں دیکھیے سفینۃ الاولیاء بذیل تذکرہ شیخ حضرت ممشاد دینوری۔ حضرت خواجہ معین الدین اجمیری فرماتے ہیں کہ سلوک میں بتایا گیا ہے کہ کل قیامت کو عاشقوں کی ایک جماعت کے بارے میں حکم ہوگا کہ انھیں جنت میں لے جایا جائے۔ وہ لوگ خدا سے عرض کریں گے "بہشت را چہ کنم بہشت کسی را بدہ کہ از برای بہشت ترا پرستیدہ اند" (بہشت کا کیا کریں، بہشت اسے دو جس نے جنت کے لیے تیری پرستش کی ہے)، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی۔ دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ معین الدین چشتی) لکھنؤ، بدوں سال طباعت، مجلس نہم ص ۵۲۔

[2] کمال الدین ابی الغنائم عبدالرزاق بن جمال الدین الکاشی، السمرقندی۔ اصطلاحات الصوفیہ، مرتبہ Springer، الارشاد، لاہور (دوسرا چھاپ) ۱۹۷۴ء بذیل رقم ۲۸۲ ص ۸۸۔ کاشی "سواد الوجہ فی الدارین" کے ذیل میں لکھتے ہیں: "ھو الفناء فی اللہ بالکلیۃ بحیث لا وجود لصاحبہ ظاہراً و باطناً دنیا و آخرۃ وھو الفقر الحقیقی، والرجوع الی العدم الاصلی ولھذا قالوا اذا تم الفقر فھو اللہ (واللہ الھادی) دیکھیے اصطلاحات الصوفیہ ص ۸۸

[3] مولانا عبدالرحمن جامی۔ لوائح جامی، مطبع نول کشور لکھنؤ، بار ششم سنہ ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء لائحہ ہشتم ص ۸

بعض بزرگوں نے " العشق ھو اللہ"[1] (عشق ہی اللہ ہے) کا اعلان کیا، تو بعض نے اسی خیال کا اظہار کر کے اسے تصوف کی انتہا قرار دیا، چنانچہ حضرت سلطان المشائخ فرماتے ہیں:

الفقر ھو اللہ وایں نہایت کارِ تصوف است[2] — فقر ہی اللہ ہے اور یہ کارِ تصوف کی انتہا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے اپنے چچا شیخ ابو الرضا کی زبانی صوفیہ کا یہ قول نقل کیا ہے:

الصوفی ھو اللہ[3] — صوفی ہی اللہ ہے۔

شیخ ابو الرضا کہتے ہیں کہ عالمِ امکان کے حجابات اور قوتِ وہمیہ کی انانیت سے خلاصی پانا منزلِ عرفان کا پہلا قدم ہے اور " الصوفی ھو اللہ" کہنے والے نے اس قول میں اسی نکتہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔[4]

خواجہ گیسو دراز سے ایک شخص نے سوال کیا کہ چشتیوں کی کلاہ پر تکملہ بند ہوتا ہے، لیکن سہروردیوں کی کلاہ پر نہیں ہوتا، اس کی کوئی سند ہے یا نہیں؟ انھوں نے فرمایا کہ چشتیوں کے یہاں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کہ تکملہ ہو یا نہ ہو، درزی کی خوشی ہو تو بنائے، اگر اس کی مرضی نہ ہو تو نہ بنائے، اسے خود لوگوں نے اختیار کیا ہے مشائخ کے یہاں اس کی کوئی سند اور

---

[1] مراۃ الاسرار ۱: ۲۷، راہِ قلندر عشق است " العشق ھو اللہ"۔

[2] مراۃ الاسرار ۱: ۹۸

[3] انفاس العارفین ص ۹۹

[4] انفاس العارفین ص ۹۹، فقر کو منازلِ توحید کی پہلی منزل ہے کہا گیا ہے۔ شیخ ابو نصر سراج طوسی کہتے ہیں: "میں نے ابو بکر طوسی (ابو بکر احمد بن جعفر طوسی المتوفی چوتھی صدی ہجری) کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں مدتِ طویلہ تک لوگوں سے یہ سوال پوچھتا رہا کہ ہمارے دوستوں (صوفیہ) نے تمام چیزوں کو چھوڑ کر اس فقر کو کیوں اختیار کیا؟ مگر کسی نے اطمینان بخش جواب نہیں دیا۔ یہاں تک کہ میں نے نصر بن الحمامی (المتوفی چوتھی صدی ہجری) سے یہ سوال کیا تو انھوں نے جواب دیا انہ اول منزلۃ من منازل التوحید" (یہ منازلِ توحید کی پہلی منزل ہے)، اس جواب سے میں مطمئن ہو گیا۔ دیکھیے: اللمع ص ۷۔

اصل نہیں ہے۔ طاقیہ (صوفیہ کی مشہور کلاہ) کی صورت کے بارے میں پوچھے گئے سوال کے جواب میں خواجہ بندہ نواز نے فرمایا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کی رات حکم دیا گیا کہ "قبۃ النور" کی سیر کرو۔ آپؐ گئے تو دیکھا دروازہ بند ہے۔ آپؐ نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ اندر سے آواز آئی، کون ہو؟ آپؐ نے جواب دیا' میں محمدؐ ہوں'، آواز آئی، چلے جاؤ یہاں 'میں اور ہم' کی گنجائش نہیں ہے۔ آپؐ واپس اللہ تعالیٰ کے حضور آئے، اللہ تعالیٰ نے پوچھا قبۃ النور گئے تھے؟ آپؐ نے عرض کیا میرے اللہ آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں، میں وہاں گیا تھا مگر ان لوگوں نے دروازہ نہیں کھولا۔ انھوں نے پوچھا کون ہو؟ میں نے جواب دیا، میں، انھوں نے کہا میں اور ہم کا یہاں گذر ہی نہیں (منی ومائی ایں جا نمی گنجد)۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان لوگوں کا یہ کہنا درست ہے کہ ہمارے دربار میں "منی ومائی" کا کیا کام؟ جاؤ دروازہ پر آواز لگا دو اور یہ الفاظ کہو " بیچارہ مسکینے، مضطربے یتیم از بیوہ کہ قدید خوردی، روزگار گذرانیدی، پروردۂ کافری، ہیچی، نیستی، نابودی[1]"، آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم دوبارہ گئے، دروازہ کھٹکھٹایا، ان لوگوں نے پوچھا کون؟ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا:

"مسکینے بے چارہ یتیم از بیوہ، پروردۂ کافری، مضطربی، ہیچی نیستی ونابودی"

اندر سے آواز آئی مرحبا! تشریف لائیے، سالہا سال سے آپ کے انتظار میں ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف لے گئے اندر جو لوگ تھے آپ کو سرِ محفل بٹھایا گیا، دل ربا اور دل کش آواز میں "اللہ اللہ" کی ندا آئی۔ غایتِ شوق میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ نہ رہ سکے، قرار جاتا رہا اور دستارِ مبارک گر پڑی۔ جب آپ کو سکون ہوا تو حاضرانِ مقام نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہاں نیا ذوق اور حال بخشا ہے۔ ہم کو بھی کچھ عنایت ہو۔ آپؐ نے دستارِ مبارک ان کے درمیان رکھ دی اور فرمایا کہ یہ دستار تمھارے درمیان (فرش پر) پڑی، اب یہ تم ہی لوگوں میں رہے گی۔ انھوں نے اس کے کچھ حصے کیے اور آپس میں کہنے لگے کہ ان ٹکڑوں کو

---

[1] ایک بے چارہ مسکین، مضطرب، ایسی بیوہ کا یتیم جو قدید (سوکھی جو کی روٹی) کھاتی اور اسی پر گزر اوقات کر لیتی، کافر کا پروردہ، ہیچ، نیست، نابود۔

کیا کیا جائے۔ آخر میں انھوں نے کہا کہ ہم جس مقام پر بیٹھے ہیں اس کی صورت قبہ کی ہے۔ اسی مقام کی شکل میں سہی کہ ہم اسے اپنے سروں پر لگائیں گے اور اس مقام کی فتوحِ خاصہ کی یہ یادگار ہوگی۔ اس زمانہ میں سب اسے سیتے ہیں۔ کلاہ کی صورت بھی گنبد کی شکل کی طرح ہوتی ہے اور صوفیہ میں اسی سبب سے اس کا رواج ہے[1]

یہ طویل حکایت صرف اس لیے بیان کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی کہ صوفیہ کے یہاں جب تک صوفی "انا" اور "من وتو" کے امتیاز سے پاک نہیں ہوتا وہ فقرا کی محفل میں بار پانے کے لائق نہیں ہو سکتا۔ شیخ ابراہیم شیبانی کہتے تھے:

کنا لا نصحب من یقول نعلی ودکوتی[2] — ہم ایسے شخص سے صحبت نہیں رکھتے جو یہ کہتا "یہ میرا جوتا ہے" اور "یہ میرا لوٹا ہے"۔

شیخ ابواحمد مُصْعَب بن احمد القلانسی[3] کا بیان ہے کہ میں بصرہ میں فقرا کی ایک جماعت میں شامل ہوا، وہ میری بے حد عزت کرتے تھے۔ ایک دفعہ میں نے ان میں سے ایک سے کہا "میری

---

[1] جوامع الکلم ص ۲۴۷۔ ۲۴۸

[2] اللمع ص ۲۳۲ و ۲۳۴

[3] اللمع میں ابو (عبداللہ) احمد القلانسی دیا ہے جو حضرت جنید بغدادی کے استاد بتائے گئے ہیں لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ کتاب اللمع میں ابوعبداللہ القلانسی سے جو دوسرے اقوال منقول ہیں، وہ اسی کتاب میں شیخ ابواحمد مصعب بن احمد القلانسی سے بھی منقول ہیں۔ خود نکلسن نے بھی کتاب اللمع کے انگریزی حصہ کے تعارف میں لسٹ آف صوفیز نمبر ۸۳ اور ۸۴ بذیل قلانسی، صفحہ xxx پر اس غلطی کی تصحیح کی ہے۔ لیڈن والے نسخہ میں [عبداللہ] اور [وکان استاذ الجنید] کے الفاظ قوسین میں ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید تصحیح کرنے والے نے اپنی طرف سے بڑھا دیے ہیں۔: ابونصر عبداللہ بن علی سراج الطوسی۔ کتاب اللمع فی التصوف، تصحیح رنولڈ آلن نیکلسون، مطبعۃ بریل لیڈن سنہ ۱۹۱۴ء ص ۱۷۵۔

ازار کہاں ہے؟" اس کے بعد سے میں ان کی نظروں سے گر گیا[۱]۔ شیخ ابونصر سراج طوسی لکھتے ہیں:

من آداب الفقراء الصوفیه ان لا یقولوا فیما یسوق الله الیهم من غیر سؤال ولا طمع هذا لی وهذا لك ولا یجری هد یتهم کنت لك ولم تكن لی وافعل کذا عسی ان یكون کذا، ولا افعل کذا لعل یكون کذا[۲]	فقراء صوفیہ کے آداب میں یہ بھی شامل ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ انھیں بغیر سوال اور طمع کے کوئی چیز عطا کرے تو وہ اس کے بارے میں یہ نہ کہیں کہ یہ میرا ہے اور وہ تیرا ہے، نہ ان کی زبانوں پر یہ الفاظ آنے چاہئیں کہ میں تیرا ہوا اور تم میرے نہیں ہوئے، اور میں یہ کام کروں تو شاید ایسا ہو جائے۔ اور میں اس طرح کا کام نہیں کروں گا شاید ایسا ہو جائے۔

شیخ ابراہیم خواص کا کہنا ہے کہ سفر و حضر میں فقراء یعنی صوفیہ کے بارے خصائل ہیں (۱) وہ اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر مطمئن ہوں (۲) خلق سے مایوس ہوں (۳) شیاطین کے ساتھ دشمنی رکھیں (۴) امرِ الٰہی کے اطاعت گزار ہوں (۵) تمام لوگوں پر مشفق ہوں (۶) خلق کی ایذا رسانی پر صبر کرتے ہوں (۷) جملہ مسلمانوں کی خیر خواہی ترک نہ کرتے ہوں (۸) مواطنِ حق میں متواضع ہوں (۹) معرفتِ حق میں مشغول ہوں (۱۰) ہمیشہ باطہارت رہتے ہوں (۱۱) فقر ہی ان کا راس المال ہو۔ (۱۲) کم اور زیادہ پر راضی ہوں اور اللہ کی طرف سے پسند و ناپسند چیز ملنے پر اس کا شکر ادا کرتے ہوں[۳]۔

---

[۱] اللمع ص ۲۳۲، الرسالۃ القشیریہ ص ۱۷۴

[۲] اللمع ص ۲۳۲

[۳] اللمع ص ۲۳۲، حکی عن ابراهیم الخواص رحمة الله تعالی انه قال اثنا عشر خصلة من خصال الفقراء یعنی الصوفیة فی حضرهم وسفرهم، اوّلها ان یكونوا بما وعدهم الله تعالی مطمئنین، والثانیة ان یكونوا من الخلق آیسین، والثالثة ان ینصبوا العداوة مع الشیاطین، والرابعة ان یكونوا لامر الله مستمعین، (مستعملین) والخامسة ان یكونوا علی جمیع الخلق (بر صفحۂ دیگر)

بعض صوفیہ کے نزدیک فقیر گناہوں سے پاک ہوتا ہے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی کا بیان ہے کہ میں نے شیخ عثمان ہارونی سے اس سوال کے جواب میں کہ انسان فقیر کہلانے کا مستحق کب ہوتا ہے؟ سنا ہے:

آنزمان کہ فرشتہ دست چپ او تا ہشت سال بروی ہیچ ننویسد[1]	اس وقت جب بائیں جانب کا فرشتہ اس کے نامۂ اعمال میں کچھ نہ لکھے یعنی انسان کوئی بدی نہ کرے۔

فقر کے مقام و مرتبہ کا اندازہ شیخ ابراہیم بن احمد خواص کی اس تعریف سے لگایا جا سکتا ہے:

الفقر رداء الشّرف، ولباس المرسلین، وجلباب الصالحین، وتاج المتقین، وزین المومنین وغنیمۃ العارفین، ومنیۃ المریدین وحصن المطیعین، وسجن المذنبین ومکفر للسیئات، ومعظم للحسنات ورافع الدرجات، ومبلغ الی الغایات، ورضا الجبار وکرامۃ لاھل ولایتہ من الابرار،	فقر شرف کی چادر، مرسلین کا لباس صالحین کا جلباب، متقین کا تاج، مومنین کی زینت عارفین کی غنیمت، مریدین کی تمنا، اطاعت گزاروں کا قلعہ، گنہگاروں کا قید خانہ، بدیوں کے لیے باعثِ کفارہ، نیکیوں کا بڑھانے والا، درجات کا بلند کرنے والا، مقاصد تک پہنچانے والا، جبّار کی رضا اور ابرار میں سے اس کے ولیوں کے لیے عزت ہے، فقر صالحین کا شعار اور متقین کی عادت ہے۔

(گزشتہ سے پیوستہ) مشفقین والسادسۃ ان یکونوا لاذی الخلق متحملین والسابعۃ ان لایدعوا النصیحۃ لجمیع المسلمین والثامنۃ ان یکونوا فی مواطن الحق متواضعین والتاسعۃ ان یکونوا بمعرفۃ اللہ تعالیٰ مشتغلین، والعاشرۃ ان یکونوا الدھر علی الطھارۃ، والحادی عشر أن یکون الفقر اس مالھم والثانی عشر ان یکونوا راضین فیما قلّ اوکثر وفیما احبوا وکرھوا عن اللہ تعالیٰ شیئًا واحدًا، [راضین عنہ] شاکرین لہ، واثقین بہ۔

[1] دلیل العارفین، مجلس دہم ص ۵۷

والفقر ھو شعار الصالحین
وداب المتقین[1]

مسلمانوں میں جو مسائل صدیوں۔ سے موضوع بحث بنتے چلے آرہے ہیں، ان میں ایک فقر و غنا کی افضلیت کا مسئلہ ہے۔ بعض صوفیہ اور علماء کے نزدیک فقر کو فضیلت حاصل ہے اس لیے فقیر غنی سے افضل ہے جب کہ بعض حضرات غنا کی فضیلت کے قائل ہیں اس موضوع پر صوفیہ کے درمیان کبھی کبھی مراسلت بھی ہوئی ہے[2]۔ شیخ جنید بغدادی، شیخ ابراہیم خواص اور دوسرے صوفیہ فقر کو غنا پر فوقیت دیتے ہیں[3] لیکن شیخ یحییٰ بن معاذ رازی، شیخ احمد بن حواری، شیخ حارث محاسبی، شیخ ابوالعباس ابن عطاء اور شیخ ابوالحسن ابن شمعون فقر پر غنا کی فوقیت کے قائل ہیں[4]۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ غنا خدا کی صفت ہے اس کی ذات کے لیے فقر جائز نہیں ہے، لہٰذا وہ صفت جو خدا اور بندے کے درمیان مشترک ہے، اس صفت پر فوقیت رکھتی ہے جو صرف بندے کے اندر پائی جاتی ہے[5]۔ لیکن بعض صوفیہ نے اس رائے پر تنقید کی ہے۔ شیخ ابوطالب مکی اس رائے پر تنقید کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ایسی صورت میں متکبر اور جبار کی صفت بھی مخلوق کے لیے فضیلت کی چیز ہونی چاہیے کیوں کہ غنا میں عز و کبر پایا جاتا ہے[6]

فقر کی برتری میں صوفیہ مختلف احادیث سے استدلال کرتے ہیں ان میں صحیح حدیث صرف ایک ہے، وہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کے فقراء، اغنیاء

---

[1] اللمع ص ۷۴-۷۵

[2] سفینۃ الاولیاء ص ۹۴ ، شیخ حمید الدین ناگوری اور شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے مابین اس موضوع پر مراسلت ہوئی ہے۔

[3] احیاء علوم الدین ۴ : ۱۹۶

[4] کشف المحجوب ص ۲۱

[5] کشف المحجوب ص ۲۱

[6] قوت القلوب ۲ : ۱۹۱

سے پانچ سو سال پہلے جنت میں جائیں گے۔[1] لیکن امام ابن تیمیہ کے خیال میں اس حدیث میں درجات کی بلندی لازم نہیں آتی اس لیے اس حدیث سے صوفیہ کا استدلال کرنا درست نہیں ہے، کیوں کہ فقیر کا غنی سے پانچ سو سال پہلے جنت میں جانا اس کی برتری کی وجہ سے نہیں بلکہ اس وجہ سے ہے کہ اسے احتساب میں کم وقت لگے گا بر خلاف اس کے امراء اور اغنیاء کو حساب دینے میں زیادہ وقت لگے گا۔ حساب کے بعد اگر اغنیاء کی نیکیوں کا پلڑا فقرا کے پلڑے سے بھاری ہوا تو وہ جنت میں فقراء سے برتر درجہ میں رہیں گے اگر ان کے برابر ہے تو جنت میں ان کے برابر ہوں گے اگر ان سے کم نیکیوں کے مالک ہوں گے تو جنت میں بھی ان سے نچلے درجہ میں ہوں گے[2] اس لیے اس حدیث سے فقر کی برتری ثابت نہیں ہوتی۔

اہلِ تصوف اس حدیث سے اچھی طرح باخبر ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے فقراء نے ایک دفعہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ! امیر لوگ خیرات، صدقات، حج اور جہاد کر کے ہم سے سبقت لے گئے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے انھیں چند تسبیحات سکھلائیں اور فرمایا کہ اس سے تم لوگ ان سے سبقت لے جاؤ گے۔ امیروں کو معلوم ہوا تو انھوں نے یہ ذکر و اذکار شروع کیے، جب فقرا نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تک یہ بات پہنچا تو انھوں نے فرمایا: ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ (سورۃ الحدید: ۲۱، سورۃ الجمعہ: ۴)[3] یہ بھی نہیں مال اور دولت کو اسلام نے کبھی ایسی حقارت سے نہیں دیکھا ہے جیسا کہ اربابِ فقر خیال کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فقر اور غنا دونوں کے فتنوں سے پناہ مانگی ہے[4] نیز آنحضرت

---

[1] سنن ابن ماجہ، ابواب الزھد، منزلۃ الفقراء، حدیث ۴۱۲۴، ۴۱۲۵، ۴۱۲۶، ۲: ۴۱۱۔ ۴۱۲۔ یہ حدیث دیگر کتبِ حدیث میں موجود ہے۔

[2] مجموع فتاوی ۱۱: ۱۲۷۔ ۱۲۸

[3] احیاء علوم الدین ۴: ۱۹۶۔ ۱۹۷، مجموع فتاوی ۱۱: ۱۲۰۔ ۱۲۱

[4] صحیح بخاری۔ کتاب الدعوات، باب الاستعاذہ من فتنۃ الغنی، باب التعوذ من فتنۃ الفقر، الجزء الثامن، ص ۱۰۰۔ اعوذبك من فتنۃ الغنی، واعوذبك من فتنۃ الفقر۔

صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

مانفعنی مال کمال ابی بکر۔	مجھے کسی مال نے اتنا فائدہ نہیں دیا جتنا کہ ابو بکر رضہ کے مال نے۔

ایک حدیث میں جو طویل حدیث ہے، آیا ہے کہ اللہ تعالٰے فرماتا ہے:

ان من عبادی من لا یصلحه الا الغنی ولو افقرته لافسده ذالك، وان من عبادی من لا یصلحه الا الفقر ولو اغنیته لافسده ذالك وان من عبادی من لا یصلحه الا الصحة ولو سقمته لافسده ذالك وان من عبادی من لا یصلحه الا السقم ولو اصححته لافسده ذالك انی ادبر عبادی، انی بهم خبیر بصیر۔[1]	بے شک میرے بندوں میں ایسے لوگ ہیں جن کے لیے غنا ہی مناسب ہے اگر میں انھیں فقیر بنادوں تو بگڑ جائیں، اور میرے بندوں میں ایسے لوگ بھی ہیں جن کے لیے فقر ہی مناسب ہے اگر انھیں غنی کر دوں تو بگڑ جائیں، میرے بندوں میں ایسے لوگ ہیں جن کے لیے صحت ہی مناسب ہے اگر میں انھیں بیمار کر دوں تو بگڑ جائیں اور میرے بندوں میں ایسے لوگ ہیں جن کے لیے بیماری ہی مناسب ہے اگر میں انھیں صحت دوں تو وہ خراب ہو جائیں گے میں اپنے بندوں کو الٹتا پلٹتا ہوں میں ان سے باخبر اور انھیں دیکھنے والا ہوں۔

ش

نیز ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اطلعت فی الجنة فرأیت اکثر اهلها الفقراء واطلعت فی النار فرأیت اکثر اهلها النساء۔[2]	میں نے جنت میں جھانک کر دیکھا تو اس میں زیادہ تر فقراء کو دیکھا اور جہنم میں جھانکا تو اس میں زیادہ تر عورتیں نظر آئیں۔

---

[1] مجموع فتاوی ۱۱: ۱۲۳-۱۲۴

[2] مجموع فتاوی ۱۱: ۱۲۹، حدیث کے لیے دیکھیے: صحیح بخاری، باب فضل الفقر، باب صفة الجنة والنار، الجزء الثامن ص ۱۱۹، ۱۴۱

یا احتجت الجنّۃ والنّار فقالت الجنّۃ مالی لا یدخلنی الّا ضعفاء الناس وسقطھم وقالت النّار مالی لا یدخلنی الّا الجبّارون المتکبّرون۔[1]

جنت اور جہنم میں بحث ہوگی، جنت کہے گی مجھ کو کیا ہوا سوائے کمزور اور نظروں سے گرے ہوئے لوگوں کے مجھ میں کوئی داخل نہیں ہوتا اور جہنم کہے گی مجھ کو کیا ہوا کہ مجھ میں صرف جبار اور متکبر لوگ داخل ہوتے ہیں۔

یا وقفتُ علی باب الجنۃ فاذا عامۃ من یدخلھا المساکین و اذا اصحاب الجدّ محبوسون الا اھل النار فقد امر بھم الی النار۔[2]

میں جنت کے دروازہ پر کھڑا ہوا تو اس میں داخل ہونے والے عموماً مسکین تھے اور دولت مندوں کو روک لیا گیا تھا سوائے ان کے جو آگ والے تھے ان کو آگ میں لے جانے کا حکم دیا گیا۔

لیکن دوسری طرف یہ بھی ارشادِ نبوی صلعم ہے کہ :

ثلاثۃ لا یکلمھم اللہ ولا ینظر الیھم یوم القیامۃ ولا یزکیھم ولھم عذاب الیم۔ فقیر مختال شیخ زان وملک کذاب۔[3]

تین شخص ہیں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ کلام نہیں کرے گا نہ ان کی طرف دیکھے گا اور نہ ان کو پاک کرے گا ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا یہ تین شخص ہیں فقیر مختال، بوڑھا زانی اور جھوٹا بادشاہ۔

اس لحاظ سے اس طرح کا استدلال یک طرفہ استدلال ہوگا۔ امام ابن تیمیہ کا بیان ہے کہ خدا کے نیک بندے ہر طبقہ میں موجود رہے ہیں، اغنیاء میں حضرت ابراہیمؑ، حضرت ایوبؑ، حضرت داؤدؑ،

---

[1] مجموع فتاویٰ ۱۱ : ۱۲۹ یہ ایک طویل حدیث کا ٹکڑا ہے۔

[2] مجموع فتاویٰ ۱۱ : ۱۲۹، بخاری میں "وقفتُ" کے بجائے "قمتُ" دیا ہے دیکھیے صحیح البخاری الجزء الثامن ص ۱۴۱

[3] مجموع فتاویٰ ۱۱ : ۱۳۰

حضرت سلیمانؑ، حضرت عثمانؓ بن عفان، حضرت عبد الرحمٰنؓ بن عوف، حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ، حضرت سعد بن معاذؓ، حضرت اُسیدؓ بن الحضیر[1] (م ۲۰ھ / ۶۴۱ء) حضرت اسعدؓ بن زرارہ[2] (م ۱ھ / ۶۲۲ء) حضرت ابو ایوب انصاریؓ[3] (دورِ معاویہؓ) حضرت عبادہ بن صامتؓ[4] (م ۳۴ھ / ۶۵۴ء) وغیرہم شامل ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ، حضرت یحییٰؑ بن زکریا، حضرت علیؓ ابن ابی طالب، حضرت ابوذر غفاریؓ، حضرت مصعب ابن زبیرؓ، حضرت سلمان فارسیؓ وغیرہم فقراء کی صف میں آتے ہیں۔ کاملین میں ایسے بھی رہے ہیں جو کبھی غنی ہوتے تھے اور کبھی فقیر مثلاً آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ[5]

امام ابن تیمیہ فقر اور غنا میں کسی کی برتری کے قائل نہیں ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ قرآن اور سنت کے نصوصِ وارده عدل پر مبنی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کسی کو فقر یا غنا کی بنا پر فضیلت نہیں بخشی جس طرح اس نے صحت و مرض، اقامت و سفر، امارت و ایتمار، امامت اور ائتمام کی بنا پر کسی کو فضیلت نہیں دی، بلکہ ارشاد فرمایا: "اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ" (سورۃ الحجرات: ۱۳) (تم میں خدا کے نزدیک سب سے مکرم وہ ہے جو سب سے متقی ہو) اور اس نے ایمان اور اس کے دعائم میں سے اعمالِ صالحہ اور ایمان کی دوسری شاخوں یقین، معرفت، محبتِ الٰہی، انابت الی اللہ، توکل علی اللہ، رجاء، خوف، شکر اور صبر کی بنا پر بندوں کو فضیلت دی ہے۔ خدا نے خود آیتِ عدل میں کہا ہے:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ	اے ایمان والو! انصاف پر خوب قائم رہنے والے
بِالْقِسْطِ شُھَدَآءَ لِلّٰہِ وَلَوْ عَلٰٓی	اللہ کے لیے گواہی دینے والے رہو اگرچہ اپنی ہی
اَنْفُسِکُمْ اَوِالْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ	ذات پر ہو یا کہ والدین اور دوسرے رشتہ داروں

---

[1] مدینہ منورہ کے مشہور صائب الرائے انصاری صحابی۔ عقبۂ ثانیہ میں ستر صحابہ کے ساتھ ایمان لائے۔ ۱۸ احادیثوں کی روایت کی ہے

[2] خزرج کے انصاری صحابی۔ بارہ نقباء میں شمار ہوتے ہیں۔ قبیلہ بنو نجار کے نقیب تھے۔

[3] مدینہ منورہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے میزبان صحابی۔ قسطنطنیہ کے حملہ کے دوران شہید ہوئے۔

[4] حافظِ قرآن اور مشہور انصاری صحابی ہیں۔ ۱۸۱ حدیثوں کی روایت کی ہے۔

[5] مجموع فتاویٰ ۱۱: ۱۲۴-۱۲۵

اِنْ یَّکُنْ غَنِیًّا اَوْ فَقِیْرًا فَاللّٰہُ	کے مقابلہ میں ہو وہ شخص اگر امیر ہے تو اور غریب ہے تو
اَوْلٰی بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰی	دونوں کے ساتھ اللہ کو زیادہ تعلق ہے سو تم خواہشِ نفس
اَنْ تَعْدِلُوْا۔[1]	کا اتباع مت کرنا کہ کبھی حق سے ہٹ جاؤ۔

(سورۃ النساء : ۱۳۵)

قرآن کے علاوہ امام ابن تیمیہ نے اس حدیث کو بہ طور دلیل پیش کیا ہے :

لا یدخل الجنۃ من فی قلبہ	وہ شخص جنت میں نہیں جائے گا جس کے دِل
مثقال ذرۃ من کبر ولا یدخل	میں ذرہ بھر تکبر ہوگا اور نہ وہ شخص آگ میں
النار من فی قلبہ مثقال	داخل ہوگا جس کے دِل میں ذرہ بھر بھی
ذرۃ من ایمان۔[2]	ایمان ہوگا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ ایک آدمی یہ پسند کرتا ہے کہ اس کے کپڑے اچھے ہوں تو کیا یہ تکبر ہے؟ تو انھوں نے فرمایا :

لا ان اللہ جمیل یحب الجمال	نہیں اللہ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے
ولکن الکبر بطر الحق وغمط الناس۔[3]	تکبر تو یہ ہے کہ انسان حق سے منہ موڑے اور لوگوں کو حقیر جانے۔

نیز ایک اور حدیث میں فرمایا گیا ہے :

المومن القوی خیر واحب الی اللہ	قوی مومن ضعیف مومن سے زیادہ بہتر اور

---

[1] مجموع فتاویٰ ۱۱ : ۱۲۵

[2] مجموع فتاویٰ ۱۱ : ۱۲۹، حدیث کے لیے دیکھیے : سُنن ابن ماجہ، ابواب الزہد، البراۃ من الکبر والتواضع حدیث نمبر ۴۲۲۶، ۲ : ۴۲۱، من مثقال حبۃ من خردل من الکبر۔
ترمذی۔ کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی الکبر حدیث نمبر ۱۹۹۹

[3] مجموع فتاویٰ ۱۱ : ۱۲۹، حدیث کے لیے دیکھیے : ترمذی۔ کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی الکبر، حدیث نمبر ۱۹۹۹

من المومن الضعیف و فی کل خیر[1] — اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہے اور بھلائی سب میں ہے۔

امام ابن تیمیہ کی اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ صرف تقویٰ کی بنا پر ہی کسی کو فضیلت دی جا سکتی ہے۔

امام ابن تیمیہ سے پہلے علامہ ابن حزم[2] (۳۸۴ - ۴۵۶ھ / ۹۹۴ - ۱۰۶۴ء) اس سوال کے جواب میں کہ فقر و غنا میں کون سی حالت افضل ہے؟ کہتے ہیں کہ یہ سوال ہی غلط ہے کیوں کہ جنت میں اعمال کی بنا پر فضیلت ہوگی۔ عمل کرنے والے کے لیے جنت میں فضیلت اس کے عمل کی وجہ سے ہے نہ کہ اس حال کی بنا پر جس میں وہ رہا ہے سوائے اس کے اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسا حکم نازل کیا ہو جس میں ایک حال کو دوسرے حال پر برتری ہو اور ایسی کوئی نص موجود نہیں ہے جس میں ان دونوں حالتوں میں سے کسی ایک حال کو دوسرے پر فضیلت حاصل ہو۔ بہتر طریقہ یہ ہے کہ سوال یوں پوچھا جائے کہ غنی اور فقیر میں کون افضل ہے؟ جواب اللہ تعالیٰ کی اس نص میں موجود ہے: " هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ " (الصافات: ۳۹۔ اور تم کو اس کا بدلہ ملے گا جو کچھ تم کیا کرتے تھے۔) پس اگر غنی عمل کے لحاظ سے فقیر سے افضل ہوگا تو غنی افضل ہے اگر فقیر عمل میں غنی سے بہتر ہوگا تو فقیر افضل ہے۔ اگر دونوں کے اعمال برابر ہوں گے تو دونوں برابر ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ (الزلزلہ: ۷، جو ذرہ بھر نیکی کرے گا وہ اسے دیکھ لے گا اور جو ذرہ بھر بدی کرے گا وہ بھی اسے دیکھ لے گا) آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فقر کے فتنہ اور غنا کے فتنہ سے پناہ مانگی ہے پھر اللہ تعالیٰ نے غنا کے ساتھ شکر اور فقر

---

[1] مجموع فتاویٰ ۱۱: ۱۲۹، سنن ابن ماجہ، ابواب الزھد، التوکل والیقین حدیث نمبر ۴۲۱۸، ۲: ۴۲۰۔

[2] ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم الظاہری الاندلسی قرطبہ میں پیدا ہوئے۔ اسی ہزار اوراق پر مشتمل ۴۰۰ کتابیں تصنیف کی ہیں۔ اندلس کے ایک دیہات میں وفات پائی۔ اپنی بے باکی کے لیے مشہور ہیں۔ چنانچہ کہا گیا ہے کہ " لسان ابن حزم و سیف الحجاج شقیقان " دیکھیے ڈاکٹر عبد الحلیم عویس مصری کی کتاب " ابن حزم الاندلسی وجھودہ فی البحث التاریخی والحضاری "، الاعلام ۵: ۵۹، وفیات الاعیان ۳: ۳۲۵، تذکرۃ الحفاظ ۳: ۱۱۴۶

کے ساتھ صبر کو وابستہ کیا ہے پس اللہ تعالیٰ سے جو شخص ڈرتا ہے وہ غنی ہو یا فقیر ہو اسے فضیلت حاصل ہوگی۔ بعض لوگ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ فقراءِ مہاجرین جنت میں اغنیاء سے اتنے سال پہلے داخل ہوں گے اور اس کے برعکس دوسرے لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے دلیل فراہم کی "وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَىٰ (سورۃ الضحیٰ: ۸، اور آپ کو انجان پایا تو ہدایت کی اور محتاج پایا تو غنی بنا دیا)۔ غناء نعمت ہے جب صاحبِ غنا وہ واجبات پورا کرے جو اس سلسلہ میں اس پر عائد ہوتے ہیں۔ رہا فقراءِ مہاجرین کا معاملہ تو ان کی تعداد زیادہ تھی ان میں غنی بہت کم تھے۔ ان کا اور ان کے علاوہ دوسروں کا معاملہ نص اور اجماع کی طرف لوٹایا جائے گا جو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو صرف فقر پر جنت کا بدلہ نہیں دے گا جب تک اس کے ساتھ عملِ خیر نہ ہو اور نہ ہی عملِ خیر سے محروم کسی غنی ہی کو جنت کا معاوضہ ملے گا و باللہ التوفیق۔[1]"

ابن تیمیہ کے شاگردِ رشید علامہ ابنِ قیم فقر و غنا کے موضوع پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے غناء اور فقر کو اس لیے پیدا کیا ہے تاکہ بندوں کا امتحان لے کہ ان میں کس کا عمل صحیح ہے؟ قرآن حکیم میں ارشاد ہے "وَنَبْلُوكُم بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً وَإِلَيْنَا تُرْجَعُونَ (سورۃ الانبیاء: ۳۵۔ اور ہم تم کو بری بھلی (حالتوں) سے آزماتے ہیں اور پھر تم سب ہمارے پاس چلے آؤ گے۔)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی کا قول ہے کہ تنگی اور رخصت، صحت اور بیماری، غنا اور فقر، حلال اور حرام یہ سب آزمائشیں ہیں۔ ابن یزید کا کہنا ہے کہ ہم تمہیں آزمائیں گے اس چیز سے جو تمہیں پسند ہے اور جو تمہیں ناپسند ہے تاکہ ہم دیکھ لیں کہ تم کس طرح ناپسند حالت میں صبر اور پسندیدہ حالت میں شکر کرتے ہو۔ کلبی اس آیت کے سلسلہ میں کہتے ہیں کہ یہاں شر سے فقر و بلا اور خیر سے مال و اولاد مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آگاہ کیا ہے کہ غنا، اور فقر، ابتلا و امتحان کی دو سواریاں ہیں قرآن میں ارشاد ہے "فَأَمَّا الْإِنسَانُ إِذَا مَا ابْتَلَاهُ رَبُّهُ فَأَكْرَمَهُ وَنَعَّمَهُ فَيَقُولُ رَبِّي أَكْرَمَنِ. وَأَمَّا إِذَا

---

[1] ابن حزم۔ ابو علی محمد بن احمد: الفصل فی الملل والاهواء والنحل، دار المعرفۃ بیروت، الطبعۃ الثانیۃ سنہ ۱۳۹۵ھ/سنہ ۱۹۷۵ء، المجلد الثالث، الجزء الخامس ص ۲۷

مَا ابْتَلٰهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ ۔ كَلَّا ۔ (سورۃ الفجر: ۱۵ - ۱۶)

(سو آدمی کو جب اس کا پروردگار آزماتا ہے یعنی اس کو (ظاہراً) اکرام و انعام دیتا ہے تو وہ (بطور فخر) کہتا ہے کہ میرے رب نے میری قدر بڑھا دی اور جب اس کو (دوسری طرح) آزماتا ہے یعنی اس کی روزی اس پر تنگ کر دیتا ہے تو وہ (شکایتاً) کہتا ہے کہ میرے رب نے میری قدر گھٹا دی ہے۔ ہرگز ایسا نہیں۔)

اس میں اللہ تعالیٰ جل شانہ نے فرمایا ہے کہ وہ اپنے بندوں کو اکرام و نعمت کی آزمائش میں ڈالتا ہے جس طرح اسے تنگیِ روزی کے امتحان میں ڈال دیتا ہے اور یہ دونوں حالتیں اس کے لیے آزمائشیں ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تردید کی جو رزق کی وسعت پر یہ خیال کرتے ہیں کہ اس طرح اللہ تعالیٰ نے انھیں عزت بخشی ہے اور یہ کہ رزق کی تنگی اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تنگ حال انسان کی اہانت مقصود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے "کلّا" کہہ کر ان گمانوں کا انکار کیا یعنی معاملہ ایسا نہیں ہے جیسا کہ انسان بیان کرتا ہے بلکہ نعمت اور بلا دونوں آزمائشیں ہیں۔[1]"

فقر و غنا، کی اس بحث میں ان تینوں علماءِ شریعت (امام ابن تیمیہ، امام ابن حزم، اور علامہ ابن قیم رحمہم اللہ تعالیٰ) کا مسلک قرآن و سنت سے مکمل طور پر مطابقت رکھتا ہے اور یہی مسلک قرآن و سنت سے ثابت بھی ہوتا ہے۔

فقر کے سلسلہ میں صوفیہ کئی ایک احادیث بیان کرتے ہیں جن میں فقر اور اصحابِ فقر کی تعریف آئی ہے۔ مثلاً (۱) ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ معذرت کرتے ہوئے کہے گا:

وعزتی وجلالی ما زویت الدنیا	قسم ہے اپنی عزت و جلال کی میں نے تم سے دنیا
عنکم لھوانکم علیّ ولکن اردت ان	اس لیے دور نہیں رکھی کہ تم میرے نزدیک ذلیل
ارفع قدرکم فی ھذا الیوم انطلقوا الی	تھے، بلکہ میں آج کے دن تم لوگوں کا مرتبہ بلند
الموقف فمن احسن الیکم بکسرۃ او	کرنا چاہتا تھا۔ ان صفوں میں جاؤ جس نے
سقاکم شربۃ من ماء	تمھیں روٹی کا ٹکڑا دیا تھا یا پانی کا گھونٹ پلایا

[1] علامہ ابن قیم الجوزیہ۔ عدۃ الصابرین و ذخیرۃ الشاکرین، دار الباز مکۃ مکرمہ ص ۱۳۲

اوکساکم ثوبًا (خرقة) امضوا (انطلقوا) به الی الجنة۔[1] تھا یا کپڑا پہنایا تھا۔ اسے جنت میں لے جاؤ۔

امام ابن تیمیہ کا کہنا ہے کہ یہ حدیث جھوٹی ہے اور قرآن وسنت اور اجماع کے خلاف ہے۔[2] اسی طرح کی صوفیہ کے بقول ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "فقیروں سے میل جول رکھو کیوں کہ کل قیامت کے دن ان کے پاس دولت ہوگی۔ لوگوں نے کہا یارسول اللہؐ ان کے پاس کیا دولت ہوگی؟ فرمایا جب قیامت ہوگی تو ان سے کہا جائے گا کہ جس نے تمھیں روٹی کا ٹکڑا دیا تھا یا پانی کے چند گھونٹ پلائے تھے یا تمھیں کچھ کپڑا پہنایا تھا اسے ہاتھ پکڑ کر جنت میں لے جاؤ"[3] مُلّا علی قاری کہتے ہیں کہ یہ حدیث موضوع ہے۔[4]

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ مال دار صحابی تھے، تصوف کی کتابوں میں ان کے متعلق مشہور ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے جنت میں اپنے صحابیوں کے ساتھ عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ کو نہیں پایا۔ پھر وہ روتے ہوئے آئے۔ میں نے پوچھا تم پیچھے کیوں رہ گئے؟ تو انھوں نے کہا یارسول اللہ! میں آپ تک نہیں پہنچا جب تک میرا حساب نہیں لیا گیا، میرا خیال تھا کہ شاید آپ کی زیارت نہ کرسکوں[5] نیز حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ کے بارے میں یہ حدیث بیان کی جاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

رأیتُ عبدالرحمٰن ابن عوف یدخل الجنة حبوًا۔[6] میں نے عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ کو جنت میں گھٹنوں کے بل داخل ہوتے دیکھا۔

---

[1] احیاء علوم الدین ۴: ۱۹۲ الفاظ کے تغیر کے ساتھ۔

[2] احادیث القصاص ص ۷۹-۸۰، تنزیہ الشریعہ ۲: ۳۱۷

[3] احیاء علوم الدین ۴: ۱۹۲

[4] الموضوعات الکبیر ص ۱۱۲۔ ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ "فھذا ایضا کذب مارواہ احد من الناس"، مجموع فتاوی ۱۱: ۱۱۱، المنار المنیف ص ۱۴۰

[5] احیاء علوم الدین ۴: ۱۹۲، حلیة الاولیاء ۱: ۹۹-۹۸ [6] حلیة الاولیاء ۱: ۹۸ (برصفحہ دیگر)

اس حدیث کو امام احمد بن حنبل نے مسند میں نقل کیا ہے لیکن "ھذا الحدیث کذب منکر" (یہ حدیث جھوٹی اور منکر ہے) کہہ کر اسے مسترد کیا ہے[1]۔ اس کی سند میں عمارہ بن زاذان ہیں جو منکر حدیثیں روایت کرتے ہیں[2]۔ امام نسائی کا کہنا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے[3]۔ علامہ ابن جوزی نے اس روایت پر تنقید کی ہے اور لکھا ہے کہ جب عبد الرحمٰن ابن عوف رضؓ (جیسا صحابی) گھٹنوں کے بل جنت میں داخل ہوگا تو کس کی ہمت ہے کہ دوڑ کر جنت میں داخل ہوگا؟[4] انھوں نے اس روایت پر بھی کلام کیا ہے جس میں حضرت ابوذر غفاری رضؓ کو حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضؓ پر تنقید کرنے کی بات کہی ہے۔ امام ابن تیمیہ کہتے ہیں:

وماروی: ان ابن عوف یدخل الجنة حبوًا کلام موضوع لا اصل له فانه قد ثبت بادلة الکتاب و السنة ان افضل الامة اهل بدر ثم اهل بیعة الرضوان والعشرة مفضلون علی غیرهم والخلفاء الاربعة افضل الامة۔[5]	اور یہ روایت کہ ابن عوف رضؓ جنت میں گھٹنوں کے بل داخل ہوں گے من گھڑت حدیث ہے اس کی کوئی بنیاد نہیں ہے قرآن و سنت کے دلائل سے ثابت ہے کہ امت میں سب سے افضل اہلِ بدر اور ان کے بعد اہلِ بیعت الرضوان ہیں۔ ان میں عشرہ مبشرہ کو باقی صحابہ پر فضیلت حاصل ہے اور خلفاء اربعہ سب سے افضل ہیں۔

(گزشتہ سے پیوستہ) بعض جگہ "حبوًا" کی جگہ "زحفًا" آیا ہے، جس کے معنی گھسٹتے گھسٹتے چلنا ہے۔ حلیۃ الاولیاء ۱ : ۹۹

[1] الفوائد المجموعہ ص ۴۰۱

[2] تنزیہ الشریعۃ ۲ : ۱۴، الفوائد المجموعہ ص ۴۰۱

[3] الفوائد المجموعہ ص ۴۰۱

[4] تلبیس ابلیس ص ۱۸۰

[5] مجموع فتاوٰی ۱۱ : ۱۲۸ - ۱۲۹

امام موصوف حضرت عبدالرحمن ابن عوف رضؓ کے متعلق اس روایت پر بحث کے دوران مختلف احادیث سے استشہاد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ فقراء میں فقیر مختال جنت میں نہیں ہوگا اور امراء میں ایسے لوگ بھی ہو سکتے ہیں جو اچھا لباس پہنتے ہوں اور متکبر نہ ہوں جن کے جمال کو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہو۔ امام موصوف کے بہ قول یہ حدیث بھی اس معنی پر دلالت کرتی ہے:

لا ینظر الی صورکم ولا الی اموالکم وانما ینظر الی قلوبکم واعمالکم۔[۱]

اللہ تعالےٰ تمہاری صورتوں کو نہیں دیکھتا اور نہ تمہارے مالوں کو دیکھتا ہے ہاں بلاشبہ وہ تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے۔

علامہ ابن حجر حضرت عبدالرحمن بن عوف رضؓ سے متعلق روایت کے بارے میں کہتے ہیں کہ ہمارے لیے امام احمد بن حنبل کی یہ شہادت کافی ہے کہ حدیث جھوٹی ہے[۲]۔ ملا علی قاری موضوعات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حدیث "ان عبدالرحمن ابن عوف یدخل الجنة حبوًا" کے بارے میں ہمارے شیخ کا کہنا ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے[۳]۔ علامہ ابن قیم اپنے استاذ امام ابن تیمیہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے[۴]۔

اہلِ تصوف میں مشہور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگا کرتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ مِسْکِیْنًا وَّاَمِتْنِیْ مِسْکِیْنًا وَّاحْشُرْنِیْ فِیْ زُمْرَۃِ الْمَسَاکِیْنِ[۵]

اے اللہ مجھے مسکین زندہ رکھ اور مسکین کی حالت میں موت دے اور قیامت میں مسکین کے زمرہ میں اٹھا۔

---

[۱] مجموع فتاویٰ ۱۱ : ۱۳۰

[۲] تنزیہ الشریعہ ۲ : ۱۵، یکفینا شہادۃ الامام احمد بانہ کذب۔

[۳] الموضوعات الکبیر ص ۱۱۰ [۴] المنار المنیف ص ۱۳۵

[۵] کشف المحجوب ص ۱۹، سنن ابن ماجہ، ابواب الزھد، مجالسۃ الفقراء حدیث ۴۱۲۶، ۲ : ۱۲۴۷، محقق کا کہنا ہے: "قال البوصیری فی الزوائد ھذا اسناد ضعیف۔ ابو المبارک لا یعرف اسمہ، رواہ الحاکم فی المستدرک حاشیہ ۲ : ۱۲۴۷

امام ابن تیمیہ اس روایت کے متعلق لکھتے ہیں :

یروی لکنہ ضعیف لا یثبت ومعناہ احیینی خاشعًا متواضعین لکن اللفظ لم یثبت[1]	اس کی روایت تو کی جاتی ہے لیکن ضعیف ہے ثابت نہیں ہے اس کے معنی ہیں" مجھ کو خاشع اور متواضع زندہ رکھ" ... لیکن یہ ان الفاظ میں ثابت نہیں ہے۔

اس حدیث کو بعض ائمۂ حدیث نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے معارض قرار دے کر رد کیا ہے جس میں انھوں نے فقر سے پناہ مانگی ہے۔ علامہ ابن قتیبہ[2] (۲۱۳ - ۲۷۶ھ / ۸۲۸ - ۸۸۹ء) نے اس تعارض کو دور کرنے کی کوشش کی ہے۔ علامہ موصوف کا کہنا ہے کہ ان دو حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں ہے دونوں کو معارض قرار دینے والوں نے فقر کو مسکینی سے معارض قرار دیا ہے (یا دونوں کے ایک ہی معنی مراد لیے ہیں) حالاں کہ دونوں ایک دوسرے سے مختلف ہیں اگر حدیث کے الفاظ یہ ہوتے اللّٰھم احیینی فقیرًا وامتنی فقیرًا واحشرنی فی زمرۃ الفقراء تو یہ تناقض ہوتا۔ المسکنۃ سے اس قول میں مراد ہے " تواضع ونرمی"۔ المسکنۃ " السکون" سے ماخوذ ہے۔ آدمی جب انکساری سے گردن جھکاتا ہے تو کہتے ہیں " تمسکن الرجل" جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ظاہر ہے " تباءس وتمسکن وتقنع راسک"، عرب بھی مسکینی کو فقر کے معنی میں نہیں، بلکہ انکساری اور ضعف کے معنوں میں لیتے ہیں[3]۔ علامہ ابن قتیبہ کی اس تاویل کو ابن تیمیہ کی رائے سے تقویت ملتی ہے، لیکن مشکل یہ ہے کہ ابن تیمیہ کے نزدیک ان الفاظ میں ثابت نہیں ہے۔ اگر اس حدیث کے یہی معنی ہیں تو ارباب تصوف کا اس سے فقر کے متعلق استدلال کرنا تحصیل لاحاصل ہے۔

---

[1] احادیث القصاص ۱/۱۰۱، ابن تیمیہ کا خیال ہے: " وفی ھذا المعنی الحدیث الماثور ان کان محفوظًا" اللّٰھم احیینی مسکینًا... الخ فالمساکین ضد المتکبرین وھم الخاشعون للہ المتواضعون لعظمتہ الذین لا یریدون علوًا فی الارض سواء کانوا اغنیاء او فقراء : مجموع فتاوی ۱۱ : ۱۳۰

[2] عبد اللہ بن مسلم بن قتیبہ الدینوری کثیر التصانیف ادیب اور عالم، بغداد میں وفات پائی : الاعلام ۴ : ۲۸۰

[3] ابن قتیبہ الدینوری، تاویل مختلف الاحادیث، دار الکتاب العربی بیروت لبنان ص ۱۱۳- ۱۱۴ (اختصار کے ساتھ نقل کیا گیا ہے)

دوسری بات یہ ہے کہ ابن قتیبہ صحیح اور ضعیف میں تعارض دور کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، یہ حدیث غیر ثابت ہے اس لیے ان کی رائے محل نظر ہے۔"

اس کے علاوہ تنگ دستی اور فقر کے معنی میں بھی مسکین کا استعمال ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں آیا ہے:

اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنِ [1]	صدقات تو صرف غریبوں اور محتاجوں کا حق ہے۔
ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَاءُوْا بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ [2]	ذلت اور مسکنت ان پر جمادی گئی اور وہ غضب الٰہی کے مستحق ہوئے۔

امام غزالی کا کہنا ہے کہ اللّٰھم احینی مسکینًا والی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان دو صحیح احادیث "اعوذ بك من الفقر" اور "كاد الفقر ان يكون كفرًا" سے معارض نہیں ہیں [3]۔ لیکن ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے معارض ہے جس میں انھوں نے فقر سے پناہ مانگی ہے [4]۔

ایک اور روایت جس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے فقراء کا جنت میں نصف یوم (پانچ سو سال) پہلے داخلہ کی خوش خبری سن کر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو وجد کرتے ہوئے بتایا گیا ہے، حضرت انس رض سے اس طرح منقول ہے:

كنا عند رسول الله صلى الله عليه وسلم اذ نزل جبريل عليه السلام	ہم رسول اللہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ جبریل علیہ السلام نازل ہوئے اور کہا یا رسول اللہ!

---

[1] سورۃ التوبہ: ۶۰، نیز مسکین کے لیے دیکھیے: البقرۃ: ۱۸۴، الاسراء: ۲۶، الروم: ۳۸، القلم: ۲۴، الحاقۃ: ۳۴، المدثر: ۴۴، الفجر: ۱۸، الماعون: ۳، المجادلہ: ۴

[2] سورۃ البقرۃ: ۶۱، سورۃ آل عمران: ۱۱۲

[3] احیاء علوم الدین ۴: ۱۸۸-۱۸۹

[4] کشف الخفاء ۱: ۱۸۱، تنزیہ الشریعۃ ۲: ۳۴-۳۵؛ ۲: ۳۰۴-۳۰۵

فقال یا رسول الله صلی الله علیه وسلم
ان فقراء امتك یدخلون الجنة
قبل الاغنیاء بنصف یوم وهو
خمس مائة عام ففرح رسول
الله فقال هل فیکم من ینشدنا
فقال بدوی یا رسول الله فقال
هات فانشأ الاعرابی

قد لسعت حیة الهوی کبدی
فلا طبیب لها ولا راقی
الا الحبیب الذی شغفت به
فانه رقیتی و تریاقی

فتواجد النبی صلی الله علیه وسلم
وتواجد اصحابه رضی الله عنهم
حتی اسقط رداءه عن منکبیه فلما
فرغوا أوی کل واحد منهم ثم
قال معاویة ابن سفیان ما احسن
لعبکم یا رسول الله فقال یا
معاویة لیس بکریم من لم یهتز
عند سماع ذکر الحبیب ثم
قسم رداءه علی من حضر
أربع مائة قطعة[1]

صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی امت کے فقراء، اغنیاء سے
پہلے نصف یوم یعنی پانچسو سال پہلے جنت میں
داخل ہوں گے پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
خوش ہوئے اور فرمایا تم میں کوئی ایسا شخص ہے جو
ہمارے لیے اشعار پڑھے ایک بدوی نے عرض کیا
ہاں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو لاؤ۔
بدوی نے یہ اشعار پڑھے: عشق کے سانپ نے
میرے جگر میں کاٹا ہے اس کا کوئی طبیب نہیں ہے
اور نہ اس کا کوئی منتر ہے سوائے اس حبیب کے
جس پر میں فریفتہ ہوں اس کے پاس میرا منتر ہے
اور زہر مہرہ ہے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وجد کیا اور
صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی وجد کیا یہاں تک کہ آپ
کی رداءِ مبارک شانہ سے گر پڑی پھر جب فارغ
ہوئے ان پر سے ہر ایک اپنی اپنی جگہ پر آ گیا
تو حضرت معاویہ نے کہا یا رسول اللہ آپ کا لعب اچھا
ہے۔ آپ نے فرمایا اے معاویہ! وہ شخص کریم نہیں
جو دوست کے ذکر پر اہتزاز اور جنبش نہ کرے
اس کے بعد انھوں نے اپنی چادر کے چار سو
ٹکڑے کر کے حاضرین کے درمیان تقسیم
کر دیے۔

---

[1] عوارف المعارف باب ۲۵ علی ہامش احیاء ۲: ۲۹۴-۲۹۵

یہ حدیث محمد بن طاہر المقدسی کی کتاب "صفوۃ التصوف" میں بتائی جاتی ہے[1] اور انھیں سے اسے شیخ شہاب الدین سہروردی نے بھی لیا ہے۔ علامہ ابن جوزی نے صفوۃ التصوف پر تنقید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس میں ایسی چیزیں ہیں جن سے اہلِ عقل کو شرم آتی ہے[2]۔ شیخ سہروردی نے اگرچہ اس روایت کو سند کے ساتھ نقل کیا ہے تاہم خود انھیں اس کے قبول کرنے میں تردد ہے[3]۔ علامہ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں کہ یہ حدیث موضوع ہے[4]۔ حافظ سخاوی کے بہ قول بھی یہ حدیث موضوع ہے[5]۔ عجلونی بھی اس کے موضوع ہونے کے قائل ہیں[6]۔ امام ذہبی کا کہنا ہے کہ اس حدیث کو عمار بن اسحاق نے گھڑا ہے[7]۔ امام ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث بہ اجماع علمائے حدیث کذب ہے[8]۔ ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ یہ حدیث موضوع ہے[9]۔ کنانی اسے حدیث باطل بتاتے ہیں[10]۔ علامہ ابوالفرج عبدالرحمن بن ابی عمر مقدسی (سال وفات نامعلوم) سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا گیا

---

[1] مجھے تلاش کے باوجود اس کتاب میں یہ روایت نہیں ملی گو اس میں سماع سے متعلق بہت سی روایات ہیں: صفوۃ التصوف ص ۱۱۷ - ۱۱۸۔ بعض محدثین نے کتاب السماع کا حوالہ دیا ہے۔ امام ابن تیمیہ نے "مسألۃ السماع" اور "صفوۃ التصوف" کے نام دیے ہیں۔

[2] تلبیس ابلیس ص ۱۶۵

[3] عوارف المعارف (باب ۲۵) علی ہامش احیاء ۲ : ۲۹۵

[4] لسان المیزان ۴ : ۲۷۰

[5] المقاصد الحسنہ ص ۳۳۳ "وما ددی فی ذلک فموضوع"

[6] کشف الخفاء ۲ : ۱۴۱

[7] میزان الاعتدال ۳ : ۱۶۴

[8] احادیث القصاص ص ۷۷، "فھو حدیث مکذوب باتفاق اھل العلم بھذا الشان، مجموع فتاوی ۱۱ : ۵۶۳، کذب باتفاق اھل العلم بالحدیث" الفرقان مشمولہ مجموع فتاوی ۱۱ : ۱۶۸

[9] المصنوع فی معرفۃ الحدیث الموضوع ص ۲۶۳

[10] تنزیۃ الشریعۃ ۱ : ۲۳۳

تو انھوں نے جواب دیا: "الفاظ کی رکاکت اور اشعار عرب سے اس کا تباین اس کے موضوع ہونے کا ثبوت ہے نیز مال کے ضائع کرنے سے حدیث میں جو ممانعت آئی ہے، یہ اس حدیث کی نفی کرتی ہے۔" (اس لیے موضوع ہے[1]) امام نووی لکھتے ہیں:

باطل لاتحل روایته ولا نسبته الی النبی صلی الله علیه وسلم ویعزر من رواه عالما تعزیرًا بلیغًا ولا یغتر بکونه فی عوارف المعارف مع ان صاحب العوارف المعارف قال یتخالج سری انه غیر صحیح ویابی القلب قبوله[2]۔	یہ باطل ہے اس کی روایت کرنا اور اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کرنا جائز نہیں ہے جو شخص واقف ہوتے ہوئے اس کی روایت کرے، اسے مناسب سزا دی جائے۔ "عوارف المعارف" میں اس کے ذکر سے دھوکا نہ کھایا جائے جب کہ عوارف المعارف کے مصنف نے (خود) کہا ہے کہ میرا دل کہتا ہے کہ یہ حدیث غیر صحیح ہے اور اس کے قبول کرنے سے انکار کرتا ہے۔

چنانچہ اہلِ علم کے نزدیک اس حدیث کی کوئی بنیاد نہیں ہے[3]۔

فقر کے متعلق سب سے مشہور حدیث جو طریقت کے حلقوں میں کثرت سے دُہرائی جاتی ہے اور جسے اربابِ حال سے لے کر متصوف شعراء تک نے قبولِ عام کی سند فراہم کی ہے، یہ ہے:

اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ وَبِهٖ اَفْتَخِرُ۔ — فقر میرا فخر ہے اور اس پر فخر کرتا ہوں۔

امام ابن تیمیہ نے اس حدیث کو "کذب" (جھوٹ) بتایا ہے[4]۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ حدیث کے

---

[1] تنزیه الشریعة ۱ : ۲۳۳

[2] تنزیه الشریعة ۱ : ۲۳۳

[3] محمد الصباغ کے بہ قول محمد المنبجی الحنبلی نے اپنی کتاب "الرقص والسماع"، جو مجموعۃ الرسائل المنیریہ کے الجزء الثالث میں طبع ہوئی ہے، میں شیخ محمد بن طاہر مقدسی اور شیخ شہاب الدین سہروردی کے حوالہ سے اس حدیث کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے: "هو حدیث مکذوب موضوع باتفاق اهل العلم"۔ دیکھیے احادیث القصاص حاشیہ ص ۷۶۔۷۷

[4] احادیث القصاص ص ۷۶

کسی عالم نے اس کی روایت نہیں کی ہے اس کے معنی باطل ہیں کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی چیز پر فخر نہیں کیا ہے، بلکہ فرمایا :

انا سید ولد آدم ولا فخر۔ — میں اولادِ آدم کا سردار ہوں اور یہ کوئی فخر نہیں۔

ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہے :

انه [ان اللہ] اوحی اِلَیَّ اَنْ تَوَاضَعُوْا حتیٰ لا یَفْخَرَ اَحَدٌ عَلیٰ اَحَدٍ وَّلا یَبْغِی اَحَدٌ عَلیٰ اَحَدٍ۔ — اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی کی کہ اس قدر فروتنی اختیار کرو کہ کوئی کسی پر فخر نہ کرے اور نہ کوئی کسی پر ظلم کرے۔

نیز اگر وہ کسی چیز پر فخر کرتے تو اُس چیز پر فخر کرتے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انھیں تمام مخلوق پر فضیلت بخشی ہے[۱] ملا علی قاری "الفقر فخری" کے بارے میں لکھتے ہیں :

قال العسقلانی وغیرہ انه باطل موضوع[۲] — عسقلانی کا قول ہے یہ حدیث باطل اور موضوع ہے۔

حافظ سخاوی نے بھی ابن حجر عسقلانی کی رائے نقل کی ہے[۳] عجلونی نے بھی ابن حجر عسقلانی کے الفاظ نقل کیے ہیں[۴]

فقر کی تعریف میں ایک حدیث یوں منقول ہے :

الفقر ازین بالعبد المومن من العذار الجید علی خد الفرس[۵] — مومن کے لیے فقر اس سے زیادہ باعثِ زینت ہے جتنا گھوڑے کی گردن پر پٹہ ہوتا ہے۔

یہ حدیث یوں بھی نقل کی جاتی ہے " الفقر ازین بالمومن من العذار الحسن علی خد الفرس "۔ لیکن اسے فقر کے بارے میں منقول واہی حدیث کہا گیا ہے[۶] علامہ ابن تیمیہ کا کہنا

---

[۱] مجموع فتاویٰ ۱۱ : ۱۱۷

[۲] المصنوع فی معرفۃ الحدیث الموضوع ص ۱۲۸

[۳] المقاصد الحسنہ ص ۳۰۰

[۴] کشف الخفاء ۲ : ۸۷

[۵] اللمع باب مقام الفقر وصفۃ الفقراء ص ۷۴

[۶] کشف الخفاء ۲ : ۸۷

ہے کہ یہ حدیث کذب ہے اور اس کی سند ضعیف ہے اور مشہور ہے کہ عبد الرحمٰن بن زیاد بن انعم کا قول ہے[1]

اہلِ حال میں سے بعض بزرگ ایسے بھی گزرے ہیں جو برملا "الفقر ھو اللہ" یا "اذا تم الفقر فھو اللہ" کا اعلان کرتے تھے۔ امام ابن تیمیہ سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے "الفقر ھو اللہ" کہا، لوگوں نے اسے ناپسند کیا، دوسرے دن لوگوں نے اس شخص سے پوچھا کہ کیا واقعی آپ نے یہ الفاظ کہے ہیں؟ اس شخص نے اپنے اس قول کی یہ توجیہ کی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کتاب میں پڑھا "مَنْ رَآنِي آمَنَ بِی" (جس نے مجھے دیکھا وہ مجھ پر ایمان لایا) میں نے فقر کو دیکھا اور اس پر ایمان لایا اور فقر ہی اللہ ہے[2] امام ابن تیمیہ نے اس سوال کا جواب یوں دیا ہے:

الحمد للہ۔ اما الحدیث کذب علی	الحمد للہ۔ یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	وسلم سے جھوٹی منسوب ہے اور اس کے ساتھ
وھو مع کونہ کذباً مناقض للعقل	ساتھ عقل و دین سے متناقض بھی ہے۔
والدین فانہ لیس کل من رآہ	کیوں کہ ایسا نہیں ہے کہ جس نے آپ صلی اللہ
آمن بہ بل قد رآہ کثیر مثل	علیہ وسلم کو دیکھا وہ ایمان لایا۔ آپؐ کو بہت سے
الکفار والمنافقین وقول القائل	ایسے لوگوں نے دیکھا جو کفار اور منافقین تھے۔
اٰمنت بالفقر او کفرت بالفقر	کہنے والے کا یہ قول کہ میں فقر پر ایمان لایا یا میں
ھو من الکلام الباطل بل ھو	نے فقر کا کفر کیا، کلام باطل بلکہ کفر ہے۔ اور
کفر یجب ان یستتاب صاحبہ،	صاحبِ قول سے کہا جائے کہ توبہ کرو۔ اگر وہ
فان تاب والا قتل واللہ سبحانہ	توبہ کرے تو ٹھیک، نہ کرے تو اسے قتل کیا
ھو الغنی والخلق ھم	جائے اور اللہ تعالیٰ سبحانہ غنی ہے اور مخلوق

---

[1] کشف الخفاء ۲ : ۸۷، ربیع ص ۵۶۵

[2] مجموع فتاویٰ ۱۱ : ۱۱۶

الفقراء الیہ[1] — اس کی محتاج ہے

ڈاکٹر زکی مبارک صوفیہ کے تصورِ فقر پر بحث کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ بات تو معقول لگتی ہے کہ انبیاء و مصلحین فقر کو پسندیدہ نگاہوں سے دیکھتے ہوں کیوں کہ اس سے انھیں دعوتِ خیر کے لیے فراغت مل جاتی تھی، لیکن یہ کیسے درست ہو سکتا ہے کہ فقر شریعت بن جائے اور عام لوگ فقراء کی زندگی بسر کریں۔ ڈاکٹر موصوف کے بہ قول فقر وہ عریانیت ہے جو انسانوں کو رسوا کرتی ہے، وہ مقتل ہے جہاں بڑے بڑے بہادر قتل ہو جاتے ہیں، اور وہ بدترین صفت ہے جس سے اللہ تعالیٰ منزہ ہے[2]

خلاصۂ بحث یہ ہے کہ اہلِ حال کی طرف سے پیش کیا گیا "تصوّرِ فقر" صحیح نہیں ہے۔ ہاں اس میں کوئی شک نہیں کہ انبیاءِ کرام کی اکثریت نے فقر کو پسند فرمایا ہے۔ نیز صلحاءِ امّت نے اس بنا پر بھی فقر کو فوقیت دی ہے کہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم بھی حاملِ فقر رہے ہیں اور یہ بلاشبہ فقر کے محمود ہونے کی بہت بڑی دلیل ہے۔

دوسری طرف قرآن میں امرا و اغنیاء کی مذمت آئی ہے اور احادیثِ صحیحہ میں بندۂ درہم و دینار کو بار بار وعید سنائی گئی ہے۔ اسلام نے صرف اس وقت مال کی تعریف کی ہے جب وہ مردِ صالح کے پاس ہو، کیوں کہ مردِ صالح مال و دولت کو خدا کی امانت سمجھ کر اسے نیکی اور بھلائی کے کاموں میں صرف کرتا ہے۔ انبیاءِ کرام میں حضرت ایوبؑ اور حضرت سلیمانؑ، یا صحابہ میں حضرت عثمان ذی النورینؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے مال و دولت کی نوعیت بھی امانتِ الٰہی ہی کی تھی۔ اس لیے ایسے برگزیدہ صلحاء کو اغنیاء کی صف میں لانا مناسب بھی نہیں ہے۔ یوں بھی اغنیاء میں صلحاء کا پایا جانا قاعدۂ کلیہ نہیں بلکہ محض استثناء ہے۔ اصل حقیقت تو یہ ہے کہ عالم کون و فساد میں بگاڑ اور فساد کا اصل باعث امیر اور دولت مند لوگ ہوتے ہیں۔ انھیں لوگوں نے ہر دور میں دعوتِ دین کی راہ میں روڑے اٹکائے۔

---

[1] مجموع فتاویٰ ۱۱: ۱۱۶ - ۱۱۷

[2] التصوف الاسلامی ۲: ۱۸۰

انبیاءِ کرام کی مخالفت کی، صالح انسانوں کو قتل کیا، ابرار کو شہر بدر کیا اور اخیار کی کردار کشی کی۔ یہی لوگ ہیں جنھوں نے ہر دور میں فسق و فجور کو ہوا دے کر عوام کو گمراہ کیا، اپنی ناجائز دولت کا غلط فائدہ اٹھا کر آزاد انسانوں کو اپنا غلام بنایا اور روحانی پیمانوں کو بدل کر ان کی جگہ سونے چاندی کے معیار و میزان قائم کیے۔ امراء ہی کی شقاوت سے اللہ تعالیٰ نے اہلِ زمین پر عذاب بھیجے اور انھیں کی طرفداری کی پاداش میں علماءِ بنی اسرائیل مقہور و معتوب ہوئے۔ یہی لوگ ہیں جن کی کوکھ سے ہر دور میں استحصال، اجارہ داری، منافع خوری اور ذخیرہ اندوزی جیسے جرائم جنم لیتے ہیں۔ یہی وہ بدنصیب طبقہ ہے جس کے بارے میں جناب مسیح علیہ السلام نے فرمایا:

"اونٹ کا سوئی کے ناکہ میں سے نکل جانا اس سے آسان ہے کہ دولت خدا کی بادشاہی میں داخل ہو۔"[1]

اور یہی امیر لوگ ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری کتاب قرآنِ حکیم میں یوں وعید سنائی:

وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا یُنْفِقُوْنَھَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ یَّوْمَ یُحْمٰی عَلَیْھَا فِیْ نَارِ جَھَنَّمَ فَتُکْوٰی بِھَا جِبَاھُھُمْ وَجُنُوْبُھُمْ وَظُھُوْرُھُمْ ھٰذَا مَا کَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِکُمْ فَذُوْقُوْا مَا کُنْتُمْ تَکْنِزُوْنَ۔ (توبہ: ۳۴-۳۵)

اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کر کر رکھتے ہیں اور ان کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے سو آپ ان کو ایک بڑی دردناک عذاب کی خبر سنا دیجیے جو کہ اس روز واقع ہوگی کہ ان کو دوزخ کی آگ میں (اول) تپایا جائے گا پھر ان سے ان لوگوں کی پیشانیوں اور ان کی کروٹوں اور ان کی پشتوں کو داغ دیا جائے گا یہ ہے وہ جس کو تم نے اپنے واسطے جمع کر کر کے رکھا سو اب اپنے جمع کرنے کا مزہ چکھو۔

۱؎ مرقس باب ۱۰: ۲۵

توکّل

صوفیہ کے نزدیک توکل وہ مقام ہے جہاں پہنچ کر ایک صوفی اسباب و علائق سے بے نیاز ہو جاتا ہے اور وہ اللہ کی مرضی پر اپنے آپ کو چھوڑ دیتا ہے۔ رزق کی فکر اور تلاشِ معاش کا خیال اس کے دل سے یک لخت نکل جاتا ہے اور وہ اپنی کشتیِ حیات کو تقدیر کے حوالہ کرتا ہے۔ توکل کا یہ تصور صرف رزق تک محدود نہیں ہے بلکہ ہر اس چیز اور عمل میں اپنے ارادہ سے دست بردار ہونا ہے جس سے انسانی کوششوں کا کسی نہ کسی حد تک تعلق ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے توکّل سعی و تدبیر سے سبکدوشی کے مترادف ہے۔ لیکن آگے چل کر توکل ایک ایسی نازک صورت اختیار کر لیتا ہے جس میں مادی اسباب و علائق کی ہی نہیں بلکہ روحانی اور اخروی نعمتوں کی بھی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔

توکل کیا ہے؟ اس سوال کے جواب میں صوفیہ کے اتنے اقوال نقل کیے گئے ہیں کہ اِن سب کا احاطہ کرنا مشکل ہے۔ شیخ سہل بن عبداللہ تستری کہتے ہیں:

اول مقامات التوکل ان یکون	توکل کا پہلا مقام یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالےٰ
العبد بین یدی اللہ تعالیٰ کالمیت	کے سامنے اس طرح ہو جائے جیسے مردہ غسّال
بین یدی الغاسل یقلبہ کیف	کے ہاتھ، وہ اسے جس طرح چاہتا ہے پلٹتا ہے
اراد ولا یکون لہ حرکۃ ولا تدبیر[1]	اس میں کوئی حرکت و تدبیر نہیں ہوتی۔

---

[1] عوارف المعارف علی ھامش احیاء ۴: ۳۷۳-۳۷۴، الرسالۃ القشیریہ ص ۹۸

شیخ ذوالنون مصری کے نزدیک ترکِ تدبیر اور اپنے اختیار و قوت سے باہر نکل جانے کا نام توکل ہے[1] شیخ جنید بغدادی کا کہنا ہے کہ توکل یہ ہے کہ بندہ اسی طرح اللہ کا ہو جائے جس طرح اس وقت تھا جب یہ کچھ نہ تھا، تاکہ اللہ بھی اس کے لیے ایسا ہو جائے جیسا کہ ازل میں تھا[2] حضرت ابو سلیمان دارانی نے اسے زہد پر فوقیت دی ہے اس سلسلہ میں ان کا مشہور قول ہے کہ زاہدوں کا آخری قدم متوکلین کا پہلا قدم ہوتا ہے[3] یوں کہ توکل کے صوفیانہ تصور کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ متوکل اپنے ارادہ و اختیار سے کلی طور پر دست بردار ہوتا ہے اور بقاءِ حیات کے لیے وہ اسباب و علائق سے اپنے آپ کو الگ کر لیتا ہے اس لیے وہ کسبِ معاش سے لاتعلق ہو کر فتوح اور نذرانوں پر اپنی زندگی گزار دیتا ہے۔ شیخ ابوبکر شبلی نے توکل کی تعریف اس نکتہ کو ملحوظ خاطر رکھ کر کی ہے، ان کا قول ہے :

"توکل عمدہ قسم کی گداگری ہے[4]"

اس تصورِ توکل کا مظاہرہ کسی خاص مرحلۂ حیات ہی میں نہیں ہوتا، بلکہ صوفیانہ زندگی کا ایک ایک ورق اسی کے عنوان سے مزین ہے۔ قلب کا حال خدا کو معلوم ہے وہی علیم و خبیر ہے، لیکن رزق اور کسبِ معاش کے معاملہ میں اس تصورِ توکل نے ہمیشہ عوام و خواص کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا ہے اس لیے کہ اس میدان میں متوکل کا توکل کھل کر سامنے آتا ہے۔ رزق کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لی ہے مگر حصولِ روزی کے لیے جس طرح لوگ جائز و ناجائز طریقے استعمال کرتے ہیں وہ ان کے تصورِ توکل اور اعتماد علی اللہ پر پانی پھیر دیتا ہے۔ صوفیہ اس مقام پر عام لوگوں ہی سے نہیں بلکہ علما اور خواص سے بھی آگے ہیں، وہ توکل کو مومنین کی صفت قرار دے کر اپنے آپ کو اس سے بھی بلند و ارفع سمجھتے ہیں۔ چنانچہ شیخ ابو علی دقاق کے نزدیک توکل کے تین درجے ہیں :

۱؎ الرسالۃ القشیریہ ص ۹۹

۲؎ التعرف ص ۱۰۱، حضرت جنید بغدادی نے توکل کے بارے میں کہا ہے : "التوکل عمل القلب و التوحید قول القلب" دیکھیے الرسالۃ القشیریہ ص ۸، عوارف المعارف علی ہامش احیاء ۴ : ۳۷۲

۳؎ طبقات الصوفیہ ص ۸۰

۴؎ التعرف ص ۱۰۱

التوکل صفة المؤمنین والتسلیم صفة الاولیاء والتفویض صفة الموحدین، فالتوکل صفة العوام والتسلیم صفة الخواص والتفویض صفة خواص الخواص [۱]	توکل مومنین کی صفت ہے تسلیم اولیاء کی، تفویض موحدین کی صفت ہے پس توکل عوام کی صفت تسلیم خواص کی اور تفویض خواص الخواص کی صفت ہے۔

چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ توکل انبیاء کی، تسلیم حضرت ابراہیمؑ کی اور تفویض نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت ہے [۲] توکل کی اس تقسیم کا نتیجہ یہ ہوا کہ صوفیہ اسلام کے تصورِ توکل کو عام مومنین کی صفت قرار دے کر اپنے کو تفویض کے مقام پر فائز بتاتے ہیں۔

امام غزالی کہتے ہیں کہ توکل اس طرح پیدا ہوتا ہے کہ بندہ رزق اور دوسری ضروریات کے متعلق خدا کے ضامن اور کفیل ہونے کا خیال رکھے [۳]۔ یہاں تک تو بات صحیح ہے لیکن کیا بندہ پر تلاش رزق لازم نہیں ہے؟ اس سوال کے جواب میں امام غزالی کہتے ہیں کہ رزقِ مضمون (جس کی ضمانت اللہ نے دے رکھی ہے) کی تلاش بندہ نہیں کر سکتا ہے کیوں کہ اس سے مراد ہے جسم کی تربیت اور اس کی نشوونما، اور یہ اللہ کا فعل ہے۔ جس طرح موت اور زندگی عطا کرنا اللہ تعالی کا فعل ہے۔ انسان ان افعال پر قادر نہیں ہے یہ خدا کی صفات ہیں۔ نیز رزقِ مقسوم کی تلاش بھی انسان کو لازم نہیں وہ رزقِ مضمون کا محتاج ہے، جس کا ضامن اللہ تعالی ہے [۴] امام غزالی کا

---

[۱] الرسالۃ القشیریہ ص ۱۰۰-۱۰۱

[۲] الرسالۃ القشیریہ ص ۱۰۱، شیخ ابوعلی دقاق کی اس رائے پر ڈاکٹر عبید اللہ فراہی لکھتے ہیں کہ اس طرح بات خطرناک حدوں میں داخل ہو جاتی ہے اور انبیاء کے معاملہ میں قرآن کا فیصلہ "لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّن رُّسُلِهِ" پر سیدھی ضرب پڑتی ہے بلکہ اس طرح کی تفضیل سے ان کی توہین بھی ہوتی ہے جیسا کہ شیخ ابوطالب مکی (قوت القلوب ۲: ۱۰۱) بیان کرتے ہیں: "لا تفضلوا بین الانبیاء" کہہ کر ہمیں اس سے باز رہنے کی تاکید کی ہے: تصوف۔ ایک تجزیاتی مطالعہ ص ۳۹

[۳] منہاج العابدین ص ۵۴

[۴] منہاج العابدین ص ۵۴

کہنا ہے کہ انبیاءِ کرام اور اولیاءِ عظام رزق کے معاملہ میں خدا پر توکل رکھتے تھے وہ بہت ہی کم رزق تلاش کرتے تھے بلکہ اپنے آپ کو خدا کی عبادت کے لیے فارغ کرتے تھے اور اس پر اتفاق ہے کہ انھوں نے تلاشِ رزق کو ترک کرکے اللہ کی نافرمانی نہیں کی نہ ہی وہ حکمِ الٰہی کے تارک ہوئے اس سے واضح ہوگیا کہ رزق اور اسبابِ رزق کی تلاش کوئی ضروری نہیں ہے[1] شیخ ابوعبداللہ بن جلاء کہتے ہیں کہ رزق کا اہتمام تمھیں حق سے دور لے جائے گا اور مخلوق کا محتاج بنائے گا[2] ذریعۂ معاش کی تلاش اور اہتمامِ رزق کے معاملہ میں صوفیہ کا زاویۂ نگاہ واضح ہے۔ روزی کی تلاش تو درکنار وہ اس سے متعلق کوئی سوال بھی برداشت نہیں کرتے شیخ حاتم اصم سے ایک شخص نے پوچھا کہ آپ کا ذریعۂ معاش کیا ہے؟ انھوں نے جواب میں قرآن کی یہ آیت پڑھی:

وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ[3] — زمین اور آسمان کے خزانے اللہ تعالیٰ کے ہیں لیکن منافقین سمجھتے نہیں۔

شیخ بایزید بسطامی نے ایک مسجد میں نماز پڑھی۔ نماز کے بعد امام صاحب نے پوچھا کہ حضرت کا ذریعہ معاش کیا ہے؟ سوال سنتے ہی بایزید نے کہا ٹھہر جاؤ، میں نماز دوبارہ پڑھوں گا کیونکہ اس شخص کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے جو رزاق کو جانتا نہیں ہے[4]

صوفیہ کی کتابوں، مکتوبات اور ملفوظات کے مطالعہ سے بہ آسانی یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ فکرِ معاش کا ترک کرنا ایک متوکل کا دستور زندگی ہے۔ تلاش روزی کی تاکید میں کبھی کبھی بعض صوفیہ کے اقوال پیش کیے جاتے ہیں اور پھر ان شاذ اقوال کو ترتیب دے کر یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ صوفیہ جائز حدود کے اندر رزق کا اہتمام کرتے ہیں، اس لیے ان پر کسبِ معاش ترک کرنے کا الزام غلط ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ نتائج صوفیانہ زندگی کے علمی حقائق اور ان کے اصول و آداب

---

[1] منھاج العابدین ص ۵۵

[2] طبقات الصوفیہ ص ۱۷۸

[3] الرسالۃ القشیریہ ص ۹۸

[4] النور من کلمات ابی طیفور مشمولہ شطحات الصوفیہ ۱: ۱۴۸، تذکرۃ الاولیا باب ۱۴ ص ۹۷، تنبیہ المغترین ص ۵۴

کے یکسر منافی ہوتے ہیں۔ اہتمام رزق کے لیے کوشش کرنا صوفیہ کے لیے مستحسن نہیں سمجھا جاتا اس لیے اگر کبھی کوئی صوفی کسب میں مشغول ہو جاتا ہے تو صرف اس وجہ سے کہ اس کا حال مکمل نہیں ہے۔ شیخ ابو عبداللہ بن سالم کہتے ہیں:

"توکل رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا حال ہے اور کسب آپ کی سنت ہے آپ نے کسبِ مال کو ان لوگوں کے لیے سنت فرمایا جو توکل کی طاقت نہیں رکھتے اور اس درجۂ کمال (یعنی توکل) سے نیچے ہیں جو آپ صلے اللہ علیہ وسلم کا حال ہے جو انسان توکل کر سکتا ہے اس کے لیے کسب ناجائز ہے اور جو توکل کے اس حال تک پہنچنے سے قاصر ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا اس کے لیے رزق کی تلاش جائز ہے اس لیے کہ اگر وہ آپ کے حال تک پہنچ نہیں سکا تو وہ کم از کم سُنّت سے تو محروم نہ رہے۔"[1]

گویا کسبِ معاش کی اجازت صرف ان لوگوں کے لیے ہے جو عزیمت سے عاجز ہیں۔ اس لیے رخصت پر عمل پیرا ہونے کی چھوٹ ہے۔ شیخ جنید بغدادی کے پاس لوگوں کی ایک جماعت آئی اور سوال کیا: "کیا ہم اپنا رزق تلاش کریں؟" انھوں نے جواب دیا: "اگر تم وہ جگہ جانتے ہو جہاں رزق ہے تو تلاش کرو۔" جماعت والوں نے پوچھا: "کیا ہم اللہ تعالےٰ سے رزق کی دعا کریں؟" شیخ نے جواب دیا: "اگر تمھیں معلوم ہے کہ وہ آپ کو بھول گیا ہے تب اسے یاد دلاؤ۔" جماعت میں شامل افراد نے پوچھا: "کیا ہم گھر میں بیٹھ کر توکل کریں؟" شیخ نے جواب دیا: "تجربہ کرنا شک ہے۔" ان لوگوں نے سوال کیا: "تب کیا تدبیر اختیار کی جائے؟" شیخ نے جواب دیا: "ترکِ تدبیر۔"[2]

امام غزالی نے اس سلسلہ میں یہ دِل چسپ واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک کفن چور نے حضرت بایزید بسطامی کے ہاتھ پر توبہ کی جب بایزید نے اس سے حالات دریافت کیے تو اس نے کہا: "میں نے ایک ہزار قبروں کو کھولا ہے ان میں سے کسی مردے کا رُخ قبلہ کی طرف نہیں دیکھا

---

[1] تلبیس ابلیس ص ۲۸۱

[2] الرسالۃ القشیریہ ص ۱۰۱

سوائے دو شخصوں کے"۔ یہ سُن کر بایزید نے کہا: "مسکین لوگ تھے ان کا رخ قبلہ سے اس لیے پھیر دیا گیا کہ رزق کے معاملہ میں اللہ پر اعتماد نہیں رکھتے تھے"[1]

کسبِ معاش سے بے اعتنائی اور لاپروائی کا رویہ صوفیہ کے اس یقین کا ثمرہ ہے کہ رزق پہنچانے کا کام اللہ تعالیٰ کا ہے اور وہ بندہ کے پاس پہنچ کر رہے گا۔ اس بارے میں صوفیہ سوال اور دعا کو بھی ترک کرنے کی تاکید کرتے ہیں[2]۔ بلکہ اگر بندہ اپنے رزق سے فرار بھی اختیار کرے تو وہ خود اس کی تلاش کرے گا بالکل اسی طرح جس طرح کوئی موت سے بھاگے گا بھی تو وہ اسے پکڑ لے گی۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ اسے رزق نہ دیا جائے تب بھی اس کی دعا قبول نہیں کی جائے گی اور وہ گنہ گار ہوگا اس سے کہا جائے گا کہ اے جاہل! یہ کیوں کر ممکن ہے کہ تجھے میں پیدا تو کروں لیکن رزق نہ دوں[3]۔

امام غزالی کا کہنا ہے کہ قوتِ جسمانی کا دارومدار ظاہری اسبابِ خورد و نوش پر نہیں ہے، جیسا کہ ابو سعید الخراز کہتے ہیں کہ غذا کے معاملہ میں میرا دستور تھا کہ ہر تیسرے روز اللہ تعالیٰ کہیں نہ کہیں سے انتظام کر دیتا تھا ایک دفعہ ایک جنگل میں سفر کے دوران پورے تین روز گزرنے پر بھی کھانے پینے کی کوئی صورت پیدا نہ ہوئی۔ چوتھے روز میں نے کچھ کمزوری محسوس کی اور ایک جگہ ذرا آرام کے لیے بیٹھ گیا کہ اچانک غیب سے آواز آئی اے ابو سعید! تو یہ چاہتا ہے کہ ضرور تیرے لیے خوراک ہی مہیا ہو یا صرف اس قدر کافی ہے کہ تجھے چلنے پھرنے کی قوت دے دی جائے؟" میں نے عرض کی کہ صرف قوت کافی ہے۔ چنانچہ جلد ہی کمزوری دور ہوگئی اور میں مسلسل بارہ روز کچھ کھائے پیے بغیر سفر کرتا رہا اس دوران مجھے کوئی تکلیف محسوس نہ ہوئی[4]۔

---

[1] منہاج العابدین ص ۵۳ [2] احیاء علوم الدین ۴ : ۲۵۵

[3] احیاء علوم الدین ۴ : ۲۶۰

[4] منہاج العابدین ص ۶۴ - ۶۵، کشف المحجوب میں "دوازدہ مرحلہ دیگر رفتم" ہے۔ دیکھیے ص ۲۰۹، امام قشیری کہتے ہیں: "وقیل جاع النوری فی البادیۃ فھتف بہ الھاتف" (بقیہ حاشیہ بر صفحہ دیگر)

کسب معاش کے معاملہ میں شیخ ابوبکر کلاباذی کے بہ قول، صوفیہ کا اس پر اتفاق ہے کہ صنعت، تجارت، زراعت جیسے پیشوں سے روزی کمانا مباح ہے لیکن اس کے ساتھ ہی ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ یہ پیشے اس لیے اختیار کیے جائیں تاکہ ایک دوسرے کا تعاون کیا جا سکے دوسروں کے مال کو لینے کی لالچ ختم کی جائے۔ کمائے ہوئے مال کو اغیار پر لٹایا جائے اور پڑوسی پر مہربان ہوا جائے[1]۔ شیخ کلاباذی کے بیان کے مطابق صوفیہ کے نزدیک اس آدمی پر روزی کمانا فرض ہو جاتا ہے جس کے ساتھ ایسے لوگ وابستہ ہوں جن کے روزینہ کی ذمہ داری اس پر عائد ہوتی ہو[2]۔ شیخ جنید بغدادی کے نزدیک مذکورہ شرائط کے ساتھ روزی کمانے کا وہی مقام ہے جو ان اعمال کا ہے جن سے قربِ الٰہی حاصل کیا جاتا ہے۔ اور انسان ان میں اس طرح مشغول ہو جاتا ہے جس طرح وہ ان اعمال کی بجا آوری میں مصروف رہتا ہے جو مستحب ہیں مثلاً نوافل، لیکن رزق حاصل کرنے اور منافع کے حصول کے خیال سے نہیں[3]۔ شیخ جنید بغدادی کے سوا دوسرے بزرگوں کے نزدیک تنہا آدمی کے لیے روزی کمانا مباح ہے واجب نہیں ہے اور اس سے نہ اس کا توکل مطعون ہوتا ہے اور نہ دین مجروح۔ خدا تعالیٰ کے وظائف میں مشغول ہونا زیادہ بہتر ہے اور جب صحیح طور پر توکل پایا جائے تو ضروری یہی ہے کہ روزی نہ کمائی جائے[4]۔ لیکن اہلِ تصوف میں اس خیال کو قبول عام کی سند حاصل ہوئی ہے کہ

(گزشتہ سے پیوستہ) ایما احب الیک سبب او کفائۃ؟ فقال الکفائۃ، فلیس نوقہا نہایۃ، فبقی سبعۃ عشر یوما لم یاکل (ترجمہ: کہا جاتا ہے کہ نوری کو ایک جنگل میں بھوک لگی تو ہاتف نے آواز دی تم کیا چاہتے ہو سبب یا کفایت؟ شیخ نوری نے جواب دیا کفایت کیوں کہ اس کے بعد کچھ نہیں ہے۔ پس وہ سترہ دن بغیر کھائے پیے رہے۔ الرسالۃ القشیریہ ص ۱۰۳

[1] التعرف ص ۸۵

[2] التعرف ص ۸۵

[3] التعرف ص ۸۵

[4] التعرف ص ۸۵

ایک صوفی کو کسبِ معاش دائرۂ توکل سے خارج کر دیتا ہے کیوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کو رزاق نہ سمجھنے کے مترادف ہے۔ یہی نہیں بہت سے صوفیہ تو ارادت میں داخل ہونے کے بعد اپنے پیشے بھی ترک کر دیتے ہیں۔ شیخ حبیب عجمی سے لوگوں نے پوچھا کہ تم نے تجارت کیوں چھوڑ دی؟ تو انھوں نے جواب دیا:

وجدت الکفیل ثقة[۱] میں نے کفیل کو ثقہ پایا

جو صوفیہ رخصت پر عمل کر کے کوئی پیشہ اختیار کرتے تھے یا کسبِ معاش کی طرف مائل ہوتے تھے انھیں بھی پیشے کے انتخاب میں مکمل آزادی حاصل نہیں تھی۔ زراعت، تجارت، نوکری درس و تدریس، امامت، تاذین، کتابت میں بہت ہی کم پیشے ایسے تھے جنھیں ایک صاحبِ رخصت صوفی اختیار کر سکتا تھا۔ شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی کے نزدیک زراعت کا لقمہ اچھا لقمہ ہے بہت سے کھیتی کرنے والے صاحبِ حال ہوئے ہیں[۱] تجارت کو بھی مستحسن پیشہ کہا گیا ہے[۲] سرکاری نوکری کو اربابِ حال ہمیشہ ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے آئے ہیں۔ متقدمین صوفیہ تو بادشاہوں اور اہلِ اقتدار کے سایہ تک سے گریزاں تھے۔ مشائخِ چشت بھی خلفا اور مخصوص مریدوں کو سرکاری نوکری اختیار کرنے کی اجازت نہیں دیتے تھے[۳] ان کا کہنا تھا کہ سرکاری نوکری روحانیت کو کمزور کر دیتی ہے اور انسان بلند روحانی امور کی انجام دہی کے لائق نہیں رہتا کہ خدا اور شیطان دونوں کی اطاعت بہ یک وقت ناممکن ہے۔ شیخ برہان الدین غریب[۴] (۶۵۴-۷۳۸ھ / ۱۲۵۶-۱۳۳۷ء) نے ایک متوکل صوفی کے لیے کہا ہے:

آں کس کہ توکل باشد اورا ازیں ہشت توکل کرنے والے کو چاہیے کہ ان آٹھ ذرائع

---

[۱] خیر المجالس ص ۱۵۶، نیکو لقمہ ایست لقمۂ زراعت، بسیار مزارعان صاحب حال بودہ اند۔

[۲] خیر المجالس ص ۱۸۲

[۳] سیر الاولیاء ص ۳۰۵-۳۰۶

[۴] شیخ برہان الدین غریب کا وطن ہانسی ہے۔ حضرت نظام الدین اولیاء سے خلافت پائی۔ آپ نے انھیں دکن روانہ کیا۔ ۲۸ سال تک دکن میں رشد و ہدایت کا کام کیا مزار خلد آباد میں ہے: سیر الاولیاء ص ۲۸۸

وجوہ نباید خورد یکے امامت دوئم تأذین، سوئم ختم، چہارم درس، پنجم تعلیم، ششم اجر کتابت، ہفتم اوراد، ہشتم دق۔ متوکل را ہیچ ازیں بہتر نیست کہ اگر از غیب برسد خورد و الا صبر کند کہ درویش متوکل را کسب شوم باشد۔[1]

سے حاصل ہونے والی آمدنی استعمال نہ کرے (۱) امامت (۲) تأذین (۳) ختم (ختم قرآن کی اجرت) (۴) درس (۵) تعلیم (۶) اجرتِ کتابت (۷) اوراد (۸) بھیک۔ متوکل کے لیے اس سے بہتر کچھ نہیں ہے اگر غیب سے کچھ آجائے تو کھالے ورنہ صبر کرے کیونکہ متوکل صوفی کے لیے کسب شوم ہے۔

بات وہیں پر آکر رکتی ہے کہ کسبِ معاش توکل کو مجروح کر دیتا ہے اس لیے ایک صاحبِ توکل صوفی کو کسبِ معاش سے باز رہنا چاہیے۔ چنانچہ سہل بن عبداللہ تستری کا کہنا ہے:

"توکل ترکِ تدبیر کا نام ہے۔"[2]

رہی یہ بات کہ کسبِ معاش اگر سنت ہے تو اس کا ترک کیسے محمود ہو سکتا ہے؟ اس کا جواب شیخ سہل بن عبداللہ تستری اس طرح دیتے ہیں:

"جس نے کسبِ معاش پر طعن کیا اس نے سنت پر طعنہ زنی کی اور جس نے ترکِ کسب پر طعن کیا اس نے توحید کو مطعون کیا۔"[3]

اس سے بہ آسانی یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ صوفیہ کے یہاں ایک متوکل کے لیے روزی نہ کمانا زیادہ بہتر ہے۔ اب اگر روزی نہ کمائے تو کھائے کہاں سے؟ اس کا جواب کتبِ تصوف اور مشائخ کے ملفوظات و مکتوبات میں جابجا ملتا ہے۔ عام طور سے لوگ تقرب الٰہی کا ذریعہ سمجھ کر شیخ یا صاحبِ خانقاہ کی خدمت میں نذر و نیاز پیش کرتے ہیں جو خانقاہ میں موجود متوسلین یا مریدین کی کفالت کا کام دیتا ہے۔ چنانچہ بڑے بڑے شیوخ کی خانقاہ میں لنگر قائم ہوتے

---

[1] مشائخ چشت اور کسب معاش، مضمون از ڈاکٹر اشتیاق احمد ظلی، سہ ماہی تحقیقات اسلامی علی گڑھ اپریل۔ جون ۱۹۸۸ء ص ۳۷

[2] احیاء علوم الدین ۴ : ۲۶۱

[3] احیاء علوم الدین ۴ : ۲۶۳ (امام قشیری نے شیخ سہل کا قول اس طرح دیا ہے: "من طعن فی الحرکة فقد طعن فی السنة ومن طعن فی التوکل فقد طعن فی الایمان۔" الرسالة القشیریہ ص ۱۰۰)

ہیں۔ جہاں سے صوفیہ ہی کی نہیں بلکہ عقیدت مندوں کی بھی مہمان داری کی جاتی رہی ہے۔ لنگرخانوں اور جماعت خانوں کی روایت پہلے ہی سے چلی آرہی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ لنگرخانوں میں جو نذرانے، فتوح اور دوسری چیزیں پیش کی جاتی رہی ہیں ان کے بارے میں صوفیہ کا رویہ قدرے نرم رہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسے فتوح کو قبول کر کے صوفیہ کو فراغتِ قلب اور یکسوئی حاصل ہوتی ہے اور نذرانے اور نیاز لانے والوں کو اجر و ثواب ملتا ہے نیز عقیدت مند مسلمانوں کو اس سے صوفیہ کی خدمت کرنے کی سعادت حاصل ہو جاتی ہے۔ صوفیہ رزق رسانی کے ان ذریعوں سے واقف رہے ہیں۔ شیخ ابو یعقوب سوسی کہتے ہیں:

المتوکلون تجری اذ اقهم علی ایدی العباد بلا تعب منهم و غیرهم مشغولون مکدورون۔[1]	متوکلین کا رزق ان کی مشقت کے بغیر لوگوں کے ہاتھوں گردش کرتا رہتا ہے جب کہ دوسرے لوگ اسی میں مشغول رہتے ہیں اور پریشانی اٹھاتے ہیں۔

لیکن شیخ محمد حسینی گیسو درازؒ توکل کا مقام یوں بیان کرتے ہیں:

"اما هم چنیں گویم توکل او را مستقیم است که عقیده کند که خداوند سبحانه نه طعامے خواهد داد که بخورم و نه جامه خواهد داد که به پوشم و من مباشر اسباب تحصیل او نخواهم شد به گرسنگی و برہنگی خواهم مرد اگر بریں قرار کند بنشید توکل او درست باشد۔[2]	میں یہ کہتا ہوں کہ توکل اس کا درست ہوگا جو یہ اعتقاد رکھے کہ خدا تعالیٰ نہ تو کھانا دے گا جس کو میں کھاؤں اور نہ کپڑا جسے میں پہنوں، میں اس کے اسباب کی تحصیل میں مشغول نہیں ہوں گا بھوک اور برہنگی سے جان دے دوں گا اگر یہ طے کر کے بیٹھ جائے تو اس کا توکل درست ہے

صوفیہ کے یہاں ذخیرہ اندوزی بھی انسان کو دائرۂ توکل سے خارج کر دیتی ہے امام غزالی کہتے

---

[1] احیاء علوم الدین ۴ : ۶۰

[2] سید محمد حسینی گیسو دراز۔ شرح رسالہ قشیریہ، گلبرگہ ۱۳۶۱ھ ص ۴۲، / مشائخ چشت اور کسب معاش۔ مضمون از ڈاکٹر اشتیاق احمد ظلی سہ ماہی تحقیقات اسلامی علی گڑھ اپریل۔ جون ۱۹۸۸ء ص ۳۰

ہیں کہ جو انسان ایک سال یا اس سے زائد مدّت کا غذائی ذخیرہ اپنے پاس رکھتا ہے، وہ توکل سے خارج ہو جاتا ہے۔[1] البتہ متاہل آدمی اگر ایک سال کے لیے غذائی ذخیرہ اپنے پاس رکھے تو یہ توکل کے منافی نہیں ہے۔[2] متقین کو چالیس دن سے زیادہ کا غذائی ذخیرہ اپنے پاس رکھنا نہیں چاہیے اور صدیقین تو ایک دن رات سے زیادہ کی غذا اپنے پاس رکھتے ہی نہیں۔[3] شیخ سہل بن عبداللہ تستری کا کہنا ہے کہ چالیس دنوں کے لیے غذا ذخیرہ کرنے والا شخص دائرہ توکل سے خارج ہوتا ہے۔ شیخ ابراہیم خواص کہتے ہیں کہ چالیس دنوں کے لیے ذخیرہ کرنے والا توکل سے نہیں خارج ہوتا۔ شیخ ابوطالب مکیؒ کہتے ہیں کہ چالیس سے زائد دنوں تک کے لیے ذخیرہ کرنے والا بھی دائرۂ توکل سے نہیں نکل جاتا ہے۔[4]

صوفیانہ توکل کا مظاہرہ سفر میں زیادہ نمایاں طور پر ہوتا ہے۔ سفر چوں کہ صوفیہ کی زندگی کا جزو لاینفک ہے اس لیے سفر کے لیے ادب تصوف میں ان آداب و ہدایات کا ذکر ضرور ملتا ہے جن کی پابندی ایک مسافر درویش کے لیے ناگزیر ہوتی ہے۔ چنانچہ امام غزالی نے سفر میں جانے والے متوکل صوفی کے لیے یہ ضابطۂ اخلاق مرتب کیا ہے:

> متوکل گھر سے روانہ ہوتے وقت صرف ایک تالا دروازہ پر لگائے۔ پڑوسیوں سے ہرگز درخواست نہ کرے کہ اس کی غیر موجودگی میں اس کے گھر کا خیال رکھیں۔ گھر میں کوئی ایسی چیز چھوڑ کر نہ جائے جو دوسروں کو چوری کی طرف راغب کرے۔ متوکل کو گھر سے روانہ ہوتے وقت یہ فیصلہ کرنا چاہیے کہ اگر جائداد چوری ہوئی تو وہ چور کو معاف کرے گا کیوں کہ ممکن ہے کہ وہ غریب ہو، یا اس طرح دوسرے بھائی کی جائداد چوری ہونے سے بچ گئی، اس فیصلہ

---

[1] احیاء علوم الدین ۴ : ۲۶۹ - ۲۷۰

[2] احیاء علوم الدین ۴ : ۲۷۰

[3] احیاء علوم الدین ۴ : ۲۰۱ - ۲۰۲

[4] احیاء علوم الدین ۴ : ۲۶۹

کے بعد اگر اس کی جائداد چوری ہو گئی تو اسے تلاش سے باز رہنا چاہیے کیوں کہ تلاش کرنے کی صورت میں وہ دائرۂ توکل سے نکل جائے گا، اسے چور کو لعنت ملامت نہیں کرنی چاہیے کیوں کہ یہ نقصان پر افسوس کرنا ہوا۔ آخر میں اسے چور کی گمراہی پر افسوس کرنا چاہیے اور اس پر خوش ہونا چاہیے کہ خدا نے اسے مظلوم بنایا ظالم نہیں[1]

سفر میں انسان اسباب و وسائل کا زیادہ محتاج ہوتا ہے اس لیے صوفیہ اسے توکل کے امتحان کے لیے مناسب اور موزوں موقع سمجھتے ہیں۔ بڑے بڑے صوفیہ نے اپنے توکل کو سفر میں بار بار آزمایا ہے۔ چنانچہ صوفیہ کے نزدیک توکل کے اعلیٰ مقامات میں سے ایک یہ ہے کہ سالک سفر کرے تو اس کے ساتھ زادِ راہ نہ ہو کیوں کہ یہ خدا کی روزی رسانی کے خلاف ہے اگر کھانا نہ ملنے کی وجہ سے متوکل کی موت واقع ہو جائے تو اس کی موت کو شہادت کا درجہ حاصل ہو گا۔ شیخ عبد اللہ بن جلاء سے ایک شخص کے بارے میں سوال کیا گیا کہ وہ بغیر زادِ راہ کے بادیہ کا سفر کرتا ہے، تو انھوں نے جواب دیا کہ یہ مردانِ خدا کا عمل ہے۔ جب پوچھا گیا کہ اس حالت میں اگر اس شخص کی موت واقع ہو جائے ؟ تو شیخ نے جواب دیا:

الدیۃ علی القاتل[2]	دیت قاتل پر ہے۔

اس سلسلہ میں شیخ ابو حمزہ بغدادی اپنے بارہ میں کہتے ہیں:

انی لاستحی من اللہ تعالیٰ ان	مجھے اللہ تعالیٰ سے شرم آتی ہے کہ توکل کا
ادخل البادیۃ وانا شبعان و	اعتقاد رکھتے ہوئے شکم سیر ہو کر صحرا کا
قد اعتقدت التوکل لئلا یکون	سفر کروں اس وجہ سے کہ میری شکم سیری میں
سعی علی الشبع زاداً تزودتہ[3]	میرا زادِ راہ نہ ہو۔

---

[1] احیاء علوم الدین ۴: ۲۷۴-۲۷۶

[2] طبقات الصوفیہ ص ۱۷۸

[3] الرسالۃ القشیریہ ص ۱۰۱، تاریخ بغداد ۱: ۳۹۱

شیخ موصوف کے متعلق منقول ہے کہ وہ راہ چلتے ایک کنویں میں گر پڑے دل میں خیال آیا کہ فریاد کریں لیکن یہ چیز انھیں توکل کے خلاف نظر آئی اتنے میں دو آدمی وہاں سے گزرے، ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا آؤ اس کنویں کا منہ بند کریں تاکہ کوئی اس میں نہ گرے۔ وہ اس کا منھ بند کرنے لگے ابوحمزہ کو خیال آیا کہ آواز دیں لیکن اسے بھی اقتضاءِ توکل کے خلاف سمجھ کر خاموش رہے۔ جب وہ دونوں کنویں کا منہ بند کر کے چلے گئے تو کچھ دیر بعد ایک چیز آئی جس نے کنویں کا منہ کھول کر اس میں اپنا پاؤں لٹکایا۔ ابوحمزہ نے پاؤں کو پکڑا تو وہ چیز انھیں کنویں سے باہر نکال لائی۔ باہر آکر دیکھتے ہیں کہ یہ ایک درندہ تھا۔ درندہ چلا گیا تو ہاتف نے آواز دی:

یا حمزۃ الیس ھذا احسن نجیناک	اے حمزہ! کیا یہ زیادہ اچھا نہیں کہ ہم نے
من التلف بالتلف [1]	آپ کو ایک تلف کرنے والی چیز ہی کے ذریعہ
	تلف ہونے سے بچالیا؟

شیخ ابوسعید الخراز اپنا ایک ذاتی واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں جنگل میں سفر کر رہا تھا، میں نے دور سے ایک بستی دیکھی تو خوشی ہوئی کہ میں منزل پر پہنچا اس کے بعد سوچا کہ مجھے سکون ہوا اور میں نے اللہ تعالےٰ کے سوا کسی دوسرے پر بھروسہ کیا۔ میں نے قصد کر لیا کہ تب تک اس بستی میں داخل نہ ہوں گا، جب تک خود اٹھا کر نہیں لے جایا جاؤں گا۔ میں نے ریت میں ایک گڑھا کھودا اور سینہ تک اس میں اپنے آپ کو گاڑا۔ آدھی رات کے وقت اہلِ بستی نے آواز سُنی، اے بستی والو! اللہ کے ایک ولی نے اپنے آپ کو ریت میں بند کر رکھا ہے اس کے پاس پہنچ جاؤ۔ چنانچہ لوگ میرے پاس پہنچے انھوں نے مجھے ریت سے نکالا اور گاؤں لے گئے [2] سفر میں ترکِ تدبیر اور ترکِ اسباب کے تصور نے صوفیہ کو ہمیشہ سامانِ سفر سے بے نیاز رکھا۔ ان کے نزدیک زادِ راہ ساتھ لے کر چلنا عوام کا شیوہ

---

[1] الرسالۃ القشیریہ ص ۱۰۳، تاریخِ بغداد ۱: ۳۹۱۔ ۳۹۲، یہ حکایت ابوبکر شبلی اور ابوحمزہ بغدادی کے بارے میں بھی نقل کی جاتی ہے: تاریخِ بغداد ۱: ۳۹۲۔

[2] الرسالۃ القشیریہ ص ۱۰۳

ہے۔ امام غزالی کہتے ہیں :

" اگر تیرا دل توکل میں محکم ہو اور تجھے خدا کے وعدے پر مکمل یقین ہو تو تیرے لیے بے زادِ راہ ہی صحرانوردی درست ہے ورنہ عوام کی طرح تو بھی زادِ راہ ساتھ لے کر چل "[1]

شیخ بشر حافی سے کچھ لوگوں نے درخواست کی کہ وہ ان کے ساتھ حج کرنے چلیں۔ شیخ موصوف نے اپنی طرف سے تین شرطیں رکھیں (۱) یہ کہ اپنے ساتھ کوئی چیز لے کر نہیں چلیں گے (۲) راہ میں کسی سے کوئی چیز نہیں مانگیں گے (۳) اگر کسی نے کوئی چیز دی تو اسے قبول نہیں کریں گے۔ ان لوگوں نے پہلی دو شرطیں تو مان لیں اور تیسری کے بارے میں انکار کیا کہ وہ ان کے بس سے باہر ہے یہ دیکھ کر شیخ نے کہا : " خرجتم متوکلین علی زاد الحجیج "

اور اپنے پاس بیٹھے ہوئے ایک شخص سے کہا کہ تمام روحانیوں کا طریقہ ہے کہ نہ کسی سے کچھ مانگتے ہیں اور نہ کسی کا دیا ہوا کچھ لیتے ہیں[2] لیکن شیخ بایزید بسطامی کے نزدیک عبادت میں مشغول صوفی اگر رزق نہیں کما سکتا تو دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانے میں اسے کوئی حرج نہیں ہے انھوں نے شقیق بلخی سے ایک مرید کے ذریعہ کہلوایا کہ دو روٹیوں کے لیے اللہ تعالیٰ کا امتحان نہ لیں اور اپنا توکل بالائے طاق رکھ دیں تاکہ یہ ملک اور شہر اس حرکت کی نحوست سے زمین میں دھنسا نہ دیا جائے[3] تاہم شیخ کے اس انتباہ سے یہ مطلب لینا صحیح نہیں ہوگا کہ وہ رزق کے بارے میں صوفیانہ توکل کے قائل نہیں ہیں، بلکہ ان کے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ رزق جیسے معمولی معاملہ میں صحیح توکل کا اظہار مناسب نہیں ہے بلکہ ایک متوکل کی نگاہ اس سے بلند ہونی چاہیے۔

متوکلین صوفیہ بیماری کے دوران علاج معالجہ کرنے کو توکل کی خلاف ورزی تصور

---

[1] منہاج العابدین ص ۵۵

[2] الرسالۃ القشیریہ ص ۱۰۳

[3] کشف المحجوب ص ۳۱۳، گفت توکل خویش را گرد آر ترسم کہ از شومت آں تو بار بلخ فرو د ردی : جوامع الکلم ص ۱۹۰۔ باز آ توکل گرد آری، ترسم کہ از شومت آں تو بہم بلخ فرو د آئی۔ جوامع الکلم ص ۲۴۷

کرتے ہیں کیوں کہ ان کے بہ قول علاج متوکل کو دائرۂ توکل سے خارج کر دیتا ہے۔ ایک بزرگ الکردی[1] (چوتھی صدی ہجری) کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ان کے بدن میں ایک مقام پر کیڑے پیدا ہو گئے تھے جب کوئی کیڑا زمین پر گر جاتا تھا تو اسے اٹھا کر پھر اپنی جگہ پر رکھ دیا کرتے تھے۔[2] شیخ ابو یعقوب النہر جوری[3] (م ۳۳۰ھ / ۹۴۱ء) کے پیٹ میں ایک تکلیف تھی لیکن علاج جاننے کے باوجود وہ اس کا علاج نہیں کراتے تھے۔[4] شیخ سہل بن عبد اللہ تستری کو ایک بیماری لاحق تھی، خود کہتے تھے اس کا علاج ایک قیراط ہے، لیکن کبھی اس کا علاج نہیں کیا۔[5] ان کا کہنا تھا کہ جسموں کی بیماریاں رحمت ہوتی ہیں، اور دلوں کی بیماریاں عقوبت۔[6] صوفیہ کو اس کا اعتراف ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں علاج کرنے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم توکل کے اعلیٰ مقام پر فائز ہونے کے باوجود علاج معالجہ کرتے تھے صوفیہ کا بیان ہے کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ آپ نے دوسروں کے لیے علاج کیا تاکہ عوام کے لیے ایک سنّت قائم ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو ہم نظر انداز نہیں کر سکتے کیوں کہ سنت سے منحرف ہو کر حقیقتِ توکّل تک رسائی کا خیال کرنا سنّت پر طعنہ زنی

---

[1] غالباً ابو الحسین الارموی ہیں جو شیخ ابو عبد اللہ روذباری (م ۳۶۹ھ) کے ہم عصر تھے۔ دیکھیے کتاب اللمع تصحیح رینولڈ الن نیکلسون، مطبعہ بریل لیڈن ۱۹۱۴ء لسٹ آف صوفیز XXXIII

[2] اللمع ص ۲۷۱

[3] ابو یعقوب اسحاق بن محمد النہر جوری، اھواز کی ایک بستی نہر جور میں پیدا ہوئے۔ شیخ ابو یعقوب السوسی کے مرید اور شیخ جنید بغدادی و شیخ عمرو بن عثمان مکی کے ہم نشین تھے۔ مکہ میں انتقال کیا: نفحات الانس ص ۸۴-۸۵، الرسالۃ القشیریہ ص ۳۴، الطبقات الکبریٰ ۱: ۱۱۱، سفینۃ الاولیاء بذیل تذکرہ ص ۱۴۷

[4] اللمع ص ۲۷۱

[5] اللمع ص ۲۷۲

[6] احیاء علوم الدین ۴ : ۲۸۱

کرنے کے مترادف ہے[1]۔ لیکن اس اعتراف کے باوجود صوفیہ علاج کو رخصت اور ترکِ علاج کو عزیمت کا درجہ دیتے ہیں[2]۔ چنانچہ شیخ ابوطالب مکّی کے بہ قول ترکِ علاج عزیمت کے کاموں میں سے ہے اور اولوالعزم صدیقوں کا طریقہ رہا ہے اس لیے قوی الایمان لوگوں کے لیے علاج کا ترک کر دینا افضل ہے[3]۔ امام غزالی کے نزدیک صبر جمیل کا خوگر ہونے اور صابروں کا اجر پانے کی غرض سے ترکِ علاج کر کے بیماری کو باقی رکھنا قابلِ تعریف عمل ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر بیماری سے متوکل اس قدر لاغر ہو جائے کہ اس کے اندر عبادت کرنے کی طاقت ہی نہ رہے تو ایسی صورت میں کیا ترکِ علاج افضل ہوگا؟ اس سوال کا جواب صوفیہ کے پاس موجود ہے۔ شیخ ابوطالب مکی کہتے ہیں کہ ذرہ بھر قلبی عمل پہاڑ برابر جسمانی اعمال کی بہ نسبت زیادہ باوزن ہے[4]۔ یعنی بیماری میں توکل کر کے ترکِ علاج کرنا ایک ایسا عمل ہے جو قلب سے تعلق رکھتا ہے اور قلبی عمل کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو پہاڑ برابر جسمانی اعمال (عبادات و فرائض کی ادائی گی) پر بھاری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شیخ سہل بن عبداللہ تستری کا کہنا ہے کہ ترکِ علاج چاہے اس سے پیدا ہونے والی کمزوری کی بنا پر متوکل عبادات و فرائض کی ادائیگی سے قاصر رہے علاج سے بہتر ہے[5]۔ شیخ موصوف جب کسی ایسے شخص کو دیکھتے جو کمزوری کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھتے اور کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی خاطر علاج کرتے تھے تو متعجب ہو کر کہا کرتے کہ اس شخص کا اپنی حالت پر بیٹھ کر نماز پڑھنا علاج کے بعد کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔ شیخ سہل سے دوا پینے کے متعلق سوال کیا گیا تو انھوں نے جواب دیا:

---

[1] قوت القلوب ۳ : ۳۱
[2] قوت القلوب ۳ : ۳۰، ۳۱
[3] قوت القلوب ۳ : ۳۲
[4] قوت القلوب ۳ : ۳۴
[5] احیاء العلوم الدین ۴ : ۲۸۰

"اس شخص سے جس کے بدن میں دوا داخل ہوئی چاہیے وہ ٹھنڈا پانی ہی کیوں نہ ہو وہ شخص افضل ہے جس نے کوئی دوا نہ لی ہو کیوں کہ دوا استعمال کرنے والے شخص سے پوچھا جائے گا کہ اس نے دوا استعمال کیوں کی؟ اور جس نے دوا لی ہی نہیں اس سے سوال ہی نہیں ہوگا۔"[1]

رہا جسم کی نگہداشت کا معاملہ تو اس کے بارے میں صوفیہ کا زاویۂ نگاہ یہ ہے کہ اہلِ حال کو جسم سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ شیخ سہل بن عبداللہ تستری کہتے ہیں:

مالك وللجسد، دع من تولاه اولا يتولاه اخرا اذ دخل عليه علة نرده الى صانعه، اما رأيت الصانعة اذا عابت ردها الى صانعها حتى يصلحها۔[2]

تمہیں جسم کی کیا فکر، چھوڑ دو جس نے اس کی پہلے پرورش کی ہے وہی آخر میں بھی کرے گا۔ اگر اس میں کوئی بیماری پیدا ہو جائے تو اسے اس کے بنانے والے کی طرف لوٹاؤ۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ کوئی چیز عیب خراب ہو جاتی ہے تو اسے بنانے والے کے پاس بھیجتے ہیں تاکہ وہ ٹھیک کرے۔

اس لیے ترکِ علاج کے ساتھ ساتھ اخفاءِ مرض کی بھی تاکید آئی ہے، صوفیہ مرض کے اظہار کو متوکل کی شان کے خلاف سمجھتے ہیں اور صرف مخصوص صورتوں میں اظہارِ مرض کی اجازت دیتے ہیں[3]۔ امام غزالی کا کہنا ہے کہ جس شخص نے توکل کی بنا پر علاج معالجہ ترک کیا ہے اسے اظہار کا حق اس لیے بھی نہیں پہنچتا ہے کہ اظہارِ مرض سے علاجِ مرض ہی بہتر ہے[4]۔ یعنی اظہارِ مرض اور علاجِ مرض دونوں ایک متوکل کو دائرۂ توکل سے نکال دیتے ہیں۔ زندگی کے کسی بھی معاملہ میں تدبیر یا سبب کو کارگر سمجھنا یا دل میں اس کا خیال پیدا ہونا ہی توکل کے خلاف ہے۔

---

[1] احیاء علوم الدین ۴ : ۲۸۰ - ۲۸۱
[2] احیاء علوم الدین ۴ : ۲۷۹
[3] احیاء علوم الدین ۴ : ۲۸۵
[4] احیاء علوم الدین ۴ : ۲۸۵

صرف دنیاوی معاملات ہی میں نہیں آخرت کے بارے میں بھی صوفیہ کا تصورِ توکل نمایاں رہا ہے۔ اجر اور جنت کا خیال ان کے یہاں زہد اور توکل کی نفی کرتا ہے اس لیے ایک سالک کو جنت اور اس کی نعمتوں کی لالچ اور جہنم اور اس کے عذاب کے خوف سے بالاتر ہو کر خدا تعالیٰ کی عبادت کرنی چاہیے۔ اس تصورِ عبادت کی پہلی واضح جھلک ہمیں حضرت رابعہ بصری[1] (۹۵-۱۸۵ھ / ۷۱۴-۸۰۱ء) کے یہاں ملتی ہے جن کے اقوال اس بارے میں کافی مشہور ہیں۔ حضرت رابعہ بصری جنت کی طرف میلان کو قابلِ عتاب تصور کرتی ہیں۔ ایک دفعہ انھیں سخت بخار آیا، لوگوں نے اس بارے میں مزاج پرسی کی تو فرمایا کہ میں خلوت میں مصروف تھی کہ میرے سامنے جنت پیش کی گئی میرا دل اس کی طرف مائل ہوا تو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر عتاب کیا۔[2] شیخ ابوبکر شبلی نے ایک دفعہ کہا کہ اگر مجھے جنت اور جہنم کے درمیان انتخاب کا اختیار دیا گیا، تو میں جہنم کو اختیار کروں گا کیوں کہ اس میں نفس کی مخالفت ہے[3] لیکن ان کے استاد شیخ جنید بغدادی نے جواب میں کہا کہ اگر مجھے جنت اور دوزخ کے درمیان انتخاب کا موقع دیا گیا تو میں کسی کا انتخاب نہیں کروں گا بلکہ اسے اللہ تعالیٰ کے انتخاب پر چھوڑ دوں گا۔[4] شیخ بایزید بسطامی جنت اور جہنم کے درمیان تمیز کرنے کو بھی توکل کے خلاف سمجھتے ہیں۔ ان سے پوچھا گیا کہ توکل کیا ہے؟ انھوں نے ابوموسیٰ الدیبلی سے پوچھا کہ تم کیا کہتے ہو؟ ابوموسیٰ نے جواب دیا کہ ہمارے ساتھیوں کا کہنا ہے کہ اگر درندے تمہارے دائیں اور بائیں موجود ہوں اور تم ٹس سے مس نہ ہو تو اسے توکل کہتے ہیں۔ شیخ بایزید نے کہا: ہاں تقریباً یہی ہے لیکن اگر اہلِ جنت جنت میں لطف اٹھا رہے ہوں اور اہلِ جہنم جہنم میں مبتلائے عذاب ہوں اور تم ان

[1] حضرت رابعہ بصری بصرہ کی مشہور عارفہ تھیں۔ ایک غریب خاندان میں پیدا ہوئیں۔ بچپن میں ایک شخص نے انھیں پکڑ کر فروخت کیا لیکن اللہ نے جلد ہی رہائی دلائی۔ سلوک و تصوف میں بلند مقام حاصل کیا۔ حضرت سفیان ثوری اور حضرت ابراہیم جیسے مشائخ آپ کی بزرگی کے قائل رہے ہیں۔ آپ کا مزار جبلِ قدس میں ہے۔ وفیات الاعیان ۲ : ۲۸۵، الطبقات الکبریٰ ۱ : ۶۵

[2] خیر المجالس ص ۲۰۰،

[3] خیر المجالس ص ۲۰۰، التعرف ص ۱۵۵

[4] سید محمد حسینی گیسودراز، مکتوبات گیسودراز، حیدرآباد ۱۳۶۲ھ ص ۷، مکتوبات گیسودراز ص ۷

میں تمیز کرسکو تو جملہ توکل سے خارج ہو جاؤ گے۔[1] صوفیہ کے یہاں مرید کے اندر چار چیزیں ہونی چاہئیں تاکہ وہ حقیقی مرید بن جائے۔ اول یہ کہ مرض اور صحت اس کے نزدیک برابر ہو اور ہر حال میں اللہ کی رضا پر رہے، دوم فقر و غنا کی حالت، سوم تعریف اور مذمتِ خلق، چہارم بہشت و دوزخ اس کے سامنے یکساں ہوں[1]۔

ترکِ آخرت یا ترکِ عقبیٰ کا تصوّر صوفیہ پر ہمیشہ غالب رہا ہے۔ چنانچہ حضرت شیخ نظام الدین اولیا، حضرت معروف کرخی کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ قیامت کے روز حضرت معروف کرخی کو میدانِ حشر میں لایا جائے گا وہ حد سے زیادہ مست ہوں گے انھیں دیکھ کر وہاں موجود لوگ حیران و ششدر رہ جائیں گے اور پوچھیں گے کہ یہ کون ہیں؟ آواز آئے گی کہ یہ ہماری محبت میں مست ہے اسے معروف کرخی کہتے ہیں۔ اس وقت معروف کرخی کو بہشت میں داخل ہونے کا حکم دیا جائے گا وہ کہیں گے کہ میں نہیں جاؤں گا میں نے تیری عبادت جنت کے لیے نہیں کی تھی۔ اس کے بعد فرشتوں کو حکم ہوگا کہ انھیں نور کی زنجیروں میں باندھ کر کھینچتے ہوئے جنت میں لے جاؤ[2]۔

چنانچہ زاہد کے لیے مناسب یہی ہے کہ وہ جنت اور اس کی نعمتوں سے بھی رغبت نہ رکھے جیسا کہ امام غزالی فرماتے ہیں:

والذی یرغب عن کل ما سوی اللہ تعالٰی حتی الفرادیس ولا یحب الا اللہ تعالٰی فھو الزاھد المطلق	جو شخص اللہ کے سوا ہر چیز کی طرف سے بے رغبت ہو جائے یہاں تک کہ جنتوں سے بھی اعراض کرے اور اللہ کے سوا کسی چیز سے محبت نہ رکھے وہ زاہد مطلق ہے
والذی یرغب عن کل حظ ینال فی الدنیا ولم یزھد فی مثل تلک الحظوظ فی الآخرۃ بل طمع فی الحور والقصور والانھار	اور جو حظوظ دنیا سے بے رغبتی برتے لیکن حظوظِ آخرت میں زہد نہ کرے بلکہ حور و قصور اور نہروں اور میووں کی لالچ رکھے وہ بھی زاہد ہے لیکن پہلے سے کم تر درجے پر ہے۔

---

[1] لطائفِ اشرفی ۱ : ۳۳۲

[2] فوائد الفواد ص ۱۸۵-۱۸۶

والفواکه فهو ایضا زاھد ولکن

دون الاول[1]

یہی وجہ ہے کہ جہاں عام مسلمان اللہ تعالیٰ سے جنّت کی دعا اور دوزخ سے پناہ مانگتے ہیں، صوفیہ کی دعا کچھ اور ہی ہوتی ہے۔ حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی کہتے ہیں کہ درویش یہ دعا نہیں مانگتے:

اللّٰھم انا نسئلک الجنۃ ونعوذبک من النار۔ — اے اللہ! ہم آپ سے جنت مانگتے ہیں اور دوزخ سے آپ کی پناہ چاہتے ہیں۔

بلکہ وہ خدا سے صرف خدا ہی مانگتے ہیں[2]

لیکن سلوک میں ایک مقام ایسا بھی آتا ہے جب سوال و دعا بھی ترک کیا جاتا ہے[3] چنانچہ شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی سوال و دعا کے چار مراتب بیان کرتے ہیں (۱) جب کوئی ضرورت پڑے تو خدا سے مانگے (۲) خدا سے صرف خدا کو مانگے (۳) اپنی ضرورت خدا کو تفویض کر کے پسند و ناپسند سے دست بردار ہو جائے (۴) خدا سے خدا کو بھی نہ چاہے اور یہ سب سے اعلیٰ مقام ہے[4] جنت و جہنم اور آخرت سے بے نیازی کا خیال کہاں سے شروع ہوا تھا اور کہاں تک پہنچا۔ رفتہ رفتہ ترکِ عقبیٰ کے تصور میں اس قدر پختگی آ گئی کہ صوفیہ نے برملا کہا:

" سالک کو نماز میں اگر دنیا کا خیال آئے تو اس پر صرف وضو واجب ہوتا ہے

---

[1] احیاء علوم الدین ۴ : ۲۱۲، ابو العباس قصاب سے پوچھا گیا کہ اہلِ جنت جب جنت میں اور اہلِ دوزخ دوزخ میں جائیں گے تو جواں مرد کہاں ہوں گے؟ انھوں نے جواب دیا: "جواں مرد آں کس باشد کہ او را نہ در دنیا جای بود و نہ در آخرت"۔ تذکرۃ الاولیاء باب ۸۰ ص ۳۹۴۔

[2] خیر المجالس ص ۲۳۴

[3] احیاء علوم الدین ۴ : ۲۵۵

[4] خیر المجالس ص ۸۱

لیکن اگر عقبی کا خیال آجائے تو غسل واجب ہو جاتا ہے۔"[1]

چنانچہ شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی نے ایک دن حمید قلندر (۶۸۴-۷۵۷ھ / ۱۲۸۵-۱۳۵۶ء) سے جنھوں نے ان کے ملفوظات جمع کیے ہیں، فرمایا غنی کے مدارج بہت ہیں لیکن اس کا آخری درجہ "غنی عن اللہ" ہے۔ پھر کہنے لگے یہ آخری درجہ کیا ہے اس بارے میں کچھ کہنا مناسب نہیں۔[2]

ارباب حال کے یہاں جو توکل پایا جاتا ہے اس میں اسباب وتدابیر کا ترک کرنا معمول، کسب معاش سے دست برداری محمود، سفر میں زادِ راہ لے کر چلنا معیوب، مرض کا علاج کرنا مذموم، مصیبت میں خدا سے دعا کرنا خلافِ اصول اور جنت کی آرزو اور جہنم سے نجات کے لیے عبادت کرنا اہلِ حال کے شایانِ شان نہیں۔ تصوف کے اس تصورِ توکل میں جمود اور ٹھہراؤ ہے۔ اس میں جد وجہد اور کش مکش کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ یہ انسان کی فطرت کے منافی ہے۔ اس کے برعکس اسلام نے جو تصورِ توکل پیش کیا ہے وہ حرکت وانقلاب سے عبارت ہے۔ اس میں انسان کی جد وجہد اور کوشش کو نمایاں مقام دیا گیا ہے۔ صوفیہ کا کہنا ہے کہ انسان کو اپنی زندگی کے تمام معاملات خدا کے سپرد کر کے اسباب وتدابیر سے دست کش ہونا چاہیے، جب کہ قرآن کی ہدایت ہے کہ انسان کو اللہ ہی کے نام سے تدبیر اختیار کر کے خدا پر مکمل بھروسہ کرنا چاہیے۔

انبیاے کرام سے بڑھ کر دانائے توکل کون ہوگا؟ اس لیے توکل کی تعلیم اور اس کا اظہار ان کے کارِ تبلیغ کا حصہ رہا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کے سامنے یوں توکل کا اظہار کیا:

يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِىْ	اے میری قوم! اگر میرا کھڑا ہونا اور اللہ کی آیات
وَتَذْكِيْرِىْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ	سے نصیحت کرنا تم پر بھاری ہے تو میرا بھروسہ
تَوَكَّلْتُ[3]	اللہ پر ہے۔

---

[1] خیر المجالس ص ۶۱، ۲۲۸

[2] تاریخ مشائخ چشت (تعارف) ۱: ۲۲

[3] سورہ یونس: ۷۱

حضرت ھود علیہ السلام کی قوم نے انکار کیا اور کہا کہ تم ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں لائے۔ اس پر حضرت ھود علیہ السلام نے کہا:

اِنِّیْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّیْ وَرَبِّكُمْ [1] میں اللہ تعالیٰ پر جو میرا اور تمہارا پروردگار ہے بھروسہ رکھتا ہوں۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو منکر پایا تو فرمایا:

وَمَا تَوْفِيْقِیْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ [2] اور مجھے توفیق کا ملنا خدا ہی کے فضل سے ہے میں اسی پر بھروسہ رکھتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے توکل کی تلقین کرتے ہوئے کہا:

يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ [3] اے بھائیو! اگر تم خدا پر ایمان لائے ہو، تو اگر (دل سے) فرمان بردار رہو تو اسی پر بھروسہ رکھو۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن مجید میں متعدد جگہ توکل کی تلقین کی گئی ہے۔ چنان چہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے ارشاد ہوتا ہے:

وَشَاوِرْهُمْ فِی الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ [4] اور اپنے کاموں میں ان سے مشورہ لیا کرو اور جب عزم صمیم کر لو تو خدا پر بھروسہ رکھو۔

---

[1] سورۃ ھود : ۵۶

[2] سورۃ ھود : ۸۸

[3] سورۃ یونس : ۸۴

[4] سورۃ آل عمران : ۱۵۹

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ[1]	اور اگر یہ لوگ صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی مائل ہو جاؤ اور خدا پر بھروسہ کرو بے شک وہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔

منافقین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہوتے تو کہتے کہ ہم آپ کے فرماں بردار ہیں، لیکن جب آپؐ کے پاس سے چلے جاتے تو راتوں کو مشورے کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو باخبر کرتے ہوئے فرمایا:

فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا[2]	ان کا کچھ خیال نہ کرو اور خدا پر بھروسہ رکھو اور خدا ہی کافی کارساز ہے۔

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین کی گئی کہ اگر لوگ آپ سے پھر جائیں تو آپ ان سے کہہ دیں:

حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ[3]	خدا میرے لیے کافی ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اسی پر میرا بھروسہ ہے اور وہی عرش عظیم کا مالک ہے۔

اوپر کی آیات میں کہا گیا ہے کہ انبیاءِ کرام توکل پر کس قدر زور دیتے تھے۔ عزم و ارادہ کی پختگی کے بعد بھی توکل کی تلقین ہے اور قوم کی نافرمانی اور روگردانی کے بعد بھی توکل ہی کا اظہار ہے۔ دشمنوں سے مقابلہ کرتے ہوئے بھی توکل کی سپر ہاتھ میں ہے اور صلح جوئی کی روش اپناتے وقت بھی توکل سہارا ہے۔ توکل ہی ان کا ماویٰ اور ملجا ہے اور یہی ناسازگار حالات میں پناہ گاہ اور قلعہ بھی۔ لیکن سراپا توکل ہونے کے باوجود انبیاءِ کرام نے اسباب و تدابیر کو ترک نہیں کیا اور نہ

---

[1] سورۃ الانفال: ۶۱

[2] سورۃ النساء: ۸۱

[3] سورۃ التوبہ: ۱۲۹، نیز دیکھیے الاحزاب: ۳، النمل: ۷۹، الفرقان: ۵۸

ہی انھوں نے حزم و احتیاط کو توکل کے خلاف سمجھا۔ روزی حاصل کرنے کے لیے وہ کسب معاش بھی کرتے رہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کا ذریعہ معاش کاشت کاری تھی۔ حضرت نوح علیہ السلام بڑھئی کا کام کرتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کھیتی کرتے تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام کا ذریعہ معاش کاشت کاری تھی[۱]۔ حضرت اسحاق علیہ السلام بھی کھیت بوتے تھے[۲]۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے ماموں لابان کی بکریاں ۱۴ سال تک چرائیں[۳]۔ حضرت شعیب علیہ السلام بکریاں چراتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آٹھ یا دس سال تک اجرت پر اُن کی خدمت کی اس دوران وہ ان کی بکریاں بھی چراتے تھے[۴]۔ حضرت ادریس علیہ السلام کپڑے سیتے تھے۔ حضرت صالح علیہ السلام تاجر تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام بھی زرہیں بنا کر روزی کماتے تھے[۵]۔ حضرت زکریا علیہ السلام نجار تھے[۶]۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب بھی کسی پیغمبر کو بھیجا تو وہ بکریوں کا گلہ بان تھا۔ صحابہ نے پوچھا حضرت کیا آپ بھی؟ آپ نے فرمایا "میں چند قیراط پر اہلِ مکہ کی بکریاں چرایا کرتا تھا[۷]" اس کے علاوہ آپ ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ($\frac{\text{۶۸ ق ھ - ۳ ھ}}{\text{۵۵۶ - ۶۲۰ ء}}$) کا سامانِ تجارت لے کر شام بھی گئے[۸]۔ حضرت ابوبکر صدیق کپڑے کی تجارت کرتے تھے۔ حضرت عمر فاروق بھی تاجر تھے وہ تجارتی سامان شام بھیجا کرتے تھے۔ حضرت عثمان

۱۔ تلبیس ابلیس ص ۲۸۱

۲۔ تورات، تکوین ۲۶ : ۱۳

۳۔ تورات، تکوین ۲۹ : ۱۵ - ۳۰

۴۔ تلبیس ابلیس ص ۲۸۱

۵۔ تلبیس ابلیس ص ۲۸۱

۶۔ سنن ابن ماجہ، ابواب التجارات، الصناعات حدیث ۲۱۶۵

۷۔ سنن ابن ماجہ، ابواب التجارات، الصناعات حدیث ۲۱۶۵

۸۔ سیرۃ ابن ہشام میں حضرت خدیجہ کی شادی اور قصہ بحیرا میں اس کی تفصیلات ہیں۔

ایک مالدار تاجر تھے۔ حضرت علی کی آمدنی کا ذریعہ زراعت اور نخلستان تھا۔ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف کا شمار مالدار تاجروں میں ہوتا ہے۔ حضرت سعد بن وقاص تیر بنایا کرتے تھے۔ حضرت زبیر ابن عوام خز کا کاروبار کرتے تھے۔ حضرت طلحہ بن عبید اللہ کا ذریعہ معاش تجارت تھا۔ ائمہ میں سے حضرت امام ابو حنیفہ خز کے بہت بڑے تاجر تھے۔ کبار ائمۂ اسلام میں سے بعض حضرات قفل سازی، کفش دوزی، رفوگری اور دوسرے پیشوں سے روزی کماتے تھے آج تک یہ حضرات اپنے ان پیشوں کے نام سے معروف ومشہور ہیں۔ صالحین میں سے حضرت ابراہیم بن ادہم باغ بانی کھیتی اور مزدوری کر کے کسب کرتے تھے۔ حضرت فضیل ابن عیاض اپنے ہاتھ کی کمائی پر گزر بسر کرتے تھے[1]

رزق کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ نے ذمہ داری اپنے سر لی ہے لیکن حصولِ رزق کے لیے انسانوں کو جدوجہد کرنے کا حکم بھی دیا ہے کیوں کہ جدوجہد اور کسب سے انسان وظیفۂ حیات پورا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ قوتوں اور صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرتا ہے۔

یہودیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ اپنے رب سے دعا کرو کہ وہ من و سلویٰ کے بدلہ ساگ سبزی عطا کرے، تو اللہ تعالیٰ نے کہا کہ کسی شہر میں جاؤ یہ چیزیں تم کو وہیں مل جائیں گی[2] مسلمانوں کو ایامِ حج میں بھی تجارت کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ اسلام کے بعد لوگ حج میں تجارت کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ نازل کی جس میں اجازت دی کہ عرفات سے لوٹ کر آ دیں تو تجارت کریں[3] ابو امامہ تیمی کا بیان ہے کہ میں سفرِ حج میں جانور کرایہ پر دیا کرتا تھا لوگ کہتے تھے کہ اس کا حج درست نہیں۔ میں عبد اللہ بن عمر سے ملا اور ان سے کہا اے ابو عبد الرحمٰن! میں ایک ایسا شخص

---

[1] انبیاء و صالحین کے کسب کے لیے دیکھیے: تلبیس ابلیس ص ۲۸۱ - ۲۸۲

[2] سورۃ البقرہ: ۶۱ اِهْبِطُوا مِصْرًا فَإِنَّ لَكُمْ مَا سَأَلْتُمْ

[3] سنن ابی داؤد، کتاب المناسک، باب التجارۃ فی الحج حدیث: ۱۷۱۷

ہوں جو سفرِ حج میں کرایہ کمایا کرتا ہے اور لوگ کہتے ہیں کہ تیرا حج درست نہیں ہوتا۔ ابن عمر نے جواب دیا کیا تم احرام نہیں باندھتے لبیک نہیں کہتے، طواف نہیں کرتے اور عرفات سے نہیں لوٹتے اور رمی جمار نہیں کرتے؟ میں نے جواب دیا کیوں نہیں میں یہ سب کام کرتا ہوں عبد اللہ ابن عمر نے کہا پھر تو تیرا حج درست ہے۔ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور ایسا ہی سوال پوچھا جیسا تم نے مجھ سے پوچھا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے کچھ جواب نہیں دیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی: " لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ " (سورۃ البقرۃ: ۱۹۸) تم پر کوئی گناہ نہیں کہ اپنے رب کا فضل تلاش کرو (یعنی سفرِ حج میں تجارت کرو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آدمی کو بلا بھیجا اور یہ آیت سنا دی[۱]۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ انسان کی بہترین غذا اس کے ہاتھ کی کمائی ہے[۲]۔ ایک حدیث میں کہا گیا ہے کہ بیوہ اور مسکین کی کفالت کا ذمہ دار مجاہد فی سبیل اللہ اور شب بیدار اور روزہ دار عابد کے مثل ہے[۳]۔ ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ انسان کی سب سے پاک کمائی اس کے ہاتھ کی کمائی ہے اور وہ جو کچھ اپنے نفس، اپنے اہل، اپنی اولاد اور اپنے خادم پر خرچ کرتا ہے وہ صدقہ ہے[۴]۔ ایک حدیث کے الفاظ یہ ہیں: "سچا دیانت دار تاجر انبیاء، صدیقین اور شہداء کی معیت میں ہوگا[۵]۔"

دشمنوں کے مقابلہ میں، کسی ناگہانی صورتِ حال کا سامنا کرتے وقت، حزم واحتیاط سے

---

[۱] سنن ابی داؤد، کتاب المناسک، باب الکری حدیث ۱۷۱۹

[۲] سنن ابن ماجہ، ابواب التجارات، باب الحث علی المکاسب، حدیث ۲۱۵۳، ۲: ۵

[۳] صحیح بخاری، کتاب الادب، باب الساعی الارملۃ، الجزء الثامن ص ۱۰، سنن ابن ماجہ، ابواب التجارات، باب الحث علی المکاسب، حدیث ۲۱۵۶، ۲: ۵

[۴] سنن ابن ماجہ ابواب التجارات، باب الحث علی المکاسب، حدیث ۲۱۵۴، ۲: ۵

[۵] سنن الترمذی، کتاب البیوع، باب ماجاء فی التجار، نیز دیکھیے سنن ابن ماجہ، ابواب التجارات، باب الحث علی المکاسب حدیث ۲۱۵۵، ۲: ۵، التاجر الامین الصدوق المسلم مع الشہداء یوم القیامۃ۔

کام لینا توکل کے خلاف نہیں ہے جیسا کہ صوفیہ کہتے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے باپ حضرت یعقوب علیہ السلام سے خواب بیان کیا تو آپ نے ازراہِ احتیاط فرمایا:

لَا تَقْصُصْ رُؤْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ — اپنا خواب اپنے بھائیوں سے بیان نہ کرنا،
فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ؕ[۱] — نہیں تو وہ کوئی فریب کی چال چلیں گے۔

جب حضرت یعقوبؑ کے گیارہ بیٹے غلہ لینے کے لیے مصر گئے تو چشمِ بد کے خوف سے انھیں

وَقَالَ يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ — ہدایت کی کہ بیٹو! ایک ہی دروازہ سے داخل
وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ — نہ ہونا بلکہ جدا جدا دروازوں سے داخل ہونا۔ اور
وَمَآ اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ — میں خدا کی تقدیر تم سے روک نہیں سکتا
اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ — بے شک حکم اسی کا ہے اسی پر میں نے توکل کیا
وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ[۲] — توکل کرنا چاہیئے۔

حضرت موسیٰؑ کے قتل کی بات کا چرچا ہوا تو ایک شخص شہر سے دوڑتا ہوا آیا اور کہا اے موسیٰ! شہر کے رئیس لوگ تمہارے بارے میں مشورہ کر رہے ہیں کہ تم کو مار ڈالیں، اس لیے تم یہاں سے نکل جاؤ تو حضرت موسیٰؑ وہاں سے ڈرتے ڈرتے نکل گئے اور دعا کرنے لگے: "اے پروردگار! مجھے ظالم لوگوں سے نجات دے[۳]"۔ ہمارے نبی آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے قتل کا منصوبہ طے کیا گیا تو آپ صلے اللہ علیہ وسلم راتوں رات مکہ سے نکل گئے[۴]۔

صوفیہ کے لیے زادِ راہ ساتھ لے کر چلنا بھی خلافِ توکل سمجھا جاتا ہے، حالاں کہ حضرت موسیٰ حضرت خضر سے ملاقات کرنے کو روانہ ہوئے تو تلی ہوئی مچھلی ساتھ لی[۵]۔ اصحابِ کہف بھی زادِ راہ لے کر

---

[۱] سورہ یوسف: ۵

[۲] سورہ یوسف: ۶۷

[۳] سورۃ القصص: ۲۰ و ۲۱ فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ ؗ قَالَ رَبِّ نَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ

[۴] تلبیس ابلیس ص ۲۸۰

[۵] سورۃ الکہف: ۶۱، صحیح بخاری۔ کتاب العلم، باب ما یستحب للعالم اذا سئل ای الناس اعلم ۱: ۴۱

غار میں سوئے تھے چناں چہ انھوں نے ایک آدمی کو چند درہم دے کر شہر روانہ کیا تاکہ وہ ان کے لیے کھانا لائے[1] اہلِ یمن حج کو آتے تو زادِ راہ ساتھ نہیں رکھتے وہ کہتے تھے کہ ہم متوکل ہیں۔ مکہ پہنچ کر لوگوں سے سوال کرتے اس پر سورۃ البقرۃ کی یہ آیت (آلایۃ : ۱۹۷) نازل ہوئی:

وَتَزَوَّدُوا فَاِنَّ خَیْرَ الزَّادِ التَّقْوٰی[2] — زادِ راہ لے کر چلو کیوں کہ بہتر زادِ راہ یہ ہے کہ آدمی سوال سے بچے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کی رات نکلے تو غار میں زادِ راہ لے کر گئے[3]۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تنہا سفر کرنے سے منع فرمایا اور سفر کو عذاب کا ایک ٹکڑا قرار دیا:

"سفر عذاب کا ایک ٹکڑا ہے جو تمھیں کھانے پینے اور آرام سے روکتا ہے جب کام ہو جائے تو گھر لوٹنے کی کوشش کرو[4]۔"

چنانچہ اسلام میں سیاحت نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ اور نہ ہی اسلام نے بے مقصد سفر و سیاحت کی اجازت دی ہے۔

مرض کا علاج کرنا بھی صوفیہ کے یہاں خلافِ توکل سمجھا جاتا ہے لیکن یہ بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایک بیماری لاحق ہوئی قوم کے اصرار کے باوجود آپ نے اس کا علاج نہیں کیا اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تادیب کی گئی کہ اے موسیٰ! میں نے دواؤں میں جو فائدے رکھے ہیں تم انھیں نظر انداز کر کے میری اس

---

[1] سورۃ الکھف : ۱۹

[2] صحیح بخاری۔ کتاب الحج، باب قول اللہ تعالیٰ : وتزودوا فان خیر الزاد التقویٰ، الجزء الثانی ص ۱۶۴،
سنن ابی داؤد، کتاب المناسک، باب التجارۃ فی الحج حدیث : ۱۷۱۶

[3] صحیح بخاری۔ کتاب ھجرۃ النبی واصحابہ الی المدینۃ، الجزء الخامس ص ۷۵

[4] صحیح بخاری۔ کتاب العمرۃ، باب السفر قطعۃ من العذاب، الجزء الثالث ص ۱۰

حکمت کو باطل کرنا چاہتے ہو جو میں نے دواؤں میں رکھی ہے[1] آن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حالتِ احرام میں آشوبِ چشم کے مریض کو ایلوے کا لیپ کرنے کی اجازت دی ہے[2] آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اعرابیوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ہم مرض کا علاج کریں؟ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا: "علاج کیا کرو کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے بڑھاپے کی بیماری کے سوا کوئی ایسی بیماری پیدا نہیں کی جس کی دوا پیدا کی نہ ہو[3] ایک اور حدیث میں فرمایا ہے کہ خدا نے کوئی ایسی بیماری نازل نہیں کی جس کی شفا نہ نازل کی ہو[4] صوفیہ کہتے ہیں کہ علاج تقدیرِ الٰہی سے مقابلہ کرنا ہے، لیکن آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "دوا بھی تقدیرِ الٰہی میں سے ہے"[5]۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم احد کی جنگ میں زخمی ہوئے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا (۱۸ ق ھ - ۱۱ ھ / ۶۰۵ - ۶۳۲ء) نے

---

[1] قوت القلوب ۳ : ۳۱

[2] تلبیس ابلیس ص ۲۸۷

[3] سنن ابی داؤد، کتاب الطب، باب الرجل یتداوی، "لم یضع داء وضع لہ دواء غیر داء واحد الھرم" امام نووی کا کہنا ہے کہ اس حدیث میں علاج کے مستحب ہونے کا اشارہ ہے۔ قاضی عیاض کا کہنا ہے کہ یہ حدیث علوم دین و دنیا کی جامع ہے اس میں علم طب کی صحت، اور علاج کا جواز ہے نیز اس میں غلاۃ صوفیہ کی تردید ہے جو علاج کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہر چیز قضا و قدر سے تعلق رکھتی ہے اس لیے علاج کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ حدیث اور اس جیسی دوسری حدیثیں علما کی دلیلیں ہیں ان کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی فاعل ہے اور دوا کرنا بھی تقدیرِ الٰہی میں سے ہے اور یہ ایسا ہی ہے جیسے دعا کرے۔ کافروں سے قتال کرنے اور قلعہ بندی کرنے کا حکم آیا ہے، یا ہلاکت میں اپنے آپ کو ڈالنے کی ممانعت کی گئی ہے حالاں کہ اجل میں تغیر نہیں ہو سکتا اور نہ تقدیرِ الٰہی کے اوقات میں تقدیم و تاخیر ہو سکتی ہے اور نہ مقدرات کے وقوع کو ٹالا جا سکتا ہے۔

[4] صحیح بخاری، کتاب الطب باب ما انزل اللہ داء الا انزل لہ شفاء، الجزء السابع ص ۱۵۸، سنن ابن ماجہ، ابواب الطب، ما انزل اللہ داء الا انزل اللہ شفاء حدیث : ۳۴۸۱

[5] سنن ابن ماجہ، ابواب الطب، باب ما انزل اللہ داء الا انزل اللہ شفاء حدیث : ۳۴۸۰، ۲ : ۵ "ھی من قدر اللہ"۔

چٹائی کا ٹکڑا جلا کر زخم میں بھر دیا جس سے خون تھم گیا[1]۔

صوفیہ کا کہنا ہے کہ نامساعد حالات سے نکلنے کے لیے جدوجہد کرنا شیوۂ تسلیم ورضا کے خلاف ہے۔ شیخ ذوالنون مصری کہتے ہیں کہ میں برسوں سفر میں رہا لیکن صرف ایک مرتبہ حقیقی توکل تک پہنچا۔ میں سمندری سفر پر تھا کہ جہاز شکستہ ہو گیا۔ میں نے اس کے ایک ٹکڑے کا سہارا لیا پھر میرے دل نے کہا کہ اگر ڈوبنا ہی مقدر ہے تو لکڑی کا یہ ٹکڑا کیا فائدہ پہنچا سکتا ہے چنانچہ میں نے اس کا سہارا چھوڑ دیا اور پھر پانی کی موجوں نے مجھے ساحل تک پہنچایا[2]۔ ایک بزرگ (دینوری) کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے پیادہ پا اور برہنہ سر بارہ حج کیے۔ جب ان کے پاؤں میں کوئی کانٹا چبھ جاتا تو پاؤں کو زمین سے رگڑتے تھے اور چلتے چلے جاتے تھے کانٹا نکالنے کے لیے زمین کی طرف نہیں جھکتے تھے تاکہ توکل صحیح رہے[3]۔ حالاں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنگِ احد میں زخمی ہو کر گڑھے میں گر پڑے تو حضرت علیؓ نے انھیں سہارا دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکل آئے[4]۔ جنگِ احد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک میں مغفر کی دو کڑیاں چبھ گئیں جنھیں ابوعبیدہؓ بن الجراح نے اپنے دانتوں سے نکالا جس سے ان کے دانت ٹوٹ گئے[5]۔

دشمنوں کے نرغہ سے نکلنے کے لیے دعا کرنا بھی اربابِ حال کے یہاں تصوف کی خلاف ورزی سمجھا جاتا ہے۔ حالاں کہ انبیاءِ کرام تک نے اللہ تعالیٰ سے اپنے اور اپنی قوم کے لیے دعائیں کی

۱؎ صحیح بخاری، کتاب الطب، باب حرق الحصیر لیسد به الدم، الجزء السابع ص ۱۶۷

۲؎ تلبیس ابلیس ص ۲۷۸، علامہ ابن جوزی کہتے ہیں کہ ایک بار حضرت عیسیٰؑ جب پہاڑ پر نماز پڑھ رہے تھے کہ شیطان آیا اور پوچھا کیا آپ سمجھتے ہیں کہ ہر چیز کا انحصار قضا وقدر پر ہے؟ آپ نے جواب دیا: "ہاں"۔ شیطان نے کہا: "تب آپ خود کو اس پہاڑ کی چوٹی سے گرا دیجیے اور کہیے کہ میرے لیے یہی مقدر تھا"۔ حضرت عیسیٰ نے فرمایا: "بدبخت اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آزماتا ہے بندہ کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ خدا کو آزمائے"۔ دیکھیے تلبیس ابلیس ص ۲۸۱

۳؎ تلبیس ابلیس ص ۳۰۷

۴؎ ابن حزم الاندلسی۔ جوامع السیرۃ النبویہ مکتبۃ التراث الاسلامی ادارۃ الازہر مصر ۱۹۸۲ء ص ۱۲۷

۵؎ جوامع السیرۃ النبویہ ص ۱۲۷

ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام کو ان کی قوم نے دھمکی دی کہ اگر تم باز نہ آئے تو سنگسار کر دیے جاؤ گے۔ اس پر حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی:

رَبِّ اِنَّ قَوْمِیْ کَذَّبُوْنِ فَافْتَحْ بَیْنِیْ وَ بَیْنَھُمْ فَتْحًا وَّ نَجِّنِیْ وَ مَنْ مَّعِیَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ [1]	پروردگار! میری قوم نے تو مجھے جھٹلا دیا سو تو میرے اور ان کے درمیان کھلا فیصلہ کر دے اور مجھے اور جو میرے ساتھ ہیں ان کو بچا لے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو بزدل پایا تو دعا کی:

اِنِّیْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِیْ وَ اَخِیْ فَافْرُقْ بَیْنَنَا وَ بَیْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ [2]	میں صرف اپنے نفس اور اپنے بھائی پر اختیار رکھتا ہوں پس ہمارے اور ان فاسقوں کے درمیان تفریق کر۔

خود حضرت موسیٰ کی قوم نے ان الفاظ میں دعا کی:

وَ نَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ [3]۔

تصوف میں کرب و اذیت کا اظہار توکل کے منافی تصور کیا جاتا ہے لیکن قرآن میں آیا ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کو جب مچھلی نگل گئی تو اندھیرے میں خدا کو پکارنے لگے:

لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ [4]	تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو پاک ہے اور بے شک میں قصوروار ہوں۔

حضرت ایوب علیہ السلام کی آزمائش کی گئی تو آپ نے اللہ کے حضور میں کرب و اضطراب کا یوں اظہار کیا:

اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ [5]	مجھے ایذا ہو رہی ہے اور تو سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔

---

[1] سورۃ الشعراء: ۱۱۷ و ۱۱۸
[2] سورۃ المائدہ: ۲۸
[3] سورۃ یونس: ۸۶
[4] سورۃ الانبیاء: ۸۷
[5] سورۃ الانبیاء: ۸۳

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم سرکشی سے باز نہ آئی اور الٹا حضرت لوطؑ سے کہا کہ اگر تم سچے ہو تو ہم پر خدا کا عذاب لے آؤ۔ حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی اس سرکش اور بدکار قوم کے خلاف اللہ تعالیٰ سے دعا کی :

رَبِّ انْصُرْنِیْ عَلَی الْقَوْمِ الْمُفْسِدِیْنَ [1]	اے میرے پروردگار! ان مفسدوں کے خلاف تو میری نصرت فرما۔

مومنوں کو دعا تلقین کی گئی جس کا آخری حصہ یہ ہے : فَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ [2]

توکل کا مفہوم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین کیا ہے اس سے کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ انسان کو اسباب و تدابیر سے صرفِ نظر کرنا چاہیے، بلکہ اس کے برعکس مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے دشمنوں کے خلاف جہاد کی تیاری کرتے رہیں، زمین میں روزی تلاش کریں اور آفات و بلیات کے دفعیہ کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا :

وَاَعِدُّوْا لَھُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَیْلِ تُرْھِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّکُمْ وَاٰخَرِیْنَ مِنْ دُوْنِھِمْ ج لَا تَعْلَمُوْنَھُمْ اَللّٰهُ یَعْلَمُھُمْ ط وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ یُوَفَّ اِلَیْکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ [3]	اور ان (کافروں) کے لئے جس قدر تم سے ہو سکے قوت (یعنی ہتھیار) سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے سامان درست رکھو تاکہ اس کے ذریعہ سے تم اپنا رعب جمائے رکھو ان پر (جو کفر کی وجہ سے) اللہ کے دشمن اور تمہارے دشمن ہیں اور انکے علاوہ دوسروں پر بھی جنکو تم (بالتعیین) نہیں جانتے ان کو اللہ ہی جانتا ہے اور اللہ کی راہ میں جو کچھ خرچ کرو گے وہ تم کو پورا پورا دیا جائے گا اور تمہارے لیے کچھ کمی نہ ہوگی۔

---

[1] سورۃ العنکبوت : ۳۰

[2] سورۃ البقرۃ : ۲۸۶

[3] سورۃ الانفال : ۶۰

اگر توکل کا وہ مفہوم ہوتا جو صوفیہ کہتے ہیں تو اس آیت میں دشمنوں کے خلاف جہاد کی تیاری کا حکم نہ دیا جاتا۔ حالاں کہ متوکلین کے سردار رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے نو جنگوں میں بہ نفس نفیس شرکت فرمائی اور کبھی یہ نہیں فرمایا کہ جہاد کے لیے اسلحہ کی تیاری تقدیر الٰہی کا مقابلہ کرنا ہے یا اسلحہ جمع کرنے سے انسان دائرۂ توکل سے نکل جاتا ہے۔ مدنی زندگی میں عسکری تیاریوں کی تفصیلات کا یہاں موقع نہیں ہے ورنہ قائد بدر و حنین صلے اللہ علیہ وسلم کی دور اندیشی، حزم و احتیاط اور عسکری صلاحیت کا مطالعہ کرنے سے خود توکل کا صحیح مفہوم تلاش کرنے میں مدد ملتی۔ تاہم تاریخ کے طالب علم سے مخفی نہیں کہ آپؐ نے بے سرو سامانی کی حالت میں بھی جنگی اسلحہ کی فراہمی میں کس قدر کوشش کی۔ بعض موقعوں پر آپؐ نے دوسرے لوگوں سے جنگ کے لیے ہتھیار مستعار لیے۔ فوج کے پڑاؤ کے لیے صحابہ سے مشورہ کیا۔ میدانِ جنگ میں جس درہ سے دشمنوں کے حملہ کا اندیشہ تھا وہاں تیرانداز مقرر کیے۔ آپؐ نے حضرت سلمان فارسیؓ کے مشورہ پر مدینہ کے گرد خندق کھدوائی۔ غرض فوجی نقطۂ نظر سے ان تمام تدابیر سے کام لیا جو ایسے موقعوں پر ناگزیر سمجھی جاتی ہیں۔

اہل و عیال کو نان و نفقہ دینا بھی توکل کے منافی نہیں ہے جیسا کہ بعض صوفیہ خیال کرتے ہیں۔ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم خود اُمّہات المومنین کو سال بھر کے لیے نفقہ دیتے تھے۔[1] حضرت سعد بن وقاص رضؓ بیمار پڑے تو آپ صلے اللہ علیہ وسلم ان کی عیادت کو تشریف لے جاتے تھے۔ حضرت سعدؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس مال ہے میں وہ سارا راہِ خدا میں صرف کر دینے کی وصیت کرنا چاہتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: "نہیں"۔ حضرت سعدؓ نے عرض کیا "یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تب میں اِس کا نصف صدقہ کرنے کی وصیت کروں؟" آپؐ نے فرمایا: "نہیں"۔ حضرت سعدؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ایک تہائی خیرات کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

[1] صحیح بخاری، کتاب النفقات، باب حبس نفقۃ الرجل قوت سنۃ علیٰ اھلہ وکیف نفقات العیال، الجزء السابع ص ۸۱، کان یبیع نخل بنی النضیر ویحبس لاھلہ قوت سنتھم۔

نے اجازت دی لیکن فرمایا: "یہ بھی بہت زیادہ ہے اگر تم اپنے وارثوں کو اغنیا چھوڑو گے تو یہ بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ تم انھیں محتاج چھوڑو گے کہ وہ لوگوں سے سوال کرتے پھریں"[۵]۔

اللہ تعالیٰ کی برکات سے بے نیازی کا کوئی دعویٰ بھی نہیں کر سکتا۔ حضرت ایوب علیہ السلام خدا تعالیٰ کے برگزیدہ پیغمبر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں بے شمار مال و دولت عطا کی تھی۔ ایک دفعہ کپڑے اتار کر نہا رہے تھے کہ سونے کی ٹڈیاں ان پر گرنے لگیں۔ حضرت ایوبؑ انھیں اپنے کپڑوں میں سمیٹنے لگے۔ اللہ نے وحی کی اے ایوب! کیا میں نے تمھیں مال و دولت دے کر اس سے بے نیاز نہیں کیا ہے؟ حضرت ایوبؑ نے جواب دیا: "میرے پروردگار! کیوں نہیں، لیکن میں آپ کی برکت سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔"[۶]

صوفیہ کے یہاں جنت اور جہنم میں تمیز کرنا یا جنت کی لالچ اور جہنم کے خوف کی بنا پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا توکل کے خلاف ہے۔ نیز ان کے نزدیک اخلاص کا تقاضا یہ ہے کہ بندہ جب اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے تو اس کے دِل میں نہ تو جنت کی آرزو رہے کیوں کہ یہ آرزو اور طمع ہے اور نہ جہنم کا خوف، کہ یہ ایک طرح کی خود غرضی ہے۔ صوفیہ کے اس خیال کو شعر و ادب میں بے حد پذیرائی حاصل ہوئی۔ شعراء نے اپنی شاعری میں امیدِ جنت اور خوفِ جہنم کی بنا پر عبادت کرنے والوں کا مذاق اڑایا۔ صوفیہ کے اس تصور سے متاثر ہو کر بعض علماء بھی یہ کہنے لگے کہ مخلصانہ عبادت کو عذاب و ثواب اور جزا و سزا سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ یہ خیال پہلی صدی ہجری میں پیدا ہوا اور تیزی سے مسلمانوں کے ان حلقوں میں مقبول ہوتا گیا جو اخلاصِ توکل پر گفتگو کرتے تھے۔ فارسی شعراء نے جو بالعموم تصوف کے مذاق آشنا رہے ہیں، اس خیال کی بھرپور وکالت کی اور رفتہ رفتہ وہ لوگ بھی یہی بولی بولنے لگے جنھیں تصوف یا حال سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ ان میں سے بعض اہلِ علم نے بہ غرض جنت یا بہ خوف جہنم عبادت کرنے

---

[۵] صحیح بخاری۔ کتاب النفقات، فضل النفقة علی الاھل، الجزء السابع ص ۸۰

[۶] صحیح بخاری۔ کتاب التوحید، باب ولقد سبقت کلمتنا لعبادنا المرسلین، الجزء التاسع ص ۱۶۵۔

کی تضحیک کی اور اسے "سوداگری"۔ "لین دین" اور "بیع" سے تعبیر کیا۔ حالاں کہ اللہ تعالیٰ خود اسے معاہدہ سے تعبیر کرتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ	بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں اور
اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ	مالوں کو اس بات کے عوض خرید لیا ہے کہ ان کو جنت
لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ	ملے گی وہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں قتل
اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ وَعْدًا	کرتے ہیں اور قتل کیے جاتے ہیں، اس پر سچا وعدہ
عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ	(کیا گیا) ہے تورات میں (بھی)، اور انجیل میں (بھی)
وَالْقُرْاٰنِ ؕ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ	اور قرآن میں (بھی) اور (یہ مسلم ہے کہ) اللہ سے زیادہ
مِنَ اللّٰهِ تعالیٰ فَاسْتَبْشِرُوْا	اپنے عہد کو کون پورا کرنے والا ہے تو تم لوگ اپنی
بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَ	اس بیع پر جس کا تم نے اس سے (یعنی اللہ سے) معاملہ
ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ [1]	ٹھہرایا ہے خوشی مناؤ اور یہ بڑی کامیابی ہے۔

صوفیہ کا یہ تصورِ عبادت اسلام کے تصورِ عبادت سے مختلف ہی نہیں متصادم بھی ہے۔ قرآن میں خود اللہ تعالےٰ نے جنت و جہنم، عذاب و ثواب اور جزا و سزا کا ذکر کیا ہے۔ اگر وہ مومنوں کو جنت کی بشارت اور کافروں کو جہنم کی وعید نہ سُناتا تو کس کی مجال تھی کہ اس قسم کا مطالبہ کرتا۔ دراصل جنت اور جہنم کی تخلیق حکمت، فضل، عدل پر مبنی ہے۔ خدا تعالیٰ بندوں کے احوال

---

[1] سوداگری نہیں یہ عبادت خدا کی ہے — اے بے خبر جزا کی تمنا بھی چھوڑ دے — اقبال

جنت ملامی و حور و غلام — جنت آزادگان سیر دوام — "

جس کا عمل ہے بے غرض اس کی جزا کچھ اور ہے — بادہ و جام سے گزر، حور و خیام سے گزر — "

طاعت میں تا رہے نہ مئے و انگبیں کی لاگ — دوزخ میں ڈال دے کوئی لے کر بہشت کو — غالب

ما را بہشت تو اگر بطاعت بخشی — ایں بیع بود لطف و عطائے تو کجاست — خیام

[1] سورۃ التوبہ: ۱۱۱

سے اور ان کی مصلحتوں سے زیادہ واقف ہے۔ اس نے حکمت کی بنیاد پر اپنے نیک اور صالح بندوں کے لیے جنت کا انعام اور سرکشوں اور مجرموں کے لیے جہنم کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اگر وہ کسی کو جنت میں داخل کرے تو اس کی رضا کا اظہار ہے۔ اگر وہ کسی کو جہنم میں ڈال دے تو یہ اس کے قہر و غضب کی دلیل ہے۔ اگر کوئی شخص جنت کے لیے دعا یا عبادت کرتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے خود اسے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے۔ جنت کے لیے عبادت کرنا خود بندے کی اپنی ایجاد نہیں ہے جو اس کو موردِ الزام بنایا جائے۔ اگر خدا تعالیٰ جنت کا وعدہ نہ کرتا تو بندہ کی یہ ہمت کہاں کہ وہ اپنے خالق سے اجر و جزا کا مطالبہ کرتا۔ کوئی شخص محض اپنے اعمال سے جنت کا حق دار نہیں ہو سکتا اور نہ ہی کوئی اپنے اعمال سے جہنم سے بچ سکتا ہے، اسی لیے کہا گیا ہے کہ اگر اللہ تعالےٰ کسی بندہ کو جنت میں داخل کرے تو یہ اس وجہ سے نہیں کہ اس نے اعمالِ صالحہ کی بنا پر جنت کا اپنے آپ کو مستحق بنا لیا ہے، بلکہ یہ اللہ تعالےٰ کا فضل ہوگا، اگر وہ کسی کو جہنم میں ڈال دے تو یہ اس کا عدل ہوگا۔ اگر صوفیہ ہی کے نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تب بھی یہ بات بعید از فہم ہے کہ عذاب و ثواب کو نظر انداز کیا جائے۔ جنت اللہ تعالیٰ کا انعام ہے جس طرح دوزخ اس کا عذاب ہے۔ مالک کے انعام کو حقارت سے دیکھنا اور اس کے قہر و غضب سے بے پرواہ ہونا بندے کی گستاخی کی دلیل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خدا کی وحدانیت اور اس کے جلال و جبروت سے جو انسان جتنا زیادہ باخبر ہوگا وہ اتنا ہی اللہ تعالیٰ کا خوف رکھتا ہے۔ قرآن میں کہا گیا ہے:

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا[1]	بے شک اللہ تعالیٰ سے اہلِ علم ہی ڈرتے ہیں۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ کا خوف رکھنے والے بندوں کی جا بہ جا تعریف آئی ہے کیوں کہ خوفِ الٰہی سے انسان کے اندر اعمالِ صالحہ کی رغبت اور منہیات سے پرہیز کرنے کا داعیہ پیدا ہوتا ہے۔ لیکن اس خوف میں اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا جذبہ بھی شامل ہوتا ہے۔ قرآن میں ابرار کا وصف بیان

---

[1] سورۃ الفاطر: ۲۸

کہتے ہوئے کہا گیا ہے:

یُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُوْنَ	وہ لوگ واجبات کو پورا کرتے ہیں اور ایسے دن
يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا	سے ڈرتے ہیں جس کی سختی عام ہوگی اور وہ لوگ
وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ	(محض) خدا کی محبت سے غریب اور یتیم اور قیدی
مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا. اِنَّمَا	کو کھانا کھلاتے ہیں۔ ہم تم کو محض اللہ کی رضا
نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ	مندی کے لیے کھانا کھلاتے ہیں نہ ہم تم سے
جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا. اِنَّا نَخَافُ مِنْ	(اس کا فعلی) بدلہ چاہیں اور نہ (اس کا قولی) شکریہ
رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا[1]	ہم اپنے رب کی طرف سے ایک سخت اور تلخ دن کا اندیشہ رکھتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ کاملین خشوع و خضوع اور خوفِ الٰہی میں تمام لوگوں میں سب سے زیادہ استغفار کرتے ہیں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ معرفت رکھتے تھے فرمایا کرتے تھے:

واللّٰہِ انی لاستغفر اللّٰہ واتوب الیہ	قسم بخدا میں اللہ تعالیٰ سے دن میں ستّر سے
فی الیوم اکثر من سبعین مرۃ[2]	زائد بار مغفرت چاہتا ہوں اور توبہ کرتا ہوں۔

نیز کہا گیا ہے کہ مومن اپنے گناہ کو اس حیثیت سے دیکھتا ہے گویا وہ ایک پہاڑ کے نیچے بیٹھا ہے جس کے بارے میں اسے خوف ہے کہ اس پر گر پڑے گا، اور فاجر اپنے گناہوں کو مکھی خیال کرتا ہے جو اس کی ناک پر سے گزرتی ہے[3]۔

بیم و رجاء سے ماوراء ہونے کا دعویٰ صرف صوفیہ کو ہے ورنہ ایمان بیم و رجاء کے درمیان ہے۔ خدا نے خود انسان کو حکم دیا ہے کہ طمع اور خوف کے ساتھ دعا کرو:

وَلَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا	اور زمین میں اصلاح ہو چکنے کے بعد فساد مت کرو
وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا. اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ	اور خوف اور آرزو کے ساتھ اسی کو پکارو بیشک اللہ
قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ[4]	کی رحمت نیکو کاروں کے قریب ہے۔

---

[1] سورۃ الدھر: ۷-۱۰

[2] صحیح بخاری۔ کتاب الدعوات، باب الاستغفار النبی فی الیوم واللیلۃ، الجزء الثامن ص ۸۳

[3] صحیح بخاری۔ کتاب الدعوات، باب التوبۃ، الجزء الثامن ص ۸۳-۸۴

[4] سورۃ الاعراف: ۵۶

انبیاءِ کرام اور صالحین تک نے جنت کے لیے دعا کی ہے۔حضرت ابراہیم علیہ السّلام جن کا اسوہ مسلمانوں کے لیے نمونہ ہے، کی دعا خود قرآن میں مذکور ہے۔ انھوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہوئے کہا :

وَاجْعَلْنِیْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِیْمِ۔[1] اور مجھے جنتِ نعیم کے وارثوں میں سے بنا۔

اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کے لیے فرعون کی بیوی کو مثال بنا کر اُن کی دعا کا ذکر کیا ہے :

رَبِّ ابْنِ لِیْ عِنْدَکَ بَیْتًا فِی الْجَنَّةِ وَنَجِّنِیْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۔[2]

پروردگار! اپنے پاس جنت میں میرے لیے ایک گھر بنا اور مجھے فرعون اور اس کے عمل سے نجات دے اور مجھے ظالم قوم سے نجات دے۔

قرآن میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے وہ فرشتے جو عرشِ عظیم کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو اس کے گرد ہوتے ہیں، ایمان داروں کے لیے مغفرت کی دعا مانگتے ہیں اور کہتے ہیں : " اے اللہ! انھیں عذابِ جحیم سے دور رکھ"[3] نیز یہی فرشتے دعا کرتے ہیں :

رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِۨ الَّتِیْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّیّٰتِهِمْ ؕ اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ۔[3]

اے ہمارے پروردگار انھیں عدن کے جنات میں داخل کر جس کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے اور ان کے صالح باپوں، بیویوں اور ذریات کو۔ بے شک تو غالب اور حکمت والا ہے۔

خود آں حضرت صلی اللہ علیہ نے آخرت میں بہترین زندگی اور آگ سے بچنے کی دعا مانگی ہے۔ آپ صلے اللہ علیہ وسلم اکثر یہ دعا مانگا کرتے تھے :

---

[1] سورۃ الشعراء : ۸۵

[2] سورۃ التحریم : ۱۱

[3] سورۃ المومن : ۷، رَبَّنَا وَسِعْتَ کُلَّ شَیْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِیْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِیْلَکَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِیْمِ۔

اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّ فِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ[1]
اے اللہ میرے پروردگار ہم کو دنیا میں بہتری عطا کر اور آخرت میں بہتری عطا فرما اور ہم کو آگ کے عذاب سے بچا۔

انبیاءِ کرام سے لے کر صالحین تک تمام اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے عبادت کرتے ہیں۔ اسی رضا کے نتیجہ میں انھیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنت عطا کی جائے گی۔ اس لیے یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ انسان کو امید و خوف سے بالاتر ہو کر عبادت کرنی چاہیے۔ عبادت کا جو تصور اسلام نے دیا ہے ارفع واعلیٰ ہے۔ اس سے بلند اور برتر تصور کی تلاش وہی لوگ کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے جلال و جبروت اور انسان کی کمزوری سے ناواقف اور بے خبر ہیں۔

توکل کا جو مفہوم احادیثِ نبویؐ سے مترشح ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ انسان کو ہر حال میں اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ حقیقی فاعل اور کارساز وہی ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مجھ پر امتیں پیش کی گئیں ایک نبی گزرنے لگا اس کے ساتھ اس کی امت تھی، دوسرا نبی گزرنے لگا تو اس کے ساتھ ایک ہی امتی تھا، ایک نبی کے ساتھ دس آدمی تھے، ایک اور نبی گزرا تو اس کے ساتھ پانچ آدمی تھے۔ ایک نبی تنہا گزرا۔ میں نے نظر دوڑائی تو ایک بڑی جماعت دیکھی، میں نے پوچھا اے جبرئیل! کیا یہ میری امت ہے؟ کہا: "نہیں۔ آپ افق کی جانب توجہ فرمائیں"۔ میں نے دیکھا تو بہت بڑی جماعت تھی۔ جبرئیل نے کہا یہ آپ کے امتی ہیں اور یہ جو ستر ہزار ان کے آگے ہیں ان کا نہ حساب ہے اور نہ ان کے لیے عذاب ہے۔ میں نے پوچھا کس وجہ سے؟ جبرئیل نے کہا: "یہ لوگ داغ نہیں لگاتے جھاڑ پھونک نہیں کرتے، شگون نہیں لیتے اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔ حضرت عُکاشہؓ ابن محصن کھڑے ہو گئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان میں شامل کرے۔

---

[1] صحیح بخاری۔ کتاب الدعوات، باب قول النبی صلے اللہ علیہ وسلم رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً، الجزء الثامن ص ۱۰۳

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی اے اللہ! اسے ان میں شامل فرما۔ اس کے بعد ایک شخص اور کھڑا ہوا اور عرض گزار ہوا یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان میں شامل کرے۔ آپؐ نے فرمایا: "عکاشہ تم پر سبقت لے گئے۔"[1]

ایک حدیث میں انسان کو روزی کے لیے اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے کی تلقین کی گئی ہے اور اس معاملہ میں پرندوں کی زندگی کی مثال دی گئی ہے۔ چنانچہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لو أنکم توکلتم علی اللہ حق توکلہ لرزقکم کما یرزق الطیر، تغدو خماصًا و تروح بطانًا۔[2]	اگر تم اللہ تعالیٰ پر توکل کرو جیسا کہ اس کے توکل کا حق ہے تو وہ تمہیں اسی طرح روزی دے گا جس طرح پرندوں کو دیا جاتا ہے جو صبح کو بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو شکم سیر ہو کر لوٹتے ہیں۔

بعض لوگ اس حدیث سے ترکِ کسب پر دلیل لاتے ہیں جو صحیح نہیں ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ انسان کو کسب اور جد و جہد کے دوران اپنی تگ و دو پر نہیں بلکہ اللہ پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ خود اس حدیث میں پرندوں کا صبح کو رزق کی طلب میں نکلنا مراد ہے۔[3] اس لیے اس حدیث سے ترکِ کسب اور کاہلی پر استدلال کرنا لایعنی ہے۔ حضرت امام احمد ابن حنبل سے پوچھا گیا کہ آپ اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہیں جو مسجد میں بیٹھے اور کہے کہ میں کوئی پیشہ نہیں کروں گا میرا

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب یدخل الجنۃ سبعون الفا بغیر حساب، الجزء الثامن ص ۱۴۰۔ ۱۴۱، کتاب الطب، باب من اکتوی او کوی غیرہ وفضل من لم یکتو، الجزء الثامن ص ۱۶۳، کتاب الرقاق، باب ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ، الجزء الثامن ص ۱۲۴، یدخل الجنۃ من امتی سبعون الفا بغیر حساب ھم اللذین لا یسترقون ولا یتطیرون وعلی ربھم یتوکلون۔

[2] سنن ابن ماجہ، ابواب الزھد، التوکل والیقین، حدیث ۴۲۱۶، ۲: ۴۱۹

[3] تلبیس ابلیس ص ۲۸۴

رزق میرے پاس خود چل کر آ جائے گا۔ انھوں نے جواب دیا: "وہ شخص جاہل ہے"[1]

توکل کی بہترین وضاحت کے لیے یہ واقعہ کافی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا میں اپنی اونٹنی کو باندھ دوں اور پھر خدا پر توکل کروں یا اسے کھلا چھوڑ دوں اور توکل کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اسے باندھ دو اور توکل کرو"[2] جد وجہد اور تگ و دو کرنے والے انسان کو دو نعمتوں میں سے ایک کے ملنے کی امید ہوتی ہے۔ اگر وہ اپنی جد و جہد میں کامیاب و کامران ہو اور خدا کا شکر ادا کرے تو اس کا شمار شاکرین میں ہوگا، اگر وہ اپنی تگ و دو میں ناکامیاب رہا اور اس پر صبر سے کام لے تو وہ زمرۂ صابرین میں داخل ہوگا اسے صبر کا اجر ملے گا۔ جو شخص اسباب اور جد وجہد ہی کو ترک کرتا ہے اسے یہ نعمت کہاں سے ملے گی؟

صوفیہ نے جو توکل پیش کیا ہے وہ سراسر بے عملی ہے، اس سے قوم میں جمود و تعطل اور کاہلی پیدا ہوتی ہے، چنانچہ ملت کا ایک طبقہ ایسا ہے جو کسبِ معاش کو ترک کر کے خانقاہوں میں بیٹھ کر فتوح اور نذرانوں پر گزر اوقات کرتا ہے، حالاں کہ یہ دستِ سوال پھیلانے کا ایک طریقہ ہے۔ شیخ ابوتراب اپنے ساتھیوں سے کہتے تھے کہ تم میں جس نے خرقہ پہن لیا اور خانقاہ یا مسجد میں بیٹھ گیا اس نے دستِ سوال دراز کیا۔ مشاہدہ شیخ کے اس قول کی پوری تصدیق کرتا ہے۔ اہلِ حال کے نظریۂ توکل نے مسلمانوں کے افکار و کردار پر گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔ قرونِ اولیٰ کے مسلمان قضا و قدر پر یقینِ کامل رکھتے تھے لیکن ان کی جد وجہد اور کوششوں نے انسانی تاریخ کا رخ پلٹ دیا۔ وہ تاریخ ساز

---

[1] تلبیس ابلیس ص ۲۸۳-۲۸۴، امام احمد بن حنبل نے ترکِ کسب کرنے والے توکل کے مدعیوں کو "بدعتی" کہا ہے۔ "ھؤلاء مبتدعون"۔ ابن عیینہ بھی ایسے لوگوں کے بارے میں کہتے تھے "ھم مبتدعۃ" "یہ لوگ بدعتی ہیں۔ تلبیس ابلیس ص ۲۸۴

[2] سنن الترمذی - صفۃ القیامۃ باب ۶۰ حدیث ۲۵۱۷، لیکن یہاں امام ترمذی نے اسے حدیثِ منکر لکھا ہے۔ الجزء الرابع ص ۶۶۸۔

ہی نہیں خود ایک تاریخ تھے۔ وہ تقدیر اور توکل کے صحیح مفہوم سے واقف تھے۔ انھوں نے اپنے آپ کو، اپنے گرد و پیش کو، اپنے ماحول کو بدلنے کا تہیہ کیا، اس کے لیے جد و جہد کی اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد اور نصرت فرمائی۔ وہ قرآن کی اس آیت سے پوری طرح واقف تھے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى	اور خدا اس تک کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا
يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ؕ[1]	جب تک اس قوم کے لوگ اپنی حالت خود نہ بدلیں۔

آج ہم اپنے شاندار ماضی کا ماتم کرتے ہیں، اپنی عظمتِ رفتہ پر نوحہ کناں ہیں لیکن زوال و ادبار کے اسباب تلاش کرنے کے لیے ہمیں دور جانے کی ضرورت نہیں:

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا	اور ایسا اس لیے ہے کہ خدا اس تک کسی قوم کو دی
نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا	ہوئی نعمتوں کو تبدیل نہیں کرتا جب تک وہ خود
مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ	بدل نہ جائیں اس کے نااہل ثابت نہ ہوں اور اللہ
عَلِيْمٌ ۙ[2]	سننے والا جاننے والا ہے۔

اگر ہم قرآن کی روشنی میں اپنے زوال و انحطاط کا جائزہ لیتے تو ہم کو ان اسباب کا پتہ چلتا لیکن

اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا

---

[1] سورۃ الرعد : ۱۱

[2] سورۃ الانفال : ۵۳

اسقاط الوسائط

صوفیہ کا ایک گروہ دعویٰ کرتا آیا ہے کہ وہ معرفت کے اس مقام پر پہنچ گیا ہے جہاں احکامِ شریعت اس سے ساقط ہو جاتے ہیں۔ یہ نکتہ محتاجِ بیان نہیں ہے کہ اہلِ تصوف نے اپنے لیے غیر شرعی رخصتوں کا ایک سلسلہ بیان کیا ہے اور اسقاطِ شریعت اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ متقدمین صوفیہ کے حلقوں میں بھی اسقاطِ شریعت کے سوال کی بازگشت سنائی دیتی ہے جس سے لگتا ہے کہ یہ مسئلہ شروع ہی سے موضوعِ بحث رہا ہے۔ شیخ جنید بغدادی کے سامنے ایک شخص نے معرفت کا ذکر چھیڑتے ہوئے کہا کہ اہلِ معرفت (وصالِ الٰہی میسر ہونے کے بعد) اعمالِ صالحہ کے محتاج نہیں رہتے۔ اس کا جو جواب شیخ جنید بغدادی نے دیا وہ کتاب و سنّت سے ان کی واقفیت کا آئینہ دار ہے، شیخ نے کہا:

ان هٰذا قوم تکلموا باسقاط الاعمال	یہ ان لوگوں کا قول ہے جو اعمال کے ساقط
وهذه عندی عظیمة والذی	ہونے کی بات کرتے ہیں اور یہ بات میرے
یسرق ویزنی احسن حالاً	نزدیک عظیم گناہ ہے، اس قول کے قائل سے
من الذی یقول هذا وان	اس آدمی کا حال بہتر ہے جو چور اور زانی ہے۔
العارفین بالله اخذوا الاعمال	عارفین باللہ نے خدا ہی سے اعمال لیے ہیں اور ان میں
عن الله والیه رجعوا فیها ولو بقیت	اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اگر میں ہزار برس
الف عام لم انقص من اعمال	بھی جیوں تو اعمالِ خیر سے ایک ذرہ بھی کم نہ کروں
البر ذرة الا ان یحال	یہاں تک کہ میرے اور اعمالِ خیر میں موت حائل نہ
بی دونها وانه لاوکد فی	ہو جائے کیونکہ ان سے میری معرفت مضبوط

معرفتی داقوی فی حالی[1] اور میرا حال قوی ہوجاتا ہے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ رفع شریعت کا نظریہ تصوف کے ابتدائی دور کی پیداوار ہے۔ شیخ جنید بغدادی ہی کے زمانہ میں اس کی متعدد شہادتیں ملتی ہیں مثلاً شیخ بایزید بسطامی کو شیخ ذوالنون مصری نے ایک جائے نماز تحفتہً بھیجی لیکن انھوں نے یہ کہہ کر واپس کردی کہ اب مجھے مصلی کی ضرورت نہیں ہے بلکہ مسند کی ضرورت ہے کہ اس پر بیٹھا کروں اب میں ایسا مرفوع القلم ہوگیا ہوں کہ نماز مجھ سے معاف ہوگئی ہے انھوں نے بہت عمدہ مسند بھیجی وہ بھی آپ نے یہ کہہ کر واپس کردی کہ جس کے پاس اللہ کے لطف وکرم کی مسند ہو اسے دنیاوی مسند کی ضرورت نہیں ہے[2] ایک آدمی نے شیخ بایزید بسطامی سے راہِ حق کے متعلق سوال کیا تو انھوں نے جواب دیا:

غب عن الطریق تصل الی اللہ[3] راستے سے ہٹ جاؤ اللہ تک پہنچ جاؤ گے۔

ایک شخص نے ان سے کہا کہ آپ زہد وعبادت کی باتیں کرتے ہیں حالاں کہ میں نہیں دیکھتا کہ آپ کثیر العبادۃ ہیں۔ اس پر شیخ بایزید بسطامی مشتعل ہوئے اور کہا کہ زہد وعبادت اور معرفت مجھ سے ہٹادی گئی ہے[4] جب پوچھا گیا کہ آپ رات کو نماز کیوں نہیں پڑھتے ہو تو کہا:

"مرا فراغتِ نماز نیست من گرد ملکوت می گردم و ہر کجا افتادہ ایست۔ دست ادمی گیرم یعنی کار در اندرون می کنم۔"[5]

حسین بن منصور الحلاج کے متعلق مشہور ہے کہ انھوں نے اپنی کتابوں میں بعض ایسے طریقے

---

[1] طبقات الصوفیہ ص ۱۵۸۔ ۱۵۹، تلبیس ابلیس ص ۳۶۹، الرسالۃ القشیریہ ص ۲۳-۲۴ (وانہ لاوکد ... الخ نہیں ہے)

[2] تذکرۃ الاولیاء باب ۱۴ ص ۹۲

[3] النور من کلمات ابی طیفور مشمولہ شطحیات الصوفیہ ۱ : ۱۶۳

[4] النور من کلمات ابی طیفور مشمولہ شطحات الصوفیہ ۱ : ۱۹۱ (ان الزھد والعبادۃ والمعرفۃ منی انشقت)

[5] تذکرۃ الاولیاء باب ۱۴ ص ۱۰۷

درج کیے ہیں جن کو عمل میں لاکر ان کے نزدیک انسان شرعی احکام سے آزاد ہو جاتا ہے۔
ان کی ایک کتاب میں یہ عبارت پائی گئی :

" جب انسان تین شب و روز روزہ رکھے اور چوتھے دن ہندباء (کاسنی) کے پتوں پر روزہ کھولے تو وہ رمضان کے روزوں سے بے نیاز ہوگا۔ اگر ایک رات ابتدائے شب سے صبح تک دو رکعت نماز پڑھے تو اس کے بعد وہ نماز سے بے نیاز ہوگا اور اگر ایک دن اپنی تمام پونجی صدقہ کرے تو اسے زکوٰۃ ادا کرنے کی ضرورت نہیں رہے گی اگر وہ ایک گھر بنائے اور چند دن روزہ دار رہ کر عریانی کی حالت میں بار بار اس گھر کا طواف کرے تو یہ عمل اسے حج سے مستغنی کر دے گا۔ اگر وہ مقابرِ قریش میں شہدا کی قبور پر جا کر دس دن تک قیام کرے گا اور نماز و دعا کرے، روزہ دار رہے اور صرف جو کی تھوڑی سی روٹی اور پسے ہوئے نمک پر روزہ کھولے تو باقی عمر کے لیے وہ عبادت سے بے نیاز ہوگا۔"

عباسی وزیر حامد بن عباس[1] (۲۲۳-۳۱۱ھ / ۸۳۷-۹۲۳ء) کی سرکردگی میں علماء و فقہا کے سامنے حلاج سے پوچھا گیا کیا وہ اس کتاب سے واقف ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا: "یہ حضرت حسن بصری کی کتاب "کتاب السنن" ہے۔" وزیر نے پوچھا: کیا یہ تمھارا مذہب نہیں ہے؟ تو انھوں نے کہا بالکل میرا دین یہی ہے یہ اللہ کا دین ہے[2] حلاج کے صوفی دوست ابن عطاء کو یہ عبارت پڑھ کر سنائی گئی تاکہ انھیں اپنے دوست کا صحیح حال معلوم ہو جائے۔ :

" اگر کسی کو حج کا ارادہ ہو لیکن ممکن نہ ہو سکے تو گھر میں ایک مربع جگہ بنالے جہاں کوئی ناپاک چیز نہ ہو، اور نہ اس کے پاس کوئی جائے۔ جب حج کا زمانہ آئے تو اس کے گرد طواف کرے اور جس طرح مکہ میں مناسکِ حج ادا کیے جاتے ہیں اس طرح مناسک ادا کرے، پھر تیس یتیموں کو جمع کرے اور انھیں کھانا کھلائے، خود اُن

---

[1] عباسی خلیفہ المقتدر کا وزیر جس نے حلاج کو سزا دلانے میں اہم رول ادا کیا۔
[2] المنتظم فی تاریخ الملوک والامم ۶ : ۱۶۳

کی خدمت کرے، ان کے ہاتھ خود دھلائے اور ان میں ہر ایک کو ایک ایک قمیص پہنائے، پھر ہر ایک کو تین تین درہم دے دے۔ اور جب وہ ایسا کرے گا تو حج پورا ہو گیا[۱]۔"

رفعِ شریعت یا اسقاط الوسائط کا نظریہ خانقاہوں میں ہمیشہ کسی نہ کسی شکل میں موجود رہا کبھی یہ کہا گیا کہ شیخ کو عبادت کی ضرورت نہیں ہوتی اور کبھی سماع کو عبادت کا درجہ دیا گیا۔ کبھی پیر کے مقبرے کی زیارت کو حج سے تعبیر کرنے کی کوشش ہوئی، تو کبھی اپنے آپ کو "عیال اللہ" کا نام دے کر انبیاءِ کرام کی پیروی سے آزاد ہونے کی سعی ہوئی۔ کہیں شرعی احکام کو رخصتوں کا درجہ دیا گیا، اور کہیں غیر دینی اعمال کو بھی عزیمت کہا گیا۔

شیخ ابو العباس قصاب[۲] (م ۳۹۷ھ / ۱۰۰۶ء) کی عادت تھی کہ ان کی خانقاہ میں جب ان کا کوئی مرید رات کو نفل نماز پڑھنے کے لیے کھڑا ہوتا تو شیخ کہتے سو جاؤ بیٹے! تمھارے مرشد کی عبادات تمھارے ہی لیے ہیں۔ کیوں کہ بہ ذات خود وہ ان کے لیے سود مند نہیں ہیں اور نہ ہی انھیں ان عبادات کی ضرورت ہے[۳]۔ شیخ ابو سعید ابو الخیر کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ان کے ہاں محفلِ سماع چل رہی تھی کہ ظہر کی اذان ہوئی، محفل میں موجود عالمِ شرع شیخ خواجہ محمد قائنی نے نماز نماز پکارا مگر درویشوں کا سلسلۂ رقص بند نہ ہوا۔ خود شیخ ابو سعید نے کہا: "ہم نماز میں ہیں"۔ یہ سن کر خواجہ محمد قائنی نماز باجماعت پڑھنے گئے اس پر شیخ ابو سعید نے کہا: باوجود مثالی عالم ہونے کے تصوف سے ذرہ بھر بھی واقف نہیں ہے[۴]۔ شیخ ابو سعید حج کی بھی ممانعت کرتے تھے۔

۱۔ میثال فرید غریب۔ الحلاج او ضوء الدم، مطبعۃ الغریب بیروت، الطبعۃ الاولیٰ ص ۱۴۲

۲۔ تذکرہ اوپر گزر چکا ہے۔ اس نام کے کئی بزرگ گزرے ہیں، یہاں مراد شیخ ابو العباس قصاب ہیں جو شیخ ابو سعید ابو الخیر کے استاد رہے ہیں۔ : نفحات الانس ص ۱۸۲-۱۸۴، تذکرۃ الاولیاء باب ۸۰ ص ۳۹۲-۳۹۴

۳۔ Ronald Alleyne Nicholson, Studies in Islamic Mysticism Delhi, 1976, p. 21

۴۔ نفحات الانس ص ۱۹۳

۵۔ Studies in Islamic Mysticism pp. 60-61

ان کا کہنا تھا کہ ہزاروں میل زمین کو پاؤں تلے اس لیے روندنا کہ پتھروں سے بنے ہوئے ایک گھر کی زیارت کی جائے بڑی بات نہیں ہے۔ خدا کا سچا دوست جہاں بیٹھتا ہے بیت المعمور دن رات میں کئی بار اس کے سر کا طواف کرتا ہے[1] ان کے مریدوں نے ان کے اس قول کا عملی ثبوت اس وقت پایا جب ابو سعید نے ان سے کہا کہ دیکھ لو اور انھوں نے بہ چشمِ خود اس کرامت کا مشاہدہ کیا۔ شیخ حج کے لیے بے تاب مریدین کو حکم دیتے تھے کہ وہ سرخس جا کر ابو الفضل حسن[2] (پانچویں صدی ہجری) کے روضہ کا سات بار طواف کریں اور یہ سمجھ لیں کہ حج کا مقصد پورا ہو گیا۔[3]

علامہ ابن حزم تصورِ اسقاطِ شریعت کا ذکر کرتے ہوئے شیخ ابو سعید کے متعلق لکھتے ہیں:

بلغنا ان نیشاپور فی عصرنا ھذا	ہم کو معلوم ہوا ہے کہ ہمارے زمانہ میں نیشاپور
رجلا یکنی ابا سعید ابا الخیر ھکذا	میں ابو سعید ابو الخیر کنیت کے ایک صوفی
معا من الصوفیہ مرۃ یلبس	ہیں جو کبھی صوف پہنتے ہیں اور کبھی ریشم
الصوف ومرۃ یلبس الحریر المحرم علی	جو مردوں کے لیے حرام ہے، کبھی دن میں ایک
الرجال ومرۃ یصلی فی الیوم الف رکعۃ	ہزار رکعت نماز پڑھتے ہیں اور کبھی نماز ہی
ومرۃ لا یصلی لا فریضۃ ولا نافلۃ	نہیں پڑھتے نہ فرض نہ نفل۔ یہ کفرِ محض ہے
وھذا الکفر محض ونعوذ باللہ من الضلال[4]	اور ہم گمراہی سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔

امیر حسن علاء سنجری[5] (۶۵۵-۷۳۷ھ / ۱۲۵۷-۱۳۳۶ء) اپنے ایک دوست کے ساتھ حضرت نظام الدین اولیا کی

---

[1] Studies in Islamic Mysticism pp. 61-62

[2] ابو الفضل محمد بن حسن السرخسی، شیخ ابو نصر سراج طوسی کے مرید اور شیخ ابو سعید ابو الخیر کے مرشد تھے۔ سرخس آپ کا مولد و مدفن ہے: نفحات الانس ص ۱۸۱-۱۸۲، تذکرۃ الاولیاء باب ۹۵. ۴۳-۴۳۱

[3] Studies in Islamic Mysticism pp. 62 ، نیز دیکھیے: نفحات الانس ص ۱۸۱، تذکرۃ الاولیاء باب ص ۴۳.

[4] الفصل فی الملل والاہواء والنحل ۴ : ۱۸۸

[5] امیر حسن علاء سنجری المعروف بہ حسن دہلوی حضرت نظام الدین اولیاء کے مرید تھے (بقیہ صفحہ دیگر پر)

خدمت میں حاضر تھے۔ دورانِ مجلس امیر حسن علاء سنجری نے عرض کیا کہ میں نے اپنے اس دوست سے آج ایک بات سنی جو میرے دل کو لگی میرے دوست نے کہا:

حج کسے رود کہ اورا پیر نہ باشد۔ حج کو وہ جائے جس کا پیر نہ ہو۔

یہ سن کر حضرت نظام الدین اولیاء کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور انھوں نے یہ مصرعہ فرمایا ع

آں رہ بہ سوی کعبہ برو دایں بہ سوی دوست

اس کے بعد حضرت نظام الدین اولیاء نے فرمایا کہ شیخ الاسلام حضرت فرید الدین گنج شکر قدس اللہ سرہ العزیز (حضرت نظام الدین اولیاء کے پیر) کے انتقال کے بعد مجھ پر حج کا شوق غالب ہوا۔ میں نے کہا کہ شیخ کی زیارت کو اجودھن جاؤں۔ جب شیخ کی زیارت کو پہنچا تو میرا مقصود بلکہ اس سے بھی زائد حاصل ہو گیا۔ دوسری بار پھر یہی معاملہ پیش آیا۔ پھر شیخ کی زیارت کو گیا تو میری مراد پوری ہو گئی [1]۔

اسقاطِ شریعت یا اسقاط الوسائط کو محتاط صوفیہ نے ہمیشہ نفرت کی نگاہ سے دیکھا ہے لیکن بہت سے ایسے محققین بھی اپنے آپ کو اس سے محفوظ نہ رکھ سکے جو شریعت کے رمز شناس کی حیثیت سے مشہور ہیں مثلاً شاہ ولی اللہ دہلوی بیان کرتے ہیں کہ میرے والد پر یہ الہام کیا گیا کہ آپ سے تکالیفِ شرعیہ اٹھالی گئیں اور آپ کو اختیار ہے چاہیں تو آپ اعمال بجالائیں چاہیں تو نہ لائیں [2] لیکن انھوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ ان پر شریعت نافذ رہنے دی جائے [3]۔ اپنے چچا کے متعلق شاہ ولی اللہ دہلوی صاحب کہتے ہیں کہ وہ سقوطِ تکلیف کے قائل تھے ان پر یہ بھی الہام ہوا اور کہا گیا کہ اگر تم جہنم کے

(بقیہ گزشتہ سے پیوستہ) آپ نے ان کے ۱۸۸ مجالس کے ملفوظات جمع کیے ہیں۔ فوائد الفواد کے نام سے۔ آپ نثر نگار ہونے کے ساتھ ساتھ فارسی کے ایک قادر الکلام شاعر بھی تھے۔ اخبار الاخیار ص ۱۰۷

۱۔ فوائد الفواد ص ۱۵۵

۲۔ فیوض الحرمین ص ۲۳

۳۔ فیوض الحرمین ص ۲۳

خوف سے عبادت کرتے ہو تو ہم نے تمہیں جہنم سے نجات دی اگر تم جنت کے طلب گار ہو تو ہم وعدہ کرتے ہیں کہ اس میں آپ کو داخل کریں گے اگر ہماری رضا کے طالب ہو تو ہم تم سے راضی ہیں[1]

سقوطِ تکلیف کے قائلین میں صوفیہ کے مختلف گروہوں کا ذکر آتا ہے۔ شیخ علی ہجویری کے بہ قول ملاحدہ کا ایک گروہ صوفیہ کے مشہور فرقہ حکیمیہ (منسوب بہ حکیم ترمذی) سے اپنا تعلق جوڑتا ہے۔ اس گروہ سے وابستہ صوفیوں کا کہنا ہے کہ خدمت (بہ معنی عبادت) اتنی کرنی چاہیے کہ بندہ ولی ہو جائے اور جب ولی بن جائے تو خدمت کی ضرورت نہیں رہتی[2] شیخ علی ہجویری نے اس گروہ پر لعنت بھیجی ہے اور ان کے اس اعتقاد کو گمراہی سے تعبیر کیا ہے۔[3] شیخ شہاب الدین سہروردی کے بہ قول فرقہ ملامتیہ کا کہنا ہے کہ ہم حقیقت کے مقام پر پہنچ گئے ہیں جہاں اعمال کی حاجت نہیں رہتی۔ سہروردی نے ان کے اس دعویٰ کی تردید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ عین الحاد، زندقہ اور دوری ہے ہر وہ حقیقت جسے شریعت رد کرے زندقہ ہے۔[4] شیخ مولوی محمد اعلیٰ تھانوی[5] (م ۱۱۵۸ھ/۱۷۴۵ء) "توضیح المذاہب" کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ متصوفہ مبطلہ کا ایک گروہ "شمراخیہ" کے نام سے موسوم ہے، ان لوگوں کا کہنا ہے کہ محبت جب قدیم ہو جاتی ہے تو امر و نہی (یعنی شریعت) بندہ پر سے اٹھا لیے جاتے ہیں، یہ لوگ طبلہ و سرود سے مسرور ہوتے ہیں زنا کو مباح قرار دیتے ہیں متقی اور صالح بن کر اطرافِ عالم میں گھومتے ہیں اور بگاڑ پیدا کرتے ہیں۔ ان لوگوں کا قتل کرنا مباح ہے۔[6]

---

[1] فیوض الحرمین ص ۲۳-۲۴، وکان قدس سرہ یمیل الی ان الکمل یسقط عنھم التکلیف ص ۲۴

[2] کشف المحجوب ص ۱۹۵ [3] کشف المحجوب ص ۱۹۵

[4] عوارف المعارف علیٰ ھامش احیاء ۲ : ۵

[5] محمد بن علی ابن القاضی محمد حامد بن محمد صابر الفاروقی الحنفی التھانوی، ہندستانی قاموس نگار اور عالم تھے: الاعلام ۷ : ۱۸۸

[6] شیخ مولوی محمد اعلیٰ التھانوی۔ موسوعۃ اصطلاحات العلوم الاسلامیہ المعروف بہ کشاف اصطلاحات الفنون، مرتبہ محمد وجیہہ عبدالحق و غلام قادر، خیاط بیروت ۱۹۶۶ء بذیل مادہ شمراخیہ ۳ : ۷۳۵

سقوطِ تکلیف کے قائلین کو ہمیشہ ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے یہ الگ بات ہے کہ علماءِ شریعت میں جو حضرات اس غلط نظریہ کے قائل تھے ان پر کوئی دار وگیر نہیں کی گئی، اگر کسی نے کی بھی تو وہ خود ہی موردِ عتاب بنا اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ اس نظریہ کے قائلین کی فہرست میں علماءِ شریعت کی شمولیت اس زمانہ میں خارج از قیاس تھی جب محتاط صوفیہ کے علاوہ ابن حزم، ابن جوزی، ابن تیمیہ اور ابن قیم اس نظریہ کو تلخ تنقید کا نشانہ بنا رہے تھے۔ تصوف اور اہلِ تصوف کے لیے یہ سب سے خطرناک دور رہا ہے۔ اس دور کے خاتمہ کے بعد چوں کہ ناقدینِ تصوف کی صف میں اس پایہ کے لوگ نہیں رہے اس لیے بعض علماءِ شریعت نے اربابِ باطن کی طرف صلح و آشتی کا ہاتھ بڑھا کر تصوف کے بعض ایسے نظریات کو اپنایا جن کو وہ خود ہدفِ تنقید بنا چکے تھے۔

اس معاملہ میں صوفیائے متقدمین میں سے بعض حضرات ناقدینِ تصوف کے ہم نوا ہیں۔ شیخ ابو نصر نصر آبادی[1] (م ۳۷۲ھ / ۹۸۲ء) سے کہا گیا کہ بعض صوفیہ عورتوں کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہم معصوم ہیں۔ تو انھوں نے جواب دیا:

مادامت الاشباح قائمة فان الامر والنھی باق والتحلیل و التحریم مخاطب به ولن یجتری علی الشبھات الا من یتعرض للمحرمات[2]	جب تک صورتیں قائم ہیں امر و نہی کے احکام باقی ہیں اور تحلیل و تحریم کے احکام کا خطاب موجود ہے۔ اور شبہات میں پڑنے کی جرأت وہی کرے گا جو محرمات کا سامنا کرے گا۔

---

[1] اصل میں ابو القاسم نصر آبادی ہیں آپ کا شمار صوفیہ کے طبقۂ خامسہ میں ہوتا ہے مولد و وطن نیشا پور ہے شیخ ابراہیم شیبانی کے مرید ہیں: نفحات الانس ص ۱۴۴، سفینة الاولیا بذیل تذکرہ ص ۱۵۵، تذکرة الاولیا باب ۹۴ ص ۴۲۴-۴۲۹، الطبقات الکبریٰ ۱: ۲۲

[2] تلبیس ابلیس ص ۳۶۹، الرسالة القشیریہ ص ۳۸، علامہ ابن جوزی نے قائل کا نام ابو نصر نصر آبادی دیا ہے لیکن بعض تذکروں میں یہ قول ابو القاسم نصر آبادی سے منسوب ہے جو مشہور صوفی گزرے ہیں: تذکرة الاولیا ص ۴۲۸، الطبقات الکبریٰ ۱: ۲۳

شیخ ابوعلی روذباری سے اس شخص کے متعلق سوال کیا گیا جو لہو ولعب سنتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ میرے لیے حلال ہے کیوں کہ میں ایک ایسے مقام پر پہنچ گیا ہوں جہاں اختلافات ختم ہو جاتے ہیں۔ شیخ نے جواب دیا ہاں پہنچ گیا ہے لیکن جہنم میں[۱]۔ شیخ ابوعلی دقاق کا بیان ہے کہ شیخ جنید بغدادی کے ہاتھ میں تسبیح دیکھی گئی تو ان سے کہا گیا کہ آپ اس شرف کے باوجود سبحہ (تسبیح) ہاتھ میں لیے ہوئے ہیں۔ تو شیخ نے جواب دیا: "میں جس ذریعہ سے خدا تک پہنچا ہوں اسے ہرگز نہیں چھوڑوں گا[۲]" محمد ابن ابراہیم نے شیخ جنید کو خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ خدا نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ شیخ نے اس کے جواب میں کہا:

طاحت تلك الاشارات وغابت تلك	وہ اشارات ضائع اور وہ عبارات غائب
العبارات وفنيت تلك العلوم	ہوگئے، وہ علوم فنا اور وہ رسوم ختم ہوگئے۔
ونفدت تلك الرسوم ومانفعنا	ہمارے کام وہ صرف چند رکعتیں آئیں جو ہم
الا ركعات كنا نركعها في الاسحار[۳]	سحر میں پڑھتے تھے۔

علماء شریعت میں سب سے پہلے علامہ ابن حزم نے صوفیہ کے اس نظریہ کو ہدف تنقید بنایا۔ انھوں نے صوفیہ کے اس دعویٰ اور نظریہ کی تردید کرتے ہوئے کہا کہ صوفیہ کے بعض اقوال کی حدیں کفر سے ملی ہوئی ہیں۔ ایک مقام پر صوفیہ کے دعووں کے متعلق لکھتے ہیں:

"صوفیہ میں سے بعض لوگوں کا دعویٰ ہے کہ اولیاء اللہ میں ایسے بزرگ بھی ہوتے ہیں جو تمام انبیا اور رسولوں سے افضل ہوتے ہیں۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ جو شخص ولایت کے اتمام کمال تک پہنچتا ہے اس سے تمام شرعی احکام نماز زکوٰۃ اور اس کے علاوہ دوسرے

۱۔ الطبقات الکبریٰ ۱: ۱۰۶، الرسالۃ القشیریہ ص ۳۳

۲۔ الرسالۃ القشیریہ ص ۲۴، شیخ جنید کا قول ہے طریق به وصلت الی ربی لا افارقه ص ۲۴، مدارج السالکین ۳: ۷۵، وفیات الاعیان ۱: ۳۷۳

۳۔ وفیات الاعیان ۱: ۳۷۴، مدارج السالکین ۳: ۷۵-۷۶

شرعی فرائض ساقط ہوجاتے ہیں اس کے لیے تمام حرام زنا، شراب وغیرہ حلال ہوجاتے ہیں۔ یہ لوگ دوسروں کی عورتوں کو مباح سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم اللہ کو دیکھتے ہیں اور اس کے ساتھ ہم کلام ہوتے ہیں۔ اور جو کچھ ہمارے سینے میں ڈال دیا جاتا ہے وہ حق ہے۔ میں نے ان میں سے ایک شخص ابن شمعون کا کلام دیکھا ہے اس کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ایک سو نام ہیں اور ان میں چھتیس حروف ہیں ان میں کوئی حرف سوائے ایک کے حروف تہجی میں شامل نہیں ہے اور اہلِ مقامات اسی ایک حرف کے توسط سے حق تک پہنچتے ہیں۔ ان میں سے ایک شخص نے جوان کا ہم جلیس تھا مجھ سے کہا کہ میں نے ایک دن پاؤں پھیلایا تو آواز آئی۔ یہ کیا کیا ؟ یہ بادشاہوں کی مجلس ہے۔ اس کے بعد میں نے کبھی پاؤں نہیں پھیلائے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی مجالست میں ہمیشہ رہتے ہیں۔ اہلِ نصیبین میں سے ابوحاضر النصیبی، ابوالفتاح سمرقندی اور ان کے ساتھیوں کا کہنا ہے کہ اہلِ کتاب کا ذبیحہ حلال نہیں ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے مرتدین کے ساتھ قتال کر کے خطا کی۔ انھوں نے ان صحابہ کا قول درست قرار دیا جنھوں نے جرم کے معاملہ میں اس سے رجوع کیا۔ ابوشعیب قلال کہتا ہے کہ میرا خدا انسانی صورت میں مجسم ہے جس میں گوشت اور خون ہے، جسے خوشی اور غم ہوتے ہیں، جو بیمار پڑتا ہے اور جسے افاقہ ہوتا ہے۔ بعض صوفیہ کا کہنا ہے کہ ہمارا رب بازار میں چلتا پھرتا ہے حتیٰ کہ وہ مجنون کی صورت میں چلتا ہے جسے بچے پتھر مارتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس کا خون ایڑیوں پر گرتا ہے۔ پس جان لو کہ خدا تم پر رحم کرے یہ سب باتیں کفریات ہیں اور اسلام دشمنوں کی چالیں ہیں۔[۱]

اباحیہ کے متعلق علامہ ابن جوزی کا بیان ہے کہ بعض لوگوں نے ایک مدت تک ریاضت کی، اس کے بعد اپنے آپ میں ایک جوہر پایا تو کہنے لگے کہ اب ہم کو اعمال کی پرواہ نہیں، امر ونہی عوام کے لیے ہیں، اگر عوام کو بھی یہ جوہر حاصل ہو جائے تو ان سے بھی اعمال ساقط ہو جائیں گے۔ یہ لوگ

---

[۱] الفصل فی الملل والاہواء والنحل، المجلد الثالث، الجزء الرابع ص ۲۲۶ - ۲۲۷

کہتے ہیں کہ نبوّت کا ماحصل حکمت اور مصلحت ہے۔ جس سے مراد یہ ہے کہ عوام کو پابند کیا جائے، اور ہم لوگ عوام سے نہیں کہ تکلیفِ شرعی اٹھائیں۔ ہم نے جوہر حاصل کر لیا اور حکمت کو خوب پہچان گئے ہیں۔ ان لوگوں کی رائے یہ ہے کہ اس جوہر کا اثر یہ ہے کہ حمیت وغیرہ بالکل دور ہو جائے یہاں تک کہ کمال کا رتبہ اسی شخص کو حاصل ہوگا جو اپنی بی بی کو کسی اجنبی شخص کے ساتھ دیکھے تو اس کے رونگٹے کھڑے نہ ہوں اگر اس کے رونگٹے کھڑے ہوئے تو وہ حظِ نفس کی طرف مائل ہے اور وہ ابھی کمال کو نہیں پہنچا ہے۔ اگر وہ کمال کو پہنچ گیا ہوتا تو اس کا نفس مر گیا ہوتا۔ علامہ ابن جوزی اس بیان کے نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں:

فسموا الغيرة نفسًا وسموا ذهاب	پس ان لوگوں نے غیرت کا نام نفس اور
الحمية الذي هو وصف المخانيث	بے حمیتی و بے غیرتی کو جو مخنثوں کا خاصہ ہے
كاالايمان [1]	کمالِ ایمان رکھا ہے۔

علامہ ابن جوزی نے اس نظریہ پر تنقید کی ہے اور متقدمین صوفیہ کے اقوال کو استدلال میں پیش کر کے اسے رد کیا ہے لیکن اس نظریہ پر سب سے کاری ضرب امام ابن تیمیہ نے لگائی ان سے ان لوگوں کے بارے میں سوال کیا گیا جو مسلسل ریاضت کرنے کے بعد یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ وہ خالص ہو گئے ہیں اس لیے انھیں اعمال کی پرواہ نہیں ہے ان لوگوں کا کہنا ہے کہ امر و نہی عوام کے رسوم ہیں، ہم لوگ چوں کہ عوام نہیں ہیں اس لیے یہ چیزیں ہم سے ساقط ہیں۔ امام ابن تیمیہ نے اس سوال کے جواب میں ان لوگوں کے اس قول کو "اہلِ علم و ایمان کے نزدیک بدترین کفر" سے تعبیر کیا[2] اور دلائل سے ثابت کیا کہ یہ لوگ یہود و نصاریٰ سے بدتر، اس اُمّت کے منافقین سے بدترین، مشرکینِ عرب سے بدتر اور فرعون کے طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں[3]۔ امام ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ ان میں اکثر لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ان سے بعض

---

[1] تلبیس ابلیس ص ۳۶۷

[2] مجموع فتاویٰ ۱۱ : ۴۰۱

[3] مجموع فتاویٰ ۱۱ : ۴۰۱۔۴۰۲

واجبات (فرائض) ساقط ہوگئے ہیں یا بعض حرام چیزیں حلال ہوگئی ہیں، ان میں ایسے بھی ہیں جو سمجھتے ہیں کہ ان سے نماز پنج گانہ ساقط ہوگئی ہے کیوں کہ وہ مقصود کو حاصل کر چکے ہیں۔ ایسے لوگوں کا خیال ہے کہ وہ چوں کہ مشاہدہ اور حضور میں ہیں اس لیے نماز ان سے اٹھا دی گئی ہے۔ یہ لوگ توجہ اور حضور کو بنیاد بنا کر سقوطِ جماعت کے قائل ہوئے ہیں، ان میں بعض ایسے ہیں جو استطاعت کے باوجود حج نہیں کرتے کیوں کہ (ان کے بہ قول) کعبہ ان کا طواف کر رہا ہے۔ یہ سب شیطانی احوال ہیں۔ ان میں بعض بغیر کسی عذرِ شرعی کے رمضان میں روزہ نہیں رکھتے کیوں کہ ان کا خیال ہے کہ وہ رمضان کے روزوں سے مستغنی ہیں۔ بعض شراب کو حلال سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ شراب صرف عوام کے لیے حرام ہے کیوں کہ عام لوگ اسے پی کر لڑائی جھگڑا کرتے ہیں، جب کہ عقلاء ایسا نہیں کرتے۔ ان کا یہ بھی خیال ہے کہ عوام کے لیے اس لیے حرام ہے کہ وہ اعمالِ صالحہ سے خالی ہوتے ہیں، رہے نفوسِ زکیہ کے حاملین اور اعمالِ صالحہ والے تو ان کے لیے مباح ہے۔[1] امام موصوف کے بہ قول یہ شبہ صحابہ کے زمانہ میں بھی بعض لوگوں کو ہوا تو صحابہ اس پر متفق ہوگئے کہ اگر یہ لوگ توبہ نہ کرلیں تو ان کو قتل کیا جائے۔[2] قدامہ رضہ بن عبداللہ[3] (۳۶ھ / ۶۵۶ء ......) اور ایک جماعت نے شراب پی اور اس کے جواز میں قرآن کی اس آیت سے استدلال کیا:

لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا	اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے
الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا	ان پر ان چیزوں کا کوئی گناہ نہیں جو وہ کھا چکے۔
اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا	انھوں نے پرہیز کیا اور ایمان لائے اور نیک
الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا	کام کیے پھر پرہیز کیا اور ایمان لائے پھر پرہیز

---

[1] مجموع فتاوی ١١: ۴٠٣

[2] مجموع فتاوی ١١: ۴٠٣

[3] قدامہ بن مظعون رضہ بدری صحابی ہیں۔ حضرت عمر رضہ نے انھیں بحرین کا والی بنایا۔ انھوں نے شراب پی لی، حضرت عمر رضہ نے معزول کر دیا اور مدینہ میں ان پر حد جاری کی: الاصابہ رقم ٧٠٩٠، الاعلام ٦: ١٣١۔ ١٣٢، سیر اعلام النبلاء ١: ١٦١

ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ [1] — کیا اور نیکو کاری کی اور خدا نیک کاروں کو دوست رکھتا ہے۔

جب حضرت عمرؓ سے یہ بات کہی گئی تو حضرت علیؓ اور دوسرے صحابہ نے ان کے ساتھ اس پر اتفاق کیا کہ اگر وہ لوگ اس کی حرمت کا اعتراف کرلیں تو ان کے کوڑے لگائے جائیں اگر وہ اس کے استحلال (حلال جاننے) پر مصر رہیں تو ان کو قتل کیا جائے نیز حضرت عمرؓ نے قدامہؓ سے کہا:

اخطأت استك الحفرة اما انك لو اتقيت وآمنت وعملت الصالحات لم تشرب الخمر [2] — تم بالکل اُلٹی بات کہہ رہے ہو۔ اگر تم نے تقوی اختیار کیا ہوتا، ایمان لائے ہوتے اور نیک اعمال کرتے تو تم شراب نہ پیتے۔

اور اس آیت کا سبب نزول یہ ہے کہ واقعہ احد کے بعد جب خدا نے شراب کی حرمت کا حکم نازل کیا تو ایک صحابی نے کہا کہ ہمارے ان ساتھیوں کا کیا حال ہوگا جو شراب پیتے تھے اور اب وفات پا چکے ہیں؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں کہا گیا کہ جن لوگوں نے اس حال میں کوئی چیز کھائی ہے جس میں وہ حرام نہ تھی تو ان پر کوئی الزام نہیں اس وقت متقی اور صالح مومن تھے [3] اسی طرح تبدیل قبلہ کا حکم نازل ہوا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری:

وَمَا كَانَ اللّٰہُ لِیُضِیْعَ اِیْمَانَكُمْ [4] — اور خدا ایسا نہیں کرتا کہ تمہارے ایمان کو ضائع کردے۔

یعنی اللہ تعالیٰ ان نمازوں کو ضائع نہیں کرے گا جو بیت المقدس کی طرف رخ کرکے پڑھی ہیں اس سے اللہ تعالیٰ نے یہ ظاہر کیا کہ جو اللہ کی فرماں برداری کرتے ہوئے کوئی عمل کرے گا تو اللہ تعالیٰ اسے اس کا ثواب دے گا اگرچہ بعد میں اس کی ممانعت کی گئی ہو

---

[1] سورۃ المایدہ: ۹۳

[2] مجموع فتاوی ۱۱: ۴۰۴

[3] مجموع فتاوی ۱۱: ۴۰۴

[4] سورۃ البقرہ: ۱۴۳

اور جس نے کسی ایسی چیز کو حلال سمجھا جو اللہ کی طرف سے حرام قرار نہ پائی ہو تو اسے حلال سمجھنا ایسی ہی بات ہے جیسی صخرہ (بیت المقدس) کی طرف ممانعت کے بعد نماز پڑھنا، سبت (سنیچر، جو یہودیوں کا مقدس دن ہے) کے روز خصوصی عبادت کرنا، یا زنا کو حلال سمجھنا۔ اور جو شخص ایسا کرتا ہے تو وہ منسوخ شدہ شریعت کو پکڑے ہوئے ہے، اسی لیے صحابہ نے شراب کو حلال جاننے والے آدمی کے قتل پر اتفاق کیا۔ اس بارے میں ائمۂ اسلام بھی متفق ہیں جس شخص نے بعض واجباتِ متواترہ کا انکار کیا مثلاً نماز پنج گانہ، روزۂ رمضان، حج کعبہ۔ یا بعض متواتر حرام چیزوں کی حرمت کا انکار کیا مثلاً شراب، جوا اور زنا یا بعض واضح مباح چیزوں کے حلال ہونے کا انکار کیا مثلاً غذا، گوشت، نکاح۔ تو وہ کافر اور مرتد ہے اسے توبہ کرنا چاہیے اگر توبہ نہ کرے تو قتل کیا جائے[۱]۔ نیز ان میں سے بعض لوگ فواحش کو حلال سمجھتے ہیں مثلاً عورتوں سے دوستی اور ان کے ساتھ خلوت میں بیٹھنا، ان لوگوں کا خیال یہ ہے کہ اس سے ان عورتوں کو برکت حاصل ہوتی ہے حالاں کہ وہ لوگ شرعاً نامحرم ہوتے ہیں۔ بعض لوگ نامردوں کے ساتھ یہی معاملہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کی طرف نظر کرنا اور ان سے قریب ہونا سالکین کا طریقہ رہا ہے تاکہ وہ مخلوق کی محبت سے ترقی کرتے کرتے خالق کی محبت کی طرف مائل ہوں۔ یہ لوگ بہت ہی فحش کاموں کو حلال سمجھتے ہیں جس طرح وہ شخص سمجھتا ہے جس کا قول ہے "ان التلوط مباح بملك اليمين"۔ یہ سب لوگ بہ اجماع امت کافر ہیں[۲]۔ اس کے بعد امام ابن تیمیہ نے فقہی بحث کی ہے کہ کن حالتوں میں حکمِ کفر نہیں لگایا جاسکتا۔ وہ ان لوگوں کی تردید کرتے ہیں جو اپنے اس غلط نظریہ کی بنیاد تقدیر سے فراہم کرتے ہیں[۳]۔ نیز نبوت کا اقرار کرنے والا اس قول کا قائل نہیں ہوسکتا بلکہ وہ تمام انبیاء و مرسلین کا منکر ہے کیوں کہ تمام انبیاء بندوں کے لیے ان کی موت تک اوامر و نواہی لائے تھے[۴]۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ قیود عوام کے لیے ہیں اور ہم عوام نہیں ہیں۔ امام ابن تیمیہ

---

[۱] مجموع فتاویٰ ۱۱: ۴۰۴-۴۰۵

[۲] مجموع فتاویٰ ۱۱: ۴۰۵

[۳] مجموع فتاویٰ ۱۱: ۴۱۳ تا ۴۱۲-۲۱ [۴] مجموع فتاویٰ ۱۱: ۴۱۵

کے نزدیک اس قول کا پہلا حصہ زندقہ اور نفاق ہے اور دوسرا حصہ کذب واختلاق[1]۔ کیوں کہ شرائع سے صرف ضبط عوام مقصود نہیں بلکہ اس سے عوام وخواص کے لیے معاش ومعاد میں باطنی وظاہری اصلاح مقصود ہے۔ امام موصوف کے نزدیک سقوطِ تکالیف کے قائلین کا یہ دعویٰ کہ وہ خواص ہیں، بھی ان آیات کے ذیل میں آتا ہے، جن میں منافقین کے لیے کہا گیا ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَاۗءُ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاۗءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ[2]۔

اور بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم خدا اور رسول پر ایمان رکھتے ہیں حالانکہ وہ ایمان نہیں رکھتے ہیں یہ (اپنے پندار میں) خدا کو اور مومنین کو چکمہ دیتے ہیں مگر (حقیقت میں) اپنے سوا کسی کو چکمہ نہیں دیتے اور اس سے بے خبر ہیں۔ ان کے دلوں میں (کفر کا) مرض تھا خدا نے ان کا مرض اور زیادہ کر دیا اور ان کے جھوٹ بولنے کے سبب ان کو دردناک عذاب ہوگا۔ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ ڈالو تو کہتے ہیں کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں۔ دیکھو بلاشبہ یہ مفسد ہیں لیکن خبر نہیں رکھتے۔ جب ان سے کہا گیا کہ جس طرح اور لوگ ایمان لے آئے تم بھی ایمان لاؤ تو کہتے ہیں بھلا جس طرح بے وقوف ایمان لائے ہیں اسی طرح ہم بھی ایمان لے آئیں؟ سن لو کہ یہی بے وقوف ہیں لیکن نہیں جانتے۔

سقوطِ تکلیف یا رفع شریعت کے قائلین قرآن کی آیت سے دلیل لاتے ہیں۔ چنانچہ صوفیہ قرآن

---

[1] مجموع فتاویٰ ۱۱ : ۴۱۵ - ۴۱۶

[2] سورۃ البقرہ : ۸ - ۱۴

کی آیت :

وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ[1]	خدا کی عبادت کرتے رہو یہاں تک کہ یقین آجائے۔

سے استدلال کرتے ہیں۔ یہ لوگ اس کے معنیٰ یہ بتاتے ہیں :

واعبد ربک حتی یحصل لک العلم والمعرفة فاذا حصل ذلک سقطت العبادة[2]	اللہ کی عبادت کرو یہاں تک کہ تمھیں علم اور معرفت حاصل ہو جائے۔ پس جب یہ چیز حاصل ہو جائے تو عبادت ساقط ہو گئی۔

کبھی کہتے ہیں :

اعمل حتی یحصل لک الحال فاذا حصل لک حال تصوفی [سقطت عنک العبادة][3]	عمل کیے جاؤ جب تک نہ حال حاصل ہو جائے جب تمھیں حال حاصل ہو جائے تو تم خالص ہو گئے صوفی ہو گئے۔ یعنی عبادت معاف ہو گئی۔

ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جو سمجھتے ہیں کہ انھیں معرفت اور حال حاصل ہوا ہے یہ وہ لوگ ہیں جو ترکِ فرائض اور ارتکابِ محارم کے قائل ہیں۔ امام ابن تیمیہ کے بہ قول یہ قول بھی کفر ہے[4] اسی طرح جو لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ نوافل سے مستغنی ہو گئے ہیں وہ بھی جاہل گمراہ اور خاسر ہیں[5]۔ امام موصوف کے بہ قول ان میں سے بعض لوگوں کا گمان ہے کہ شریعت کی پابندی یا امر و نہی ان پر واجب ہے جنھیں معرفت اور حال حاصل نہیں ہوئے ہیں۔ جب معرفت اور حال حاصل ہو تو شریعت کی

---

[1] سورۃ الحجر : ۹۹

[2] مجموعِ فتاویٰ ۱۱ : ۴۱۷

[3] مجموع فتاویٰ ۱۱ : ۴۱۷

[4] مجموع فتاویٰ ۱۱ : ۴۱۷

[5] مجموع فتاویٰ ۱۱ : ۴۱۷

پابندی نہیں رہتی یہ لوگ کتاب و سنت کو پکڑنے کے بجائے ذوق و وجد، کشف اور رائے کے مطابق عمل کرتے ہیں ان میں بعض لوگوں کا حال بعد میں سلب ہوتا ہے تو وہ منقوص، عاجز اور محروم ہو جاتے ہیں بعض لوگوں کو سلبِ طاعت کی سزا ملتی ہے تو فاسق ہو جاتے ہیں، بعض لوگوں کو سلبِ ایمان کی سزا دی جاتی ہے تو وہ مرتد منافق ملعون یا کافر ہو جاتے ہیں[۱] قرآنِ حکیم کی مذکورہ بالا آیت پر بحث کرتے ہوئے امام ابنِ تیمیہ کہتے ہیں کہ "وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ" سے استدلال ان کے حق میں نہیں، بلکہ اس سے ان کی تردید ہوتی ہے حضرت حسن بصری کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومن کو عمل کرنے کے لیے موت سے کم تر (مراد اس سے پہلے) کوئی میعاد مقرر نہیں کی ہے۔ انھوں نے دلیل میں "وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ" کی آیت پڑھی اور ایسا اس لیے کیا کہ یہاں یقین سے مراد موت ہے۔ ان کے بعد علماءِ اسلام اور اور صاحبانِ ایمان و یقین نے اس سے یہی معنی مراد لیے ہیں۔ خود قرآن میں آیا ہے کہ جب جہنمیوں سے کہیں گے کہ تمھیں کون سی چیز دوزخ میں لے آئی:

مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ۔	تم کو کون سی چیز دوزخ میں لے آئی؟
قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ	وہ جواب دیں گے ہم نماز نہیں پڑھتے تھے
وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ	اور نہ ہم مسکینوں کو کھانا کھلاتے تھے
وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ	اور اہلِ باطل کے ساتھ مل کر حق کا انکار کرتے تھے
وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ	اور روزِ جزا کو جھٹلاتے تھے
حَتّٰى اَتٰنَا الْيَقِيْنُ۔[۲]	یہاں تک کہ ہمیں موت آگئی۔

وہ اس وقت جہنم میں ہوں گے اور کہیں گے کہ ترکِ صلوٰۃ و زکوٰۃ، تکذیب بالآخرۃ، اور یاوہ گویوں کے ساتھ باتیں کرنے کے قائل تھے یہاں تک کہ انھیں (یقین) موت آگئی۔

---

[۱] مجموع فتاویٰ ۱۱ : ۴۱۸

[۲] سورۃ المدثر : ۴۲-۴۸

اور یہ چیز معلوم ہے کہ وہ لوگ ایمان نہیں لائے تھے اور نہ ان لوگوں میں تھے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے کہا ہے:

وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ [1] اور آخرت کا ایمان رکھتے ہیں۔

اس سے مراد یہ ہے کہ ان کے پاس وہ چیز آپہنچی جس کا ان سے وعدہ کیا گیا تھا اور وہ "یقین" ہے۔ اس معنی میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بھی مروی ہے۔ حضرت عثمانؓ بن مظعون کی وفات ہوئی تو ایک عورت نے ان کے جنتی ہونے کی گواہی دی، یہ سن کر آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تمھیں کیا معلوم قسم بخدا میں اللہ کا رسول ہوں اور نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا؟" پھر فرمایا:

اما عثمان فقد جاءہ الیقین من ربہ [2] رہے عثمان تو ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے وعدہ آپہنچا۔

یعنی وہ چیز ان کے پاس آپہنچی جس کا وعدہ تھا اور وہی یقین ہے [3]۔ امام ابن تیمیہ اصولِ زبان کے لحاظ سے "یقین" پر بحث کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ وعدۂ آخرت ہے، جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے کیا ہے [4]۔

امام موصوف کے بہ قول اس سے یہ مراد لینا کہ خدا کی عبادت کرو جب تک یقین حاصل نہ ہو جائے، جب یقین حاصل ہو جائے عبادت کی ضرورت نہیں، صحیح نہیں ہے بلکہ بہ اتفاق ائمۂ اسلام کفر ہے اسی لیے شیخ جنید بغدادی کے سامنے جب ایسے لوگوں کا ذکر کیا گیا تو آپ نے کہا:

---

[1] سورۃ البقرۃ: ۴

[2] مجموع فتاویٰ ۱۱: ۴۱۸-۴۱۹، صحیح بخاری۔ کتاب الجنائز باب الدخول المیت، الجزء الثانی ص ۹۱۔ [3] مجموع فتاویٰ ۱۱: ۴۱۸-۴۱۹

[4] مجموع فتاویٰ ۱۱: ۴۱۹۔ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے جنازہ کا واقعہ ابن سعد نے الطبقات الکبریٰ میں تفصیل کے ساتھ دیا ہے دیکھیے الطبقات الکبریٰ ۳: ۳۹۸، جامع البیان فی تفسیر القرآن، الجزء الرابع عشر سورۃ الحجر ص ۵۲۔

الزنا والسرقة وشرب الخمر	ان لوگوں کے قول سے تو زنا، چوری اور
خير من قول هؤلاء۔[۱]	شراب نوشی بہتر ہے۔

شیخ جنید بغدادی کے علاوہ دوسرے ائمۂ اسلام نے بھی قائلینِ اسقاط الوسائط کو نفرت کی نگاہوں سے دیکھا ہے۔ امام ابنِ تیمیہ نے ان لوگوں کی بھی سختی سے تردید کی ہے جو رفعِ شریعت کے معاملہ میں حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضرؑ کے واقعہ سے استدلال کرتے ہیں۔ امام موصوف نے "کشتیِ مسکین"۔ "جانِ پاک" اور "دیوارِ یتیم" والے واقعات پر بحث کر کے سقوطِ تکلیف کے قائلین اور ظاہر و باطن کی تفریق کا دعویٰ کرنے والوں کو مدلل اور مسکت جواب دیا ہے۔ امام موصوف کے بعد ان کے شاگردِ رشید امام ابن قیم نے اس فکر کی سخت مخالفت کی۔ ان کے بہ قول جب ایک صوفی سے کہا گیا چلو نماز پڑھیں تو اس نے یہ شعر پڑھا:

يطالب بالاوراد من كان غافلاً	وكيف يقلب كل اوقاته ورد[۲]

امام ابن قیم اس پر لکھتے ہیں:

---

[۱] مجموع فتاویٰ ۱۱: ۴۲۰، فقہاءِ سبعہ میں سے مشہور فقیہ حضرت سالم (م ۱۰۶ھ/۷۲۴ء) کا قول ہے کہ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ میں یقین سے مراد "موت" ہے۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ الحجر، الجزء السادس ص ۱۰۲، امام طبری نے حضرت سالم کے علاوہ مجاہد بن جبیر (ت ۱۰۰ھ/۷۱۸ء) قتادہ (۱۱۷ھ/۷۳۵ء) حسن بصری اور ابن زید (۹۳ سے ۱۰۴ھ کے درمیان) (۷۱۱ء-۷۲۲ء) کے اقوال نقل کیے ہیں۔ ان سب میں یقین کو موت کے معنیٰ میں لیا گیا ہے۔ دیکھیے جامع البیان فی تفسیر القرآن، الجزء الرابع عشر، سورۃ الحجر ص ۵۱-۵۲

[۲] حضرت شیخ سید عبد القادر جیلانی کے ایک مرید شیخ قضیب البان موصلی (م ۵۷۰ھ) (۱۱۷۴ء) کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ پابندِ نماز نہیں تھے کسی نے شیخ جیلانی سے شکایت کی کہ آپ کے مرید قضیب البان الموصلی پابندِ نماز نہیں ہیں۔ جواب میں شیخ سید عبد القادر جیلانی نے فرمایا کہ ان کی جبینِ نیاز ہمیشہ آستانۂ بیت اللہ پر خم رہتی ہے۔ سفینۃ الاولیاء بذیل تذکرہ شیخ قضیب البانِ موصلی، لیکن یہ بیان شیخ سے غلط طور پر منسوب ہے (حاشیہ بر صفحۂ دیگر)

فمن لم یر القیام بالفرائض اذا حصلت له الجمعیة فھو کافر، منسلخ من الدین، ومن عطل لھا مصلحة راجحة کالسنن الرواتب، والعلم النافع، والجھاد والامر بالمعروف والنھی عن المنکر، والنفع العظیم المتعدی فھو ناقص [۱]	جمعیت حاصل ہونے کے بعد جو شخص قیام بالفرائض کا قائل نہیں ہے وہ کافر اور دین سے خارج ہے اور جو کسی مصلحتِ راجحہ مثلاً سنّتوں، علمِ نافع، جہاد، امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور متعدی نفع عظیم کی وجہ سے فرائض کو معطل کرے وہ ناقص ہے۔

اسقاط الوسائط کے مخالفین میں سے ہم نے ابھی تک ائمۂ اسلام میں سے ابن حزم، ابن جوزی، ابن تیمیہ اور ابن قیم کا ذکر کیا ہے۔ یہ چاروں ائمۂ اسلام تصوف دشمنی کے لیے بدنام ہیں۔ لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ رفعِ شریعت یا اسقاط الوسائط کا مسئلہ ہمیشہ علمائے اسلام کی توجہات کا مرکز بنا رہا ہے، تفسیر و حدیث، فقہ و عقائد اور کلام و تصوف کی کتابوں میں اس پر مفصل اور مجمل بحثیں ملتی ہیں۔ مشہور حنفی عالم ملّا علی قاری لکھتے ہیں: بندہ جب تک عاقل و بالغ رہتا ہے تو وہ کبھی اس مقام تک نہیں پہنچ سکتا جہاں امر و نہی اس سے ساقط ہو جاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے "وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ"۔ مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ اس سے مراد موت ہے[۲]۔" ملا علی قاری کے بیان کے مطابق بعض اہلِ اباحت کا خیال ہے کہ بندہ

(گزشتہ سے پیوستہ) بلکہ شیخ سید عبدالقادر جیلانی خود بھی رفعِ شریعت کے مخالف تھے۔ ایک دفعہ انھیں ایک غیبی آواز سنائی دی اے عبدالقادر! میں نے تمھاری عبادت معاف کر دی تمھیں نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ شیخ نے یہ سن کر تعوذ پڑھا اور کہا اے ملعون شیطان! عبادت تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی معاف نہیں ہوئی۔ شیطان نے کہا: "اے عبدالقادر تجھے تیرے علم نے بچا لیا" شیخ نے پھر تعوذ پڑھی اور کہا: "اے ملعون دور ہو جا مجھے میرے علم نے نہیں بلکہ خدا نے بچایا ہے۔"

[۱] مدارج السالکین ۳: ۱-۲، ۷۔ ابن تیم۔ الجوزیہ عصرہ و منہجہ ص ۴۱۹ (بقیہ بر صفحہ دیگر)

جب محبت کی انتہا تک پہنچ جائے اور اس کا دل صاف ہو جائے اور وہ ایمان کو کفر کے مقابلہ میں اختیار کرے تو اس سے امر و نہی ساقط ہو جاتے ہیں اور ارتکاب کبائر کی وجہ سے وہ جہنم میں نہیں جائے گا۔ ان میں سے بعض لوگوں کی یہ رائے ہے کہ ایسے شخص سے ظاہری عبادات ساقط ہو جاتی ہیں اور (ان کے بجائے) تفکر و باطنی اخلاق کا سدھار عبادات بن جاتی ہیں۔ یہ کفر زندقہ اور گمراہی و جہالت ہے[1]۔ حجۃ الاسلام امام غزالی کا کہنا ہے کہ ایسے شخص کا قتل سو کافروں کے مارنے سے بہتر ہے۔ رہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد جس میں کہا گیا ہے:

اذا احب اللہ عبداً لم یضرہ ذنب۔	جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اسے کوئی گناہ نقصان نہیں پہنچاتا ہے۔

تو اس کے معنی یہ ہیں کہ خدا تعالیٰ اسے گناہوں سے بچاتا ہے، اسے عیوب سے کوئی نقصان لاحق نہیں ہوتا، یا اسے "حوبہ" کے بعد "توبہ" کی توفیق دیتا ہے[2]۔ اس حدیث کا مفہوم یہ بھی ہے کہ جس شخص سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے اسے کوئی طاعت فائدہ نہیں پہنچاتی کیوں کہ اس سے عبادتِ صالحہ اور نیتِ صادقہ کا صدور نہیں ہوتا۔ اسی لیے کہا گیا ہے:

من لم یکن للوصال اھلاً	نکل طاعاتہ ذنوب[3]
جو وصال کا اہل نہ ہو	اس کی تمام طاعات گناہ ہیں

رہا بعض صوفیہ کا یہ کہنا کہ سالک جب معرفت کے مقام پر پہنچ جاتا ہے تو اس سے عبادت

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) [2] ابو حنیفہ النعمان بن ثابت الکوفی۔ الفقہ الاکبر و شرحہ لملا علی قاری، تصحیح بدر الدین ابو فراس الغسانی الحلبی، مطبعۃ التقدم بشارع محمد علی بمصر، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۲۳ھ ص ۱۰۱

(حاشیہ صفحہ ہٰذا) [1] الفقہ الاکبر و شرحہ ص ۱۰۱

[2] الفقہ الاکبر و شرحہ ص ۱۰۱

[3] الفقہ الاکبر و شرحہ ص ۱۰۱-۱۰۲

کی تکلیف ساقط ہو جاتی ہے۔ بعض محققین نے اس کی یہ توجیہ کی ہے کہ تکلیف کلفۃ بمعنی "مشقۃ" سے ماخوذ ہے اور عارف سے بغیر کسی کلفت و مشقت کے عبادت کا صدور ہوتا ہے بلکہ وہ عبادت سے لذت حاصل کرتا ہے۔ اسے طاعت کے ذریعہ انشراحِ قلب ہوتا ہے۔ زیادتِ علم کی بنا پر اس کا شوق و نشاط بڑھ جاتا ہے کیوں کہ یہ سعادت کا سبب ہے اسی لیے بعض مشائخ کا کہنا ہے:

الدنیا افضل من الآخرۃ[1]	دنیا آخرت سے افضل ہے۔

کیوں کہ دنیا خدمت کرنے کی جگہ اور آخرت نعمتوں کا گھر ہے، خدمت کا مقام نعمت سے اولیٰ ہے[2]۔ چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے:

لو خیرت بین المسجد والجنۃ	اگر مجھے مسجد اور جنت میں سے کسی ایک کو
لاخترت المسجد لانہ حق اللہ	اختیار کرنے کی اجازت دی جائے تو میں مسجد
تعالیٰ سبحانہ والجنۃ حظ	کو اختیار کروں گا کیوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کا حق
النفس[3]	ہے اور جنت نفس کا حظ ہے۔

اہلِ حال کہتے ہیں کہ صوفیہ احکامِ ظاہری کے غلام اور جہانِ باطن کے احرار ہوتے ہیں[4]۔ ان کے بہ قول اصحابِ شہود کو تکلیف و عبادات کی ضرورت نہیں رہتی لیکن خدا تعالیٰ ان پر

---

[1] الفقہ الاکبر و شرحہ ص ۱۰۲

[2] الفقہ الاکبر و شرحہ ص ۱۰۲

[3] الفقہ الاکبر و شرحہ ص ۱۰۲ ، علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہ گفت اگر مرا اختیار دھند کہ در بہشت شو یا در مسجد، من در مسجد شوم کہ بہشت نصیب من است بہ نزدیک او و مسجد نصیب اوست نزدیک من: نفحات الانس ص ۵۹۔

[4] انفاس العارفین ص ۱۱۸ ، الصوفیۃ عبد الظواھر و احرار الباطن۔

عبودیت قائم رکھتا ہے، چوں کہ یہ نفس بلکہ روح سے بھی خلاصی حاصل کر چکے ہوتے ہیں اس لیے زنا اور شراب جیسی برائیوں کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔[۱] اربابِ شہود کے مرتبہ کی رفعت کے لحاظ سے ان کی عبادت کا تعلق براہ راست اقامتِ حق اور اس کے تصرف سے ہوتا ہے، اس لیے ان کے نزدیک عبادتِ عبودیت کی قید کفرِ صریح ہے۔ اسی معنی میں صوفیہ کا قول منقول ہے:

المقید کفر ولو کان باللہ[۲] قید کفر ہے چاہے وہ اللہ ہی کے ساتھ کیوں نہ ہو۔

اسقاط الوسائط یا بہ الفاظ دیگر اباحیت کے اظہار کے لیے صوفیہ اور شعراءِ متصوفین نے دل چسپ پیرائے اختیار کیے، کبھی انھوں نے نماز روزہ جیسی عبادات کا مذاق اڑایا تو کبھی کعبہ کو "پس ماندگانِ راہ" کی منزل قرار دیا، کہیں مسجد کے جلانے کی باتیں کہی گئیں، تو کہیں مصحف کے اوراق کو پھاڑنے کے ارادوں کا اظہار کیا گیا۔ بعض لوگوں نے قاضی کی داڑھی نوچنے کی دعوت دی تو بعض نے فقیہِ شہر کی قبر پر رباب بجانے کی قسم کھائی۔[۳]

---

[۱] انفاس العارفین ص ۱۱۸

[۲] انفاس العارفین ص ۱۱۸، اس بارے میں صوفیہ کا یہ قول بھی نقل کیا گیا ہے "محبۃ اللہ راس کل خطیئۃ" (اللہ کی محبت ہر خطا کی جڑ ہے) انفاس العارفین ص ۱۱۸۔

[۳] امام ابن تیمیہ نے صوفیانہ گیت نقل کیا ہے:

تعالوا نخرب الجامع ونجعل فیہ خمارۃ ونکسر المنبر ونجعل منہ طنبارۃ
ونخرق المصحف ونجعل منہ زمارۃ وننتف لحیۃ القاضی ونجعل منہ اوتارۃ

(آؤ ہم لوگ مسجد کو خراب کریں، اور اس میں شراب خانہ قائم کریں، اور منبر توڑ دیں، اس سے طنبور بنا لیں، اور قرآن کو پھاڑ دیں، اور اس سے بانسری بجائیں، اور قاضی کی داڑھی اکھاڑ دیں، اور اس سے تانت بنائیں)۔ فارسی زبان کی صوفیانہ شاعری میں اباحیت اور آزادہ روی کا کھل کر اظہار کیا گیا۔ شیخ ابوسعید ابوالخیر، شیخ فرید الدین عطار، حکیم سنائی، سعدی، حافظ اور جامی جیسے بزرگوں کی زبانوں سے بعض ایسے اقوال، یا اشعار نکل گئے جنھیں اہلِ اباحت نے اپنی آزادہ روی کے لیے مؤثر وسیلۂ تشہیر سمجھا۔

جب اِن قابلِ اعتراض باتوں پر اہلِ شرع کی طرف سے احتساب اور دار و گیر کا خطرہ نظر آتا تو یہ دلیل دی جاتی :

از نفی و ز اثبات بروں صحرائے است　　　　کیں طائفہ را در آں میاں سودائیست
اے دوست چوں عاشقی در آنجا . برسد　　　　نہ نفی نہ اثبات نہ مورا جائیست [1]

نفی و اثبات سے دور اس صحرائے بیکراں میں جب بال کی گنجائش نہیں تھی تو شریعت کہاں باریاب ہوتی ؟ اس لیے اس کی نارسائی پر بھرپور طنز کیے گئے ۔ برِ صغیر کی تاریخ میں سلسلۂ قادریہ کے ایک صوفی مُلّا شاہ بدخشانی (م ۱۰۶۹ھ / ۱۶۵۸ء) جو شاہ میاں میر لاہوری (م ۱۰۴۵ھ / ۱۶۳۵ء) کے خلیفہ مجاز اور شہزادہ دارا شکوہ (۱۰۲۴ - ۱۰۷۰ھ / ۱۶۱۵ - ۱۶۵۹ء) کے پیرِ طریقت بھی تھے ، نے برملا اِس کا اظہار یوں کیا :

پنجہ در پنجۂ خدا دارم　　　　من چہ پروائی مصطفیٰ دارم [2]
(میرا ہاتھ خدا کے ہاتھ میں ہے　　　　مجھے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا پرواہ ہے ؟)

مُلّا شاہ بدخشانی نے جب یہ شعر کہا تو علماءِ کشمیر (مُلّا شاہ بدخشانی کشمیر میں کئی برس قیام کر چکے ہیں) نے کفر کا فتویٰ دیا ۔ اور شاہجہاں سے درخواست کی کہ ملا شاہ پر شرعی حد جاری کی جائے ۔ بادشاہ شاہجہاں نے کشمیر کے صوبہ دار ظفر خان کو فرمان بھیجا ۔ لیکن شہزادہ دارا شکوہ نے مُلّا شاہ کی سفارش کرتے ہوئے کہا کہ اس معاملہ میں عجلت کرنے کی ضرورت نہیں ہے ، بلکہ کسی دوسرے بزرگ مثلاً شاہ میاں میر لاہوری سے رائے لی جائے ۔ جب شیخ میاں میر لاہوری سے رجوع کیا گیا تو انھوں نے کہا کہ احوال کے زیرِ اثر مُلّا ایسی باتیں کہہ جاتے ہیں جن سے احتراز لازم ہے ۔ چنانچہ مُلّا کی جان بخشی ہوئی اور وہ بچ گئے ۔ [3]

---

[1] انفاس العارفین ص ۱۱۹ ۔ نفی و اثبات سے آگے ایک صحرا ہے جس میں طائفہ صوفیہ سرگرداں ہے ۔ اے دوست ! جب عاشق اس مقام پر پہنچتا ہے ، تو نفی و اثبات تو کیا ایک بال کی بھی گنجائش نہیں ہوتی ۔

[2] میر حسین دوست سنبھلی ۔ تذکرہ حسینی ، مطبع نول کشور کانپور ۱۸۷۵ء ص ۱۶۶

[3] شیخ محمد اکرام ۔ رودِ کوثر ، فیروز سنز لاہور پشاور کراچی اشاعت سوم ۱۹۵۸ء ص ۳۸۴

قرونِ ثلاثہ مشہود لہا بالخیر۔ عہدِ رسالت، عہدِ صحابہ اور تابعین و تبع تابعین کے زمانہ میں صوفیہ کے اس "تصورِ حریت" اور "مشربِ آزادگان" کی کوئی گنجائش نہیں تھی، حالانکہ اس قسم کے اشکالات اُس وقت لوگوں کو پیش آتے تھے۔ تاہم یہ بات یقینی ہے کہ اگر اُس وقت کوئی یہ دعویٰ کرتا کہ وہ شریعت اور احکام امر و نہی سے ماوراء ہے تو اسے عبرت ناک سزا ملتی۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکمل الکاملین اور معصوم تھے لیکن آپؐ عبادت اور اعمالِ صالحہ کی انجام دہی میں بھی پیش پیش تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھنے کو کھڑے ہوتے تو (اتنی دیر قیام کرتے کہ) دونوں پاؤں یا پنڈلیوں میں ورم آجاتا، لوگ کہتے تو فرماتے:

أَفَلَا أَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا[1] کیا میں شکر گذار بندہ نہ بنوں؟

صحابہ اور تابعین و تبع تابعین، مفسّرین، محدّثین، فقہاء اور عارفین کی کثرتِ عبادت کے واقعات مشہور و معروف ہیں۔ وہ لوگ قرآن کی اس آیت کے اصل مفہوم و منشا سے واقف تھے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ[2] اور میں نے جنوں اور انسانوں کو نہیں پیدا کیا مگر عبادت کے لیے۔

یہی وجہ ہے کہ عارفین کے نزدیک عبادت کے بغیر عرفان کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ شیخ جنید بغدادی پر خدا کی رحمت ہو، کیا خوب کہا ہے:

العبادة على العارفين احسن من التيجان على رؤس الملوك۔

---

[1] صحیح بخاری۔ باب تہجد باللیل، باب قیام النبی، الجزء الثانی ص ۶۳

[2] سورۃ الذاریات: ۵۶

شطحات

ادبِ تصوف میں شطحات یا شطحیات (شطح کی جمع) ان خاص کلمات یا اقوال کو کہتے ہیں جو عالمِ سکر یا فنا یا ذوق و مستی کی حالت میں مغلوب الحال صوفی کی زبان سے نکلتے ہیں[1]۔ بعض بزرگ اِس حالت کو "جمع الجمع" سے تعبیر کرتے ہیں[2]۔ ان کلمات کے صدور کے وقت صوفی عام طور پر آدابِ شریعت کا لحاظ نہیں رکھ پاتا اس لیے یہ کلمات غیر شرعی دعووں پر مشتمل ہوتے ہیں مثلاً الوہیت کا دعویٰ کرنا، اپنے آپ کو پیغمبروں پر فوقیت دینا، تخلیقِ عالم کے سلسلہ میں اپنی ذات کو محرک قرار دینا، یا قرآن کے بارے میں توہین آمیز باتیں کرنا وغیرہ۔ ان غیر معمولی دعووں نے ہمیشہ علماءِ شریعت کے حلقوں اور افتاء و قضاء کے منصب داروں کی توجہ اپنی طرف کھینچ لی ہے۔

شطحات کے سلسلہ میں ان صوفیہ کا نام لیا جاتا ہے (ا) بایزید بسطامی (ب) حسین بن منصور حلاج (ج) ابوبکر بن عبداللہ نساج طوسی[3] (م ۴۸۷ھ/۱۰۹۴ء) (د) شیخ احمد غزالی (ھ) سہل بن عبداللہ تستری (و) ابوبکر واسطی (ز) ابوبکر شبلی (ح) شیخ ابوالحسن خرقانی[4] (م ۴۲۵ھ/۱۰۳۳ء)[5]۔ لیکن یہ فہرست ناتمام ہے اس

---

[1] اردو دائرہ معارف اسلامیہ ۱۱ : ۷۲۸ [2] امام قشیری، الرسائل القشیریہ (متن مع اردو ترجمہ) مترجم ڈاکٹر محمد حسن، المعہد المرکزی للابحاث الاسلامیہ کراچی پاکستان سنہ ۱۹۶۴ء/۱۳۸۴ھ، رسالہ ترتیب السلوک ص ۷۲-۷۳

[3] طوس کے رہنے والے تھے اور شیخ ابوالقاسم گرگانی سے بیعت تھے۔ سفینۃ الاولیاء، تذکرہ ابوبکر بن عبداللہ نساج طوسی ص ۱۰۲

[4] شیخ ابوالحسن علی بن جعفر خرقانی، خرقان کے مشہور شیخ طریقت تھے شطحات کے لیے مشہور ہیں۔ نفحات الانس ص ۱۹۰-۱۹۱، تذکرۃ الاولیاء باب ۷۸ ص ۳۴۶-۳۷۸

[5] ***H.A.R. Gibb and J.H. Kramers, Shorter Encyclopaedia of Islam, Leiden 1953 p. 533,*** اردو دائرۂ معارف اسلامیہ ۱۱: ۷۲۸-۷۲۹

میں بعض ایسے صوفیہ کے نام نہیں دیے گئے ہیں جو ارباب شطح کی حیثیت سے مشہور ہیں۔

شطحیات سے بحث کرتے وقت شیخ بایزید بسطامی کا نام بار بار لیا گیا ہے، جو تیسری صدی ہجری ہی سے صاحبِ شطح بزرگ کی حیثیت سے مشہور ہیں۔ ان کے شطحیات کو مختلف مصنفین نے جمع کیا ہے۔ ان شطحیات کو دیکھنے سے یہ اندازہ کرنا دشوار نہیں کہ حلّاج سے پہلے نظریۂ فنا کی بنیاد پڑ چکی تھی، البتہ اس کا اظہار حالتِ سکر میں ہوتا تھا۔

شیخ بایزید بسطامی کہتے ہیں "میں اس (خدا) کی تلاش میں خانہ کعبہ کا طواف کرتا تھا وصال ہوا تو دیکھا کہ کعبہ میرا طواف کر رہا ہے"۔[1] فنا کی کیفیت کا اندازہ کرنے کے لیے ان کا یہ شطح مشہور ہے "میں نے پہلی دفعہ حج کیا تو کعبہ کو دیکھا، دوسری بار حج کیا تو صاحبِ کعبہ کو دیکھا، تیسری مرتبہ حج کیا تو نہ کعبہ کو دیکھا، نہ صاحبِ کعبہ کو"۔[2] اپنے روحانی عروج اور سربلندی کے متعلق ایک مرتبہ شیخ بایزید بسطامی کی زبان سے یہ الفاظ نکلے "اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک دفعہ اٹھا کر اپنے سامنے کیا اور کہا اے بایزید! میری مخلوق تجھے دیکھنا چاہتی ہے۔ میں نے کہا مجھے اپنی وحدانیت سے سجا دے اپنی انا کا لباس پہنا، اپنی احدیت کی طرف اٹھا یہاں تک کہ جب آپ کی مخلوق مجھے دیکھے تو کہے کہ ہم نے تجھے (خدا) دیکھا اس وقت وہ آپ ہی ہوں گے، میں نہیں ہوں گا"۔[3]

شیخ بایزید بسطامی سے ایسے شطحیات بھی منقول ہیں جن سے پیغمبروں کی توہین لازم آتی ہے مثلاً حضرت آدمؑ کے بارے میں ان کا کہنا ہے کہ انھوں نے حضورِ الٰہی کو ایک لقمہ کے عوض بیچ دیا۔[4] یا حضرت موسیٰؑ کے بارے میں کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰؑ نے چاہا کہ خدا کو دیکھیں میں نے یہ خواہش نہیں کی بلکہ خدا نے خود چاہا کہ وہ مجھے دیکھے۔[5] شیخ سے ایک دفعہ کہا گیا کہ (قیامت کے روز) تمام مخلوق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے کے نیچے ہوگی، تو انھوں نے کہا:

---

[1] النور من کلمات ابی طیفور مشمولہ شطحات الصوفیہ ۱ : ۳۹، ۱۰۰

[2] النور من کلمات ابی طیفور مشمولہ شطحات الصوفیہ ۱ : ۱۰۲، تلبیس ابلیس ص ۳۴۴

[3] اللمع ص ۴۶۱، تلبیس ابلیس ص ۳۴۵-۳۴۶

[4] شطحات الصوفیہ ۱ : ۳۱

[5] النور من کلمات ابی طیفور مشمولہ شطحات الصوفیہ ۱ : ۱۸۵، تلبیس ابلیس ص ۳۴۶

تاللہ ان لوائی اعظم من لواء محمد علیہ السلام لوائی من نور تحتہ الجان والانس کلھم مع النبیین[1] — قسم اللہ کی میرا جھنڈا محمدؐ کے جھنڈا سے بڑا ہوگا میرا جھنڈا النور کا ہوگا اس کے نیچے تمام جن وانس اور انبیاء ہوں گے۔

انبیاء کے بارے میں ان کا یہ شطح خاص طور سے مشہور ہے:

خضتُ بحرًا وقف الانبیاء علیٰ ساحلہ[2] — میں نے سمندر میں غوطہ لگایا، انبیاء اس کے ساحل پر رہے۔

ابوموسیٰ الدیبلی کا کہنا ہے کہ میں نے شیخ بایزید بسطامی سے کہا، سُنا ہے کہ تین آدمیوں کے دِل جبرئیلؑ کے دِل کی مانند ہوتے ہیں، تو انھوں نے کہا: "میں وہ تین ہوں"۔ میں نے کہا کیسے؟ تو جواب دیا:

قلبی واحدٌ وھمی واحدٌ وروحی واحدٌ[3] — میرا دل ایک، ارادہ ایک اور روح ایک ہے۔

میں نے کہا سنا ہے کہ (اولیاء اللہ میں سے) ایک کا دِل اسرافیلؑ کے دِل کی مانند ہوتا ہے۔ انھوں نے کہا "میں وہ ایک ہوں"[4]۔ میری مثال ایک طوفانی سمندر کی سی ہے جس کی نہ ابتدا ہے اور نہ انتہا[5]۔ شیخ بایزید سے کہا گیا کہ ہم نے سنا ہے کہ آپ سات (ابدال) میں سے ایک ہیں، تو انھوں نے کہا: "میں وہ ساتوں ہوں"[6]۔ شیخ سے لوگوں نے کہا کہ کہتے ہیں کہ لوحِ محفوظ میں ہر چیز موجود ہے۔ انھوں نے جواب دیا "لوح محفوظ میں ہی ہوں"[7]۔ شیخ کے متعلق منقول ہے کہ ان کے گھر ایک آدمی آیا اور دروازہ پر دستک دی۔ اندر سے آواز آئی کس کی تلاش ہے؟ آدمی نے کہا کہ میں بایزید کو ڈھونڈھ رہا ہوں۔ اس پر شیخ نے اندر سے کہا، چلے جاؤ گھر میں خدا کے سوا کوئی نہیں ہے[8]۔ ایک شخص نے ان کے سامنے

۱۔ النور من کلمات ابی طیفور مشمولہ شطحات الصوفیہ ۱: ۱۴۳، تلبیس ابلیس ص ۳۴۵، تذکرۃ الاولیاء باب ۱۴ ص ۱۱۲

۲۔ شطحات الصوفیہ ۱: ۳۱ ۳۔ النور من کلمات ابی طیفور مشمولہ شطحات الصوفیہ ۱: ۱۲۸، تلبیس ابلیس ص ۳۴۵

۴۔ النور من کلمات ابی طیفور مشمولہ شطحات الصوفیہ ۱: ۱۲۸، تلبیس ابلیس ص ۳۴۵، تذکرۃ الاولیاء باب ۱۴ ص ۱۰۹

۵۔ النور من کلمات ابی طیفور مشمولہ شطحات الصوفیہ ۱: ۱۴۳، تلبیس ابلیس ص ۳۴۵، تذکرۃ الاولیاء باب ۱۴ ص ۱۰۹

۶۔ النور من کلمات ابی طیفور مشمولہ شطحات الصوفیہ ۱: ۱۰۳، ۱۴۵، تلبیس ابلیس ص ۳۴۴ ۷۔ النور من کلمات ابی طیفور مشمولہ شطحات الصوفیہ ۱: ۸۴

قرآن کی یہ آیت پڑھی :

اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْد (البروج : ۱۲) بے شک خدا کی پکڑ سخت ہے۔

یہ سن کر بایزید نے کہا :

وحیاته ان بطشی اشد من بطشه[۱] اور قسم ہے اس کی میری پکڑ اس کی پکڑ سے بھی زیادہ سخت ہے۔

شیخ بایزید بسطامی نے ایک دفعہ فجر کی نماز پڑھ کر اپنے ساتھیوں کی طرف مخاطب ہو کر کہا :

انی انا لا الٰه الا انا فاعبدون میں ہی ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں، پس میری عبادت کرو۔

یہ سن کر لوگوں نے انھیں مجنوں کہا اور چھوڑ دیا[۲]۔ ایک دفعہ ان کی زبان سے یہ الفاظ نکلے :

انا ربی الاعلیٰ[۳] میں "ربی الاعلیٰ" ہوں

شیخ بایزید بسطامی سے کثیر شطحات تصوف کی کتابوں میں منقول ہیں۔ جن میں سے چند ایک یہ ہیں :

(۱) سبحانی، سبحانی، ما اعظم شانی[۴] پاک ہے میری ذات، پاک ہے میری ذات، میری شان کتنی بلند ہے!

(۲) لیس مثلی مثل فی السماء یوجد ولا لمثلی صفة فی الارض تعرف[۵] میرا مثیل آسمان میں نہیں پایا جاتا اور نہ میرے مثل زمین پر کوئی صفت ہے جسے جانا جا سکے،

(۳) صفاتی غائبة فی غیبه ولیس للغیب صفات تعرف[۶] میری صفات اس کے غیب میں گم ہیں اور غیب کی صفات نہیں ہوتیں جنھیں جانا جا سکے۔

---

[۱] النور من کلمات ابی طیفور مشموله شطحات الصوفیه ۱ : ۱۴۳

[۲] النور من کلمات ابی طیفور مشموله شطحات الصوفیه ۱ : ۱۵۷، تلبیس ابلیس ص ۳۴۵، تذکرة الاولیاء باب ۱۴ ص ۸۷

[۳] النور من کلمات ابی طیفور مشموله شطحات الصوفیه ۱ : ۱۴۳

[۴] النور من کلمات ابی طیفور مشموله شطحات الصوفیه ۱ : ۱۴۳

[۵] النور من کلمات ابی طیفور مشموله شطحات الصوفیه ۱ : ۱۴۳

[۶] النور من کلمات ابی طیفور مشموله شطحات الصوفیه ۱ : ۱۴۳

(۴) أنا لا أنا أنا لانی أنا ھو انا ھو انا ھو ھو[1]۔
میں میں نہیں، میں میں ہوں کیوں کہ میں وہ ہوں، وہ ہوں وہ ہوں وہ۔

(۵) لأن ترانی مرۃ خیر لک من ان تری ربک الف مرۃ[2]۔
اگر تم ایک بار مجھے دیکھو گے تو یہ تمھارے رب کے دیکھنے سے تمھارے لیے ہزار درجہ بہتر ہے۔

(۶) توبۃ الناس من ذنوبھم وتوبتی من قولی: لاالٰہ الا اللہ، انی اقول بالآلۃ والحروف، والحق خارج عن الحروف والآلۃ[3]۔
لوگ گناہوں سے توبہ کرتے ہیں میں لاالٰہ الا اللہ کہنے سے توبہ کرتا ہوں، میں آلہ اور حروف سے باتیں کرتا ہوں اور حق آلہ اور حروف سے باہر ہے۔

(۷) سبحانی سبحانی ما اعظم شانی حسبی من نفسی حسبی[4]۔
سبحانی سبحانی ما اعظم شانی حسبی من نفسی حسبی۔

حسین بن منصور حلّاج

تاریخ میں شاید ہی کسی انسان کو اپنے قول کی اتنی بھاری قیمت چکانی پڑی ہو جتنی کہ حلاج کو۔ اِس الم رسیدہ شخص کو ان اقوال کی پاداش میں سولی دی گئی جو شطحات کے ذیل میں آتے ہیں۔ مسلمان مورخوں نے اس کے عجیب وغریب شطحات کی ایک طویل فہرست فراہم کی ہے۔ علّامہ ابن جوزی کے بہ قول اس نے پہلے نبوت کا دعویٰ کیا اور بعد میں خدائی کا۔ اس کے دعوئے ربوبیت کے ثبوت میں مشہور شطحیہ کلمہ "انا الحق" پیش کیا جاتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کی پوری زندگی شطحات سے عبارت ہے۔ اس کی کتابوں میں ایک قابلِ اعتراض عبارت یہ پائی گئی:

انی مغرق قوم نوح ومھلک عاد وثمود[5]
میں ہی قوم نوح کو غرق کرنے والا اور عاد وثمود کو ہلاک کرنے والا ہوں۔

---

[1] النور من کلمات ابی طیفور مشمولہ شطحات الصوفیہ ۱ : ۱۴۳

[2] شطحات الصوفیہ ۱ : ۳۰ ،

[3] النور من کلمات ابی طیفور مشمولہ شطحات الصوفیہ ۱ : ۱۰۴

[4] النور من کلمات ابی طیفور مشمولہ شطحات الصوفیہ ۱ : ۱۰۴

[5] المنتظم فی تاریخ الملوک والامم ۶ : ۱۶۳، اسی معنی میں جہانگیر اشرف سمنانی کا شطح ہے "انا اللہ لا الٰہ الاغیری"۔ منم اللہ نیست مالکے سوائے من۔ دیکھیے: لطائف اشرفی ۲ : ۲۰

علامہ ابن جوزی لکھتے ہیں کہ حلاج اپنے دوستوں میں ایک سے کہتا کہ تم نوح ہو دوسرے سے کہتا کہ تم موسیٰ ہو اور تیسرے سے کہتا کہ تم محمدؐ ہو میں نے ان کی روحیں تمھارے جسموں میں ڈال دی ہیں۔[1]

حلاج کے بھانجہ کا بیان ہے کہ میں نے اپنے ماموں کے ہاتھ کی لکھی ہوئی یہ عبارت دیکھی :

مَنْ فرق بين الكفر والايمان فقد كفر ومن لم يفرق بين الكافر والمؤمن فقد كفر۔[2]

جس نے کفر اور ایمان کے درمیان فرق کیا اس نے کفر کیا اور جس نے کافر اور مومن کے درمیان فرق نہیں کیا اس نے کفر کیا۔

حلاج کے پاس ایک شخص گیا اور کہا کہ مجھے توحید کی راہ دکھایے۔ انھوں نے جواب دیا : توحید خارج از بیان ہے۔ اس شخص نے کہا لاالٰہ الا اللہ کے کیا معنی ہیں ؟ حلاج نے جواب دیا :

كلمة شغل بها العامة لئلا يختلطوا باهل التوحيد وهذا شرح توحيد من وراء الشرع[3]

ایک کلمہ ہے جس میں عوام کو مشغول رکھا گیا تاکہ وہ اہل توحید کے ساتھ خلط ملط نہ ہو جائیں اور توحید کی یہ شرح شریعت سے ماوراء ہے۔

کفر وایمان کی پردہ کشائی کرتے ہوئے حلاج کہتے ہیں :

الكفر والايمان يفترقان من حيث الاسم واما من حيث الحقيقة فلا فرق بينهما۔[4]

کفر اور ایمان اسم کے لحاظ سے الگ الگ ہیں مگر حقیقت کے لحاظ سے دو میں کوئی فرق نہیں ہے۔

---

[1] المنتظم فی تاریخ الملوک والامم ۶ : ۱۶۳

[2] ل۔ ماسینون وپ کراوس، اخبار الحلاج مطبوعہ پیرس سنہ ۱۹۳۶ء ص ۴۷،

اخبار الحلاج، تقدیم عبدالحفیظ بن محمد مدنی ہاشم، مکتبۃ الجندی قاہرہ ص ۴۱

نوٹ :۔ اخبار الحلاج کے اصل مصنف کا نام معلوم نہیں ہے۔ حلاج کے متعلق معلومات کا یہ قدیم ترین نسخہ ہے کشف الظنون میں اس کے مصنف کا نام علی بن انجب الساعی المتوفی ۶۷۴ھ دیا ہے دیکھیے اخبار الحلاج پیرس ایڈیشن ص ۵۔ علی گڈھ مسلم یونی ورسٹی کی شعبۂ اسلامیات کی لائبریری میں اس کے کارڈ پر مصنف کا نام یوں دیا ہے : ابن باکویہ الصوفی محمد بن عبداللہ (ابو عبداللہ) ۳۴۰-۴۲۸ھ / ۹۵۱-۱۰۳۷ء، اس کتاب کو پیرس سے ماسینون، کراوس اور مصر سے عبدالحفیظ محمد مدنی ہاشم نے مرتب کر کے شائع کیا ہے۔

[3] اخبار الحلاج (پیرس ایڈیشن) ص ۴۷، (قاہرہ ایڈیشن) ص ۴۱ [4] اخبار الحلاج (پ) ص ۵۳، (ق) ص ۳۱

حلاج نے ایک دفعہ جامع دینور میں رات گزاری ایک ساتھی نے عرض کیا حضرت! فرعون کے کلام کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ حلاج نے جواب دیا: "کلمہ حق"۔ اس نے پھر سوال کیا کہ موسیٰؑ کے کلام کے متعلق آپ کیا کہتے ہیں؟ حلاج نے کہا "کلمہ حق"، یہ دونوں ابد میں جاری ہوئے ہیں جس طرح یہ دونوں کلمے ازل میں صادر ہوئے تھے[1] احمد بن فاتک کا کہنا ہے کہ میں نے حلاج کو یہ شعر پڑھتے ہوئے دیکھا:

انا الحق والحق للحق حق ۔۔۔ لابس ذاته فما ثم فوق[2]

ان کے قابلِ اعتراض اشعار میں سے ایک یہ ہے:

کفرت بدین الله والکفر واجب ۔۔۔ لدی عند المسلمین قبیح[3]

دینور میں ایک شخص سے ایک خط برآمد ہوا، جس میں یہ عبارت تھی:

مِن الرَّحمٰن الرَّحیم الیٰ فلان ابن فلان[4] الرحمٰن الرحیم کی طرف سے فلاں ابن فلاں کے نام

ابوالحسین نوری

شیخ ابوالحسین نوری سے بھی شطحات منقول ہیں۔ غلام خلیل[5] (م ۲۷۵ھ/۸۸۸ء) نے شیخ نوری کے خلاف یہ الزام لگایا گیا تھا کہ وہ کہتے ہیں: "میں اللہ سے عشق کرتا ہوں اور وہ مجھ سے عشق کرتا ہے"۔ اس کا جواب نوری نے یہ دیا کہ اللہ تعالیٰ نے خود ہی قرآن میں کہا ہے "یحبّھم ویحبّونه[6]" شیخ نوری

[1] اخبار الحلاج (پ) ص ۴۸، (ق) ص ۲۹ [2] اخبار الحلاج (پ) ص ۱۰۸، (ق) ص ۵۶

گلبانگ "انا الحق" کی روح حلاج کی کتاب "الطواسین" میں ہر مقام پر نظر آرہی ہے۔ دیکھیے الطواسین"۔

[3] اخبار الحلاج (پ) ص ۹۹ (ق) ص ۵۳ شعر کا ترجمہ یوں ہے:

(میں نے دین کا انکار کیا اور یہ انکار واجب ہے جبکہ مسلمانوں کے نزدیک کفر کرنا قبیح ہے)

[4] تاریخ بغداد ۸: ۱۲۷، محمد یوسف کوکن (سیرت) امام ابن تیمیہ، مدراس ۱۳۷۹ھ/۱۹۵۹ء، ص ۲۷۰

[5] ابوعبداللہ احمد بن محمد بن غالب بن خالد المعروف بہ غلام خلیل بغداد کے ایک زاہد تھے۔ حدیث میں قابلِ اعتبار نہیں ہیں۔ بغداد میں وفات پائی اور لاش بصرہ لے جائی گئی، قبر پر قبہ تعمیر کیا گیا۔ تاریخ بغداد، ۵: ۷۸-۸۰

[6] اللمع ص ۴۹۲، تلبیس ابلیس ص ۲۳۸، سورہ المائدہ کی آیت ۵۴ کا ٹکڑا ہے جس کا ترجمہ یوں ہے: "اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے محبت کرے گا اور وہ اُس سے محبت کریں"

نے ایک آدمی کو اپنی داڑھی پکڑے ہوئے دیکھا تو کہا: "اللہ کی داڑھی سے اپنا ہاتھ ہٹاؤ"[1] ایک دفعہ انھوں نے موذن کو اذان دیتے ہوئے سنا تو کہا: "طعنۃً وسَمّ الموت" اور کتے کو بھونکتے ہوئے سنا تو کہا: "لبّیک وسعدیک"![2]

ابوحمزہ بغدادی

شیخ ابوحمزہ بغدادی کے بارے میں بھی کچھ ایسے کلمات اور شطحات مشہور ہیں جو شریعت کے نزدیک قابل اعتراض ہیں۔ ان کے بارے میں عوام میں یہ بات پھیل گئی تھی کہ وہ حلولی ہیں کیوں کہ جب وہ ہوا چلنے کی آواز، پانی کی جھنکار اور پرندوں کی چہچہاہٹ سنتے تو لبیک کہتے تھے[3]۔ ابوحمزہ ایک مرتبہ حارث محاسبی کے گھر میں تھے کہ چھت پر سے مرغ نے بانگ دی۔ بانگ سن کر شیخ ابوحمزہ نے کہا "لبیک" (میں حاضر ہوں) اس پر حارث محاسبی نے ان سے کہا کہ اگر تم اس سے توبہ نہیں کرتے ہو تو میں تمہیں قتل کردوں گا[4]۔ شیخ ابوحمزہ کہتے تھے کہ جنت میں لوگوں کے ساتھ بھی وہی ہوگا جو حضرت آدمؑ کے ساتھ ہوا، کیوں کہ فرشتے ان سے کہیں گے:

كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا أَسْلَفْتُمْ فِي الْأَيَّامِ الْخَالِيَةِ (الحاقۃ: ۲۴)

کھاؤ اور پیو مزے کے ساتھ، ان اعمال کے صلہ میں جو تم نے گذشتہ ایام (زمانۂ قیام دنیا) میں انجام دیے ہیں۔

خدا ان کو کھانے پینے میں مشغول کرے گا اور اس سے بڑھ کر عارفوں کے لیے مکر اور حسرت ہے ہی نہیں[5]۔

ابوبکر واسطی

محمد بن موسیٰ الفرغانی المعروف بہ واسطی بھی صاحبِ شطح صوفی رہے ہیں ان کا ایک شطح یہ ہے:

۱۔ تلبیس ابلیس ص ۳۳۸

۲۔ اللمع ص ۴۹۲، الکواکب الدریہ ۱: ۴۹۵

۳۔ اللمع ص ۴۹۵

۴۔ اللمع ص ۴۹۵، تذکرۃ الاولیاء باب۸۵ ص ۴۰۵

۵۔ الطبقات الکبریٰ ۱: ۹۹، تلبیس ابلیس ص ۳۳۳، طبقات الصوفیہ ۳۲۷

من ذکر افتری و من صبر اجتری و من شکر انبری[1]

جس نے ذکر کیا اس نے بہتان باندھا، جس نے صبر کیا اس نے جسارت کی اور جس نے شکر کیا اس نے اعتراض کیا۔

کہا جاتا ہے کہ انھوں نے ایک دفعہ یہ الفاظ کہے:

ایاك ان تلاحظ حبیبًا او کلیمًا او خلیلاً وانت تجد الی ملاحظ الحق سبیلاً۔

خبردار جب مشاہدۂ حق کا طریقہ ہاتھ آئے تو حبیب[ص]، کلیم[ع] یا خلیل[ع] کو مت پکڑنا۔

ایک آدمی نے ان سے پوچھا کیا ہم ان پر درود نہ بھیجیں؟ تو جواب دیا:

صل علیھم بالاوتار ولا تجعل لھا فی قلبك مقدار[2]

درود ان پر گاہے گاہے بھیجا کرو لیکن اپنے دل میں اسے کوئی حیثیت نہ دو۔

شیخ ابونصر سراج طوسی کی روایت کے مطابق اس سے دو گروہ تباہ ہو گئے ایک نے خیال کیا کہ وہ پیغمبروں کی توہین کرتے ہیں اور دوسرے نے سمجھا کہ وہ پیغمبروں کی کماحقہ تعظیم نہیں کرتے چنانچہ ابوسعید بسطامی نے صوفیہ کی مخالفت کرتے ہوئے اس بات کو بہ طور حربہ استعمال کیا اور کہا کہ صوفیہ "محمد[ص]" کے بعد صلی اللہ علیہ وسلم نہیں کہتے۔[3] ذکر کے متعلق واسطی کا یہ شطح منقول ہے:

الذاکر فی ذکرہ اشد غفلة من الناسی لذکرہ لان ذکرہ سواہ[4]

اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ذاکر ذکرِ الٰہی سے غافل انسان کی بہ نسبت زیادہ غافل ہے کیوں کہ اس کا ذکر بھی بغیرِ خدا ہے۔

شیخ جنید بغدادی

محتاط صوفیہ میں شیخ جنید بغدادی کا مقام انتہائی بلند ہے لیکن شطحات ان سے بھی نقل کیے گئے ہیں۔

ان کا مشہور شطح یہ ہے:

ما اخرج اللّٰہ الی الارض علماً وجعل للخلق

اللہ تعالیٰ نے دنیا کی طرف کوئی علم نہیں بھیجا ہے اور

---

1. اللمع ص ۵۰۶
2. اللمع ص ۵۰۹
3. اللمع ص ۵۰۹
4. الطبقات الکبریٰ ۱ : ۱۰۰، شیخ علی ہجویری نے اس قول کو بہ ایں الفاظ نقل کیا ہے: الزاکرون فی ذکرہ اکثر غفلة من الناسین لذکرہ، کشف المحجوب ص ۱۴۰، التصوف فی الاسلام ص ۶۷

الیه سبیلا الا وقد جعل الله لی حظاً ونصیباً[۱] — لوگوں کے لیے اس کی راہ کھولی ہو اور اس کا ایک حصہ مجھے عنایت نہ فرمایا ہو۔

شیخ جنید بغدادی ایک دفعہ اپنے ایک مرید کے ساتھ کہیں جا رہے تھے کہ راستہ میں کتا بھونکا۔ شیخ نے کہا "لبیک لبیک" (میں حاضر ہوں میں حاضر ہوں) مرید نے پوچھا کہ حضرت یہ کیا ہے؟ شیخ نے جواب دیا: "قوت و دبدبہ تو قہر الٰہی کا نظر آیا آواز قدرتِ الٰہی کی سنی، کتے کو درمیان میں نہیں دیکھا اس لیے لبیک کہنا ناگزیر تھا[۲] ان کا ایک مشہور شطح اس طرح منقول ہے:

لیس فی جبّتی سوی اللہ[۳] — میرے جبہ میں سوائے اللہ کے کوئی نہیں ہے

ابوبکر شبلی

شیخ ابوبکر شبلی پہلے صوفی ہیں جنھوں نے تصوف کے اسرار کو سب سے پہلے منبر پر بیان کیا۔ شیخ جنید بغدادی نے اس پر ان کی سرزنش کی تو جواب دیا:

انا اقول وانا اسمع فهل فی الدارین غیری[۴] — میں ہی کہتا ہوں اور میں ہی سنتا ہوں کیا دونوں جہانوں میں میرے علاوہ اور کوئی ہے؟

ایک آدمی نے ان سے پوچھا آپ کون ہیں؟ تو شیخ شبلی نے جواب دیا:

النقطة التی تحت الباء[۵] — میں وہ نقطہ ہوں جو (بسم اللہ) کی ب کے نیچے ہے۔

شیخ موصوف ایک دن اپنے ساتھیوں کے ساتھ بیٹھے تھے، جب وہ جانے لگے تو ان کی طرف رخ کر کے کہا:

۱؎ المنتظم فی تاریخ الملوک والامم ۶ : ۱۰۶ ، الکواکب الدریہ ۱ : ۲۱۴

۲؎ تذکرۃ الاولیاء باب ۴۳ ص ۲۳۰

۳؎ اردو دائرۂ معارف اسلامیہ ۱۱ : ۷۲۸

۴؎ التعرف ص ۱۴۵ ، تذکرۃ الاولیاء باب ۷۶ ص ۳۸۳ ، شطحات الصوفیہ ۱ : ۴۳

۵؎ الطبقات الکبریٰ ۱ : ۱۰۴ ، شطحات الصوفیہ ۱ : ۴۴

مرّوا انا معکم حیث ماکنتم انتم فی دعایتی و فی کلایتی[۱] — جاؤ تم جہاں کہیں بھی ہو، میں تمہارے ساتھ ہوں تم میری نگہبانی اور حفاظت میں ہو۔

قرآن میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَسَوۡفَ یُعۡطِیۡكَ رَبُّكَ فَتَرۡضٰی (والضحیٰ: ۵) — اور عنقریب اللہ تعالیٰ آپ کو (بہ کثرت نعمتیں) عطا کرے گا سو آپ خوش ہوں گے

شیخ ابوبکر شبلی نے ایک مرتبہ اس کی تفسیر کرتے ہوئے کہا: "واللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک راضی نہیں ہوں گے جب تک ان کی امت کا ایک فرد بھی جہنم میں ہو گا وہ اپنی امت کی شفاعت کریں گے ان کے بعد میں شفاعت کروں گا یہاں تک کہ کوئی آگ میں نہیں رہے گا۔[۲]

شیخ شبلی کا ایک شطح اس طرح ہے:

انا الوقت، وقتی عزیز و لیس فی الوقت غیری و انا محق[۳] — میں "وقت" ہوں، میرا وقت غالب ہے، میرے علاوہ زمانہ میں کوئی نہیں ہے میں محق ہوں۔

شیخ حصری کہتے ہیں کہ شبلی نے مجھ سے کہا:

ان مرّ بخاطرك ذکر جبرئیل و میکائیل علیہما السلام اشرکت[۴] — اگر تمہارے دل میں جبرئیل و میکائیل کا خیال بھی گزرے تو تو نے شرک کیا۔

شیخ شبلی کی دعا میں بھی شطح کا انداز ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ انھوں نے دعا کی:

اللّٰھم ان کنت تعلم ان فی بقیة لغیرك فاحرقنی بنارك لا الہ الا انت[۵] — اے اللہ اگر تو جانتا ہے کہ مجھ میں تیرے سوا کسی اور کے لیے جگہ ہے تو تو مجھے اپنی آگ میں جلا ڈال۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔

۱۔ اللمع ص ۴۷۸، تلبیس ابلیس ص ۳۴۸، شطحات الصوفیہ ۱: ۴۱

۲۔ شطحات الصوفیہ ۱: ۴۳، تلبیس ابلیس ص ۳۴۸، شبلی کہتے ہیں: "واللہ لا رضی محمد صلعم و فی النار من امتہ احد، ان محمدا یشفع فی امتہ و انا اشفع بعدہ حتی لا یبقی فیھا احد۔"

۳۔ اللمع ص ۴۸۸، شطحات الصوفیہ ۱: ۴۳

۴۔ شطحات الصوفیہ ۱: ۴۱

۵۔ شطحات الصوفیہ ۱: ۴۳

اپنے اس خیال کو انھوں نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

لوخطر ببالی ان الجحیم بنیرانها وسعیرها
تحرق منی شعرة لکنت مشرکا۔[۱]

اگر میرے دل میں یہ خیال بھی آجائے کہ جہنم اپنی آگ اور اپنے شعلوں سے میرا ایک بال بھی جلائے گی تو میں مشرک ہوں۔

شیخ شبلی کا ایک شطحیہ قول ہے: "جنت میں خدا کے سوا کوئی نہ ہوگا"[۲] تصوف کی جو تعریف شیخ شبلی نے کی ہے، وہ شطحیات میں شمار ہوتی ہے۔ کہتے ہیں تصوف شرک ہے کیوں کہ اس کا مقصد غیر کے دل کی صفائی ہے اور غیر کا وجود ہی نہیں۔[۳] شیخ شبلی نے ایک شخص سے نام پوچھا، اس نے بتایا "آدم"۔ یہ سن کر شبلی نے کہا افسوس تم جانتے ہو آدم نے کیا کیا، اپنے خدا کو ایک لقمہ کے بدلہ بیچ دیا۔[۴] عبدالکریم جیلی[۵] (۷۶۷-۸۳۲ھ / ۱۳۶۵-۱۴۲۸ء) نے شبلی کا ایک قول یوں نقل کیا ہے:

لودبت نملة سوداء علی صخرة صماء فی
لیلة ظلماء ولم اسمعها لقلت انی مخدوع
او ممکور بی۔[۶]

کسی تاریک رات میں سخت چٹان پر کوئی سیاہ چیونٹی رینگے اور میں اسے نہ سنوں تو یہ کہوں گا کہ میرے ساتھ فریب یا دھوکا کیا گیا ہے۔

۱۔ شطحات الصوفیه ۱: ۴۳

۲۔ Shorter Encyclopaedia of Islam p.533

۳۔ تذکرة الاولیاء باب ۷۸ ص ۳۸۶،

۴۔ تلبیس ابلیس ص ۳۳۸۔

۵۔ عبدالکریم بن ابراہیم المعروف بہ قطب جیلی، متصوف عالم تھے۔ متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ الانسان الکامل مشہور ہے۔ الاعلام ۴: ۱۷۵-۱۷۶

۶۔ عبدالکریم جیلی، الانسان الکامل، مطبعة الازھریه المصریه (مصر) الطبعة الاولیٰ (۱۳۱۶ھ) باب ۳۷ ۱: ۷۳۔ عبدالرحمٰن بدوی نے یہ الفاظ دیے ہیں: "لودبّت نملة سوداء علی صخرة فی لیلة ظلماء ولم اشعرها ولم اعلم بها لقلت انی ممکور بی" شطحات الصوفیه ۱: ۴۴، شاہ ولی اللہ صاحب کے بہ قول ان کے چچا شیخ ابوالرضا نے اپنے ایک نوکر کو ڈانٹتے ہوئے فرمایا:

بخدا اگر مورے در زیر ترین زمین باشد و در خاطر او صد خطرہ خطور کند من نود و نہ خطرہ را می دانم و حق سبحانہ بتمام ماۂ عالم است۔

بخدا اگر زمین کے نچلے طبقہ میں چیونٹی ہو اور اس کے دل میں سو خیالات پیدا ہوں تو ان کے ننانوے خیالات کو میں جانتا ہوں اور حق تعالیٰ سو کے سو جانتا ہے۔

دیکھیے انفاس العارفین ص ۹۵

سہل بن عبداللہ تستری

شیخ سہل بن عبداللہؒ تستری بھی شطحات کے لیے مشہور ہیں۔ ان کا مشہور شطح ہے کہ: "میں اپنے وقت کے اولیاء کے لیے حجت ہوں[1]۔" ان کے متعلق مشہور ہوا کہ یہ کہتے ہیں کہ بندہ پر ہر سانس کے ساتھ توبہ فرض ہے[2]۔ نیز ان پر الزام لگایا گیا کہ وہ کہتے ہیں کہ گنہ گار کو گناہ سے اور مطیع کو اطاعت سے توبہ کرنی چاہیے[3]۔ چنانچہ شیخ پر حکم لگایا گیا لوگ ان کے مخالف ہو گئے اور تستر سے انھیں نکال دیا[4]۔ ان کا ایک مشہور شطح یہ ہے:

ان للربوبیۃ سرا لوظھر لبطلت النبوۃ وان للنبوۃ سرا لوظھر لبطل العلم وان للعلماء سرا لوظھر لبطلت الاحکام والشرائع[5]۔	ربوبیت کا ایک راز ہے اگر ظاہر ہو جائے تو نبوت بیکار ہو جائے گی، نبوت کا ایک بھید ہے اگر کھل جائے تو علم باطل ہو جائے گا، اور علماء کے پاس ایک سر ہے اگر عیاں ہو جائے تو احکام و شرائع باطل ٹھہریں گے۔

امام غزالی پر ایک اعتراض اس شطح کے نقل کرنے پر بھی کیا گیا تھا[6]۔ ذکر کے بارے میں شیخ سہل بن عبداللہ تستری کا یہ شطح نقل کیا گیا ہے:

ذکر اللہ تعالیٰ باللسان ھذیان وذکر اللہ تعالیٰ بالقلب وسوسۃ[7]۔	زبان سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا ہذیان ہے اور دل سے ذکر اللہ کرنا وسوسہ۔

---

[1] Shorter Encyclopaedia of Islam p.533

علامہ ابن جوزی نے یہ الفاظ دیئے ہیں: "انا حجۃ اللہ علی الخلق" میں مخلوق کے لیے اللہ کی حجت ہوں۔ تلبیس ابلیس ص ۲۰۷

[2] اللمع ص ۴۹۹، تذکرۃ الاولیاء باب ۲۸ ص ۱۶۲، ۱۶۳، "التوبۃ فریضۃ علی کل عبدٍ مع کل نفسٍ"۔

[3] تذکرۃ الاولیاء باب ۲۸ ص ۱۶۳ [4] اللمع ص ۴۹۹

[5] الاخلاق عند الغزالی ص ۸۳، تلبیس ابلیس ص ۳۳۹،

Shorter Encyclopaedia of Islam p.533

[6] محمد مرتضیٰ زبیدی۔ اتحاف السادۃ المتقین، مطبوعہ مصر ۱ : ۳۷، الاخلاق عند الغزالی ص ۸۳، تلبیس ابلیس ص ۳۳۹

[7] اللمع ص ۴۷۶

ان کا یہ قول بھی شطحیات میں مشہور ہے:

مولای لاینام وانا لاانام[1] — میرا مولا سوتا نہیں ہے اور میں بھی نہیں سوتا ہوں

شیخ شعرانی کے بہ قول سہل بن عبداللہ تستری کہا کرتے تھے کہ " میں روزِ الست بربکم ہی سے اپنے شاگردوں کو جانتا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ اُس وقت کون میری دائیں جانب بیٹھا تھا اور کون بائیں جانب۔ میں آج تک ہمیشہ ان کا مربی رہا ہوں جب وہ پشت ہی میں تھے جب سے آج تک مجھ سے محجوب نہیں رہے[2]۔

ابوالحسن خرقانی

شطحیات کے سلسلہ میں شیخ ابوالحسن خرقانی کا نام بھی بہ کثرت لیا جاتا ہے۔ سلطان محمود غزنوی[3] (۳۶۱-۴۲۱ھ / ۹۷۱-۱۰۳۰ء) نے ایک دفعہ شیخ کی زیارت کا قصد کیا۔ خرقان پہنچے تو شیخ کے پاس پیغام بھیجا کہ "حضور میں غزنین سے آپ کی زیارت کے لیے آیا ہوں آپ بھی میرے لیے خانقاہ سے خیمہ تک تشریف لائیں"۔ ساتھ ہی سلطان نے قاصد سے یہ بھی کہا کہ اگر شیخ آنے سے معذوری ظاہر کریں تو قرآن کی یہ آیت ان کے سامنے پڑھنا:

---

1. اللمع ص ۴۷۶

2. الطبقات الکبریٰ ۱ : ۱۰۸، اپنے مریدوں کے لیے شیخ کی شفقت کے سلسلہ میں مختلف واقعات ملتے ہیں۔ عام طور سے شیخ زمان و مکان سے ماوراء ہو کر اپنے مریدوں کی دست گیری کرتا ہے۔ شیخ سید عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں:

انا لکل من عثر مرکوبہ من اصحابی و مریدی — میرے دوستوں اور مریدوں اور میرے چاہنے والوں

ومحبی الی یوم القیامۃ اٰخذ — میں سے جو بھی قیامت تک لغزش کرے گا میں اُسے تھام لوں گا۔

عفیف الدین یافعی، مراۃ الجنان وعبرۃ الیقظان، دایرۃ المعارف حیدرآباد ۱۳۳۸ھ ۲ : ۵۴، تصوف میں شیخ کے تصور پر سیر حاصل بحث کے لیے دیکھیے، تصوف ایک تجزیاتی مطالعہ ص ۱۵۶-۱۷۳، ڈاکٹر اشتیاق احمد ظلی کا مضمون، تصوف میں پیر کا تصور، تحقیقات اسلامی علی گڑھ اول، شمارہ ۲، اپریل۔ جون ۱۹۸۲ء

3. محمود بن سبکتگین الغزنوی مشہور بادشاہ جس نے ہندستان کو فتح کیا۔ الاعلام ۸ : ۴۷-۴۸

اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ — اطاعت کرو اللہ کی اور رسول کی اور اولوالامر کی جو تم میں سے بنائے گئے ہوں (النساء : ۵۹)

قاصد نے پیغام پہنچایا تو شیخ نے آنے سے معذوری ظاہر کی جب قاصد نے قرآن کی مذکورہ آیت پڑھی، تو شیخ نے کہا: "محمود سے کہو کہ میں اطیعوا اللہ میں ایسا مستغرق ہوں کہ اطیعوا الرسول ہی سے شرمندہ ہوں اولوالامر کی تو بات ہی نہیں[1]"۔ ایک دفعہ ایک مرقع پوش ہوا سے زمین پر آیا اور شیخ کے سامنے زمین پر پیر مار کر کہنے لگا: "میں اپنے وقت کا جنید ہوں، شبلیٔ زماں ہوں، بایزیدِ عصر ہوں"۔ شیخ نے کھڑے ہو کر زمین پر پاؤں مارا اور کہا: "میں اپنے وقت کا مصطفٰے ہوں اور اپنے زمانہ کا خدا ہوں[2]"۔

ایک آدمی نے ان کے سامنے قرآن کی یہ آیت پڑھی:

اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ (البروج : ۱۲) — بے شک تمہارے رب کی پکڑ سخت ہے۔

یہ سن کر شیخ خرقانی نے کہا: "میری پکڑ تو اس کی پکڑ سے بھی سخت ہے وہ دنیا اور اہلِ دنیا کو پکڑتا ہے میں اس کے دامنِ کبریائی کو پکڑتا ہوں[3]"۔ ان کا سب سے عجیب و غریب شطح یہ ہے: "میں خدا سے صرف دو سال چھوٹا ہوں[4]"۔

ابوسعید الخرّاز (۲۷۹ھ / ۸۹۲ء)

شیخ ابوسعید الخرّاز بھی صاحب شطح صوفی کی حیثیت سے مشہور ہیں ان کی کتاب 'کتاب السرّ' میں بھی قابل اعتراض مواد پایا گیا مثلاً ایک عبارت یہ تھی:

عبد رجع الی اللہ وتعلق بذکر وذکرنی — بندہ جب اللہ تعالیٰ سے رجوع کرے اور اس کے

---

[1] تذکرۃ الاولیاء باب ۷۳ ص ۳۵۱، "چناں در اطیعوا اللہ مستغرقم کہ در اطیعوا الرسول خجی لتہا دارم تا بہ اولی الامر چہ رسد"۔

[2] تذکرۃ الاولیاء باب ۷۳ ص ۳۵۳

[3] تذکرۃ الاولیاء باب ۷۳ ص ۳۶۰

[4] Shorter Encyclopaedia of Islam p.533

قرب الله وطالع ما اذن له من التعظيم — ذکر کے ساتھ تعلق پیدا کرے اور اللہ تعالیٰ کے قرب میں ذکر کرے

لله ونسی نفسه وما سوی الله فلو قلت — اور اسے تعظیم الٰہی میں سے جس چیز کی اجازت ملے اس کا مشاہدہ

له من این انت واین ترید ہلم یکن — کرے اور وہ اپنے نفس اور ماسوی اللہ کو بھول جائے اور تم اسے کہو

له جواب غیر قول "الله"۔[1] — کہاں سے آئے اور ارادہ کہاں کا ہے؟ اس کا جواب صرف یہ ہوگا "الله"۔

شیخ ابو سعید کہتے تھے کہ ہر آدمی کو اختیار دیا گیا ہے کہ قرب اور بُعد میں جس کو چاہے اختیار کرے میں نے بُعد کو اختیار کیا کیوں کہ مجھ میں قرب کی طاقت نہ تھی جس طرح لقمان[2] (۳۰۰۰ ق م) کہتے ہیں کہ مجھے اختیار دیا گیا کہ میں حکمت و نبوت میں جسے چاہوں اختیار کر لوں، میں نے حکمت لی کیوں کہ مجھ میں نبوت کی طاقت نہ تھی۔[3] شیخ ابو سعید الخراز کا کہنا ہے:

اکبر ذنبی الیه معرفتی ایاه۔[4] — میری معرفت ہی اس کے نزدیک میرا سب سے بڑا گناہ ہے۔

ابو سعید ابوالخیر

شیخ ابو سعید ابوالخیر سے بھی شطحیہ کلمات نقل کیے گئے ہیں۔ ایک وعظ کے دوران ان پر باطنی جوش کا اس قدر غلبہ ہوا کہ پکار اٹھے:

لیس فی الجبة الا الله۔ — میرے جبہ میں سوائے خدا کے کوئی نہیں۔

اور یہ کہتے ہوئے اپنے جبہ میں انگلی گزار دی۔ یہ جبہ تقسیم کیا گیا اور جس حصہ میں انھوں نے انگلی سے سوراخ کر دیا تھا اسے محفوظ کر لیا گیا۔[5]

---

[1] اللمع ص ۴۹۹، تذکرۃ الاولیاء باب ۵۴ ص ۲۴۸ـ ۲۴۹ الفاظ میں تھوڑا سا تغیر ہے، تلبیس ابلیس ص ۱۶۹

[2] لقمان اہلِ عرب کی ایک مشہور شخصیت ہے۔ ان کی نبوت میں اختلاف ہے تاہم ان کے حکیم و دانا ہونے میں کسی کو شبہ نہیں ہے۔ قرآن کی ایک پوری سورت ان کے نام پر ہے۔ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، قصص القرآن، طبع اول، ۱۳۶۳ھ/۱۹۴۴ء ۳: ۲۴ ـ ۳۹، البدایہ والنہایہ ۱: ۱۲۳ ـ ۱۲۹

[3] تذکرۃ الاولیاء باب ۵۴ ص ۲۴۹

[4] تلبیس ابلیس ص ۳۴۷

[5] اردو دائرۂ معارف اسلامیہ ۱: ۸۲۴

شیخ محی الدین ابن عربی

شیخ محی الدین ابن عربی کا مرقعِ فکر ایسے اقوال و افکار سے رنگین ہے جو شطحات کے ذیل میں آتے ہیں۔ کہتے ہیں:

انا اصغر ربی بسنتین[1] — میں اپنے رب سے دو سال چھوٹا ہوں

عفیف تلمسانی[2] (۶۱۰ — ۶۹۰ھ / ۱۲۱۳ — ۱۲۹۱ء)

شیخ محی الدین ابن عربی کے ہم خیال عفیف الدین تلمسانی کی زبان سے ایک مرتبہ یہ کلمات نکلے:

"پورا قرآن شرک سے بھرا پڑا ہے"[3]۔ ان سے ایک مرید فصوص الحکم پڑھ رہے تھے، بیچ میں مرید نے ایک جگہ کہا کہ یہاں پر یہ جملے قرآن سے متناقض ہیں، اس پر عفیف تلمسانی نے انھیں ڈانٹا اور کہا: "بار بار قرآن کی بات کرتے ہو قرآن کو باہر پھینک آؤ اور صاف دل ہو کر فصوص الحکم پڑھو"[4]

ابراہیم الدسوقی[5] (۶۳۳ — ۶۷۶ھ / ۱۲۳۵ — ۱۲۷۷ء)

شیخ ابراہیم الدسوقی کہتے ہیں:

اشهدنی اللہ تعالیٰ ما فی العلیٰ وانا ابن — جب میں چھ سال کا تھا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے

---

[1] کشاف اصطلاحات الفنون ۳ : ۷۳۵

[2] سلیمان بن علی بن عبد اللہ الکومی التلمسانی، وحدۃ الوجود کے ترجمان اور فلسفۂ ابن عربی کے شارح و ترجمان تھے۔ ان کی تصانیف میں "شرح الفصوص لابن عربی" مشہور ہے۔ زندقہ کے الزام سے متہم ہیں۔ دمشق میں وفات پائی۔ البدایہ والنہایہ ۱۳ : ۳۲۶، شذرات الذہب ۵ : ۴۱۲، الاعلام ۳ : ۱۹۳، نفحات الانس ص ۲۷۴

[3] الفرقان بین اولیاء الرحمٰن و اولیاء الشیطان مشمولہ مجموع فتاویٰ ۱۱ : ۲۴۱، القرآن کلہ شرک وانما التوحید فی کلامنا ۱۱ : ۲۴۱ امام ابن تیمیہ ص ۳۲۱ [4] امام ابن تیمیہ ص ۳۲۱ [5] کثیر الاخبار صوفی، دسوق مصر میں رہتے تھے فقہ شافعی میں رسوخ کے بعد تصوف اپنایا، ان سے کثیر شطحات منقول ہیں، الاعلام ۱ : ۵۴، الطبقات الکبریٰ ۱ : ۱۴۳ - ۵۸

ست سنین ونظرت فی اللوح المحفوظ و انا ابن ثمان سنین وفککت طلسم السماء وانا ابن تسع سنین ورأیت فی السبع المثانی حرفاً معجماً حار فیہ الجن والانس ففہمتہ وحمدت اللہ تعالیٰ علیٰ معرفتہ وحرکت ما سکن وسکنت ما تحرک باذن اللہ تعالیٰ وانا ابن اربع عشر سنۃ والحمد للہ رب العالمین۔[۱]

آسمان کی بلندیوں میں موجود چیزوں کا مشاہدہ کرایا۔ جب میں آٹھ سال کا ہوا تو میں نے لوحِ محفوظ کو دیکھا جب نو سال کی عمر کو پہنچا تو میں نے آسمان کے طلسم کو توڑ دیا اور جب چودہ برس کی میری عمر ہوئی تو میں نے سبع مثانی میں ایک غیر معرب حرف دیکھا جس میں تمام جن وانس حیران وسرگرداں تھے میں نے اسے سمجھ لیا اور اس کی معرفت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا جو ساکن تھا میں نے اسے متحرک کیا اور جو متحرک تھا اسے خدا کے حکم سے ساکن بنایا اور اللہ رب العالمین کا شکر ادا کیا۔

٭

٭

عین القضاۃ ہمدانی[۲] (م ۵۲۵/۵۳۳ھ / ۱۱۳۰/۱۱۳۸ء)

شیخ عین القضاۃ سے یہ شطح منقول ہے:

آن را کہ شما خدا می دانید نزدیک ما محمد صلی اللہ علیہ وسلم است۔ وآن کہ شما محمد می دانید نزدیک ما خدا است۔[۳]

جسے تم خدا جانتے ہو وہ ہمارے نزدیک محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور جسے تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم جانتے ہو وہ ہمارے نزدیک خدا ہیں۔

شیخ موصوف سے یہ شطحیہ اشعار بھی منقول ہیں ؎

---

[۱] الطبقات الکبریٰ ۱ : ۱۸۳

[۲] ابو الفضائل عبد اللہ بن محمد المعروف بہ عین القضاۃ ہمدانی ہمدان کے صاحبِ کرامات بزرگ تھے۔ آپ کے مکتوبات کو ادبِ تصوف میں کافی اہمیت حاصل ہے۔ فوائد الفواد ص ۸۳۔۸۴، سفینۃ الاولیاء تذکرہ عین القضاۃ ہمدانی ص ۱۶۸ نفحات الانس ص ۲۶۷۔۲۶۸

[۳] انفاس العارفین ص ۱۰۹۔۱۱۰

اے پسر لا الٰہ الّا اللہ | خود ز شرکِ خفی ست آئینہ دار
چیست شرکِ جلی رسول اللہ | خویشتن را ازین دو شرک بر آر[۱]

شطحیات کے رد و قبول سے پہلے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ اس کی اصل صوفیہ نے کہاں تلاش کی ہے؛ اہلِ تصوف کے نزدیک شطحیات کا صدور سب سے پہلے حضرت علیؓ کی زبان سے ہوا ہے۔ ان کا بیان ہے کہ حضرت علیؓ ایک دفعہ خطبہ دے رہے تھے اسی اثناء میں باطنی جوش کے تحت ان کی زبان سے یہ کلمات نکلے:

انا نقطة الباء، انا جنب اللہ الذی فرطتم فیہ۔ انا القلم، انا اللوح، انا العرش، انا الکرسی، انا السمٰوات السبع والارضون السبع[۲]

میں (بسم اللہ کی) ب کا نقطہ ہوں میں اللہ کا پہلو ہوں جس میں تم نے کوتاہی کی۔ میں قلم ہوں، میں لوحِ محفوظ ہوں، میں عرش ہوں، میں کرسی ہوں، میں سات آسمان اور سات زمین ہوں۔

ایک اور روایت کے مطابق ان کی زبان سے ان الفاظ کا صدور بھی ہوا:

انا سر الاسرار، انا شجرة الانوار ... انا صاعق الرعد ... انا جنة الغزاة، انا کاسی العراة۔[۳]

میں سرِ اسرار ہوں، انوار کا درخت ہوں، میں گرج کا بھیجنے والا ہوں، میں غازیوں کی ڈھال ہوں، میں صابرین کا لباس ہوں۔

شطحیات کے معاملہ میں علماءِ شریعت اور صوفیہ کے درمیان ہمیشہ اختلاف رہا ہے۔ صوفیہ میں بعض نے ان کے متعلق سکوت اختیار کیا اور بعض نے اسے "کلام العشاق" سے تعبیر کیا، لیکن علماءِ شریعت نے بحیثیت مجموعی طور پر انھیں ناپسندیدہ نگاہوں سے دیکھا ہے، بلکہ بعض علماء نے ان پر سخت نکتہ چینی کی ہے۔ شیخ ابو نصر سراج طوسی کی بیان کردہ روایت کے مطابق ابن سالم کہتے تھے کہ فرعون نے وہ بات نہیں کہی جو بایزید نے کہی، فرعون نے "انا ربکم الاعلیٰ" کہا، اور رب کا اطلاق مخلوق پر بھی کیا جاتا ہے جیسے ربُّ دار، ربُّ مال،

---

[۱] انفاس العارفین ص ۱۰۲

[۲] الکواکب الدریہ ۱: ۴۳، مقدمہ کنوز اسرار القدیم ص ۷

[۳] شطحیات الصوفیہ ۱: ۴۷

ربُّ بریت کہا جاتا ہے۔ بایزید بسطامی کی زبان سے " سبحانی ما اعظم شانی " کے الفاظ نکلے۔ سُبّوح اور سُبحان ان اسمائے الٰہی میں سے ہیں جن سے غیر اللہ کو موسوم کرنا جائز نہیں ہے[۱]۔ ابن سالم کا کہنا ہے کہ بایزید بسطامی کا قول:

ضربت خیمتی بازاء العرش اوعند العرش	میں نے اپنا خیمہ عرش کے نزدیک گاڑ دیا

کلمۂ کفر ہے اور صرف کافر ہی ایسا کہہ سکتا ہے[۲]۔

شیخ جنید سے جب بایزید کے شطحات کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے کہا:

ان الرجل مستھلک فی شھود الجلال فنطق بما استھلکہ اذھلہ الحق عن رویتہ ایاہ فلم یشھد الا الحق فنطقہ[۳]	وہ شخص جلال کے مشاہدہ میں فنا ہوا ہے وہ اسی چیز کو بولتا ہے جس میں اس نے خود کو فنا کیا ہے پس حق نے اسے اپنے آپ کو دیکھنے سے دور کیا، وہ حق کے ماسوا نہیں دیکھتا اسلیے اس نے اسی کا نطق کیا۔

شیخ جنید کہتے تھے کہ تمام تر بلند مرتبی کے باوجود بایزید ابھی ابتدائی منزل سے نہیں گزرے اور ان کی کوئی بات ہم تک نہیں پہنچی جو اُن کے کمال کا ثبوت ہو[۴]۔ شیخ ابوبکر شبلی سے جب بایزید کے متعلق سوال کیا گیا تو انھوں نے کہا:

لوکان ابو یزید رحمہ اللہ ھاھنا لاسلم علی ید بعض صبیاننا[۵]	اگر بایزید یہاں ہوتے تو ہمارے کسی بچہ کے ہاتھ پر ایمان لے آتے۔

۱۔ اللمع ص ۴۷۲، تلبیس ابلیس ص ۳۴۴

۲۔ اللمع ص ۴۷۳، تلبیس ابلیس ص ۳۴۶، شیخ ابونصر سراج طوسی نے اس پر ابن سالم سے بحث کی۔ ان کے بہ قول شیخ ابن سالم نے حضرت بایزید پر نکتہ چینی کی لیکن شیخ سہل بن عبد اللہ تستری کے شطحات کی تاویل کی ہے کیونکہ شیخ سہل بن عبد اللہ تستری ان کے شیخ اور امام تھے۔ اللمع ص ۴۷۳ - ۴۷۸

۳۔ تلبیس ابلیس ص ۳۴۴، النور من کلمات ابی طیفور مشمولہ شطحات الصوفیہ ۱ : ۸۹

۴۔ شطحات الصوفیہ ۱ : ۳۹، اللمع ص ۴۷۹

۵۔ اللمع ص ۴۷۹

شیخ شبلی کے اس قول کی تشریح ابونصر سراج طوسی نے یہ کی ہے کہ اگر بایزید بسطامی اس زمانہ میں ہوتے تو ہمارے زمانہ کے مریدوں سے استفادہ کرتے[1] تقریباً یہی بات خود بایزید نے شیخ سہل بن عبداللہ تستری کے متعلق کہی ہے۔ ان سے کہا گیا کہ سہل بن عبداللہ تستری معرفت کے متعلق باتیں کرتے ہیں تو انھوں نے کہا کہ سہل معرفت کے کنارے پر ہیں گرداب میں نہیں ڈوبے ہیں[2]۔ شیخ ابونصر سراج طوسی نے بایزید بسطامی، شبلی، واسطی، ابوحمزہ وغیرہم کے شطحیات کی تاویل کی ہے۔ وہ پہلے صاحبِ قلم صوفی ہیں جنھوں نے شطحیات کو ایک مستقل باب کے تحت زیرِ تحریر لاکر ان کی صوفیانہ اہمیت کو تسلیم کیا ہے[3]۔ منصور حلاج کے بارے میں شیخ علی ہجویری نے صوفیہ کے مختلف طبقہ ہائے خیال کا ذکر کیا ہے۔ شیخ عمرو بن عثمان مکی[4] (م ۲۹۶ھ/۹۰۸ء) شیخ ابویعقوب نہر جوری، شیخ ابویعقوب اقطع[5] (تیسری صدی ہجری) اور علی بن سہل اصبہانی نے حلاج کو جادوگر اور بے حقیقت کہہ کر رد کیا ہے۔ شیخ جنید، شیخ ابوبکر شبلی، شیخ جریری، شیخ حصری وغیرہم نے ان کے متعلق سکوت اور خاموشی کا رویہ اختیار کیا ہے[6]۔ شیخ ابوسعید خراز نے حلاج کے بارے میں کہا ہے کہ وہ یگانۂ روزگار تھے اُن کے زمانہ میں مشرق سے لے کر مغرب تک ان کے پایہ کا کوئی آدمی نہ تھا[7]۔ شیخ ابوالعباس ابن عطاء،

۱؎ اللمع ص ۴۸۰ ۲؎ النور من کلمات ابی طیفور مشمولہ شطحات الصوفیہ ۱: ۹۸، تذکرۃ الاولیاء باب ۱۴ ص ۱۰۷

۳؎ اللمع ص ۴۴۳-۵۱۶ ۴؎ ابوعبداللہ عمرو بن عثمان مکی شیخ جنید بغدادی کے ہم صحبت تھے۔ آپ کا کلام عوام کے لیے ناقابلِ فہم تھا چنانچہ مکہ سے نکالے گئے۔ جدہ پہنچے تو وہاں قاضی بنائے گئے۔ حلاج ان کی صحبت میں رہے لیکن آخر میں شیخ مکی ان سے ناراض ہوئے اور بددعا دی۔ نفحات الانس ص ۵۵-۵۶، تذکرۃ الاولیاء باب ۴۴ ص ۲۴۶-۲۴۸، سفینۃ الاولیاء ص ۱۳۸ ۵؎ شیخ جنید بغدادی کے ہم صحبت اور کاتب تھے۔ شیخ ابویعقوب اقطع نے اپنی بیٹی کا نکاح حلاج سے کر دیا تھا۔ نفحات الانس ص ۸۵-۸۶ ۶؎ کشف المحجوب ص ۳۶ شیخ عبداللہ خفیف کے بہ قول حلاج عالم ربانی تھے۔ شیخ شبلی کا کہنا ہے کہ میں اور حلاج ایک تھے مجھ کو لوگوں نے دیوانگی سے منسوب کر دیا میں نے رہائی پالی لیکن حلاج کو عقل نے ہلاک کر دیا۔ تذکرۃ الاولیاء باب ۷۲ ص ۳۱۴ ۷؎ انفاس العارفین ص ۱۰۴، کان احد زمانہ لم یکن فی عہدہ من الشرق الی الغرب مثلہ ص ۱۰۴، شیخ ابوبکر واسطی و شیخ ابوسعید خراز کا قول ہے: اکثر العارفین حتیٰ ابی یزید ما توافی الوہم والظن۔ انفاس العارفین ص ۱۰۳

شیخ عبداللہ خفیف، شیخ ابوالقاسم نصرآبادی، شیخ ابوسعید ابوالخیر، شیخ الاسلام عبداللہ انصاری، شیخ ابوالقاسم گرگانی نے انھیں قبول کیا ہے۔ بعض بزرگوں نے ان کی تعریف کی ہے لیکن ان کا خیال ہے کہ حلاج کے شطحیات ایک موحد کے شایانِ شان نہیں لگتے۔ امام قشیری حلاج کے متعلق کہتے ہیں کہ اگر وہ اربابِ معانی و حقیقت میں سے تھا تو دشمنوں کے کہنے سے وہ مہجور نہیں ہوگا، اگر مردودِ حق تھا تو قبولِ خلق سے مقبولِ بارگاہ نہیں ہوگا، ہم اس کو اپنے حال پر چھوڑتے ہیں اور ہم نے جو نشانی اس کے اندر دیکھی ہے اس کے مطابق اسے بزرگ مانتے ہیں۔[۱] شیخ ہجویری کا کہنا ہے کہ میں حلاج کا معتقد ہوں لیکن ان کی باتیں ان کی شان کے لائق نہیں ہیں۔[۲] شیخ عبدالقادر جیلانی رح نے حلاج کی تعریف کی ہے البتہ ان کا کہنا ہے کہ حلاج کو ٹھوکر لگی ان کے زمانہ میں کوئی ایسا انسان نہ تھا جو انھیں تھام لیتا، اگر میں ان کے زمانہ میں ہوتا تو ان کی دست گیری کرتا۔[۳] متاخرین نے عام طور سے حلاج کو قبول کیا ہے۔ فارسی زبان کے صوفی شعراء نے حلاج کو اپنی دل کش شاعری کے ذریعہ ادبِ تصوف میں ایک لافانی مقام عطا کیا۔ شیخ فریدالدین عطار، مولانا رومی، حافظ شیرازی، مولانا جامی وغیرہم کی شاعری میں حلاج کو ایک ایسے کردار کے روپ میں پیش کیا گیا ہے جو علماءِ ظاہر کے برعکس سردار اسرارِ توحید بیان کرنے کی ہمت رکھتا ہے جو "غلط بینی منبر" کا شاکی ہے کہ یہ منبر "رازِ درونِ سینہ" کے انکشاف و افشاء کی اجازت نہیں دیتا۔ چنانچہ فارسی شعراء کو علماءِ شریعت یا فقہاء پر طنز کرنے کا بہترین موقعہ اسی واقعۂ دار میں فراہم ہوتا ہے۔[۴] نیز حلاج کا کردار ان تمام صوفیہ اور متصوفین کے لیے ایک ذہنی و نفسیاتی پناہ گاہ کا کام دیتا ہے جو فقہاء کی منضبط اور بااصول دنیا سے آزادی اور خلاصی کے خواہاں ہیں۔ عہد عالم گیری میں جب مشہور مجذوب سرمد کو قتل کیا جانے لگا تو قتل ہونے سے پہلے انھوں نے یہ شعر پڑھا

عمریست کہ آوازۂ منصور کہن شد
من از سرِ نو جلوہ دہم دار و رسن را

۱۔ کشف المحجوب ص ۳۷، تذکرۃ الاولیاء بابِ ۷۲ ص ۳۱۴

۲۔ کشف المحجوب ص ۳۷ و ۳۸، سفینۃ الاولیاء بذیل تذکرہ حسین بن منصور حلاج ص ۱۴۲

۳۔ مرآۃ الجنان وعبرۃ الیقظان ۲: ۲۵۴؛ الطبقات الکبریٰ ۱: ۱۲۶

۴۔ حلاج بر سرِ دار این نکتہ خوش سراید
از شافعی مپرسید امثال این مسائل

از منطق و حکمت نکشاید در محبوب
منزل گہ اربابِ موحد سرِ دار است

چوں قلم در دست غدارے بود
لاجرم منصور بر دارے بود

متاخرین صوفیہ نے دلائل اور مثالیں دے کر حلاج کے شطحات کی توجیہ کی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ منتہائے عشق میں فنا کے عالم میں دوئی ختم ہو جاتی ہے اور عاشق کو سوائے محبوب کے اور کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ اس عالم میں وہ تمام اشیاء حتیٰ کہ اپنے وجود سے بھی بے خبر ہوتا ہے اس کی قوت تمیز مفقود ہوتی ہے بالکل اسی طرح جس طرح مجنوں کے سامنے لیلیٰ لائی گئی تو اس نے پوچھا یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا "لیلیٰ یہی ہے جس کے عشق میں تم وارفتہ ہوئے ہو" اس پر مجنوں نے کہا "لیلیٰ تو میں خود ہوں"۔[۱]

شیخ محمود شبستری[۲] (۶۴۸-۷۲۰ھ / ۱۲۵۰-۱۳۲۰ء) کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰؑ نے درخت سے آواز سنی "میں خدا ہوں"۔ جب نور خدا سے ایک درخت منور ہوا اور اس سے آواز آئی کہ میں خدا ہوں تو انسان کے لیے اس کو کیوں مستبعد سمجھا جائے؟

درآ در وادی ایمن کہ ناگاہ | درختی گویدت اِنّی اَنَا اللہ
روا باشد اَنَا اللہ از درختی | چرا نبود روا از نیک بختی[۳]

برصغیر کے ایک مشہور بزرگ شیخ عبدالقدوس گنگوہی[۴] (م ۹۴۵ھ / ۱۵۳۸ء) نے حلاج کے بارے میں دوسرا نظریہ پیش کیا ہے۔ اگرچہ یہ نظریہ وحدۃ الوجود کے ماننے والے حلقوں میں بہت پہلے سے معروف رہا ہے۔ شیخ قدوسی کہتے ہیں:

۱۔ سفینۃ الاولیاء بذیل تذکرہ حسین بن منصور حلاج ص ۱۴۲

۲۔ شیخ سعد الدین محمود شبستری، تبریز کے گاؤں شبستر میں پیدا ہوئے۔ زندگی کا بیشتر حصہ تبریز میں گزار کر وہیں وفات پائی۔ تصوف سے متعلق ایک صوفی کی طرف سے پندرہ سوالات کے جواب میں ایک ہزار اشعار پر مشتمل ایک مثنوی لکھی جو گلشن راز کے نام سے مشہور ہوئی۔ ادب تصوف میں اس مختصر مثنوی کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ مقدمہ گلشن راز

۳۔ شیخ محمود شبستری، گلشن راز، مرکز تحقیقات ایران و پاکستان/ موسسۂ انتشارات اسلامی لاہور ۱۹۷۸ء ص ۲۷، مولانا رومی کہتے ہیں ؎

گفت فرعونی انا الحق گشت پست | گفت منصوری انا الحق و برست
آں انا را لعنۃ اللہ در عقب | واین را را رحمۃ اللہ اے محب

۴۔ شیخ عبدالقدوس گنگوہی کا مولد و مدفن گنگوہ (سہارن پور) ہے، سفینۃ الاولیاء، تذکرہ عبدالقدوس گنگوہی ص ۱۰۱

شورِ منصور از کجا و دارِ منصور از کجا — خود زدی بانگِ انا الحق بر سرِ دار آمدی [۱]

---

[۱] یہ غزل شیخ عبدالقدوس گنگوہی کی ہے لیکن التکشف میں اس کے صرف چار اشعار منقول ہیں ؎

آستین بر رو کشیدی ہمچو مکار آمدی — باخودی خود در تماشا سوئے بازار آمدی

در بہاراں گل شدی در صحن گلزار آمدی — بعد ازاں بلبل شدی با نالہ دزار آمدی

شورِ منصور از کجا و دارِ منصور از کجا — خود زدی بانگِ انا الحق بر سرِ دار آمدی

گفت قدوسی فقیرے در فنا و در بقا — خود بخود آزاد بودی خود گرفتار آمدی

یہ اشعار ایک خاص واقعہ کے سلسلہ میں نقل کیے گئے ہیں۔ مولانا محمد اشرف علی تھانوی کے ایک مرید نے یہ اشعار نقل کرکے ان سے یہ استفسار کیا تھا۔ مولانا شاہ محمد حسین خان بہادر صاحب الہ آبادی (مولانا تھانوی کے پیر بھائی تھے) نے ۸ رجب ۱۳۲۲ھ مطابق ۱۹ ستمبر ۱۹۰۴ء بہ مقام اجمیر شریف ساڑھے نو بجے صبح کو انتقال فرمایا نواب سردار جنگ کے مکان پر جو احاطہ درگاہ شریف میں واقع ہے، سماع کا جلسہ تھا مولانا صاحب قدس سرہ وہاں تشریف لے گئے آستانۂ مبارک کے قوالوں نے حضرت شیخ کی یہ غزل شروع کی (جو اوپر نقل کی گئی) مولانا صاحب نے حسبِ عادت ہر مصرعہ کی تفسیر فرمانی شروع کی جب قوالوں نے مقطع کا شعر ؎ گفت قدوسی... الخ گانا شروع کیا تو مولانا صاحب نے تفسیر اس شعر کی کی اور دوبار الفاظ "خود بخود آزاد" کو فرمایا اور اپنی طرف اشارہ کرکے سجدہ میں چلے گئے اور چشم زدن میں روحِ اقدس قیدِ تن سے آزاد ہوگئی آٹھ بجے شب کو حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے پائیں میں مدفون ہوئے۔" دیکھیے التکشف عن مہمات التصوف ص ۱۱۷، ۴۱

سائل نے مولانا تھانوی سے سوال کیا تھا کہ "خود بخود آزاد" پر اپنی طرف اشارہ کرنے سے کیا مطلب ہے یہ مضمون عارفین کے نزدیک کیا نہایت سخت ہے کہ بوجہ خوف وصال ہوا؟ یا کیا مراد ہے؟ خادم کا جی چاہتا ہے کہ اس غزل کی تفسیر موافق مذاق اہلِ حال آنحضور تحریر فرمائیں نہایت اشتیاق ہے۔" مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سوال کا طویل جواب دیا ہے جس کے شروع میں لکھا ہے "کسی دلیل عقلی یا نقلی سے ثابت نہیں کہ کسی حالت پر موت آجانا اُس حالت کے محمود ہونے کی علامت ہے بعض لوگوں کو عین معصیت میں موت آگئی ہے چنانچہ پانچ چھ سال ہوئے کہ سہارنپور میں ایک بوڑھا آدمی ایک بازاری عورت سے عین مشغولی کی حالت میں مرگیا تھا اور شدت لذت سے اس کی روح فنا ہوگئی تھی اسی طرح سکرِ شدید کہ منجملہ سمیات ہے قاتل ہے تو اگر کوئی شخص جو غنا و مزامیر کو بدلیل شرعی معصیت کہتا ہے جواب میں بطور احتمال یہ کہے کہ ممکن ہے کہ اس معصیت میں اس وقت لذت ایسی شدید ہو ہو (بقیہ حاشیہ صفحۂ آیندہ)

حلاج کے خلاف سب سے پہلے ظاہری مسلک کے بانی امام داؤد اصبہانی نے مطالبہ کیا کہ حلاج کو موت کی سزا دی جائے۔ اس کے بعد آخری مقدمہ کی سماعت ہوئی تو اس میں کوئی شافعی قاضی موجود نہ تھا۔ حنفی قاضی نے فیصلہ دینے سے انکار کیا، حنبلیوں نے حلاج کے دوست ابوالعباس ابن عطاء کی شہ پر اس کی حمایت میں مظاہرے کیے البتہ حنفی قاضی کے معاون نے وزیر حامد بن عباس کا ساتھ دیا اور اس نے حلاج کے قتل پر چوراسی دستخط کنندگان کے دستخط کروا کر ان کی تائید حاصل کی۔ آخر میں وزیر حامد بن عباس کے اصرار پر مالکی قاضی ابوعمرو بن یوسف نے کرسی پر بیٹھ کر یہ فیصلہ سنایا کہ "تمہارا خون بہانا جائز ہے"[۱]۔ بعض تذکروں میں کہا گیا ہے کہ خلیفہ نے حکم دیا کہ حلاج کو تب تک سزا نہ دی جائے جب تک شیخ جنید بغدادیؒ اس کے قتل کا فتویٰ نہ دیں۔ چنانچہ شیخ بغدادی سے جب فتویٰ طلب کیا گیا تو انھوں نے تصوف کا لباس اتار کر مفتی کا لباس زیب تن کیا اور یہ کہہ کر اس کے قتل کا فتویٰ دیا کہ "ہم ظاہر پر فتویٰ دیتے ہیں اور فتویٰ ہمیشہ ظاہر پر ہے"۔ لیکن تاریخی لحاظ سے اس روایت کی کوئی اصلیت نہیں ہے۔ شیخ جنید بغدادی اس واقعہ سے بارہ سال پہلے وفات پا چکے تھے۔ حلاج کو کوڑے لگائے گئے، جلاد نے سر پر کلہاڑا مارا، ایک ایک عضو قطع کیا گیا، بازوؤں سے باندھ کر اسے لٹکایا گیا اس کے بعد اس کا سر کاٹا گیا اور لاش جلا کر اس کی راکھ دریائے دجلہ میں پھینکی گئی۔ صوفیہ کے بعض تذکروں میں کہا گیا ہے کہ جب حلاج کو پھانسی کے تختے کی طرف لے جایا جا رہا تھا تو اس نے پیشین گوئی کی کہ جب مجھے جلایا جائے گا تو دریائے دجلہ کا پانی چڑھ جائے گا جس سے بغداد غرق ہو سکتا ہے، جب دریا میں سیلاب آئے تو اس وقت میری راکھ اس میں بہا دینا۔ چنانچہ اس کے قتل کے بعد دریا میں سیلاب آیا جب حلاج کی راکھ اس میں ڈالی گئی تب پانی تھم گیا۔ ابھی اس میں زندگی کی تھوڑی سی رمق

(حاشیہ گزشتہ سے پیوستہ) یا سکر ایسا قوی ہوا ہو کہ اس سے روح فنا ہو گئی ہو یا تو اس وجہ سے کہ روح فی نفسہٖ ضعیف تھی جس کا سبب ممکن ہے کہ کوئی بیماری ہو جیسا محل کلام میں اختلاج قلب کا مرض پہلے سے عارض تھا یا یہ کہ سکر و لذت اس سے بھی زیادہ قوی ہو کر اس کی قوت کے اعتبار سے روح قوی بھی ضعیف ہو گئی ہو کیونکہ قوت و ضعف امور اضافیہ سے ہے۔ تو استدلال کرنے والے کے پاس اس احتمال کا کیا جواب ہے اس سے کوئی بزرگوار یہ نہ سمجھیں کہ یہ احقر مولانا مرحوم کی نسبت ایسا خیال رکھتا ہے حاشا وکلا یہ صرف جواب ہے اہل غلو کا جو ادلہ شرعیہ کے معارضہ میں واقعہ محتملہ سے استدلال کرتے ہیں۔ اس کے بعد مولانا علیہ الرحمہ نے جواب دیا ہے۔ التکشف عن مہمات التصوف ص ۴۱-۴۲

[۱] اردو دائرۂ معارف اسلامیہ ۸: ۵۳۲-۵۳۳

باقی تھی کہ اس کے طرف داروں نے دو کالونوں میں آگ لگادی دوسری طرف اس کے ان مخالفوں نے جنھوں نے اس کے سزا کے حکم نامہ پر دستخط کیے تھے جمع ہو کر بلند آواز سے کہا:

"یہ جو کچھ ہوا ہے اسلام کی خاطر ہوا ہے اس کے خون کا بار ہمارے سروں پر آنے دیجیے"[۱]

بغداد کے سیاسی حالات، معاشرہ کے اندرونی خلفشار اور عوام کے مختلف طبقوں کی باہمی آویزش کے تناظر میں دیکھا جائے تو ایسا لگتا ہے کہ حلاج کے قتل میں جذبۂ تحفظِ دین کی بہ نسبت یہ عوامل زیادہ کارفرما تھے۔ وزیر حامد بن عباس اور مالکی قاضی حلاج کے دشمن تھے۔ وزیر ہی کے ایماء پر حلاج کے مقدمہ کی از سر نو سماعت شروع ہو گئی جس کا نتیجہ حلاج کے قتل کی صورت میں ظاہر ہوا۔

تاریخ اسلام میں حلاج کی شخصیت، اس کے شطحات اور اس کی سزائے موت پر ہر دور میں بحث ہوئی ہے۔ امام غزالی کے بہ قول حلاج سے یہ شطحات سکر کے عالم میں صادر ہوئے تھے اس لیے ان پر کوئی حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ شیخ فریدالدین عطار، حلاج کو "قتیل اللہ فی سبیل اللہ" یا شہید راہِ حق قرار دیتے ہیں۔ بعض حکماء کا خیال ہے کہ ذکر اور مراقبہ سے انسان میں جو بے خودی اور سرمستی پیدا ہوتی ہے حلاج کا نعرۂ "انا الحق" اسی کا نتیجہ تھا اس لیے سزا کا حق دار نہ تھا[۲]۔ مولانا روم نے ان لوگوں کو گمراہ اور غدار قرار دیا ہے جن کے حکم اور قلم سے ذوالنون مصری مبتلائے عذاب اور حلاج قتل ہوئے۔ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

"حلاج شہیدِ انا الحق نہ تھا قتیلِ راہِ سیاست تھا اس کی حیثیت مذہبی گنہ گار کی اتنی نہیں جتنی ایک پولیٹکل مجرم کی۔ اس کی بے گناہی کا خون علماء کے قلم پر نہیں بلکہ سلاطین کی تلوار پر ہے"[۳]

شطحات پر ہر دور میں بحث ہوئی ہے۔ بعض علماء نے انھیں یکسر مسترد کیا ہے اور بعض نے ان کے بارے میں سکوت اور توقف کا رویہ اختیار کیا، لیکن صوفیہ کی اکثریت نے ان کی توجیہ کی ہے۔ امام غزالی نے ایک مقام پر شطحات کے بارے میں مبہم انداز اختیار کیا ہے ان کا کہنا ہے کہ ان دعووں سے لوگوں کے

---

[۱] اردو دائرۂ معارف اسلامیہ ۸: ۵۳۳

[۲] یہ رائے ابنِ طفیل کی ہے

[۳] علامہ محمد اقبال، تاریخِ تصوف، مرتبہ صابر کلوروی، مکتبۃ الحسنات دہلی ۱۹۸۹ء ص ۸۶ - ۸۷، بحوالہ معارف اعظم گڈھ، اپریل ۱۹۱۷ء

عقائد خراب ہوتے ہیں، مگر شیخ بایزید بسطامی کے شطح سبحانی ما اعظم شانی کی انھوں نے تاویل کی ہے۔[1] دوسرے مقام پر انھوں نے صاحبِ شطح صوفی کی طرف سے دفاع کیا ہے اور اسے "فردانیت محض میں مستغرق" قرار دیا ہے۔[2] شیخ شہاب الدین سہروردی نے بایزید اور حلاج کے متعلق بہ ظاہر محتاط رویہ اختیار کیا ہے، لیکن حقیقت میں ان کی طرف سے معذرت کی ہے۔[3] مولانا روم کہتے ہیں کہ جن انسان پر تصرف کر کے اس کی زبان سے اپنی باتیں کہہ سکتا ہے تو خدا تعالیٰ انسان کی زبان سے کیوں نہیں بات کر سکتا۔[4] ان کا کہنا ہے کہ قرآن پیغمبرؐ کی زبان سے سننے میں آیا، لیکن اگر کوئی شخص یہ کہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں ہے تو وہ کافر ہے۔[5]

شطحات کا صدور چوں کہ حالتِ سکر میں ہوتا ہے اس لیے صوفیہ کے نزدیک صاحبِ شطح معذور ہوتا ہے۔ اس معاملہ میں علمائے تصوف خواتینِ مصر کے واقعہ سے استدلال کرتے ہیں جب خواتینِ مصر نے زلیخا کو ملامت کی اور کہنے لگیں کہ زلیخا اپنے غلام پر فریفتہ ہو کر گمراہ ہو گئی ہیں، تو زلیخا نے انھیں دعوت میں بلایا، وہ آئیں، تو ان کے ہاتھوں میں میوہ کاٹنے کے لیے چاقو دیے۔ اسی اثنا میں حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے سامنے لائیں، حضرت یوسف کا جمال دیکھ کر یہ عورتیں اس قدر مبہوت ہو گئیں کہ بدحواسی میں میوہ کی بجائے اپنی انگلیاں کاٹ دیں۔[6] صوفیہ کہتے ہیں کہ جب جمالِ یوسفی سے انسان خود فراموشی کے ایسے مقام پر پہنچ سکتا ہے تو جمالِ حقیقی کا مشاہدہ کرنے والے کا کیا حال ہوگا؟![7]

۱۔ احیاء علوم الدین ۱ : ۴۲-۴۳

۲۔ امام غزالی، مشکاۃ الانوار مطبوعہ مصر ۱۹۳۴ء ص ۱۲۲، ۱۲۵، المنقذ علی الضلال علی ہامش الانسان الکامل ۲ : ۳۵-۳۶

۳۔ عوارف المعارف علی ہامش احیاء علوم الدین ۲ : ۸-۹

۴۔ مولانا روم، لب لباب المثنوی، مطبع فتح کریم بمبئی ص ۳۸۴۔ دیکھیے اشعار چوں پری غالب شود.....

۵۔ گرچہ قرآن از لبِ پیغمبر است   ہر کہ گوید حق نگفت او کافر است   لب لباب المثنوی ص ۳۸۵

۶۔ سورہ یوسف : ۲۹ - ۳۲

۷۔ انفاس العارفین ص ۱۰۵

امام قشیری کہتے ہیں کہ شطح اہلِ نہایۃ کے سر سے ایک خطاب ہوتا ہے۔ صاحبِ سر کو اس بات میں قطعاً شک وشبہ نہیں ہوتا کہ یہ خطاب اللہ کی طرف سے ہے۔ امام قشیری کے بہ قول یہ خطاب لطف ومہربانی اور مناجات کی صورت میں ہوتا ہے اور اس میں بندے کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ بلکہ اسے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے وہ سو رہا ہے۔[1] امام موصوف اس حالت کو "جمع الجمع" سے تعبیر کرتے ہیں اور شطحات کے صدور میں صوفی کو معذور مانتے ہیں۔[2] بعض صوفیہ نے شطحات کو رد نہ کرنے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ ان کا صدور ایسے بزرگوں سے ہوا ہے جنھوں نے مجاہدہ اور ریاضت سے بلند مقام حاصل کیا ہے۔ شیخ ابو علی جوزجانی[3] سے بایزید کے شطحات کے بارے میں سوال کیا گیا تو انھوں نے جواب دیا:

"ہم بایزید کو ان کے حال پر چھوڑتے ہیں شاید انھوں نے یہ باتیں غلبہ یا سکر کے عالم میں کہی ہوں، (پس) جو شخص بایزید کے مقام تک رسائی چاہتا ہے اسے چاہیے کہ اپنے نفس کے خلاف اسی طرح مجاہدہ کرے جیسے بایزید نے کیا تھا۔"[4]

بعض صوفیہ شطحات کے بارے میں توقف اور سکوت کو ترجیح دیتے ہیں۔ وہ شطحات کو اس لیے قبول نہیں کرتے کہ انبیاء کے علاوہ کوئی انسان معصوم نہیں ہوتا اور صاحبِ شطح بھی معصوم نہیں ہے اور رد نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ اہلِ معرفت سے صادر ہوتے ہیں ممکن ہے معانی پر ان کی نگاہ ہو اور دوسرے لوگ ان سے محجوب ہیں لہٰذا ان کا رد کرنا حق کا رد کرنا ہوگا۔[5] امام غزالی کہتے ہیں:

"عارفوں نے آسمانِ حقیقت پر پہنچنے کے بعد اس امر پر اتفاق کر لیا ہے کہ انھوں نے تنہا حق تعالیٰ ہی کا وجود دیکھا ہے لیکن ان میں سے بعض کے لیے یہ حالت عرفانِ علمی کی ہے اور بعض کے لیے یہ کیفیت ذوقی وحالی ہے ان کے سامنے سے کثرت کلی طور سے غائب ہو جاتی ہے اور وہ فردانیت محض میں مستغرق ہو جاتے ہیں۔ ان کی عقلیں گم ہو جاتی ہیں اور وہ مبہوت ہو کر رہ جاتے ہیں

---

[1] الرسائل القشیریہ ص ۷۲
[2] الرسائل القشیریہ ص ۷۲
[3] شیخ ابو علی حسن بن علی جوزجانی کا تعلق صوفیہ کے طبقہ ثانیہ سے ہے۔ خراسان کے شیخ طریقت اور صاحبِ تصانیف بزرگ کی حیثیت سے مشہور ہیں۔ نفحات الانس ص ۸۳، الطبقات الکبریٰ ۱ : ۹۰
[4] الطبقات الکبریٰ ۱ : ۷۷
[5] کشاف اصطلاحات الفنون ۳ : ۷۳۵

اس حال میں نہ تو غیر اللہ کے خیال کی گنجائش ہوتی ہے اور نہ اپنے نفس کی پرواہ۔ ان کے سامنے صرف اللہ باقی رہتا ہے، وہ سکر میں مست ہو جاتے ہیں اور پاسبانِ عقل رخصت ہو جاتا ہے، پس ان میں سے کوئی "اَنَا الحق" بول اٹھتا ہے، کوئی "سبحانی ما اعظم شانی" کہتا ہے، اور کسی کی زبان سے "مافی الجبة الا اللہ" کے الفاظ نکلتے ہیں، عاشقوں کا یہ کلام جو حالتِ سکر میں ان کی زبانوں سے صادر ہوتا ہے، بیان نہیں کیا جاتا ہے بلکہ اسے تہہ کر کے لپیٹا جاتا ہے[۱]۔ پھر ان کا سکر جب کم ہو جاتا ہے اور پاسبانِ عقل لوٹ آتا ہے تو انھیں معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ اتحاد نہیں بلکہ اتحاد سے مشابہ کوئی بات تھی۔ اس عاشق کے قول کے بمصداق جو فرطِ عشق میں کہہ اٹھتا ہے ؎

انا من اھوی و من اھوی انا — چاہنے والا بھی میں ہی ہوں اور جسے چاہتا ہوں
نحن روحان حللنا بدنا[۲] — وہ بھی میں ہی ہوں۔ ہم دو روحیں ہیں جو ایک بدن میں ساتھ ساتھ ہیں۔

لیکن بعض علماءِ شریعت ان تاویلات سے متاثر نہیں ہوتے۔ شیخ جنید بغدادی نے شیخ بایزید بسطامی کے شطحات کی جو تاویل کی ہے، علامہ ابن جوزی نے اسے من جملہ خرافات کہہ کر رد کیا ہے[۳]۔ اگر "کلامِ عشاق" کو تہہ کرنے اور معرضِ تحریر و تقریر میں نہ لانے کی ہدایت پر عمل کیا جاتا تو یہ ایک مستحسن بات تھی، لیکن بعض صوفیہ نے دعوی کیا کہ حال کو علم پر اور سکر کو صحو پر فضیلت حاصل ہے۔ شطحات چوں کہ حالتِ سکر ہی میں صادر ہوتے ہیں، اس لیے صوفیہ کا اسے صحو پر برتری اور فوقیت

۱؎ کلام العشاق فی حال السکر یطوی ولا یحکی۔ مشکاۃ الانوار ص ص ۱۲۲، ۱۲۵، شاہ ولی اللہ دہلوی بھی کہتے ہیں کہ احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ ایسے کلام کی روایت نہ کی جائے "کلام العشاق یطوی ولا یروی" دیکھیے: شاہ ولی اللہ دہلوی۔ التفہیمات الالٰہیہ، المجلس العلمی ڈابھیل سورت ۱۳۵۵ھ/۱۹۳۶ء ۱ : ۲۰۸، اردو دائرہ معارف اسلامیہ ۱۱ : ۷۲۹،

۲؎ مشکاۃ الانوار ص ۱۲۲

۳؎ تلبیس ابلیس ص ۳۴۴

دینا بجائے خود شطحات کے لیے جواز پیدا کرتا ہے۔ صوفیہ کے یہاں سکر" مجبین خاص" کا مقام اور احوالِ سلوک میں سب سے افضل واشرف حال ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حالتِ سکر ہی میں اللہ تعالیٰ سے رَبِّ اَرِنِی اَنظُر اِلَیکَ

کا مطالبہ کیا جس کے صلہ میں انھیں اللہ تعالیٰ سے ہم کلام اور مخاطب ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔ بہ الفاظِ دیگر سکر وہ حال ہے جس میں عجیب و غریب کیفیات اور انوکھے علوم حاصل ہوتے ہیں۔ نیز سکر وہ حالتِ طرب ہے جس میں صوفی کے ہاتھ سے صبر و شکیب کا دامن چھوٹ جاتا ہے۔ حالتِ سکر میں صوفی پر وہ انکشافات ہوتے ہیں جو علم کی دست رس سے باہر ہیں۔ علماء کے یہاں شطحات قابلِ مغفرت ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ ان پر مواخذہ نہیں ہوگا لیکن صوفیہ نے سکر کی جو تعبیر کی ہے وہ قرآن و سنت اور سلف صالحین کے اقوال میں نہیں ملتی۔ بلکہ علامہ ابن قیم کے بہ قول سکر متاخرین کی اصطلاح ہے اور بری اصطلاح ہے[1]۔ سکر کے الفاظ عقلاً و شرعاً بلکہ عام لوگوں کے نزدیک بھی مذموم معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں بہ حالتِ سکر نماز پڑھنے سے منع فرمایا:

لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ وَاَنْتُمْ سُکَارٰی[2]	نماز کے پاس بھی ایسی حالت میں مت جاؤ جب تم نشہ میں ہو۔

اللہ نے خوف و دہشت کی اس حالت کو بھی سکر سے تعبیر کیا جو قیامت میں لوگوں پر طاری ہوگی، جیسا کہ قرآن میں آیا ہے:

وَتَرَی النَّاسَ سُکَارٰی وَمَا ھُمْ بِسُکَارٰی وَلٰکِنَّ عَذَابَ اللّٰہِ شَدِیْدٌ[3]	اور تجھ کو لوگ نشہ کی سی حالت میں دکھائی دیں گے حالاں کہ وہ نشہ میں نہ ہوں گے، ولیکن اللہ کا عذاب ہے (ہی) سخت چیز۔

---

[1] مدارج السالکین ۳ : ۱۹۵

[2] سورہ النساء : ۴۳

[3] سورہ الحج : ۲

قرآن مجید میں سُکر کے لفظ کا استعمال ان قوموں کے لیے بھی ہوا ہے جو اپنی بداعمالیوں اور سیاہ کرتوتوں کی وجہ سے تاریخ میں بدنام ہیں۔ مثلاً حضرت لوط علیہ السّلام کی قوم کے بارے میں فرمایا :

لَعَمْرُكَ إِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ [۱]
آپ کی جان کی قسم وہ اپنی مستی میں بے ہوش تھے۔

حدیث میں بھی سکر کا استعمال شراب کے لیے کیا گیا ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

کل شراب اسکر فهو حرام [۲]
ہر پینے والی چیز جو نشہ لائے، حرام ہے۔

امام احمد بن حنبل کا قول ہے :

السکران من لم یعرف ثوبه من ثوب غیره و نعله و نعل غیره [۳]
سکران اس آدمی کو کہتے ہیں جو اپنے کپڑوں اور دوسرے کے کپڑوں میں تمیز نہیں کرتا اور نہ اپنے جوتوں اور دوسرے کے جوتوں کو پہچانتا ہے۔

عام بول چال میں بھی سکر کا استعمال قابلِ مذمت معنوں میں کیا جاتا ہے۔ مثلاً

فلان اسکره حب الدنیا
فلاں کو حبِّ دنیا نے مست کر دیا ہے۔

مذموم معنوں میں سکر کے استعمال کو دیکھتے ہوئے سمجھ میں نہیں آتا کہ صوفیہ نے کس طرح اسے افضل و اشرف حال کہا اور اسے وہ معنی پہنائے جو قرآن و سنت میں موجود اور سلفِ صالحین میں معروف نہیں ہیں۔ وہ حال جس میں انسان کی عقل رخصت ہو جاتی ہے، خوب و زشت میں تمیز کرنے کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے اور انسان کی زبان سے وہ الفاظ نکلتے ہیں جو

---

[۱] سورۃ الحجر : ۷۲

[۲] صحیح بخاری۔ کتاب الاشربہ، باب الخمر من العسل، الجزء السابع ص ۱۳۷، سنن الترمذی۔ کتاب الاشربہ باب ماجاء کل سکر حرام، حدیث ۱۸۶۳، ۴ : ۲۹۱

[۳] مدارج السالکین ۳ : ۱۹۵

اگر ہوش وحواس کی حالت میں نکلتے تو حدود و تعزیر نافذ ہوتے کس طرح افضل و اشرف حال ہو سکتا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضؓ کے عہدِ خلافت میں جب شراب نوشی زیادہ ہو گئی تو حضرت عمرؓ نے صحابہ سے مشورہ کیا، اس موقع پر حضرت علیؓ نے مشورہ دیا کہ آدمی جب شراب پیتا ہے تو اس کی عقل زائل ہو جاتی ہے، جب عقل رخصت ہو جاتی ہے تو وہ ہذیان بکتا ہے، جب ہذیان بکتا ہے تو افتراء پردازی کرتا ہے، چوں کہ افترا پردازی کی حد اسّی کوڑے ہے، اس لیے حضرت عمرؓ نے اسے حدِ قذف پر قیاس کر کے صحابہ کے مشورہ سے شراب نوشی کی حد اسّی کوڑے کر دی۔[1]

اسلام نے ہر اس حال کو ناقابلِ اعتبار قرار دیا ہے جس میں انسان کی عقل رخصت ہو جائے کیوں کہ انسان کی عقل رخصت ہونے کے بعد اس کے منہ سے وہ الفاظ نکلتے ہیں جن کے مفہوم سے وہ خود بھی واقف نہیں ہوتا۔ یہ حال فرطِ مسرت کے نتیجہ میں بھی پیدا ہوتا ہے۔ ایک حدیث میں بتایا گیا ہے:

> ...... سے روایت ہے کہ ہم سے براء ابن عازب رضؓ نے یہ حدیث بیان کی کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندے کے توبہ کرنے پر اس شخص سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جو کسی چٹیل میدان میں پہنچ کر قیام کرے اور سو کر جو اٹھے تو اپنی سواری کا اونٹ نہ پائے اور نہایت پریشان ہو یہاں تک کہ تلاش کرنے کے بعد مایوس ہو کر مرنے کے لیے آمادہ ہو کر اپنی جگہ پر آ کر لیٹے اور اس کی آنکھ لگ جائے، پھر اچانک آنکھ کھلنے کے بعد دیکھتا ہے کہ اس کی سواری کا جانور اس کے پاس کھڑا ہے اور اس پر خورد و نوش کا سامان موجود ہے۔ پس اس کے منہ سے "اللّٰھم انت عبدی وانا ربک" (اے اللہ! تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں) کے الفاظ نکلے۔ فرطِ مسرت سے اس سے خطا ہوئی۔[2]

اسی طرح "غضب" یا "غصہ" بھی وہ حال ہے جس میں انسان کی عقل ٹھکانے نہیں رہتی چنانچہ حدیث میں کہا گیا ہے:

---

[1] الموطا، کتاب الاشربہ، باب الحد فی الخمر حدیث ۲، الجزء الثانی ص ۸۴۲

[2] صحیح مسلم بشرح نووی، کتاب التوبہ ۱۷: ۶۳-۶۴ و دیگر کتبِ حدیث

لا یحکم احدٌ بین اثنین وھو غضبان[۱] کوئی انسان اس وقت دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ نہ کرے جب وہ غصہ میں ہو۔

حال کے دوران انسان کی عقل ٹھکانے نہیں رہتی جب کہ احکام وشرائع کا خطاب عقل ہی سے ہوتا ہے۔ قرآن نے انسان کو حالتِ سکر میں نماز پڑھنے سے ممانعت کی۔ شریعت نے مجنون، نابالغ اور سوئے ہوئے کو مرفوع القلم قرار دیا۔ حدیث میں قاضی کو (بحالت غضب) حال کے دوران فیصلہ کرنے سے منع کیا گیا اور صحابہ نے حالتِ سکر کو افترا پردازی کی اساس مان کر اس کی سزا اسّی کوڑے مقرر کی۔ متقدمین صوفیہ جو قرآن وسنّت کے احکام سے بہرحال واقف تھے، سکر پر صحو کو فضیلت دیتے تھے۔ شیخ جنید بغدادی صحو کے سب سے بڑے ترجمان اور وکیل تھے۔ انھیں معلوم تھا کہ صاحبِ سکر خطابِ شرعی کا مستحق نہیں رہتا۔ ایک روز وہ اپنی بیوی کے ساتھ بیٹھے تھے کہ شیخ ابوبکر شبلی آگئے۔ ان کی بیوی نے ان سے پردہ کرنا چاہا تو شیخ جنید نے اس سے کہا: "شبلی کو اس وقت تمھاری موجودگی کا احساس نہیں، بیٹھی رہو۔" شیخ جنید، شبلی سے باتیں کرتے رہے یہاں تک کہ شبلی رو پڑے۔ جب وہ رونے لگے تو شیخ جنید نے بیوی سے کہا: "شبلی غیبت کے حال سے واپس آگئے، اب پردہ کرو۔"[۲] جس حال میں انسان خطابِ شرعی اور احکامِ الٰہی کی نعمت سے محروم ہوگا وہ کبھی افضل نہیں ہو سکتا۔

صوفیہ کا یہ کہنا کہ سکر محبینِ خاص کا مقام ہے، اور حالتِ سکر ہی میں حضرت یوسفؑ کو دیکھ کر عورتوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے، صحیح نہیں ہے۔ عورتوں نے پہلی مرتبہ حضرت یوسفؑ کو دیکھ کر ان کے جمال کی تاب نہ لاکر اپنے ہاتھ کاٹ لیے، کیوں کہ وہ عشق میں پختہ نہیں تھیں۔ اس کے برعکس زلیخا روز حضرت یوسفؑ کو دیکھتی تھی۔ جمالِ یوسفی کو دیکھ دیکھ کر اس کا عشق پختہ ہو گیا تھا۔ لیکن

---

[۱] صحیح مسلم۔ کتاب الاقضیۃ، کراھۃ القاضی وھو غضبان ۱۲ : ۱۵، سنن النسائی۔ کتاب آداب القضاء، ذکر ما ینبغی للحاکم ان یجنبہ ۸ : ۲۳۷-۲۳۸

[۲] الرسالۃ القشیریہ ص ۴۷-۴۸

وہ مجلس میں از خود رفتہ نہیں ہوگئی کہ اپنا ہاتھ کاٹ ڈالتی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ صحو کو سکر پر برتری اور فضیلت حاصل ہے کیوں کہ صاحبِ صحو عشق و محبت میں پختہ ہوتا ہے جب کہ صاحبِ سُکر عشق میں ناپختہ ہوتا ہے۔

حالتِ سُکر کو خود اصحابِ سکر نے بھی وہ مقام نہیں دیا جو متاخرین صوفیہ اسے دیتے رہے ہیں۔ اصحابِ سکر کے پیشوا شیخ بایزید بسطامی ہیں۔ سب سے زیادہ شطحیات انھیں سے منقول ہیں۔ شطحیات کی وجہ سے شہر سے سات بار نکالے گئے۔ لوگوں سے پوچھا تم کیوں مجھ کو شہر بدر کرتے ہو؟ انھوں نے جواب دیا: "اس لیے کہ تم خراب آدمی ہو"۔ شیخ نے کہا: "کیا ہی اچھا شہر ہے جس کا خراب آدمی بایزید ہے"۔[1] لیکن انھیں شیخ بایزید بسطامی نے "سبحانی ما اعظم شانی" کا نعرہ دینے کے بعد گلے میں زنار ڈالا اور چاقو سے اسے کاٹتے ہوئے کہا:

اللهم ان کنت قلت یومًا سبحانی	اے اللہ! اگر کسی دن میں نے سبحانی ما اعظم
ما اعظم شانی لکنت مجوسیًا	شانی کہا تھا تو میں مجوسی و زندیق تھا۔ میں اپنا
زندیقًا وانا اقطع زناری واقول	زنار کاٹ ڈالتا ہوں اور لا الٰہ الا اللہ کہتا
لا الٰہ الا اللہ[2]	ہوں

---

[1] تذکرۃ الاولیا، باب ۱۴، ص ۸۹

[2] انفاس العارفین ص ۱۰۴، مولانا تھانوی نے یہ الفاظ دیے ہیں: "کنت الیوم کافراً مجوسیًا والآن اقطع زناری واقول اشھد ان لا الٰہ الا اللہ"۔ التکشف ص ۲۳۸، حضرت نظام الدین اولیاء نے شیخ بایزید بسطامی کے بارے میں کہا ہے کہ انھوں نے "لوائی ارفع من لواء محمد"... الخ نہیں کہا ہے البتہ سبحانی ما اعظم شانی کے بارے میں حضرت نظام الدین اولیاء کہتے ہیں: "او گفتہ بود سبحانی ما اعظم شانی۔ بعد ازاں در آخر عمر مستغفر شد و گفت من ایں سخن نیکو نگفتم من جہودی بودم، ایں ساعت زنار میگسلم و از سر نو مسلمان میشوم و میگویم "اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمدًا عبدہ ورسولہ" فوائد الفواد ص ۱۹۵، شیخ فریدالدین عطار نے شیخ بسطامی کی مناجات نقل کی ہیں اس میں یہ الفاظ بھی ہیں: "میگویم اللہ اللہ اکنون می آموزم زنار اکنوں می برم، قدم در دائرۂ اسلام اکنوں می نہم، زبان در شہادت اکنون میگردانم (بقیہ حاشیہ بر صفحۂ دیگر)

شیخ بایزید بسطامی کی حالتِ سُکر دور ہوئی تو انھیں علم ہوا کہ ان سے لغزش ہوئی ہے۔ علم کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ لغزش پر انسان کو متوجہ کو دیتا ہے۔ تمام صالحین کا شیوہ رہا ہے کہ وہ اپنے غلط افعال پر مُصر نہیں رہتے۔ شیخ بایزید بسطامی بھی اپنے شطحات پر مُصر نہیں رہے۔

قرآن میں مومنین کی تعریف میں کہا گیا ہے:

وَلَمْ یُصِرُّوا عَلٰی مَا فَعَلُوا — اور وہ لوگ اپنے فعل پر اصرار نہیں

وَھُمْ یَعْلَمُوْنَ[1] — کرتے اور وہ جانتے ہیں۔

اس سے ابوسعید خرازہ اور بعض دوسرے صوفیہ کے قول کی تردید ہو جاتی ہے۔ ابوسعید خرازہ کا قول ہے:

الحال اوسع من العلم[2] — حال علم سے وسیع ہوتا ہے۔

لیکن حال کبھی علم سے وسیع نہیں ہو سکتا۔ اگر ایسا ہوتا تو شیخ بایزید بسطامی توبہ نہ کرتے۔ اللہ تعالیٰ کا علم رکھنے والے ہی اس سے زیادہ ڈرتے ہیں۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے کہا ہے:

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ — خدا سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو

الْعُلَمٰٓؤُا[3] — (اس کی عظمت) کا علم رکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ جاننے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ آپ ہی ڈرتے تھے۔ چنانچہ جب آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو اتنی ہی عبادت کرنے کا حکم دیا جسے وہ آسانی سے کرسکیں۔ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ آپ سے ہمارا کیا مقابلہ آپ کے اگلے اور پچھلے گناہ معاف ہو چکے ہیں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غضب ناک ہوئے،

(گزشتہ سے پیوستہ) کار تو بعلت نیست قبول تو بطاعت نہ ورد تو بمعصیت نہ من ہر چہ کردم بہا آن کاشتم"

تذکرۃ الاولیاء باب ۱۴ ص ۱۱۳

[1] سورۃ آل عمران : ۱۳۵

[2] انفاس العارفین ص ۱۰۸

[3] سورۃ فاطر : ۲۸

یہاں تک کہ غصہ ان کے چہرۂ مبارک سے ظاہر ہوا، اس کے بعد فرمایا:

اِنَّ اَتْقَاکُمْ وَ اَعْلَمُکُمْ بِاللّٰہِ اَنَا[۱] — بہ تحقیق تم میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا اور اللہ تعالیٰ سے باخبر میں ہوں۔

آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ اللہ تعالیٰ کا زیادہ علم رکھتے تھے۔

علم و آگہی سے انسان کے اندر خوف اور انکساری پیدا ہوتی ہے۔ صحابہ کرام کو علم و آگہی زیادہ تھی اس لیے ان پر خوفِ خدا کا غلبہ تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے خوفِ الٰہی کی بنا پر کہا: "کاش میں مومن کے سینہ کا ایک بال ہوتا۔" حضرت عمر فاروقؓ نے انتقال کے وقت کہا: "عمر پر افسوس اگر بخشا نہ گیا۔" حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے خوف سے کہا: "کاش میں مرنے کے بعد دوبارہ نہ اٹھایا جاتا۔" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زبان سے یہ الفاظ نکلے: "کاش میں بھولی بسری ہوتی۔" یہی حال صالحینِ امت کا تھا۔ حضرت سفیان ثوری نے حماد بن زید سے کہا: "کیا تم امید کرتے ہو کہ مجھ جیسا شخص بھی بخش دیا جائے گا؟"[۲]

علم کی ایک خوبی یہ ہے کہ انسان نفاق سے کبھی بے خوف نہیں ہوتا۔ اس لیے وہ اپنے ایمان و اعمال کی سلامتی کے بارے میں فکرمند رہتا ہے۔ ابن ابی مُلیکہ کا بیان ہے کہ میں نے تیس صحابہ سے ملاقات کی۔ ان سب کو اپنے بارے میں نفاق کا خوف تھا۔ ان میں سے کوئی یہ نہیں کہتا تھا کہ وہ جبرئیل و میکائیل کے ایمان پر ہے۔ حضرت حسن بصری کا کہنا ہے کہ سوائے مومن کے نفاق سے کوئی نہیں ڈرتا، اور نہ سوائے منافق کے اس سے کوئی بے خوف ہوتا ہے۔ ابراہیم تیمی کا قول ہے کہ جب بھی میں نے اپنا کوئی قول عمل پر پیش کیا تو خوف لگا کہ جھٹلایا نہ جاؤں۔ امام بخاری کے مطابق مومن خوف زدہ ہوتا ہے کہ کہیں اس کا عمل بے کار نہ ہو جائے اور اُسے خبر تک نہ ہو۔[۳]

اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن میں علم کو بلند درجہ عطا کیا ہے:

---

[۱] صحیح بخاری۔ کتاب الایمان، باب قول النبیؐ انا اعلمکم باللہ، الجزء الاول ص ۱۱ - ۱۲

[۲] تلبیس ابلیس ص ۳۴۱، الطبقات الکبریٰ لابن سعد ۳: ۱۵۸، ۱۶۱، ۳۶۰

[۳] صحیح بخاری۔ کتاب الایمان، باب خوف المومن ان یحبط عملہ، الجزء الاول ص ۱۹

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ۔ [1]

اللہ تعالیٰ تم میں ایمان والوں اور ان لوگوں کے جن کو علم (دین) عطا ہوا ہے (اخروی) درجے بلند کرے گا اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی پوری خبر ہے۔

اللہ تعالیٰ ہی نے دوسری جگہ فرمایا :

هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ [2]

کیا علم والے اور جہل والے کہیں برابر ہوتے ہیں ؟

ایک اور مقام پر اہلِ علم کے فہم کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا :

وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا اِلَّا الْعَالِمُوْنَ۔ [3]

اور ہم ان (قرآنی) مثالوں کو لوگوں کے (سمجھانے کے) لیے بیان کرتے ہیں۔ اور ان مثالوں کو علم والے ہی لوگ سمجھتے ہیں۔

پھر علم کو قول و عمل پر مقدم کرتے ہوئے فرمایا :

فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ [4]

تو آپ جان لیجیے کہ اللہ کے سوا کوئی اور معبود نہیں۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو حکم دیا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے زیادتِ علم کی دعا کریں۔ قرآن میں آیا ہے :

وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا۔ [5]

اور آپ یہ دعا کیجیے، اے میرے رب میرا علم بڑھا دیجیے۔

---

[1] سورۃ المجادلہ : ۱۱

[2] سورۃ الزمر : ۹

[3] سورۃ العنکبوت : ۴۳

[4] سورۃ محمد : ۱۹، صحیح بخاری، باب العلم قبل القول والعمل، الجزء الاول ص ۲۶

[5] سورۃ طٰہٰ : ۱۱۴

حدیث میں بھی علم کی برتری آئی ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ کو سینے سے لگاکر دعا کی کہ اے اللہ! اسے کتاب کا علم عطا کر۔[۲] حضرت عبداللہ بن عباس کُونُوا رَبّانِیِّیْنَ کی تفسیر یوں کرتے تھے: "علماء فقہاء ہو جاؤ"۔[۳]

قرآن وسنت اور آثارِ صحابہ سے علم کی برتری، وسعت اور اس کی بزرگی ثابت ہے۔ کبار صوفیہ نے بھی علم کو حال یا معرفت سے اکمل اور جامع بتایا ہے۔ شیخ جنید بغدادی علم کو معرفت پر فوقیت دیتے ہیں۔ شیخ محی الدین ابن عربی کا قول ہے:

العلم اوسع من الحال۔[۴]	علم حال سے وسیع ہے۔

علامہ ابن قیم نے حال اور علم پر بحث کرتے ہوئے علم کو فوقیت دی ہے:

العلم حاکم والحال محکوم علیہ، العلم	علم حاکم اور حال محکوم علیہ ہے۔ علم رہنما ہے اور
ھاد والحال تابع، العلم آمر ناہ و	حال تابع دار ہے۔ علم حکم دینے والا، منع کرنے والا
الحال منفذ قابل، العلم المیزان الذی	اور حال منفذ قابل ہے۔ علم وہ میزان ہے جس
بہ توزن القلوب والاعمال والاحوال	سے قلوب، اعمال اور احوال کا وزن کیا جاتا ہے
وھو الحاکم المفرق بین الشک والیقین	وہ شک اور یقین، گمراہی اور رشد، ہدایت اور
والغی والرشاد، والھدی والضلال	ضلال میں فرق کرنے والا حاکم ہے۔ اللہ نے اپنے
قد امر اللہ رسولہ ان یسألہ المزید منہ	رسول کو حکم دیا ہے اس (علم) میں اضافہ کی دعا کریں
نقال: "رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا"۔[۵]	اس لیے فرمایا: رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا۔

---

[۱] صحیح بخاری۔ کتاب العلم، باب الاغتباط فی العلم والحکمہ، باب فضل من العلم، باب فضل العلم، الجزء الاول ص ۲۸، ۳۰، ۳۱

[۲] صحیح بخاری۔ کتاب العلم باب قول النبی اَللّٰھُمَّ عَلِّمْہُ الْکِتَابَ، الجزء الاول ص ۲۹

[۳] صحیح بخاری۔ کتاب العلم باب العلم قبل القول والعمل، الجزء الاول، ص ۲۶

[۴] انفاس العارفین ص ۱۰۸

[۵] مدارج السالکین ۲ : ۲۵۸ - ۲۵۹

رِجال الغیب

صوفیہ کے اعتقاد کے مطابق زمین پر اللہ تعالیٰ کے مقرب بندوں کا ایک گروہ ہمیشہ موجود رہتا ہے جو نظامِ عالم کا کاروبار سنبھالے ہوئے ہے۔ زندگی ان کے توسط سے رواں دواں ہے، کائنات کا ذرہ ذرہ انھیں صالح انسانوں کی مرضی کے تابع اور زمانہ کی گردش انھیں کے زیرِ فرمان ہے۔ صوفیہ کے اقوال کے مطابق دنیا انھیں پاکبازوں کی وجہ سے قائم ہے۔ انھیں کے طفیل آسمان سے مینھ برستا ہے اور لوگوں کے سروں پر سے بلائیں ٹل جاتی ہیں۔ یہی نفوسِ قدسیہ ہیں جن کے صدقہ میں مخلوق کو روزی ملتی ہے۔ یہاں تک کہ بعض خوش عقیدہ صوفیہ کے اعتقاد کے مطابق موت و حیات کا پورا انتظام درویشوں کے اسی گروہ کے دائرۂ اختیار میں ہے[1]۔ الغرض زندگی کا کوئی گوشہ اس گروہ کے دائرۂ اختیار سے باہر نہیں ہے۔ اولیاء اللہ کا یہ طبقہ چونکہ عام لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل رہتا ہے اس لیے انھیں "رجال الغیب" "اولیاءِ مستور" "مردانِ غیب" یا "مکتومین" کہا جاتا ہے۔

رجال الغیب کی اصطلاح سے یہ دھوکہ نہیں ہونا چاہیے کہ یہ طبقہ صرف مردوں پر مشتمل ہے۔ صوفیہ کے اقوال کے مطابق اس میں عورتیں بھی شامل ہیں۔ ایک "ولی مستور" سے جب "رجال الغیب" کی تعداد کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے جواب دیا "چالیس نفوس"۔ ان سے پھر سوال کیا گیا کہ آپ نے "چالیس مرد" کیوں نہیں کہا؟ تو جواب دیا کہ ان میں عورتیں بھی شامل ہوتی ہیں[2]۔

---

[1] مراۃ الاسرار ۱ : ۲۸، حضرت شیخ محی الدین ابن عربی در فتوحات مکیہ و حضرت علاء الدین سمنانی در کتاب عروہ نوشتہ است کہ از آدم تا وقت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم رجال اللہ برائے محافظت عالم ہمیشہ بودند و تا ظہور عیسیٰؑ و مہدیؑ خواہند بود توامِ عالم از ایشاں است۔

[2] ابن عربی۔ الفتوحات المکیہ، دار الکتب العربیۃ الکبریٰ مصر ۲ : ۷۔ نفحات الانس، ص ۲۰۱

اس سلسلہ میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے ایک معاصر ارادت مند بزرگ شیخ جمال العارفین ابو محمد بن عبداللہ البصری بیان کرتے ہیں کہ ایک روز حضرت خضر علیہ السلام سے میری ملاقات ہوئی میں نے ان سے گزارش کی کہ اولیاءِ کرام کے متعلق کوئی عجیب وغریب چشم دید واقعہ سنایئے۔ تو انھوں نے فرمایا کہ ایک مرتبہ بحرِ محیط سے گزر رہا تھا وہاں کسی انسان کا گزر نہیں تھا میں نے دیکھا کہ ایک شخص کمبل اوڑھے لیٹا ہے دل میں خیال آیا کہ ہو نہ ہو ولی ہوگا۔ میں نے اسے آواز دے کر کہا اٹھیے اور خدا کی بندگی کیجیے۔ اس نے اٹھ کر کہا اے ابو العباس جاؤ خدا کی یاد میں اپنے قلب کو مشغول رکھو۔ میں نے اس سے پوچھا کہ آپ نے مجھے کیسے پہچان لیا اس نے کہا کیا آپ خضر نہیں ہیں لیکن یہ بتایئے میں کون ہوں۔ میں نے خدا سے عرض کی بار الٰہا میں اولیاء کا نقیب اور پیغامبر ہوں اور پھر بھی مجھے معلوم نہیں کہ یہ کون ہیں؟ ندا آئی اے ابو العباس تو بے شک اولیاء اللہ کا نقیب ہے لیکن تیری رسائی ان اولیا تک ہے جو مجھ سے محبت کرتے ہیں۔ لیکن یہ شخص اس طبقہ سے تعلق رکھتا ہے جنھیں میں دوست رکھتا ہوں۔ اس شخص نے میری طرف رخ کیا اور بولا، ابو العباس! سنا۔ میں نے کہا ہاں، میں نے اس سے اپنے حق میں دعا کی درخواست کی۔ اس نے کہا میں خود آپ سے دعا کا طلب گار ہوں۔ میں نے جواب دیا کہ میں اس قابل کہاں کہ آپ کے حق میں دعا کرسکوں میں تو معذور ہوں۔ اس شخص نے دعا کی

"وفرك الله نصيبك منه" اللہ تعالیٰ تیرے نصیب میں جو کچھ لکھا ہے، اس میں اضافہ کرے۔

میں نے کہا اس میں کچھ اور بڑھا دیجیے مگر کیا دیکھتا ہوں کہ وہ میری نگاہوں سے اوجھل ہوگیا حالانکہ کوئی ولی میری نظروں سے اوجھل نہیں ہوسکتا۔ آگے بڑھا تو ریت کے ایک ٹیلہ پر میں نے ایسا نور دیکھا جس سے نگاہیں خیرہ ہو جاتی ہیں، دیکھتا کیا ہوں کہ ایک عورت نیا کمبل اوڑھے ہوئے سو رہی ہے۔ اس کا کمبل پہلے کے دیکھے ہوئے کمبل سے ملتا جلتا تھا، میں نے چاہا کہ اس کے پاؤں چھو کر اسے بیدار کروں، غیب سے ندا آئی: ادب ملحوظ خاطر رکھو جنھیں ہم دوست رکھتے ہیں ان کا لحاظ رکھو۔ تھوڑی دیر میں نے انتظار کیا، اس کی آنکھ کھلی تو اس نے یہ دعا پڑھی:

الحمد لله الذي احياني بعد ما اماتني

والیہ المنشور والحمد للہ الذی انسنی
واوحشنی عن خلقہ۔

پھر میری طرف مخاطب ہو کر بولی اے ابوالعباس اگر زو کنے سے پہلے آپ ادب و آداب سے رہتے تو بہتر ہی ہوتا۔ میں نے کہا سچ بتا کیا آپ اس شخص کی بیوی تو نہیں ہیں؟ اس نے کہا آپ ٹھیک سمجھے، یہاں ابدال میں سے ایک خاتون کی وفات ہو گئی تھی، خدا نے یہاں مجھے اس کی تجہیز و تکفین کے لیے بھیجا تھا، جب اسے آسمان کی طرف اٹھایا گیا میں فارغ ہو گئی۔ میں نے کہا دعا کیجیے۔ اس نے کہا اے ابوالعباس! میں تو خود آپ سے دعا کی خواہاں ہوں۔ میں نے جواب دیا مجھے معذور سمجھ لیجیے۔ عورت نے دعا کی "وفرك اللہ نصیبك منه" میں نے مزید دعا کی گزارش کی تو اس نے کہا کہ اگر میں نظروں سے اوجھل ہو جاؤں تو بُرا بھلا مت کہنا۔ یہ کہتے ہی میری نظروں سے غائب ہو گئی۔[۱]

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اولیاءِ مستور میں مرد اور عورتیں دونوں شامل ہوتے ہیں اہلِ سِر کے نزدیک ایسی درویش خواتین پر لفظ عورت کا اطلاق مناسب نہیں ہے۔ چنانچہ شیخ فریدالدین عطار کہتے ہیں کہ جب کوئی عورت راہ سلوک میں مردانگی و دلیری کا ثبوت دے تو اسے عورت نہیں کہنا چاہیے۔[۲]

ان بزرگ عورتوں کے حالات، مقام و مرتبہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا گیا ہے ؎

ولو کان النساء کمن ذکرنا لفضلت النساء علی الرجال
فلا تانیث لاسم الشمس عیب ولا التذکیر فخر للھلال[۳]

اور اگر عورتیں ایسی ہوتیں جیسا ہم نے ذکر کیا ہے، تو عورتوں کو مردوں پر فضیلت حاصل ہوتی۔ آفتاب کے اسم کا مونث ہونا عیب نہیں ہے اور نہ ہی ہلال کے لیے مذکر ہونا فخر کی بات ہے

صوفیہ کی اس دلیل کے بعد اس اعتراض میں کوئی وزن نہیں رہتا کہ ان کے لیے "رجال الغیب" یا "مردانِ غیب" کی اصطلاح کیوں استعمال ہوتی ہے؟ تصوف کی بیشتر کتابوں میں "اولیاءِ مستور"

---

[۱] سفینۃ الاولیاء تذکرہ شیخ عبدالقادر جیلانی ص ۵۶ - ۵۷

[۲] تذکرۃ الاولیاء، تذکرہ رابعہ بصری باب ۹ ص ۳۹، سفینۃ الاولیاء تذکرہ رابعہ بصری ص ۲۰۷

[۳] نفحات الانس ص ۱۴

کا تذکرہ ملتا ہے۔ اسماء، اماکن اور تعداد میں اگرچہ خود صوفیہ کے اندر اختلاف موجود ہے، لیکن ان کی حقیقت پر تمام اہلِ تصوف متفق ہیں۔ دربارِ الٰہی کے ان معزز ارکین کی تعداد، مراتب و مناصب، اسماء و مساکن کے سلسلہ میں شروع ہی سے اختلافات پائے جاتے ہیں، لیکن اس کے باوجود صوفیہ کے یہاں "رجال الغیب" کا نظریہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے۔

شیخ ابو طالب مکّی لکھتے ہیں:

"لیس بین الصدیق والرسول الا درجة النبوة والقطب الیوم الذی هو امام لاثانی الثلاثة والاوتاد السبعة، والابدال الاربعین، والسبعین الی ثلث مائة کلهم فی میزانه وایمان جمیعهم کایمانه انما هو بدل من ابی بکر رضی الله عنه والاثانی الثلاثة الخلفاء بعده والسبعة هم ابدال السبعة الی العشر ثم الابدال ثلثمائة وثلاثة عشر انما هم ابدال البدریین من الانصار والمهاجرین اهل الرحمة والرضوان[1]"

صدیق اور رسول کے درمیان صرف نبوت کا درجہ ہوتا ہے۔ قطب، دو دران تین اثانی، سات اوتاد، چالیس اور ستر سے لے کر تین سو ابدال تک کا امام ہوتا ہے۔ ان سب کا ایمان قطب کے ایمان کے برابر ہوتا ہے جو حضرت ابو بکر صدیق کا بدل ہوتا ہے۔ تین اثانی باقی تین خلفاء کے مقام پر ہوتے ہیں، سات اوتاد (باقی) عشرۂ مبشرین اور تین سو تیرہ صحابہ و انصار میں سے بدری صحابیوں کے قائم مقام ہوتے ہیں۔

شیخ علی ہجویری کا بیان ہے کہ اولیاء مکتوم چار ہزار ہیں جو نہ تو ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں اور نہ خود اپنے جمال حال ہی سے واقف ہیں۔ یہ ہر حال میں اپنے آپ سے اور لوگوں سے پوشیدہ رہتے ہیں، اس طبقہ کے متعلق روایات منقول ہیں اور اولیاء کا کلام موجود ہے مجھے اس کی خبر دی گئی ہے ان میں جو ارباب حل و عقد ہیں اور جنھیں "سرہنگانِ درگاہِ حق" کہا جاتا ہے۔ ان کی تفصیل

---

[1] قوت القلوب ۲: ۷۸

یہ ہے کہ تین سو اخیار، چالیس ابدال، سات ابرار، چار اوتاد، تین نقیب اور ایک قطب جسے غوث بھی کہا جاتا ہے[1]۔ مردانِ غیب کا نظریہ مشہور ہونے کے باوجود مبہم ہے تاہم بعض صوفیہ و علماء نے اس کی وضاحت کرنے کی کوشش کی ہے۔ مورخین میں خطیب بغدادی[2] (۳۹۲ - ۴۶۳ھ / ۱۰۰۲ - ۱۰۷۱ء) نے پہلی بار شیخ ابوبکر کتانی کے حوالہ سے ہمیں اس ابہام سے نجات دلانے کی کوشش کی ہے۔ شیخ ابوبکر کتانی کے مطابق نقباء تین سو ہیں، نجباء ستر اور بدلاء (ابدال) کی تعداد چالیس ہے، اخیار سات اور عمد چار ہیں، غوث ایک ہوتا ہے۔ نقباء کا مسکن مغرب نجباء کا مصر اور ابدال کا مسکن شام ہوتا ہے۔ اخیار زمین میں سیاحت کرتے رہتے ہیں، عمد زمین کے چاروں کونوں پر اور غوث مکہ میں قیام پذیر ہوتا ہے۔ امورِ عامہ میں سے جب کوئی مسئلہ پیش آتا ہے تو پہلے نقباء دعا کرتے ہیں (اگر ان کی دعا سے مسئلہ حل ہوا تو ٹھیک، ورنہ) اس کے بعد بالترتیب نجباء، ابدال، اخیار اور عمد دعا کرتے ہیں، اگر ان کی دعا قبول ہوئی تو ٹھیک، ورنہ درخواست قطب کے پاس پہنچتی ہے جب وہ دعا کرتا ہے تو مسئلہ حل ہو کر پریشانی دور ہو جاتی ہے[3]۔

رجال الغیب پر شیخ محی الدین ابن عربیؒ نے تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ ان کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر زمانہ کا ایک قطب ہوتا ہے جس کا نام عبداللہ ہوتا ہے اس کے ماتحت دو وزیر ہوتے ہیں یہ دونوں امام کہلاتے ہیں ان میں ایک کا نام عبدالملک اور دوسرے کا عبدالرب ہوتا ہے قطب کے وصال کے بعد ان ہی دونوں میں سے کوئی ایک اس کی جگہ لیتا ہے[4]۔ ان دو کے ماتحت چار اوتاد ہوتے ہیں، ان کے توسط سے اللہ تعالیٰ مشرق، مغرب، جنوب اور شمال کی حفاظت کرتا ہے (جہات کا تعین خانہ کعبہ سے ہوتا ہے) ان کی تعداد ہر زمانہ میں معین ہے، ان کے

---

[1] کشف المحجوب ص ۱۹۱

[2] احمد بن علی بن ثابت المعروف بہ خطیب بغدادی، مورخ اور حافظ تھے۔ تاریخ، حدیث اور دوسرے علوم میں ۵۶ کتابوں کے مصنف ہیں۔ بغداد میں وفات پائی۔ تذکرۃ الحفاظ ۳ : ۱۱۳۵، وفیات الاعیان ۱ : ۹۲

[3] تاریخ بغداد ۳ : ۷۵ - ۷۶، الطبقات الکبریٰ ۱ : ۱۱۰

[4] الفتوحات المکیہ ۲ : ۶

القاب عبدالحی، عبدالعلیم، عبدالقادر اور عبدالمرید ہوتے ہیں ان میں ایک کے ساتھ میری ملاقات شہر فاس میں ہوئی اس کا نام ابن معدون تھا۔ ان کے بعد سات ابدال ہوتے ہیں جو اقالیم سبعہ کے لیے مامور ہیں، ان میں اقلیم اول کا ابدال حضرت خلیل اللہ کے قدم پر ہوتا ہے۔ دیگر اقالیم کے ابدال بالترتیب حضرت کلیم اللہؑ، حضرت ہارونؑ، حضرت ادریسؑ، حضرت یوسفؑ، حضرت عیسیٰؑ اور حضرت آدمؑ کے قدموں پر ہوتے ہیں۔ ان کے نام بھی اسماءِ صفات سے ماخوذ ہیں یعنی عبدالحی، عبدالعلیم، عبدالودود، عبدالقادر، عبدالشکور، عبدالسمیع اور عبدالبصیر کے ناموں سے موسوم ہیں۔ (القاب ہیں[1]) ہم نے مکہ میں حطیم حنابلہ کے پیچھے ان سات ابدال کو دیکھا ہے، ان میں سے ایک ابدال موسیٰ السدراتی نے ہم سے ۵۸۶ھ میں اشبیلیہ کے مقام پر ملاقات کی، ایک اور ابدال شیخ الجبال محمد بن اشرف الرندی کو بھی ہم نے دیکھا۔ ہمارے دوست عبدالمجید بن سلمہ نے ایک ابدال معاذ بن اشرس سے ملاقات کی، یہ ان میں سب سے بڑے ابدال تھے۔ عبدالمجید نے ان کا سلام بھی مجھے پہنچایا۔ عبدالمجید نے جب ان سے پوچھا کہ یہ مقام انھیں کیسے حاصل ہوا تو انھوں نے کہا کہ چار چیزوں کی وجہ سے، اور یہ چار چیزیں وہی ہیں جن کا ذکر شیخ ابوطالب مکی نے کیا ہے۔ بھوک، شب بیداری، خاموشی اور عزلت۔

ابدال کے بعد بارہ نقباء ہوتے ہیں ان کی تعداد بھی معین ہے یہ آسمان کے بارہ برجوں پر مامور ہوتے ہیں۔ ہر نقیب ایک خاص برج پر مامور ہوتا ہے۔ کواکب سیارہ و ثوابت اور اجرام فلکی کی وہ حرکات ان کے مشاہدہ میں آتی ہیں جو اہلِ رصدگاہ کی دست رس سے باہر ہیں[2]۔ ان کے بعد آٹھ نجباء ہوتے ہیں ان کا مقام کرسی ہے یہ خدا تعالےٰ کے سات مشہور صفات اور ادراک کا علم رکھتے ہیں[3]۔ نجباء کے بعد ایک حواری ہوتا ہے جب اس کا انتقال ہوتا ہے تو دوسرا اس کی جگہ لے لیتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ کے زمانہ میں حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ (۲۸ ق ھ — ۳۶ ھ / ۵۹۶ — ۶۵۶ء) اس منصب پر فائز تھے[4]۔ اس کے بعد "الرجبیون" ہوتے ہیں۔ ان کی

---

[1] شیخ ابن عربیؒ کے بقول ان سات میں اول الذکر چار اسماء اوتاد کے اسماء ہیں لیکن ان میں صرف تین نام ملتے ہیں عبدالمرید اور عبدالودود میں اشتباہ ہے۔

[2] الفتوحات المکیہ ۲ : ۷

[3] الفتوحات المکیہ ۲ : ۸

[4] الفتوحات المکیہ ۲ : ۸

تعداد چالیس ہوتی ہے انھیں "الرجبیون" اس لیے کہتے ہیں کہ یہ اس منصب پر صرف رجب کے مہینہ میں فائز ہوتے ہیں۔ ان میں ایک کے ساتھ میری ملاقات الدنیسیر میں ہوئی تھی۔ یہ حضرات دیارِ بکر، یمن اور شام میں سکونت پذیر ہوتے ہیں[1]۔ سب سے آخر میں "ختم" کا درجہ ہوتا ہے اس پر اولیاءِ امتِ محمدی کا خاتمہ ہوتا ہے۔ ختم کو قیامت میں دوبارا اٹھایا جائے گا۔ ایک بار امتِ محمدی کے ساتھ اور دوسری بار انبیاءِ کے ساتھ[2]۔

ایک اور رائے کے مطابق رجال الغیب میں تین سو نقباء کے دل حضرت آدمؑ کے دِل کی مانند ہوتے ہیں۔ انھیں نقباء اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ اس امت کے نقیب ہیں، ستر نجباء کے دِل حضرت نوحؑ کے دِل کی مانند ہوتے ہیں، انھیں نجباء اس لیے کہتے ہیں کہ وہ لوگوں میں برگزیدہ اور روشن دِل ہیں۔ چالیس ابدال کے دِل حضرت موسیٰؑ کے دِل کی طرح ہوتے ہیں، انبیاء علیہم السلام کا بدل ہونے کی بنا پر انھیں ابدال کہا جاتا ہے۔ رجال الغیب میں آٹھ ایسے ہیں جن کے قلوب حضرت عیسیٰؑ کے دِل کی طرح ہوتے ہیں (ان کا نام نہیں دیا گیا ہے) سات اخیار کے دِل حضرت ابراہیمؑ کے قلب کی مانند ہوتے ہیں انھیں اخیار اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ امت میں بہترین لوگ ہیں۔ پانچ عماد کے دِل حضرت جبرئیلؑ کے دِل سے مشابہت رکھتے ہیں۔ یہ دنیا کے ستون ہیں اس لیے انھیں عماد (عمد کی جمع) کہا جاتا ہے، ان کی حیثیت دنیا کے لیے وہی ہے جو عمارت کے لیے ستون کی ہوتی ہے۔ تین اوتاد کے دِل حضرت میکائیلؑ کے دِل کی طرح ہوتے ہیں، یہ اوتاد اس وجہ سے کہلاتے ہیں کہ ان کی حیثیت دنیا کے لیے کھونٹے یا میخ کی ہے۔ ایک کا دل حضرت اسرافیلؑ کے قلب کی طرح ہوتا ہے اسے غوث کہتے ہیں، جب اس کا انتقال ہوتا ہے تو اوتاد میں سے ایک ولی کو اس کی جگہ مقرر کیا جاتا ہے پھر اوتاد کی خالی جگہ نچلے درجے کے مردانِ غیب میں سے کسی ایک مردِ غیب سے پُر کی جاتی ہے۔

---

[1] الفتوحات المکیہ ۲ : ۸

[2] الفتوحات المکیہ ۲ : ۹ ، شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ کے افکار میں ختم یا خاتم الاولیاء کو اہم مقام حاصل ہے لیکن بعض علما کی نظر میں اس نظریے نے شیخ کو معتوب بنایا ہے۔ اردو میں ختم ولایت پر سیر حاصل بحث کے لیے دیکھیے تصوف ایک تجزیاتی مطالعہ ص ۱۷۴ - ۱۸۶۔

درجہ بدرجہ یہ سلسلہ اسی طرح جاکر نقباء تک پہنچتا ہے۔ آخر میں جب نقباء کی تعداد میں ایک کی کمی ہوتی ہے تو اس کی جگہ عام انسانوں میں سے کوئی انسان نقیب مقرر کرکے تعداد پوری کی جاتی ہے[1]۔ دنیا میں اگر کوئی حادثہ ہوتا ہے تو تین سو نقباء دعا کرتے ہیں اگر ان کی دعا قبول نہ ہوئی تو ستر نجباء دعا کرتے ہیں، ان کی دعا مستجاب نہ ہونے کی صورت میں چالیس ابدال دعا مانگتے ہیں، اگر ان کی دعا بھی قبول نہ ہوئی تو آٹھ رجال الغیب دعا کرتے ہیں، اگر ان کی دعا بھی مستجاب نہ ہوئی تو سات اخیار دعا کرتے ہیں ان کی دعا بھی بے اثر رہی تو پانچ عمود دعا مانگتے ہیں، عدم قبولیت کی صورت میں دعا مانگنے کی نوبت تین اوتاد پر آتی ہے اگر ان کی دعا بھی منظور نہ ہوئی تو غوث دعا مانگتا ہے۔ غوث دنیا کا فریاد رس ہوتا ہے اس کی دعا کسی صورت میں رد نہیں ہوتی۔ نقباء مصر اور اس کے نواحی علاقوں میں سکونت پذیر ہوتے ہیں، عمود زمین کے اطراف میں رہتے ہیں اور اوتاد متفرق ہوکر عام مسلمانوں میں رہتے ہوئے کام کرتے ہیں۔ غوث مکہ میں قیام پذیر ہوتا ہے[2]۔

بعض علماءِ تصوف کے نزدیک غوث کا مکہ میں قیام پذیر ہونا درست نہیں ہے۔ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کو تعین کے ساتھ قطب یا غوث کہا جاتا ہے لیکن ان کا قیام بغداد میں تھا[3]۔ نیز جن بزرگوں کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ قطب کے منصب پر فائز ہیں یا جنھوں نے کشف و الہام کی بنا پر خود اپنے بارے میں دعویٰ کیا ہے کہ وہ قطب یا غوث کے مقام سے سرفراز کیے گئے ہیں۔ ان میں اکثر کا قیام مکہ سے باہر دوسرے شہروں یا علاقوں میں تھا۔ لیکن رجال الغیب کے لیے طیُ الارض کی کرامت کو تسلیم کیے جانے کے بعد زمان و مکان کی تمام قیود ختم ہو جاتی ہیں اس لیے یہ دلیل محل نظر ہے۔

---

[1] کشف المحجوب حاشیہ ص ۲۶۲

[2] کشاف اصطلاحات الفنون ۴ : ۸۴۵

[3] کشاف اصطلاحات الفنون ۴ : ۸۴۵، شیخ محمد اعلیٰ تھانوی کے خیال میں غوث کا مکہ میں قیام پذیر ہونا درست نہیں ہے انھوں نے دلیل یہ دی ہے کہ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ قطب اور غوث تھے لیکن وہ بغداد میں سکونت پذیر تھے مگر رجال الغیب کو طیُ الارض کی جو کرامت حاصل ہے اس نے ان کے لیے مکان کے حدود و قیود مٹا دیے ہیں۔

شیخ کمشخانوی[۱] (۱۲۲۸ — ۱۳۱۱ھ / ۱۸۱۲ — ۱۸۹۳ء) کے بیان کے مطابق، قطب کے بعد دو امام ہوتے ہیں جن کی حیثیت وزیروں کی ہوتی ہے، ایک عالم الملک دوسرا عالم ملکوت کا ذمہ دار ہوتا ہے، اس کے بعد تین یا چار اوتاد ہوتے ہیں۔ جب قطب مر جاتا ہے تو ان میں سے ایک اس کی جگہ لیتا ہے۔ ابدال چالیس ہوتے ہیں، بائیس شام میں اور اٹھارہ عراق میں، ابدال سے کمتر درجہ پر نجباء ہوتے ہیں جن کی تعداد ستر ہے ان کا مسکن مصر ہے۔ اس کے بعد تین سو یا پانچ سو نقباء ہوتے ہیں[۲]۔ سید فقیر محمد شاہ کے نزدیک اس طبقہ میں غوث، اوتاد، نجباء، نقباء اور اخیار ہوتے ہیں۔ ان کے بیان کے مطابق دنیا میں صرف ایک غوث ہوتا ہے جس کے ماتحت سات اوتاد ہوتے ہیں، اوتاد کے تحت چالیس ابدال کام کرتے ہیں، ان کی ماتحتی میں نجباء، نقباء، اور اخیار اپنے فرائض انجام دیتے ہیں۔

اولیاءِ مستور کا یہ طبقہ تین سو ساٹھ افراد پر مشتمل ہوتا ہے۔ ان میں سب سے کمتر درجہ کا ولی بارہ میل کے دائرہ میں مختارِ کل ہوتا ہے چڑیا کا انڈا بھی اس کی نگاہوں سے اوجھل نہیں رہتا حتیٰ کہ اسے خدا کے عطا کردہ علم کی بنا پر نمک کی وہ مقدار بھی معلوم ہوتی ہے جو عورت سالن میں استعمال کرتی ہے۔ رجال الغیب پر جب کام کا دباؤ بڑھ جاتا ہے تو ان کی تعداد بڑھا دی جاتی ہے۔ لیکن مقررہ تعداد کسی صورت میں بھی نہیں گھٹ سکتی، اس طبقہ میں تمام فرقوں کے سالک اور مجذوب شامل ہوتے ہیں[۳]۔ جے سپنسر ٹرمنگھام نے شیخ علی ہجویری کا بیان نقل کرنے پر

---

[۱] احمد بن مصطفیٰ بن عبد الرحمٰن الکمشخانوی، ترکی الاصل متصوف کمشخانہ میں پیدا ہوئے کئی کتابوں کے مصنف ہیں جن میں جامع الاصول للاولیاء مشہور ہے۔ الاعلام ۱ : ۲۴۲

[۲] جامع الاصول للاولیاء ص ۹۳، عبد الرحمٰن وکیل، ھذہ ھی الصوفیہ، دار الکتب العلمیہ قاہرہ الطبعۃ الثانیہ ۱۳۹۹ھ / سنہ ۱۹۷۹ء ص ۱۲۷، شیخ نجم الدین اصفہانی (۶۴۳ — ۷۲۱ھ / ۱۲۴۵ — ۱۳۲۱ء) کا کہنا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ابدال میں عراق سے مراد نصف شرقی کا تمام علاقہ جس میں عراق، خراسان، ہندستان، ترکستان اور جملہ مشرقی ممالک شامل ہیں اور شام سے مراد نصف غربی کا سارا علاقہ جس میں شام، مصر، اور بلاد مغرب شامل ہیں۔ نفحات الانس ص ۳۰۸۔

[۳] Faqir Nur Muhammad, Irfan, Dera Ismail Khan, Pakistan 1958 pp417-420

اکتفا کیا ہے تاہم انھیں اعتراف ہے کہ رجال الغیب کی اصطلاحات اور تعداد میں اختلاف ہے۔[1] خواجہ خان نے بھی شیخ علی ہجویری کی رائے نقل کی ہے، ان کا خیال ہے کہ رجال الغیب کا نظریہ یونان کے لیبلیچوس Lablichus(d. 330 A.D.)[2] کے اس روحانی سلسلہ سے مشابہت رکھتا ہے، جو اس طرح ہے (۱) Gods (۲) Demons (۳) Heaveans (۴) Principalities (۵) Angels (۶) Souls[3] - یہاں یہ بات ملحوظِ خاطر رہے کہ رجال الغیب کے طبقہ میں انسان ہوتے ہیں، غیر مرئی مخلوق نہیں۔

لوئی مسینون کے بہ قول رجال الغیب کی تعداد مقررہ ہے، ان میں جب کسی کا انتقال ہوتا ہے تو دوسرا اس کی جگہ لیتا ہے۔ اس تعداد میں تین سو نقباء، چالیس ابدال، سات امناء، چار عمود اور ان کا قطب شامل ہیں۔[4] سب سے زیادہ مُسلّمہ رائے کے مطابق گولڈزیہر (۱۲۶۶ـ۱۳۴۰ھ/۱۸۵۰ـ۱۹۲۱ء)[5] نے رجال الغیب کی درجہ بندی اس طرح کی ہے (ا) ایک قطب (ب) دو امامان (ج) پانچ اوتاد (د) سات افراد (ھ) ابدال (و) ستر النجباء (ز) تین سو النقباء (ح) پانچ سو العصائب (ط) الحکما، یا مفردون، ان کی تعداد لا محدود ہے (ی) الرجبیون، تعداد نامعلوم۔[6] رجال الغیب کے ان دس مدارج کا ذکر کرتے ہوئے گولڈزیہر نے ابدال کی تعداد چالیس، سات اور تین سو بتائی ہے۔ شیخ ابو طالب مکّی کی بیان کردہ ایک روایت کے مطابق ابدال تین سو ہیں ان میں صدیقین، شہداء اور صلحاء شامل ہیں۔[7]

---

[1] The Sufi orders in Islam p.164

[2] شامی نژاد نو فلاطینی حکیم، عالم دینیات، حکیم فرفریوس کا شاگرد تھا۔ نظریہ نظامِ آسمانی کے لیے مشہور ہے۔

[3] Khawaja Khan, Studies in Tassawuf, Madras 1923 pp. 129-130

[4] اردو دائرۂ معارف اسلامیہ بذیل مادہ "تصوف" ۶ : ۴۲۶

[5] جرمنی مستشرق ادب عربی، فقہ اور دوسرے علوم میں کئی کتابیں لکھی ہیں، الاعلام ۱ : ۸۰

[6] اردو دائرۂ معارف اسلامیہ بذیل مادہ "ابدال" ۱ : ۳۴۴

[7] قوت القلوب ۲ : ۷۸

رجال الغیب کے نظریہ کی اصل قرآن میں بھی تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ قرآن میں ارشادِ ربّانی ہے:

اَلَاۤ اِنَّ اَوْلِيَاۤءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (یونس: ۶۲)	یاد رکھو اللہ کے دوستوں کو نہ کوئی خوف ہوتا ہے نہ وہ مغموم ہوتے ہیں۔

لیکن شیخ سہل بن عبداللہ تستری نے اس آیت میں اولیاء اللہ سے مردانِ غیب یا رجال الغیب مراد لیے ہیں[۱]۔ شیخ سہل کا کہنا ہے کہ میں نے پندرہ سو صدیقین سے ملاقات کی جن میں چالیس ابدال اور سات اوتاد تھے ان کا مذہب بھی وہی تھا جو میرا ہے[۲]۔ دوسری جگہ قرآن میں خدا فرماتا ہے:

وَهُوَ الَّذِىْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِىَ وَاَنْهٰرًا (الرعد: ۳)	وہی ذات ہے جس نے زمین کو پھیلایا اور اس میں پہاڑ اور نہریں پیدا کیں۔

شیخ ابو عبدالرحمٰن السلمی اس کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قال بعضهم هو الذی بسط الارض وجعل فيها رواسی اوتادًا من اوليائه وسادة من عبيده فاليهم الملجأ وبهم النجاة فمن ضرب فی الارض بقصدهم فاز ونجا ومن كان بغية لغيرهم خاب وخسر[۳]	بعض صوفیہ کا کہنا ہے کہ وہی ذات ہے جس نے اپنے اوتاد اور منتخب بندوں کو دنیا کے لیے باعثِ قرار و تمکین بنایا یہی اولیاء لوگوں کے لیے ملجا اور ذریعۂ نجات ہیں اس لیے جو ان کا قصد کرتا ہے وہ کامیاب اور ناجی ہوا اور جس نے انھیں چھوڑ کر دوسروں کو اپنی امیدوں کا مرکز بنایا وہ نقصان اور خسارے میں رہا۔

قرآن کی ایک اور آیت اس طرح ہے:

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا (النباء: ۶-۷)	کیا ہم نے زمین کو فرش اور پہاڑوں کو زمین کی میخیں نہیں بنایا۔

---

[۱] تفسیر القرآن العظیم ص ۴۶

[۲] تفسیر القرآن العظیم ص ۴۶

[۳] محمد حسین الذہبی، التفسیر والمفسرون، دار الکتب الحدیثیہ قاہرہ الطبعۃ الثانیہ سنہ ۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء ۲: ۳۸۷-۳۸۸

لیکن شیخ ابو محمد روزبہان البقلی شیرازیؒ[1] (م محرم الحرام ۶۰۶ھ / ۱۲۰۹ء) نے اس کی تفسیر کرتے ہوئے اوتاد سے وہی اوتاد مراد لیے ہیں جو رجال الغیب میں شامل ہیں اور جن کی وجہ سے دنیا قائم ہے[2]۔ ان کے بیان کے مطابق اوتاد حقیقت میں اولیاء کے سردار اور اصفیاء کے خواص ہیں[3]۔

شیخ ابو سعید الخراز سے پوچھا گیا کہ اوتاد اور ابدال میں کون افضل ہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ اوتاد افضل ہیں۔ لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی تو جواب دیا کہ ابدال کے مقامات بدلتے رہتے ہیں، جب کہ اوتاد کے ساتھ یہ معاملہ نہیں۔ شیخ ابن عطاء کے بہ قول اوتاد اہلِ استقامت ہیں اور مقامِ تمکین میں ہیں[4]۔

رجال الغیب کا نظریہ اس قدر مشہور ہو چکا ہے کہ امام جلال الدین سیوطی کے بہ قول تواتر کی حد تک پہنچ چکا ہے۔ تقریباً تمام صوفیہ کو ان سے ملاقات کی تمنا رہی ہے۔ یہی سبب ہے کہ ہم ہر بزرگ کو مردانِ غیب کے متعلق اظہارِ خیال کرتے ہوئے پاتے ہیں۔ ایک بزرگ بلال الخواص (تیسری صدی ہجری) کہتے ہیں کہ میری ملاقات بنی اسرائیل کے بالائی علاقے میں ایک شخص سے ہوئی اس کا نام پوچھا تو اس نے کہا کہ میں تمھارا بھائی خضر ہوں۔ میں نے آپ سے کہا، میں کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔ جب اس نے سوال کرنے کی اجازت دی، تو میں نے پوچھا کہ امام شافعی کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ اس نے کہا وہ اوتاد میں سے ہیں۔ میں نے سوال کیا کہ احمد بن حنبل کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟ تو اس نے کہا کہ وہ صدیق ہیں۔ میں نے بشر بن حرث الحافی کے متعلق ان کی رائے دریافت کی تو بولے کہ بشر ایسا آدمی ہے جس کا ہم سر پیدا نہ ہوگا[5]۔

---

[1] شیراز کے مشہور شیخ طریقت اور کثیر التصانیف بزرگ تھے، نفحات الانس ص ۱۶۲-۱۶۳، سفینۃ الاولیاء بذیل تذکرہ ص ۱۷۶

[2] ابو محمد روزبہان البقلی الشیرازی، عرائس البیان، مطبع نول کشور لکھنؤ ۱۳۰۱ھ ۲ : ۳۵۶

[3] عرائس البیان ۲ : ۳۵۶

[4] عرائس البیان ۲ : ۳۵۶

[5] الرسالۃ القشیریہ ص ۱۳، الکواکب الدریہ ۱ : ۲۱۱، الاصابہ ۲ : ۳۳۰-۳۳۱

شیخ ابو عبداللہ محمد بن خفیف شیرازی کا بیان ہے کہ میں ابدال سے ملاقات کرنے کی غرض سے برسوں خاک چھانتا رہا، بالآخر مایوس ہو کر اصطخر (فارس) لوٹ آیا تو وہاں کی ایک خانقاہ میں میں نے مشائخ کی ایک جماعت دیکھی جو نو افراد پر مشتمل تھی ان کے سامنے کھانے کی کچھ چیزیں تھیں، میں وضو کر کے ان کے پاس بیٹھ گیا۔ ان میں (میرے) دو شناسائی بزرگ، حسن بن ابو سعد اور ابو الازھر بن حیان بھی موجود تھے۔ میں ان کے ساتھ کھانا کھا کر الگ ہوا میری آنکھ لگ گئی خواب میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے دیکھا، "اے ابن خفیف! تمھیں جن لوگوں کی تلاش تھی وہ یہی لوگ ہیں اور تم بھی انھیں لوگوں میں سے ہو۔" بیدار ہونے پر میں تذبذب میں پڑ گیا کہ لوگوں سے یہ خواب بیان کروں یا نہ کروں یہاں تک کہ میری ملاقات شیخ ابو الحسن بن ابو سعد سے ہوئی انھوں نے مجھ سے کہا: "اے ابو عبداللہ! ان لوگوں کو اس چیز کی خبر کر دو جو تم نے خواب میں دیکھی ہے۔" یہ خبر لوگوں میں مشہور ہو چکی تھی اس لیے یہ لوگ (ابدال) مختلف شہروں کی طرف نکل گئے۔[1] اس بیان سے اس رائے کی تائید ہوتی ہے کہ ابدال اپنے مرتبہ و منصب سے بے خبر ہوتے ہیں جیسا کہ بعض اہلِ تصوف کا خیال ہے۔[2] چنانچہ ایک دفعہ شیخ عبدالقادر جیلانی کے ایک بیٹے نے اپنے باپ کی خدمت میں رجال الغیب کو مصروف پرواز پایا تو خوفزدہ ہوئے۔ یہ دیکھ کر شیخ جیلانی نے کہا: ڈرو مت، یہ رجال الغیب ہیں اور تم بھی انھیں میں سے ہو۔[3]

دوسری کرامات کے ساتھ ساتھ رجال الغیب کو خصوصی طور پر "طئی الارض" کی کرامت بھی حاصل ہے۔[4] ان کے لیے دنیا کے دور دراز علاقوں کی مسافت چشم زدن میں طے کرنا چنداں مشکل نہیں ہے۔ ادب تصوف میں بہ کثرت ایسی روایات ملتی ہیں جن میں مردانِ غیب کو قوتِ پرواز کا حامل بتایا گیا ہے۔ شیخ جنید بغدادی کی خدمت میں ایک دفعہ عید کی رات چار مردانِ غیب حاضر تھے حضرت جنید بغدادی نے ایک سے پوچھا "کل کہاں نماز پڑھو گے؟" اس نے کہا "مکہ مکرمہ میں۔"

---

[1] ابوبکر الخلال، کرامات الاولیاء، مطبعہ مصر، ۱ : ۱۰۵

[2] کشف المحجوب ص ۱۹۱ - ۱۹۲ - ۱۹۴، سفینۃ الاولیاء، مقدمہ ص ۱۶

[3] سفینۃ الاولیاء، تذکرہ شیخ ابو اسحٰق ابراہیم ص ۶۰ [4] مراۃ الاسرار ۱ : ۲۸

دوسرے سے یہی سوال کیا تو اس نے جواب دیا "مدینہ معظمہ میں"۔ تیسرے سے پوچھا تو اس نے کہا "بیت المقدس میں"۔ چوتھے سے یہی سوال پوچھا تو اس نے عرض کیا "حضرت میں یہیں (بغداد) آپ کے ساتھ عید کی نماز پڑھوں گا"۔ یہ جواب سن کر شیخ جنید نے ان سے کہا: "انت ازھدھم واعلمھم وافضلھم" (تم ان سب سے زیادہ زاہد سب سے زیادہ عالم اور سب سے افضل ہو)[1] ایک روایت میں کہا گیا ہے کہ بغداد کے اوپر سے ایک مرتبہ تین ابدال پرواز کر رہے تھے شیخ عبدالقادر جیلانی کی خانقاہ تک پہنچ کر دو ابدال شیخ جیلانی (جو غوث کے منصب پر فائز تھے) کا پاسِ ادب ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے خانقاہ سے ہٹ کر گزرے مگر تیسرے ابدال نے دِل میں یہ خیال کر کے کہ بغداد میں کوئی مردِ خدا نہیں ہے، خانقاہ کے اوپر سے پرواز کی۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اس کے خطرۂ باطنی پر مطلع ہوئے اور آپ نے اس کی اس جسارت پر اس کی قوتِ پرواز سلب کی۔ یہ دیکھ کر مردِ غیب ہوا سے اُتر کر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے قصور کی معافی کا طلب گار ہوا۔ جب اس نے خلوصِ دِل سے توبہ کی تو شیخ نے اس کے کمالات واپس کیے اور وہ پہلے کی طرح ہوا میں پرواز کرتا ہوا چلا گیا۔[2] شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے متعلق وثوق سے بیان کیا جاتا ہے کہ

---

[1] فوائد الفواد ص ۴

[2] فوائد الفواد ص ۳-۴، سفینۃ الاولیاء تذکرہ شیخ سید عبدالقادر جیلانیؒ ص ۴۷-۴۸۔ "طیٔ الارض" کی کرامت کے سلسلہ میں یہ واقعہ ذکر کرنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا جو شیخ سیدی احمد بن ابوالحسن رفاعی کی خدمت میں پیش آیا۔ شیخ ابوالحسن علی کہتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ ایک انجان آدمی کو ماموں یعنی شیخ احمد رفاعی کے پاس بیٹھے ہوئے دیکھا۔ باتیں کرنے کے بعد وہ شخص شیخ کی دیوار کے روزن سے باہر آکر بجلی کی طرح اُڑا۔ میں نے ماموں جان سے اس کے بارے میں دریافت حال کیا تو انھوں نے بتایا کہ یہ شخص سمندر کی حفاظت پر مامور ہے، یہ چار میں سے ایک ہے اور اپنے ساتھیوں سے مہجور ہوا ہے اس کی مہجوری کا سبب یہ ہے کہ جزائر محیط میں سے ایک جزیرہ میں مقیم تھا؛ وہاں تین شب و روز بارش ہوئی اس کے دل میں خطرہ گزرا کہ کاش یہ بارش آبادی میں ہوتی، فوراً ہی اس نے اپنے خیال سے توبہ کی لیکن اس کی یہ توبہ قبول نہ ہوئی اور اسے مہجور کر دیا گیا۔ میں نے ماموں سے عرض کیا کہ کیا اسے اپنی مہجوری کا علم ہے یا آپ نے اسے آگاہ کیا؟ انھوں نے کہا کہ اسے اپنی مہجوری کا علم نہیں ہے اور مجھے اسے اس کی خبر دیتے شرم محسوس ہوئی میں نے عرض کیا کہ اجازت ہو تو میں اسے آگاہ کر دوں۔ انھوں نے اجازت دی پھر فرمایا "اپنا سر گریبان میں کر لو"۔ پھر آواز آئی (بقیہ حاشیہ صفحۂ دیگر)

اقطاب، ابدال اور اوتاد کا تقرر و تنزل اور عزل و نصب شیخ کے دائرۂ اختیار میں تھا۔ ایک بار ایک چور حضرت شیخ کے مکان میں در آیا تو اس کی بصارت زائل ہو گئی، مکان سے کوئی چیز نہ لے جا سکا۔ اس دوران حضرت خضر علیہ السلام نے خدمتِ شیخ میں حاضر ہو کر عرض کی کہ حضور ایک ابدال کا انتقال ہوا ہے، جس کے بارے میں آپ کا حکم ہوا سے ان کی جگہ مقرر کیا جائے۔ شیخ جیلانی نے فرمایا کہ ہمارے گھر میں ایک شخص شکستہ دِل اور محرومی کے عالم میں ہے جا کر اسے لے آؤ اسے ابدال کے منصب پر فائز کریں گے۔ حضرت خضر علیہ السلام چور کو گھر سے باہر شیخ کی خدمت میں لے آئے آپ نے اس پر نظر کی تو اس کی بینائی لوٹ آئی۔ بینا بن جانے کے بعد آپ نے اسے پورے اعزاز کے ساتھ ابدال مقرر کر دیا۔[۱] ایک مرتبہ ایک ابدال کا انتقال ہوا تو شیخ جیلانی رحمہ نے قسطنطنیہ سے ایک کافر کو طلب کیا، اس کی مونچھیں ہلکی کر کے اس کا نام "محمد" رکھ دیا، اپنا عمامہ اس کے سر پر رکھ کر اسے ابدالوں کی جماعت میں شامل کیا۔[۲]

رجال الغیب کے نظریہ کو فلسفیانہ رنگ دینے کی کوشش بھی کی گئی ہے جیسا کہ شیخ المقتول شہاب الدین سہروردی[۳] (۵۴۹ھ ـــ ۵۸۷ھ / ۱۱۵۴ ـــ ۱۱۹۱ء) کی کتاب حکمۃ الاشراق سے ظاہر ہوتا ہے۔

(حاشیہ صفحۂ گزشتہ کا بقیہ) اے علی! تخت لاؤ۔ میں تخت لایا۔ دفعتہً کیا دیکھتا ہوں کہ میں بحرِ محیط کے جزیرہ میں ہوں میں نے اس شخص کو وہاں دیکھ کر سارا واقعہ کہہ سنایا تو اس نے کہا اچھا میری گردن میں میرا خرقہ ڈال کر زمین پر کھینچو اور کہتے جاؤ کہ یہ اس شخص کی سزا ہے جو خدا کی مشیت پر اعتراض کرنے کی جسارت کرے۔ میں نے اس کی گردن میں خرقہ ڈال کر کھینچنا شروع کرنا چاہا کہ ہاتفِ غیبی کی آواز آئی کہ اے علی! اسے چھوڑ دو تمام فرشتے اس کی وجہ سے ملول ہیں، اور آہ و زاری میں مصروف ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی خطا سے درگزر کی ہے وہ اس سے راضی ہو گیا۔ یہ آواز سن کر میں بے ہوش ہوا۔ ہوش میں آکر میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب میں نے خود کو ماموں کے پاس موجود پایا۔ قسم خدا کی میں سمجھ ہی نہیں پایا کہ کس طرح وہاں پہنچا اور کیسے میری واپسی ہوئی۔" دیکھیے سفینۃ الاولیاء بذیل تذکرہ سیدی احمد بن ابو الحسن رفاعی ص ۱۷۳، نفحات الانس ص ۳۴۸-۳۴۹

[۱] سفینۃ الاولیاء، تذکرہ شیخ سید عبد القادر جیلانی رحمہ ص ۴۷ [۲] سفینۃ الاولیاء، تذکرہ شیخ سید عبد القادر جیلانی ص ۴۷

[۳] مشہور صوفی شیخ شہاب الدین سہروردی المعروف بہ شیخ المقتول، شیخ الاشراق، مشائی و اشراقی فلسفہ کا ماہر، افلاطونی نظریہ نور کا وکیل و ترجمان تھا۔ علماء کے فتوی پر حلب میں محبوس ہوا اور بالآخر قتل کیا گیا۔ الاعلام ۹ : ۱۶۹

اس کی روشنی میں قطبِ زماں کبھی "عقلِ کل" کی شکل اختیار کرتا ہے اور کبھی "نورِ محمدی" یا "حقیقتِ محمدی" کا مظہر بنتا ہے، لیکن اس مسئلہ کو سب سے پیچیدہ بنانے کا سہرا حضرت شیخ محی الدین ابن عربیؒ کے سر جاتا ہے، انھوں نے اس نظریہ کی تشریح و توضیح میں سیکڑوں صفحات صرف کیے لیکن وہ اس کے ابہام کو دور نہ کرسکے غالباً وہ اسے مبہم ہی رہنے دینا چاہتے تھے یا ممکن ہے شیخ کا اندازِ بیان اور مشکل اصطلاحات اس کے سمجھنے میں حائل ہوں[1] شیخ ابن عربیؒ کے بعد شیخ عبدالکریم جیلی نے یہ رائے پیش کی کہ انسان کامل وہ قطب ہے جس پر گردشِ افلاک کا دار و مدار ہے۔ شیخ جیلی کہتے ہیں:

ان الانسان الکامل ھو القطب الذی تدور علیه الافلاک الوجود من اوله الی آخره وھو واحد منذ کان الوجود الی ابد الآبدین ثم له تنوع فی ملابس ویظھر فی کنایس فیسمی باعتبار لباس ولا یسمی لباس آخر فاسمه الاصلی الذی ھو له محمد وکنیته ابوالقاسم ووصفه عبداللہ ولقبه شمس الدین ثم له باعتبار ملابس اخری اسامی وله فی کل زمان اسم مایلیق بلباسه فی ذلک الزمان۔[2]

انسان کامل ہی وہ قطب ہے جس پر اول سے آخر تک وجود افلاک گردش کرتے ہیں وہ ابتداءِ وجود سے لیکر ابدالآباد تک ایک ہے۔ پھر اس کے لیے رنگا رنگ کے لباس ہیں وہ کئی صورتوں میں جلوہ گر ہوتا ہے اس لیے ایک صورت کے لحاظ سے اس کا نام رکھا جاتا ہے دوسری صورت کے لحاظ سے اس کا نام نہیں رکھا جاتا۔ اس کا اصلی نام محمدؐ، کنیت ابوالقاسم وصف عبداللہ اور لقب شمس الدین ہے۔ پھر دوسری صورتوں کے اعتبار سے اس کے مختلف نام ہیں اور ہر زمانہ اور اس زمانہ کی صورت کے اعتبار سے اس کا نام ہوتا ہے۔

شیخ جیلی نے مندرجہ بالا عبارت کو سمجھانے کے لیے ذاتی نوعیت کا ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ

---

[1] شیخ اکبر محی الدین ابن عربی نے قطب کی پوری تفصیل دی ہے الفتوحات المکیہ باب ۷۳، نیز دیکھیے شعرانی، الیواقیت والجواہر ۱۲۷۷ھ مصر ۲: ۹۷-۱۰۳

[2] الانسان الکامل ۲: ۴۶

میں نے زبید میں ۷۹۶ھ/۱۳۹۴ء میں اپنے مرشد شیخ شرف الدین اسماعیل جبرتی کی صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا چونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مشاہدہ اپنے شیخ کی صورت میں کیا اس لیے مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں[1]۔ اس واقعہ کی تائید میں انھوں نے شیخ ابو بکر شبلی کا ایک ایسا ہی واقعہ بیان کیا ہے وہ یہ کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شیخ شبلی کی صورت میں اس دنیا میں تشریف لائے۔ شبلی چونکہ صاحبِ کشف تھے اس لیے انھوں نے "اشھد انی رسول اللہ (میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ کا رسول ہوں) کہا۔ ان کے صاحبِ کشف مرید نے یہ کہہ کر اپنے مرشد کے قول کی تصدیق کی "اشھد انك رسول اللہ" (میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں[2])۔ اس قسم کے واقعات کی صدائے بازگشت بعد میں بھی تصوف کے در و بام سے بار بار سنائی دی کہا جاتا ہے کہ خواجہ معین الدین چشتی (۵۳۶ - ۶۳۳ھ / ۱۱۴۱ - ۱۲۳۶ء) کے پاس ایک شخص مرید ہونے کے لیے آیا تو خواجہ معین الدین چشتی نے ازراہِ امتحان اسے "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کے بجائے "لا الٰہ الا اللہ چشتی رسول اللہ" کا کلمہ پڑھنے کو کہا۔ اس شخص نے خواجہ کا بتایا ہوا کلمہ پڑھا تو اسے ایک مطیع و فرماں بردار مرید کی حیثیت سے بیعت میں لیا[3]۔ مولانا اشرف علی تھانوی کا بیان ہے کہ

[1] الانسان الکامل ۲: ۴۶

[2] الانسان الکامل ۲: ۴۶، اس سلسلہ میں ایک اور واقعہ یا اسی واقعہ کی دوسری شکل اس طرح بیان کی جاتی ہے کہ شیخ شبلی نے ایک آدمی سے بیعت کے لیے یہ شرط رکھی کہ وہ "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کے بجائے لا الٰہ الا اللہ شبلی رسول اللہ کا کلمہ پڑھے۔ اس نے ایسا ہی کیا تو شبلی نے کہا کہ اس سے مقصد صرف تمھارا امتحان تھا ورنہ اللہ کے رسول تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں، دیکھیے فوائد الفواد ص ۲۳۱، خواجہ گیسو دراز کے بقول شبلی نے استرشاد کے لیے آئے مرید کو حکم دیا کہ "حجرہ میں بیٹھ کر چالیس روز تک "لا الٰہ الا اللہ شبلی رسول اللہ" پڑھا کرو"۔ اس "مرد دانشمند" نے ایسا ہی کیا۔ چالیس روز کے بعد شبلی نے کہا کہ اس سے تمھارے اعتقاد کی آزمائش مقصود تھی۔ جوامع الکلم ص ۱۳

[3] شیخ فرید الدین گنج شکر، فواید السالکین ملفوظات خواجہ قطب الدین بختیار کاکی دہلی ۱۳۱۱ھ ص ۲۳، نسخہ دیگر بدون تاریخ و جائے طباعت ص ۲۲

گنگوہ کے صوفی صادق گنگوہی نے بھی ایک طالب کے سامنے لاالٰہ الا اللہ صادق رسول اللہ کہا۔ مولانا تھانوی نے اس کی یوں تاویل کی ہے کہ مقصود یہ تھا کہ رسول اللہ صادق فی النبوۃ ہیں یکون الخبر مقدما والمبتدا ہی موخراً[1] ظاہر میں تو شبہ ہوتا تھا کہ یہ خود مدعی رسالت ہیں اگر طالب کم سمجھ ہوا تو بھاگ جاتا ہے اگر سمجھ دار ہوا تو اس کو احتمال امتحان کا ہوتا ہے اور وہ دوسرے اقوال وافعال کو دیکھتا ہے اگر علامات سے کمال ثابت ہوا تو ایسے امور کی اجمالاً یا تفصیلاً تاویل کر کے طلب میں ثابت رہتا ہے[2] یہ عجیب بات ہے کہ زمان و مکان کے پیش نظر ان واقعات کی مختلف انداز سے تعبیر و تشریح اور تاویل و تفسیر کی گئی ہے۔

---

[1] التکشف عن مہمات التصوف ص ۳۷۲

[2] التکشف عن مہمات التصوف ص ۳۷۲، ڈاکٹر عبید اللہ فراہی لکھتے ہیں کہ شیخ کی ذات میں پیغمبر کو دیکھنا اور عقیدت و تعلق میں اسے پیغمبر کے ہم پایہ بنا دینا تصوف میں ایک عام بات ہے امام قشیری فرماتے ہیں کہ میں اپنے دل میں اکثر سوچا کرتا تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ اس زمانہ میں کوئی پیغمبر مبعوث فرمائے تو کیا میرے لیے یہ کسی طرح ممکن ہوگا کہ شیخ رحمۃ اللہ علیہ (شیخ ابو علی دقاق) کی جو عظمت و حشمت میرے دل میں ہے اس سے زیادہ ان کا احترام اپنے دل میں لاؤں تو یہ بات میرے تصور میں نہیں آتی (الرسالۃ القشیریہ ص ۱۷۵) مولانا اشرف علی تھانوی کے ایک مرید نے انھیں اپنے خواب کے متعلق لکھا:

"میں نے رات خواب میں دیکھا کہ ہر چند کلمہ تشہد صحیح صحیح ادا کرنے کی کوشش کرتا ہوں لیکن ہر بار ہوتا یہ ہے کہ لا الہ الا اللہ کے بعد اشرف علی رسول اللہ منہ سے نکل جاتا ہے۔" (دیکھیے مولانا سعید احمد اکبر آبادی، برہان، فروری ۱۹۵۲ء، ص ۷)

مولانا نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا کہ تم کو مجھ سے غایت محبت ہے اور یہ سب کچھ اسی کا نتیجہ اور ثمرہ ہے۔ (برہان فروری ۱۹۵۲ء ص ۷) یہ تو خیر خواب کی بات تھی، بیدار ہونے کے بعد کلمہ شریف کی غلطی کے تدارک میں درود شریف پڑھنے کی جو کوشش کی تو زبان سے " اللھم صل علیٰ سیدنا و نبینا و مولانا اشرف علی " کے الفاظ نکلے (رسالہ امدادیہ، تھانہ بھون شوال ۱۳۳۵ھ ص ۳۴) مولانا نے اسے مرید کے تسلی کی بات بتائی کہ وہ ان جیسے متبع سنت کی طرف راجع ہے (رسالہ امداد ص ۳۴) دیکھیے تصوف ایک تجزیاتی مطالعہ ص ۱۶۶

تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض بزرگوں کے بارے میں متعین طور پر کہا گیا کہ وہ قطبیت کے مقام پر فائز ہیں شیخ ابوالعباس احمد بن مسروق طوسی[۱] (م $\frac{۲۹۹ھ}{۹۱۱ء}$) قطب مدار علیہ سے صحبت رکھتے تھے ان سے پوچھا گیا کہ قطب کون ہے؟ انھوں نے ظاہر نہیں کیا، البتہ اشارہ اس طرح کیا کہ معلوم ہوا، جنید قطب ہیں[۲]۔ شیخ ابواسحاق شامی[۳] (م $\frac{۳۲۹}{۹۴۰}$) کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ قطب زماں[۴] تھے۔ شیخ ابوالحسن خرقانی کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ اپنے زمانہ کے غوث[۵] تھے۔ شیخ ابوالقاسم گرگانی[۶] (م $\frac{۴۵۰ھ}{۱۰۵۸ء}$) بھی صوفیہ کے بیان کے مطابق اپنے وقت کے قطب اور مدار علیہ گزرے ہیں[۷]۔ شیخ سید عبدالقادر جیلانی قطب اور غوث کی حیثیت سے مشہور ہیں۔ انھیں آج بھی قطب الاقطاب، غوث الاعظم اور غوث الثقلین کے نام سے پکارا جاتا ہے۔[۸] خواجہ بختیار کاکی کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے دور کے قطب تھے[۹]۔ شیخ فریدالدین گنج شکر

۱۔ ابوالعباس احمد بن محمد بن مسروق طوس کے رہنے والے تھے بغداد میں سکونت اختیار کی شیخ حارث محاسی اور شیخ سری سقطی سے کسب فیض کیا۔ آپ کا شمار صوفیہ کے طبقہ ثانیہ میں ہوتا ہے مدفن بغداد ہے۔ نفحات الانس ص ۵۹

۲۔ کشف المحجوب ص ۱۳۳

۳۔ شیخ ابواسحاق شامی شیخ علو دینوری کے مرید تھے آپ کا مزار عکہ (شام) میں ہے۔ آپ پہلے بزرگ ہیں جن کے نام کے ساتھ چشتی استعمال ہوا ہے۔ سفینۃ الاولیاء بذیل تذکرہ ص ۸۹، نفحات الانس ص ۲۰۶

۴۔ سفینۃ الاولیاء، تذکرہ شیخ ابواسحاق شامی ص ۸۹

۵۔ سفینۃ الاولیاء، تذکرہ شیخ ابوالحسن خرقانی ص ۷۴

۶۔ شیخ ابوالقاسم علی گرگانی دو طریقوں سے شیخ ابوعثمان مغربی اور شیخ ابوالحسن خرقانی سے بیعت تھے۔ اول الذکر کے ذریعہ سے آپ کی ارادت حضرت جنید بغدادی اور ثانی الذکر کے توسط سے آپ حضرت بایزید بسطامی کے طریقہ سے وابستہ تھے۔ سفینۃ الاولیاء، بذیل تذکرہ ص ۷۵

۷۔ سفینۃ الاولیاء، تذکرہ شیخ ابوالقاسم گرگانی ص ۷۵

۸۔ اس کے علاوہ شیخ عبدالقادر جیلانی کو محبوب سبحانی قطب ربانی اور غوث صمدانی کے الفاظ سے آج بھی یاد کیا جاتا ہے۔

۹۔ سفینۃ الاولیاء، بذیل تذکرہ خواجہ قطب الدین اوشی کاکی ص ۹۵

کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اپنے وقت کے غوث اور قطب مدار تھے۔[1] شیخ احمد جام[2] (۴۴۱ — ۵۳۶ھ / ۱۰۴۹ — ۱۱۴۱ء) کے متعلق منقول ہے کہ اپنے وقت کے قطب اور غوث تھے۔[3]

بعض اکابر صوفیہ نے اپنے بارے میں خود آگاہ کیا کہ وہ قطبیت کے مقام پر فائز ہیں شیخ محی الدین ابن عربی کا بیان ہے کہ سنہ ۵۸۵ھ / ۱۱۸۹ء میں تمام انبیاء شہر قرطبہ میں جمع ہو گئے اور انھوں نے مجھے حضرت ہودؑ کی وساطت سے خوش خبری دی کہ میں قطبیت کے مقام پر فائز کیا جا رہا ہوں۔[4]

شیخ عمر ابن الفارض بھی اپنے بارے میں دعویٰ کرتے ہیں کہ میں قطب ہوں :

فبی دارت الافلاک فاعجبت بقطبہا الک ۔۔۔ محیط والقطب مرکز نقطۃ
ولا قطب قبلی عن ثلاث خلفتہ ۔۔۔ وقطبۃ الاوتاد عن بدلیۃ[5]

حضرت مجددؒ الف ثانی[6] (۹۷۱ — ۱۰۳۴ھ / ۱۵۶۳ — ۱۶۲۴ء) بھی اپنے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ اقطاب کے مقام تک

---

[1] سفینۃ الاولیاء، تذکرہ فرالدین گنج شکر ص ۹۶

[2] ابو نصر شیخ احمد جام مضافات جام کی ایک بستی نامق میں پیدا ہوئے۔ شیخ ابو سعید ابوالخیر کے فرزند شیخ ابوطاہر (۵۰۲ھ / ۱۱۰۸ء) کے ہاتھوں خرقۂ تصوف پہنا۔ کثیر التصانیف بزرگ ہیں۔ ایک قول کے مطابق آپ کے ہاتھ پر چھ لاکھ اشخاص نے توبہ کی۔ آپ کا یہ شعر بہت ہی مشہور ہے ؎ کشتگان خنجر تسلیم را ٭٭ ہر زماں از غیب جانے دیگر است۔ سفینۃ الاولیاء، بذیل تذکرہ ص ۱۶۸ - ۱۶۹

[3] سفینۃ الاولیاء، بذیل تذکرہ شیخ احمد جام ص ۱۶۸

[4] فصوص الحکم ۱ : ۱۱۰

[5] دیوان ابن الفارض (التایتہ الکبریٰ المسماۃ بنظم السلوک) قاہرہ مصر الطبعۃ الاولیٰ سنہ ۱۳۷۲ھ / ۱۹۵۳ء، ص ۱۲۳

[6] شیخ احمد بن عبدالاحد کاملی سرہندی المعروف بہ مجدد الف ثانی سرہند (پنجاب) میں پیدا ہوئے۔ مولانا کمال کشمیری (م ۱۰۱۷ھ / ۱۶۰۸ء) سے سیال کوٹ میں اور مولانا یعقوب صرفی کشمیری (۹۰۸ھ — ۱۰۰۳ھ / ۱۵۰۲ — ۱۵۹۴ء) سے علم حاصل کیا۔ سلسلہ نقشبندیہ کے شیخ باقی باللہ (م ۱۰۱۴ھ / ۱۶۰۵ء) سے بیعت ہوئے۔ رد بدعات، بادشاہوں کے لیے سجدۂ تعظیمی سے انکار اور وحدۃ الوجود کے بدلے وحدۃ الشہود کا نظریہ پیش کر کے مسلمانانِ ہند کی امیدوں کا مرکز بن گئے۔ دین اسلام کی تجدید و احیاء کا گراں قدر کارنامہ انجام دیا اور 'مجدد الف ثانی' کہلائے۔ سرہند میں دفن ہیں۔ تاریخ دعوت و عزیمت جلد چہارم

رسائی کے بعد مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قطب ارشاد کی خلعت عطا کی گئی اور اس منصب سے سرفراز کیا گیا[1]۔ شاہ ولی اللہ دہلوی صاحب نے بھی اپنے متعلق کہا ہے کہ وہ قطب ارشاد کے مقام پر فائز ہیں[2]۔ یہی نہیں، شاہ صاحب کے بہ قول انھیں خواب میں بتایا گیا کہ وہ قائم الزمان ہیں جس سے ان کی مراد یہ ہے کہ وہ خدا کے دست و بازو ہو گئے ہیں[3]۔ اسی طرح بعض بزرگوں کے بارے میں کہا گیا کہ وہ اوتاد ہیں۔ مثلاً بیان کیا جاتا ہے کہ عراق کے سات اوتاد ہیں حضرت معروف کرخی، حضرت امام احمد بن حنبل، شیخ بشر حافی، شیخ منصور بن عمار[4] (م ۲۲۵ھ / ۸۰۶ء)، شیخ جنید بغدادی، شیخ سہل بن عبداللہ تستری، اور شیخ سید عبدالقادر جیلانی[5]۔ اس روایت میں شیخ جنید بغدادی اور حضرت عبدالقادر جیلانی کو بھی اوتاد کہا گیا ہے، حالاں کہ تصوف کی کتابوں میں منقول دوسری روایات کے مطابق یہ دونوں قطب تھے۔ نیز حضرت امام احمد بن حنبل کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ صدیق ہیں۔ حضرت امام شافعی کو بھی اوتاد میں شمار کیا گیا ہے[6]۔ شیخ ابوالعباس احمد بن احمد المسروق کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اوتاد الارض میں سے تھے[7]۔

خواجہ خان لکھتے ہیں معتزلہ مردانِ غیب میں یقین نہیں رکھتے ہیں لیکن معتزلہ ہی نہیں بہت سے ایسے علماء نظریہ رجال الغیب میں یقین نہیں رکھتے ہیں جن کے علم و فضل اور ورع و تقویٰ

---

[1] مجدد الف ثانی، مبداء و معاد، مطبع مجددی، امرت سر ۱۳۳۰ھ ص ۴

[2] فیوض الحرمین (المشاهدة الرابعة والثلثون) ص ۶۵

[3] فیوض الحرمین (المشاهدة الرابعة والثلثون) ص ۸۴

[4] ابو سری منصور بن عمار کا مولد مرو اور مسکن بصرہ تھا۔ آپ کا شمار صوفیہ کے طبقہ اولیٰ میں ہوتا ہے۔ نفحات الانس ص ۴۲،
تاریخ بغداد ۱۳ : ۷۱ ــ ۷۹، الطبقات الکبریٰ ۱ : ۸۳ ــ ۸۴، حلیۃ الاولیاء ۹ : ۳۲۵ ــ ۳۳۱

[5] سفینۃ الاولیاء، تذکرہ شیخ سید عبدالقادر جیلانی ص ۵۰

[6] الرسالۃ القشیریہ ص ۱۳۳، الکواکب الدریہ ۱ : ۲۱۱

[7] کشف المحجوب ص ۱۳۳، حسان بن ابی سنان کا بیان ہے کہ میں نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ آپ کی امت کے ابدال کہاں ہیں؟ آپ نے شام کی طرف اشارہ فرمایا۔ میں نے عرض کیا کیا عراق میں ان میں سے کوئی ہے؟ فرمایا کیوں نہیں، محمد بن واسع، حسان بن ابی سنان اور مالک بن دینار تو ہیں۔ دیکھیے: حلیۃ الاولیاء ۳ : ۱۱۴

پر زمانہ کو اتفاق ہے اور جن کی امامت و سیادت دینی مسلمانوں میں مسلّم ہے۔ اس نظریہ کے مخالفین کو بار بار وعید سنائی گئی۔ شیخ عبد القادر جیلانی اس ضعیف الیقین شخص کو دنیا و آخرت کے خسارے کی وعید سناتے ہیں جو ابدال کے تئیں بے ادبی کا ارتکاب کرتا ہے[1]۔ شیخ مجدد الف ثانی بھی قطبِ ارشاد کے منکر کو رشد و ہدایت سے محروم بتاتے ہیں چاہے وہ ذکرِ الٰہی میں کتنا ہی مشغول کیوں نہ ہو، کیوں کہ قطبِ ارشاد کا انکار ہی اس کی فیض یابی میں سدِّ راہ بنتا ہے[2]۔ شیخ مجدد الف ثانی یہ بھی کہتے ہیں کہ جو گروہ قطبِ ارشاد کے ساتھ محبت و اخلاص رکھتا ہے، خواہ وہ توجہ اور ذکرِ الٰہی سے خالی ہی کیوں نہ ہو، محض ان کی محبت کی بنا پر ہدایت یاب ہوگا[3]۔ تاہم اس نظریہ کو معیارِ حق پر جانچنے والوں کی ضعیف الاعتقادی میں کوئی فرق نہیں آیا[4]۔

رجال الغیب کی اصطلاحات کا استعمال بہ کثرت ان لوگوں کی زبان سے ہوا ہے جو علماءِ حدیث و شریعت رہے ہیں مثلاً امام احمد بن حنبل کا کہنا ہے کہ اگر اصحابِ حدیث ابدال نہ ہوں گے تو کون ہوں گے[5]۔ یزید بن ہارون[6] (۱۱۸ھ—۲۰۶ھ / ۷۳۶ء—۸۲۱ء) کا قول ہے کہ علم والے ہی ابدال ہیں[7]۔

جہاں تک قرآن کا تعلق ہے اس میں رجال الغیب کا ذکر نہیں ملتا، نیز قرآن میں کوئی ایسی آیت نہیں جسے تفسیر و تاویل کے ذریعہ ہی سہی رجال الغیب کے نظریہ کے لیے بنیاد بنایا جاسکے۔ اسی طرح حدیث کی چھ مستند کتابوں جنھیں صحاح ستہ کہا جاتا ہے، میں بھی کوئی ایسی حدیث موجود نہیں ہے جس سے اس تصور کی اساس

---

[1] شیخ عبد القادر جیلانی، الفتح الربانی، مطبوعہ مصر ۱۳۰۲ھ (مجلس ۵) ص ۱۲۵ [یا ضعیف الیقین لا دنیا عندک والآخرۃ وذلک بسوء ادبک الحق عز وجل و تہمتک لاولیائہ وابدال انبیائہ .... الخ]

[2] مبداء و معاد ص ۸ [3] مبداء و معاد ص ۸

[4] اس سلسلہ میں ان محدثین کا نام لیا جاسکتا ہے جنھوں نے رجال الغیب سے متعلق احادیث کو جرح و تعدیل کے اصولوں پر پرکھ کر انھیں رد کیا ہے۔ ان میں سخاوی، ملّا علی قاری، ابن حزم، ابن تیمیہ اور ابن قیم شامل ہیں۔

[5] تلبیس ابلیس ص ۳۲۹، الخطیب البغدادی، شرف اصحاب الحدیث بتحقیق محمد سعید خطیب اغلی، انقرہ ۱۹۷۲ء، ص ۵۰

[6] واسط کے مشہور اور ثقہ حافظ حدیث اور عالم دین، واسط ہی میں انتقال ہوا۔ تاریخ بغداد ۱۴: ۳۳۷، اعلام ۹: ۲۴۷

[7] اس قسم کے اقوال کے لیے دیکھیے: شرف اصحاب الحدیث ص ۵۰

فراہم ہو سکے۔ البتہ حدیث و سیر کی دوسری کتابوں میں ابدال سے متعلق بعض روایات ملتی ہیں۔ مثلاً ایک روایت میں کہا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لن تخلو الارض من اربعین رجلا مثل خلیل الرحمٰن علیہ السلام فبھم یسقون و بھم ینصرون ما مات منھم احدا حتیٰ ابدل اللہ مکانہ آخر۔[1]

زمین چالیس اشخاص سے کبھی خالی نہیں ہوتی، یہ چالیس حضرت خلیل الرحمٰن کی مانند ہیں انھیں سے مخلوقِ خدا سیراب ہوتی ہے اور دشمنوں پر غلبہ حاصل ہوتا ہے۔ ان میں جب کوئی مرجاتا ہے تو اللہ تعالےٰ کسی دوسرے کو اس کا قائم مقام بناتا ہے۔

ایک اور روایت اس طرح منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لایزال اربعون رجلا من امتی قلوبھم علی قلب ابراھیم یدفع اللہ بھم عن الارض یقال لھم الابدال انھم لم یدرکوھا بصلوٰۃ ولا بصوم ولا بصدقۃ قالوا فبم ادرکوھا یارسول اللہ؟ قال بالسخاء والنصیحۃ للمسلمین[2]

میری امت میں حضرت خلیل کی مانند ہمیشہ چالیس آدمی موجود رہیں گے ان کے توسط سے اہلِ زمین سے بلائیں ٹل جاتی ہیں انھیں ابدال کہتے ہیں انھوں نے یہ مقام نماز روزہ اور صدقہ سے حاصل نہیں کیا ہے لوگوں نے عرض کیا یا رسول تو پھر کیسے انھیں یہ مقام حاصل ہوا؟ فرمایا سخاوت اور مسلمانوں کی خیر خواہی سے۔

ان کے علاوہ بھی دوسری احادیث مروی ہیں جنھیں بخوف طوالت یہاں قلم انداز کیا جاتا ہے۔ لیکن علماءِ حدیث اور ماہرینِ فنِ رجال نے مسند امام احمد بن حنبل میں منقول دو احادیث کو چھوڑ کر باقی تمام روایات کو ضعیف، باطل یا موضوع کہا ہے۔ حافظ سخاوی نے ابدال سے متعلق منقول تمام احادیث کو جمع کیا ہے، لیکن ابتداء ہی میں کہا ہے:

---

[1] حلیۃ الاولیاء ۱ : ۸

[2] ابدال پر احادیث کے لیے دیکھیے:
المقاصد الحسنہ ص ۸ وما بعد، اللآلی المصنوعہ ص ۵۱۲ تا ۵۱۳، حلیۃ الاولیاء ۱ : ۸، ۹

الابدال له طرق عن انس رضی اللہ عنہ مرفوعاً بالفاظ مختلفة کلها ضعيفة[1]	مختلف طرق سے جو مرفوع روایات حضرت انسؓ سے مختلف الفاظ میں مروی ہیں سب کی سب ضعیف ہیں۔

ملّا علی قاری موضوع احادیث کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ومن ذلك احاديث الابدال والاقطاب والاغواث والنجباء والنقباء كلها باطلة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم[2]	اور انھیں (موضوع روایات) میں سے ابدال، اقطاب، اغوات، نجباء اور نقباء کے بارے میں احادیث ہیں جو سب کی سب باطل ہیں۔

امام ابن تیمیہ کہتے ہیں:

كل حديث يروى عن النبي صلى الله عليه وسلم في عدة الاولياء والابدال والنقباء والنجباء والاوتاد والاقطاب مثل اربعة او سبعة او اثنى عشر او اربعين او ثلاثمائة وثلاثة عشر او القطب الواحد فليس في ذلك شيئ صحيح عن النبي صلى الله عليه وسلم ولم ينطق السلف بشيئ من هذه الالفاظ الا بلفظ الابدال۔[3]	ہر وہ حدیث جو اولیاء، ابدال، نقباء، نجباء، اوتاد، اقطاب کی تعداد مثلاً چار، سات، بارہ، چالیس، ستر، تین سو تیرہ یا قطب واحد کے بارے میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے، باطل ہے۔ سلف نے ان الفاظ میں سے سوائے لفظ ابدال کے کوئی لفظ استعمال نہیں کیا۔

علامہ ابن قیم موضوعات کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

ومن ذلك احاديث الابدال والاقطاب	اور انھیں (موضوع روایات) میں سے ابدال و

---

[1] المقاصد الحسنة ص ۸ [2] الموضوعات الكبير ص ۱۱۰

[3] الفرقان بین اولیاء الرحمٰن واولیاء الشیطان ص ۳۱، ۳۲،

الفرقان مشمولہ مجموع فتاویٰ ۱۱ : ۱۶۷

والاغواث والنقباء والنجباء والاوتاد
كلها باطلة عن رسول الله صلى الله
عليه وسلم واقرب ما فيها : لاتسبوا
اهل الشام فان فيهم البدلاء كلما
مامات رجل منهم ابدل الله مكانه
آخر ذكره احمد ولا يصح ايضاً فانه
منقطع [1]

اقطاب، اغواث، نقباء، نجباء، اوتاد کے متعلق احادیث ہیں جو سب کی سب باطل ہیں ان میں اقرب وہ حدیث ہے جس میں رسول اللہ نے فرمایا ہے کہ اہلِ شام کو گالیاں مت دو ان میں ابدال ہوتے ہیں ان میں جب کوئی مرجاتا ہے تو دوسرا اس کی جگہ لیتا ہے۔ یہ حدیث مسند امام احمد بن حنبل میں ہے لیکن یہ بھی صحیح نہیں ہے کیوں کہ منقطع الاسناد ہے۔

علامہ ابن قیم کی حدیث کے علاوہ ایک اور حدیث مسند امام احمد بن حنبل میں اس طرح منقول ہے :

عن شريح بن عبيد قال ذكر اهل الشام
عند علي بن ابي طالب وهو بالعراق
فقالوا العنهم يا امير المومنين ؟
قال لا اني سمعت رسول الله صلى الله عليه
وسلم يقول الابدال يكونون بالشام وهم
اربعون رجلا كلما مات رجل ابدل
الله مكانه رجلا يسقى بهم الغيث و
ينتصر بهم على الاعداء ويصرف عن
اهل الشام بهم العذاب [2]

شریح بن عبید سے مروی ہے کہ حضرت علیؓ عراق میں تھے کہ ان کے سامنے عراق کا ذکر چھڑا۔ لوگوں نے پوچھا، "امیر المومنین کیا ہم اہلِ شام پر لعنت کریں؟ انھوں نے جواب دیا، نہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ شام میں ابدال ہوتے ہیں جن کی تعداد چالیس ہوتی ہے جب ان میں سے کوئی مرجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ کسی دوسرے کو مقرر کرتا ہے۔ انھیں کے وسیلہ سے بارش ہوتی ہے دشمنوں پر فتح حاصل ہوتی ہے اور اہلِ شام پر سے عذاب ٹل جاتا ہے۔

یہ حدیث بھی شریح بن عبید سے مروی ہے جسے اوپر علامہ ابن قیم نے اس طرح بیان کیا ہے :

---

[1] المنار المنيف ص ۱۳۶
[2] امام احمد بن حنبل ، المسند ، دار المعارف مصر، الطبعة الثالثة ۱۴۰۴ھ حدیث نمبر ۸۹۶، ۲ : ۱۷۱

لاتسبوا اھل الشام فان فیھم البدلاء کلما مات رجل منھم ابدل اللہ مکانہ رجلاً آخر۔

ان دونوں احادیث کو ان تمام علماءِ حدیث نے اپنے فیصلوں سے مستثنٰی قرار دیا ہے جنھوں نے ابدال واقطاب سے متعلق باقی تمام احادیث کو ضعیف، موضوع یا باطل کہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہلِ تصوف اسے ڈھال کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ مولانا تھانوی "لاتسبوا اھل الشام" والی حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"ملفوظات ومکتوباتِ صوفیہ میں ابدال واقطاب واوتاد وغوث وغیرہم الفاظ اور ان کے مدلولات کے صفات وبرکات وتصرفات پائے جاتے ہیں۔ حدیث میں جب ایک قسم کا اثبات ہے تو دوسرے اقسام بھی مستبعد نہ رہے۔ ایک نظیر سے دوسری نظیر کی تائید ہونا امرِ مسلّم ومعلوم ہے۔ برکات تو اس حدیث میں منصوص ہیں اور تصرفاتِ تکوینیہ قرآن مجید میں حضرت خضر علیہ السلام کے قصہ سے ماخوذ ہیں۔"[1]

حافظ سخاوی نے ابدال سے متعلق تمام احادیث کو ضعیف قرار دیا ہے لیکن اس حدیث کے لیے "اجود" (بہترین) کا لفظ استعمال کیا ہے۔[2] دوسرے ماہرینِ فن میں سے کسی نے اس حدیث کو براہ راست موضوع نہیں کہا ہے۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ اسے حضرت امام احمد بن حنبل جیسے یگانۂ روزگار اور محتاط محدث نے نقل کیا ہے۔ مسند کے بارے میں امام صاحب کا دعویٰ ہے کہ انھوں نے سات لاکھ سے زائد احادیث میں سے اس مجموعۂ حدیث کو منتخب کیا ہے۔ یہ احادیث کا سب سے بڑا مجموعہ ہے۔ اگرچہ دیگر مسانید سے صحیح تر ہے تاہم علماء نے اس کی کچھ روایتوں پر نقد بھی کیا ہے جن میں زیرِ بحث روایت بھی شامل ہے۔ علامہ ابن جوزی اور حافظ عراقی نے مسند کی ۳۸ روایتوں کو موضوع کہا ہے۔[3] علامہ ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ مسند میں کوئی حدیث موضوع نہیں ہے مگر زیرِ بحث روایت کو انھوں نے "منقطع الاسناد" قرار دے کر رد کیا ہے۔[4] حافظ ابن قیم بھی

---

[1] التکشف عن مہمات التصوف ص ۴۲۳، ۴۲۴   [2] المقاصد الحسنہ ص ۸، ۹

[3] مولانا تقی الدین ندوی مظاہری، محدثینِ عظام، دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، ۱۹۷۵ء ص ۱۱۷

[4] مجموع فتاویٰ ۱۱ : ۴۳۴، الفرقان بین اولیاء الرحمٰن واولیاء الشیطان مشمولہ مجموع فتاویٰ ۱۱ : ۱۶۷ [وھو منقطع لیس بثابت]

اسے منقطع کہتے ہیں[1]۔ ملا علی قاری نے بھی اسے منقطع کہا ہے[2]۔ مسند کے مشہور شارح مصری عالم شیخ احمد شاکر نے بھی اسے منقطع قرار دیا ہے کیوں کہ اس کے راوی شریح بن عبید حضرمی نے حضرت علی رض کا زمانہ نہیں پایا ہے، بلکہ اس نے صرف سب سے آخر میں وفات پائے جانے والے بعض صحابہ کا زمانہ پایا ہے[3]۔

امام ابن تیمیہ نے درایتاً بھی اس حدیث کو رد کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ شام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں فتح بھی نہیں ہوا تھا۔ پھر یہ کہ حضرت علی اور حضرت معاویہ کے درمیان جنگ ہوئی تو اس میں حضرت علی اور ان کے ساتھی حضرت معاویہ اور ان کے ساتھیوں (جو شامی تھے) سے افضل تھے پس افضل الناس (یعنی ابدال) حضرت علی کو چھوڑ حضرت معاویہ کے لشکر میں نہیں موجود ہو سکتے تھے۔ انھوں نے صحیحین کی اس حدیث :

تمرق مارقة من الدین علی حین فرقة من المسلمین یقتلهم اولی الطائفتین بالحق۔

مسلمانوں کا ایک فرقہ دین سے نکل جائے گا اور دوسری جماعت کے خلاف خروج کرے گا ان سے جو گروہ قتال کرے گا وہ حق پر ہوگا۔

کو نقل کرتے ہوئے لکھا ہے :

وهؤلاء المارقون هم الخوارج الحروریة الذین مرقوا لما حصلت الفرقة بین المسلمین فی خلافة علی فقتلهم علی بن ابی طالب واصحابه فدل هذا الحدیث الصحیح ان علی بن ابی طالب اولی بالحق من معاویة واصحابه وکیف یکون الابدال فی ادنی العسکرین دون اعلاهما۔[4]

اور یہ دین سے نکلنے والے خوارج حروری تھے جنھوں نے حضرت علی کے عہدِ خلافت میں مسلمانوں میں تفرقہ ڈالا حضرت علی اور ان کے ساتھیوں نے انھیں قتل کیا اس سے معلوم ہوا کہ حضرت علی حضرت معاویہ اور ان کے ساتھیوں کے مقابلہ میں اولیٰ بالحق تھے لہٰذا ابدال کیسے برتر لشکر کو چھوڑ کر کم تر درجہ کی فوج میں موجود ہوتے۔

---

[1] المنار المنیف ص ۱۳۶ [2] الموضوعات الکبیر ص ۱۱۰

[3] المسند ۲ : ۱۷۱، الفرقان حاشیہ ۳۲ ، المنار المنیف حاشیہ از عبد الفتاح ابو غدہ ص ۱۳۶

[4] الفرقان مشمولہ مجموع فتاویٰ ۱۱ : ۱۶۷

علاوہ ازیں درایتاً اس روایت کے صحیح نہ ہونے کے مندرجہ ذیل دلائل ہیں :

(۱) اگر حضرت علیؓ اس بات سے واقف تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ شام پر لعنت کرنے سے منع کیا ہے تو ان کے خلاف جنگ کیوں لڑی۔ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان جنگ محتاجِ بیان نہیں۔

(۲) حضرت عبداللہ بن زبیرؓ[1] (۱ھ – ۷۳ھ / ۶۲۲ – ۶۹۲ء) نے بھی اہلِ شام کے ساتھ جنگ کی۔

(۳) اکابرین صحابہ کی اکثریت اہلِ شام سے ناراض تھی۔ اگر یہ حدیث صحیح ہے تو ان کی ناراضگی کے کیا معنیٰ؟ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی شہادت پر جب اہلِ شام نے نعرۂ تکبیر بلند کیا تو اس پر حضرت عبداللہ بن عمرؓ[2] (۱۰ ق ھ – ۷۳ھ / ۶۱۳ – ۶۹۲ء) نے فرمایا :

انظروا الی هؤلاء ولقد کبر المسلمون فرحاً بولادته وهؤلاء یکبرون فرحاً بقتله[3]

ان لوگوں کو دیکھو، مسلمانوں نے ان کی ولادت پر خوش ہو کر نعرۂ تکبیر بلند کیا تھا اور یہ لوگ ان کو قتل کرنے پر خوشی سے نعرۂ تکبیر بلند کر رہے ہیں۔

دوسری روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں :

اما واللہ للذین کبروا عند مولدہ لاخیر من هؤلاء الذین کبروا عند قتله[4]

ہاں قسم خدا کی وہ لوگ جنھوں نے ان (عبداللہ بن زبیرؓ) کی ولادت پر نعرۂ تکبیر بلند کیا تھا ان لوگوں سے بہتر تھے جو ان کے قتل پر نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہیں۔

(۴) حضرت حسن بصری جو اہلِ تصوف کے نزدیک علمِ لدُنّی کے حامل رہے ہیں، اور بہ قول ان کے حضرت علی کے شاگرد تھے، نے اہلِ شام کی سخت الفاظ میں مذمت کی ہے۔ بنو امیہ کے خلاف جب

---

[1] ابوبکر عبداللہ بن زبیرؓ، ہجرت کے پہلے سال پیدا ہوئے، مکہ معظمہ کو دار الخلافہ بنا کر ۹ سال خلافت کی، عبدالملک بن مروان سے جنگ میں شہید ہوئے۔ اعلام ۴ : ۲۱۸

[2] خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ کے صاحبزادہ، علم و تقویٰ میں بے نظیر تھے۔ ۲۶۳۰ احادیث کے راوی ہیں۔ تذکرۃ الحفاظ ۱ : ۳۷

[3] ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ / ۱۹۷۸ء ۴ : ۲۵

[4] البدایہ والنہایہ ۸ : ۳۵۸

یزید بن مہلب[1] (۵۳ - ۱۰۲ھ / ۶۷۲ - ۷۲۰ء) نے بغاوت کی تو پورا بصرہ بنو امیہ کے خلاف یزید کے استقبال کی تیاریاں کرنے لگا مگر حضرت حسن بصری نے یزید بن مہلب کے معائب بیان کیے اور عوام کو اس کا ساتھ دینے سے منع کیا۔ اس پر لوگوں نے ان سے کہا: "لکانک راضٍ عن اھل الشام" (گویا آپ اہلِ شام سے خوش ہیں) یہ سن کر حضرت حسن بصری برافروختہ ہوئے اور کہا:

انا راض عن اهل الشام قبحهم الله وبرحهم	میں اہلِ شام سے خوش ہوں خدا ان کا برا کرے
الله أليس الذين احلوا حرم رسول الله	کیا یہ وہی لوگ نہیں جنھوں نے حرم رسول کو حلال کیا
صلى الله عليه وسلم يقتلون اهله ثلاثا	وہاں کے باشندوں کو تین روز تک قتل کرتے
قد اباحوا لانباطهم واقباطهم	رہے۔ اپنے ان نبطی اور قبطی سپاہیوں کے لیے
يحملون الحرائر ذوات الدين الذين	عفت مآب دیندار پردہ دار شریف زادیوں کو مباح
لا ينتهون عن انتهاك حرمة ثم خرجوا	کیا جو کسی حرمت کا خیال نہیں رکھتے تھے۔ پھر یہ
الى مال بيت الله الحرام فهدموا الكعبة	بیت اللہ پر چڑھ دوڑے خانہ کعبہ کو منہدم کیا
واوقدوا النيران بين احجارها واستارها	اور اس کے پردوں میں آگ لگادی۔ ان پر لعنت
عليهم لعنة الله وسوء الدار[2]	ہو اور ان کا ٹھکانہ برا ہو۔

اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو اہل شام اسے اپنے مخالفوں کے خلاف استعمال کرتے صحابہ اور تابعین میں کم از کم کچھ بزرگ اسے جانتے۔ اس صورت میں اہلِ شام کی مذمت کرنے کی جرأت کسی کو نہیں ہو سکتی تھی چہ جائیکہ حضرت حسن بصری جو ورع و تقویٰ کا مجسمہ تھے۔ یا پھر وہ بنو امیہ کے خلاف لوگوں کو خروج سے باز رکھتے وقت اس حدیث سے خروج پر آمادہ لوگوں کو خاموش کر سکتے تھے۔ رہی یہ بات کہ انھیں یہ حدیث معلوم نہیں رہی ہوگی تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ وہی زمانہ ہے جس میں اہلِ شام اپنے مخالفین کی مخالفت اور بنو امیہ کے مناقب میں سیکڑوں احادیث وضع کر کے اپنے آپ کو برحق ثابت کرتے تھے۔ اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو شامی فوج کو

---

[1] یزید بن مہلب بن ابی صفرہ الازدی نے ۱۰۲ھ / ۷۲۰ء میں بنو امیہ کے خلاف جنگ لڑی اور قتل ہوا۔ الاعلام ۹ : ۲۴۶، وفیات الاعیان ۶ : ۲۷۸

[2] الکامل فی التاریخ ۴ : ۱۷۰، نیز دیکھیے: وفیات الاعیان ۶ : ۳۰۴

اس سے بہتر ہتھیار کیا میسر آسکتا تھا وہ بھی اپنے دشمن حضرت علی کی زبان سے۔ احادیث وضع کرنے کا کام مختلف فرقے کرتے تھے۔ شیعوں نے بھی حضرت معاویہ اور خلفاءِ بنی امیہ کی مذمت میں سیکڑوں احادیث گڑھ لیں۔ ان حالات میں شامی ایک صحیح حدیث سے اپنے آپ کو بہ آسانی برحق ثابت کر سکتے تھے جس طرح صحابہ نے عمار والی حدیث[۱] سے استدلال کر کے کہا کہ حق حضرت علی کے ساتھ ہے، زمانہ کے حالات خود بخود اس حدیث کو عوام کی زبانوں پر چڑھا دیتے ایسے حالات میں حضرت حسن بصری کا اس حدیث سے بے خبر رہنا قرین قیاس نہیں لگتا۔

(۵) حدیث کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ شام والوں کو ابدال کی وجہ سے دشمنوں پر فتح حاصل ہوتی ہے، آسمان سے بارش ہوتی ہے اور ان پر سے عذاب ہٹایا جاتا ہے۔ غور طلب امر یہ ہے کہ یہ الفاظ حضرت علی کے منہ سے نکل رہے ہیں جو اہلِ شام کے مخالف ہیں اور جنھیں ان سے برسرِ پیکار ہونا پڑا۔ جب انھیں معلوم تھا کہ ابدال کی وجہ سے شامیوں کو دشمنوں پر فتح حاصل ہوتی ہے تو انھیں اہلِ شام سے جنگ کرنے کی حاجت ہی نہیں تھی۔ حدیث کی روشنی میں اہلِ شام کو ان پر فتح ہو جاتی تو شکست یقینی تھی۔ اس تناظر میں حضرت علی کو شامیوں کی فتحمندی کا یقین ہوتا اس لیے ان سے جنگ کرنا لاحاصل تھا حالاں کہ حضرت علی شامیوں پر خوارج کو ترجیح دیتے تھے۔ شام کی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ اہلِ شام کو دشمنوں کے مقابلہ میں متعدد بار شکست ملی، پورا ملک آفات سماوی کا کئی بار اسی طرح شکار ہوا جس طرح دنیا کے دوسرے علاقے ہوئے۔ اگر ابدال کی شفاعت کو شام کے حدود سے نکال کر دنیا کے تمام مسلمانوں کے لیے عام کر دی جائے تو بات اور زیادہ مضحکہ خیز بنتی ہے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوتے ہوئے مسلمانوں کو جنگِ احد میں شکست ہوئی۔ پچھلی کئی صدیوں سے ہم زوال و ادبار کے دور سے گزر رہے ہیں۔ تاریخ کے طویل دور میں ہم موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا رہے ہیں، حادثۂ بغداد، سقوطِ اندلس اور دوسرے واقعات اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے، خود شام میں جولان کی پہاڑیوں پر اسرائیل کی بم باری اس نظریہ کو غلط ثابت کرتی ہے۔ اگر اہلِ شام کو

---

[۱] مشہور بدری صحابی حضرت عمار بن یاسرؓ (۵۷ ق ھ سے ۳۷ ھ / ۵۶۷ء — ۶۵۷ء) کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی کی تھی کہ انھیں باغی گروہ قتل کرے گا حضرت عمارؓ جنگِ صفین میں حضرت علیؓ کی طرف سے لڑتے ہوئے حضرت معاویہؓ کی شامی افواج کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ ان کی شہادت سے صحابہ کو یقین ہو گیا کہ حضرت علیؓ حق پر ہیں حضرت عمار کی شہادت کے لیے دیکھیے: البدایہ والنہایہ ۷: ۲۹۱

ابدال کی وجہ سے دشمنوں پر فتح حاصل ہوتی تو آج اسرائیل ایک ناسور کی طرح ارضِ مقدّس کے پاک سینہ پر موجود نہ ہوتا۔

ان دلائل سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ رجال الغیب کے نظریہ کے سلسلہ میں قرآن و حدیث سے کوئی قابلِ اعتماد دلیل نہیں ملتی۔ یہی وجہ ہے کہ علماءِ اسلام کے ایک طبقہ نے اسے شیعوں سے مستعار نظریہ قرار دیا ہے۔ مورخین میں علامہ ابن خلدون کی رائے ہے کہ صوفیہ نے یہ نظریہ شیعوں سے لیا ہے ان کے بہ قول متاخرین صوفیہ چونکہ اسماعیلیوں سے بہت ربط و ضبط رکھتے تھے اور اسماعیلی حلول اور الوہیت ائمہ کے قائل تھے اس لیے ابن عربی، ابن سبعین[1] (۶۱۳-۶۶۹ھ / ۱۲۱۶-۱۲۷۰ء) ابن العفیف، ابن الفارض اور النجم اسرائیلی بھی ان کے ہم نوا ہو گئے۔ چنانچہ صوفیہ کے کلام میں قطب کا لفظ استعمال ہونے لگا جو عارف کامل کی ترجمانی کرتا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ معرفت میں کو شخص قطب کے درجہ کے برابر نہیں ہو سکتا جب تک اللہ تعالیٰ اسے موت نہ دے ...... پھر اس کے بعد ابدال کی ترتیب اسی طرح بیان کرنے لگے جس طرح شیعہ نقباء کے بارے میں بیان کرتے ہیں[2]۔ مصر کے ادیب اور مورخ احمد امین نے قطب اور دیگر رجال الغیب کو شیعوں کے تصور مہدی منتظر سے ماخوذ بتایا ہے[3]۔ مردانِ غیب کے تصور کو اہل تشیع کے مہدی، نجبا، نقباء سے ماخوذ قرار دینا درست لگتا بھی ہے۔ شیعہ عالم حیدر بن علی العلوی الآملی (حیات تا ۷۸۷ھ / ۱۳۸۵ء) کے مطابق رجال الغیب اس طرح ہیں:

ایک غوث دو امامان، سات بدلاء، چالیس نجباء، تین سو نقباء..... امناء جو ملامتی ہیں۔[4]

---

[1] عبدالحق بن ابراہیم المعروف بہ ابن سبعین اندلس کے مشہور صوفی تھے۔ فرقہ سبعینیہ آپ سے منسوب ہے۔ کلماتِ کفر کے لیے بدنام ہوئے۔ ان کا کہنا تھا "لقد تحجر ابن آمنہ واسعا بقولہ لا نبی بعدی"۔ ابن سبعین وحدۃ الوجود کے قائل تھے۔ الاعلام ۴: ۵۱، لسان المیزان ۳: ۳۹۲، شذرات الذہب ۵: ۳۲۹۔ ستم یہ ہے کہ متصوفین نے انھیں اکابر مشائخ میں شمار کیا ہے۔ دیکھیے الطبقات الکبریٰ ۱: ۲۰۳

[2] مقدمہ ۱: ۴۷۳

[3] احمد امین، ضحی الاسلام، قاہرہ، الطبعۃ الثانیۃ سنہ ۱۳۶۰ھ / سنہ ۱۹۴۱ء ۳: ۲۴۵

[4] حیدر بن علی العلوی الآملی، نص النصوص، ملحق تاریخی مشمولہ ختم الاولیاء، تحقیق عثمان اسماعیل یحیی، المطبعۃ الکاثولیکیۃ بیروت سنہ ۱۹۶۵ء ص ۵۰۴ - ۵۰۵

مراۃ الاسرار کے مصنف کے بہ قول نقبا تین سو ہیں ان کے نام علی ہیں۔ نجباء کی تعداد ستر ہے سب کے نام حسن ہوتے ہیں۔ اخیار سات ہیں ان کے نام حسین ہیں، عمد چار ہوتے ہیں ان کے نام محمد ہوتے ہیں۔ غوث ایک ہوتا ہے اس کا نام عبداللہ ہوتا ہے۔[1] بعض صوفیہ کا بیان ہے: "رجال الغیب کی بارہ اقسام ہیں جو ائمۂ اثنا عشر کے موافق ہیں جیسا کہ کہا گیا ہے کہ میرے بعد بارہ امام میرے خلیفہ ہوں گے (۱) اقطاب (۲) غوث (۳) امامیاں (۴) اوتاد (۵) ابدال (۶) اخیار (۷) ابرار (۸) نقباء (۹) نجباء (۱۰) عمد (۱۱) مکتومان (۱۲) مفردان"[2] اسی طرح از آدم تا زمانۂ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اقطاب کی تعداد بارہ بتائی گئی ہے[3]۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ "دوازدہ" کا اثر رجال الغیب کے نظریہ پر کس قدر حاوی ہے۔ اسماء، تعداد، مناصب اور دوسرے احوال میں ائمۂ شیعہ اور ابدال کے درمیان جو حیرت انگیز مماثلت پائی جاتی ہے وہ اس رائے کو مزید تقویت پہنچاتی ہے کہ یہ نظریہ ہو بہو شیعہ افکار کا چربہ ہے۔

خلاصۂ بحث یہ ہے کہ اسلام میں رجال الغیب کے نظریہ کی کوئی اصلیت نہیں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں کوئی صحیح حدیث مروی نہیں ہے۔ صحابہ سے کوئی اثر صحت کے ساتھ منقول نہیں ہے۔ تابعین اس معاملہ میں خاموش ہیں۔ یہ نظریہ "قرون ثلاثہ مشہود لها بالخیر" کے بعد کی پیداوار ہے۔ زمانہ کے ساتھ ساتھ رجال الغیب کے اسماء و مناصب، اماکن و مساکن اور تعداد سے متعلق عجیب و غریب باتیں لوگوں میں پھیل گئی ہیں۔ بعض سادہ لوح صوفیہ ان سے ملاقات کرنے کے لیے برسوں جنگلوں اور ویرانوں کا سفر کرتے رہے، جب کسی اجنبی شخص نے ان سے ملاقات کی تو وہ یہ سمجھے کہ ہو نہ ہو یہ شخص رجال الغیب میں سے تھا۔ بعض صوفیہ نے کسی ویران مکان میں جنات کی آوازیں سنیں تو خیال کیا کہ اس مکان میں رجال الغیب آتے جاتے ہیں۔ بعض اوقات جنات کی قوت کو رجال الغیب کی کرامات بتایا گیا چنانچہ جنات کی قوتوں اور صلاحیتوں کو بھی رجال الغیب سے منسوب کیا گیا مثلاً یہ کہ انھیں قوتِ پرواز حاصل ہے، وہ پانی پر چلتے ہیں، وہ نظر نہیں آتے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ عقیدۂ اسلامی سے ان بے اصل چیزوں کا کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ ہی رجال الغیب کا نظریہ ایمانیات میں شامل ہے۔

---

۱ مراۃ الاسرار، ۱: ۳۲، کشاف اصطلاحات الفنون ۴: ۸۴۵

۲ مراۃ الاسرار ۱: ۲۹

۳ مراۃ الاسرار ۱: ۲۹

صوفیہ اور علمِ حدیث

صوفیہ کا دعویٰ ہے کہ سلوک و تصوف کے جملہ احوال و اشارات قرآن و سنّت سے ماخوذ ہیں۔ تصوف کو اسلام کی روح اور دین کا مغز ثابت کرنے کے لیے اہلِ سلوک اپنی کتابوں، ملفوظات و مکتوبات میں بہ کثرت آیات و احادیث سے استدلال کرتے ہیں۔ انھوں نے قرآن کی تفسیر بھی اپنے زاویۂ نگاہ سے کی ہے۔ چناں چہ کتبِ تصوّف میں صوفیانہ تفسیر کی مثالیں کثرت سے ملتی ہیں۔ صوفیانہ ادب میں صوفیہ کے منتشر اور بکھرے ہوئے اقوال کے علاوہ کچھ مستقل تفسیریں بھی اسی نقطۂ نظر سے تصنیف کی گئی ہیں۔ تیسری صدی ہجری میں شیخ سہل بن عبداللہ تستری نے "تفسیر القرآن العظیم" کے نام سے ایک تفسیر لکھی، جس میں انھوں نے قرآنی آیات کی صوفیانہ تفسیر کی[1]۔ ان کے بعد شیخ عبدالرحمٰن السلمی نے "حقائق التفسیر" کے عنوان سے قرآن کی صوفیانہ تفسیر تصنیف کی[2]۔ چھٹی صدی ہجری میں شیخ روزبہان شیرازی البقلی نے "عرائس البیان فی حقائق القرآن" کے نام سے ایک ضخیم صوفیانہ تفسیر لکھی[3]۔ ایک اور تفسیر شیخ محی الدین ابن عربی سے منسوب کی جاتی ہے، جس کا نام "تفسیر الشیخ الاکبر" ہے، لیکن اصل میں یہ ان کی تصنیف نہیں ہے[4]۔

---

[1] تفسیر القرآن العظیم قرآن کی مکمل تفسیر نہیں ہے بلکہ مصنف نے منتخب آیات کی تفسیر لکھی ہے۔ ۱۳۲۹ھ میں مصر سے شائع ہوئی ہے۔

[2] حقائق التفسیر کے تعارف کے لیے دیکھیے محمد حسین الذہبی۔ التفسیر والمفسرون، دار الکتب الحدیثہ قاہرہ ۱۳۹۶ھ/ ۱۹۷۶ء ۲ : ۳۸۴

[3] عرائس البیان فی حقائق القرآن، ۱۳۰۱ھ میں مطبع نول کشور لکھنؤ سے شائع ہوئی ہے۔

[4] تفسیر الشیخ الاکبر، بولاق مصر سے ۱۲۸۳ھ میں دو جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔ یہی تفسیر (بقیہ حاشیہ بر صفحۂ دیگر)

صوفیانہ نقطۂ نظر سے لکھی جانے والی تفسیروں میں سب سے زیادہ شہرت علامہ آلوسی (۱۲۷۰ھ / ۱۸۵۴ء) کی تفسیر "روح المعانی"[1] کو حاصل ہوئی۔ اس تفسیر میں صوفیانہ رموز و اشارات کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ ان تفسیروں کے علاوہ تصوف کی کتابوں میں متفرق مقامات پر صوفیہ کے جو تفسیری اقوال ملتے ہیں، وہ بجائے خود ایک مستقل کتاب کا مواد فراہم کر سکتے ہیں۔ صوفیہ کی بیان کی ہوئی تفسیر ان معانی و مواجید پر مشتمل ہوتی ہے جو تلاوت کے دوران ان کے دلوں پر القاء ہوتے ہیں۔ چنانچہ ان اسرار و غوامض کو وہی شخص بہ خوبی سمجھ سکتا ہے، جو تصوف کے اسرار و رموز کو سمجھنے کی اہلیت رکھتا ہے۔ مثلاً قرآن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا	اے ایمان والو! ان کفار سے لڑو جو تمھارے
الَّذِیْنَ یَلُوْنَکُمْ مِّنَ الْکُفَّارِ	آس پاس رہتے ہیں۔ اور ان کو تمھارے اندر
وَلْیَجِدُوْا فِیْکُمْ غِلْظَۃً (التوبہ: ۱۲۳)	سختی پانا چاہیے۔

صوفیہ کے نزدیک اس آیت میں مراد نفس ہے، ہم کو حکم دیا گیا ہے کہ قریب کے کافروں سے قتال کریں، اور انسان سے قریب ترین چیز اس کا نفس ہے۔[2]

قرآن میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ ؑ کو وادی طویٰ میں حکم دیا:

فَاخْلَعْ نَعْلَیْکَ	اپنے نعلین اتار دو

صوفیہ کا کہنا ہے کہ عالمِ اجسام میں نعلین سے مراد نعلین ہی ہیں، مگر عالمِ ارواح میں دنیا و آخرت ہے۔ اور ان دونوں عالموں میں موازنہ و مناسبت موجود ہے جس سے صرف انبیاء اور خواص اولیا واقف ہیں۔ پس جب اللہ تعالیٰ نے اس وقت حضرت موسیٰ ؑ کو ظاہر میں نعلین اُتارنے کا حکم دیا اسی طرح اس سے باطن میں ترکِ دنیا و آخرت کا مطالبہ بھی کیا۔[3]

(گذشتہ سے پیوستہ) "تفسیر القرآن الکریم للشیخ الاکبر" کے نام اور الدکتور مصطفےٰ غالب کے مقدمہ و تحقیق کے ساتھ انتشارات ناصر خسرو طہران ایران سے شائع ہوئی ہے۔

[1] تفسیر "روح المعانی" ۳۰ جلدوں میں قاہرہ سے طبع ہوئی ہے۔

[2] امام بدر الدین محمد بن عبد اللہ الزرکشی۔ البرہان فی علوم القرآن، تحقیق محمد ابو الفضل ابراہیم الطبعۃ الثانیہ سنہ ۱۳۹۱ھ / سنہ ۱۹۷۲ء ۲ : ۱۷۰

[3] مولیٰ احمد بن مصطفےٰ المعروف بطاش کبری زادہ۔ مفتاح السعادۃ، مطبعۃ دائرۃ المعارف النظامیہ حیدر آباد دکن الہ، الطبعۃ الاولیٰ سنہ ۱۳۲۹ھ و سنہ ۱۳۵۶ھ ۱ : ۴۲۴

تاہم صوفیہ کی تفسیر کو کبھی تفسیر تسلیم نہیں کیا گیا، بلکہ علماء نے ایسی تفاسیر کا ذکر "العجائب والغرائب" کے ذیل میں کیا ہے۔ شیخ ابن الصلاح نے اپنے فتاویٰ میں امام ابوالحسن الواحدی[1] (سنہ ۴۶۸ھ / ۱۰۷۶ء) کا یہ قول نقل کیا ہے:

صنف عبد الرحمٰن السلمی "حقائق التفسیر" فان کان قد اعتقد ان ذلک تفسیر فقد کفر[2]	عبد الرحمٰن السلمی نے "حقائق التفسیر" تصنیف کی۔ اگر اس کا اعتقاد تھا کہ یہ تفسیر ہے تو اس نے کفر کیا۔

شیخ ابن الصلاح صوفیہ کے بارے میں حسنِ ظن سے کام لیتے ہوئے کہتے ہیں کہ صوفیہ اسے خود بھی تفسیر نہیں مانتے، بلکہ وہ ایک نظیر سے دوسری نظیر مراد لیتے ہیں، جس طرح انھوں نے سورۃ التوبہ کی آیت: "قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ" میں نفس اور آس پاس کے کفار سے جنگ کرنا مراد لیا ہے، لیکن کاش انھوں نے اس طرح کے تساہل سے احتراز کیا ہوتا جس میں ابہام و التباس ہے۔[3] شیخ سراج الدین بلقینی[4] (۷۲۵-۸۰۶ھ / ۱۳۲۴-۱۴۰۳ء) سے ایک ایسے شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو "مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗ" کی تفسیر کرتے ہوئے عجیب و غریب معانی بیان کرتا ہے۔ انھوں نے فتویٰ دیا کہ وہ ملحد ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اِنَّ الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا" (حٰمٓ السجدہ: ۴۰) (بلاشبہ جو لوگ ہماری آیتوں میں کج روی کرتے ہیں، وہ لوگ ہم پر مخفی نہیں ہیں) حضرت ابن عباس رضؓ کا کہنا ہے کہ

---

[1] علامہ ابوالحسن علی بن احمد الواحدی، تفسیر اور نحو کے بے مثال عالم، امام ثعلبی کے شاگرد تھے۔ علوم قرآن میں "اسباب النزول" ان کی مشہور تصنیف ہے۔ نیشاپور میں وفات پائی۔ وفیات الاعیان ۳: ۳۰۳

[2] جلال الدین عبد الرحمٰن السیوطی۔ الاتقان فی علوم القرآن، المکتبۃ الثقافیۃ، بیروت لبنان، النوع الثامن و السبعون ۲: ۲۳۵، البرہان فی علوم القرآن ۲: ۱۷۰، مفتاح السعادۃ ۱: ۴۲۲-۴۲۳

[3] البرہان فی علوم القرآن ۲: ۱۷۰، مفتاح السعادۃ ۱: ۴۲۲-۴۲۳، الاتقان فی علوم القرآن ۲: ۲۳۵

[4] شیخ سراج الدین عمر بلقینی، فقہ شافعی کے عالم کا مولد مصر تھا۔ دمشق اور قاہرہ میں قضا و تدریس کے عہدوں پر کام کرتے رہے۔ آپ کی مشہور تصنیف "التدریب فی الفقہ علی مذہب الامام الشافعی" ہے۔

یہ کلام کو اپنے محل سے ہٹا کر دوسرے محل پر محمول کرنا ہے[1]۔ علامہ نسفی[2] (م ۷۱۰ھ/۱۳۱۰ء) کہتے ہیں کہ نصوص کا دارومدار ان ظاہری معنوں پر ہے، جو الفاظ سے متبادر ہوتے ہیں، اور ان سے ہٹ کر وہ معانی مراد لینا جن کی طرف اہلِ باطن دعوت دیتے ہیں، الحاد ہے[3]۔ علامہ تفتازانی[4] (۷۱۲ - ۷۹۳ھ/۱۳۱۲ - ۱۳۹۰ء) اس کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ملحدین کو اس لیے باطنیہ کا نام دیا گیا ہے کہ ان کا دعویٰ ہے کہ نصوص سے وہ معانی مراد نہیں لیتے ہیں، جو ظاہر الفاظ سے متبادر ہوتے ہیں، بلکہ ان کے باطنی معانی ہیں جنھیں صرف "المعلم" ہی جانتا ہے، اور اس سے ان کی غرض شریعت کی نفی کرنا ہوتی ہے۔ رہا بعض محققین (صوفیہ) کا یہ کہنا کہ نصوص ظواہر معانی پر قائم ہیں، البتہ اس کے ساتھ ان میں پوشیدہ اور دقیق اشارات ہوتے ہیں، جو اربابِ سلوک پر منکشف ہو جاتے ہیں، اور جن کی تطبیق ان ظواہر سے ممکن ہے، جو مراد ہوتے ہیں، تو یہ کمالِ ایمان و عرفان محض کے امور میں سے ہے[5]۔ بایں ہمہ مفسّرین قرآن کے بارے میں صوفیہ کے کلام کو تفسیر نہیں مانتے، بلکہ اسے تفسیر اشاری کا نام دیتے ہیں۔ اس لحاظ سے صوفیہ کی تفسیر کو، اگر اسے تفسیر کہا بھی جائے، زیر بحث لانا تحصیل لاحاصل ہے۔

صوفیہ کا کہنا ہے کہ احوال و مقامات اور صوفیانہ اشارات کی اساس قرآن کریم کے بعد سُنّت پر قائم ہے۔ چناں چہ صوفیہ کے اقوال میں قرآن و سنت کو معیار و میزان کی حیثیت ہر دور میں حاصل رہی ہے۔ شیخ سلیمان دارانی کا قول ہے:

"میرے دل میں صوفیہ کے نکات میں سے جب بھی کوئی نکتہ گزرتا ہے، تو میں

---

[1] مفتاح السعادۃ ۱: ۴۲۲، الاتقان فی علوم القرآن ۲: ۲۳۶ قال ابن عباس: ھو ان یضع الکلام علی غیر موضعہ۔

[2] ابو الفضل برہان الدین محمد بن محمد الشہیر بالبرہان النسفی۔ عقائد کے مشہور عالم گزرے ہیں۔

[3] الاتقان فی علوم القرآن ۲: ۲۳۵ - ۲۳۶، شرح العقائد النسفیہ، مطبع نول کشور لکھنؤ ص ۱۱۹

[4] سعد الدین مسعود بن عمر بن عبد اللہ تفتازانی، بیان و منطق اور عقائد کے مشہور عالم گزرے ہیں، سرخس میں دفن ہیں: مفتاح السعادۃ ۱: ۱۶۵

[5] الاتقان فی علوم القرآن ۲: ۲۳۶، شرح العقائد النسفیہ ص ۱۱۹ - ۱۲۰

تب تک اسے قبول نہیں کرتا ہوں جب تک کہ دو عادل گواہ یعنی قرآن اور سنت اس کی تائید نہ کریں[1]"۔

شیخ ابو الحسین نوری کہتے ہیں: "جو شخص ایسی حالت کا مدعی ہو، جو اسے دائرۂ شریعت سے خارج کرتی ہے، اس کے پاس نہ جاؤ[2]"۔ شیخ سہل بن عبداللہ تستری کے مطابق ہر وجد، جس کی شہادت قرآن و سنت سے نہ ملے، باطل ہے[3]۔ شیخ بایزید بسطامی کا ارشاد ہے کہ اگر تم کسی ایسے آدمی کو دیکھو جو ہوا میں اڑتا ہے، تو بھی اس وقت تک اس سے دھوکا مت کھانا، جب تک یہ نہ دیکھ لو کہ وہ امر و نہی اور حدودِ شرع کا کتنا پابند ہے[4]؟ شیخ جنید بغدادی کہتے ہیں: "ہمارے اس علم کی بنیاد قرآن و سنت ہے، جو قرآن کی تلاوت نہ کرے، اور حدیث نہ لکھے، اس معاملہ میں اس کی پیروی نہیں کی جائے گی[5]"۔ شیخ ابو الحسن حواری کا قول ہے: "دائرۂ سنتِ نبوی سے باہر ہر عمل باطل ہے[6]"۔ شیخ ابو حفص

---

[1] الرسالۃ القشیریہ ص ۲۵، اللمع ص ۱۴۶، تلبیس ابلیس ص ۱۶۸۔ مولانا جامی نے اس قول کو بہ ایں الفاظ نقل کیا ہے:

ربما ینکت الحقیقۃ فی قلبی اربعین یومًا	اکثر چالیس روز تک میرے دل پر حقیقت کا نزول
فلا آذن لہا ان تدخل فی قلبی الا بشاہدین	ہوتا رہتا ہے لیکن جب تک دو عادل گواہ قرآن و سنت
من الکتاب و السنۃ۔	اس کی تصدیق نہیں کرتے، میں اسے اپنے دل میں
نفحات الانس بذیل تذکرہ "ابو سلیمان دارانی"	جگہ نہیں دیتا ہوں۔

[2] الرسالۃ القشیریہ ص ۱۹، تلبیس ابلیس ص ۱۶۸، ابن قیم۔ مدارج السالکین، مطبعۃ المنار مصر ۲ : ۲۵۷

[3] اللمع ص ۱۰۴، عوارف المعارف علیٰ ہامش احیاء ۱ : ۳۱۷، مجموع فتاویٰ ۱۱ : ۵۹۵

[4] وفیات الاعیان ۲ : ۵۳۱، میزان الاعتدال ۲ : ۳۴۶، تلبیس ابلیس ص ۱۶۸، الرسالۃ القشیریہ ص ۱۸

[5] الرسالۃ القشیریہ ص ۲۴، تلبیس ابلیس ص ۱۶۸، مجموع فتاویٰ ۱۱ : ۵۹۵

[6] الرسالۃ القشیریہ ص ۲۱، مجموع فتاویٰ ۱۱ : ۵۹۵

نیشاپوری کا کہنا ہے : "جس شخص کے افعال و اعمال قرآن و سنّت کے مطابق نہ ہوں اسے انسانوں کے دفتر میں شمار نہ کرو"۔[1] شیخ ابو سعید الخراز کے الفاظ ہیں ہر وہ باطن جو ظاہر شرع کے خلاف ہو، باطل ہے۔[2] امام قشیری کے بہ قول : "شریعت التزامِ عبودیت کا معاملہ ہے، حقیقت مشاہدۂ ربوبیت ہے، ہر وہ شریعت جس کی تائید حقیقت سے نہ ہوتی ہو، نامقبول ہے، اور ہر وہ حقیقت جو شریعت کی پابند نہ ہو، مردود ہے"۔[3] شیخ علی ہجویری کہتے ہیں کہ ایک جاہل کے لیے علم کا ایک مسئلہ حل کرنا پُل صراط پر سے ہزار بار گزرنے کی بہ نسبت زیادہ مشکل ہے۔[4] شیخ ابراہیم رقی کے بہ قول اطاعتِ الٰہی اور اتباعِ رسول ہی خدا سے محبت کی علامت ہے۔[5] امام غزالی یہ قول نقل کرتے ہیں کہ ہر وہ حقیقت جس کی پشت پر شریعت نہ ہو، کفر ہے۔[6] امام موصوف کا کہنا ہے کہ جو شخص یہ کہتا ہے کہ حقیقت شریعت کی مخالف ہے یا باطن ظاہر سے متناقض ہے، تو وہ ایمان کے مقابلہ میں کفر سے زیادہ قریب ہے۔[7] شیخ سہروردی کہتے ہیں کہ ہر وہ حقیقت جس کو شریعت مسترد کرتی ہے زندقہ ہے۔[8] ان اقوال اور بیانات سے بہ ظاہر یہ پتہ چلتا ہے کہ صوفیہ ہمیشہ دائرۂ شریعت کے

---

[1] ابن قیم الجوزیہ ص ۴۴۲، ابن جوزی نے اسے ابوجعفر نوری کا قول بتایا ہے دیکھیے تلبیس ابلیس ص ۱۶۸

[2] طبقات الصوفیہ ص ۲۳۱، عوارف المعارف علی ہامش احیاء ۱ : ۳۱۶، تلبیس ابلیس ص ۳۲۴، الرسالۃ القشیریہ ص 28-29

[3] الرسالۃ القشیریہ ص ۵۴ [4] کشف المحجوب ص 19

[5] الرسالۃ القشیریہ ص ۳۱

[6] ابن قیم الجوزیہ ص ۴۴۵، ابن جوزی کے مطابق شیخ ابوعلی دقاق کے دل میں حقیقت و شریعت کے تباین کا خیال آیا تو ہاتف نے یہ الفاظ کہے : تلبیس ابلیس ص ۳۲۴

[7] تلبیس ابلیس ص ۳۲۴-۲۵، ابن قیم الجوزیہ ص ۴۲۵

[8] عوارف المعارف علی ہامش احیاء ۱ : ۵، شیخ شہاب الدین سہروردی کا دوسرا قول ہے :

کل علم لا یوافق الکتاب والسنۃ وما ہو مستفاد ہر وہ علم جو کتاب و سنت اور جو ان دونوں سے مستفاد

منہما او معین علی فہمہما او مستند الیہما کائنا ہو یا جو ان دونوں کے مفاہیم کو معین کرتا ہو یا ان

(بقیہ بر صفحۂ دیگر)

اندر مصروفِ عمل رہے ہیں اور حدیث وسنت کو وہی مقام دیا ہے جو امتِ مسلمہ اسے دیتی رہی ہے۔ صوفیہ بھی قرآن وسنت سے اسی طرح استدلال کرتے ہیں جس طرح علوم اسلامیہ کے ماہرین کرتے آئے ہیں۔ ان اقوال کا انتساب صوفیہ سے اس لیے بھی صحیح لگتا ہے کہ تصوف کے ناقدین نے انھیں اپنی تصانیف میں جگہ دی ہے۔ مثلاً علامہ ابن جوزی نے ان میں سے بیش تر اقوال کو اپنی کتاب میں نقل کیا ہے اور اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ متقدمین صوفیہ قرآن وسنت کی پابندی پر زور دیتے تھے[۱] امام ابن تیمیہ[۲] اور علامہ ابن قیم[۳] نے بھی ان اقوال کو نقل کیا ہے۔

لیکن جب اہلِ تصوف کے وہ اقوال جو علم کی مذمّت میں علماءِ تصوّف کی کتابوں میں منقول ہیں، دیکھنے کو ملتے ہیں تو ان کے وہ تمام دعوے مشکوک نظر آتے ہیں، جن میں انھوں نے قرآن وسنت کی پابندی کی بات کہی ہے۔ قرآن وسنت کی روشنی میں راہِ سلوک پر گامزن ہونے والے سالک کے لیے ضروری ہے کہ وہ علم اور حصولِ علم میں کوشاں رہے۔ لیکن زحمت اس وقت پیش آتی ہے جب ہم تصوف کی کتابوں میں کثرت سے ایسے اقوال پاتے ہیں، جو اپنے اندر علم بےزاری اور معارف دشمنی کا پہلو لیے ہوئے ہیں۔ ایک صوفی سے پوچھا گیا، کیا تم محدث عبدالرزاق سے حدیث سننے کے لیے سفر نہیں کروگے؟ اس نے جواب دیا: "جو خدا سے (براہ راست) سُنتا ہے، وہ عبدالرزاق سے سماعت کیا کرے[۴]؟" شیخ ابوحفص نیشاپوری کا کہنا ہے کہ جب سے میں نے خدا کو پہچانا اُس وقت سے میرے دل میں نہ حق کا گزر ہوا اور نہ باطل کا[۵] شیخ حارث محاسبی کہتے

(گزشتہ سے پیوستہ) ماكان هو رذيلة۔ دونوں کی طرف استناد رکھتا ہو، کے موافق نہ ہو وہ رذیل ہے۔

عوارف المعارف علیٰ ہامش احیاء ۱ : ۲۶۵-۲۶۶

[۱] تلبیس ابلیس ص ۱۶۸، ۳۲۴

[۲] مجموع فتاویٰ ۱۱ : ۵۹۵

[۳] مدارج السالکین ۲ : ۲۵۷

[۴] ابن قیم الجوزیہ ص ۴۳۶

[۵] الرسالۃ القشیریہ ص ۱۸۴، کشف المحجوب ص ۲۴۴

ہیں: "علم خوفِ خدا پیدا کرتا ہے، زہد آرام پہنچاتا ہے اور معرفت انابت پیدا کرتی ہے"۔[1] شیخ حصری کہتے ہیں کہ چھ چیزیں ہمارے اصول ہیں (ا) رفعِ حدث (ب) افرادِ قدم (ج) ہجرِ اخوان (د) مفارقتِ اوطان (ھ) معلوم کا فراموش کرنا (د) نا معلوم چیز کے پیچھے نہ پڑنا۔[2] شیخ جنید بغدادی کا کہنا ہے کہ جب تم فقیر سے ملو تو نرمی کے ساتھ اس سے ملو، علم کے ساتھ نہ ملو، کیوں کہ نرمی اسے مانوس بناتی ہے، اور علم اس کے اندر وحشت پیدا کرتا ہے۔[3] شیخ بشر حافی کا قول ہے کہ روایتِ حدیث میں استعمال ہونے والا لفظ "حدثنا" دنیا کے دروازوں میں سے ایک ہے۔ جب تم کسی آدمی کو "حدثنا" کہتے سنو (جان لو کہ) وہ کہتا ہے "میری طرف آؤ"۔[4] شیخ ابو سلیمان دارانی کے بہ قول جب آدمی طلبِ حدیث میں مشغول ہو جائے یا نکاح کرے یا کسبِ معاش کے لیے سفر کرے تو سمجھ لو کہ وہ دنیا کی طرف مائل ہو گیا۔[5] شیخ بایزید بسطامی اپنے ہم عصر علماء سے کہا کرتے تھے: "تم نے اپنا علم، علماءِ رسوم سے اخذ کیا، گویا مُردہ، مردے سے اخذ کرتا ہے، ہم نے اپنا علم اُس زندہ ذات سے اخذ کیا ہے، جسے موت نہیں آسکتی"۔[6]

یہ صرف اقوال نہیں، بلکہ صوفیہ نے اپنے اعمال سے ان اقوال کی تصدیق کی ہے۔ شیخ ابوبکر وراق[7] نے حدیث لکھنا چھوڑ دیا، لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ تو جواب دیا:

---

[1] طبقات الصوفیہ ص ۵۸

[2] اللمع ص ۲۸۹، الرسالۃ القشیریہ اور کشف المحجوب میں اسی قول میں ذکر کیے گئے اصولوں کو توحید کے پانچ اصولوں کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے۔ پانچواں اصول، ہر معلوم و نا معلوم چیز کو فراموش کرنا ہے۔ درست یہی ہے کہ یہ پانچ ہی اصول ہیں: الرسالۃ القشیریہ ص ۱۷۷، کشف المحجوب ص ۲۴۴

[3] الرسالۃ القشیریہ ص ۱۶۳، طبقات الصوفیہ ص ۱۶۰، اللمع ص ۲۳۳

[4] احیاء علوم الدین ۱: ۶۷

[5] احیاء علوم الدین ۱: ۶۷، حضرت سفیان ثوری کا قول بھی ملاحظہ ہو: "محمد بن یوسف عبادت میں مشغول ہوئے تو انھیں حکمت ملی، ہم کتابتِ علم میں مصروف ہوئے تو ہمارے حصہ میں جھگڑے آئے": تنبیہ المغترین ص ۸۱

[6] الطبقات الکبریٰ ۱: ۵

منعتني عنها الارادة[1]　　مجھے ارادت نے اس سے منع کیا۔

شیخ جعفر خلدی[2] (۲۵۲-۳۴۸ھ / ۸۶۶-۹۵۹ء) کا بیان ہے کہ میں عباس الدوری (ایک محدث) کے پاس گیا، اور اس سے حدیث لکھی، جب اس کے پاس سے چلا تو اپنے ایک صوفی ساتھی سے ملاقات ہوئی اس نے پوچھا تمھارے پاس یہ کیا ہے؟ میں نے اسے وہ اوراق دکھائے، جن پر میں نے احادیث نقل کی تھیں۔ اس نے یہ کہہ کر ان اوراق کو پھاڑ ڈالا "افسوس تم علم خرق (تصوف) چھوڑ کر علم ورق اختیار کرتے ہو!" اس کی یہ بات میرے دل میں بیٹھ گئی اور میں نے عباس کے پاس جانا چھوڑ دیا۔[3] شیخ ابوبکر شبلی نے ایک دفعہ دوات دیکھ کر اشعار پڑھے جن میں ایک شعر یوں تھا

اذا خاطبونی بعلم الورق　　برزت علیهم بعلم الخرق[4]

ایک بزرگ سفیان بن عاصم کا کہنا ہے کہ صوفیہ نے مجھ سے کہا: "اگر تم محدث ہشام سے لکھی ہوئی احادیث نہیں مٹاؤ گے تو ہم تم سے مقاطعہ کریں گے۔"[5] ایک صوفی کے لیے حصول علم کا عمل صوفیہ کے نزدیک اس قدر قابل مذمت ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کے حضور میں بے ادبی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ شیخ ابوبکر الدقی[6] (۲۳۹-۳۵۹ھ / ۸۵۳-۹۶۹ء) سے پوچھا گیا کہ اللہ تعالے کے حضور میں فقیروں کی بے ادبی کسے کہتے ہیں، تو انھوں نے جواب دیا: "انحطاطهم من الحقيقة الى العلم[7]" (حقیقت سے ان کا علم کی طرف گرنا)

---

[1] الرسالة القشيرية ص ۱۲۷، ۱۶۴

[2] شیخ ابو محمد جعفر الخلدی بغداد میں پیدا ہوئے جنید بغدادی، شیخ نوری اور رویم کے صحبت یافتہ تھے۔ مسکن و مدفن بغداد ہے۔ اشارات (شطحات) شبلی، نکات مرتعش اور حکایات خلدی کو بغداد کے عجائبات میں شمار کیا گیا ہے۔ آپ کا شمار صوفیہ کے طبقۂ خامسہ میں ہوتا ہے: حلیۃ الاولیاء ۱۰: ۳۸۱، طبقات الصوفیہ ص ۴۳۴ تاریخ بغداد ۷: ۲۲۶

[3] تلبیس ابلیس ص ۳۲۸

[4] تلبیس ابلیس ص ۳۲۹

[5] تلبیس ابلیس ص ۳۲۸-۳۲۹

[6] ابوبکر محمد بن داؤد الدینوری الدقی شام کے مشہور صوفی ابو علی رودباری کے ہم نشین تھے: الطبقات الکبریٰ ۱: ۱۱۹، نفحات الانس ص ۱۲۰، سفینۃ الاولیاء بذیل تذکرہ ص ۱۵۳ (بقیہ حاشیہ بر صفحۂ دیگر)

یہی وجہ ہے کہ ایک صوفی کہتے ہیں کہ جب تم کسی فقیر کو دیکھو کہ وہ حقیقت سے علم کی طرف آگرا تو جان لو کہ اس کا عزم فسخ ہو گیا اور اس کا عقدہ حل ہو گیا[۱] چنان چہ مُریدوں کے لیے صاف صاف کہا گیا ہے کہ انھیں علم حاصل کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی انھیں علماء کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنے کی حاجت ہے۔ شیخ جنید بغدادی کہتے ہیں کہ مُریدِ صادق علماء کے علم سے بے نیاز ہوتا ہے[۲]۔ شیخ ابوبکر وراق کا قول ہے کہ مرید کے لیے تین چیزیں آفت ہیں نکاح، کتابتِ حدیث اور سفر[۳] ایک صوفی نے حضرت خضر سے پوچھا کیا تم نے اپنے سے برتر کسی کو دیکھا؟ تو حضرت خضر نے جواب دیا "ہاں"۔ عبدالرزاق بن ہمام[۴] (۱۲۶ - ۲۱۱ھ / ۷۴۴ - ۸۲۷ء) مدینہ میں حدیث کا درس دیتے تھے اور لوگ ان کے اِردگرد تھے میں نے ایک جوان کو دیکھا جو اپنا سر زانوؤں پر رکھے ہوئے تھا، میں نے اس سے کہا، عبدالرزاق بن ہمام حدیث کی روایت کرتے ہیں، تم کیوں نہیں سُنتے؟ اس نے جواب دیا: "وہ میت سے روایت کرتا ہے اور میں غائب نہیں ہوں"۔ میں نے اس سے پوچھا کہ اگر واقعی آپ کو یہ مقام حاصل ہے تو بتائیے میں کون ہوں؟ اس نے کہا: "بھائی تم ابوالعباس خضر ہو[۵]"۔

صوفیہ علم کو حجابِ اکبر تصور کرتے ہیں اور شروع ہی سے "صد کتاب و صد ورق در نار کن"، کے حکم پر عمل پیرا رہے ہیں۔ ان کے نزدیک تصوف اور علم دونوں ساتھ ساتھ نہیں چل سکتے، اس لیے ایک صوفی کو کتابوں سے علیحدگی اختیار کرنی چاہیے۔ چنانچہ شیخ بشر حافی کے

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ) ۷ الرسالۃ القشیریہ ص ۱۶۴، الطبقات الکبریٰ ۱ : ۱۱۹، نفحات الانس ص ۲۰ میں ہے: ذالک انحطاطھم من حقیقۃ العلم الی ظاھر العلم۔

۱ اللمع ص ۲۳۳

۲ الرسالۃ القشیریہ ص ۱۲۱ ۳ الرسالۃ القشیریہ ص ۱۲۱

۴ یمن کے مشہور محدث اور حافظِ حدیث امام ذہبی نے انھیں خزانۃ العلم کہا ہے: الاعلام ۴ : ۱۲۶، میزان الاعتدال ۲ : ۱۱۴ تا ۱۲۴، تہذیب التہذیب ۶ : ۳۱۰

۵ الرسالۃ القشیریہ ص ۱۲۱، بہ تغیر لفظی یہ واقعہ نفحات الانس ص ۱۱۳ - ۱۱۴ پر مذکور ہے مگر درسِ حدیث کا مقام مدینہ کے بجائے جامع صنعاء دیا ہے۔

کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انھوں نے کتابوں کے دس بستے زمین میں دفن کر دیے تھے۔ شیخ ابوبکر وراق سے ان کے استاذ شیخ حکیم ترمذی نے کہا: "یہ کتابیں دریائے جیحون میں پھینک آؤ۔" ابوبکر وراق کتابوں کو اپنے گھر لے گئے اور واپس آکر شیخ حکیم ترمذی کو اطلاع دی کہ میں نے کتابیں دریا بُرد کر دیں۔ شیخ ترمذی نے پوچھا کہ کتابیں دریا میں پھینکنے کے بعد تم نے کیا دیکھا؟ شیخ ابوبکر وراق نے جواب دیا: "کچھ نہیں"۔ یہ سُن کر استاذ نے کہا کہ تم نے کتابیں دریا میں نہیں پھینکیں جاؤ پھینک آؤ۔ ابوبکر وراق نے کتابیں دریا میں پھینک دیں۔ پانی کے دو حصے ہو گئے ایک صندوق نمودار ہوا جس میں کتابیں بند ہو کر پانی میں چلی گئیں۔ حقیقتِ حال دریافت کرنے کے لیے شیخ ابوبکر وراق جب استاذ کے پاس آئے تو انھوں نے جواب دیا: "میں نے اصول و تحقیق میں کچھ کتابیں لکھی تھیں جو لوگوں کی سمجھ سے بالاتر تھیں، خضر علیہ السلام نے مجھ سے یہ کتابیں طلب کیں، اللہ کا حکم ہوا کہ انھیں یہ کتابیں پہنچا دو۔[1] بغداد میں بعض صوفیہ ایسے بھی تھے جو حدیث لکھ کر اسے دریائے دجلہ میں پھینکتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم نے اس کا حق ادا کر دیا۔[2] شیخ احمد بن الحواری نے تیس سال تک علمِ حدیث حاصل کیا، آخر میں اپنی کتابیں دریا پر لے گئے اور یہ کہہ کر پانی میں پھینک دیں "اے علم میں تمھاری تحقیر یا تمھارے حق میں استخفاف کے پیش نظر ایسا نہیں کر رہا ہوں، بلکہ میں نے تجھے اس لیے حاصل کیا تھا کہ اللہ تک پہنچنے کے لیے تیری رہنمائی مل جائے پس جب میں تیرے ذریعہ ہدایت پا گیا تو تجھ سے بے نیاز ہو گیا۔[3] شیخ ابوسعید ابوالخیر کہتے تھے: "کتابو تم اچھی رہنما ہو، لیکن حصولِ مقصد کے بعد رہنما فضول ہے۔"[4] ان کا کہنا تھا کہ اس معاملہ (تصوف)

---

[1] کشف المحجوب ص ۱۲۹۔ ۱۳۰، ایک حکایت میں آتا ہے کہ حضرت خضر نے خود کتابیں دریا سے نکال کر شیخ ترمذی کی خدمت میں پیش کیں اور کہا کہ بہتر ہے آپ اس سے شغل رکھیں دیکھیے سفینۃ الاولیاء بذیل تذکرہ شیخ محمد بن علی حکیم ترمذی

[2] تلبیس ابلیس ص ۳۲۵ [3] تلبیس ابلیس ص ۳۲۵

[4] Studies in Islamic Mysticism p. 21

میں پہلا قدم دواتوں کا توڑنا، کتابوں کا پھاڑنا اور علم کو فراموش کرنا ہے۔[۱] شیخ نظام الدین اولیا، کہتے ہیں کہ جب شیخ ابوسعید ابوالخیر کمالِ حال کو پہنچ گئے تو انھوں نے کتابوں کا مطالعہ ترک کیا ایک عرصہ بعد ان کتابوں میں کوئی چیز دیکھی تو مطالعہ کرنے لگے اس پر ہاتفِ غیبی نے آواز دی کہ اے ابوسعید! ہمارا عہد نامہ واپس کردو کیوں کہ تم دوسری چیز میں مشغول ہو گئے۔[۲] شیخ نظام الدین اولیا ہی ایک حکایت بیان کرتے ہیں کہ ایک پیر طریقت کے بیٹے نے علم حاصل کرنے کے بعد چاہا کہ راہِ سلوک پر گامزن ہو جائے۔ اپنے باپ کے پاس آیا اور کہا کہ میں درویشی اختیار کرنا چاہتا ہوں۔ باپ نے کہا چلہ کرو۔ چلہ ختم کرنے کے بعد وہ باپ کے پاس آیا۔ تو اس نے لڑکے سے چند مسائل پوچھے، اس نے تمام مسائل کا جواب دیا، جواب سُن کر باپ نے اس سے کہا کہ تمھیں اس چلہ سے کوئی فائدہ نہیں ہوا، جاؤ ایک اور چلہ کرو۔ لڑکا دوسری بار چلہ کر کے جب باپ کے پاس آیا، تو اس نے چند ایک مسائل اس سے پوچھا، لڑکے نے اب کی بار جواب میں جگہ جگہ غلطی کی۔ باپ نے حکم دیا کہ ایک بار اور چلہ کشی کرو، جب لڑکا تیسری بار چلہ ختم کر کے اپنے باپ کے پاس آیا تو اس نے چند مسائل پوچھے، لیکن لڑکا اس قدر مشغول حق ہو گیا تھا کہ اس سے کوئی جواب بن نہ پڑا۔[۳] شیخ نظام الدین اولیا، کہتے ہیں کہ اگر کام ہے تو صرف مشغولیِ حق، باقی سب چیزیں اس دولت کی مانع ہیں۔ اگر میں کبھی ان کتابوں کا جو میں نے پڑھی ہیں، مطالعہ کرتا ہوں، تو مجھ پہ ایک وحشت طاری ہوتی ہے اور میں اپنے دل میں سوچتا ہوں کہ کہاں آپڑا۔[۴]

صوفیہ کی اس علم بے زاری کا نتیجہ یہ ہوا کہ انھیں علم سے کبھی مناسبت پیدا نہ ہو سکی۔

علوم اسلامیہ میں علمِ حدیث کو سب سے اہم مقام حاصل ہے دوسرے علوم کی بہ نسبت اس میں صلاح و تقویٰ کے ساتھ ساتھ قوتِ حافظہ، دِقّتِ نظر، کثیر مطالعہ اور تفتیشِ رجال کے لیے سخت جاں فشانی

---

[۱] Studies in Islamic Mysticism P. 21

[۲] فوائد الفواد ص ۹۱

[۳] فوائد الفواد ص ۸۰

[۴] فوائد الفواد ص ۹۱

کی ضرورت ہوتی ہے اور صوفیہ کے پاس ان چیزوں کے لیے وقت نہیں ہوتا ہے اور غالباً یہ ان کے بس کا کام بھی نہیں تھا۔ چنانچہ علومِ اسلامیہ کا یہ شعبہ جس کی واقفیت سے کوئی عالم بے نیاز نہیں رہ سکتا، صوفیہ کی عدم توجہی اور لاپروائی کا شکار ہوا۔ نتیجۃً وہ احادیث کے وسیع ذخیرہ میں غلط اور صحیح روایات میں تمیز نہ کرسکے اور یوں ان کی کتابوں، ملفوظات اور مکتوبات میں بہ کثرت ضعیف اور موضوع احادیث راہ پاگئیں۔ چنانچہ صوفیہ کی کتابوں میں بہ کثرت ایسی احادیث اور روایات ملتی ہیں، جو نہ صرف رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے غلط طور پر منسوب ہیں، بلکہ بعض اوقات کہیں کہیں قرآن مجید اور سنتِ ثابتہ سے بھی متناقض نظر آتی ہیں۔

اہلِ تصوف کی طرف سے بیشتر بے احتیاطی اسناد میں برتی گئی ہے۔ اسناد کو فنِ حدیث میں بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ حضرت محمد ابن سیرین کا قول ہے: "حدیث دین ہے، اس لیے دیکھ لو کہ دین کس سے حاصل کر رہے ہو"[1] حضرت عبد اللہ بن مبارک کا کہنا ہے: "اگر اسناد نہ ہوں تو ہر شخص اپنی من چاہی بات کہہ دے"[2] اسناد سے بے احتیاطی برتنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ صوفیہ اور زہاد کو محدثین نے ناقابلِ اعتماد قرار دیا۔ مشہور محدث یحییٰ ابن سعید اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہتے ہیں: "تم حدیث کے معاملہ میں اہلِ خیر (زہاد) کو سب سے زیادہ جھوٹا پاؤ گے"[3] اور امام مسلم کی رائے ہے کہ ان کی زبانوں پر جھوٹ بلا ارادہ سرزد ہو جاتا ہے[4] ابتدائی دور کے نامور زہاد کو بھی حدیث میں ناقابلِ اعتماد کہا گیا۔ حضرت حسن بصری کو روایتِ حدیث میں ذہبی نے "کثیر التدلیس" کہا ہے[5]۔ حضرت علیؓ کے

---

[1] صحیح مسلم بشرح نووی ۱: ۸۴، خطیب بغدادی۔ الکفایہ فی علم الروایہ، حیدرآباد دکن ۱۳۵۷ھ ص ۱۲۱

[2] صحیح مسلم ۱: ۸۷، مزید اقوال کے لیے دیکھیے الکفایہ ص ۱۲۱ تا ۱۲۴

[3] صحیح مسلم ۱: ۹۴

[4] صحیح مسلم ۱: ۹۵

[5] میزان الاعتدال ۱: ۵۲۷۔ تدلیس کو محدثین نے حقیر نگاہوں سے دیکھا ہے۔ شعبہ بن الحجاج کہتے ہیں: التدلیس فی الحدیث اشد من الزنا ولأن اسقط من السماء احب الیّ من ان ادلس (الکفایہ ص ۳۵۶) ابواسامہ کا قول ہے: خرب اللہ بیوت المدلسین ماھم عندی الا کذابون (الکفایہ ص ۳۵۶) (بقیہ حاشیہ بر صفحہ دیگر)

شاگرد حضرت کمیل ابن زیاد جو بعض صوفیہ کے نزدیک علمِ باطن اور خرقۂ ولایت کی اہم کڑی ہیں، کو محدثین نے منکر الحدیث قرار دیا ہے۔[1] حضرت حسن بصری کے شاگرد فرقد سبخی کے متعلق محدث ایوب[2] (٦٦ - ١٣١ھ / ٦٨٥ - ٧٤٨ء) نے صاف صاف کہا ہے کہ فرقد صاحبِ حدیث نہیں ہیں۔[3] امام بخاری کے نزدیک ان کی احادیث میں منکر روایات ہیں۔[4] امام نسائی[5] (٢١٥ - ٣٠٣ھ / ٨٣٠ - ٩١٥ء) کے نزدیک وہ ضعیف ہیں۔[6] ابن حبان کہتے ہیں کہ ان میں غفلت اور حافظہ کی کمزوری تھی۔[7] حضرت حسن بصری کے دوسرے اور سب سے بڑے شاگرد عبدالواحد بن زید کو امام بخاری نے متروک الحدیث کہا ہے۔[8] امام نسائی کی بھی ان کے

(حاشیہ گزشتہ سے پیوستہ)

ابن مبارک کا کہنا ہے : لأن نخر من السماء احب الی من ان ادلس حدیثاً۔ (الکفایہ ص ٣٥٦)۔ تاہم حضرت حسن بصری کی طرف سے بعض محدثین نے دفاع بھی کیا ہے۔

۱ میزان الاعتدال ٣ : ٥١٤

۲ تابعی، زاہد اور حافظ حدیث تھے بصرہ ان کا وطن ہے : الاعلام ١ : ٣٨٢، حلیۃ الاولیاء ٣ : ٣

۳ صحیح مسلم ١ : ١٢٢، الانساب ٧ : ٥٦ دکان فیہ غفلۃ ورداءۃ حفظ۔

۴ امام بخاری۔ کتاب الضعفاء الصغیر، تحقیق محمود ابراہیم زاید، دارالوعی بحلب، الطبعۃ الاولیٰ ١٣٩٦ھ ص ٩٤

۵ شیخ الاسلام قاضی، حافظ فنِ حدیث کے امام، نسا (خراسان) میں پیدا ہوئے بیت المقدس میں وفات پائی۔ آپ کی جامع سنن نسائی صحاح ستہ میں شامل ہے : البدایہ والنہایہ ١١ : ١٢٣، تذکرۃ الحفاظ ٢ : ٢٤١، الاعلام ٢ : ١٦٤

۶ امام نسائی۔ کتاب الضعفاء والمتروکین، تحقیق محمود ابراہیم زاید، دارالوعی بحلب، الطبعۃ الاولیٰ، ١٣٩٦ھ ص ٨٧

۷ ابن حبان۔ کتاب المجروحین، تحقیق محمود ابراہیم زاید، دارالوعی بحلب، الطبعۃ الاولیٰ، ١٣٩٥ھ / ١٩٧٥ء ٢ : ٢٠٥

۸ کتاب الضعفاء الصغیر ص ٧٦

بارے میں یہی رائے ہے[1]۔ امام جلال الدین سیوطی بھی اسی رائے کے قائل ہیں[2]۔ ابن حبان کہتے ہیں: "وہ ان لوگوں میں تھے جن پر عبادت غالب آگئی یہاں تک کہ وہ روایات میں احتیاط سے غافل ہوگئے جس سے ان کی احادیث میں منکر روایات کی کثرت ہوگئی اور حجت کے لائق نہ رہے[3]۔" جوزجانی[4] (م ۲۵۹ھ / ۸۷۳ء) کا کہنا ہے کہ وہ حدیث میں سیئ المذہب ہیں اور معاون صادق میں سے نہیں ہیں[5]۔ مشہور زاہد مالک ابن دینار کو بھی بعض محدثین نے معتبر نہیں مانا ہے[6]۔ ایک اور زاہد عباد بن کثیر[7] (م ۱۵۰ھ / ۷۶۷ء) کے زہد و تقشف کی تعریف میں حضرت عبداللہ بن مبارک ہمیشہ رطب اللسان رہتے تھے مگر حدیث کے بارے میں کہتے تھے کہ ان سے حدیث اخذ نہ کی جائے[8]۔ شعبہ[9] (۸۲-۱۶۰ھ / ۷۰۱-۷۷۶ء) بھی ان کے متعلق کہتے تھے: "یہ عباد بن کثیر ہیں ان سے حدیث کی روایت کرنے میں حذر کرو[10]۔" چنانچہ زہد و تقشف کے باوجود امام بخاری نے انھیں "متروک الحدیث" کہا ہے[11]۔ امام نسائی بھی ان کے متعلق

---

[1] کتاب الضعفاء والمتروکین ص ۶۹

[2] جلال الدین سیوطی۔ کشف الاحوال فی نقد الرجال، المطبع العلوی لکھنؤ سنہ ۱۳۰۳ھ ص ۷۲

[3] کتاب المجروحین ۲: ۱۵۴-۱۵۵

[4] مشہور محدث، جوزجان (خراسان) میں پیدا ہوئے اور دمشق میں وفات پائی۔ "الجرح والتعدیل" اور "الضعفاء" ان کی مشہور تصانیف ہیں: الاعلام ۱: ۷۶

[5] کتاب الضعفاء الصغیر حاشیہ ص ۷۶

[6] میزان الاعتدال ۳: ۴۲۶

[7] بصرہ کے متقشف اور زاہد تھے: تہذیب التہذیب ۵: ۱۰۰-۱۰۲، الکامل فی ضعفاء الرجال ۴: ۱۶۴۰

[8] صحیح مسلم ۱: ۹۴

[9] ابو بسطام شعبہ بن الحجاج الواسطی البصری، اسماء الرجال کے مشہور عالم ہیں: تہذیب التہذیب ۴: ۳۳۸

[10] صحیح مسلم ۱: ۹۴

[11] کتاب الضعفاء الصغیر ص ۷۵

ایسی ہی رائے کا اظہار کرتے ہیں[1]۔ مُلّا طاہر پٹنی انھیں "غفلت کی وجہ سے ضعیف" بتاتے ہیں[2]۔ ثوبان بن ابراہیم المعروف بہ ذوالنون مصری پر وضعِ حدیث کا اتہام ہے[3]۔ شیخ احمد بن عطاء زاہد کو دارقطنی نے متروک الحدیث کہا ہے[4]۔ کہا جاتا ہے کہ یہ لوگوں کو اللہ تعالےٰ کی طرف راغب کرنے کے لیے باطل احادیث کا سہارا لیتے تھے[5]۔ شیخ ابو علی روذباری کو حدیث میں ناقابلِ اعتماد مانا گیا ہے۔ خطیب بغدادی کا بیان ہے کہ انھوں نے ایسی احادیث بیان کی ہیں جن میں فاش غلطیاں پائی جاتی ہیں[6]۔ شیخ ابراہیم خواص کے متعلق ابن طاہر کی رائے ہے کہ ان کے پاس موضوع احادیث ہیں، حاکم نے انھیں متروک الحدیث بتایا ہے[7]۔ شیخ ابو عبدالرحمٰن السلمی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ صوفیہ کے لیے حدیثیں وضع کیا کرتے تھے[8]۔ شیخ ابوبکر وراق کو خطیب نے "بہت ضعیف" لکھا ہے ان کے اندر تساہل تھا[9]۔

یہاں یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے کہ یہ لوگ اہلِ خیر اور صلاح و تقویٰ کے حامل تھے تو حدیث میں کیوں کر ناقابلِ اعتماد قرار پائے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ان حضرات کے زہد و تقشف کا اعتراف خود محدثین کو بھی تھا مگر حدیث میں صرف زہد و تقشف اعتماد کی سند نہیں بن سکتا تھا۔ صالح المری[10] (م ۱۷۶ھ/۷۹۲ء) اس قدر رقیق القلب قاری تھے کہ ان کی قرأت سُن کر بعض لوگ تاب نہ لاکر مر گئے لیکن

---

[1] کتاب الضعفاء والمتروکین ص ۷۵

[2] محمد طاہر پٹنی، تذکرۃ الموضوعات والضعفاء، مرتبہ عبدالکریم سامرودی سنہ ۱۳۴۲ھ، جائے طباعت نامعلوم ص ۲۱۶

[3] تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ عن الاخبار الموضوعۃ ۱ : ۴۳-۴۴

[4] لسان المیزان ۱ : ۲۲۱

[5] لسان المیزان ۱ : ۲۲۱

[6] لسان المیزان ۱ : ۲۲۱-۲۲۲

[7] لسان المیزان ۱ : ۹۹-۱۰۰

[8] تاریخ بغداد ۲ : ۲۴۸، میزان الاعتدال ۳ : ۵۲۳، تلبیس ابلیس ص ۱۶۴

[9] تاریخ بغداد ۳ : ۳۵-۳۶

[10] مشہور واعظ بکائین میں شمار ہوتے ہیں : الطبقات الکبریٰ ۱ : ۴۶، وفیات الاعیان ۲ : ۴۹۴

حدیث میں امام بخاری نے انھیں منکر الحدیث کہا[۱] اور امام مسلم نے بھی انھیں قابلِ اعتبار نہیں سمجھا۔[۲] زہاد اور صالحین کے متعلق محدثین کے رویہ کا اندازہ وکیع[۳] (...... ۱۹۶ھ / ...... ۸۱۱ء) کے ان الفاظ سے ہو سکتا ہے جو انھوں نے ایک صالح شخص وہب بن اسماعیل[۴] (دوسری صدی ہجری) کے بارے میں کہے ہیں:

ذاک رجل صالح وللحدیث رجال۔[۵] — وہ صالح شخص ہیں لیکن حدیث کے اپنے رجال ہیں۔

اکابر صوفیہ کو بھی حدیث میں قابلِ حجت تسلیم نہیں کیا گیا ہے۔ شیخ عبد القادر جیلانی امام غزالی اور شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کے متعلق صاف صاف کہا گیا ہے کہ ان کا تقوی بسر وچشم لیکن حدیث میں ان پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ بعض محدثین کے بارے میں بھی تصریح کی گئی ہے کہ حدیث میں ان سے تساہل واقع ہوا ہے۔ مثلاً محمد بن طاہر مقدسی جو تصوف کے ذوق آشنا تھے۔

صوفیہ کی کتابوں میں جو احادیث ملتی ہیں، ان پر محدثین نے سخت تنقید کی۔ امام غزالی پر محدثین نے ایک الزام یہ بھی لگایا ہے کہ انھوں نے اپنی تصنیفات میں موضوع احادیث کو نقل کیا ہے۔[۶] ان کی شہرہ آفاق کتاب احیاء العلوم تصوف پر لکھی جانے والی کتابوں میں سب سے زیادہ تنقید کا نشانہ بنی۔ علامہ ابن جوزی نے احیاء پر تنقید کرتے ہوئے لکھا ہے:

وجاء ابو حامد الغزالی نصنف کتاب الاحیاء علی طریق القوم — اور ابو حامد غزالی آئے تو صوفیہ کے طریقہ پر کتاب الاحیاء لکھی اور اسے باطل احادیث

---

۱ کتاب الضعفاء الصغیر ص ۵۹

۲ صحیح مسلم ۱ : ۱۱۱

۳ ابو سفیان وکیع بن الجراح الکوفی، فقہ وحدیث کے مشہور امام گزرے ہیں: خلاصۃ تذہیب تھذیب الکمال ص ۴۱۵، تذکرۃ الحفاظ ۱ : ۳۰۶، حلیۃ الاولیاء ۸ : ۳۶۸

۴ وہب بن اسماعیل الاسدی، ایک صالح بزرگ تھے۔ میزان الاعتدال ۴ : ۳۵۰، ابو جعفر محمد بن عمر العقیلی۔ کتاب الضعفاء الکبیر، تحقیق وتوثیق الدکتور عبد المعطی امین قلعجی، دار الکتب العلمیہ بیروت، الطبعۃ الاولیٰ، السفر الرابع ص ۳۲۳

۵ کتاب المجروحین ۱ : ۶۷، الکفایہ ص ۱۶۰

۶ تاج الدین سبکی۔ طبقات الشافعیۃ الکبریٰ، المطبعہ عیسی البابی الحلبی وشرکاہ ۱۳۸۸ھ / ۱۹۶۸ء ۶ : ۲۴۱ - ۲۴۳

وملاه بالاحادیث الباطلة۔[1]	سے بھر دیا۔

امام ابن تیمیہ نے بھی موضوع احادیث کو احیاء کے نقائص میں شمار کیا ہے۔[2] علامہ سبکی نے غزالی کی بے سند احادیث پر ایک مستقل باب باندھا ہے جس کا عنوان ہے:

هذا فصل جمعت فیه جمیع ما وقع	یہ وہ فصل ہے جس میں احیاء کی وہ تمام
فی کتاب الاحیاء من الاحادیث	احادیث جمع کی ہیں، جن کی سند مجھے نہیں
التی لم اجد لها اسناداً۔[3]	ملی۔

یہ باب ایک سو دو صفحات پر محیط ہے۔[4] ایک اندازہ کے مطابق احیاء علوم الدین میں چھ سو ضعیف اور موضوع احادیث ہیں۔[5] امام مازری[6] (م ۵۳۶ھ/۱۱۴۱ء) نے بھی احیاء علوم الدین کی ضعیف اور موضوع احادیث پر اعتراض کیا ہے۔ مثلاً غزالی کے اس بیان پر کہ جب تم ناخن کاٹو تو اس کا آغاز انگشتِ شہادت سے کرو، کیوں کہ یہ تسبیح کی بنا پر دوسری انگلیوں پر فضیلت رکھتی ہے۔ امام مازری اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ ایسی چیزوں کو مستحسن قرار دیتے ہیں جن کی بنیاد ہی بے حقیقت ہے۔[7] ابن الولید طرطوشی[8] (۴۵۱-۵۲۰ھ/۱۰۵۹-۱۱۲۶ء) بھی ایک رسالہ میں امام غزالی کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ انھوں نے اپنی کتاب کو موضوع احادیث سے بھر دیا ہے۔[9] حافظ زین الدین عراقی نے احیاء

---

[1] تلبیس ابلیس ص ۱۶۶، المنتظم ۹ : ۱۶۹ - ۱۷۰، ابن جوزی کے نزدیک اس کی وجہ امام غزالی کا حدیث سے اشتغال نہ رکھنا ہے۔ المنتظم ۹ : ۱۶۹ - ۱۷۰

[2] مجموع فتاویٰ ۱۰ : ۵۵۲ [3] طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ۶ : ۲۸۷

[4] طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ۶ : ۲۸۷ - ۳۸۹

[5] الاخلاق عند الغزالی ص ۸۵، عبد السلام ندوی، حکماءِ اسلام مطبع معارف اعظم گڈھ سنہ ۱۹۵۳ء ۱ : ۴۴۵

[6] ابو عبد اللہ محمد بن علی بن عمر المازری، فقہ مالکی، حدیث اور کلام کے نامور عالم تھے وطن مازر (جزیرہ صقلیہ کا نواحی) قصبہ ہے۔ وفیات الاعیان ۴ : ۲۸۵

[7] زبیدی۔ اتحاف السادۃ المتقین ۱ : ۲۸، الاخلاق عند الغزالی ص ۷۹، طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ۶ : ۲۴۲

[8] ابو بکر محمد بن الولید بن محمد الطرطوشی، اندلس کے مشہور مالکی فقیہ، مصنف اور زاہد ہیں۔ شام میں سکونت اختیار کی اور درس و تدریس کا فریضہ انجام دیا۔ اسکندریہ میں وفات پائی: وفیات الاعیان ۴ : ۲۶۲

[9] طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ۶ : ۲۴۲ - ۲۴۳

کی احادیث کی تخریج کر کے ان کی حیثیت بیان کی ہے، لیکن بہت سی احادیث کے بارے میں انھوں نے بھی " لم اجد لها اسنادًا " کہہ کر خاموشی اختیار کی ہے۔ امام غزالی کے اردو سوانح نگار مولانا شبلی نعمانی نے بھی امام غزالی سے مازری، طرطوشی، ابن جوزی، ابن تیمیہ اور ابن قیم وغیرہم کے اختلافات کا ذکر کیا ہے۔ خود مولانا کو اعتراف ہے کہ امام صاحب کی بعض تصنیفات میں بعض باتیں قابلِ مواخذہ ہیں، مثلاً احادیث کے نقل کرنے میں بے احتیاطی کی ہے سیکڑوں، ہزاروں حدیثیں موضوع اور ضعیف نقل کر دی ہیں، جن کا کتبِ حدیث میں کہیں پتہ نہیں ہے۔ احادیث پر ہی موقوف نہیں، بزرگانِ سلف کے متعلق جو واقعات لکھے ہیں، اکثر دور از کار اور بعید از عقل ہیں اور بجز عوام کے کوئی شخص ان پر یقین نہیں کر سکتا[1] برصغیر کے نامور عالم مولانا اشرف علی تھانوی کے ایک معتقد نے امام غزالی کا یہ بیان پڑھا کہ باوجود سہولت جسمانی کے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو نزع میں اتنی تکلیف جسمانی ہوئی کہ جیسے گرم سیخ تر روئی میں کی جائے

---

[1] تاریخ دعوت وعزیمت کے مصنف مولانا ابوالحسن علی ندوی نے امام غزالی کے ناقدین میں صرف ابن تیمیہ اور ابن جوزی کا ذکر کیا ہے۔ ان کے اختلاف کو بھی ہلکے انداز سے پیش کیا ہے۔ جب کہ امام غزالی کے ناقدین میں بکثرت چوٹی کے علماء موجود ہیں۔ اس لحاظ سے امام غزالی پر اردو میں علمی انداز اور کمال دیانت داری کے ساتھ تنقید کرنے کا سہرا اب بھی مولانا شبلی کے ہی سر جاتا ہے۔ علامہ ابن جوزی کی مخالفت کا ذکر کرتے ہوئے مولانا ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

> " ان نقائص کے باوجود وہ احیاء العلوم کی اہمیت و مقبولیت کے قائل ہیں، اور انھوں نے خود منہاج القاصدین کے نام سے اس کا اختصار کیا ہے، جس میں انھوں نے قابلِ اعتراض چیزوں کو حذف کر دیا ہے۔ لیکن اس خلاصہ میں اصل کتاب کی روح اور اس کی تاثیر باقی نہیں رہی ہے۔"

دیکھیے: سید ابوالحسن علی ندوی۔ تاریخ دعوت وعزیمت، مجلس تحقیقات ونشریات اسلام ندوۃ العلماء لکھنؤ بار دوم ۱۳۸۹ھ/۱۹۶۹ء ۱: ۲۱۹

سوال پیدا ہوتا ہے کیا " اصل کتاب کی روح اور اس کی تاثیر " انھیں قابلِ اعتراض چیزوں ہی میں سرایت کیے ہوئے تھی؟

اور پھر اس کو کھینچا جائے"۔ اور پھر امام غزالی نے لکھا ہے کہ خدا نے ارشاد فرمایا کہ ہم نے تیرے اوپر موت میں آسانی فرمائی۔ معتقد نے اسے پڑھ کر مولانا تھانوی سے اس کی سند دریافت کرتے ہوئے پوچھا کہ امام غزالی جیسا متبحر حدیث اس روایت کو کیوں اپنی کتاب احیاء میں لے آیا ہے؟ مولانا تھانوی نے جواب میں لکھا کہ امام غزالی نے جتنی روایات شدتِ موت کے متعلق لکھی ہیں میں نے ان کو احتیاطاً نکال کر دیکھا۔ بعض کی تو سند ہی نہیں، اور بلا سند حدیث حجت نہیں، پس ان کی دلالت تو کالعدم ہے۔ بعض کی سند ضعیف ہے جو کہ ثبوتِ مطلوب کے لیے کافی نہیں تخریجِ عراقی ملاحظہ کی جائے۔ اس سوال کے جواب میں کہ اس کی سند کیا ہے؟ مولانا نے جواب دیا: کچھ سند نہیں (امام غزالی) متبحر فنِ خاص میں ہیں، حدیث میں نہیں[1]۔ کہا جاتا ہے کہ امام غزالی کو خود اس کا اعتراف تھا کہ وہ حدیث میں کمزور ہیں اور اپنی اس کم مائگی کا اقرار انھوں نے اپنی کتاب "التاویل" میں برملا کیا ہے[2]۔ تاہم امام غزالی کے شوقِ علم کی داد دینی پڑتی ہے کہ انھوں نے آخر میں اس خامی کو دور کرنے کی امکان بھر کوشش کی۔ ایک مشہور محدث کو اپنے ہاں مہمان رکھ کر صحیح بخاری اور صحیح مسلم کا درس لیا اور اس کی سند حاصل کی[3]۔

احیاء العلوم کی عمارت جن بنیادوں پر تعمیر کی گئی ہے ان میں سب سے اہم تصنیف ابوطالب مکّی کی کتاب "قوت القلوب" ہے۔ اس کے متعلق بھی محدثین کا فیصلہ وہی ہے جو احیاء کے بارے میں ہے۔ خطیب بغدادی لکھتے ہیں کہ محمد بن علی بن عطیہ، ابوطالب المعروف بہ المکّی نے صوفیہ کے طریقہ پر قوت القلوب کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں ناپسند اور مستشنع چیزوں کا ذکر کیا[4]۔ علامہ ابن جوزی نے اس پر تنقید کی اور ان تمام روایات کو جو مختلف ایام و شہور کی نمازوں کے متعلق اس میں موجود

---

[1] مولانا اشرف علی تھانوی۔ امداد الفتاویٰ، کراچی طبع ششم ۱۴۰۹ھ کتاب السلوک ۵ : ۲۰۲

[2] علامہ برہان الدین البقاعی۔ مصرع التصوف، تحقیق و تعلیق عبدالرحمٰن وکیل القاہرہ الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۷۲ھ / ۱۹۵۳ء ص ۲۳

[3] طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ۶ : ۲۱۰، تاریخ دعوت و عزیمت ۱ : ۲۲۶

[4] تاریخِ بغداد ۳ : ۸۹

ہیں، موضوع قرار دیا[۱]۔ امام ابن تیمیہ بھی قوت القلوب کو احادیث و آثار اور تحقیق کے لحاظ سے احیاء العلوم پر فوقیت دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس کے باوجود اس میں ضعیف و موضوع احادیث اور قابلِ تردید چیزوں کی کثرت ہے[۲]۔ ملا علی قاری ایام و شہور کی مختلف نمازوں کے متعلق احادیث کو موضوع بتاتے ہوئے کہتے ہیں کہ قوت القلوب اور احیاء میں ان احادیث کے ذکر سے دھوکا نہ کھایا جائے[۳]۔ علامہ عبدالحی لکھنوی نے بھی ایام و شہور کی نمازوں کے متعلق روایات کو رد کیا ہے اور اس معاملہ میں قوت القلوب اور احیاء العلوم دونوں کو ناقابلِ اعتبار ٹھہرایا ہے[۴]۔ ان روایات کے علاوہ بھی قوت القلوب میں موضوعات ہیں مثلاً تجرد کی فضیلت اور اولاد کی مذمت میں جو احادیث ہیں، علماءِ فن کے نزدیک موضوع ہیں[۵]۔

دنوں اور مہینوں کی نمازوں کے متعلق جو حدیثیں شیخ عبدالقادر جیلانی کی کتاب "غنیۃ الطالبین" میں موجود ہیں، انھیں بھی محدثین نے نشانۂ تنقید بنایا ہے۔ اور قوت القلوب اور احیاء العلوم کے ساتھ ساتھ ہی اس کا ذکر کیا ہے[۶]۔ غنیۃ الطالبین میں تقلیم الاظفار یعنی ناخن کاٹنے سے متعلق جو حدیث ان الفاظ میں ہے:

من قص اظفاره مخالفا لم یر

فی عینیه رمدا۔

علامہ ابن قیم نے اسے "گھڑی ہوئی حدیث میں سے ایک بدترین حدیث" کہہ کر رد کیا ہے[۷]۔ ملا علی قاری

---

[۱] تلبیس ابلیس ص ۱۶۴

[۲] مجموع فتاویٰ ۱۰: ۵۵۱-۵۵۲، ۱۱: ۵۷۸-۵۷۹

[۳] المصنوع فی معرفۃ الحدیث الموضوع ص ۲۵۹-۲۶۰

[۴] عبدالحی لکھنوی۔ الآثار المرفوعۃ، ادارۂ احیاء السنۃ گرجاکھ گوجرانوالہ پاکستان ص ۳۷-۹۳

[۵] الموضوعات الکبیر ص ۱۰۴

[۶] الآثار المرفوعۃ ص ۳۷-۹۳، مجموع فتاویٰ ۱۱: ۵۷۹

[۷] المنار المنیف ص ۱۴۰

نے اسے "بدترین موضوع حدیث" قرار دیا ہے[1]۔ شیخ عبدالقادر جیلانی کے علاوہ ابن قدامہ[2] (۵۴۱-۶۲۰ھ / ۱۱۴۶-۱۲۲۳ء) نے "المغنی" میں اس کا ذکر کیا ہے۔ شیخ عبدالفتاح ابو غدہ دونوں کے متعلق لکھتے ہیں: "یہ دونوں ائمہ فقہ حنبلی اور علم کے پہاڑ ہیں لیکن حدیث علماء حدیث سے اور فقہ علماء فقہ سے اخذ کی جاتی ہے[3]"۔ شیخ ابو عبدالرحمٰن السلمی کی کتابوں کے متعلق بھی علامہ ابن جوزی کی رائے ہے کہ ان میں گھڑی ہوئی احادیث موجود ہیں[4]۔ امام ابن تیمیہ کے بہ قول شیخ موصوف کی کتابوں میں صحیح احادیث اور دینی معاملات میں نفع بخش کلام کے ساتھ ساتھ کمزور آثار اور قابلِ تردید کلام بھی پایا جاتا ہے، جو حدیث سے بے خبر آدمی کے لیے مضرت رساں ہے[5]۔ شاہ عبدالعزیز دہلوی[6] (۱۱۵۹-۱۲۳۹ھ / ۱۷۴۶-۱۸۲۳ء) حسنِ ظن کی بنیاد پر حدیث اخذ کرنے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ عبدالرحمٰن السلمی اور دوسرے صوفیہ چوں کہ حدیث کے مذاق آشنا نہ تھے اس لیے اس علت (یعنی حسنِ ظن کی بنیاد پر ہر ایک سے بلاتحقیق حدیث اخذ کرنا) سے متہم کیے گئے ہیں[7]۔

علماءِ حدیث کا نشانۂ تنقید وہ محدثین بھی بنے ہیں، جنھوں نے تصوف اپنا کر احادیث کے نقل کرنے میں صحیح و غلط کی تمیز اٹھا دی تھی۔ مثلاً شیخ ابو نعیم اصبہانی کی ضخیم کتاب "حلیۃ الاولیاء"، جو اُس وقت نیشاپور میں چار چار سو دینار میں بکتی اور خریدی جاتی تھی[8]، کے متعلق محدثین کی رائے ہے کہ اس میں بہ کثرت موضوع روایات ہیں۔ علامہ ابن جوزی نے اس کتاب پر سخت نقد کیا ہے[9] اور امام ابن تیمیہ نے اس کی

---

[1] الموضوعات الکبیر ص ۱۱۲، المقاصد الحسنہ ص ۴۴

[2] فقہ حنبلی کے مشہور عالم، دمشق میں وفات پائی: الاعلام ۴: ۱۹۱-۱۹۲

[3] المصنوع فی معرفۃ الحدیث الموضوع حاشیہ ۱۹۱

[4] تلبیس ابلیس ص ۱۶۴

[5] مجموع فتاویٰ ۱۱: ۵۷۸

[6] شاہ عبدالعزیز دہلوی ابن شاہ ولی اللہ دہلوی، برصغیر کے نامور عالم، محدث، فقیہ اور مفسر تھے: تاریخ دعوت و عزیمت ۵: ۳۴۶-۳۵۴

[7] شاہ عبدالعزیز دہلوی۔ عجالۂ نافعہ، مطبع نیر اعظم لاہور پاکستان سنہ ۱۳۸۴ھ ص ۳۲

[8] شذرات الذہب ۳: ۲۴۵

[9] تلبیس ابلیس ص ۱۶۵

بعض اسناد کو یہ کہہ کر رد کیا ہے کہ یہ اسانید مظلمہ ہیں جن سے کوئی چیز ثابت نہیں ہوتی۔[1] اس قسم کی کتابوں کے بارے میں امام ابنِ تیمیہ لکھتے ہیں:

وفی مثل ھذہ الکتب احادیث کثیرۃ موضوعۃ لایجوز الاعتماد علیھا فی الشریعۃ باتفاق العلماء۔[2]	اس قسم کی کتابوں میں بہ کثرت موضوع احادیث ہیں۔ بہ اتفاق علماء، شریعت کے معاملہ میں ان پر اعتماد کرنا جائز نہیں ہے۔

تصوف کا مذاق رکھنے والے بعض محدثین نے بھی حلیۃ الاولیاء کے پایۂ استناد کو مشکوک ٹھہرایا ہے مثلاً عبدالحی لکھنوی نے حلیۃ الاولیاء کی اس روایت کو جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عکاشہ کا قصاص طلب کرنے کا بیان ہے، موضوعات میں شمار کیا ہے۔[3] ابدال سے متعلق روایات کو بھی ضعیف یا موضوع بتایا گیا ہے۔[4] شاہ عبدالعزیز دہلوی کے بہ قول ابونعیم کی تصنیفات کا شمار کتبِ احادیث کے طبقۂ چہارم میں ہوتا ہے جس کے متعلق شاہ عبدالعزیز صاحب لکھتے ہیں:

وعلی کل تقدیر ایں احادیث قابلِ اعتماد نیست کہ در اثبات عقیدہ یا عملی با آنہا تمسک کردہ شود۔[5]	اور کسی حال میں یہ احادیث قابلِ اعتماد نہیں ہیں کہ عقیدہ یا عمل میں ان سے تمسک کیا جائے۔

شیخ محمد بن طاہر المقدسی کی کتاب "صفوۃ التصوف" کو بھی محدثین نے موضوع احادیث کی بنا پر ہدفِ تنقید بنایا ہے۔[6]

---

[1] ابن تیمیہ۔ قاعدہ جلیلہ فی التوسل والوسیلہ، المکتب الاسلامی بیروت ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء ص ۸۸

[2] قاعدہ جلیلہ فی التوسل والوسیلہ ص ۸۳

[3] الآثار المرفوعہ ص ۳۰-۳۲

[4] المقاصد الحسنہ ص ۸ ومابعد

[5] عجالۃ النافعۃ ص ۷-۸

[6] تلبیس ابلیس ص ۱۶۵، مجموع فتاوی ۱۱: ۵۷۸، نیز دیکھیے "نقر"

تصوف کی دوسری بنیادی کتابوں کا حال بھی یہی ہے مثلاً "اللمع" صفحہ ۱۶۱ پر دو حدیثیں "لی مع اللہ وقت ..." الخ اور "ما وسعنی ارضی ولا سمائی ..." الخ موضوع ہیں[1]۔ الرسالۃ القشیریہ میں بھی گھڑی ہوئی روایات نقل کی گئی ہیں[2]۔ "التعرف لمذہب اہل التصوف" بھی اس نقص سے خالی نہیں ہے[3]۔ "عوارف المعارف" میں بہ کثرت موضوع احادیث ہیں[4]۔

لیکن ان سب میں بدتر حال بہجۃ الاسرار کا ہے، یہ کتاب حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی اور دیگر مشائخ کی زندگی اور ان کے احوال و آثار پر روشنی ڈالتی ہے۔ اس کے مصنف علی بن یوسف الشطنوفی[5] (۶۴۴-۷۱۳ھ / ۱۲۴۶-۱۳۱۴ء) ہیں جنھیں وضعِ حدیث کا مرتکب کہا گیا ہے[6]۔ امام ذہبی کہتے ہیں کہ اس نے بہجۃ الاسرار میں ایسی چیزیں لائی ہیں کہ دل ان کے باطل ہونے کی گواہی دیتا ہے[7]۔ اسی قسم کی تنقید دوسرے علمائے حدیث نے بھی اس کتاب پر کی ہے[8]۔ ابن رجب حنبلی[9] (۷۳۶-۷۹۵ھ / ۱۳۳۵-۱۳۹۳ء) شیخ عبدالقادر جیلانی کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

---

[1] المصنوع فی معرفۃ الحدیث الموضوع ص ۱۵۱، دونوں احادیث آگے زیر تنقید

[2] الرسالۃ القشیریہ ص ۱۲۴، ۱۳۷، اتقوا بفراسۃ المومن ... الخ موضوع ہے۔ تنقید کے لیے دیکھیے مجموع فتاویٰ ۱۰: ۶۷۸ و ما بعد، ۱۱: ۵۷۷-۵۸۰

[3] التعرف لمذہب اہل التصوف باب ۳۱ میں علمِ باطن والی روایت اور باب ۶۵ میں اتقوا بفراسۃ المومن ... الخ

[4] عوارف المعارف باب ۶: صوف کے متعلق احادیث، باب ۱۳ حدیث ۷، جعنا من الجہاد الاصغر الی الجہاد الاکبر باب ۲۵ سماع والی حدیث باب ۲۶ اربعین سے متعلق احادیث، علماءِ حدیث کے نزدیک موضوع ہیں۔

[5] مصر کے عالم قرأت اور شافعی فقیہ تھے، ان کی کتاب بہجۃ الاسرار ہے۔ ابن جہضم کے نام سے مشہور ہیں۔ اسی نام سے ایک اور عالم ان سے تین سو سال پہلے گزرے ہیں ان کی ایک کتاب کا نام بھی بہجۃ الاسرار ہے۔ یہ دو الگ الگ شخصیتیں ہیں: الاعلام ۵: ۱۱۹، ۱۸۸

[6] لسان المیزان ۴: ۲۳۸ غالباً نام میں اشتباہ ہے۔ الدرر الکامنہ ۳: ۱۴۱

[7] لسان المیزان ۴: ۲۳۸، لقد اتی بمصائب فی کتاب بہجۃ الاسرار ویشہد القلب بطلانہا۔

لسان المیزان ۴: ۲۳۸، الآثار المرفوعہ ص ۵۴

[8] حاشیہ بر صفحۂ دیگر

" لیکن المقری ابوالحسن الشطنوفی المصری نے شیخ عبد القادر کے اخبار و مناقب میں تین مجلات جمع کیے جن میں غلط اور صحیح روایات لکھی ہیں اور انسان کے جھوٹے ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ ہر سُنی سنائی بات بیان کرے۔ میں نے اس کتاب کے بعض حصوں کو دیکھا، میرا دل مجہول لوگوں سے لی گئی ان روایات پر اعتماد کرنے کی اجازت نہیں دیتا اس میں شطح، طامات، دعاوی اور ایسا کلام باطل ہے جس کا شمار نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی شیخ عبد القادر جیلانی کی طرف اسے منسوب کرنا مناسب ہے[1] "

ابن الوردی[2] ($\frac{\text{۶۹۱ - ۷۴۹ھ}}{\text{۱۲۹۱ - ۱۳۴۸ء}}$) کی رائے ہے کہ بہجۃ الاسرار میں ایسی چیزیں ہیں جو صحیح نہیں ہیں۔ اور شیخ عبد القادر جیلانی کی شان میں ایسی مبالغہ آمیز باتیں ہیں جو صرف ربوبیت کے لائق ہیں[3]۔ عبد الرحمن واسطی[4] (م $\frac{\text{۷۴۴ھ}}{\text{۱۳۴۳ء}}$) نے بھی شطنوفی کو کذاب متہم کہا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ اس کتاب سے خود عبد القادر جیلانی کی شخصیت کے خدوخال انجانے لگتے ہیں[5]۔ دائرۂ معارف اسلامیہ کے مقالہ نگار W. BRAUNE لکھتے ہیں:

" شیخ عبد القادر جیلانی پر الشطنوفی کی کتاب بہجۃ الاسرار جیسے دوسرے مصنفوں نے اپنا ماخذ بنایا ہے، ان کی وفات کے سو سال بعد لکھی گئی ہے، اس کا بیان (جسے الذہبی ناقابلِ اعتماد قرار دے کر رد کر چکا ہے) انھیں افضل و اعظم ولی ظاہر کرتا ہے۔ اس کتاب میں جناب شیخ

(حاشیہ گذشتہ سے پیوستہ) حضرت عبد القادر جیلانی رح کی سوانح اور حالات زندگی کے متعلق بہجۃ الاسرار کو اولین ماخذ کی حیثیت حاصل ہے۔ اردو اور فارسی کتابوں کا مواد اسی کتاب سے ماخوذ ہے۔ جس سے شیخ جیلانی رح کے متعلق صدہا بے سروپا باتیں زبان زد خاص و عام ہو گئی ہیں۔

[9] عبد الرحمن بن احمد بن رجب السلامی حافظ حدیث تھے۔ آپ کا مولد بغداد اور منشا و مدفن دمشق ہے: الاعلام ۴: ۶۷

[1] ابن رجب حنبلی۔ طبقات الحنابلہ، دار المعرفۃ بیروت ۱۳۷۲ھ/۱۹۵۲ء ۳: ۲۹۳

[2] عمر بن مظفر المعروف بہ ابن الوردی شاعر، ادیب، مورخ اور منبج کے قاضی، صاحب تتمۃ المختصر کا مدفن حلب ہے: الاعلام ۵: ۲۶۸

[3] الآثار المرفوعہ ص ۵۶

[4] واسط کے شافعی محدث اور "ترياق المحبين" کے مصنف ہیں: کشف الظنون ۱: ۲۱۶، معجم المولفین ۵: ۱۵۲

[5] The Sufi Orders in Islam p.41 (Notes)

کو ولی کامل کے اس تصور کے مطابق جو خود ان کے ذہن میں تھا، پیش نہیں کیا گیا ہے، بلکہ اس کتاب کا پیش کردہ بزرگ ایسا نہیں ہے جو کائناتی تسلیم و رضا کی علامت کا کام دے سکے۔ اور اس جہان اور اگلے جہان کو ترک کر دینے اور دونوں جہانوں میں اللہ کی تقدیر کو قبول کرنے میں اس کے نمونے کی پیروی کی جا سکے۔"[1]

جے۔ اسپنسر۔ ٹرمنگھام لکھتے ہیں:

"Only in 521/1127 when he was over fifty years old, did he suddenly came into prominence as a popular preacher in Bhagdad. From that date his reputation grew but as a Hanbli preacher not as a Sufi. He dressed like an Alim, not as a Sufi".[2]

" ۵۲۱ھ/۱۱۲۷ء جب ان کی عمر پچاس کی تھی وہ بغداد میں ایک ہر دل عزیز مبلغ کی حیثیت سے اچانک نمودار ہوئے اس وقت سے ایک حنبلی مبلغ کی نہ کہ ایک صوفی کی حیثیت سے ان کی شہرت بڑھتی گئی۔ وہ صوفی کا نہیں، عالم کا لباس زیب تن کرتے تھے۔"

تصوف کی چند مشہور کتابوں پر حدیث و رجال اور تاریخ و سیر کے ماہر امام ذہبی کے تأثرات یوں ہیں:

"حافظ سعید بن عمرو البروعی کا بیان ہے کہ میں ابو زرعہ کے پاس تھا کہ ایک سائل نے ان سے حارث محاسبی اور ان کی کتابوں کے بارے میں سوال کیا، تو انھوں نے سائل سے کہا: خبردار! ان کتابوں سے بچو، یہ بدعات اور خرافات ہیں، تمھارے لیے لازم ہے کہ حدیث پکڑ لو، اس میں وہ چیز تم کو ملے گی جو تمھیں بے نیاز کر دے گی"۔ سائل نے کہا کہ

---

[1] اردو دائرۂ معارف اسلامیہ ۱۲ : ۹۲۷

[2] The Sufi Orders in Islam p.42

ان کتابوں میں نصیحتیں ہیں۔ انھوں نے جواب دیا: "جس کے لیے کتاب اللہ میں کوئی نصیحت نہ ہو، اس کے لیے ان کتابوں میں کوئی نصیحت نہیں۔ کیا تمھیں یہ بات پہنچی ہے کہ سفیان، مالک اور اوزاعی نے خطرات و وساوس میں اس قسم کی کتابیں تصنیف کی ہیں۔ لوگ بدعت کی طرف کتنی تیزی سے لپکتے ہیں! حارث کا انتقال ۲۴۳ھ میں ہوا۔ اور حارث کی مثال کہاں اگر محدث ابوزرعہ نے متاخرین کی تصانیف مثلاً ابوطالب مکّی کی قوت القلوب دیکھی ہوتی تو ان کی رائے کیا ہوتی! قوت القلوب کی مثال کہاں اگر انھوں نے ابن جہضم کی بہجۃ الاسرار اور السلمی کی حقائق التفسیر دیکھی ہوتی تو وہ عقل کھو بیٹھتے۔ کیا ہوتا اگر وہ ابوحامد طوسی (غزالی) کی تصنیفات بالخصوص احیاء العلوم دیکھ لیتے جو موضوعات سے بھری ہوئی ہے۔ کیا ہوتا اگر انھوں نے شیخ عبدالقادر جیلانی کی کتاب غنیۃ الطالبین دیکھی ہوتی اور کیا ہوتا اگر وہ فصوص الحکم اور فتوحاتِ مکیہ دیکھ لیتے۔ ہاں جب حارث صوفیہ کے ترجمان تھے تو دوسری طرف ان کے معاصرین میں حدیث کے ہزار ائمہ تھے جن میں امام احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ جیسے سرآمد روزگار علماء تھے۔ جب ابن الدخیسی اور ابن شحانہ جیسے لوگ ائمہ حدیث ہو گئے تو صاحبِ فصوص (ابن عربی) اور ابن سبعین بھی قطب العارفین بن گئے"[1]

برصغیر میں کشف المحجوب، فوائد الفواد، سیر الاولیاء، خیرالمجالس اور فوائد السالکین میں بہت سی موضوع روایات اور بے سروپا باتیں ہیں اور حضرات مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ دہلوی، مولانا اشرف علی تھانوی اور مولانا محمد زکریا کاندھلوی کی بعض تصنیفات میں بھی موضوع روایات ملتی ہیں۔[2]

---

[1] میزان الاعتدال ۱: ۴۳۰ - ۴۳۱

[2] کشف المحجوب میں متعدد موضوع اور ضعیف احادیث موجود ہیں۔ ان میں سے بعض احادیث نقد و جرح کے ساتھ اس کتاب میں نقل کی گئی ہیں۔ فوائد الفواد اور سیر الاولیاء ہندستانی تصوف کے دو چشتی ماخذ ہیں۔ علماء ہند کے نزدیک یہ دونوں کتابیں مستند ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں کتابوں میں جعلی اور من گھڑت روایات موجود ہیں۔ یہی حال خیرالمجالس اور فوائد السالکین کا ہے۔ حضرات مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ دہلوی، مولانا اشرف علی تھانوی اور مولانا محمد زکریا صاحب کی تصنیفات میں موضوع روایات کا ذکر کرنے سے ان کی دینی خدمات سے صرف نظر کرنا مقصود نہیں، محض ایک امر واقعہ کا اظہار ہے۔

صوفیہ نے ان اقوال کو بھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے منسوب کر کے احادیث کی حیثیت سے پیش کیا ہے جو کسی صحابی، تابعی، صوفی یا حکیم کی زبان سے نکلے ہیں، مثلاً :

لا تنظر من قال بل انظر الی ما قال۔ — یہ مت دیکھو کس نے کہا بلکہ یہ دیکھو کیا کہا۔

صوفیہ کے نزدیک حدیث ہے۔ لیکن یہ حضرت علی رضؓ کا قول ہے[1]۔ صوفیہ میں مشہور ہے کہ زندگی ایک خواب ہے، آدمی اس وقت جاگتا ہے جب اس کی روح پرواز کر جاتی ہے۔ اس تصور کا ماخذ جو حدیث بتائی جاتی ہے، وہ حضرت علی رضؓ کا یہ قول ہے : الناس نیام اذا ماتوا انتبھوا

ایک اور قول : البطنة تذھب الفطنة۔

کو بھی حدیث کہا گیا ہے لیکن یہ حضرت عمرو بن العاص، رضؓ (۵۰ ق ھ ۔ ۴۳ھ) کا قول ہے[3]۔ ایک اور حدیث یہ پیش کی جاتی ہے :

لو کشف الغطاء ما ازددت یقیناً۔

حالاں کہ یہ حدیث نہیں ہے بلکہ حضرت علی رضؓ یا بصرہ کے ایک زاہد کا قول ہے[4]۔ کبھی ایسا بھی ہوا کہ کسی صوفی کے مشہور قول کو بھی حدیث کہا گیا مثلاً حضرت ابراہیم بن ادہم کے اس قول کو بھی حدیث کہا جاتا ہے :

کُن ذنباً ولا تکن راساً فان الراس یھلک والذنب یسلم[5]۔

اسی طرح المومن یغبط والمنافق یحسد حضرت فضیل ابن عیاض کا کلام ہے[6]۔ الغنا،

---

[1] الموضوعات الکبیر ص ۸۰

[2] الموضوعات الکبیر ص ۷۶ ، المقاصد الحسنہ ص ۴۴۲

[3] المقاصد الحسنہ ص ۱۴۵ ۔ ۱۴۶ ، الموضوعات الکبیر ص ۲۹

[4] اللمع فی التصوف ص ۱۰۲ ، زاہد تابعی عامر بن عبد قیس کا قول ہے۔

[5] المصنوع فی معرفۃ الحدیث الموضوع ص ۱۴۳

[6] تذکرۃ الموضوعات وقانون الموضوع والضعفاء ص ۱۴

راقیة الزنا بھی فضیل ابن عیاضؒ کا قول ہے[1]۔ ما بعد الطریق ادی الی صدیق ذوالنون مصری کا مقولہ ہے[2]۔ تفکر فی ساعة خیر من عبادة سنة شیخ سری سقطی کا کلام ہے[3]۔ عند ذکر الصالحین تنزل الرحمة سفیان بن عیینہ[4] (۱۰۷-۱۹۸ھ / ۷۲۵-۸۱۴ء) کا قول ہے[5]۔ من اکل طعام اخیہ لیسرہ لم یضرہ شیخ ابو سلیمان دارانی کا قول ہے[6]۔ نصرة اللہ للعبد خیر من نصرته لنفسه حدیث نہیں ہے بلکہ وہیب بن الورد کا قول ہے[7]۔ ضناع العلم فی افخاذ النساء بشر حافی کا کلام ہے[8]۔ حسنات الابرار سیئات المقربین ابو سعید الخراز سے منقول ہے[9]۔ من عرف نفسه فقد عرف ربه یحیی بن معاذ رازی کا قول ہے[10]۔ حب الدنیا راس کل خطیئة حضرت جندب بن عبداللہ البجلی رضؓ[11] (بعد ۶۰ھ / ۶۷۹ء) کا کلام ہے[12]۔

---

[1] المصنوع فی معرفة الحدیث الموضوع ص ۱۲۶-۱۲۷   [2] الموضوعات الکبیر ص ۳۱

[3] تذکرة الموضوعات وقانون الموضوع والضعفاء ص ۱۹۹، الموضوعات الکبیر ص ۶۱

[4] کوفہ کے نامور محدث مکہ میں سکونت اختیار کی اور وہیں انتقال کیا۔ الاعلام ۳ : ۱۵۹، تذکرة الحفاظ ۱ : ۲۴۲

[5] المقاصد الحسنہ ص ۱۹۴، الموضوعات الکبیر ص ۶۷

[6] المقاصد الحسنة ص ۳۹۹، الموضوعات الکبیر ص ۴۹

[7] المقاصد الحسنہ ص ۴۴۶، الموضوعات الکبیر ص ۷۷

[8] المصنوع فی معرفة الحدیث الموضوع ص ۱۲۰، المقاصد الحسنہ ص ۲۹۴، الموضوعات الکبیر ص ۴۶

[9] المصنوع فی معرفة الحدیث الموضوع ص ۹۴، المقاصد الحسنہ ص ۱۸۸، الموضوعات الکبیر ص ۳۶

[10] المقاصد الحسنہ ص ۴۱۹، الموضوعات الکبیر ص ۷۲

[11] حضرت جندب بن عبداللہ البجلی رضؓ صحابی تھے۔ ۴۳ حدیثوں کے راوی ہیں : خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال ص ۶۴

[12] مجموع فتاویٰ ۱۱ : ۱۰۷، الموضوعات الکبیر ص ۳۴

شیاطین الانس تغلب شیاطین الجن مالک ابن دینار کا قول ہے[1]۔ یہ اقوال مختلف کتبِ تصوف میں احادیث کی حیثیت سے منقول ہیں۔ اگرچہ بعض کتابوں میں انھیں اقوال کی شکل ہی میں پیش کیا گیا ہے۔

حدیث کے سلسلہ میں صوفیہ کا دعویٰ ہے کہ انھیں اس کی صحت کا حال کشف اور الہام کے ذریعہ ہوتا ہے۔ علامہ عجلونی نے شیخ محی الدین ابن عربی کی رائے اس طرح نقل کی ہے:

"اکثر ایسا ہوتا ہے کہ حدیث طرقِ روایت کے لحاظ سے صحیح ہوتی ہے لیکن جب اس مکاشف نے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو پتہ چلا کہ وہ غیر صحیح ہے۔ پس اس کا موضوع ہونا معلوم ہوا اور اس پر عمل متروک ہو گیا۔ اگرچہ اہلِ نقل صحتِ طریق کی بنا پر اس پر عمل کرتے ہیں۔ اور اکثر حدیث کے رواۃ میں وضاع کی وجہ سے ضعف طرق ہوتا ہے تو اس پر عمل ترک کیا جاتا ہے لیکن وہ اصل میں صحیح ہوتی ہے کیوں کہ مکاشف اسے (کشف یا خواب میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتا ہے[2]۔"

اسی اصول کی بنا پر شیخ ابن عربی نے "کنت کنزا مخفیا ... الخ کے الفاظ میں مروی روایت کو نقلاً غیر ثابت اور کشفاً صحیح قرار دیا ہے[3]۔ اور شیخ قلندر رکاکوروی نے بھی "من عرف نفسہ فقد عرف ربہ" کو کشفاً صحیح مان کر صرف اسی ایک حدیث پر "التشرف" کے نام سے رسالہ تحریر کیا ہے۔ امام جلال الدین سیوطی نے بھی "القول الاشبہ فی حدیث من عرف نفسہ فقد عرف ربہ"

---

[1] المصنوع فی معرفۃ الحدیث الموضوع ص ۱۱۵، ایک اور قول: "رجعنا من الجہاد الاصغر الی الجہاد الاکبر" کو بھی حدیث کہا گیا ہے لیکن یہ ابراہیم بن عبلہ کا قول ہے حدیث نہیں ہے۔ الموضوعات الکبیر ص ۴۰، مجموع فتاویٰ ۱۱: ۱۹۷-۱۹۸

[2] کشف الخفاء ۱: ۹، فصوص الحکم دیکھیے فص داؤدیہ

[3] الفتوحات المکیہ ۲: ۳۹۹، صوفیہ کے یہاں حدیث کی صحت معلوم کرنے کا ایک تجرباتی طریقہ ہے۔ ایک بزرگ شیخ ابو الربیع کا بیان ہے کہ میں نے کلمہ لا الٰہ الا اللہ کو ستر ہزار بار پڑھا تھا۔ ابھی ان کلمات کا تعین کسی کے نام نہیں کیا تھا کہ ایک روز ایک دعوت میں چند لوگوں کے ساتھ دسترخوان پر بیٹھا۔ (بقیہ حاشیہ بر صفحہ دیگر)

کے نام سے ایک رسالہ لکھا ہے جو "مجموعہ رسائل تسعہ سیوطی" (ص ۲۱ تا ص ۲۴) مطبع لاہور میں شامل ہے۔ بات یہیں آکر نہیں رکتی بعض محدثین بھی تصوف میں آکر اسی رائے کے قائل ہو گئے۔ برصغیر کے محدثین میں شاہ ولی اللہ دہلوی بھی اس کے قائل ہیں۔ چنانچہ مکاشفات کے ذریعہ انھوں نے تقریباً چالیس احادیث روایت کی ہیں، جن میں بعض احادیث علماء حدیث کے نزدیک موضوع اور من گھڑت ہیں اور بعض عقلِ سلیم سے بھی معارض ہیں[1]۔ اس لحاظ سے خواب اور کشف نے مسلمانوں کی فکر پر گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔ چنانچہ شیخ محی الدین ابن عربی نے اپنی کتاب فصوص الحکم کے بارے میں دعویٰ کیا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کتاب کا مواد انھیں خواب میں القا کیا ہے[2]۔ شاہ ولی اللہ دہلوی بھی اپنی بعض کتابوں کے متعلق یہی دعویٰ کرتے ہیں[3]۔ محدثین میں عجلونی کی رائے بھی یہی ہے کہ علماء حدیث کسی روایت کو ظاہری اعتبار سے موضوع کہتے ہیں[4]۔ تاہم محدثین نے اس دعویٰ کو کبھی تسلیم نہیں کیا اور اسے دین و شریعت کے دستور و قواعد میں کوئی اہمیت نہیں دی۔

امام ابن تیمیہ اور علامہ ابن قیم نے صوفیہ کے اس دعویٰ کی مخالفت کی اور ان کے بعد آنے والے علماء

(حاشیہ گزشتہ سے پیوستہ) ان کے ساتھ ایک لڑکا بھی تھا جو صاحبِ کشف تھا۔ جوں ہی اس نے لقمہ اٹھایا تو دفعتہً رو پڑا۔ لوگوں نے پوچھا: بیٹے کیوں روتے ہو؟ اس نے جواب دیا: "میں دوزخ کا مشاہدہ کر رہا ہوں اور اس میں اپنی ماں کو مبتلائے عذاب دیکھ رہا ہوں"۔ میں نے اپنے دل میں کہا: خدایا تو جانتا ہے میں نے ستر ہزار بار کلمہ لا الٰہ الا اللہ پڑھا ہے۔ میں ان کلمات کو اس لڑکے کی ماں کے نام معین کرتا ہوں تاکہ اسے دوزخ سے نجات مل جائے۔ میں نے جب دل ہی دل میں یہ نیت کی تو لڑکا ہنسا اور اس کے چہرے پر بشاشت لوٹ آئی۔ اس کے بعد لڑکے نے کہا کہ میں اپنی ماں کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ عذاب سے نجات پا گئی ہے اللہ تعالیٰ کا شکر ہے۔ لڑکا کھانے میں مشغول ہوا۔ مجھے لڑکے کے اس کشف سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی صحت معلوم ہوئی اور حدیثِ نبوی سے اس لڑکے کے کشف کی صحت کا حال معلوم ہوا۔ لطائفِ اشرفی ۱ : ۲۸۲

[1] الدر الثمین مشمولہ المسلسلات، مکتبہ یحیویہ سہارن پور (یو۔پی) ۱۳۸۵ھ/۱۹۶۵ء

[2] فصوص الحکم، مقدمہ ۱ : ۴۷

[3] دیکھیے الجزء اللطیف مشمولہ انفاس العارفین، فیوض الحرمین، القول الجمیل، ہمعات، وغیرہا

[4] کشف الخفاء ۱ : ۹

حدیث نے بھی اس دعویٰ کی قطعیت کو چیلنج کیا :

امام ابن تیمیہ کا استدلال :

امام ابن تیمیہ نے قرآن اور ان احادیث سے استدلال کیا ہے جن میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو محدث کہا گیا ہے۔ کشف کو معیارِ عمل قرار دینے والوں کی تردید کرتے ہوئے امام موصوف کہتے ہیں کہ جو شخص اس کا قائل ہے کہ عوام میں کسی شخص کی رسول کے ساتھ وہی حیثیت ہو سکتی ہے جو حضرت خضر کی حضرت موسیٰ کے لیے تھی وہ کافر ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ	تم سے پہلے ہم نے کوئی رسول ایسا بھیجا ہے نہ
وَّلَا نَبِيٍّ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ	نبی (جس کے ساتھ یہ معاملہ پیش نہ آیا ہو کہ)
فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي	جب اس نے تمنا کی شیطان اس کی تمنا میں خلل
الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ	انداز ہوا، اس طرح شیطان جو کچھ خلل اندازیاں
وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۔	کرتا ہے اللہ انھیں مٹا دیتا ہے پھر اپنی آیات کو
(الحج : ۵۲)	پختہ کر دیتا ہے اور اللہ علیم و حکیم ہے۔

یہ ضمانت اللہ تعالیٰ نے صرف رسول اور نبی کو دی ہے کہ وہ شیطان سے محفوظ رہیں کیوں کہ انھیں اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانا ہوتا ہے اور اس پیغام کو ٹھیک پہنچانے کے لیے یہ ضمانت ضروری تھی۔ رسول اور نبی کے علاوہ اور کسی انسان کے لیے چاہے وہ اولیاء متقین ہی میں سے کیوں نہ ہو، یہ ضمانت لازمی نہ تھی، کیوں کہ اولیاء متقین کے لیے یہ چیز لازم نہیں ہے کہ ان سے قابلِ مغفرت خطاؤں کا صدور نہ ہو، اور نہ ہی کوئی ایسی شرط ہے جس میں کہا گیا ہو کہ وہ صغیرہ اور کبیرہ گناہ نہیں کر سکتے، بلکہ یہ بھی شرط نہیں کہ ان سے ایسا کفر سرزد نہ ہو جس کے ارتکاب کے بعد توبہ کی جا سکے۔ قرآن میں ارشادِ ربانی ہے :

وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ	جو شخص سچائی لے کر آیا اور جنھوں نے اس کو سچ مانا
بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ لَهُمْ مَّا	وہی عذاب سے بچنے والے ہیں انھیں اپنے رب کے
يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا	یہاں وہ سب کچھ ملے گا جس کی وہ خواہش کریں گے
الْمُحْسِنِيْنَ لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَسْوَاَ	یہ ہے نیکی کرنے والوں کی جزاء، تاکہ جو بدترین اعمال

الَّذِیْ عَمِلُوْا وَیَجْزِیَهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ الَّذِیْ کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ۔[1] (سورۃ الزمر: ۳۳-۳۵)

انھوں نے کیے تھے انھیں اللہ ان کے حساب سے ساقط کردے اور جو بہترین عمل وہ کرتے رہے ان کے لحاظ سے ان کو اجر عطا فرمائے۔

امام ابن تیمیہ کا دوسرا استدلال یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق صحیحین کی روایت ہے :

قد کان فی الامم قبلکم محدّثون فان یکن فی امتی فعمر منھم۔

تم سے پہلے کی امتوں میں محدث ہوا کرتے تھے اگر میری امت میں محدث ہیں تو عمر ان میں سے ایک ہیں۔

نیز ترمذی کی ایک روایت میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

لو لم ابعث فیکم لبعث فیکم عمر۔

اگر میں تم میں مبعوث نہ کیا جاتا تو تم میں عمر پیغمبر بنا کر بھیجے جاتے۔

اسی طرح ایک حدیث میں یہ الفاظ ہیں :

ان اللہ ضرب الحق علی لسان عمر وقلبہ لو کان نبی بعدی لکان عمر۔

اللہ تعالیٰ نے عمر کی زبان اور دل پر حق جاری کیا ہے۔ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ عمر رضؓ کی زبان پر فرشتہ بولتا ہے۔ حضرت ابن عمر رضؓ کا قول ہے کہ حضرت عمر رضؓ جب کسی چیز کے بارے میں کہتے ہیں کہ میں اس کو اس طرح دیکھتا ہوں (میری اس میں یہ رائے ہے) تو وہ ان کی رائے کے مطابق واقع ہو جاتی تھی۔ قیس بن طارق کا کہنا ہے کہ ہم آپس میں ایک دوسرے سے ذکر کرتے تھے کہ عمر رضؓ کی زبان سے فرشتہ کلام کرتا ہے۔ حضرت عمر رضؓ کہا کرتے تھے کہ صالح لوگوں کے قریب رہا کرو اور ان کی باتیں سنو، ان سے سچی باتوں کا صدور ہوتا ہے۔ امام ابن تیمیہ کے بہ قول یہی وہ سچی باتیں یا امورِ صادقہ ہیں، جن کی خبر اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر رضؓ کو دی تھی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اولیاء اللہ کو مخاطبات و مشاہدات کا حصول ہوتا ہے۔ اس امت میں سب سے افضل ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں اور ان کے بعد حضرت عمر۔ صحیحین کی

---

[1] مجموع فتاویٰ ۱۱ : ۶۶-۶۷

روایت میں حضرت عمرؓ کو تعین کے ساتھ محدّث کہا گیا ہے لہٰذا جو بھی اس امت میں محدث ومخاطب ہوگا، حضرت عمر ان سے افضل ہوں گے، لیکن اس کے باوجود وہ اپنی رائے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کرتے تھے۔ ان کی رائے کبھی قرآن سے میل کھاتی تھی جیسا کہ کئی بار ہوا۔ یہ چیز عمرؓ کے فضائل میں شمار ہوتی تھی۔ اور کبھی ان کی رائے قرآن کے مخالف پڑتی تھی جیسا کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر ہوا۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن شرائط پر مشرکینِ مکّہ سے صلح کی تھی وہ حضرت عمرؓ کو پسند نہ تھیں۔ انھوں نے اپنی اس ناپسندیدگی کا اظہار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا بھی اور ان سے سوالات کیے، اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئے اور وہی سوالات دُہرائے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیے تھے۔ انھوں نے ان سوالات کے جو جوابات دیے وہ وہی تھے جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو دیے تھے، حالاں کہ حضرت ابوبکرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب نہیں سُنا تھا۔ یہاں پر حضرت ابوبکرؓ کی رائے حضرت عمرؓ کے مقابلہ میں قرآن وسنّت کے موافق تھی، چنانچہ حضرت عمرؓ نے اپنی رائے سے رجوع کیا۔[1] اسی طرح جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال فرمایا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی وفات سے انکار فرمایا مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ان کا انتقال ہوا ہے تو حضرت عمرؓ نے اپنی رائے سے رجوع کیا۔[2] منکرینِ زکوٰۃ سے جنگ کے سلسلہ میں بھی حضرت عمرؓ کی رائے حضرت ابوبکرؓ سے مختلف تھی لیکن حضرت ابوبکرؓ کی رائے برحق تھی اس لیے حضرت عمرؓ کو اپنی رائے سے رجوع کرنا پڑا۔[3] امام ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ ان نظائر سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر کو حضرت عمر پر تقدم حاصل ہے، لہٰذا صدیق محدث سے بلند مرتبہ رکھتا ہے کیوں کہ "معصوم رسول" سے اخذ کرلیتا ہے اور محدث اپنے دل سے۔ چوں کہ اس کا دِل معصوم نہیں ہوتا اس لیے وہ اس بات کا محتاج ہوتا ہے کہ اپنے دِل کا مواد رسولؐ کے لائے ہوئے پیغام سے ملائے (تاکہ اسے اپنے الہام کی صحت معلوم ہوجائے) اس وجہ سے حضرت عمر فاروقؓ صحابہ سے مشورہ لیتے، مناظرہ کرتے اور بعض امور میں ان کی رائے کی طرف رجوع کرتے تھے۔ دونوں طرف سے قرآن وسنت سے استدلال کیا جاتا اس دوران وہ کبھی ان سے یہ نہیں کہتے تھے کہ

---

[1] الفرقان مشمولہ مجموع فتاویٰ، ۱۱: ۲۰۵-۲۰۶

[2] الفرقان مشمولہ مجموع فتاویٰ ۱۱: ۲۰۶

[3] الفرقان مشمولہ مجموع فتاویٰ ۱۱: ۲۰۶-۲۰۷

"میں محدث ملہم ہوں تمھیں چاہیے کہ میری بات کو مانو اور مجھ سے معارضہ نہ کرو"[1] امام ابن تیمیہ نے اس کے علاوہ بھی دلائل دیے ہیں اور متقدمین صوفیہ کے وہ اقوال نقل کیے ہیں، جن میں انھوں نے قرآن و سنت کی برتری کا اعتراف کیا ہے۔

علامہ ابنِ قیّم نے بھی اس ذوقی اور کشفی علم پر بحث کی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ اس کے دل میں القاء ہونے والے خواطر وہوا جس اسے رسول کے لائے ہوئے پیغام سے بے نیاز کرتے ہیں، وہ سب سے بڑا کافر ہے۔ اگر کوئی یہ خیال کرتا ہے کہ اس کے لیے کبھی یہ چیز کافی ہوتی ہے (یعنی دِل میں القاء ہونے والا مواد) اور کبھی وہ (یعنی رسول کا پیغام) تو اس کا حال بھی وہی ہے، کیوں کہ دل میں القاء ہونے والے مواد میں کوئی نصیحت نہیں ہوتی اور نہ ہی یہ قابلِ توجہ ہے اِلّا یہ کہ وہ رسولوں کی لائی ہوئی چیزوں سے معارض نہ ہو۔ بصورتِ دیگر یعنی معارض ہونے کی صورت میں وہ نفس اور شیطان کی طرف سے القاء ہے۔[2] علامہ ابنِ قیم نے دو دلیلوں سے استدلال کیا ہے:

(۱) حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ سے ایک فتویٰ پوچھا گیا تو انھوں نے جواب دیا:

"میں یہ فتویٰ اپنی رائے سے دے رہا ہوں، اگر درست ہو تو اللہ تعالےٰ کی طرف سے ہے، اگر غلط ہو تو میری اور شیطان کی طرف سے ہے، اللہ اور اس کا رسول اس سے بری ہے۔ بعدازاں صحابہ نے گواہی دی کہ ایک مسئلہ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی فیصلہ دیا تھا، تو انھیں بے حد مسرت ہوئی۔

(۲) حضرت عمر رضؓ کے کاتب نے ایک دفعہ ایک تحریر لکھی: "یہ وہ رائے ہے جو اللہ نے عمر کو سمجھائی"۔ حضرت عمر رضؓ نے فرمایا: نہیں اسے مٹاؤ اور لکھو کہ یہ عمر کی رائے ہے۔ اور حضرت عمر رضؓ نے کہا کہ اے لوگو! میری رائے کو شریعت کا رنگ نہ دو، تم نے مجھے یوم ابوجندل کے موقع پر دیکھا اگر میرا بس چلتا کہ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم پھیر دوں تو میں اس دن اسے پھیر دیتا۔[3]

---

[1] الفرقان مشمولہ مجموع فتاویٰ ۱۱ : ۲۰۷

[2] ابن قیم الجوزیہ عصرہ و منہجہ ص ۴۳۹

[3] ابن قیم الجوزیہ عصرہ و منہجہ ص ۴۳۹ - ۴۴۰

ذوق و وجد سے بحث کرتے ہوئے علامہ ابنِ قیم نے صوفیہ کے حدثنی قلبی عن ربی پر اعتراض کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر عبدالرزاق وغیرہ نہ ہوتے اور "اخبرنا" اور "حدثنا" کے الفاظ نہ ہوتے تو دین دوسرے لوگوں تک نہ پہنچتا جو "اخبرنا" کے علاوہ کسی اور چیز کا قائل ہوا، وہ صوفیانہ خیال، فلسفیانہ قیاس اور نفسانی رائے کا قائل ہوا۔ قرآن اور اخبرنا و حدثنا کے بعد صرف متکلمین کے شبہات، منحرفین کی رائیں، صوفیہ کے خیالات اور فلسفیوں کی قیاس آرائیاں رہ جاتی ہیں۔ ہر وہ راستہ جس کی دلیل قرآن و سنت سے نہ ملے جحیم اور شیطان رجیم کا راستہ ہے[1] علامہ ابنِ قیم نے اعتدال پسند صوفیہ کے ان اقوال کو بھی اپنی تائید میں نقل کیا ہے جن میں انھوں نے قرآن و سنت ہی کو حجت تسلیم کیا ہے اور علم کی برتری ثابت کی ہے۔

علامہ ابنِ قیم کے علاوہ دوسرے محدثین نے بھی کشف کو حجت تسلیم نہیں کیا ہے، بلکہ حدیث میں صرف اہلِ فن کی رائے ہی کو قابلِ اعتبار مانا ہے[2] اور یہی طریقہ درست بھی ہے کیوں کہ حدیث کا موضوع اس قدر اہمیت کا حامل ہے کہ اسے ہر آدمی سے اخذ نہیں کیا جا سکتا۔ امام عبدالرحمٰن ابن مہدی[3] ($\frac{۱۳۵-۱۹۸ھ}{۷۵۲-۸۱۴ء}$) کا قول ہے:

لا یکون الرجل اماماً یقتدی به حتی یمسك عن بعض ما سمع[4]	ایک شخص اس وقت تک قابلِ اقتدا امام نہیں ہو سکتا جب تک وہ سُنی ہوئی باتوں میں سے بعض باتوں کے بیان سے باز نہ رہے۔

اور امام مالک علم حدیث کے اخذ و قبول کے بارے میں کہتے ہیں:

لا یؤخذ العلم من اربعة	یہ علم (علم حدیث) چار قسم کے انسانوں سے اخذ

---

[1] ابن قیم الجوزیہ عصرہ و منہجہ ص ۴۴۱

[2] المصنوع فی معرفۃ الحدیث الموضوع استدراک بر حاشیہ ص ۲۷۳ و حاشیہ ص ۲۱۶-۲۱۷، الآثار المرفوعہ ص ۳

[3] عبدالرحمٰن بن مہدی بن حسان العنبری البصری، بصرہ کے اکابر علمائے حدیث میں سے ہیں: تہذیب التہذیب ۶: ۲۷۹، الاعلام ۴: ۱۱۵

[4] صحیح مسلم ۱: ۶،

ولیوخذ ممن سوی ذالک لایوخذ	نہیں کیا جاتا ان کے سوا سب سے اخذ کیا جاتا
من رجل صاحب ھوی یدعوا	ہے۔ یہ صاحبِ ہوا سے نہیں لیا جائے گا جو لوگوں
الناس الی ھواہ ولا من سفیہ	کو اپنی خواہش کی طرف دعوت دیتا ہے اور
معلن بالسفہ وان کان من	نہ یہ سفیہ سے لیا جائے گا جس کی سفاہت
اروی الناس ولا من رجل	کی شہرت ہو اگرچہ وہ سب سے زیادہ روایت
یکذب فی احادیث للناس و	کرنے والا ہو، اور نہ اسے ایسے آدمی سے لیا
ان کنت لا تتھمہ ان یکذب علی	جائے گا جو لوگوں سے جھوٹ بولتا ہو اگرچہ اس
رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم	پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جھوٹ منسوب
ولا من رجل لہ فضل وصلاح	کرنے کی تہمت نہ ہو، اور نہ اسے ایسے آدمی
وعبادۃ لا یعرف ما یحدث۔[1]	سے اخذ کیا جائے گا جو بزرگ صالح اور عابد ہو
	لیکن یہ نہیں جانتا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔

یعنی حدیث کے بیان کرنے کے لیے جہاں حرص و ہوا سے پاک ہونا، صاحبِ عقل ہونا، راست باز اور صالح و عابد ہونا ضروری ہے، وہیں عقل و تفقہ، قوتِ حافظہ، باریک بینی اور انسانوں کے احوال و کوائف سے واقف ہونا بھی لازمی ہے۔

تصوف پر نقد کے سلسلہ میں علامہ ابن جوزی، امام ابن تیمیہ اور حافظ ذہبی متشدد تسلیم کیے گئے ہیں۔ علماءِ ہند بالخصوص علماءِ تصوف ان سے نالاں ہیں۔ علامہ ابن جوزی نے صوفیہ پر بے لاگ تنقید کی ہے۔ ان کے اس جرأت آمیز احتساب کی بنا پر علماءِ تصوف ان سے شاکی ہیں۔ بعض علماء نے یہ الزام بھی لگایا ہے کہ وہ صرف غیر حنبلی صوفیہ پر تنقید کرتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ علامہ ابن جوزی نے اپنی کتاب "کتاب الموضوعات" میں جن اصولوں کی روشنی میں احادیث کو رد کیا ہے، ان پر خود ان کی بعض تصانیف پوری نہیں اترتیں مثلاً جب "المولد النبی" کے موضوع پر لکھتے ہیں تو ضعیف اور موضوع احادیث بھی بیان کرتے جاتے ہیں لیکن کتاب الموضوعات

---

[1] الکفایہ فی علم الروایہ ص ۱۶۰

اور تلبیس ابلیس میں بہ حیثیت مجموعی انھوں نے مسلمانوں کے تمام طبقوں میں مروج غلط احادیث وروایات اور غیر شرعی افکار واعمال کو ہدفِ تنقید بنایا ہے۔ علماءِ ہند میں ایک اعتدال پسند عالم مولانا ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں :

"ان کی دوسری ناقدانہ تصنیف تلبیس ابلیس ہے، جو ان کی نقاد طبیعت اور سلفی ذوق کا اصلی نمونہ ہے۔ اس کتاب میں انھوں نے اپنے زمانہ کی پوری مسلمان سوسائٹی کا جائزہ لیا ہے۔ اور مسلمانوں کے ہر طبقہ اور ہر جماعت کو سنت وشریعت کے معیار سے دیکھا ہے۔ اور اس کی کمزوریوں، بے اعتدالیوں اور غلط فہمیوں کی نشان دہی کی ہے، اور دکھلایا ہے کہ شیطان نے کس کس طرح سے اس امت کو دھوکا دیا ہے[۱]"۔

آگے چل کر لکھتے ہیں :

"اس کتاب میں اگرچہ کہیں کہیں وہ اپنی تنقید میں حد سے بڑھ گئے ہیں، اور انھوں نے فیصلہ کرنے میں عجلت اور شدت سے کام لیا ہے مگر اس میں شبہ نہیں کہ اس کتاب میں بڑی کارآمد چیزیں، بڑے بیش قیمت اقتباسات اور بہت سی صحیح تنقیدیں ملتی ہیں اور اکثر جگہ ماننا پڑتا ہے کہ ان کی گرفت صحیح اور ان کی تنقید حق بجانب ہے[۲]"۔

لیکن اسی کتاب کی پانچویں جلد میں مولانا کا بیان ہے :

"لیکن (جہاں تک تلبیس ابلیس کا تعلق ہے) یہ تنقید واحتساب زیادہ تر "سلبی" اور منفی انداز کا ہے[۳]"۔

قارئین اس سے خود ہی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ مولانا کیا کہنا چاہتے ہیں۔ جو لوگ علامہ ابن جوزی کے بارے میں کہتے ہیں کہ انھوں نے صرف غیر حنبلی صوفیہ ہی پر تنقید کی ہے، وہ دراصل ان کی کتابوں سے غیر حنبلی مسلمانوں کو بدظن کرنے میں کوشاں ہیں۔ انھوں نے جہاں صوفیہ پر

---

[۱] تاریخ دعوت وعزیمت ۱ : ۲۸۵

[۲] تاریخ دعوت وعزیمت ۱ : ۲۸۶

[۳] تاریخ دعوت وعزیمت ۵ : ۳۲۴

تنقید کی ہے وہاں حنبلی اور غیر حنبلی صوفیہ میں کوئی تفریق نہیں کی ہے۔ مشہور حنبلی صوفی اور عالم حضرت شیخ عبد القادر جیلانی سے ان کا اختلاف اس کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔ حنبلی صوفیہ ہی پر نہیں، خود حضرت امام احمد بن حنبل کی مسند کے متعلق ابن جوزی کہتے ہیں کہ اس میں ۲۹ احادیث موضوع ہیں[1]

علامہ ابن جوزی کے بعد امام ابن تیمیہ بھی متشدد مانے گئے ہیں۔ امام ابن تیمیہ کے بارے میں بلاخوفِ تردید کہا جاسکتا ہے کہ ان کا وجود ہی خدا کی نشانیوں میں سے ایک تھا۔ شیخ عبد الوہاب شعرانی نے صوفیہ پر امام ابن تیمیہ کی تنقید کا ذکر کیا ہے۔[2] صلوٰۃ التسبیح پر ابن تیمیہ کی تنقید پر جرح کرتے ہوئے علامہ عبد الحی فرنگی محلی لکھتے ہیں: "قسم ہے اپنی جان کی مجھ سے امام ابن تیمیہ کے یہ لمبے چوڑے بلند و بانگ دعوے سنے نہیں جاتے"[3] علامہ فرنگی محلی کے بہ قول ان متشددین کے فیصلہ کو ماننے میں عجلت نہیں کرنی چاہیے اور نہ اس کی صحت کا قطعی فیصلہ کرنا چاہیے، جب تک کہ دیگر ائمہ اور کبار ناقدین نے موافقت نہ کی ہو۔ امام ابن تیمیہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کی نگاہ کتب ثقات پر نہیں ہے۔ عوام کو ان سے دور رکھنے کی کوششیں ہر دور میں ہوئی ہیں، اور ان پر ٹھیٹھ لفظ پرست، تنگ نظر اور متعصب ہونے کے الزامات بھی لگائے گئے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ جن علماءِ کرام نے امام ابن تیمیہ سے عوام کو بدظن کرنے کی کوشش کی اور اس میں کسی حد تک کامیاب بھی ہوئے، انھوں نے بدگمانی کو ہوا دے کر اسلام کی کوئی خدمت انجام نہیں دی ہے۔ امام ابن تیمیہ پر تشدد کا الزام اس وقت لگ سکتا ہے جب الزام لگانے والے علماء کے تساہل سے صرف نظر کیا جائے۔

امام ابن تیمیہ پر یہ الزام لگانا کہ وہ اکابر محققین صوفیہ پر متشددانہ تنقید کرتے ہیں، درست نہیں ہے۔

---

[1] حافظ عراقی اور ابن جوزی نے مسند کی ۳۸۔ احادیث کو موضوع کہا ہے۔ ان میں ۹۔ احادیث کو حافظ عراقی نے موضوع کہا ہے۔ اس لیے ابن جوزی کی موضوع قرار دی ہوئی احادیث کی تعداد ۲۹۔ ہوتی ہے۔ دیکھیے محدثین عظام ص ۱۱۷

[2] الیواقیت والجواہر ۱ : ۱۰

[3] الآثار المرفوعہ ص ۳۹

اگر امام ابن تیمیہ کی تنقید کو متشددانہ تنقید کہا جائے تو تمام محدثین اسی ذیل میں آتے ہیں۔ خود امام ابن تیمیہ کے ناقد مولانا عبدالحی فرنگی محلی نے قوت القلوب، احیاء علوم الدین اور غنیۃ الطالبین پر اپنی کتاب الآثار المرفوعہ میں جا بہ جا تنقید کی ہے۔ امام ابن تیمیہ معصوم عن الخطا نہیں تھے اور نہ ان کی بے جا طرف داری کرنی مقصود ہے۔ بس یہ دکھانا مدعا ہے کہ ناقدین ابن تیمیہ کس حد تک دوسروں سے انصاف کر سکتے ہیں؟

امام ابن تیمیہ نے اپنی ساری عمر اسلام کے دفاع میں گزاری اور اپنی خداداد صلاحیتوں کا استعمال کر کے غیر اسلامی افکار پر کاری ضرب لگائی۔ اس کے لیے انھیں مصائب و تکالیف کے ایک طویل دور سے گزرنا پڑا، اور جیل میں اپنی جان جاں آفریں کے سپرد کی۔ ان کی ساری زندگی اسلام دشمنوں اور گمراہ فرقوں کے خلاف جہاد بالسیف اور جہاد بالقلم میں گزری، لیکن اس کے لیے انھیں اسی طرح آزمائشوں اور تکلیفوں سے دوچار ہونا پڑا جس طرح مصلحین اور مجددین دوچار ہوتے ہیں۔ آزمائش وامتحان، کی گھڑیوں سے گزرتے ہوئے انسان یا تو حالات کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیتا ہے، یا اسے اپنی حقانیت پر اس قدر اعتماد ہوتا ہے کہ وہ امتحان کو خاطر میں نہ لا کر اپنی صدا اور بلند کر دیتا ہے۔ یہی دوسرا رویہ امام ابن تیمیہ کا تھا۔ وہ گمراہ فرقوں کے خلاف زیادہ شدت اختیار کرتے گئے۔ اور اس کے ساتھ غلط روایات، بدعات اور جاہلی رسوم نیز موضوع احادیث کی نشان دہی کر کے اسلام کی صحیح تصویر پیش کی۔ بہ ایں ہمہ انھوں نے کبھی انصاف کا دامن ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ ان کا طریقہ یہ تھا کہ وہ کسی بھی غلط نظریہ کو جسے وہ قرآن وحدیث کے خلاف سمجھتے تھے، سختی سے رد کرتے تھے۔ لیکن جہاں کہیں انھیں غلط کار اشخاص یا طبقوں کے یہاں کوئی قابلِ داد چیز نظر آتی تو اس کی داد دیتے مثلاً شیخ محی الدین ابن عربی پر انھوں نے تلخ تنقید کی اور انھیں یہود و نصاریٰ کے کفر سے بھی سخت تر کفر کا مرتکب قرار دیا۔[1] ان کے کلام کو ایسا کفر کہا جس کا باطن ظاہر سے زیادہ قبیح ہے۔[2] یہاں تک بعض اوقات

---

[1] ابن قیم الجوزیہ عصرہ ومنہجہ ص ۴۱۰۔ ۴۱۱ مجموعۃ الرسائل والمسائل لابن تیمیہ ۴ : ۲۵

[2] ابن قیم الجوزیہ عصرہ ومنہجہ ص ۴۰۸ الرد الاقوم علی ما فی کتاب نصوص الحکم لابن تیمیہ تصدیر۔

شیخ اکبر کو "مسیلمہ کذاب سے زیادہ دعویٰ کرنے والا" بتایا۔[۱] بایں ہمہ ان ہی ابن عربی کے بارے میں کہتے ہیں: "لیکن ابن عربی ان سب میں اسلام سے زیادہ قریب ہیں، ان کا بیشتر کلام اچھا ہے کیونکہ وہ ظاہر اور مظاہر میں فرق کرتے ہیں، امر و نہی اور شرائع کا اقرار کرتے ہیں اور اخلاق و عبادات میں مشائخ کے فرمودات کو اختیار کرنے کا حکم دیتے ہیں[۲]"

شیخ محی الدین ابن عربی ہی پر موقوف نہیں، وہ گمراہ فرقوں کے ساتھ تک انصاف کرتے تھے۔ خوارج کو انھوں نے گمراہ فرقہ کہا ہے لیکن انھیں خوارج کے بارے میں یہ الفاظ ان کے قلم سے نکلے ہیں:

لیس فی اھل الھواء اصدق	گمراہ فرقوں میں سب سے سچا اور سب سے
ولا اعبد من الخوارج[۳]	عابد فرقہ خوارج کا ہے۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

لیسوا ممن یتعمدون الکذب	وہ ان لوگوں میں نہیں جو عمداً جھوٹ بولتے
بل ھم معروفون بالصدق	ہیں بلکہ وہ صدق سے معروف ہیں یہاں
حتی یقال ان حدیثھم من	تک کہا جاتا ہے کہ ان کی حدیث سب سے
اصح الحدیث[۴]	صحیح احادیث میں سے ہوتی ہے۔

تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے ذاتی دشمنوں تک کو معاف کیا۔ دشمنوں نے انھیں سخت تکلیفیں پہنچائیں قتل کرنا چاہا لیکن جب بادشاہ نے ان کے کردار و عمل کو دیکھ کر دشمنوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا:

۱۔ ابن قیم الجوزیہ عصرہ و منہجہ ص ۲۴۸ مجموعۃ الرسائل والمسائل ۴: ۶۹

۲۔ ابن قیم الجوزیہ عصرہ و منہجہ ص ۴۱۲ مجموعۃ الرسائل والمسائل ۱۰: ۱۷۶

۳۔ منہاج السنۃ ۱: ۳۹، مصطفیٰ سباعی۔ السنۃ و مکانتھا فی التشریع الاسلامی، مکتبہ دار العروبۃ بالقاہرہ، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۸۰ھ/۱۹۶۱ء ص ۹۸

۴۔ السنۃ و مکانتھا فی التشریع الاسلامی ص ۹۸ بحوالہ منہاج السنۃ

انهم قد آذوك وارادوا قتلك مرارا.

ان لوگوں نے آپ کو تکلیف دی اور کئی بار قتل کرنے کی کوشش کی۔

تو امام ابن تیمیہ نے جواب دیا:

من آذانی فهو حل ومن آذى الله ورسوله فالله ينتقم منه وانا لا انتصر لنفسي[1]

جس نے مجھے تکلیف دی ہے اس پر کوئی داروگیر نہیں اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کو ناراض کیا تو اللہ اس سے انتقام لے گا۔ میں تو اپنا بدلہ نہیں لوں گا۔

اس کے بعد جب تک بادشاہ سے اپنے مخالفین کو معاف نہیں کرالیا تب تک وہاں سے نہیں ہٹے۔ مالکی قاضی زین الدین مخلوف جو امام ابنِ تیمیہ کے سخت دشمن رہے ہیں، نے ان کی اعلیٰ ظرفی کا اعتراف اس طرح کیا ہے:

ما رأينا مثل ابن تيمية حرّضنا عليه، فلم نقدر عليه وقدر علينا فصفح عنا وحاجج عنا[2]

ہم نے ابن تیمیہ جیسا انسان نہیں دیکھا ہم نے انھیں مشتعل کرنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہیں ہوئے جب انھیں ہم پر غلبہ حاصل ہوا تو انھوں نے معاف کیا اور ہماری طرف سے دفاع کیا۔

امام ابن تیمیہ نے کثرت سے صوفیہ کے ان اقوال کو نقل کیا ہے جو انھیں قرآن و سنت کے موافق نظر آئے۔ یہی ان کی وسیع النظری کی دلیل ہے۔ جہاں تک اس الزام کا تعلق ہے کہ ان کی تنقید کا ہدف غیر حنبلی صوفیہ ہوتے ہیں، تو یہ محض افترا ہے۔ انھوں نے خود امام احمد بن حنبل کی مُسند میں ابدال والی حدیث کو منقطع الاسناد کہہ کر رد کیا ہے۔ ابوطالب مکی، امام غزالی کی کتابوں پر تنقید کے ساتھ ساتھ حضرت عبد القادر جیلانی کی کتاب غنیۃ الطالبین کو بھی ہدفِ تنقید بنایا ہے۔ خود امام احمد بن حنبل سے انھوں نے بعض مسائل میں اختلاف کیا۔ معترضین کا

---

[1] البدایہ والنہایہ ۱۴ : ۵۴

[2] البدایہ والنہایہ ۱۴ : ۵۴

یہ کہنا کہ کتبِ احادیث پر ان کی نگاہ وسیع نہیں ہے، اپنی تردید آپ ہے۔ امام ذہبی کا یہ قول ان کے لیے کافی ہے:

کل حدیث لا یعرفہ ابن تیمیہ فلیس بحدیث[1]۔ ہر وہ حدیث جسے ابن تیمیہ نہ جانتے ہوں، حدیث نہیں ہے۔

حافظ ذہبی کو متشدد قرار دینا ان کے فیصلہ کو بغیر کسی دلیل کے نظر انداز کرنا خود فنِ حدیث کے ساتھ ناانصافی ہے۔ حافظ ذہبی معصوم عن الخطا نہیں تھے، لیکن کسی سہو کو بنیاد بنا کر ان کی نیت پر شبہ کرنا مناسب نہیں ہے۔ ان کی کتاب "مناقبِ ابی حنیفہ" خود اُن کی وسیع المشربی کی دلیل ہے۔

رجال کے میدان میں علماء ان کے عیال ہیں جن علماء نے انھیں "محدثِ عصر" اور "خاتم الحفاظ" کے القاب سے یاد کیا ہے، وہ اس عظیم الشان محدث و مورخ کے مقام و مرتبہ سے زیادہ آگاہ تھے۔

صوفیہ اور وضعِ حدیث

صوفیہ کی کتابوں میں منقول موضوع احادیث کو ایک ایک کر کے نقل کرنا اور پھر علماءِ فن کی تنقید کا بیان کتابِ ہٰذا کے دائرہ سے باہر ہے اس لیے صرف چند نکات پہ اکتفا کیا جاتا ہے جو علماءِ فن کی کتابوں سے ماخوذ ہیں:

(۱) ہفتہ کے مختلف روز و شب کی الگ الگ نمازوں کے متعلق جو احادیث قوت القلوب، غنیۃ الطالبین اور احیاء علوم الدین میں منقول ہیں، سب کی سب موضوع ہیں اور ان میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے[2]۔ اس کے علاوہ مختلف راتوں مثلاً ماہ محرم کی پہلی رات، عاشورہ کی رات، رجب کی پہلی، پندرہویں اور ستائیسویں رات، شعبان کی پندرہویں رات، عرفہ کی رات، عیدین کی دو راتوں اور رمضان کی پانچ راتوں کو بابرکت اور مقدس مانا جاتا ہے ان

---

[1] احادیث القصاص ص ۳۸، طبقات الحنابلہ ۲: ۳۹۱

[2] المصنوع فی معرفۃ الحدیث الموضوع ص ۲۵۹، الفوائد المجموعہ ص ۴۷-۵۴

کی خصوصیت کی وجہ سے کتبِ تصوف وسلوک میں مخصوص نمازیں بیان کی گئی ہیں جو ان راتوں میں پڑھی جاتی ہیں۔ لیلۃ الرغائب اور لیلۃ الشعبان کی نمازیں بھی ان میں شامل ہیں لیکن ان تمام نمازوں کے متعلق جو احادیث بیان کی جاتی ہیں وہ سب کی سب موضوع ہیں[1]۔ صوفیہ کی دوسری نمازوں صلوٰۃ الشکر، صلوٰۃ الاستعاذہ، صلوٰۃ الاستخارہ وغیرہ نمازوں کے متعلق جو احادیث منقول ہیں وہ سب کی سب موضوع ہیں[2]۔ حضرت اویس قرنی سے منسوب صلوٰۃ اویس قرنی اور حضرت خضر سے منسوب صلوٰۃ الخضر بھی من گھڑت ہیں[3]۔ نماز مغرب کے بعد بیس رکعات نماز بھی صوفیہ میں مقبول ہے اسے اوابین کہتے ہیں شیخ ناصر البانی کہتے ہیں کہ یہ موضوع ہے کیوں کہ رکعات کا تعین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے[4]۔ ان نمازوں کے علاوہ نماز احزاب، نماز تنویر القبر، صلوٰۃ العاشقین کا ثبوت بھی حدیث و روایات سے نہیں ملتا ہے[5]۔ اس کے علاوہ صوفیہ میں ایک نماز "صلوٰۃ معکوس" کے نام سے مشہور ہے۔ اصل میں یہ یوگیوں کی ایک خاص ورزش ہے۔ اس میں سالک کنویں یا درخت سے الٹا لٹک کر ذکرِ الٰہی کرتا ہے۔ صوفیہ نے اسے صلوٰۃِ معکوس کا نام دیا ہے۔ شیخ یحییٰ منیری سے ایک دفعہ سوال کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلوٰۃِ معکوس کتنی بار ادا کی ہے اور آیا اس کا مقصد درویشانہ ورزش کے طور پر تھا یا اور کوئی مقصد تھا؟ شیخ نے جواب دیا کہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک بار اسے ادا کیا ہے اور مقصد عشقِ الٰہی تھا[6]۔ اسی سنت کی وجہ سے صوفیہ اس کی

---

[1] مجموع فتاویٰ ۱۱: ۵۷۸-۵۵۹، الفوائد المجموعہ ص ۴۷-۵۴

[2] الآثار المرفوعہ ص ۴۰ و ما بعد، الفوائد المجموعہ ص ۴۵ و ما بعد اور بھی دوسری نمازوں کا ذکر ہے۔

[3] الآثار المرفوعہ ص ۴۰ و ما بعد، ان نمازوں کے علاوہ بھی صوفیہ کی دوسری نمازوں سے متعلق روایات پر تنقید ہے۔

[4] سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ والموضوعہ ۱: ۴۸۰-۴۸۲

[5] تاریخ دعوت وعزیمت ۴: ۲۴۴

[6] دیکھیے پروفیسر اقتدار حسین فاروقی کا مقالہ "فردوسی سلسلہ اور شیخ شرف الدین" مجلہ سہ ماہی تحقیقات اسلامی ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی علی گڈھ اپریل۔ جون ۱۹۸۷ء ص ۴۱ بحوالہ خوان پر نعمت مترجمہ پال جیکس دہلی۔

ادائگی کو روا رکھتے ہیں۔ حضرت ابو سعید ابو الخیر اسے صلوٰۃ مصطفیٰ کا نام دے کر اسے ادا کرتے تھے ان کا کہنا تھا کہ انھیں جو کچھ بھی فیض ملا ہے اسی نماز کی بدولت ملا ہے[۱]۔ شیخ نظام الدین اولیا، اس کی ادائگی کو ضروری تصور نہیں کرتے تھے کیوں کہ ان کے نزدیک یہ سنت سے ثابت نہیں تھی[۲]۔ اس نماز کی بھی کوئی اصلیت نہیں ہے۔ ان نمازوں کے علاوہ بھی صوفیہ کے یہاں کئی طرح کی نمازیں مروج ہیں جن کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہے[۳]۔

ایام و شہور کی تمام نمازوں کو موضوع قرار دیتے ہوئے امام ابن تیمیہ صرف "صلوٰۃ التسبیح" کی حدیث کو بہتر مانتے ہیں[۴]۔ اسے ابو داؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے۔ لیکن ائمہ اربعہ میں کوئی اسے تسلیم نہیں کرتا۔ امام احمد بن حنبل نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے اور اسے بہ نگاہِ استحباب نہیں دیکھا ہے[۵]۔

رجب کے مہینہ کو ادبِ تصوف میں خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ اس مہینہ میں صوفیہ کے

۱؎ سیر الاولیاء ص ۸۰، میر خورد نے چشتی سلسلہ کے ایک بزرگ خواجہ ابو محمد کو مجاہدہ کے انتہائی درجہ پر فائز بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ اپنے مکان کے ایک گہرے کنویں میں الٹے لٹک کر عبادت میں مشغول رہتے تھے دیکھیے: تصوف ایک تجزیاتی مطالعہ ص ۴۷۔ شیخ عبد الحق کہتے ہیں کہ اوچہ کی ایک مسجد کے کنویں میں شیخ فرید الدین گنج شکر نے چلۂ معکوس کھینچا تھا۔ دیکھیے: اخبار الاخیار ص ۵۹، تصوف ایک تجزیاتی مطالعہ ص ۴۷۔ میر خورد کے بہ قول شیخ فرید الدین گنج شکر کو چلۂ معکوس کا حکم ان کے مرشد خواجہ بختیار کاکی نے دیا تھا۔ سیر الاولیاء ص ۷۸-۷۹، تصوف ایک تجزیاتی مطالعہ ص حاشیہ ۴۷۔ شیخ عبد الحق ردولوی کے مرید ہندو لوگوں سے متاثر تھے اور وہ خود اور ان کے مریدین مہینوں زمین میں دفن رہ کر پاسِ انفاس کا عمل کرتے تھے اور اسے صلوٰۃ معکوس کا نام دیتے تھے۔ دیکھیے: ڈاکٹر اقتدار حسین صدیقی۔ "اردو میں تاریخ نگاری" مجلہ سہ ماہی تحقیقات اسلامی جولائی۔ ستمبر ۱۹۸۶ء ص ۵۷

۲؎ "فردوسی سلسلہ اور شیخ شرف الدین" تحقیقات اسلامی اپریل۔ جون ۱۹۸۷ء ص ۴۲

۳؎ الآثار المرفوعہ، نصف آخر، الفوائد المجموعہ ص ۵۴ و مابعد

۴؎ مجموع فتاویٰ ۱۱: ۵۷۹ واجود مایروی من ھذہ الصلوٰۃ صلوٰۃ التسبیح۔

۵؎ مجموع فتاویٰ ۱۱: ۵۷۹، الفوائد المجموعہ ص ۳۸ قال العقیلی لیس فی صلوٰۃ التسبیح حدیث یثبت۔

یہاں روزے کی بھی تاکید آئی ہے۔ لیکن اس کی اصل مشکوک ہے۔ علامہ ابن قیم لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجب کا روزہ نہیں رکھا بلکہ رجب کے روزے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت فرمائی ہے جیسا کہ ابن ماجہ میں آیا ہے[1]

(۲) علمِ باطن کے سلسلہ میں جو روایت صوفیہ میں مشہور ہے اور جس میں بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضؓ کو خاص طور سے کوئی علم عطا فرمایا تھا، من گھڑت ہے۔ حضرت علی رضؓ کے سلسلہ میں جن وصایا کا ذکر آتا ہے، ان کی بھی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ محدثین نے تصریح کی ہے کہ "یا" سے شروع ہونے والی تمام احادیث جو حضرت علی رضؓ سے متعلق ہیں، موضوع ہیں سوائے ایک حدیث کے جو یہ الفاظ مروی ہے: "یا علی انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی[2]۔

حضرت ابوبکر رضؓ اور حضرت حذیفہ بن الیمان رضؓ کو جن احادیث میں علمِ باطن کا حامل قرار دیا گیا ہے وہ بھی موضوع ہیں[3]۔

(۳) فقر کے سلسلہ میں جو احادیث پیش کی جاتی ہیں اور جن میں غنا پر فقر کی برتری ثابت ہوتی ہے موضوع ہیں[4]۔

(۴) اربعین یا چلہ کشی کے متعلق جو احادیث بیان کی جاتی ہیں، وہ بھی من گھڑت اور بے اصل ہیں[5]۔

(۵) علم کے سلسلہ میں "طلب العلم فریضۃ علیٰ کل مسلم ومسلمۃ[6]"، "اطلبوا العلم ولو بالصین[7]"

---

[1] ابن قیم الجوزیہ، زاد المعاد، دار الکتاب العربی بیروت ۱: ۱۶۳-۱۶۴، المنار المنیف ص ۹۷

[2] کشف الخفا ۲: ۱۰۵، المصنوع فی معرفۃ الحدیث الموضوع ص ۲۳۴-۲۳۵-۲۳۶، سفر السعادۃ علیٰ ہامش کشف الغمہ ۲: ۲۴۸

[3] دیکھیے "علم باطن"

[4] دیکھیے "فقر"

[5] الفوائد المجموعہ ص ۲۸۶، تذکرۃ الموضوعات وقانون الموضوع والضعفاء ص ۱۹۱، تنزیہ الشریعہ ۲: ۳۰۵

[6] المقاصد الحسنہ ص ۹۳-۲۷۵-۲۷۶، اللآلی المصنوعہ ص ۱۱۴، الفوائد المجموعہ ص ۲۷۲

[7] المقاصد الحسنہ ص ۹۳

اور "علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل"[1] موضوع ہیں۔ امام احمد بن حنبل کا کہنا ہے کہ علم کے باب میں ہمارے نزدیک کوئی حدیث ثابت نہیں ہے[2]۔ مجد الدین شیرازی بھی اسی رائے کے قائل ہیں[3]۔

(۶) تخلیق، تصوف کا اہم موضوع ہے، کائنات، انسان اور عقل کے متعلق صوفیہ کے تصورات دوسرے مذاہب کے افکار سے ہم آہنگ معلوم ہوتے ہیں، مثلاً عقل بہ معنی "عقل اول" کی تخلیق کے متعلق صوفیہ کے یہاں یہ حدیث پیش کی جاتی ہے:

اول ما خلق اللہ العقل فقال لہ اقبل فاقبل ثم قال لہ ادبر ثم قال اللہ عز وجل وعزتی وجلالی ما خلقت اکرم علیّ منک بک آخذ وبک اعطی وبک اثیب وبک اعاقب۔	اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے عقل کو پیدا کیا پھر اس سے کہا آگے بڑھ پس وہ آگے آئی پھر اس سے کہا پیچھے ہٹ تو وہ پیچھے ہٹ گئی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قسم ہے اپنی عزت وجلال کی، میں نے تم سے زیادہ معزز چیز پیدا نہیں کی۔ تمہاری وجہ سے میں مواخذہ اور بخشش کروں گا اور تم ہی سے میں جزا و سزا دوں گا۔

لیکن یہ حدیث موضوع ہے[4]۔ بعض علما کی رائے ہے کہ عقل کے سلسلہ میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے[5]۔ صوفیہ کے یہاں تخلیق کائنات اللہ تعالیٰ کے ذوق خود نمائی کا نتیجہ ہے اس سلسلہ میں یہ حدیث قدسی نقل کی جاتی ہے:

کنت کنزا مخفیا فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق	میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں اس لیے خلق کو پیدا کیا۔

---

[1] المصنوع فی معرفۃ الحدیث الموضوع ص ۱۲۳

[2] تنزیہ الشریعہ ۱ : ۲۵۸

[3] سفر السعادہ علی ہامش کشف الغمہ ۲ : ۲۴۵ - ۲۴۶

[4] مجموع فتاویٰ ۱۱ : ۲۳۰، المقاصد الحسنہ ص ۱۱۸، الموضوعات الکبیر ص ۵۷، کشف الخفا ۱ : ۲۴۷، المصنوع فی معرفۃ الحدیث الموضوع ص ۶۳، الفوائد المجموعہ ص ۴۷۸، الآثار المرفوعہ ص ۳۵

[5] الموضوعات الکبیر ص ۹۶، المنار المنیف ص ۶۶ - ۶۷، سفر السعادہ علی ہامش کشف الغمہ ۲ : ۲۴۵

لیکن یہ حدیث موضوع ہے۔[۱]

بعض احادیث میں تخلیق کی اصل وجہ "حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی بتائی جاتی ہے مثلاً یہ حدیث:

لولاك لما خلقت الافلاك — یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نہ ہوتے تو میں افلاک (کائنات) کو پیدا نہ کرتا۔

امام صغانی نے اسے موضوع کہا ہے۔[۲] امام عسقلانی بھی اس حدیث کو موضوع کہتے ہیں۔[۳] قاضی شوکانی نے بھی صغانی کی رائے نقل کی ہے۔[۴] مولانا تھانوی کہتے ہیں کہ ظاہراً موضوع معلوم ہوتی ہے۔[۵]

(۷) ایک حدیث میں بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت بھی مقامِ نبوت پر فائز تھے جب حضرت آدم مٹی اور پانی کے درمیان تھے:

كنتُ نبيا و آدم بين الماء والطين۔ — میں اس وقت نبی تھا جب آدم مٹی اور پانی کے درمیان تھے۔

حافظ سخاوی کہتے ہیں کہ ان الفاظ میں مروی ہونے کی مجھے واقفیت نہیں ہے۔[۶] زرکشی[۷] (۷۴۵-۷۹۴ھ / ۱۳۴۴-۱۳۹۲ء) کہتے ہیں کہ ان الفاظ میں اس کی کوئی اصلیت نہیں ہے۔[۸] امام ابن تیمیہ اور صغانی نے اسے موضوع کہا ہے۔[۹] ایک حدیث میں کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے نورِ محمدی کو پیدا کیا۔ حدیث

---

[۱] المقاصد الحسنہ ص ۳۲۷، المصنوع فی معرفۃ الحدیث الموضوع ص ۱۴۱

[۲] الموضوعات الکبیر ص ۵۹

[۳] الآثار المرفوعۃ ص ۳۵

[۴] الفوائد المجموعہ ص ۳۲۶

[۵] امداد الفتاوی، کتب خانہ رحیمیہ دیوبند ۴ : ۱۵

[۶] المقاصد الحسنہ ص ۳۲۷

[۷] محمد بن بہادر بن عبداللہ الزرکشی، شافعی فقیہ، محدث اور ادیب تھے ان کا مولد و منشأ و مدفن مصر ہے۔

[۸] الموضوعات الکبیر ص ۵۴

[۹] الفوائد المجموعہ ص ۳۲۶

کے الفاظ یوں ہیں :

اول ما خلق اللہ نوری۔ اللہ نے سب سے پہلے میرا نور پیدا کیا۔

لیکن یہ حدیث بھی موضوع ہے[1] صوفیہ میں ایک حدیث مشہور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

من رآنی آمن بی۔ جس نے مجھے دیکھا وہ مجھ پر ایمان لایا۔

امام ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ یہ قول درایتاً بھی غلط ہے کیوں کہ کفار مکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمیشہ دیکھتے تھے[2] ایک اور مشہور حدیث یوں بیان کی جاتی ہے :

لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیہ ملک مقرب ولا نبی مرسل۔ میرا اللہ کے ساتھ ایک وقت ایسا ہوتا ہے جب میرے پاس کسی مقرب فرشتہ یا نبی مرسل کے لیے بھی گنجائش نہیں ہوتی۔

مگر یہ حدیث نہیں ہے بلکہ کسی صوفی کا قول ہے[3] حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں مشہور ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنا کر دعا کی، اللہ تعالے نے پوچھا کہ تم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے جانا؟ تو حضرت آدم علیہ السلام نے جواب دیا : میں نے عرش کے پایوں پر "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" لکھا ہوا دیکھا، پس میں جان گیا کہ آپ دنیا کی مخلوق میں سے محبوب ترین شخصیت ہی کا ذکر اپنے نام کے ساتھ کر سکتے ہیں"۔ یہ سن کر اللہ تعالیٰ نے فرمایا : "اے آدم! تم نے سچ کہا، محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو میں آپ کو بھی پیدا نہ کرتا"۔ اس حدیث کو حاکم نیشاپوری نے اپنی مستدرک میں نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ پہلی حدیث ہے جو میں نے عبد الرحمٰن (ایک راوی) سے لے کر اس کتاب میں نقل کی ہے اور یہ صحیح حدیث ہے۔ لیکن محدثین کے نزدیک حاکم کا تساہل مشہور ہے، مجرد ان کی تصحیح محدثین کے یہاں قابلِ قبول نہیں ہے۔ امام ابن تیمیہ نے اس قسم کی روایات کو کھلا

---

[1] الآثار المرفوعہ ص ۳۴-۳۵ [ان الفاظ میں یہ حدیث مروی نہیں ہے۔ الآثار المرفوعہ ص ۳۵]

[2] مجموع فتاویٰ ۱۱ : ۱۱۶

[3] المصنوع فی معرفۃ الحدیث الموضوع ص ۱۵۱

جھوٹ کہا ہے[1]۔ اسے اور بھی کئی اسناد سے نقل کیا جاتا ہے لیکن ان کا حال بھی مذکورہ سند سے مختلف نہیں ہے[2]۔

(۸) تصوف کا اصل مرکز "دل" ہے اس مضغۂ گوشت کی وسعت کا اندازہ ان حدیثوں سے لگایا جاسکتا ہے جو اس سلسلہ میں صوفیہ بیان کرتے ہیں۔ مثلاً:

ما وسعنی سمائی ولا ارضی بل وسعنی قلب عبدی المومن — میں زمین و آسمان میں نہیں سما سکتا لیکن اپنے بندہ مومن کے دل میں سماتا ہوں۔

لیکن یہ اسرائیلیات میں سے ہے[3]۔ ملحدین کی گھڑی ہوئی ہے[4]۔ مجہول الاسناد ہے[5] اور اس کی کوئی بنیاد نہیں ہے[6]۔ ایک اور حدیث "القلب بیت الرب" (قلب رب کا گھر ہے) کے الفاظ سے زبان زد خاص و عام ہے لیکن اس کا حال بھی وہی ہے[7]۔ اس کی کوئی بنیاد نہیں ہے[8]۔

(۹) ابدال، اقطاب، نجباء، نقباء اور رجال الغیب کے بارے میں صوفیہ کے یہاں جتنی احادیث بیان کی جاتی ہیں، سب کی سب من گھڑت ہیں اور حقیقت سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے[9]۔ ابدال سے متعلق جو حدیث مسند امام احمد ابن حنبل میں منقول ہے وہ بھی منقطع الاسناد ہے[10]۔

---

[1] قاعدہ جلیلہ فی التوسل والوسیلہ ص ۸۵

[2] قاعدہ جلیلہ فی التوسل والوسیلہ ص ۸۵

[3] احادیث القصاص ص ۶۸

[4] تذکرۃ الموضوعات وقانون الموضوع والضعفاء ص ۳۰

[5] المصنوع فی معرفۃ الحدیث الموضوع ص ۱۶۴

[6] تذکرۃ الموضوعات وقانون الموضوع والضعفاء ص ۳۰

[7] احادیث القصاص ص ۶۹

[8] المصنوع فی معرفۃ الحدیث الموضوع ص ۱۳۱، ذیل الموضوعات ص ۲۰۳، کشف الخفاء ۲ : ۱۱۵

[9] المنار المنیف ص ۱۳۶، الفوائد المجموعہ ص ۲۴۵ - ۲۴۹

[10] المنار المنیف ص ۱۳۶

(۱۰) حضرت خضر علیہ السلام اور ان کی طویل العمری کے متعلق جو احادیث بیان کی جاتی ہیں ان میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے[۵۱]

(۱۱) تجرد یا ترکِ نکاح کی فضیلت اور اولاد کی مذمت کے باب میں جو احادیث صوفیہ کے یہاں قبول عام حاصل کر چکی ہیں ان کی کوئی اصلیت نہیں ہے[۵۲]

(۱۲) قرآن مجید کی سورتوں کے فضائل میں جو احادیث مذکور ہیں وہ بہ استثنائے چند از اول تا آخر موضوع ہیں۔ عبداللہ بن مبارک کی رائے میں ان احادیث کو زنادقہ نے گھڑ لیا ہے[۵۳]

(۱۳) زیارتِ قبرِ رسول صلے اللہ علیہ وسلم کے لیے جو احادیث بیان کی جاتی ہیں امام ابن تیمیہ کے نزدیک سب کی سب موضوع ہیں[۵۴]

صوفیہ کی کتابوں میں منقول سینکڑوں ہزاروں حدیثوں کے گھڑنے کا الزام صرف صوفیہ کے سر تھوپنا ناانصافی ہے۔ انھوں نے بیشتر حدیثیں دوسری کتابوں سے لی ہیں جن کو یا تو زنادقہ نے وضع کیا ہے یا بعض نادان اور جاہل مسلمانوں نے گھڑ لیا ہے، لیکن خود صوفیہ کو واضعینِ حدیث کی فہرست سے نکالنا بھی سہل پسندی ہے۔ بعض اوقات انھوں نے خود حدیث گھڑنے کا اعتراف کیا ہے۔ حدیث کا ایک طالب علم قرآن کے فضائل کے متعلق ایک حدیث کی اصل دریافت کرنے کے لیے مدائن پہنچا تو وہاں کے راوی نے واسط کے ایک شیخ کا پتہ بتا دیا۔ طالب علم واسط گیا تو وہاں کے راوی نے بتایا کہ میں نے بصرہ میں ایک شخص سے یہ حدیث سُنی ہے۔ بصرہ پہنچا تو وہاں کے راوی نے کہا کہ میں نے یہ حدیث عبادان کے ایک شیخ سے سُنی ہے۔ حدیث کا طالب علم عبادان پہنچا تو شیخ کا پتہ معلوم کر کے ان کے گھر گیا۔ وہاں دیکھا کہ ایک شیخ بیٹھے ہیں اور ان کے گرد صوفیہ حلقہ

---

[۵۱] المنار المنیف ص ۶۷، الموضوعات الکبیر ص ۹۶-۹۷، سفر السعادۃ علیٰ ہامش کشف الغمہ ۲ : ۲۴۵

[۵۲] المنار المنیف ص ۲۷، ۱۰۹، سفر السعادۃ علیٰ ہامش کشف الغمہ ۲ : ۲۶۱-۶۲

[۵۳] المنار المنیف ص ۱۱۳، سفر السعادۃ علیٰ ہامش کشف الغمہ ۲ : ۲۴۶

[۵۴] ابن تیمیہ۔ اقتضاء صراط المستقیم تحقیق محمد حامد الفقی الطبعۃ الثانیہ ۱۳۶۹ھ/۱۹۵۰ء ص ۴۰۱، المصنوع فی معرفۃ الحدیث الموضوع ص ۱۸۴ (ایک حدیث پر تنقید کی ہے)

بنائے ہوئے ہیں۔ جب حدیث کے شائق طالب علم نے شیخ سے اس حدیث کی اصل دریافت کی جس کے لیے اس نے اتنا طویل سفر کیا تھا تو شیخ نے جواب دیا :

لم یحدثنی به احد ولکن رأینا	مجھ سے کسی نے یہ حدیث بیان نہیں کی مگر جب
الناس قد رغبوا عن القرآن	میں نے دیکھا کہ لوگ قرآن کی طرف راغب نہیں
نوضعنا الهم هذ الحدیث	ہیں تو میں نے ان کے لیے یہ حدیث گھڑ لی تاکہ
لیصرفوا قلوبهم الی القرآن[1]	ان کے دل قرآن کی طرف مائل ہوں۔

ایک اور زاہد نوح ابن مریم[2] (م ۱۷۳ھ/۷۸۹ء) نے بھی اعتراف کیا ہے کہ اس نے قرآن کی سورتوں کے فضائل میں حدیثیں وضع کی ہیں۔ ان کا کہنا تھا کہ اس میں میری نیت ٹھیک تھی۔ میں نے جب دیکھا کہ لوگ قرآن سے دور ہٹے ہوئے ہیں تو یہ حدیثیں گھڑ لیں، تاکہ لوگ قرآن کی طرف راغب ہو جائیں[3]۔

وضعِ حدیث کی اس روش کا محرک یہ خیال تھا کہ ترغیب و ترہیب اور زہد میں حدیث گھڑنا جائز ہے۔ یہ خیال ہو سکتا ہے علماءِ حدیث کی اس نرمی سے پیدا ہوا ہو جو انھوں نے فضائلِ اعمال کے متعلق حدیثوں میں برتی۔ جیسا کہ امام احمد بن حنبل کا قول ہے :

اذا روینا عن رسول الله صلی	جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حلال و
الله علیه وسلم فی الحلال و	حرام اور سنن و احکام کے بارے میں احادیث روایت
الحرام والسنن والاحکام تشددنا	کرتے ہیں تو اسانید میں سختی برتتے ہیں اور جب
فی الاسانید واذا روینا عن	فضائلِ اعمال میں کوئی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ
النبی صلی الله علیه وسلم فی	وسلم سے نقل کرتے ہیں جس سے کوئی حکم وضع
فضائل الاعمال لایضع حکما	نہیں کیا جاتا اور نہ کوئی حکم رفع ہوتا ہے تو ہم
ولا یرفعه تساهلنا فی الاسانید[4]	اسانید میں نرمی برتتے ہیں۔

---

۱ فتح المغیث ص ۱۱۰، الاتقان ۲ : ۱۹۹

۲ نوح بن ابی مریم اہلِ مرو کے زاہد اور عالم تھے : میزان الاعتدال ۴ : ۲۷۹ - ۲۸۰

۳ فتح المغیث ص ۱۰۹، عجالہ نافعہ ص ۱۳، میزان الاعتدال ۴ : ۲۷۹ - ۲۸۰

۴ الکفایہ فی علم الروایہ ص ۱۳۴

بعض لوگوں نے بالخصوص زہاد نے ترغیب وترہیب کے باب میں حدیث گھڑنے میں کوئی قباحت محسوس نہیں کی۔ لیکن یہ بہرحال ان کی غلطی تھی۔ علماءِ حدیث نے ان کی اس خطا پر گرفت کی ہے۔

شارح نووی لکھتے ہیں:

واعلم ان تعمد وضع الحديث	اور جان لو کہ ارادۃً حدیث گھڑ لینے کے
حرام باجماع المسلمين الذين يعتد	حرام ہونے پر ان تمام مسلمانوں کا اجماع ہے
بهم في الاجماع وشذت الكرامية	جن پر اجماع کے باب میں اعتبار کیا جاتا ہے۔
الفرقة المبتدعة فجوزت وضعه	صرف ایک بدعتی فرقہ کرامیہ کی رائے الگ ہے۔
في الترغيب والترهيب والزهد	یہ کرامیہ ترغیب وترہیب اور زہد کے باب میں
وقد سلك سلكهم بعض الجهلة	حدیث گھڑ لینا جائز سمجھتے ہیں۔ بعض جاہلوں
المتسمّين بسمة الزهاد ترغيبًا في	نے جو زہاد کے نام سے معروف ہیں اپنے گمانِ باطل
الخير في زعمهم الباطل وهذه	میں "ترغیب فی الخیر" سمجھ کر کرامیہ کا شیوہ اختیار
غباوة ظاهرة وجهالة متناهية	کیا۔ یہ کھلی بے عقلی اور انتہائی جہالت ہے اور
ويكفي في الرد عليهم قول رسول	اس کی تردید کے لیے یہ حدیث کافی ہے "جس نے
الله صلى الله عليه وسلم: "من كذب علىّ متعمدا	عمداً میرے اوپر جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم
فليتبوأ مقعده من النار[1]"	میں بنالے۔"

ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

ان بعض الكرامية وبعض المتصوفة نقل	بعض کرامیہ اور بعض متصوفہ سے نقل کیا گیا
عنهم اباحة الوضع في الترغيب والترهيب	ہے کہ وہ ترغیب وترہیب کے لیے حدیثیں
وهو خطأ من فاعله نشأ عن جهل لان	گھڑنا مباح سمجھتے ہیں یہ واضع کی خطا ہے۔
الترغيب والترهيب من جملة الاحكام	اور یہ جہالت کی وجہ سے صادر ہوتی ہے کیوں کہ

---

[1] صحیح مسلم ۱: ۳۶-۷۰۔

الشرعية. واتفقوا على ان تعمد	ترغیب و ترہیب جملہ احکام شرعیہ میں سے ہیں۔
الكذب على النبي صلی اللہ علیہ	علما کا اتفاق ہے کہ عمداً آں حضرت صلی اللہ علیہ
وسلم وعلى آله وصحبه من الكبائر	وسلم پر جھوٹ باندھنا کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔
وبالغ ابو محمد الجويني فكفر من	علامہ ابو محمد جوینی تو اس حد تک بڑھ گئے کہ آں حضرت
تعمد الكذب على النبي صلے اللہ	صلی اللہ علیہ وسلم پر عمداً جھوٹ باندھنے والے
عليه وسلم واتفقوا على تحريم	کی تکفیر کی۔ اور علما کا اتفاق ہے کہ موضوع
رواية الموضوع[1]	احادیث کی روایت کرنا حرام ہے۔

علمائے حدیث کی تصریح کے مطابق "وضعِ حدیث" حرام ہے چاہے وہ ترغیب و ترہیب کے باب ہی میں کیوں نہ ہو۔ اس لیے واضعین حدیث میں صوفیہ کو بھی شمار کیا گیا۔

ربیعہ بن عبدالرحمن[2] (م ۱۳۶ھ/۷۵۳ء) صوفیہ کے زہد و تقویٰ کا اعتراف کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"ہمارے بھائیوں میں کچھ لوگ ایسے ہیں، جن کی دعاؤں کی برکت کے ہم امیدوار رہتے ہیں۔ لیکن اگر ہمارے سامنے کبھی گواہی دیں تو ہم ان کی گواہی قبول نہیں کریں گے۔"[3]

یحییٰ ابن سعید کہتے ہیں کہ میں نے حدیث میں صالحین کو سب سے سخت فتنہ پایا۔[4] انھیں کا قول ہے کہ میں ایک لاکھ کی امانت داری کے لیے جس آدمی کو صحیح سمجھتا ہوں ایک حدیث کے سلسلہ میں اسے امین نہیں مانتا۔[5] حضرت امام مالک کہتے ہیں کہ میں نے مدینہ میں ستر ایسے مشائخ سے کوئی حدیث نہیں لی جن کو اگر بیت المال سپرد کیا جاتا تو وہ امین ثابت ہوتے۔[6] حدیث کے معاملہ میں علمائے حدیث کا صوفیہ

---

[1] ابن حجر عسقلانی۔ نخبۃ الفکر، مطبع مجیدی کانپور ۱۳۴۴ھ ص ۵۸۔ ۵۹

[2] مدینہ کے مشہور فقیہ و محدث، علم حدیث کے جلیل القدر امام گزرے ہیں: تذکرۃ الحفاظ ۱: ۱۵۷، وفیات الاعیان ۲: ۲۸۸

[3] الکفایہ فی علم الروایہ ص ۱۵۸

[4] الکفایہ فی علم الروایہ ص ۱۵۸

[5] الکفایہ فی علم الروایہ ص ۱۵۸

[6] الکفایہ فی علم الروایہ ص ۱۵۹

کے تئیں ہمیشہ یہی رویہ رہا۔ ابن حبان ضعفاء پر جرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

ومنهم من كبر وغلب عليه الصلاح والعبادة ونفل عن الحفظ والتمييز فاذا حدث رفع الموسل، واسند الموقف وقلب الاسانيد وجعل كلام الحسن عن انس عن النبي صلى الله عليه وسلم وما شبه حتى خرج عن حد الاحتجاج به كابان بن عباس ويزيد الرقاشي وذويهما۔[1]

اور ان میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو بوڑھے ہو گئے اور صلاح وعبادت کا غلبہ ہوا اور حفظ وتمیز کی حد سے آگے بڑھے پس جب حدیث بیان کی تو مرسل روایات کو مرفوع اور موقوف کو مسند بنا دیا۔ اسانید کو پلٹ دیا۔ اور حسن عن انس عن نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اس طرح کی سندیں بیان کرنے لگے یہاں تک کہ ابان بن عباس، یزید رقاشی اور ان جیسے دوسرے شیوخ کی طرح قابلِ حجت ہی نہ رہے۔

حافظ سخاوی کے بہ قول واضعینِ حدیث سے بالعموم نقصان پہنچا ہے لیکن سب سے زیادہ مضرت رساں گروہ وہ ثابت ہوا جو زہد وصلاح کی طرف منسوب تھا۔[2] ملا طاہر پٹنی خلاصہ علم الحدیث کے حوالہ سے لکھتے ہیں :

والواضعون اصناف واعظمهم ضررا قوم منتسبون الى الزهد وضعوا حسبة فيقبل موضوعاتهم ثقة بهم۔[3]

حدیثیں گھڑنے والوں کی کئی قسمیں ہیں اور ان میں وہ لوگ سب سے زیادہ مضرت رساں ہیں جو زہد کی طرف منسوب ہیں۔ ان لوگوں نے ثواب کے لیے حدیثیں گھڑ لیں۔ ان کی گھڑی حدیثوں کو بایں طور قبول عام حاصل ہوا کہ لوگ ان کو ثقہ سمجھتے تھے۔

۱؎ کتاب المجروحین ۱: ۶۷

۲؎ فتح المغیث ص ۱۰۹

۳؎ تذکرۃ الموضوعات وقانون الموضوع والضعفاء ص ۶-۷

شاہ عبدالعزیز دہلوی نے واضعینِ حدیث میں چوتھے نمبر پر صوفیہ کا ذکر کیا ہے[۱]۔

فنِ حدیث میں "جرح وتعدیل" کو بے حد اہمیت حاصل ہے۔ رواۃ کی چھان بین اسی سے کی جاتی ہے۔ لیکن صوفیہ اپنی سادہ لوحی کی بنا پر اسے غیبت سے تعبیر کرتے ہیں۔ ابو محمد عبدالرحمن بن ابی حاتم الرازی[۲] (۱۹۵-۲۷۷ھ / ۸۱۰-۸۹۰ء) ایک دفعہ اپنی کتاب "الجرح والتعدیل" پڑھانے میں مشغول تھے کہ مشہور صوفی یوسف بن حسین ان سے ملنے آئے انھوں نے دیکھا کہ ابو محمد عبدالرحمن بن ابی حاتم الرازی "الجرح والتعدیل" پڑھا رہے ہیں، تو کہا: "یہ وہ لوگ ہیں جو سو یا دو سو سال پہلے جنت میں داخل ہو چکے ہیں اور تم ان کا ذکر کر کے ان کی غیبت کرتے ہو۔" یہ سن کر ابو حاتم رازی رو پڑے[۳]۔ جرح وتعدیل سے بے رخی کا نتیجہ یہ نکلا کہ صوفیہ نے اسناد کی طرف کوئی توجہ نہ دی جس سے حلقۂ تصوف میں ہر قسم کی حدیثوں کا چلن ہوا۔ دوسری طرف محدثینؒ نے ان کی لاپروائی اور غفلت کو پیش نظر رکھ کر اسناد کی جانچ کے دوران اس بات کی طرف خاص طور سے دھیان دینا شروع کیا کہ اسناد میں کوئی راوی صوفی اور زاہد تو نہیں ہے۔ ابن معین تو بہت پہلے ہی کہہ چکے تھے: "ہم ان لوگوں پر کلام کرتے ہیں جو ہم سے دو سو سال پہلے جنت میں خیمے گاڑ چکے ہیں[۴]۔" اور ابن جوزی نے صاف صاف یہ اصول بنا لیا:

اذا وقع فی الاسناد صوفی فاغسل یدیک منہ[۵]	جب اسناد میں کسی صوفی کا نام آئے تو حدیث سے ہاتھ دھو لو۔

۱؎ عجالہ نافعہ ص ۳۲، العلالۃ الناجعہ ترجمہ عجالہ نافعہ قرآن منزل ڈھاکہ (مشرقی پاکستان) [موجودہ بنگلادیش] سنہ ۱۹۶۴ء ص ۷۶

۲؎ محمد بن ادریس المنذر بن داؤد المعروف بہ ابوحاتم الرازی، رے کے حافظ حدیث تھے بغداد میں وفات پائی: الاعلام ۶: ۲۵۰، تاریخ بغداد ۲: ۷۳، تہذیب التہذیب ۹: ۳۱

۳؎ قاعدہ فی الجرح والتعدیل ص ۵۲-۵۳

۴؎ العلالۃ الناجعہ ص ۷۷

۵؎ العلالۃ الناجعہ ص ۷۷

بعد میں محدثین نے یہ دستور بنا لیا کہ صوفیہ کی حدیث کو بغیر تحقیق کے قبول نہ کیا جائے۔ رہا متروک اور موضوع حدیثوں کی روایت کا مسئلہ، تو امام صغانی کہتے ہیں کہ جب معلوم ہو جائے کہ حدیث متروک یا موضوع ہے تو اس کی روایت تو کی جا سکتی ہے، لیکن یہ نہ کہا جائے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے[1]

اسناد کی جانچ اور محدثین کے فیصلے کے علاوہ بھی درایت کے اصولوں کو کام میں لا کر احادیث کی صحت کا حال معلوم ہو سکتا ہے۔ ابن جوزی نے درایت کے اصول اس طرح بتائے ہیں۔
کوئی حدیث اس وقت مسترد ہوتی ہے جب مندرجہ ذیل علل ہوں:

(۱) عقل و فہم سے منافی و معارض ہو۔

(۲) کسی اصولِ مسلّمہ سے معارض ہو۔

(۳) محسوسات و مشاہدات سے معارض ہو۔

(۴) قرآن مجید سے معارض ہو۔

(۵) سنّتِ نبوی سے معارض ہو۔

(۶) حدیثِ متواتر سے معارض ہو۔

(۷) اجماعِ قطعی و یقینی سے معارض ہو۔

(۸) معمولی فروگذاشت پر ابدی اور سخت عذاب کی دھمکی ہو۔

(۹) رکیک المعنی ہو اور اس میں شائبہ لغویت پایا جاتا ہو۔

(۱۰) اسے صرف ایک راوی روایت کرے حالاں کہ اس میں کوئی ایسا قابلِ اعتناء واقع بیان کیا ہو کہ واقع ہونے کی صورت میں بہت سے لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے تھا۔[2]

---

[1] تذکرۃ الموضوعات و قانون الموضوع و الضعفاء ص ۸

[2] اردو دائرۂ معارف اسلامیہ ۷: ۹۷۱ - ۹۷۲، فتح المغیث ص ۱۱۴، عجالۂ نافعہ ص ۲۹۔

اس کے علاوہ ان صورتوں میں بھی روایت کو رد کیا جا سکتا ہے :

(۱) اس میں ایسی فضول باتیں ہوں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے نہیں نکل سکتیں۔

(۲) وہ انبیاء کے کلام سے مشابہت نہ رکھتی ہو۔

(۳) اس میں آئندہ کے واقعات کی بہ قید تاریخ کھلی پیشین گوئیاں بیان کی گئی ہوں کیوں کہ یہ منہاجِ نبوت کے خلاف ہے۔

(۴) اس میں حضرت خضر علیہ السلام کے متعلق باتیں ہوں۔[۱]

ان اصولوں میں سے کسی ایک اصول سے بھی روایت معارض ہو تو وہ محدثین کے نزدیک ناقابلِ اعتماد قرار پاتی ہے۔ لیکن صوفیہ کی بیان کردہ روایات بعض اوقات کئی اصولوں سے ٹکراتی ہیں مثلاً حضرت خضرؑ کی طویل العمری کے متعلق احادیث اور تجرد کی فضیلت میں جو روایات مذکور ہیں قرآن و سنت اجماع اور عقل و فہم سے معارض ہیں۔ یہی حال غیر مسنون نمازوں سے متعلق روایات کا ہے۔ مثال کے طور پر رجب کے پہلے جمعہ کی شب میں جو نماز " لیلۃ الرغایب " کے نام سے پڑھی جاتی ہے اور جو چوتھی صدی ہجری کے بعد رواج پذیر ہوئی، کے متعلق حضرت نظام الدین اولیاء کا ارشاد ہے کہ جو یہ نماز پڑھ لے گا اس سال اس کی موت نہ ہوگی۔[۲] لیکن یہ روایت درایت کے بیشتر اصولوں سے معارض ہے۔

رہی یہ بات کہ ان بزرگوں نے ایسی روایات کو کیوں اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حضرات تنقید و تفتیش سے کام نہیں لیتے تھے اور نہ انھیں اس کی عادت رہی ہے۔ مزید برآں صوفیوں پر عموماً حسنِ ظن کا غلبہ ہوتا ہے، جو سن لیتے یا دیکھ لیتے ہیں اسے باور کرتے ہیں۔ یہ لوگ رواۃ کی جرح و تعدیل کو بھی غیبت سمجھتے ہیں۔ مشہور صوفی شیخ ابو تراب نخشبی نے امام احمد بن حنبل سے کہا کہ علماء کی غیبت نہ کیجیے۔ امام احمد بن حنبل نے جواب دیا: " افسوس ہے تم پر

---

[۱] اردو دائرۂ معارف اسلامیہ ۷ : ۹۷۲، موضوع روایات کی پرکھ کے لیے دیکھیے تفصیلی بحث فتح المغیث ص ۱۰۶ تا ۱۱۵

[۲] فوائد الفواد ص ۲۳

تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ یہ نصیحت ہے غیبت نہیں[۱]"۔ بعض صوفیہ نے حضرت عبداللہ بن مبارک کو رواۃ پر کلام کرتے ہوئے پایا تو کہا کہ آپ غیبت کرتے ہیں۔ انھوں نے جواب دیا: "تم چپ ہی رہو، جب تم اتنا بھی نہیں جانتے کہ جب تک راویوں کے اخلاق و کردار کو ظاہر نہیں کیا جائے گا تو ہم کس طرح حق و باطل میں تمیز کریں گے[۲]"۔ اسی طرح یحییٰ بن سعید القطان سے کہا گیا: کیا آپ کو اس امر کا اندیشہ نہیں ہوتا کہ جن لوگوں کی روایتیں آپ نے ترک کر دی ہیں، کل وہ قیامت کے دن عدالتِ الٰہی میں آپ کے خلاف مدعی بنیں گے۔ انھوں نے جواب دیا: "مجھے ان لوگوں کا مدعی بننا منظور ہے، مگر یہ نہیں چاہتا کہ میرے مدعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنیں اور فرمائیں کہ تو نے میری حدیث سے کذب کا ازالہ کیوں نہیں کیا[۳]"۔

خلاصۂ بحث یہ ہے کہ صوفیہ کو علمِ حدیث میں حجّت کا درجہ حاصل نہیں ہے۔ اس لیے صوفیہ کی کتابوں، ملفوظات و مکتوبات میں منقول احادیث کو اسی وقت قبول کرنا چاہیے جب کبار محدّثین نے انھیں قبول کیا ہو۔ ان لوگوں کے کہنے سے کوئی قول حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ثابت نہیں ہوگا۔ اگر احادیث کو صوفیہ، مورخین، ادباء اور شعراء سے اخذ کیا جائے تو شریعت کا وقار جاتا رہے گا۔ اصول اور قاعدہ یہ ہے کہ ہر فن میں صاحبِ فن ہی حجّت ہوتے ہیں، اور یہی فنِ حدیث کا حال ہے۔

حدیث کے رد و قبول کے باب میں احتیاط یوں بھی ناگزیر ہے کہ شریعت میں اسے مستقل حجّت کی حیثیت حاصل ہے۔ حدیث قرآن کی تفسیر و تشریح ہے۔ شریعت کا سرچشمہ ہے۔ اسی سے حق و باطل میں فرق کیا جاتا ہے، حرام و حلال کے احکامات معلوم ہوتے ہیں۔ حدیث علم و دانش کا خزینہ اور حکمت و دانائی کا گنجینہ ہے، اس سے فصل خصومات میں مدد ملتی ہے، مناقشات طے اور تنازعات حل ہو جاتے ہیں، اس سے مشاجرات کی حقیقت معلوم ہوتی ہے۔

---

[۱] اردو دائرۂ معارف اسلامیہ ۱۶: ۵۷۶

[۲] ترتیب المدارک ۱: ۳۰۹، اردو دائرۂ معارف اسلامیہ ۱۶: ۵۷۶

[۳] اردو دائرۂ معارف اسلامیہ ۱۶: ۵۷۶

غرض حدیث ہر معاملہ میں امّت کی رہنما اور خضر راہ ہے۔ اس سے امّت روحانی، دینی اور اخلاقی رہنمائی پاتی ہے۔ اس کی تشریعی حیثیت خود اللہ تعالٰی نے یہ کہہ کر واضح کی ہے:

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا

اور رسولؐ تم کو جو کچھ دیدیا کریں لے لیا کرو اور جس چیز سے روک دیا کریں رک جایا کرو

(سورۃ الحشر: ۷)

حرفِ آخر

اثنائے تحریر مصنف کو یہ احساس برابر دامنگیر رہا ہے کہ کتاب کی نہج سے قاری کے ذہن پر ایسا منفی تاثر قائم ہونے کا احتمال ہے جس کے زیر اثر وہ کہیں تصوف کو یکسر مسترد کر کے ان جواہر ریزوں سے ہاتھ نہ دھو بیٹھے جو تصوف کے دفتروں میں پنہاں ہیں۔ اس احساس کے پس پردہ یہ حقیقت کارفرما ہے کہ بے اعتدالیوں کے باوجود تصوف مسلم تہذیب وثقافت کا درخشندہ باب ہے اور اس کے بعض حصے قرآن وسنت سے ماخوذ ہیں، تصوف کے ان روشن پہلوؤں کا جو قرآن وسنت سے ہم آہنگ ہیں جائزہ لینے کے لیے ایک مستقل اور جداگانہ کتاب درکار ہے۔ میزان عدل کے توازن کے قیام کے لیے ہم مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر صرف چند پہلوؤں کا ذکر کریں گے۔

قرآن وسنت سے ہم آہنگی:

تصوف اسلام کے جمالی پہلو کا ترجمان ہے اور اس کے ذریعے بعض اوقات اسلام کی شان جمال کا بھرپور ظہور ہوا ہے، اس کا تابناک اور روشن حصہ وہ ہے جو قرآن وسنت سے ماخوذ یا ہم آہنگ ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن میں صادقین، قانتین، مخلصین، محسنین، عابدین، خاشعین، متوکلین، صابرین، اولیاء، ابرار وغیرہ ناموں سے اپنے نیک اور صالح بندوں کا ذکر کیا ہے۔ صدق، اخلاص، احسان، عبادت، خشوع خضوع، فقر، توکل، صبر، شکر چونکہ صوفیا کی صفات ہیں اس لیے یہ کہنا درست ہے کہ صوفیہ معنوی طور پر ان میں شامل ہیں اسی طرح قرآن میں توبہ، انابت، اخلاص، صبر، شکر، رضا، توکل، قرب، خوف، رجاء،

مشاہدہ، یقین وغیرہ کی تعریف آئی ہے، یہی چیزیں تصوف میں احوال یا مقامات کہلاتی ہیں، علاوہ ازیں قرآن میں دنیوی زندگی کو لہو ولعب اور دھوکے کی پونجی کہا گیا ہے، یہ چیز تصوف کی اساس ہے، اور قرآن حکیم میں اخلاق حسنہ پر خاص زور دیا گیا ہے اور یہ سب کو معلوم ہے کہ تصوف حسن اخلاق کا دوسرا نام ہے۔

احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی صدیقین، صالحین اور دوسرے ناموں سے مردان خدا کی تعریف کی گئی ہے، اس کے علاوہ ارشادات نبوی میں صدق، اخلاص، فقر، توکل اور صبر جیسے قلبی اور روحانی اعمال کی تاکید آئی ہے، نیز سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں اخلاق عالیہ کو ممتاز مقام حاصل رہا ہے، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ جس طرح تمام مسلمانوں کے لیے اسوۂ حسنہ ہے اسی طرح صوفیہ کے لیے بھی سرچشمۂ ہدایت ہے اور امر واقعہ یہ ہے کہ ائمۂ تصوف نے اپنے اعمال یا احوال ومقامات کے لیے سنت رسول سے دلیل فراہم کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے، تصوف کی متعدد کتابوں میں صحیحین کی حدیث جبرئیل کو سلوک کی اساس مانا گیا ہے، اس حدیث میں اسلام، ایمان اور احسان کو دلنشیں اور مؤثر انداز میں سمجھایا گیا ہے، حدیث جبرئیل میں احسان کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو، اگر تم اسے نہیں دیکھتے ہو تو کم از کم یہ سمجھ لو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

عبادات میں سے ایمان، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور دوسری عبادات کے متعلق صوفیہ کا نقطۂ نگاہ وہی ہے جو امت کے سواد اعظم کا ہے لیکن صوفیہ کو دوسرے لوگوں پر اس لحاظ سے ایک گونہ برتری حاصل ہے کہ انہوں نے ارکان اسلام اور احکام شریعت کے متعلق بعض ایسے لطیف اشارات اور دقیق نکات بیان کیے ہیں جو نگاہ ظاہر بین کی حدود سے باہر ہیں۔

اخلاق وآداب اور احوال ومقامات کے باب میں صوفیہ نے جو نکتہ آفرینی کی ہے وہ اسلامی نظام اخلاق کا انمول سرمایہ ہے، امراض قلب کی نشاندہی اور ان کے علاج کے لیے صوفیہ نے جو نسخے تجویز کیے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ارباب باطن کتنی

باریک بینی سے انسان کی باطنی بیماریوں کا سراغ لگاتے تھے اور وہ انسانی نفسیات کے کتنے بڑے رازداں تھے۔

عبادات اور ذکر و اذکار پر مداومت کا عمل بھی قرآن وسنت سے ماخوذ ہے خانقاہی زندگی کے لیے ارباب سلوک کی خاطر جو دس آداب مقرر کیے گئے ہیں ان میں سے ہر ادب قرآن کی ایک ایک آیت سے ماخوذ ہے اور ہر ادب کے لیے قرآن کی متعلقہ آیت نقل بھی کی گئی ہے۔

خورد و نوش، رہن سہن اور سفر و حضر کے سلسلے میں صوفیہ کے یہاں خاص آداب کی پابندی کی جاتی ہے، ان آداب کا بہت بڑا حصہ براہ راست قرآن وسنت سے لیا گیا ہے۔

قرآن اور صوفیہ

دوسرے علوم اسلامیہ کی طرح تصوف میں بھی قرآن کو مرجع اول کا مقام حاصل ہے، تصوف کی کتابوں میں ہر بحث کے شروع میں قرآنی آیات سے استدلال کیا گیا ہے، مطالعہ تصوف کے دوران قرآن سے صوفیہ کا کثرت استدلال قاری کے دل کو موہ لیتا ہے، صوفیہ کا طرز استدلال اس فہم پر مبنی ہوتا ہے جو تلاوت کے دوران اللہ تعالیٰ صوفی کو عطا کرتا ہے، چنانچہ فہم قرآن کے باب میں صوفیہ نے جو نکتہ آفرینی کی ہے ان سے تفسیر کی ضخیم کتابیں خالی ہیں۔ صوفیہ کے اخذ کردہ لطائف کا روشن پہلو یہ ہے کہ ان سے دل و دماغ منور ہوتے ہیں، فکر و نظر کو جلا ملتی ہے اور ایمان و یقین تازہ ہو جاتے ہیں۔

صوفیہ کے یہاں قرآن کے ہر حرف میں ایک جہاں معنی پوشیدہ ہے جس کا احاطہ کرنا انسان کے بس کی بات نہیں۔ شیخ سہل بن عبد اللہ تستری رح کہتے ہیں کہ اگر ہر حرف کے لیے بندے کو ایک ہزار فہم عطا کیے جائیں تب بھی اس کی رسائی کتاب الٰہی کی ایک آیت کے اس فہم کی حد تک نہیں ہو سکتی جو اللہ تعالیٰ نے اس میں رکھا ہے کیوں کہ قرآن اس کا کلام ہے اور اس کا کلام اس کی صفت ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ لا انتہا ہے اسی طرح اس کے کلام کے مفاہیم کی بھی کوئی انتہا نہیں ہے، جب اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کے دلوں کو

فہم قرآن کے لیے کھول دیتا ہے تو وہ حسب توفیق مفہوم اخذ کر لیتے ہیں، نیز اللہ تعالیٰ غیر مخلوق ہے، لوگوں کے فہم فہم قرآن کی حد کو نہیں پہنچ سکتے کیوں کہ وہ محدث مخلوق ہیں [۱]

اہل تصوف کے نزدیک حضور قلب کے ساتھ قرآن سننا شرط ہے، مشہور صوفی شیخ ابو سعید الخزاز کہتے ہیں کہ قرآن سننے کے تین درجے ہیں۔ پہلا درجہ یہ ہے کہ سننے والا یہ خیال کرے کہ وہ اسے رسول اللہ سے سن رہا ہے۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ سننے والا اسے حضرت جبرئیلؑ سے سن رہا ہے اور وہ (حضرت جبرئیلؑ) نبی کریمؐ کو سنا رہے ہیں۔ قرآن کی سماعت کا تیسرا درجہ یہ ہے کہ سننے والا گویا اسے حق تعالیٰ سے سن رہا ہے، شیخ موصوف نے قرآن کی سماعت کے درجات خود قرآنی آیات سے اخذ کیے ہیں [۲]

صوفیہ کا کہنا ہے کہ قرآن کی تلاوت کے دوران تدبر اور تفکر قرآن فہمی کے لیے بنیادی شرط ہے اور تدبر صرف حضور قلب کے ساتھ ممکن ہے، پھر قلب کے لیے قلب سلیم ہونا بھی لازمی ہے، اہل تصوف کے یہاں قلب سلیم سے مراد وہ قلب ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی چیز نہ ہو [۳]

شیخ علی ہجویری کے بیان کے مطابق انسانوں اور جنوں میں سے تمام مومن قرآن سننے کے مامور اور کافر بھی مکلف ہیں، ان کے بقول قرآن کے معجزات میں سے ایک معجزہ یہ ہے کہ قرآن سننے اور پڑھنے سے انسان کی طبیعت کبھی نہیں اکتاتی کیوں کہ اس میں اس قدر رقت عظیم ہے کہ قریش چھپ چھپ کر راتوں کو اس وقت رسول اللہ کی قرأت سنتے جب آپ نماز میں ہوتے [۴]

تدبر و تفکر کے واقعات کتب تصوف میں بکثرت منقول ہیں، شیخ ہجویری کا بیان ہے کہ میں نے ایک بزرگ کو دیکھا جو "ضرب اللہ مثلا مملوکا لا یقدر علی شیئ"، کی آیت پڑھتے تھے اور روتے جاتے تھے اسی اثنا میں انہوں نے نعرہ لگایا اور بے ہوش ہو گئے [۵]

---

۱ اللمع ص ۱۰۷، ۲ اللمع ص ۱۱۴ ۳ اللمع ص ۱۰۶ - ۱۰۷

۴ کشف المحجوب ص ۳۳۹،

۵ کشف المحجوب ص ۳۳۹ - ۳۴۰

خیال کیا کہ ان کی روح پرواز کرگئی، جب ہوش میں آئے تو انہوں نے میرے سوال کرنے پر کہا کہ گیارہ سال سے اس جگہ پہنچا ہوں، یہاں سے آگے نہیں بڑھ پاتا ہوں [1]

قرآن میں صوفیہ کے تدبر و تفکر کا یہ عالم تھا کہ برسہا برس ختم قرآن میں لگ جاتے تھے شیخ ابو العباس بن عطا چار سال میں سورۂ انفال تک پہنچے حالانکہ اس سے پہلے ایک دن رات میں دو بار قرآن ختم کرتے تھے [2]

صوفیہ نے قرآن میں غور و فکر اور تدبر و تفکر کر کے اس سے ایسے اشارات اخذ کیے ہیں جو بعض اوقات فکر انگیز اور ایمان افروز ہوتے ہیں. علم تفسیر کے ماہرین نے صوفیہ کی تفاسیر کے بارے میں اگرچہ مختلف موقف اختیار کیا ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ ان اشارات کے اندر یاران نکتہ دان کے لیے صلائے عام ہے۔

قرآن اور مقام رسول:

صحیح احادیث میں مسلمانوں کو منع کیا گیا ہے کہ انبیاء میں سے بعض کو بعض پر فضیلت نہ دی جائے لیکن اللہ تعالیٰ نے قرآن میں "رحمۃ للعالمین" کہہ کر خود آپؐ کا مقام و مرتبہ بیان فرمایا ہے، تصوف میں محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسی چیز ہے جو صوفی کے تخیل کو رفعت اور اس کے تصور کو پاکیزگی عطا کرتی ہے، صوفیہ کے یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا افضل المخلوقات ہونا قرآن کریم سے ثابت ہے اور قرآن کی متعدد آیات سے دوسرے انبیاء پر آپؐ کی فضیلت پر استدلال کیا گیا ہے مثلاً اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کا ذکر کرتے وقت پہلے ان کی لغزش کا ذکر کیا اور فرمایا:

وَعَصَىٰ آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَىٰ [3] اور حکم ٹالا آدم نے اپنے رب کا پھر راہ سے بہکا۔

اس کے بعد ان کے توبہ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

ثُمَّ اجْتَبَاهُ رَبُّهُ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدَىٰ [4]

---

[1] کشف المحجوب ص ۴۴۳ [2] کشف المحجوب ص ۴۴۲ [3] سورہ طٰہٰ: ۱۲۱ [4] سورہ طٰہٰ: ۱۲۲

(پھر نواز دیا اس کو اس کے رب نے پھر متوجہ ہوا اس پر اور راہ پر لایا)

اسی طرح حضرت داؤدؑ کے بارے میں ان کی لغزش کا پہلے اور مغفرت کا بعد میں بیان فرمایا اور ان کے لیے "فغفرنا لہٗ" کے الفاظ استعمال کیے[1] نیز حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق فرمایا:

وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ وَاَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ الخ[2]

"اور ہم نے جانچا سلیمان کو اور ڈال دیا اس کے تخت پر ایک ڈھیر پھر وہ رجوع ہوا اور بولا اے میرے رب مجھے معاف کر"

لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب فرمایا تو پہلے مغفرت اور معافی کا تذکرہ کیا چنانچہ ارشاد فرمایا:

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ[3]

(اللہ بخشے تم کو کیوں دی تم نے ان کو اجازت)

بعض صوفیہ کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عفو کے ذکر سے آپؐ کو مانوس کیا تاکہ آپ متوحش نہ ہوں[4] نیز اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے بارے میں یہ بھی فرمایا:

لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ[5]

"تاکہ معاف کرے تجھ کو اللہ جو آگے ہو چکیں تمہاری لغزشیں اور جو پیچھے رہیں"

اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے "ذنب" سے پہلے مغفرت کا ذکر فرمایا ہے[6] جس سے لگتا ہے کہ یہ خصوصیت محمد رسول اللہ کے لیے خاص ہے۔

اہل تصوف نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت کی ایک دلیل یہ دی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی:

---

[1] سورہ ص: ۲۵ [2] سورہ ص: ۳۴-۳۵ [3] سورۃ التوبہ: ۴۳۔
[4] اللمع ص ۱۵۵ [5] سورۃ الفتح: ۲ [6] اللمع ص: ۱۵۵۔

لَا تُخْزِنِی یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ [1]

" اور رسوا نہ کر مجھے جس دن سب جی اٹھیں "

لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ارشاد فرمایا :

یَوْمَ لَا یُخْزِی اللّٰہُ النَّبِیَّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَہٗ [2]

" یہ وہ دن ہوگا جب اللہ اپنے نبیؐ کو اور ان کے ساتھی ایمان والوں کو رسوا نہیں کرے گا۔

گویا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بغیر سوال و دعا، کے وہ چیز عطا فرمائی جس کے لیے حضرت ابراہیمؑ نے دعا، مانگی تھی۔ اسی طرح حضرت موسیٰؑ پر نبی کریمؐ کی افضلیت ثابت کرتے ہوئے صوفیہ کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰؑ نے دعا کی :

رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ وَیَسِّرْ لِیْٓ اَمْرِیْ [3]

" پروردگار میرا سینہ کھول دے اور میرے کام کو میرے لیے آسان کردے "

جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کی دعا نہیں مانگی لیکن خدا نے از خود آپؐ کو شرح صدر کی نعمت عطا کی اور فرمایا :

اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ [4]

" کیا ہم نے تمہارا سینہ نہیں کھول دیا ؟ "

صوفیہ نے اس طرح کے اشارات بکثرت اخذ کیے ہیں [5] جو ان کے عشق رسول کی دلیل ہیں۔

ارباب باطن نے قرآن سے اخلاق و آداب کا ایک پورا سلسلہ لیا ہے، استقامت بندگی، دنیا سے بیزاری، فقر، توکل، اخلاص وغیرہ کے بارے میں ان کا کہنا ہے کہ یہ تمام احوال قرآن سے ماخوذ ہیں۔

---

[1] سورۃ الشعراء : ۸۷ [2] سورۃ التحریم : ۸ [3] سورہ طٰہٰ : ۲۵-۲۶
[4] سورۃ نشرح : ۱-۶ [5] اللمع ص ۱۵۳ - ۱۵۷،

استقامت

استقامت کی اصل کے لیے صوفیہ نے قرآن کی یہ آیت نقل کی ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا[1]

"بے شک وہ لوگ جنہوں نے کہا اللہ ہمارا رب ہے پھر اس پر جمے رہے"

اہل تصوف کا بیان ہے کہ "ثم استقاموا" کے معنی حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے یوں بتائے ہیں "انہوں نے شرک نہیں کیا" اور یہ اصول توحید کی رعایت ہے[2] اس کے علاوہ انہوں نے حضرت عمر فاروق رضؓ کا قول بھی نقل کیا ہے، اس آیت میں جس استقامت کا ذکر کیا گیا ہے وہ ائمۂ تصوف کے یہاں کرامت سے برتر ہے چنانچہ شیخ ابوعلی جوزجانی کا کہنا ہے کہ "صاحب استقامت بن جاؤ طالب کرامت مت ہو جاؤ"[3] حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مجھے سورۂ ہود نے بوڑھا کر دیا" صوفیہ کا کہنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سورہ میں مذکور انبیاء کے واقعات اور قوموں کی ہلاکت نے بوڑھا نہیں کر دیا تھا بلکہ اس سورہ میں "فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ" کے الفاظ نے بوڑھا بنا دیا تھا[4]

بندگی

عبودیت یا بندگی انسان کا وہ نشان ہے جو اس کی جبین سے کسی حال میں بھی نہیں مٹ سکتا، شیخ ابوعلی دقاق کا کہنا ہے کہ عبودیت سے زیادہ شرف والی چیز اور اس سے زیادہ مکمل اسم یا وصف مومن کے لیے کوئی نہیں ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے معراج کی رات جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دنیا میں سب سے زیادہ شرف والی تھی آپ کی تعریف

---

[1] حٰم سجدہ : ۳۰ [2] الرسالۃ القشیریہ باب العبودیۃ۔
[3] الرسالۃ القشیریہ باب العبودیۃ [4] کشف المحجوب ص ۳۴۳۔

میں فرمایا:

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ [1]

"پاک ہے وہ جو لے گیا راتوں رات اپنے بندے کو مسجد حرام سے"

نیز اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے بارے میں یہ بھی ارشاد فرمایا:

فَاَوۡحٰۤی اِلٰی عَبۡدِہٖ مَاۤ اَوۡحٰی [2]

"تب اس نے اپنے بندے کو وحی پہنچائی جو وحی بھی اسے پہنچانی تھی"

پس اگر عبد (بندہ) سے زیادہ بزرگ کوئی نام ہوتا تو اللہ آپؐ کو اس نام سے موسوم فرماتا [3]

بعض اوقات صوفیہ نے ایک ہی آیت کے مختلف الفاظ کا محل الگ الگ بیان کیا ہے مثلاً حضرت سلیمانؑ کی دعا قرآن میں یوں آئی ہے۔

رَبِّ هَبۡ لِیۡ مُلۡكًا لَّا یَنۡۢبَغِیۡ لِاَحَدٍ مِّنۡۢ بَعۡدِیۡ [4]

"اے میرے رب (مجھے معاف کر دے اور) مجھے وہ بادشاہی دے جو میرے بعد کسی کے لیے سزاوار نہ ہو"

شیخ ابوسعید ابوالخیر کا کہنا ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے دعا کی "رَبِّ هَبۡ لِیۡ مُلۡكًا" انہیں اس دعا کے نتیجے میں سلطنت عطا کی گئی لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ سلطنت میں آفت ہے اور یہ قرب کا نہیں بلکہ دوری کا سبب ہے تو انہوں نے کہا لا ینبغی لاحد من بعدی [5]

صوفیہ نے قرآن سے بکثرت استدلال کیا ہے، اس سے لگتا ہے کہ انہیں کتاب الٰہی سے کس قدر شغف رہا ہے اور وہ اپنے احوال اور باطنی اعمال کے لیے کس طرح قرآن سے دلیل لاتے تھے۔

قرآن حکیم کے بارے میں صوفیہ کا اتفاق ہے کہ یہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کا کلام

---

[1] سورہ اسراء: 1 [2] سورہ النجم: 10 [3] الرسالۃ القشیریہ باب العبودیۃ ص ۱۰۲

[4] سورہ ص: 35 [5] محمد بن منور بن ابی سعد بن ابی طاہر بن ابی سعید میہنی اسرار التوحید باہتمام ڈاکٹر ذبیح اللہ صفا تہران سنہ ۱۳۳۲

ہے نہ مخلوق ہے، نہ محدث، نہ حدث، نہ جسم، نہ جوہر، نہ عرض [1]

سنت رسولؐ

قرآن کی طرح اہل تصوف نے فہم حدیث میں بھی تدبر اور تفکر کی راہ اختیار کرکے ایسے لطائف کا اور نکات کا استنباط کیا ہے کہ انسان داد دینے پر مجبور ہو جاتا ہے مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُوْرِ دُنْیَاکُمْ۔

"تم اپنے دنیاوی معاملات میں مجھ سے زیادہ جانتے ہو"

صوفیہ کا کہنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "دُنْیَاکُمْ" فرما کر دنیا کی نسبت لوگوں کی طرف کی اور اپنے آپؐ کو اس سے الگ کیا۔ [2]

لیکن سنت کے معاملے میں تصوف کا تابناک باب وہ ہے جس میں سنت کی تشریعی حیثیت قرآن سے ثابت کرکے صوفیہ نے اسوہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی پر بحث کی ہے، ارباب سلوک کے یہاں سنت کا جزو دین ہونا قرآن سے ثابت ہے اس لیے سنت کو چھوڑنے والا دراصل قرآن کو چھوڑ دیتا ہے، چنانچہ شیخ ابونصر سراج طوسی نے اس موضوع پر فکر انگیز گفتگو کی ہے، ان کی گفتگو کا ماحصل یہ ہے۔

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہو کر فرمایا:

قُلْ یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا [3]

"اے نبی کہدو میں تم سب کی طرف پیغمبر ہوں"

اس آیت سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انسانوں کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے ہیں پھر اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو مخاطب کرکے فرمایا:

---

[1] التعرف لمذہب اہل التصوف ص ۳۹ [2] اللمع ص ۱۳۸

[3] سورۃ الاعراف: ۱۵۸

وَانّكَ لتهدی الیٰ صِراطٍ مُستقیمٍ صراط اللّٰه الّذی لَہ مَا فی السّمٰوٰتِ وَمَا فی الارض [1]

"یقیناً تم سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کر رہے ہو، اس خدا کے راستے کی طرف جو زمین اور آسمان کی ہر چیز کا مالک ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کر رہے ہیں، نیز اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے یہ بھی ضروری قرار دیا کہ ہم آپؐ کے قول سے خواہشات کی نفی کریں جیسا کہ ارشاد ہے۔

وَمَا ینطق عن الھویٰ [2]

"اور وہ اپنی خواہش نفس سے نہیں بولتا"۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی تعریف اور توصیف کرتے ہوئے فرمایا:

ھُوَالّذی بَعَثَ فِی الاُمّیینَ رَسُولاً منھُم یَتلُو عَلَیھِم اٰیاتِہٖ وَیزکّیھِم وَیُعلّمُھُم الکتابَ وَالحکمۃ [3]

"وہی ہے جس نے بے علم لوگوں میں انہیں میں سے رسول بھیجا جو انہیں اللہ کی آیات پڑھ کر سناتا ہے، ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے"۔

پس معلوم ہوا کہ آپؐ ہم کو آیات الٰہی سکھاتے ہیں، ہمارا تزکیہ کرتے ہیں، ہمیں قرآن کی تعلیم دیتے ہیں اور ہمیں حکمت سکھاتے ہیں۔ حکمت سے مراد آداب، اخلاق، افعال، احوال اور حقائق ہیں نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا جیسا کہ آپؐ کو حکم دیا گیا تھا:

یٰاَیّھَا الرّسول بَلّغ مَا اُنزِلَ اِلَیکَ مِن رَّبِّکَ [4]

---

[1] سورۃ الشوریٰ ۴۲ : ۵۳ [2] سورۃ النجم : ۳۔
[3] سورۃ الجمعہ : ۲ [4] سورۃ المائدہ : ۶۷۔

"اے رسول جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے وہ لوگوں تک پہنچا دو"۔

اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں کو اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا حکم دیا جس طرح اپنی اطاعت کا حکم دیا، چنانچہ فرمایا:

أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ [1]

"اطاعت کرو اللہ کی اور رسول کی"۔

نیز یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جو رسول کی پیروی کرے اس نے اللہ کی اطاعت کی جیسا کہ قرآن میں آیا ہے

وَمَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ [2]

"جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے دراصل خدا کی اطاعت کی۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی چیز کو لینے کا حکم دیا اور فرمایا:

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ [3]

"جو کچھ رسول تمہیں دے وہ لے لو"۔

نیز خدا نے یہ بھی حکم دیا کہ رسول جس چیز سے منع کریں اس سے ہم باز رہیں ارشاد ہے:

وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا [4]

"اور جس چیز سے روکیں اس سے رک جاؤ"۔

پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کی پیروی میں ہدایت کا اشارہ بھی دیا:

وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ [5]

"پیروی کرو اس کی امید ہے تم راہ راست پا لو گے"۔

---

[1] سورۃ النور: ۵۴ [2] سورۃ النساء: ۸۰ [3] سورۃ الحشر: ۷۔
[4] سورۃ الحشر: ۷ [5] سورۃ الاعراف: ۱۵۸۔

نیز اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی تابعداری میں ہدایت پانے کا یقین دلایا :

وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا [1]

"اس کی اطاعت کرو گے تو خود ہی اطاعت پاؤ گے"

نیز اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو فتنہ اور عذاب الیم سے ڈرایا :

فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ [2]

"پس رسول کی خلاف ورزی کرنے والوں کو ڈرنا چاہیے کہ وہ کسی فتنے میں گرفتار نہ ہو جائیں"

پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا کہ مومنین سے اللہ کی محبت اور اللہ سے مومنین کی محبت اسوہ رسولؐ کی پیروی میں ہے جیسا کہ فرمایا :

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ [3]

"اے نبی لوگوں سے کہہ دو کہ اگر تم حقیقت میں اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی اختیار کرو اللہ تم سے محبت کرے گا"

اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے اسوۂ حسنہ کی تلقین کی اور ارشاد فرمایا۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ [4]

"درحقیقت لوگوں کے لیے اللہ کے رسول میں ایک بہترین نمونہ ہے"

نیز اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی اطاعت اسی طرح لازم قرار دی جس طرح نماز اور زکوٰۃ لازم قرار دی :

اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ [5]

---

[1] سورۃ النور : ۵۴ [2] سورۃ النور : ۶۳ [3] سورہ آل عمران : ۳۱
[4] سورۃ الاحزاب : ۲۱ [5] سورۃ النور : ۵۶.

"نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو اور رسول کی اطاعت کرو"۔

ان آیات سے ثابت ہوا کہ اسوۂ رسولؐ کی پیروی قیامت تک تمام انسانوں پر چاہے وہ شاہد ہوں یا غائب واجب ہے سوائے ان تین انسانوں کے جو مرفوع القلم ہیں۔[1]

پس اگر کوئی قرآن کو مانے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو نہ مانے تو وہ قرآن ہی کا مخالف ہے اس کا تابعدار نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق، افعال، احوال، اوامر، نواہی، مندوب، ترغیب، ترہیب کے اسوۂ حسنہ کی پیروی اور تابعداری ہی اصل تابعداری ہے البتہ اس میں ان چیزوں کا استثنا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خاص ہیں۔[2]

سنت رسولؐ کی پیروی تصوف میں صرف گفتار تک محدود نہیں ہے بلکہ ارباب حال کا عمل اس کی مکمل تائید کرتا ہے، شیخ بایزید بسطامی کا بیان ہے کہ لوگوں نے مجھ سے کہا کہ فلاں شہر میں اللہ تعالیٰ کا ایک ولی ہے، میں اس کی زیارت کو گیا، جب میں اس کی مسجد میں پہنچا تو وہ شخص گھر سے نکلا، میں نے دیکھا کہ اس نے مسجد میں زمین پر تھوک پھینکا، میں بغیر سلام کیے واپس چلا اور کہا کہ ولی کو شریعت کا خیال رکھنا چاہیے تا کہ اللہ تعالیٰ اس کی ولایت پر نگاہ رکھے، اگر یہ شخص ولی ہوتا تو حرمت کا خیال کر کے مسجد کی زمین پر ہرگز تھوک نہ ڈالتا اور اللہ تعالیٰ بھی اس کی کرامت کی نگرانی کرتا، میں نے اسی رات خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ مجھ سے فرما رہے ہیں "اے بایزید تو نے جو کچھ کیا اس کی برکات تم تک پہنچیں"، دوسرے دن میں اس درجے پر پہنچا جسے تم بھی دیکھتے ہو۔[3]

اس سلسلے میں شیخ ابوبکر شبلی کا واقعہ بھی سبق آموز ہے، وفات کے وقت انہوں نے اپنے خادم سے کہا "مجھے وضو کراؤ"، خادم نے انہیں وضو کرایا لیکن ان کی داڑھی میں خلال کرنا بھول گیا، شیخ ابوبکر شبلی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کی انگلیاں اپنی داڑھی میں داخل کر کے خلال کرایا[4] جو اس بات کا مظہر تھا کہ سنت کسی حال میں چھوٹنے نہ پائے۔

---

[1] اللمع ص ۱۳۲ [2] اللمع ص ۱۳۲ [3] کشف المحجوب ص ۱۹۵ [4] اللمع ص ۱۴۵ -

صوفیہ آداب و اخلاق میں بھی سنت کا خیال رکھتے تھے، شیخ ابوسعید میہنی کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا، اس نے مسجد میں پہلے بائیں پاؤں رکھا، شیخ نے فوراً کہا پاؤں روک لو جو شخص دوست کے گھر میں داخل ہونا نہیں جانتا ہمیں اس کی ضرورت نہیں [1] نیز شیخ بایزید بسطامی کا بیان ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہی کہ وہ مجھے غذا اور عورت سے بے نیاز بنا دے، پھر میں نے سوچا کہ میرے لیے یہ دعا مانگنا کیسے جائز ہو سکتا ہے؟ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کی کوئی دعا نہیں مانگی تھی اس لیے میں نے دعا نہیں مانگی لیکن خدا نے از خود یہ چیز میرے اندر ختم کی یہاں تک کہ عورت اور دیوار میں میرے لیے کوئی فرق نہیں ہے [2]

عبادات

فقہائے اسلام نے نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور دوسری عبادات کے ظاہری احکام اور آداب بالتفصیل بیان کیے ہیں لیکن عبادات کی اصل روح دارالافتاء اور دارالقضاء کی حدود سے ہمیشہ باہر رہی ہے۔ فقہا اس میں معذور بھی تھے، ان کی نگاہ جہاں تک جا سکتی تھی وہاں تک چلے آئے، آگے دل کا معاملہ تھا اور دل کی دنیا میں فقیہ کا گزر نہیں ہوتا، صوفیہ اس کوچہ کے محرم اسرار تھے اس لیے وہی اس نادیدہ وادی کے احکام و آداب مقرر کرنے کا حق رکھتے تھے۔

نماز

عبادات میں نماز دین کا ستون ہے، قرآن میں متعدد مقامات پر اس کی تاکید آئی ہے، احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں کثرت کے ساتھ نماز کا حکم دیا گیا ہے، فقہائے امت نے شرح و بسط کے ساتھ اس کے احکام و شرائط بیان کیے ہیں لیکن صوفیہ نے قرآن و سنت

---

[1] کشف المحجوب ص ۱۹۵ [2] اللمع ص ۱۴۵

کی روشنی میں نماز کی اصل روح کو سمجھا اور اس کے اہتمام کے لیے ایسے آداب مقرر کیے جن کا تعلق نماز کے باطنی پہلو سے تھا۔

صوفیہ کا بیان ہے کہ "نماز دین کا ستون" عارفوں کے آنکھوں کی ٹھنڈک، صدیقین کی زینت، مقربین کا تاج ہے اور نماز کا مقام وصل و قرب، ہیبت و خشوع، خشیت و تعظیم و وقار، مشاہدہ، مراقبہ، اسرار، مناجات الٰہی، اللہ تعالیٰ کے سامنے وقوف کرنے پیش ہوتے اور ماسوی اللہ سے اعراض کرنے کا مقام ہے[1]

نماز سے پہلے فقہا نے جن شرائط کو ضروری کہا ہے، صوفیہ ان کے علاوہ بھی چند شرائط کو بیان کرتے ہیں لیکن اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ اہل باطن نے علما شریعت کے بیان کردہ شرائط میں اضافہ کر کے دین میں کوئی تبدیلی کی ہے بلکہ انہوں نے فقہی مسائل کے ساتھ ساتھ باطنی اور روحانی آداب بیان کر کے نماز کی ظاہری اور باطنی تکمیل کا سامان بہم کیا ہے مثلاً شرائط نماز میں ایک شرط طہارت ہے، فقہا کے نزدیک ظاہری نجاست سے پاک ہونا شرط ہے، صوفیہ کے یہاں باطن میں شہوتوں سے پاک ہونا بھی اس میں شامل ہے، اسی طرح کپڑے کا رجس و ناپاکی سے پاک ہونا فقہا کے نزدیک نماز کے لیے شرط ہے جب کہ صوفیہ کے نزدیک ظاہر میں کپڑے کا گندگی سے پاک ہونا اور باطن میں کپڑے کا حلال کمائی سے ہونا شرط نماز ہے، نماز کی ایک شرط استقبال قبلہ ہے، صوفیہ کے یہاں قبلہ ظاہر سے مراد کعبہ اور قبلہ باطن سے مراد عرش ہے جس سے سر مشاہدہ مقصود ہے، اسی طرح ظاہر شریعت کے مطابق نماز کا وقت ہونے پر قدرت ہوتے ہوئے ظاہر میں قیام کرنا اور درجہ حقیقت میں دوام وقت کے ساتھ روضۂ قربت میں باطن کا قیام کرنا شرط ہے، نیز اللہ تعالیٰ کے حضور میں خلوص نیت کے ساتھ ہونا، مقام ہیبت و فنا میں ہونا، محل وصلت میں قیام کرنا، ترتیل و عظمت کے ساتھ قرأت کرنا، خشوع کے ساتھ رکوع کرنا، تذلل کے ساتھ سجدہ کرنا، حضوری کے ساتھ تشہد میں بیٹھنا اور فنا صفت کے ساتھ سلام ضروری ہے[2]

---

[1] اللمع ص ۲۰۳ [2] کشف المحجوب ص ۲۶۲۔

شیخ ابو نصر سراج طوسی کہتے ہیں کہ نماز کے متعلق صوفیہ کا ادب یہ ہے کہ نماز کا علم حاصل کیا جائے اور فرائض، سنن، آداب، فضائل اور نوافل کی واقفیت حاصل کی جائے[1]

اہل حال ادار فرض میں تعجیل کے قائل ہیں[2] اس لیے وہ اول وقت نماز پڑھتے ہیں، اس کے لیے صوفی کے لیے اول وقت کی آگاہی رکھنا لازمی ہے، چنانچہ صوفیہ کے مقرر کیے ہوئے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ صوفی زوال، وقت زوال سایہ کی مقدار اور مقدار سایہ (اگر پیمانہ ساتھ نہ ہو) قد سے ناپنا جانتا ہو، نجوم سے واقفیت رکھتا ہو، چاند کے منازل اور اس کے طلوع و غروب سے آگاہ ہو تاکہ قبلہ معلوم کر سکے، صوفیہ کے بیان کے مطابق اسے اس بات کی واقفیت بھی ہونی چاہیے کہ سفر میں قبلہ کیسے متعین ہو سکے[3]

صوفیہ امامت اور پہلی صف میں نماز پڑھنے کو ترجیح نہیں دیتے ہیں، اسی طرح وہ نماز میں تطویل کو بھی پسند نہیں کرتے، امامت کے لیے وہ اس شخص کے پیچھے نماز پڑھنا پسند کرتے ہیں جو سورہ فاتحہ اور کوئی دوسری سورۃ نماز میں پڑھنا پسند کرتا ہو کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ امام ضامن ہوتا ہے، پہلی صف میں نماز پڑھنے کو ترجیح نہ دینے کی وجہ یہ ہے کہ لوگ عام طور سے پہلی صف میں نماز پڑھنے کے لیے بھیڑ لگاتے ہیں، صوفیہ لوگوں کی تنگی کا باعث بننا نہیں چاہتے البتہ اگر پہلی صف میں جگہ خالی مل جائے تو پہلی صف کی فضیلت کو غنیمت سمجھ کر اس میں نماز ادا کرتے ہیں۔ نماز میں تطویل کو پسند نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کے بقول نماز جب لمبی ہوتی ہے تو ہفوات اور وسواس کثرت سے دل میں آتے ہیں، جب کہ اعمال کی درستی کے ساتھ نماز میں اشتغال اولیٰ ہے[4]

نماز میں داخل ہونے کے لیے صوفیہ جن آداب کا ذکر کرتے ہیں ان میں نیت کے ساتھ تکبیر اولیٰ کو خاص اہمیت حاصل ہے، حضرت جنید بغدادی کا بیان ہے کہ ہر چیز کی صفوت ہوتی ہے اور نماز کی صفوت تکبیر اولیٰ ہے، شیخ ابو سعید الخراز کہتے ہیں کہ بندہ جب

---

[1] اللمع ص ۲۰۳ [2] التعرف لمذہب اہل التصوف ص ۸۴ [3] اللمع ص ۲۰۳۔ ۲۰۴ [4] اللمع ص ۲۰۸۔

اپنے دونوں ہاتھ تکبیر کے لیے اٹھائے تو اس وقت اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی کبریائی کے سوا اور کوئی چیز نہیں ہونی چاہیے، قرأت کے متعلق صوفیہ کا ادب یہ ہے کہ وہ دل کے کانوں سے حاضر ہو گویا اللہ تعالیٰ سے سن رہا ہے، رکوع کے بارے میں صوفیہ کا کہنا ہے کہ انسان جب رکوع کرے تو اپنے آپ کو عرش کے نزدیک محسوس کرے اور تعظیم پڑھتے وقت اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر عظمت والی کوئی چیز اس کے دل میں نہ ہو، جب رکوع سے سر اٹھائے اور تحمید پڑھے تو جان لے کہ اللہ تعالیٰ اسے سن رہا ہے۔ سجدے کا ادب یہ ہے کہ وہ دل میں یہ محسوس کرے کہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ قریب کوئی نہیں ہے اور نہ اس سے بڑھ کر بزرگ اور عزت والا کوئی ہے لے

اسی طرح تشہد، دعا، اور سلام میں اس معاہدے کے آداب کا خیال کرے جو اس نے نماز میں داخل ہوتے وقت کیا تھا، صوفیہ کی نماز کا نمونہ شیخ حاتم اصم کی نماز سے لگایا جا سکتا ہے، شیخ موصوف کا بیان ہے کہ جب نماز کا وقت ہوتا ہے تو میں ایک ظاہری اور ایک باطنی وضو کرتا ہوں، ظاہری وضو پانی سے اور باطنی وضو توبہ سے کرتا ہوں پھر مسجد میں آکر مسجد حرام کا مشاہدہ کرتا ہوں اور مقام ابراہیم کو دو ابروؤں کے بیچ میں رکھتا ہوں، جنت کو دائیں طرف، جہنم کو بائیں طرف پل صراط کو قدموں کے نیچے اور ملک الموت کو پشت کی طرف خیال کرتا ہوں، اس وقت تعظیم کے ساتھ تکبیر، حرمت کے ساتھ قیام، ہیبت کے ساتھ قیام، تضرع کے ساتھ سجود، تواضع کے ساتھ رکوع، حلم کے ساتھ جلسہ، اور تشکر کے ساتھ سلام کرتا ہوں

مریدوں کے لیے نماز راہ حق پانے اور کشف مقامات کا ذریعہ بتائی گئی ہے چنانچہ مریدوں کے لیے طہارت سے مراد توبہ، قبلہ کی درستی سے پیر سے تعلق پیدا کرنا، قیام سے مجاہدۂ نفس، قرأت سے ذکر دوام، رکوع سے تواضع، سجدہ سے معرفت نفس، تشہد سے مقام انس اور سلام سے دنیا سے الگ ہونا اور بند مقامات سے آزاد ہونا مراد ہے

لے کشف المحجوب ص ۲۶۳

روزہ

روزے کے ظاہری آداب اور باطنی پہلوؤں پر بھی صوفیہ نے خاصی توجہ دی ہے، قرآن وسنت سے روزہ کی اہمیت پر استدلال کرنے کے دوران صوفیہ نے مشہور حدیث قدسی "اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِہٖ" (روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دونگا) کی وضاحت کرتے ہوئے جو معنی آفرینی کی ہے وہ حد درجہ لائق تحسین ہے، صوفیہ کے بقول اللہ تعالیٰ نے تمام عبادات میں روزے کو خاص کرکے "الصوم لی" اس وجہ سے کہا ہے کہ تمام فرض عبادات اعضا کی حرکات ہیں جنہیں آنکھ سے دیکھا جاسکتا ہے لیکن روزہ اس سے مستثنیٰ ہے روزے میں اعضا کی حرکت شامل نہیں ہے اس لیے خدا نے کہا ہے "روزہ میرے لیے ہے" دوسرے معنی یہ ہیں کہ صمدیت میرے لیے ہے کیوں کہ صمد اسے کہتے ہیں جس کا پیٹ نہ ہو اور نہ وہ خورد ونوش کا محتاج ہو پس جس نے میرا اخلاق اختیار کیا تو اسے میں ایسی جزا دوں گا جو انسان کا دل سوچ بھی نہیں سکتا[۱] نیز اللہ تعالیٰ کا یہ کہنا ہے کہ میں ہی اس کا بدلہ دوں گا اس لیے ہے کہ اس نے تمام نیک کاموں پر ایک سے لے کر دس اور دس سے لیکر سات سو گنا تک ثواب کا وعدہ کیا ہے البتہ روزہ اس سے مستثنیٰ ہے کیوں کہ روزہ دار صابرین میں ہیں اور صابرین کے متعلق اللہ کا ارشاد ہے:

انما یوفی الصابرون اجرھم بغیر حساب[۲]

"بے شک صابرین بغیر حساب کے اجر دیے جائیں گے"

صوفیہ کے بقول اسی لیے کہا گیا ہے بہشت میں داخلہ رحمت، درجات کی بلندی عبادت اور جنت میں خلود روزے کی جزا ہے کیوں کہ اللہ کا ارشاد ہے "انا اجزی بہ"[۳] روزے کی اصل امساک ہے اور اس میں تمام طریقت مضمر ہے، اس کا ادنیٰ درجہ

۱؎ اللمع ص ۲۱۶ ۲؎ سورۃ الزمر: ۱۰ ۳؎ کشف المحجوب ص ۲۷۹۔

بھوک کا روزہ ہے جو ماہ رمضان کا چاند دیکھنے سے ایک ماہ تک ہر عاقل، بالغ، تندرست مقیم مسلمان پر فرض ہے[1]

شیخ علی ہجویری کے بقول امساک کے لیے شرائط ہیں یعنی جس طرح پیٹ کو خورد و نوش سے روکا جاتا ہے اسی طرح آنکھ کو بدنگاہی سے، کان کو لہو و غیبت سننے سے، زبان کو لغو باتیں کرنے سے اور جسم کو دنیا کی متابعت اور شرع کی مخالفت سے باز رکھنا چاہیے[2]

صوفیہ کے یہاں روزہ سری یعنی خفیہ عبادت ہے، اور ظاہر سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے، چوں کہ طریقت بھی باطن ہی سے تعلق رکھتی ہے اس لیے روزہ اور طریقت کے درمیان ایک خاص ربط موجود ہے، چنانچہ شیخ جنید بغدادی کہتے ہیں کہ روزہ نصف طریقت ہے[3]

اہل تصوف کے یہاں روزے کا ادب یہ ہے کہ روزہ دار کے مقاصد درست ہوں، شہوات سے الگ ہو، جوارح کی حفاظت کرتا ہو، اس کی غذا پاکیزہ ہو، قلب کی رعایت کرتا ہو، اور ذکر دوام کرتا ہو[4]

صوفیہ سفر میں روزہ چھوڑنے کو جائز سمجھتے ہیں تاہم وہ اکثر سفر میں روزہ رکھتے ہیں[5]

زکوٰۃ

. زکوٰۃ کا تعلق مال سے ہے اور صوفیہ مال سے محروم ہوتے ہیں اس لیے بظاہر زکوٰۃ اور صوفیہ دو الگ الگ موضوع نظر آتے ہیں لیکن تصوف کی کتابوں میں زکوٰۃ پر سیر حاصل بحث ملتی ہے جس میں زیادہ تر زکوٰۃ کے باطنی پہلو پر روشنی ڈالی گئی ہے، فقہاء کے

---

[1] کشف المحجوب ص ۴۰۲ [2] کشف المحجوب ص ۴۰۲ [3] کشف المحجوب ص ۲۷۹،
[4] اللمع ص ۲۱۷ [5] التعرف لمذہب اہل التصوف ص ۸۴،

بیان کردہ نصاب زکوٰۃ کا ذکر کرتے ہوئے صوفیہ کہتے ہیں کہ فقیر پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہی نہیں کیوں کہ وہ مال جمع نہیں کرتا، شیخ ابوبکر شبلی سے ایک عالم نے پوچھا کہ زکوٰۃ کتنی دینی چاہیے انہوں نے جواب دیا کہ جب دل میں بخل ہوا ور مال حاصل آئے تو تمہارے مذہب کے مطابق دوسو درہم میں سے پانچ درہم اور بیس دینار میں سے نصف دینار دینا چاہیے، ہمارے مذہب میں کوئی چیز ملکیت میں رکھنی ہی نہیں چاہیے، عالم نے پوچھا، تمہارا امام کون ہے؟ شیخ شبلی نے جواب دیا "حضرت ابوبکر صدیق رض"، جنہوں نے اپنی تمام ملکیت راہ خدا میں دیدی اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ اہل وعیال کے لیے کیا چھوڑا؟ تو جواب دیا، "اللہ اور اس کا رسول"[۱]

صوفیہ کے بقول زکوٰۃ نعمت کے اتمام پر واجب ہوتی ہے اور مال کی طرح ہر نعمت کے لیے زکوٰۃ ہے مثلاً بفحوائے حدیث گھر کی زکوٰۃ مہمانداری کرنا ہے، اسی طرح جاہ وحشمت کی بھی زکوٰۃ ہے یا تندرستی بھی عظیم نعمت ہے اس لیے ہر عضو پر زکوٰۃ ہے اور وہ یہ ہے کہ تمام اعضا، خدمت اور عبادت میں مشغول ہوں اور کسی لہو ولعب سے سروکار نہ رکھیں تاکہ زکوٰۃ کا حق ادا ہو جائے، باطنی نعمت کی بھی زکوٰۃ ہوتی ہے لیکن ان نعمتوں کا شمار ناممکن ہے[۲] شیخ بشر حافی کے بقول علم کی بھی زکوٰۃ ہے چنانچہ شیخ موصوف اپنے وقت کے علما، حدیث سے کہا کرتے تھے کہ اے حدیث کے عالمو! حدیث کی زکوٰۃ ادا کیا کرو، لوگ پوچھتے کہ حدیث کی زکوٰۃ کیا ہے؟ شیخ بشر جواب دیتے "دوسو حدیث یاد کرنے اور لکھنے پر کم از کم پانچ پر تو عمل کیا کرو"[۳]

صوفیہ کے یہاں زکوٰۃ کو محمود نہیں سمجھا جاتا کیوں کہ ان کے ہاں مال جمع کرنا ہی نامحمود ہے لیکن ان کے یہاں زکوٰۃ مالیہ یا لگان یا ٹیکس نہیں ہے بلکہ شکر گزاری ہے اور یہ نعمت کی جنس سے ادا ہونی چاہیے[۴]

---

[۱] کشف المحجوب ص ۴۲۷ [۲] کشف المحجوب ص ۴۲۷ [۳] اللمع ص ۲۱۴،
[۴] کشف المحجوب ص ۴۲۷،

زکوٰۃ کے بارے میں صوفیہ کا ادب یہ ہے کہ وہ نہ زکوٰۃ کھاتے ہیں اور نہ اسے طلب کرتے ہیں حالانکہ اگر وہ کھائیں تو ان کے لیے یہ چیز مباح ہے [1]

حج

اہل تصوف کے یہاں حج محض ظاہری عبادت ہی نہیں بلکہ اس کے اندر اہل نظر کے لیے بے شمار روحانی اور باطنی فوائد پنہاں ہیں، اسرار شریعت کے ماہرین نے بھی اگرچہ حج کے معنوی فضائل کا ذکر کیا ہے لیکن صوفیہ نے جس خوبی کے ساتھ ارکان حج کے باطنی پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔

صوفیہ کے یہاں حرم کوچۂ یار ہے اور کوچۂ یار کا ذرہ ذرہ قابل دیدار اور لمحہ حیات افروز ہوتا ہے۔ ان کے نزدیک خاک پاک مکہ کو جانے والا ہر قدم اہل تحقیق کے لیے اپنے اندر ایک نشان رکھتا ہے [2]

شیخ علی ہجویری کا بیان ہے کہ حرم کو اس لیے حرم کہا جاتا ہے کہ اس میں مقام ابراہیم ہے، ان کے بقول حضرت ابراہیم کے دو مقام ہیں، ایک مقام تن جو مکہ میں ہے اور دوسرا مقام دل جو خلّت ہے، جو شخص مقام تن کا قصد کرے اسے تمام شہوات اور لذات سے اعراض کرنا چاہیے اور ایسا شخص عرفات، مزدلفہ، مشعر الحرام، مکہ، منی میں مناسک حج ادا کرنے کے بعد حاجی بن جاتا ہے، مقام دل کا قصد کرنے والا مالوفات سے اعراض اور لذات کو ترک کرتے ہوئے معرفت کے عرفات میں قیام کرتا ہے وہاں سے الفت کے مزدلفہ کا قصد کرتا ہے وہاں سے تنزیہ حق کے حرم کے طواف کو جاتا ہے، پھر خواہشات اور فاسد خیالات کے سنگریزوں کو ایمان کے منی میں پھینک دیتا ہے، اس کے بعد اپنے نفس کو ذبح گاہ مجاہدت میں قربان کر کے مقام خلّت میں پہنچ جاتا ہے [3]

علمائے تصوف نے حج سے متعلق صوفیہ کے آداب پر طویل بحث کی ہے، جس کا

---

[1] اللمع ص ۲۱۰-۲۱۱ [2] کشف المحجوب ص ۲۸۶ [3] کشف المحجوب ص ۲۸۵ ،

ماحصل یہ ہے کہ اہل تصوف جب حج کے سفر پر روانہ ہوتے ہیں تو وہ تیمم اور قصر نہیں کرتے کیونکہ ان کے نزدیک سفر اور حضر برابر ہیں، میقات پہنچکر وہ اپنے جسم کو پانی سے اور دل کو توبہ سے غسل دیتے ہیں، احرام کے لیے کپڑے اتارتے وقت دل سے کینہ اور حسد نکال پھینکدیتے ہیں، تلبیہ کہنے کے بعد صوفیہ نفس، شیطان اور خواہش کی دعوت کا جواب نہیں دیتے، جب ظاہری آنکھوں سے خانۂ کعبہ کی طرف نظر کرتے ہیں تو دل کی آنکھوں سے اس ذات کی طرف دیکھتے ہیں جس نے انہیں کعبے کی طرف دعوت دی ہے، صوفیہ جب اپنے جسموں کے ساتھ کعبے کا طواف کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کا ارشاد " وتری الملٰئکۃ حافین من حول العرش[1] " یاد کر کے گویا فرشتوں کو عرش کا طواف کرتے ہوئے دیکھتے ہیں، جب مقام ابراہیم کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں تو جان لیتے ہیں کہ یہ اس بندے کا مقام ہے جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایفائے عہد کیا ہے، اسی طرح صوفیہ حجر اسود کو بوسہ دیتے وقت سمجھتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بیعت کر رہے ہیں، علمائے تصوف کے بیان کے مطابق صوفیہ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرتے وقت نفس، خواہش اور شیطان سے فرار اختیار کرتے ہیں نیز منیٰ ان کے لیے لقار اور عرفات میں وقوف نشر وحشر اور قبروں سے اٹھنے کی یاد دہانی ہے، مزدلفہ کو چھوڑتے وقت وہ دنیا اور آخرت کو پس پشت ڈال دیتے ہیں، جب وہ رمی کے لیے سنگریزے توڑتے ہیں تو پتھروں کے ساتھ اپنے ارادوں اور شہوتوں کو بھی توڑتے ہیں، جب رمی جمار کرتے ہیں تو اپنے اعمال کو ملحوظ رکھتے ہوئے حسن ادب کے ساتھ رمی کرتے ہیں، اہل تصوف سر مونڈھتے وقت دل سے حب ستائش کو نکال پھینکدیتے ہیں پھر جب وہ ذبح کرتے ہیں تو ان کا ادب یہ ہوتا ہے کہ وہ قربانی کرنے سے پہلے اپنے نفس کو ذبح کرتے ہیں، پھر اس کے بعد جب طواف کرنے واپس لوٹتے ہیں غلاف کعبہ کو پکڑتے ہیں تو ان کے لیے اس کا ادب یہ ہے کہ وہ اس کے بعد غیر اللہ سے کوئی تعلق پیدا نہیں کرتے، جب منیٰ کی طرف لوٹتے ہیں اور ایام تشریق وہاں گزارتے ہیں تو اس کا ادب یہ ہے کہ وہ اپنے نفس پر

---

[1] سورۃ الزمر: ۷۵

حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال نہیں کرتے لے

علماے تصوف کے بیان کیے ہوئے آداب کو شیخ جنید بغدادی نے ایک دفعہ مؤثر انداز میں بیان کیا، ان کے پاس ایک تووارد آیا، شیخ نے پوچھا کہاں سے آئے؟ تووارد نے جواب دیا، میں حج کو گیا تھا، شیخ نے سوال کیا، کیا آپ نے حج کیا؟ اس نے جواب دیا، جی ہاں شیخ نے پوچھا کیا ابتدا ہی سے گھر اور وطن چھوڑتے وقت آپ نے گناہوں کو چھوڑ دیا تھا؟ اس نے جواب دیا "نہیں" شیخ نے کہا، تب آپ سفر پر نکلے ہی نہیں، شیخ نے پھر سوال کیا کیا سفر میں رات کو جس جس منزل آپ نے قیام کیا وہاں راہ حق کا کوئی مقام بھی طے کیا؟ اس نے جواب دیا "نہیں" شیخ نے کہا آپ نے کسی منزل میں قیام ہی نہیں کیا ہے، شیخ نے پوچھا جب آپ نے میقات میں احرام کے لیے کپڑے اتارے کیا کپڑوں کی طرح بشری صفات سے بھی الگ ہوئے؟ تووارد نے کہا "نہیں" شیخ نے کہا تب آپ محرم ہوئے ہی نہیں، شیخ نے پوچھا جب آپ نے عرفات میں وقوف کیا کیا وہاں آپ کو مشاہدت کا کشف ہوا؟ اس نے جواب دیا "نہیں" شیخ نے کہا "تب آپ نے عرفات میں وقوف کیا ہی نہیں"۔ شیخ نے سوال کیا "جب آپ مزدلفہ میں تھے کیا آپ نے تمام نفسانی مراد ترک کیے"؟ تووارد نے جواب دیا "نہیں" شیخ نے کہا "تب آپ مزدلفہ گئے ہی نہیں" شیخ نے سوال کیا "جب آپ نے طواف کیا، کیا اس وقت جمال حق کے لطائف کو دیکھا"؟ اس نے جواب دیا "نہیں" شیخ نے کہا "تو تب آپ نے طواف نہیں کیا ہے" شیخ نے سوال کیا، جب آپ نے صفا و مروہ کے درمیان سعی کی کیا آپ نے مقام صفا اور درجۂ مروت کا ادراک کیا؟ تووارد نے جواب دیا "نہیں" شیخ نے کہا "آپ نے ابھی سعی نہیں کی ہے" شیخ نے پوچھا جب آپ منیٰ پہنچے کیا آپ کی تمنائیں ختم ہوئی تھیں؟ اس نے جواب دیا "نہیں" شیخ نے کہا "آپ ابھی منیٰ گئے ہی نہیں" شیخ نے سوال کیا، جب آپ نے ذبح گاہ میں قربانی کی، کیا آپ نے اپنے نفس کی خواہشوں کو قربان کیا؟ اس نے جواب دیا "نہیں" شیخ نے کہا "تب آپ نے

لے اللمع ص ۲۲۸-۲۲۹۔

قربانی نہیں کی ہے" شیخ نے پوچھا، جب آپ نے سنگریزے پھینکے کیا آپ نے نفسانی خیالات بھی پھینکدیے؟ تو وار دبولا "نہیں"، یہ سنکر شیخ جنید بغدادی نے کہا تب آپ نے سنگریزے نہیں پھینکے اور نہ آپ نے حج کیا ہے واپس جاؤ اور جس طرح میں نے کہا اس طرح حج کرو تاکہ مقام ابراہیم تک رسائی حاصل کر سکو[1]

یہی وہ اعلیٰ و ارفع تصور عبادت ہے جس نے ہر دور میں لاکھوں بندگان خدا کو متاثر کر کے ان کی ایسی کایا پلٹ دی کہ وہ روحانی مدارج کی بلندیوں تک پہنچ گئے اور حق یہ ہے کہ صوفیہ کا یہ تصور عبادت قلب و نظر کے لیے غذائے خاص ہے۔

صوفیہ نے اسلام کے آفاقی پہلو کو بھی اجاگر کرنے کی کوشش کی۔ وہ اس حقیقت سے بخوبی آگاہ تھے کہ اسلام آفاقی دین ہے اور اس کا خطاب تمام بنی نوع انسان سے ہے، قرآن نے رب العلمین کہہ کر واضح کر دیا کہ خدا کی شان ربوبیّت صرف انسانوں ہی کے لیے نہیں بلکہ تمام جہانوں کے لیے عام ہے، اسی ربوبیت کاملہ کا فیض کرم ہے کہ آفتاب، ہوا اور پانی سے انسان، حیوانات نباتات، جمادات اور جملہ موجودات بقدر امکان مستفید ہوتے ہیں، خدا کی اس فیض رسانی میں رنگ و ملت اور نسل کی کوئی قید نہیں ہے، صوفیہ بھی "تخلقوا باخلاق اللہ" کے حکم کی پیروی کرتے ہوئے تمام بنی نوع انسان سے ہمدردی اور دردمندی کے قائل رہے ہیں، خواجہ معین الدین چشتیؒ فرمایا کرتے تھے کہ انسان کو چاہیے کہ دریا کی سی سخاوت، سورج کی سی شفقت اور زمین کی سی تواضع اپنے اندر پیدا کرے، صوفیہ جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا قرآن میں آیا ہے۔

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ۝

جس طرح اللہ تعالیٰ کی ربوبیت تمام جہانوں کو محیط ہے اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت بھی تمام جہانوں کے لیے عام ہے، اس بے پایاں رحمت کا اندازہ کشف المحجوب کے اس واقعہ سے کیا جا سکتا ہے جس میں حضرت ابراہیمؑ کی سخاوت اور رسول اللہ صلی اللہ

---

[1] کشف المحجوب ص ۲۸۶-۲۸۷،

علیہ وسلم کے جود وفیاضی کا بیان ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مہمان نوازی مشہور ہے آپ اس وقت تک کھانا نہیں کھاتے تھے جب تک کوئی مہمان دستر خوان پر موجود نہ ہوتا، ایک بار تین روز تک کوئی مہمان نہ آیا تو آپ نے کھانا نہیں کھایا، تین روز کے بعد ایک شخص کو مہمان بنا کر لائے، جب مہمان دستر خوان پر بیٹھا تو اس نے کھانے پر خدا کا نام نہ لیا، حضرت ابراہیمؑ نے وجہ دریافت کی تو معلوم ہوا کہ مہمان کافر ہے، آپ نے اسے دستر خوان پر سے اٹھا دیا اور کھانا کھلانے سے انکار کیا، اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی، اے ابراہیم میں ستر سال سے اس منکر کی پرورش کر رہا ہوں مگر تم اسے ایک وقت کی روٹی بھی نہ دے سکے اس کے برعکس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس عدی بن حاتم آئے جو اس وقت کافر تھے اور جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگیں لڑی تھیں، آپؐ نے اپنی ردا رمبارک اتار کر ان کے لیے بچھائی[۱] صوفیہ کا کہنا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے مومن اور کافر میں تمیز کیا لیکن رحمۃ للعلمین نے ردا رنبوت ایک کافر کے لیے بچھا دی کیوں کہ حضرت ابراہیمؑ سخی تھے اور سخی امتیاز روا رکھتا ہے جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جواد تھے، آپؐ کا کرم سب کے لیے عام ہے۔

اسلام کی ان آفاقی تعلیمات کو صوفیہ نے ہمیشہ مدنظر رکھا، حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے ایک مرتبہ یہ روایت بیان کی کہ ایک بدو دعا مانگ رہا تھا کہ اے اللہ مجھ پر اور اپنے رسول پر کرم کر اور کسی اور پر نہ کر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو فرمایا کہ اللہ کی نعمتوں کو تم نے کیوں محدود کر دیا، وہ تو وسیع ہیں۔ ان تعلیمات میں انسانی برادری کا ایک روح پرور تصور پنہاں تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے آخری حصے میں دعا کرتے تو اس میں یہ الفاظ ہوتے "میں گواہی دیتا ہوں کہ سب انسان بھائی بھائی ہیں عالمگیر معاشرے کے اس تصور کو بار بار ارشادات میں واضح کیا گیا، الفتح الربانی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث نقل کی گئی ہے "سب انسان اللہ کے عیال ہیں، اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو اللہ کی عیال کے ساتھ سب سے بہتر سلوک کرتا ہے، انہیں ارشادات کو فروغ دینے

---

[۱] کشف المحجوب ص ۲۷۶ - ۲۷۷۔

اور پھیلانے کے لیے صوفیہ نے اپنی زندگیاں وقف کیں، انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت عامہ کا اس قدر یقین راسخ تھا کہ بعض ایسے معاملات میں بھی وہ کافر و مسلم کی تمیز اٹھا دینا چاہتے تھے، جہاں اس فرق کو روا رکھنا ناگزیر ہوتا ہے، دارا شکوہ نے مشہور صوفی محب اللہ الہ آبادی سے دریافت کیا، کیا سرکاری معاملات میں ہندو اور مسلمان میں فرق کیا جاسکتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ حضور اکرمؐ کو پوری کائنات کے لیے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے اور آپؐ کے فیوض سب کے لیے عام ہیں۔

اہل تصوف نے ان ہی تعلیمات کی روشنی میں مخلوق خدا پر شفقت، غریبوں اور بے کسوں سے ہمدردی اور شکستہ دلوں کی تسلی کو اپنا شعار ہی نہیں جزو ایمان بنایا، شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کہتے تھے کہ جس شخص نے ایسی حالت میں کھانا کھایا کہ اس کا ہمسایہ بھوکا تھا اس کا ایمان درست نہیں، خواجہ عثمان ہارونی کا ارشاد ہے کہ جس وقت کوئی آدمی پیاسے کو پانی دیتا ہے اسی گھڑی اس کے تمام گناہ بخشدیے جاتے ہیں گویا وہ ابھی ماں کے شکم سے پیدا ہوا ہے اور وہ بغیر حساب کے بہشت میں جائے گا، اگر اسی روز فوت ہوجائے تو شہید ہو کر فوت ہوگا۔ خلق خدا سے صوفیہ کی شفقت اور محبت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت نظام الدین اولیاؒ کا لنگر خانہ ہر وقت جاری رہتا تھا لیکن خود اکثر روزے سے ہوتے، جب سحری کے وقت کھانے پر اصرار کیا جاتا تو جواب دیتے کہ بہت سے مسکین و درویش مسجدوں کے کونوں اور دکانوں میں بھوکے پڑے ہیں، یہ کھانا میرے گلے سے کس طرح اتر سکتا ہے، مخلوق الٰہی کی نفع رسانی اور خدمت خلق ہی کا بے پناہ جذبہ تھا کہ شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی نے فیروز شاہ تغلق کی تاجپوشی کے وقت اس سے کہا "وعدہ کرو کہ مخلوق کے ساتھ انصاف کروگے"

صوفیہ کی یہ دردمندی اور ہمدردی صرف مادی دائرے تک محدود نہیں تھی بلکہ اس کے پس پردہ اشاعت اسلام اور ایک صالح انسانی معاشرے کے قیام کا بے پناہ جذبہ بھی کارفرما تھا، انہوں نے دین کی ترویج و اشاعت میں جو کوششیں کیں ان سے صرف نظر کرنا تاریخ کے ساتھ ناانصافی ہوگی، سلاطین غزنوی کے دور میں لاہور کا ایک ہندو رائے راجو معزز عہدے پر فائز تھا، ۴۳۱ھ میں شیخ علی ہجویری لاہور آئے تو سب سے پہلے ان کے ہاتھ

پر رائے راجو مسلمان ہوا، اسی زمانے میں شیخ ابوسعید ابوالخیر نیشاپور میں یہودیوں اور عیسائیوں کو دائرۂ اسلام میں لا رہے تھے۔ برصغیر کے بعض حصّوں میں صوفیہ نے اشاعت اسلام کا کام وسیع پیمانے پر کیا اور بعض اوقات انہیں غیر معمولی کامیابی حاصل ہوئی لیکن اشاعت اسلام کی سب سے نمایاں مثال امیر سید علی ہمدانی کی ہے جنہوں نے وادی کشمیر میں تبلیغ کر کے پوری ریاست (جو اس وقت ایک خود مختار ملک تھا) کو دارالاسلام میں بدل دیا۔

صوفیہ نے صالح معاشرہ قائم کرنے کی بھی کوششیں کیں گو ان کی کوششوں کا دائرہ محدود تھا۔ کشف المحجوب میں لکھا ہے کہ ایک شخص خانہ کعبہ کا طواف کر رہا تھا اور دعا کرتا جاتا تھا،

اللّٰھُمَّ اَصْلِحْ اِخْوَانِی ۔ اے اللہ میرے بھائیوں کی اصلاح فرما۔

کسی نے کہا کہ اس مقام پر پہنچ کر اپنے لیے کیوں دعا نہیں کرتے؟ اس نے جواب دیا: وہ میرے بھائی ہیں، جب میں واپس جاؤں اور انہیں صالح پاؤں گا تو میں ان کی صلاح سے صالح ہو جاؤں گا، اگر انہیں بگڑا ہوا پاؤں گا تو ان کے بگاڑ سے میں بھی بگڑ جاؤں گا[1]

صوفیہ نے اپنے حسن اخلاق سے سماج کے تمام طبقوں کو متاثر کیا ہے، ان کی خانقاہوں کے دروازے امیر و غریب سب کے لیے کھلے تھے، انہوں نے ارباب دول کو عدل و انصاف کی تلقین کی اور رعایا کو حکمرانوں کے حقوق کی ادائیگی کی تعلیم دی، شکستہ دلوں اور سماج کے نچلے طبقوں کو ان کی مجلسوں میں اپنے درد کا درماں ملا تو ارباب اقتدار کو آخرت کی یاد آئی۔

اہل تصوف نے عالمگیر اخوت، مساوات اور بھائی چارے کا سبق دیا اور اختلاف و تفریق کو ہوا دینے کے بجائے خلوص، دردمندی، محبت اور مودت کے چراغ روشن کیے۔ انہوں نے اپنے حسن اخلاق اور اعلیٰ ظرفی سے بعض اوقات ایسے دلوں کو زندگی بخشی جو انسان دوستی سے خالی ہو کر بالکل ویران ہو چکے تھے، انہوں نے لق و دق صحراؤں، فلک بوس پہاڑوں، بے کراں سمندروں اور بنجر زمینوں کو عبور کر کے اشاعت دین کی وہ تابناک روایات قائم کیں جو ہماری ملی تاریخ کا ایک روشن اور ناقابل فراموش باب بن چکی ہیں۔

---

[1] کشف المحجوب ص ۲۹۴-۲۹۵

مراجع

عربی

قرآن حکیم

ابوالفضل شہاب الدین سید محمود آلالوسی — روح المعانی — الطبعۃ الاولیٰ بولاق مصر سنہ ۱۳۰۱ھ

ابن اثیر — الکامل فی التاریخ — دارالفکر بیروت سنہ ۱۳۹۸ھ/ سنہ ۱۹۷۸ء

ابن باکویہ الصوفی — اخبار الحلّاج تصحیح وتعلیق ل۔ ماسینون وب۔ کراوس — پیرس سنہ ۱۹۳۶ء

——— — اخبار الحلّاج تقدیم عبدالحفیظ بن محمد مدنی ہاشم — مکتبۃ الجندی قاہرہ مصر

امام ابن تیمیہ — احادیث القصاص تحقیق ڈاکٹر محمد الصباغ المکتب الاسلامی الطبعۃ الاولیٰ سنہ ۱۳۹۲ھ/ سنہ ۱۹۷۲ء

——— — اقتضاء الصراط المستقیم تحقیق محمد حامد الفقی — الطبعۃ الثانیہ سنہ ۱۳۶۹ھ/ سنہ ۱۹۵۰ء

——— — الفرقان بین اولیاء الرحمٰن واولیاء الشیطٰن تحقیق محمود عبدالوہاب مصر سنہ ۱۳۷۸ھ/ سنہ ۱۹۵۸ء

——— — قاعدہ جلیلہ فی التوسل والوسیلہ — المکتب الاسلامی بیروت سنہ ۱۳۹۰ھ/ سنہ ۱۹۷۰ء

——— — مجموع فتاویٰ جمع وترتیب عبدالرحمٰن قاسم العاصمی النجدی الحنبلی رباط المغرب/ مطابع ریاض الطبعۃ الاولیٰ سنہ ۱۳۸۱ھ و سنہ ۱۳۸۲ھ

——— — مقدمہ فی اصول التفسیر تحقیق الدکتور عدنان زرزور، دارالقرآن الکریم الکویت الطبعۃ الاولیٰ سنہ ۱۳۹۱ھ/ سنہ ۱۹۷۱ء

——— — منہاج السنۃ النبویہ — مکتبۃ الریاض الحدیثہ

حافظ ابن جوزی — تلبیس ابلیس — دارالطباعۃ المنیریۃ القاہرہ — الطبعۃ الثانیہ سنہ ۱۳۶۹ھ/ سنہ ۱۹۵۰ء

——— — صفۃ الصفوۃ — حیدرآباد

——— — المنتظم فی تاریخ الملوک والامم، دائرۃ المعارف عثمانیہ حیدرآباد الطبعۃ الاولیٰ سنہ ۱۳۵۷ھ

——— — کتاب الموضوعات، تقدیم وتحقیق عبدالرحمٰن محمد عثمان، دارالفکر بیروت الطبعۃ الثانیہ سنہ ۱۴۰۳ھ/ سنہ ۱۹۸۳ء

حافظ ابن حبان — کتاب المجروحین، تحقیق محمود ابراہیم زائد، دارالوعی بحلب الطبعۃ الاولیٰ سنہ ۱۳۹۵ھ/ سنہ ۱۹۷۵ء

حافظ ابن حجر عسقلانی — الاصابہ فی تمییز الصحابہ تحقیق علی محمد البجاوی۔ — القاہرہ سنہ ۱۳۸۳ھ/ سنہ ۱۹۷۰ء

——— — تقریب التہذیب — نفیس پرنٹرز لاہور — الطبعۃ الاولیٰ سنہ ۱۳۹۳ھ/ سنہ ۱۹۷۳ء

——— تهذیب التهذیب حیدرآباد ۱۳۲۵ھ

——— فتح الباری، تصحیح وتحقیق عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز، ادارات البحوث العلمیہ والافتاء والدعوۃ والارشاد بالمملکۃ العربیۃ السعودیہ ۱۳۷۹ھ

——— الکافی الشاف فی تخریج احادیث الکشاف دارالمعرفۃ بیروت لبنان

——— لسان المیزان حیدرآباد الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۲۹ھ تا ۱۳۳۰ھ

——— نخبۃ الفکر مطبع مجیدی کان پور ۱۳۴۴ھ

امام ابن حزم الاندلسی جمہرۃ انساب العرب قاہرہ ۱۹۶۳ء

——— جوامع السیرۃ النبویہ مکتبۃ التراث الاسلامی بجوار ادارۃ الازہر مصر ۱۹۸۲ء

——— الفصل فی الملل والاہواء والنحل، دارالمعرفۃ بیروت لبنان الطبعۃ الثانیہ ۱۳۹۵ھ / ۱۹۷۵ء

علّامہ ابن خلدون مقدمہ بیروت الطبعۃ الثانیہ ۱۹۰۰ء

ابن خلکان وفیات الاعیان، تحقیق احسان عباس، دارصادر بیروت ۱۳۹۸ھ / ۱۹۷۸ء

حافظ ابن رجب حنبلی طبقات الحنابلہ دارالمعرفۃ بیروت ۱۳۷۲ھ / ۱۹۵۲ء

علّامہ ابن رشد الکشف عن مناہج الادلۃ مشمولہ فلسفہ ابن رشد مصر ۱۳۱۹ھ

ابن سعد الطبقات الکبریٰ دارصادر بیروت ۱۳۸۸ھ / ۱۹۶۸ء

ابن عابدین ردالمحتار علی الدرالمختار فی شرح تنویر الابصار، مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ پاکستان الطبعۃ الثانیہ ۱۴۰۴ھ

ابن عبدربہ العقد الفرید مطبعۃ الاستقامۃ بالقاہرہ الطبعۃ الثانیہ ۱۳۷۲ھ / ۱۹۵۳ء

شیخ اکبر ابن عربی الامر المحکم المربوط دیوبند بار دوم ۱۳۶۴ھ

——— تفسیر الشیخ الاکبر بولاق مصر ۱۲۸۳ھ

——— تفسیر القرآن الکریم للشیخ الاکبر، تقدیم الدکتور مصطفےٰ غالب، انتشارات ناصر خسرو طہران ایران

——— الفتوحات المکیہ دارالکتب العربیۃ الکبریٰ مصر ۱۳۲۹ھ

——— فصوص الحکم، تعلیق ابوالعلاء عفیفی دار احیاء الکتب العربیۃ القاہرہ/عیسیٰ البابی وشرکاہ ۱۳۶۵ھ / ۱۹۴۶ء

ابن عماد حنبلی شذرات الذہب دارالمسیرہ بیروت ۱۳۹۹ھ / ۱۹۷۹ء

شیخ ابن الفارض دیوان (التائیۃ الکبریٰ المسماۃ بنظم السلوک) قاہرہ مصر الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۷۲ھ / ۱۹۵۳ء

——— دیوان تعلیق کرم البستانی دارصادر بیروت ۱۳۷۶ھ / ۱۹۵۷ء

علّامہ ابن قتیبہ الدینوری تاویل مختلف الاحادیث دارالکتاب العربی بیروت لبنان

	کتاب المعارف مرتبہ فرڈیننڈ	گوٹنجن	۱۸۵۰ء
امام ابن قیم الجوزیہ	عدۃ الصابرین وذخیرۃ الشاکرین	دار الباز مکہ مکرمہ	
	مدارج السالکین	مطبعۃ المنار مصر	
	المنار المنیف تحقیق عبدالفتاح ابوغدہ	مکتب المطبوعات الاسلامیہ حلب الطبعۃ الثانیہ	۱۴۰۲ھ ۱۹۸۲ء
حافظ ابن کثیر	البدایہ والنہایہ	مکتبہ المعارف بیروت الطبعۃ الثانیہ	۱۹۷۷ء
	تفسیر القرآن العظیم	دار الفکر العربی	
	قصص الانبیاء تحقیق الدکتور مصطفیٰ عبدالواحد	مکۃ المکرمہ الطبعۃ الثانیہ	۱۴۰۸ھ/۱۹۸۸ء
امام ابن ماجہ	سنن ابن ماجہ تحقیق محمد مصطفیٰ الاعظمی	ریاض الطبعۃ الثانیہ	۱۴۰۴ھ/۱۹۸۴ء
ابن منظور	لسان العرب	بولاق مصر	۱۳۰۱ھ
ابن الندیم	الفہرست	دار المعرفۃ بیروت/ مطبعۃ الاستقامۃ القاہرہ	
ابن ہشام	سیرۃ النبی تعلیق محمد محی الدین عبدالحمید	دار الفکر بیروت	۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء
ابوبکر الخلال	کرامات الاولیاء	مصر	
امام ابوحنیفہ	الفقہ الاکبر وشرحہ لملا علی قاری تصحیح بدر الدین ابوفراس النعسانی الحلبی،	مطبعۃ التقدم مصر الطبعۃ الاولیٰ	۱۳۲۳ھ
ابوحیان الاندلسی	البحر المحیط	دار الفکر بیروت الطبعۃ الثانیہ	۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء
امام ابوداؤد	سنن ابی داؤد	مطبع مجیدی کانپور	۱۳۴۵ھ
شیخ ابوطالب مکی	قوت القلوب	المطبعۃ الیمنیہ مصر	۱۳۰۱ھ
	قوت القلوب	مصر	۱۲۹۱ھ
شیخ ابونصر عبداللہ بن علی السراج الطوسی	کتاب اللمع فی التصوف تصحیح رنولڈ الن نیکلسون	مطبعۃ بریل لیڈن	۱۹۱۴ء
	اللمع تحقیق وتقدیم عبدالحلیم محمود، طٰہٰ عبدالباقی سرور، دار الکتب الحدیثہ،	مطبعۃ السعادۃ قاہرہ مصر	۱۳۸۰ھ/۱۹۶۰ء
ابونعیم اصبہانی	حلیۃ الاولیاء	دار الکتاب بیروت	۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء
ابونواس	دیوان ابی نواس تشریح محمود آفندی	مصر الطبعۃ الاولیٰ	۱۸۹۸ء
ابراہیم الجیوشی	بین التصوف والحیاۃ	مصر	
احمد امین	ضحی الاسلام	قاہرہ الطبعۃ الثانیہ	۱۳۶۰ھ/۱۹۴۱ء
امام احمد بن حنبل	مسند امام احمد تحقیق محمد احمد شاکر	الطبعۃ الرابعہ والثالثہ دار المعارف مصر	۱۳۷۳ھ/۱۹۵۴ء

شیخ احمد قشاشی السمط المجید دائرۃ المعارف حیدر آباد ھند ۱۳۲۷ھ

امام بخاری صحیح البخاری دار احیاء التراث العربی القاہرہ ۱۳۷۸ھ / ۱۹۵۸ء

کتاب الضعفاء الصغیر تحقیق محمود ابراہیم زائد دار الوعی حلب الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۹۶ھ

عبد الرحمٰن بدوی شطحات الصوفیہ (ابو یزید البسطامی) وکالۃ المطبوعات الکویت / دار القلم بیروت لبنان ۱۹۷۶ء

بطرس البستانی دائرۃ المعارف مکتبہ الھلال ۱۹۰۰ء

علامہ برہان الدین البقاعی مصرع التصوف تحقیق و تعلیق عبد الرحمٰن وکیل القاہرہ الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۷۲ھ / ۱۹۵۳ء

علامہ ابو ریحان البیرونی کتاب الھند مرتبہ ایڈورڈ ساچو لندن ۱۸۸۷ء

امام ابو بکر احمد بن حسین البیہقی کتاب الاسماء والصفات مطبع انوار محمدی الہ آباد الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۱۳ھ

مُلّا طاہر پٹنی تذکرۃ الموضوعات و قانون الموضوعات والضعفاء مرتبہ عبد الکبیر سامر ددی
جائے طباعت نامعلوم ۱۳۴۲ھ

امام ترمذی سُنن الترمذی تحقیق ابراہیم عطوہ عوض ۱۳۸۱ھ / ۱۹۶۲ء

ابو عبد اللہ محمد بن علی الحکیم الترمذی کتاب ختم الاولیاء، تحقیق عثمان اسماعیل یحیٰ۔ المطبعۃ الکاثولیکیہ بیروت ۱۹۶۵ء

شیخ سہل بن عبد اللہ تستری تفسیر القرآن العظیم دار الکتب العربیۃ الکبریٰ مصر ۱۳۲۹ھ

شیخ محمد اعلیٰ التھانوی موسوعۃ اصطلاحات العلوم الاسلامیہ المعروف بہ کشاف اصطلاحات الفنون، مرتبہ
محمد وجیہہ عبد الحق و غلام قادر خیاط بیروت ۱۹۶۶ء

امام ابو اسحٰق احمد بن ابراہیم الثعلبی قصص الانبیاء المسمیٰ بالعرائس اسکندریہ ۱۲۸۲ھ

شیخ عبد القادر جیلانی غنیۃ الطالبین دار الکتب العربیۃ الکبریٰ مصر ۱۳۳۱ھ

الفتح الربانی مصر ۱۳۰۲ھ

عبد الکریم جیلی الانسان الکامل مطبعۃ الازہریہ المصریہ مصر الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۱۶ھ

حاجی خلیفہ المعروف بہ مُلّا کاتب چلپی کشف الظنون مصر ۱۲۷۴ھ

حافظ ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ المعروف بہ
حاکم نیشاپوری المستدرک حیدر آباد ۱۳۴۰ھ

شیخ حارث محاسبی رسالۃ المسترشدین تحقیق عبد الفتاح ابو غدہ بیروت الطبعۃ الثانیہ ۱۳۹۱ھ / ۱۹۷۱ء

محمد مصطفےٰ حلمی ابن الفارض سلطان العاشقین وزارۃ الثقافۃ والارشاد القو مصر قاہرہ ۱۳۸۲ھ / ۱۹۶۳ء

حسن الزماں حیدر آبادی القول المستحسن فی فخر الحسن مطبعہ عزیز دکن ۱۳۱۲ھ

حیدر بن علی العلوی الآملی نص النصوص ملحق تاریخی کتاب ختم الاولیاء تحقیق عثمان اسماعیل یحیٰ۔ المطبعۃ الکاثولیکیہ بیروت ۱۹۶۵ء

حافظ خطیب بغدادی — تاریخ بغداد — مطبعۃ السعادۃ مصر — الطبعۃ الاولیٰ — ۱۳۴۹ھ/ ۱۹۳۱ء

——— شرف اصحاب الحدیث تحقیق محمد سعید خطیب اوغلی انقرہ ۱۹۷۲ء

——— الکفایہ فی علم الروایہ حیدر آباد دکن ۱۳۵۷ھ

حافظ صفی الدین احمد بن عبد اللہ الخزرجی — تذہیب تہذیب الکمال تحقیق محمود عبد الوہاب فائد قاہرہ ۱۳۹۱ھ/ ۱۹۷۱ء

——— خلاصۃ تذہیب تہذیب الکمال بیروت الطبعۃ الثانیہ ۱۳۹۹ھ/ ۱۹۷۹ء

شیخ داؤد ابن یوسف — الفتاوی الغیاثیہ کوئٹہ پاکستان ۱۴۰۳ھ

شیخ ابو المحاسن الحسینی الدمشقی — ذیل تذکرۃ الحفاظ للذہبی مشمولہ تذکرۃ الحفاظ داراحیاء التراث العربی/ دائرۃ المعارف العثمانیہ الطبعۃ الرابعہ ۱۳۹۰ھ/ ۱۹۷۰ء

شیخ کمال الدین الدمیری — حیاۃ الحیوان الکبریٰ مطبعۃ السعادۃ مصر ۱۳۳۰ھ

شیخ حسین ابن محمد بن الحسن الدیار البکری — تاریخ الخمیس مصر الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۰۲ھ

الامام الحافظ شمس الدین الذہبی — تذکرۃ الحفاظ دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدر آباد الطبعۃ الرابعہ ۱۳۹۰ھ/ ۱۹۷۰ء

——— سیر اعلام النبلاء، تحقیق شعیب الارنؤوط موسسۃ الرسالۃ بیروت الطبعۃ الاولیٰ ۱۴۰۱ھ ۱۹۸۱ء

——— میزان الاعتدال تحقیق علی محمد البجاوی دار المعرفۃ بیروت الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۸۲ھ/ ۱۹۶۳ء

محمد حسین الذہبی — التفسیر والمفسرون دار الکتب الحدیثہ قاہرہ الطبعۃ الثانیہ ۱۳۹۶ھ/ ۱۹۷۶ء

شیخ ابو محمد عبد الرحمٰن بن حاتم الرازی — کتاب الجرح والتعدیل دائرۃ المعارف العثمانیہ دکن الہند الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۷۱ھ تا ۱۳۷۳ھ/ ۱۹۵۲ء تا ۱۹۵۳ء

امام فخر الرازی — التفسیر الکبیر داراحیاء التراث العربی بیروت

شیخ ابو محمد روزبہان البقلی الشیرازی — عرائس البیان فی حقائق القرآن، مطبع نولکشور لکھنؤ ۱۳۰۱ھ

علامہ محمد مرتضیٰ زبیدی — اتحاف السادۃ المتقین مصر

امام بدر الدین محمد بن عبد اللہ الزرکشی — البرہان فی علوم القرآن تحقیق محمد ابو الفضل ابراہیم الطبعۃ الثانیہ ۱۳۹۱ھ/ ۱۹۷۲ء

خیر الدین الزرکلی — الاعلام مطبعۃ کوستاتسوماس وشرکاہ مصر الطبعۃ الثانیہ ۱۳۷۳ تا ۱۳۷۸ھ/ ۱۹۵۴ تا ۱۹۵۹ء

ڈاکٹر زکی مبارک — الاخلاق عند الغزالی مطابع دار الکتاب العربی بمصر

——— التصوف الاسلامی فی الادب والاخلاق، دار الکتاب العربی بمصر الطبعۃ الثانیہ ۱۳۷۳ھ/ ۱۹۵۴ء

ڈاکٹر زکی نجیب — جابر بن حیان قاہرہ مصر ۱۹۶۱ء

امام ابو القاسم محمود بن عمر الزمخشری — اساس البلاغۃ تحقیق استاذ عبد الرحیم محمود دار المعرفۃ بیروت لبنان ۱۴۰۲ھ/ ۱۹۸۳ء

——— الکشاف عن حقائق التنزیل وعیون الاقاویل فی وجوہ التاویل دار المعرفۃ بیروت لبنان

امام تاج الدین سبکی — طبقات الشافعیۃ الکبریٰ المطبعۃ عیسیٰ البابی الحلبی وشرکاہ ۱۳۸۸ھ/ ۱۹۶۸ء

———	قاعدہ فی الجرح والتعدیل دارالوعی حلب/الطبعۃ الثانیہ القاہرہ ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء
ابوحاتم سہل السجستانی	کتاب المعمرین مرتبہ اگناز گولڈزیہر بریل لیڈن ۱۸۹۹ء
امام حافظ شمس الدین ابوالخیر محمد بن عبدالرحمن السخاوی	فتح المغیث بشرح الفیۃ الحدیث المطبع انوار محمدی لکھنو
———	المقاصد الحسنہ فی بیان کثیر من الاحادیث المشتہرہ علی الالسنۃ، تصحیح وتعلیق وتحشیہ عبداللہ محمد الصدیق تقدیم عبدالوہاب عبداللطیف دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء
طٰہٰ عبدالباقی سرور	اعلام التصوف الاسلامی دار نہضہ مصر
شیخ ابوعبدالرحمن السلمی	طبقات الصوفیہ تحقیق نورالدین سدیبہ مطابع دارالکتاب العربی بمصر محمد حلمی المنیادی، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۷۲ھ/۱۹۵۳ء
———	کتاب الاربعین فی التصوف حیدرآباد الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۶۹ھ/۱۹۵۰ء
امام ابوسعد عبدالکریم بن محمد السمعانی	الانساب حیدرآباد الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۸۲ھ تا ۱۴۰۲ھ/۱۹۶۲ء تا ۱۹۸۲ء
شیخ شہاب الدین سہروردی	عوارف المعارف علی ہامش احیاء علوم الدین، مصطفےٰ البابی الحلبی واولادہ بمصر ۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹ء
سہلکی (السہلجی)	النور من کلمات ابی طیفور مشمولہ شطحات الصوفیہ مرتبہ عبدالرحمن بدوی وکالۃ المطبوعات الکویت/دارالقلم بیروت لبنان ۱۹۷۶ء
امام جلال الدین سیوطی	اتحاف الفرقۃ بوصل الخرقۃ مشمولہ مجموعہ رسائل تسعہ سیوطی مطبع محمدی لاہور
———	الاتقان فی علوم القرآن المکتبۃ الثقافیہ بیروت لبنان
———	اتحاف الفرقۃ بوصل الخرقۃ مشمولہ فخر الحسن مطبع ابن پنچ بانکی پور ۱۳۲۱ھ/۱۹۰۳ء
———	التنقیح فی مشروعیۃ التسبیح مشمولہ رسائل اثنا عشر للسیوطی مطبع محمدی لاہور
———	ذیل الموضوعات المطبع العلوی لکھنو ۱۳۰۳ھ
———	ذیل طبقات الحفاظ للذہبی مشمولہ تذکرۃ الحفاظ داراحیاء التراث العربی
———	القول الاشبہ فی حدیث من عرف نفسہ فقد عرف ربہ، مشمولہ رسائل تسعہ سیوطی، مطبع محمدی لاہور
———	کشف الاحوال فی نقد الرجال المطبع العلوی لکھنو ۱۳۰۳ھ
———	اللآلی المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعہ المطبع العلوی لکھنو ۱۳۰۳ھ/۱۸۸۶ء
الامام الحافظ ابواحمد عبداللہ بن عدی	الکامل فی ضعفاء الرجال دارالفکر بیروت الطبعۃ الثانیہ ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی	العجالۃ النافعۃ قرآن منزل ڈھاکہ (مشرقی پاکستان حال بنگلہ دیش)	سنہ ۱۹۶۴ء
شاہ ولی اللہ دہلوی	التفہیمات الالٰہیہ المجلس العلمی ڈابھیل (سورت)	سنہ ۱۳۵۵ھ / ۱۹۳۶ء
——	حجۃ اللہ البالغہ مصر	سنہ ۱۳۲۲ھ
——	الدر الثمین مشمولہ المسلسلات مکتبہ یحیویہ سہارنپور	سنہ ۱۳۸۵ھ / ۱۹۶۵ء
——	فیوض الحرمین مطبع احمدی دہلی	سنہ ۱۳۰۸ھ
——	القول الجمیل مطبع محمدی یمین	سنہ ۱۲۶۰ھ
——	النوادر مشمولہ المسلسلات مکتبہ یحیویہ سہارنپور	سنہ ۱۳۸۵ھ / ۱۹۶۵ء
امام شافعی	المسند مصر	سنہ ۱۳۲۷ھ
شیخ عبدالوہاب شعرانی	تنبیہ المغترین المطبعۃ المیمنیہ مصر	سنہ ۱۳۱۰ھ / ۱۳۲۴ھ
——	الطبقات الکبریٰ المسماۃ بلواقح الانوار مطبعۃ مصطفی البابی الحلبی واولادہ بمصر قاہرہ الطبعۃ الاولیٰ	سنہ ۱۳۷۳ھ / ۱۹۵۴ء
——	کشف الغمۃ عن جمیع الامۃ، مصطفی البابی الحلبی واولادہ بمصر قاہرہ الطبعۃ الاخیرۃ	سنہ ۱۳۷۰ھ ۱۹۵۱ء
——	الیواقیت والجواہر مصر	سنہ ۱۲۷۷ھ
قاضی محمد بن علی الشوکانی	الفوائد المجموعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ تعلیق عبد اللہ محمد الصدیق، بیروت الطبعۃ الثانیۃ	سنہ ۱۳۹۲ھ
مولیٰ احمد بن مصطفیٰ المعروف بہ طاش کبریٰ زادہ	مفتاح السعادہ ومصباح السیادہ، دائرۃ المعارف النظامیہ حیدرآباد دکن الہند الطبعۃ الاولیٰ	سنہ ۱۳۲۹ھ / و سنہ ۱۳۵۶ھ
امام ابوجعفر محمد بن جریر الطبری	تاریخ الطبری، دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان الطبعۃ الثانیہ	سنہ ۱۴۰۸ھ / ۱۹۸۸ء
——	جامع البیان فی تفسیر القرآن دار المعرفۃ بیروت لبنان الطبعۃ الرابعۃ	سنہ ۱۴۰۰ھ / ۱۹۸۰ء
عبدالحی الحسنی	الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند تقدیم ابوالحسن علی الحسنی الندوی دمشق	سنہ ۱۴۰۳ھ / ۱۹۸۳ء
مولانا عبدالحی لکھنوی	الآثار المرفوعۃ فی الاخبار الموضوعۃ ادارہ احیاء السنۃ گرجاکھ گوجرانوالہ پاکستان	
عبدالرحمن وکیل	ہٰذہ ہی الصوفیہ دار البازمکۃ المکرمہ / دار الکتب العلمیہ قاہرہ الطبعۃ الثانیہ	۱۳۹۹ھ ۱۹۷۹ء
عبدالعظیم عبدالسلام شرف الدین	ابن قیم الجوزیہ عصرہ ومنہجہ وآراؤہ فی الفقہ والعقائد والتصوف، مکتبۃ الکلیات الازہریہ (مصر) الطبعۃ الثانیہ	سنہ ۱۳۸۷ھ / ۱۹۶۷ء
شیخ عبدالغنی نابلسی	المسلک الجلی فی حکم شطح الولی مشمولہ شطحات الصوفیہ مرتبہ عبدالرحمن بدوی، وکالۃ المطبوعات الکویت / دار القلم بیروت لبنان	سنہ ۱۹۷۶ء
شیخ اسماعیل بن محمد عجلونی	کشف الخفاء دار احیاء التراث العربی بیروت لبنان الطبعۃ الثانیہ	سنہ ۱۳۵۲ھ

حافظ زین الدین عراقی — المغنی عن حمل الاسفار فی الاسفار فی تخریج ما فی الاحیاء من الاخبار برحاشیہ احیاء علوم الدین، مکتبۃ مصطفیٰ البابی الحلبی واولادہ بمصر ۱۳۵۸ھ / ۱۹۳۹ء

ابو العلاء عفیفی — التصوف، الثورۃ الروحیہ فی الاسلام اسکندریہ مصر ۱۹۶۳ء

عمر رضا کحالہ — معجم المولفین مکتبۃ المثنیٰ بیروت ودار احیاء التراث العربی بیروت

عمر فروخ — التصوف فی الاسلام بیروت الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۶۶ھ / ۱۹۴۷ء

قاضی عیاض — ترتیب المدارک دار المکتبۃ الحیاۃ بیروت ۱۳۸۷ھ / ۱۹۶۷ء

عیسیٰ عبد القادر — حقائق عن التصوف حلب الطبعۃ الثانیہ ۱۳۹۰ھ / ۱۹۷۰ء

بدر الدین محمود بن احمد العینی — البنایہ فی شرح الہدایہ المشہور عینی شرح ہدایہ المکتبۃ الامدادیہ مکۃ المکرمہ

امام غزالی — احیاء علوم الدین مکتبۃ مصطفیٰ البابی الحلبی واولادہ بمصر ۱۳۵۸ھ / ۱۹۳۹ء

———— — مشکاۃ الانوار مصر ۱۹۳۴ء

———— — المضنون بہ علیٰ غیر اہلہ مصر ۱۳۰۹ھ

———— — المنقذ من الضلال علیٰ ہامش الانسان الکامل، المطبعۃ الازہریہ المصریہ (مصر) الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۱۶ھ

———— — منہاج العابدین مطبعہ دار احیاء الکتب العربی عیسیٰ البابی الحلبی وشرکاہ مصر

ابو طاہر محمد بن یعقوب الفیروز آبادی (مجد الدین شیرازی) — تنویر المقیاس من تفسیر ابن عباس الطبعۃ الاولیٰ بالمطبعۃ الازہریہ المصریہ ۱۳۱۶ھ

———— — سفر السعادۃ علیٰ ہامش کشف الغمہ مطبع مصطفیٰ البابی الحلبی واولاد بمصر القاہرہ الطبعۃ الاخیرہ ۱۳۷۰ھ / ۱۹۵۱ء

امام شہاب الدین احمد بن محمد القسطلانی — ارشاد الساری لشرح البخاری البخاری مطبع نولکشور کانپور

———— — ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری دار احیاء التراث العربی بیروت لبنان

امام ابو القاسم عبد الکریم بن ہوازن القشیری — الرسائل القشیریہ (متن مع اردو ترجمہ) مترجم ڈاکٹر محمد حسن المعہد المرکزی للابحاث الاسلامیہ کراچی پاکستان ۱۹۶۴ء / ۱۳۸۴ھ

———— — الرسالۃ القشیریہ المطبعۃ العامرۃ العثمانیہ مصر ۱۳۰۴ھ

عبد الرزاق بن جمال الدین الکاشی السمرقندی — اصطلاحات الصوفیہ مرتبہ الائس اسپرنگر الارشاد لاہور (دوسرا چھاپ) ۱۹۷۴ء

ابو الحسن علی بن محمد بن عراق الکنانی — تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ عن الاخبار الموضوعۃ تحقیق وتعلیق عبد الوہاب عبد اللطیف وعبد اللہ محمد الصدیق، دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان الطبعۃ الاولیٰ ۱۹۷۹ء / ۱۳۹۹ھ

امام مالک بن انس — الموطاء تصحیح وتعلیق محمد فواد عبدالباقی داراحیاء الکتب العربیہ عیسٰی البابی الحلبی وشرکاہ ۱۳۷۰ھ / ۱۹۵۱ء

شیخ ابوبکر محمد الکلاباذی — التعرف لمذہب اہل التصوف تحقیق عبدالحلیم محمود۔ طٰہٰ عبدالباقی سرور، داراحیاء الکتب العربیۃ قاہرہ سنہ ۱۳۸۰ھ / سنہ ۱۹۶۰ء

الکندی — کتاب الولاۃ وکتاب القضاۃ بیروت سنہ ۱۹۰۸ء

شیخ مجدد الف ثانی — مکتوبات امام ربانی امرتسر ۱۳۳۱ھ، ۱۳۳۴ھ، کراچی ۱۳۹۷ھ / ۱۹۷۷ء

محمد ابوزہرہ — ابوحنیفہ حیاتہ وعصرہ وآراؤہ وفقہہ دارالفکر العربی

حافظ محمد عبدالرحمٰن بن عبدالرحیم المبارکفوری — تحفۃ الاحوذی بشرح جامع الترمذی تصحیح عبدالوہاب عبداللطیف الطبعۃ الثالثۃ سنہ ۱۳۹۹ھ / ۱۹۷۹ء

حافظ ابوجعفر محمد بن عمر العقیلی — کتاب الضعفاء الکبیر تحقیق وتوثیق الدکتور عبدالمعطی امین قلعجی دارالکتب العلمیہ بیروت الطبعۃ الاولی

حافظ محمد بن طاہر المقدسی (ابن القیسرانی) — صفوۃ التصوف تعلیق احمد شرباصی دارالتالیف مصر قاہرہ ۱۳۷۰ھ / ۱۹۵۱ء

سید محسن امین — اعیان الشیعہ دارالتعارف للمطبوعات بیروت سنہ ۱۴۰۳ھ / ۱۹۸۳ء

حافظ جمال الدین ابوالحجاج یوسف المزینی — تہذیب الکمال فی اسماء الرجال تحقیق وتعلیق الدکتور بستاعواد معروف مؤسسۃ الرسالۃ بیروت الطبعۃ الاولی والطبعۃ الثانیہ ۱۴۰۵ھ ۱۹۸۵ء

امام سعدالدین مسعود بن عمر بن عبداللہ تفتازانی — شرح العقائد النسفیہ مطبع نولکشور لکھنو

ابوالحسن علی بن الحسین المسعودی — مروج الذہب ومعادن الجواہر المطبعۃ الازہریہ المصریہ الطبعۃ الاولی سنہ ۱۳۰۳ھ

امام مسلم — صحیح مسلم بشرح نووی داراحیاء التراث العربی بیروت لبنان الطبعۃ الثانیہ ۱۳۹۲ھ ۱۹۷۲ء

ڈاکٹر مصطفٰے السباعی — السنۃ ومکانتہا فی التشریع الاسلامی مکتبہ دارالعروبہ بالقاہرہ الطبعۃ الاولی ۱۳۸۰ھ ۱۹۶۱ء

امام ملا قاری — شرح الفقہ الاکبر (مع الفقہ الاکبر) تصحیح بدرالدین ابوفراس النعسانی الحلبی، مطبعۃ التقدم بشارع محمد علی مصر الطبعۃ الاولی ۱۳۲۳ھ

——— مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح مرتبہ شیخ محمد بن عبدالحلیم بن عبدالرحیم چشتی، المکتبہ النوریہ مدنی مسجد دیوبند الہند

——— المرقاۃ فی شرح المشکاۃ مکتبہ امدادیہ ملتان پاکستان

——— المصنوع فی معرفۃ الحدیث الموضوع تحقیق وتعلیق عبدالفتاح ابوغدہ، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت الطبعۃ الثانیہ سنہ ۱۳۹۸ھ / ۱۹۷۸ء

——— الموضوعات الکبیر المطبع الرفیع المجتبائی دہلی ۱۳۱۵ھ

شیخ عبدالرؤف المناوی — الکواکب الدریہ تصحیح وتعلیق محمود حسن زبیع مطبعۃ درسۃ تجلیۃ الانوار مصر ۱۳۵۷ھ/۱۹۳۸ء

الدکتور الشریف منصور بن عون العبدلی — مرویات ابن مسعود دار شروق جدہ الطبعۃ الاولیٰ ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۵ء

میشال فرید غریب — الحلاج اوضوء الدم مطبعۃ الغریب بیروت الطبعۃ الاولیٰ

علامہ ناصر الدین البانی — سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ والموضوعہ المکتب الاسلامی بیروت دمشق

علامہ یوسف بن اسماعیل النبہانی — جامع کرامات الاولیاء، دار الکتب العربیۃ الکبریٰ مصر ۱۳۲۹ھ

امام نسائی — سنن النسائی بشرح حافظ جلال الدین سیوطی وحاشیۃ الامام السندی، تحقیق عبدالفتاح ابوغدہ بیروت لبنان الطبعۃ الثانیہ ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۶ء

کتاب الضعفاء والمترو کین تحقیق محمود ابراہیم زائد دار الوعی حلب الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۹۶ھ

علامہ برہان نسفی — عقائد نسفیہ متن مشمولہ شرح العقائد النسفیہ مطبع نولکشور لکھنو

فخر الدین نظامی چشتی دہلوی — فخر الحسن مع ترجمہ علی حسن مطبع ابلیشیا بانکی پور ۱۳۲۱ھ/۱۹۰۳ء

امام ابو زکریا محی الدین بن شرف الدین النووی — تہذیب الاسماء واللغات دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان

شرح برحاشیہ صحیح مسلم دار احیاء التراث العربی بیروت لبنان الطبعۃ الثانیہ ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء

حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی — مجمع الزوائد ومنبع الفوائد مکتبہ القدسی قاہرہ

عبداللہ بن اسعد الیافعی — نشر المحاسن الغالیہ فی فضل مشائخ الصوفیہ اصحاب المقامات العالیہ علیٰ ہامش جامع کرامات الاولیاء مصر ۱۳۲۹ھ

عفیف الدین یافعی — مراۃ الجنان وعبرۃ الیقظان، دائرۃ المعارف عثمانیہ حیدر آباد ۱۳۳۸ھ

یوحنا قمیر — ابن الفارض المطبعۃ الکاثولیکیہ بیروت الطبعۃ الثالثہ ۱۹۵۵ء

نامعلوم مصنف — نشرہ جامعۃ السلفیہ بنارس فروری ۱۹۸۷ء

فارسی

ابوالفضل — آئین اکبری مطبع نولکشور لکھنو ۱۳۱۰ھ/۱۸۹۳ء

امیر حسن علاء سنجری — فوائد الفواد مطبع نولکشور لکھنو بار چہارم ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء

مولانا عبدالرحمٰن جامی — لوائح مطبع نولکشور لکھنو بار ششم ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء

نفحات الانس مطبع نولکشور کانپور ۱۸۹۳ء

شمس الدین افلاکی المعروف بہ چلپی عارف — مناقب العارفین — آگرہ — ۱۸۹۷ء

سید محمد اکبر حسینی — جوامع الکلم (ملفوظات و ارشادات گرامی خواجہ بندہ نواز گیسو دراز) تصحیح و تحشیہ حافظ محمد حامد صدیق — مطبع انتظامی کانپور — ۱۳۵۶ھ

حمید قلندر — خیر المجالس تصحیح و تعلیق خلیق احمد نظامی — مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

محمد خاوند شاہ — تاریخ روضۃ الصفاء — بمبئی — ۱۲۷۱ھ

محمد داراشکوہ — سفینۃ الاولیاء — مطبع نولکشور کانپور — بار دوم — ۱۹۰۰ء

مولانا روم — لب لباب المثنوی — مطبع فتح الکریم بمبئی

حکیم سنائی — حدیقہ سنائی مع شرح لطائف الحدائق خواجہ عبد اللطیف عباسی مطبع نولکشور لکھنؤ ۱۸۸۷ء

شاہ عبد الحق محدث دہلوی — اخبار الاخیار — کتب خانہ رحیمیہ دیوبند

شاہ عبد العزیز محدث دہلوی — عجالۂ نافعہ — مطبع نیر اعظم لاہور — ۱۲۸۴ھ

شاہ ولی اللہ دہلوی — الانتباہ فی سلاسل الاولیاء — دہلی — ۱۳۱۱ھ

——— — انفاس العارفین — مطبع مجتبائی دہلی — ۱۳۳۵ھ/۱۹۱۷ء

——— — ہمعات — اسلامی پریس تحفۂ محمدیہ

شیخ محمود شبستری — گلشن راز — مرکز تحقیقاتِ فارسی ایران و پاکستان/موسسۂ انتشارات اسلامی لاہور — ۱۹۷۸ء

شیخ فرید الدین عطار — الٰہی نامہ — مطبع نول کشور لکھنو — ۱۸۷۲ء

——— — تذکرۃ الاولیاء — بمبئی — ۱۳۰۵ھ

——— — منطق الطیر — مطبع نول کشور لکھنو — ۱۲۸۸ھ/۱۸۷۱ء

امام غزالی — کیمیائے سعادت — لکھنو — ۱۸۹۴ء

ابو القاسم فردوسی طوسی — شاہ نامہ — مطبع فتح الکریم بمبئی — ۱۳۰۶ھ

ملا عبد النبی فخر الدین قزوینی — تذکرہ میخانہ — تصحیح و تنقیح گلچین معانی طہران — ۱۳۸۰ھ

خواجہ قطب الدین بختیار کاکی — دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ معین الدین چشتی) — لکھنو

سید محمد بن مبارک علوی کرمانی (میر خورد) — سیر الاولیاء — مرکز تحقیقاتِ فارسی ایران و پاکستان اسلام آباد/موسسۂ انتشارات اسلامی لاہور — ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء

شیخ فرید الدین گنج شکر — فوائد السالکین (ملفوظات خواجہ قطب الدین بختیار کاکی) — دہلی — ۱۳۱۰ھ

سید محمد حسینی گیسو دراز — شرح رسالہ قشیریہ — گلبرگہ — ۱۳۶۱ھ

غلام محمد ہادی خاں چشتی کشمیری لکھنوی — مناقب حافظیہ — مطبع احمدی کانپور — ۱۳۰۵ھ

شیخ مجدد الف ثانی — مبداء ومعاد — مطبع مجددی امرت سر — ۱۳۳۰ھ

———— — مکتوبات امام ربانی — امرت سر — ۱۳۳۲ھ

سید مظفر علی شاہ — جواہر غیبی — مطبع نول کشور — ۱۸۹۸ء

میر حسین دوست سنبھلی — تذکرۂ حسینی — مطبع نول کشور کانپور — ۱۸۷۵ء

نظام یمنی — لطائف اشرفی — نصرت المطابع دہلی — ۱۲۹۵ھ

نظامی گنجوی — سکندر نامہ بری — مطبع منشی گلاب سنگھ لکھنو

ابوالحسن علی بن عثمان الجلابی الہجویری — کشف المحجوب، نسخۂ تہران تصحیح وتحشیہ علی قویم مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان اسلام آباد — ۱۹۷۸ء

شیخ یحییٰ منیری — مکتوبات صدی — لکھنو — ۱۲۸۷ھ

حضرت مولانا یعقوب چرخی — رسالہ ابدالیہ تصحیح وتعلیق وپیشگفتار از محمد نذیر رانجھا، مرکز تحقیقات فارسی ایران وپاکستان اسلام آباد — ۱۳۹۸ھ / ۱۹۷۸ء

عبدالرحمن چشتی — مراۃ الاسرار — عکسی مخطوطہ کتب خانہ شبلی نعمانی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنو

اردو

پرانا عہد نامہ (تورات) نیا عہد نامہ (انجیل) — بائبل سوسائٹی — بنگلور

اردو دائرۂ معارف اسلامیہ (مختلف جلدیں) زیر اہتمام دانش گاہ پنجاب لاہور طبع اول ۱۳۸۱ھ / ۱۹۶۲ء تا ۱۳۹۳ھ / ۱۹۷۳ء

مولانا اشرف علی تھانوی — امداد الفتاویٰ۔ کراچی بار ششم ۱۴۰۹ھ۔ کتبخانہ رحیمیہ دیوبند بدون سنہ طباعت

———— — التکشف عن مہمات التصوف اللجنۃ العلمیہ حیدر آباد آندھرا بھارت

———— — تعلیم الدین — ناز پبلشنگ ہاؤس دہلی

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی — تفہیم القرآن — مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی — ۱۹۸۴ء

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی — تاریخ دعوت وعزیمت — مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنو ۱۳۸۹ھ / ۱۹۶۹ء تا ۱۴۰۴ھ / ۱۹۸۴ء

ابومحمد عبدالاحد — اوراد الصوفیہ — خلافت پریس بمبئی

مولانا تقی الدین ندوی مظاہری — محدثین عظام — دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنو — ۱۹۷۵ء

قاضی تلمذ حسین — صاحب المثنوی — معارف پریس اعظم گڑھ — ۱۳۸۶ھ / ۱۹۶۷ء

مولانا حسین احمد دیوبندی — سلاسل طیبہ — دیوبند — ۱۳۶۹ھ

نجم الدین اصلاحی — مکتوبات شیخ الاسلام حسین احمد دیوبندی مطبع معارف اعظم گڑھ — ۱۹۵۲ء

علامہ حمید الدین فراہی — تفسیر نظام القرآن ترجمہ امین احسن اصلاحی — دائرہ حمیدیہ سرائے میر اعظم گڑھ — ۱۴۱۱ھ / ۱۹۹۰ء

پروفیسر خلیق احمد نظامی — تاریخ مشائخ چشت — ادارہ ادبیات دہلی — ۱۹۸۰ء

مولانا شبلی نعمانی — سیرۃ النعمان — دیوبند

الغزالی — اعظم گڑھ (یو۔پی) — ۱۹۵۶ء

مولانا شمس الدین احمد جعفری رضوی — قانونِ شریعت — اسرار کریمی پریس الہ آباد

مولانا عبدالحی فرنگی محلی لکھنوی — دافع الوسواس فی اثر ابن عباس — مطبع یوسفی فرنگی محل لکھنو — بار دوم

مولانا عبدالسلام ندوی — حکمائے اسلام — مطبع معارف اعظم گڈھ — ۱۹۵۳ء

عبدالغفور داناپوری — البرۃ فی اتصال الخرقۃ مع فخر الحسن — مطبع الپنچ بانکی پور — ۱۳۲۱ھ / ۱۹۰۳ء

علی حسن اردو ترجمہ فخر الحسن — مطبع الپنچ بانکی پور — ۱۳۲۱ھ / ۱۹۰۳ء

مولانا عبدالماجد دریابادی — تصوف اسلام — مطبع معارف اعظم گڑھ — طبع ثانی

ڈاکٹر عبید اللہ فراہی — تصوف ایک تجزیاتی مطالعہ — ادارہ تحقیق و تصنیف علی گڑھ — بار اول — ۱۹۸۷ء

محمد اسحاق میرٹھی — شجرہ عالیہ نقشبندیہ — دہلی — ۱۳۶۰ھ

علامہ محمد اقبال — تاریخ تصوف مرتبہ صابر کلوروی — مکتبۃ الحسنات دہلی — ۱۹۸۹ء

شیخ محمد اکرام — رود کوثر، فیروز سنز لاہور پشاور کراچی — اشاعت سوم — ۱۹۵۸ء

مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی — قصص القرآن — طبع اول — ۱۳۶۳ھ / ۱۹۴۴ء

مولانا محمد زکریا — تاریخ مشائخ چشت (علامت ز) — کراچی — ۱۳۹۷ھ

مولانا محمد سعید خاں — شجرہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ — منگراؤں اعظم گڑھ (یو۔پی) — ۱۳۹۲ھ / ۱۹۷۲ء

مولانا شاہ محمد مبارک — کنوز اسرار القدیم — مطبع احمدی کانپور — ۱۳۱۱ھ

معین الدین دردائی — تاریخ سلسلۂ فردوسیہ — بہار شریف پٹنہ — ۱۹۶۲ء

مولوی مہدی حسین ناصری — صنادید عجم — الہ آباد — ۱۹۵۷ء

پروفیسر یوسف سلیم چشتی — اسلامی تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش — لاہور — ۱۳۹۶ھ / ۱۹۷۶ء

محمد یوسف کوکن — امام ابن تیمیہ — مدراس — ۱۳۷۹ھ / ۱۹۵۹ء

مولانا مناظر احسن گیلانی — سوانح قاسمی — دارالعلوم دیوبند — ۱۳۷۵ھ

رسائل وجرائد

ماہنامہ برہان — دہلی — فروری ۱۹۵۲ء

سہ ماہی تحقیقات اسلامی	علی گڑھ	مختلف شمارے
رسالہ امداد	تھانہ بھون	شوال ۱۳۳۵ھ
ماہنامہ معارف	اعظم گڑھ	اپریل ۱۹۱۷ء

انگریزی

Basham, A.L. *The Wonder that was India*. Rupa; Co., Calcutta 1991.

Brown, E.G. *A Literary History of Persia*, London, 1929.

Draper, J.W. *A History of the Intellectual Development of Europe*, London: 1891.

Faqir Nur Mohammad. *Irfan*. Dera Ismael Khan Pakistan 1958.

Flavius Josephus. *Antiquities of Jews* (Translated by William Whiston), London.

Friedlander, M. *The Jewish Religion*, London: 1937.

Fuller, B.A.G. *A History of Philosophy*. Delhi: 1969.

Gibbon, Edward. *The Decline and Fall of the Roman Empire*, New York.

Goldziher Ignaz. *Muslim Studies*. Edited by S.M. Stern. Translated from the German by C.R. Barber and S.M. Stern, London: 1971.

Iqbal Shah. *Islamic Sufism*. Delhi. Reprint 1979.

Khawaja Khan. *Studies in Tassawuf*, Madras 1923.

Lecky, W.E.H. *History of European Morals* London: 1930.

Mir Valiuddin. *The Quranic Sufism*. Delhi: 1959.

Nicholson, R.A. *Studies in Islamic Mysticism*. Delhi: 1976.

Trimmingham J. Spencer. *The Sufi orders in Islam*. Oxford University Press 1973.

History of Christianity (A collective work) London: 1929.

H.A.R. Gibb and J.H. Kramers. *Shorter Encyclopaedia of Islam*. Leiden: 1953.

Encyclopaedia Biblica A Dictionary of Bible. Edited by T.K. Cheyne and J. Sutherland Black. London: 1914.

Encyclopaedia Britanica, 14th Edition, London: 1929.

Encyclopaedia of Islam, Leiden, London: 1960, 1978.

Encyclopaedia of Religion and Ethics. Vols. II, VI, VII, XII, London– New York, 1913, 1914, 1930, 1934.

The Jewish Encyclopaedia. New York-London: 1916.

اشاریہ

ب

ت

ٹ

ث

ج

ح

خ

ش

ڈاکٹر غلام قادر لون (پ: ۱۹۵۵ء) ایک معروف اسکالر ہیں، ان کی تحریروں سے قرآن وحدیث سے ان کی گہری وابستگی اور تحقیق وتفحص سے فطری مناسبت کا پتا چلتا ہے۔ وہ بہ یک وقت عربی، فارسی، اردو، انگریزی، ہندی اور کشمیری کے علمی ذخیرے سے بہ راہ راست استفادہ کرنے اور ان میں بے تکلف لکھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

ڈاکٹر غلام قادر لون اپنے آبائی گاؤں حدی پورہ، رفیع آباد، بارہ مولہ کشمیر میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم گھر پر اپنے والد محترم جناب عبدالرحمان لون کی سرپرستی وسیادت میں حاصل کی۔ گورنمنٹ مڈل اسکول حدی پورہ سے مڈل اسکول پاس کرنے کے بعد گورنمنٹ ہائی اسکول ڈنگی وچہ سے میٹرک کیا، پھر گورنمنٹ ڈگری کالج سوپور سے پی۔یو۔سی اور گریجویشن کیا، اس کے بعد لکھنؤ یونی ورسٹی، لکھنؤ سے امتیازی نمبروں کے ساتھ عربی میں ایم۔اے کیا اور وہیں سے تصوف کے موضوع پر پی ایچ۔ڈی کی ڈگری حاصل کی۔

ڈاکٹر غلام قادر لون کی دل چسپی کے خاص موضوعات قرآن، حدیث، تصوف، تاریخ، فلسفہ اور علم کلام ہیں۔ ان موضوعات پر ان کے تحقیقی و وقیع مقالے آئے دن ملک کے موقر جرائد کے توسّل سے مطالعے میں آتے رہتے ہیں۔

''مطالعۂ تصوف (قرآن وسنت کی روشنی میں)'' ڈاکٹر غلام قادر لون کا وہ علمی وتحقیقی کارنامہ ہے جو سیکڑوں مستند کتابوں کے طویل وطالب علمانہ مطالعے اور محققانہ سعی وکوشش کے نتیجے میں منظر عام پر آسکا ہے۔ اس میں مصنف نے بڑی تفصیل کے ساتھ تصوف کے مثبت ومنفی دونوں پہلوؤں کا جائزہ لیا ہے اور امت کے سامنے اس کی صحیح وبے غبار تصویر پیش کی ہے۔ اس کتاب کی ایک اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ مصنف نے جو بات بھی لکھی ہے اصل مآخذ سے بہ راہ راست رجوع کرکے لکھی ہے۔ حوالہ در حوالہ سے کام نہیں چلایا ہے۔

ISBN 93-93192-95-2
9789393192950
₹ 500.00

MARKAZI MAKTABA ISLAMI PUBLISHERS
NEW DELHI
مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز
PN-3